جنوری ۱۹۹۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان میں اسلامی انقلاب

کیا؟ — کیوں؟ — اور کیسے؟

ڈاکٹر اسرار احمد

فضیلتِ صیام و قیامِ رمضان

بزبان صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

وَمَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیتے گئے۔ اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!"

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد

شمارہ :

رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

جنوری ۱۹۹۹ء

فی شمارہ -/۱۰

سالانہ زرتعاون -/۱۰۰

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)

○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان 17 ڈالر (600 روپے)

○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03۔02۔5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ہماری زندگی کے دوران ماہِ رمضان المبارک کا ایک بار پھر جلوہ افروز ہونا یقیناً اللہ تعالیٰ کا ہم پر ایک عظیم احسان ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہِ مبارک کے دوران دن کے روزے اور رات کے قیام بالقرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کے مستحق بنتے ہیں' جبکہ ایسے لوگوں کی بدبختی پر افسوس ہے جن کی زندگی میں یہ ماہِ مبارک آتا بھی ہے تو ان کے شب و روز میں کوئی تغیر نہیں آتا اور انہیں اس نعمتِ عظمیٰ کے زیاں کا احساس تک نہیں ہوتا جو رمضان المبارک کی صورت میں ان کی زندگی کے لمحات میں داخل ہوئی اور اپنا کوئی اثر چھوڑے بغیر چلی گئی۔ رسولِ رحمت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے : ((فَاِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فِیْهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ)) "یقیناً وہ شخص انتہائی بدبخت ہے جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا"۔

اس ماہِ مبارک کے بارے میں ایک انتہائی اہم بات' جو اکثر ہمارے پیش نظر نہیں رہتی' یہ ہے کہ رمضان المبارک مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں ایک ریفریشر کورس کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے دوران حاصل ہونے والے فیوض و برکات کے اثرات ہماری زندگیوں پر مستقل اور دائمی ہونے چاہئیں۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس ماہِ مبارک میں شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں (صُفِدَتِ الشَّیَاطِیْنُ)۔ قید کی مدّت ختم ہوتے ہی جونہی ان کو رہائی ملتی ہے تو ان کا اولین ہدف مسلمانوں کی اُس دولتِ ایمانی پر ڈاکہ زنی ہوتا ہے جو انہوں نے اس ماہِ مبارک کے دوران جمع کی ہوتی ہے۔ اپنے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے شیاطین مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔ آج کے دَور میں شیاطین کے پاس انتہائی مؤثر حربہ ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹی وی کا ہے۔ چنانچہ رمضان کے ختم ہوتے ہی شیاطین اور ان کی معنوی ذریت اس محاذ پر صف آراء ہو کر مسلمانوں کے دین و ایمان پر بھرپور طریقے سے حملہ آور ہوتی ہے۔ عید کے حوالے سے ٹیلی ویژن پر خصوصی رنگارنگ پروگرام اسی حملے کا مظہر ہوتے ہیں' تاکہ رمضان کے دوران مسلمانوں کے سیرت و کردار پر جو بھی مثبت اثرات مترتب ہوئے ہوں انہیں یکسر

محو کر دیا جائے اور لوگوں نے صیام و قیامِ رمضان کے ذریعے اپنے ایمان کی پونجی میں جو اضافہ کیا ہے اس سے انہیں محروم کر دیا جائے ــــ لہٰذا مسلمانوں کو اِس محاذ پر انتہائی ہوشیار اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے اور "عید سپیشل" کے نام پر ایسے حیاسوز اور مخربِ اخلاق ٹی وی پروگرام دیکھنے سے مکمل اجتناب ضروری ہے : ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا..﴾

ہم شریعت بل کی داعی نواز شریف حکومت سے بھی بھرپور مطالبہ کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے دوران مسلمانانِ پاکستان کو ٹی وی پر خانہ کعبہ سے نمازِ تراویح دکھانے کے بعد عید کے موقع پر اسی ٹی وی کے ذریعے ان کی دولت ایمانی پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہ دی جائے۔ (حافظ خالد محمود خضر)

پاکستان میں اسلامی انقلاب

کیا؟ ــــ کیوں؟ ــــ اور کیسے؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

خطبہ مسنونہ' تلاوتِ آیاتِ قرآنی' احادیث نبویؐ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد :

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے' ہماری آج کی گفتگو تین حصوں پر مشتمل ہو گی' یعنی اسلامی انقلاب کا مفہوم کیا ہے؟ پاکستان میں اسلامی انقلاب آنا کیوں ضروری ہے؟ اور یہ انقلاب کیسے آ سکتا ہے؟ ـــــ ان تین سوالات میں سے ہر ایک کے ضمن میں مجھے دو دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ گویا آج ہماری گفتگو کُل چھ باتوں پر مشتمل ہو گی۔

(ا) "اسلامی انقلاب" ــــ کیا؟

(i) اسلامی انقلاب کا مفہوم اور اس کے مترادفات

"اسلامی انقلاب" کی اصطلاح ایک جدید اصطلاح ہے' جو قرآن و حدیث میں کہیں استعمال نہیں ہوئی۔ اس اعتبار سے اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاحات کو چھوڑ کر یہ اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے۔ میں اصولاً اسی بات کا شدّت سے قائل ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو ہمیں قرآن و حدیث ہی کی اصطلاحات استعمال کرنی چاہئیں اور ان کے ہوتے ہوئے جدید اصطلاحات سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہر نئی اصطلاح میں کوئی نہ کوئی نیا مفہوم لازمی طور پر شامل ہوتا ہے اور لاکھ کوشش کے باوجود اس اصطلاح کے استعمال سے غیر شعوری طور پر اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ اس کے اندر مضمر غلط مفہوم بھی ذہنوں میں بیٹھ جائے۔

اس کے باوجود مَیں "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ بسا

اوقات "Generation Gap" کی وجہ سے ایک نسل کی بات اگلی نسل سمجھنے سے عاری ہوتی ہے۔ نوجوان نسل اپنی اصطلاحات میں بات کرتی اور سمجھتی ہے' جبکہ وہ قدیم اصطلاحات سے ناواقف ہوتی ہے۔ چنانچہ اصطلاحات کے فرق کی وجہ سے ابلاغ نہیں ہو پاتا اور بات ذہنوں تک نہیں پہنچتی۔ ہمارے ہاں جو "Generation Gap" موجود ہے یہ ایک دو نسلوں کا معاملہ نہیں ہے' بلکہ بیسیوں نسلوں پر محیط ہے۔ ہماری کم از کم آٹھ نسلیں تو انگریز کی غلامی میں گزری ہیں' چنانچہ ہم نے انگریزی تہذیب و تمدن کو اپناتے ہوئے انگریزی اصطلاحات میں سوچنے کی عادت ڈال لی ہے۔ اسی کا مظہر ہے کہ آج ہماری عظیم اکثریت قمری مہینوں کی تاریخوں تک سے واقف نہیں ہوتی اور انہیں صرف عید بقر عید کے دنوں یا ماہ رمضان کے دوران قمری تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا سال کا تصور اسلامی نہیں' بلکہ انگریزی سال کا ہے جو ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ اب یہ فرق جو بالفعل واقع ہو چکا ہے اس کے باعث بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خالص دینی اصطلاح استعمال کی جائے اور صرف قرآن و سُنّت کے حوالے سے بات کی جائے تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور بات کرنے کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ لوگوں کے ذہنوں تک بات پہنچانے کی غرض سے بعض جدید اصطلاحات کا استعمال ایک ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے۔

آج کی دنیا میں جس چیز کو "انقلاب" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے ساتھ ہم نے "اسلامی" کا سابقہ لگا کر "اسلامی انقلاب" کی مرکب اصطلاح بنالی ہے اس کے لئے قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں پانچ اصطلاحات وارد ہوئی ہیں۔ ہم اپنے دروس اور تنظیمی اجتماعات میں یہی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں' لیکن پبلک مقامات پر عوام کو سمجھانے کے لئے "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث میں وارد شدہ پانچ اصطلاحات مندرجہ ذیل ہیں :

ا۔ <u>تکبیر رب</u> : سورۃ المدّثر کے آغاز میں فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ ﴾ (آیات ۱۔۳)

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اُٹھو اور خبردار کرو' اور اپنے رب کی بڑائی کا

اعلان کرو!"

یہ آیات بالکل ابتداء میں نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی میں سے ہیں۔ گویا "تکبیرِ رب" کا حکم اُن ابتدائی احکام میں سے ہے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو دیے گئے۔

معمولی سا دینی مزاج رکھنے والے مسلمان کو بھی معلوم ہو گا کہ "تکبیرِ رب" کے معنی کیا ہیں۔ "تکبیر" کا لفظی معنی "بڑا کرنا" ہے۔ جیسے "تصغیر" کا معنی "چھوٹا کرنا" اور "تسہیل" کا معنی "آسان کرنا" ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ رب کو بڑا کرنے کا مفہوم کیا ہوا جبکہ رب تو بذاتِ خود بڑا ہے؟ اس حکم کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ رَبّ بذاتہٖ سب سے بڑا ہے لیکن دنیا میں اس کی بڑائی مانی نہیں جا رہی' اس کا قانون نافذ نہیں کیا جا رہا' بلکہ یہاں انسانوں کے خود ساختہ قوانین نافذ ہیں۔ اس طرح بالفعل بڑے تو وہ بنے ہوئے ہیں جنہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو حکم چاہیں نافذ کر دیں اور جس قرآنی حکم پر چاہیں عملدر آمد روک دیں۔ مثال کے طور پر ضیاء الحق صاحب نے ایک آرڈی نینس جاری کیا تھا کہ عورتوں کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ایک غیر شادی شدہ عورت زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو اسے کوڑے کیوں نہیں لگائے جائیں گے' جبکہ نصِّ قرآنی موجود ہے کہ ﴿ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (النور : ۲) یعنی "زنا کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو"۔ اب ضیاء الحق صاحب نے اپنے اس آرڈی نینس کے ذریعے گویا ایک آیتِ قرآنی کی تنسیخ کر دی۔ اس کا یہی معنی ہوا کہ اللہ کا حکم نیچے اور ضیاء الحق کا اختیار بالاتر ہو گیا۔ اگر کہیں بادشاہت قائم ہے تو بادشاہ کا حکم اوپر ہے' اللہ کا نہیں۔ اسی طرح جمہوریت میں حاکمیت جمہور کی ہے' حکم کا اختیار ان کا ہے۔ لہٰذا ہمارے ہاں یہ بات صرف اقرار کی حد تک صحیح ہے کہ "اللہ سب سے بڑا ہے"۔ اللہ آسمانوں میں تو بڑا ہے' زمین میں ہم نے اس کو بڑا نہیں مانا بلکہ اپنے بنائے ہوئے نظام نافذ کر کے ہم خود بڑے بن بیٹھے ہیں اور اپنے طرزِ عمل سے اسے چھوٹا بنا رہے ہیں۔ "تکبیرِ رب" کا مفہوم یہ ہو گا کہ دنیا میں ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں واقعتاً اللہ بڑا ہو۔ یعنی اس کی بڑائی بالفعل مانی جا رہی ہو' اس کی حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کیا جا رہا ہو' اس کے حکم سے اوپر کسی کا حکم نہ ہو اور

اس کی بات سے بالاتر کسی کی بات نہ ہو۔ اس کے لئے ظاہر ہے کہ پہلے سے موجود نظام کو بدلنا ہو گا۔ نظام کی اسی تبدیلی کا نام "انقلاب" ہے۔ گویا "اسلامی انقلاب" کا مفہوم بھی وہی ہے جو "تکبیرِ رب" کا ہے۔

ب۔ اقامتِ دین : اس حقیقت سے ہر مسلمان آگاہ ہے کہ ہمارا دین صرف نماز روزے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ پوری زندگی سے متعلق احکام اور ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس میں حلال و حرام کی وضاحت بھی ہے' اوامر و نواہی ہیں' فوجداری اور دیوانی قوانین بھی ہیں' غرضیکہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس سے متعلق حکم موجود نہ ہو۔ بلکہ اسی بنیاد پر مدینہ منورہ میں یہودیوں نے مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا تھا کہ تمہارے نبیؐ تمہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے یہ بات حضورؐ سے عرض کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم انہیں جواب دو کہ ہاں' ہمارے نبیؐ نے تو ہمیں استنجا کرنا بھی سکھایا ہے۔ اس لئے کہ طہارت بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہمارا دین پوری زندگی کا دین ہے' یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس دین کے بارے میں سورۃ الشوریٰ میں بایں الفاظ حکم دیا گیا: ﴿...اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ "کہ دین کو قائم کرو۔" چنانچہ دین کو قائم کرنے کا مطلب پورے نظامِ دین کو قائم کرنا ہو گا' نہ کہ صرف نماز قائم کرنا' روزہ رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ یہ تو ارکانِ دین ہیں جو دین کو قائم کرنے کے ذرائع ہیں۔ نماز قائم کرنا دین کو قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے' روزہ رکھنے سے ہمیں دین کو قائم کرنے کے لئے تقویٰ کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی محبت دل سے نکالنے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن "اقامتِ دین" کا مفہوم پورے کے پورے نظامِ دین کو قائم کرنا ہے اور یہی مفہوم "اسلامی انقلاب" کا ہے۔

"اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" کا ترجمہ ہم نے "دین کو قائم کرو" کیا ہے۔ بعض مترجم حضرات نے اس کا ترجمہ "دین کو قائم رکھو" بھی کیا ہے۔ یہ محض لفظی فرق ہے' مفہوم کے اعتبار سے دونوں تراجم میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں کسی جگہ ایک خیمہ لگانا ہے تو کہیں گے "خیمے کو کھڑا کرو" اور خیمہ اگر قائم ہے اور تیز آندھی چل رہی ہے تو

اب کہا جائے گا کہ "خیمے کو کھڑا رکھو" یعنی کوشش کرو کہ یہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ چنانچہ اس کا تقاضا ہو گا کہ خیمے کی رسیوں کو مضبوطی سے تھاما جائے' اس کے جو کھونٹے گڑے ہوئے ہیں ان کو مضبوط کیا جائے اور اس کے بانسوں کو گرنے نہ دیا جائے۔ یہی مفہوم "اقامتِ دین" کا ہے کہ اسلام اگر قائم نہیں ہے تو اسے قائم کیا جائے اور اگر قائم ہے تو اسے قائم رکھا جائے۔ جیسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے عرب میں دین قائم کر دیا اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین ؓ نے اسے قائم رکھا۔ بعد کے ادوار میں دین کی عمارت درجہ بدرجہ منہدم ہونے لگی' یہاں تک کہ یہ بالکل زمین بوس ہو گئی۔ اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ دین کی اس عمارت کو از سرِنو قائم کریں۔ یہی "اقامتِ دین" کا مفہوم ہے اور یہی "اسلامی انقلاب" کا۔

ج۔ <u>غلبۂ دین (اظہارُ دینِ الحقِ علی الدِّینِ کُلِّہٖ)</u> : یہ اصطلاح قرآن حکیم میں تین مقامات پر آئی ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳' سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف کی آیت ۹ میں بعینہٖ ایک جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ... ﴾

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (یعنی قرآن حکیم) اور دین حق دے کر تاکہ اسے غالب کر دے کل کے کل دین پر۔"

ہمارا دین' دین حق ہے جو مغلوب ہونے کے لئے نہیں غالب رہنے کے لئے آیا ہے۔ اَلْحَقُّ یعلُو وَ لا یُعلٰی علیہ' حق کا یہ حق ہے کہ وہ غالب ہو' نہ یہ کہ مغلوب رہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا مقصدِ بعثت ہی غلبۂ دین قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین کو غالب کر دیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں غلبہ دین کا یہ عمل توسیع پذیر رہا' لیکن بعد کے ادوار میں یہ عمل رجعت قہقری کا شکار ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کا یہ تقاضا ہے کہ اُمّتِ مسلمہ دنیا میں کُل کے کُل دین کو غالب کرنے کی جِدّ و جُہد کرے۔ دین اگر مغلوب اور پامال ہے تو اس کو غالب کرنے کی جدوجہد ہمارا دینی فریضہ ہے۔ یہی مفہوم "اسلامی انقلاب" کی

اصطلاح کا ہے۔

د۔ دین کُل کا کُل اللہ کا ہو جائے (يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ) : یہ اصطلاح قرآن حکیم میں سورۃ الانفال میں وارد ہوئی ہے۔ فرمایا :

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ﴾

(الانفال : ۳۹)

"اور ان (کافروں) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔"

یہ آیتِ مبارکہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکّی زندگی کے بارہ برس کے دوران اور اس کے بعد مدینہ میں بھی دو سال تک مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر جب حکم آ گیا کہ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ یعنی "تم پر (اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے) جنگ فرض کر دی گئی ہے" تو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ مسلمانو! اب تمہاری تلواریں اُس وقت تک میان میں واپس نہ جائیں جب تک کہ فتنہ و فساد بالکل ختم نہ ہو جائے اور دین کُل کا کُل اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔ یہ نہیں کہ مسجد میں تو اللہ کا دین ہو اور پارلیمنٹ میں اللہ کا دین نہ ہو۔ مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے پارلیمنٹ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی تھی تو وہاں پر ان کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ ہماری پارلیمنٹ میں دین کی باتوں کا مذاق اس لئے اڑایا جاتا ہے کہ وہاں اللہ کو بڑا نہیں مانا جاتا۔ میں یہ بات بار بار عرض کروں گا کہ ہمارا دین زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ چنانچہ دین کا ایک حصہ بھی علیحدہ کر دیا جائے گا تو باقی جُزوِ دین رہ جائے گا، کُل دین نہیں رہے گا۔

ہ۔ اللہ کے کلمہ کی سربلندی (لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا) : یہ اصطلاح حدیثِ نبویؐ میں آئی ہے۔ جب جہاد و قتال کا مرحلہ شروع ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی بہادری کے اظہار کے لئے شریکِ جنگ ہوتا ہے، کوئی شخص مالِ غنیمت کے حصول کے لئے لڑتا ہے اور کوئی شخص کسی قبائلی عصبیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے (یعنی جس قبیلے کے خلاف مسلمان لشکر کشی کر رہے ہیں اُس قبیلے کے ساتھ کسی مسلمان کا ذاتی جھگڑا بھی ہے اور اب وہ شخص ذاتی انتقام کے جذبے سے اس لشکر میں شریک ہوا

ہے) تو ان میں مجاہد فی سبیل اللہ کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا :

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

"(ان میں سے کوئی بھی مجاہد فی سبیل اللہ نہیں ہے) مجاہد فی سبیل اللہ صرف وہ ہے جو محض اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو جائے۔"

قرآن و حدیث کی ان پانچ اصطلاحات کا مفہوم آج کے نوجوانوں کو سمجھانے کے لئے "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح استعمال کرنا پڑتی ہے۔

(ii) اسلامی انقلاب سے مراد کیا ہے؟

اسلامی انقلاب کے حوالے سے لوگ بڑے مغالطوں کا شکار ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کچھ اسلامی سزائیں نافذ ہو جائیں مثلاً چوروں کے ہاتھ کٹنے لگیں اور بدکاروں کو کوڑے لگنے لگیں تو بس اسلامی انقلاب آگیا۔ ہمارے ہاں حکومتی سطح پر بھی اس حوالے سے بڑے دھوکے دیئے گئے ہیں کہ بینکوں میں رکھی گئی رقوم سے زکوۃ کی کٹوتی کرکے اور سود کو "مارک اپ" کا نام دے کر اسلامی نظام نافذ کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ واضح طور پر جان لیجئے کہ اسلامی انقلاب کا مطلب اُس نظامِ عدل کو قائم کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجا۔

یہ عدل سیاسی میدان میں بھی ہوگا' یعنی زمین پر کوئی حاکم نہیں' کوئی محکوم نہیں' سب اللہ کے بندے ہیں اور آپس میں سب بھائی بھائی ہیں۔ ان کے حقوق کے اوپر کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایران کے گورنر تھے اور وہ گورنری بھی ریوڑیوں کی طرح بٹی ہوئی نہیں تھی' بلکہ وہ گورنر اس لئے تھے کہ خود فاتح ایران تھے۔ انہوں نے صرف یہ کیا تھا کہ اپنے مکان کے باہر ایک ڈیوڑھی بنا کر وہاں ایک دربان کھڑا کر دیا تھا' لیکن اس پر دار الخلافہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ڈانٹ کا خط آگیا تھا کہ "اے سعد' لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا' تم نے انہیں کب سے غلام بنا لیا ہے؟" یہ آزادی تھی جو محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو مقدمہ چلائے بغیر قید کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کا یہ فعل بلا سبب نہ تھا' حضورؐ نے

اسے کسی مصلحت کے تحت قید کیا ہو گا۔ لیکن حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اس شخص کا پڑوسی آگیا اور خطبے کے دوران سوال کیا کہ میرے پڑوسی کو کس جرم میں قید کیا گیا ہے؟ حضورؐ نے اعراض فرمایا' جواب نہیں دیا اور دوسری طرف رُخ کر لیا۔ وہ دوسری طرف آکھڑا ہوا اور پوچھا کہ میرے پڑوسی کو کس جرم میں قید کیا گیا ہے؟۔ حضور ﷺ نے فوراً حکم دیا کہ اس کو رہا کر دو۔ یہ حقوق تھے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دیئے تھے۔ لیکن اگر نظام ایسا قائم ہے کہ لوگوں کے حقوق پر کچھ لوگوں نے ڈاکے ڈالے ہوئے ہیں' کچھ لوگ ان کی تقدیر کے مالک بنے ہوئے ہیں تو جب تک اس نظام کو ختم نہیں کیا جائے گا اسلام نہیں آسکتا۔ اسلام صرف نماز روزہ کا نام نہیں ہے۔

سیاسی عدل کی طرح اسلام معاشی عدل کا بھی ضامن ہے۔ ہمارے ہاں جو جاگیرداری نظام قائم ہے یہ انگریز سے وفاداری کے نتیجے میں قائم ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے انگریز کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کیا تو انہیں جاگیریں ملیں۔ اب ان جاگیرداروں کے بیٹے منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور ان کی اعلیٰ ترین سطح کی تعلیم یورپ یا امریکہ میں ہوتی ہے' وہ یہاں نہیں پڑھتے۔ یہ ایک مخصوص طبقہ کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور عام لوگوں پر مسلّط ہیں۔ سیاست میں وہی ہیں' CSP وہی ہیں' صنعت کار بھی وہی ہیں۔ لہٰذا جب تک اس ملک سے جاگیرداری کا جنازہ نہیں نکلے گا یہاں حقیقی اسلام کے قیام کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کی معاشی ناہمواریوں کے ہوتے ہوئے عدل کہاں سے آئے گا' انصاف کہاں سے آئے گا؟ کہنے کو تو سب کے لئے مواقع برابر ہیں' لیکن عملاً صورتحال یہ ہے کہ ایک کے بچے کو عام پرائمری سکول میں داخلہ نہیں ملتا اور ایک کا بچہ چاہے تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوا ہو وہ اسے امریکہ بھیج رہا ہوتا ہے۔ تو یہ پیسہ کہاں سے آگیا ہے؟ کیا یہ حلال کا پیسہ ہے؟ یہ جو بڑی بڑی بلڈنگیں بن رہی ہیں' بیس بیس کنال کی کوٹھیاں تعمیر ہوتی ہیں' کیا یہ حلال کے پیسے سے بنتی ہیں؟ ان کو تحفظ دینے والا نظام اسلامی نظام نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ قطعاً نہیں کہتے کہ آپ کمیونزم والا معاشی نظام لائیں۔ اسلام نے بھی آپ کو اس معاشی ناہمواری کا حل بتایا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت حرام ہے۔ جس شخص کی زمین ہے وہ اسے خود کاشت کرے' یا پھر اپنے بھائی کو

دے دے کہ وہ کاشت کرلے' لیکن خود اس کی محنت میں سے کچھ حصہ وصول نہ کرے' یہ حرام ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے جو احادیث نبویہؐ پر مبنی ہے۔ لیکن فقہ حنفی میں فتویٰ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر نہیں ہے' بلکہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی رحمہما اللہ کی رائے پر ہے' جو امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ ان دونوں حضرات نے مزارعت کو دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ پھر فقہ حنفی کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ جس ملک کو مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہو اس کی زمینیں ذاتی ملکیت رہتی ہی نہیں بلکہ وہ سب اُمت کی اجتماعی ملکیت قرار پاتی ہیں۔ وہاں کوئی زمیندار نہیں ہوتا' سب کے سب کاشتکار ہوتے ہیں۔ وہ موروثی کاشتکار ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی کی رُو سے پاکستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں' خراجی ہیں' لہٰذا خراج براہ راست بیت المال میں جانا چاہئے۔ یہ بیچ میں زمیندار کہاں سے ٹپک پڑا؟ یہ اس دور کے مسائل ہیں جن کا حل اسلام پیش کرتا ہے۔ آپ صرف نماز روزے کی تلقین کریں گے تو زمانہ آپ کو بہت پیچھے چھوڑ جائے گا۔ لوگ تو ان مسائل کا حل چاہتے ہیں جو انہیں درپیش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص نے ڈگڈگی بجائی کہ "روٹی' کپڑا' مکان" اور آپ کو یاد ہے کہ کیا ہوا تھا؟ وہی جو اقبال نے ابلیس کے الفاظ نقل کئے ہیں ؎

کیا امامانِ سیاست' کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو!

لہٰذا جان لیجئے کہ اسلام لوگوں کو جو حقوق دیتا ہے آپ اگر وہ حقوق نہیں دیں گے تو لوگ اسے بھی مسترد کر کے کسی دوسرے نظام کی طرف رجوع کریں گے۔ لہٰذا اسلامی نظام کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسلام کا جو معاشی نظام ہے اس کو نافذ کرو۔

اسی طرح تیسری چیز سماجی مساوات ہے۔ اسلام میں کوئی اونچا نہیں' کوئی نیچا نہیں' کوئی اعلیٰ نہیں' کوئی گھٹیا نہیں۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر اونچ نیچ کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ ہمارے ہاں سید کی برتری کا تصور ہندوستان میں برہمنوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو دوٹوک الفاظ میں فرما دیا تھا :

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ

عَلٰی اَسْوَدَ، وَلاَ لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلاَّ بِالتَّقْوٰی، کُلُّکُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ))

"کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو "سیدنا بلال" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہ وہ نظام ہے جو آج کے دَور کی ضرورت ہے۔ آپ کے ہاں کوئی غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے تو وہ "مصلّی" ہی رہتا ہے، چوہدری کے برابر چارپائی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ کہاں کا نظام ہے؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود!
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!!

سید زادہ (اور پتہ نہیں وہ سیّد ہے بھی یا نہیں، خود ساختہ سید بھی بہت ہوتے ہیں) خواہ زانی ہو یا شرابی، اس کے گھٹنے کو ہاتھ لگایا جائے گا اور کوئی شخص بڑے سے بڑا متقی ہو اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ سماجی سطح پر تمام انسان برابر ہیں۔ یہ سب ایک نسل انسانی سے ہیں، لہٰذا کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں۔ ہمارے ہاں سماجی عدم مساوات کا نقشہ دیکھنا ہو تو اپنے دیہات میں دیکھئے۔ ملتان سے آگے چلیں تو دریائے سندھ کے دونوں طرف جتنی زرخیز زمینیں ہیں وہ ساری اکثر و بیشتر ان لوگوں کی ملکیت ہیں جو پیر بنے ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی سید ہے، کوئی جیلانی ہے، کوئی فلانی ہے اور عوام ان کی "رعیت" ہیں۔ یہ نظام قائم رکھ کر آپ سمجھتے ہیں کہ اسلام آجائے گا؟ ایں خیال است و محال است و جنوں!!

یہ جان لیجئے کہ جب میں "اسلامی انقلاب" کا نام لیتا ہوں تو اس سے مراد اسلام کا عادلانہ نظام ہوتا ہے۔ یعنی اسلام کی سماجی مساوات، اسلام کا معاشی عدل اور اسلام کے عطا کردہ سیاسی حقوق، ان سب کو قائم کرنا اسلامی انقلاب ہوگا ـــــ سورۃ الشوریٰ میں ﴿اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ والی آیت کے بعد اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ اے نبی ان سے کہہ دیجئے

(باقی صفحہ ۳۷ پر)

اندرونِ عرب انقلاب کے تکمیلی مراحل پر نگاہِ بازگشت ——— اور مخالف قوتوں کا آخری قلع قمع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

انقلابِ اسلامی کے اہم ترین موڑ

انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی جدوجہد کے دوران یکے بعد دیگرے جو حالات وواقعات پیش آئے ان میں سے بعض کو اہم ترین موڑ (Turning point) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "النبی الخاتم" میں سفر طائف کو Turning point قرار دیا ہے ——— حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اسلامی تقویم کا "واقعہ ہجرت" سے آغاز فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنجناب ﷺ کے نزدیک "ہجرت" کو بھی سیرت میں ایک اہم موڑ کی حیثیت حاصل تھی' کیونکہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایک Base عطا فرمائی تھی' جو تمکن فی الارض کے لئے ایک بنیاد بنی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے سورۃ الحج کی اس آیت مبارکہ میں کہ : ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ جس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ یہ آیت اور اس سے ماقبل والی آیت دورانِ سفرِ ہجرت نازل ہوئیں۔ پھر غزوۂ احزاب کے وقت عرب میں ایک طرف

نبی ﷺ اور صحابہ کرام ؓ تھے اور دوسری طرف تمام مشرکینِ عرب بالخصوص قریش مکہ اور یہود تھے۔ حق و باطل کے مابین جو طویل کشاکش جاری تھی اس میں غزوۂ احزاب کو اس اعتبار سے Turning Point کی حیثیت حاصل ہے کہ اس غزوہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ ((لَنْ تَغْزُوْكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ)) —— چنانچہ اس کے نتیجہ میں حضور ﷺ نے اگلے سال عمرہ کی نیت سے وہ سفر کیا جو صلح حدیبیہ پر منتج ہوا' جو درحقیقت فتح مکہ کی تمہید بنی۔ اِس صلح اور فتح مکہ کے مابین نبی اکرم ﷺ کو قریباً دو سال کا جو پُرامن عرصہ ملا تو حضورؐ نے اس دوران اپنی دعوتی سرگرمیوں کو اندرونِ عرب تیز تر کر دیا اور آپؐ نے اسی مرحلہ پر اپنی حیاتِ طیبہ میں پہلی مرتبہ بیرونِ ملک عرب بھی دعوتی سرگرمی کا آغاز فرمایا۔ چنانچہ حضورؐ نے متعدد سلاطین اور رؤساء کو نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔

صلح حدیبیہ کے ٹوٹنے کے اسباب

صلح حدیبیہ کی شرائط میں دوسرے عرب قبائل کا یہ اختیار تسلیم کیا گیا تھا کہ ان میں سے جو چاہے قریش کے ساتھ حلیف ہونے کا رشتہ قائم کر لے اور جو چاہے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ —— اور جو چاہے بالکل غیر جانب دار رہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر بنو خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کے اور بنو بکر نے قریش کے حلیف ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ دونوں قبیلے مکہ کے باہر آباد تھے اور ان میں کافی عرصہ سے باہمی عداوت چلی آ رہی تھی۔ ۸ھ کے غالباً جمادی الاخریٰ میں بنو بکر کی طرف سے اچانک بنو خزاعہ پر یلغار کی گئی' جس میں قریش کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے بھیس بدل کر بنو بکر کا ساتھ دیا۔ بنو خزاعہ کے چند لوگوں نے حرمِ کعبہ میں پناہ لی لیکن ان کو وہاں بھی نہیں بخشا گیا اور ان کا خون بہایا گیا۔ بنو خزاعہ کا ایک وفد فریاد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا' جس کے نتیجے میں آپؐ نے تین شرائط کے ساتھ اپنا سفیر مکہ بھیجا تاکہ قریش پر حجت قائم ہو جائے۔ پہلی یہ کہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے اور جو مالی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کی جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو قریش بنو بکر کی حمایت سے دست

کش ہو جائیں تاکہ مسلمان اپنے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ کے ساتھ مل کر اس جارح قبیلہ سے نمٹ لیں ـــــ اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی منظور نہ ہو تو تیسری شکل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے خاتمے کا اعلان کر دیا جائے۔ اُس وقت قریش کے جوشیلے قسم کے لوگوں (Hawks) نے فوراً جواب دیا کہ ہمیں صرف تیسری بات منظور ہے۔ اس جواب سے گویا خود قریش نے صلح حدیبیہ ختم کر دی اور نبی اکرم ﷺ کے ایلچی واپس تشریف لے آئے۔

قریش کا احساسِ پشیمانی

فوری جوش کے ردِّ عمل میں قریش کے جوشیلے لوگوں کی طرف سے صلح حدیبیہ کو ختم کرنے کا اعلان تو ہو گیا لیکن جلد ہی ابو سفیان کو احساس ہوا کہ یہ بات قریش کے مفاد میں نہیں ہوئی بلکہ ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہو گی۔ اُس وقت تک بڑے لوگ تو رخصت ہو چکے تھے لہٰذا اب قریش کے رئیس اعظم ہونے کی حیثیت ان کو حاصل تھی۔ ابو سفیان بڑے ٹھنڈے متحمل مزاج اور دُور رس نگاہ کے حامل انسان تھے' وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو بڑے ہی جوشیلے اور ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں۔ اگرچہ ابو سفیان نے بھی نبی اکرم ﷺ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا لیکن ان کے اور قریش کے دوسرے جوشیلی طبیعت رکھنے والے لوگوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ وہ معاملات کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں پر غور و تدبر کے بعد اپنی رائے قائم کرتے تھے۔ چنانچہ ان کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے اور ہمیں جس طرح بھی ہو اس صلح کی تجدید کر لینی چاہئے۔ چنانچہ وہ مدینہ آئے اور صلح کی تجدید کے لئے کوششیں کیں لیکن بے نیلِ مرام واپس لوٹے۔

تجدیدِ صلح کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اس عزم (determination) کا اظہار کیا کہ اب صلح کی تجدید نہیں کرنی ہے۔ اگر صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو بظاہر ایک بہت بڑا تضاد (Contrast) سامنے آتا ہے کہ دو سال پہلے جناب محمد ﷺ ایسی شرائط پر صلح فرمارہے

ہیں کہ جن کے متعلق تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ محسوس کر رہے ہیں کہ یہ توہین آمیز ہیں۔ اس کا جو ردِّ عمل حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر ہوا وہ اوپر بیان ہو چکا۔ پھر یہ کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ردِّ عمل بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضورؐ فرما رہے ہیں کہ اٹھو' احرام کھول دو اور ساتھ لائے ہوئے جانوروں کی قربانیاں دے دو' لیکن ایک شخص بھی نہیں اٹھتا۔ تو دو سال پہلے بظاہر اس درجہ گر کر صلح کی گئی کہ جس سے تمام صحابہ کرامؓ کے دل مجروح ہوئے تھے ـــــ اور اب قریش کا رئیسِ اعظم مکہ سے چل کر مدینہ آتا ہے اور سر توڑ کوششیں کر رہا ہے کہ کسی طرح صلح کی تجدید ہو جائے لیکن نبی اکرم ﷺ متوجہ ہی نہیں ہو رہے اور صلح نہیں فرما رہے ـــــ تو یہ یقیناً ظاہری اعتبار سے ایک بہت بڑا تضاد (Contrast) ہے' جسے مستشرقین نے منفی رنگ میں پیش کیا ہے۔

مستشرقین کی کوتاہ نظری

اصل میں مستشرقین نے سیرت مطہرہ کے ایسے ہی معاملات کے اوپر ڈیرے جمائے ہیں اور نقب زنی کی کوششیں کی ہیں۔ مثلاً ٹائن بی نے' جسے فلسفہ تاریخ کے بہت بڑے عالم کے طور پر بہت اونچے مقام پر تسلیم کیا جاتا ہے' اپنے ایک جملے میں اس تضاد کو اپنی دانست میں sum up کیا ہے' اور وہ جملہ یہ ہے کہ (نقل کفر کفر نباشد)

> *"Mohammad failed as a Prophet but succeeded as a statesman"*
>
> "محمد (ﷺ) ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے ناکام رہے لیکن ایک سیاست دان اور مدبّر کی حیثیت سے کامیاب رہے۔"

اس کے نزدیک مکہ میں حضورؐ کا جو بھی رویہ اور کردار سامنے آتا ہے وہ تو یقیناً انبیاء والا ہے' لیکن مدینہ میں آپؐ کا جو کردار ہے' وہ تو ایک مدبّر' ایک سیاست دان' ایک statesman اور ایک فوجی جرنیل کا کیریکٹر ہے۔ اور اس کی رائے ہے کہ کامیابی مؤخر الذکر کو ہوئی ہے' مقدم الذکر کو نہیں ہوئی۔

اسی طرح مسٹر منٹگمری واٹ نے' جسے ایک مرتبہ ضیاء الحق کی حکومت نے بھی پاکستان بلایا تاکہ نیشنل سیرت کانفرنس میں وہ ہمیں سیرت سمجھائیں' دو جلدوں

(Volumes) میں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ لکھی ہے۔ لیکن اس نے دونوں جلدوں کے عنوانات علیحدہ علیحدہ رکھے ہیں۔ گویا اس طرح اس نے اپنے باطل نظریہ کے مطابق آنحضور ﷺ کی شخصیت کے تضاد کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ پہلی جلد کا عنوان "Muhammad At Mecca" اور دوسری جلد کا عنوان "Muhammad At Medina" ہے۔ گویا اس کے نزدیک دو محمد ہیں (ﷺ) ـــــ ایک مکہ والے اور دوسرے مدینہ والے۔ العیاذ باللّٰہ!

تضادِ ظاہری کی حقیقت

یہ جو بظاہر تضاد (contrast) نظر آتا ہے، جس پر مستشرقین نے ڈیرے جمائے ہیں، یہ دراصل "انقلاب" کے مراحل و لوازم کے تقاضوں سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیثیت صرف دیگر انبیاء و رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام والی نہیں ہے۔ آپؐ خاتم الانبیاء اور آخر المرسلینؐ ہیں۔ آپؐ پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی ہے۔ لہٰذا آپؐ کے سپرد یہ اضافی مشن بھی کیا گیا کہ آپؐ دین الحق کو بالفعل قائم، غالب اور نافذ فرمائیں۔ قرآن حکیم میں آپؐ کی یہ خصوصی و امتیازی شان قرار دی گئی ہے اور آپؐ کو یہ اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ "وہ (اللہ) ہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ (قرآن مجید) اور دین الحق (کامل شریعت) کے ساتھ تاکہ وہ اس کو تمام نظام ہائے زندگی و اطاعت پر غالب کر دے"۔ جب کہ عام نبوت کا غالب فرض منصبی دعوت، تبلیغ، تذکیر اور انذار و تبشیر ہے۔ چنانچہ منصب نبوت کی اس بنیادی ذمہ داری کے ضمن میں قرآن مجید میں بار بار یہ الفاظ آئے ہیں کہ ہمارے نبی اور رسول کے ذمہ سوائے پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے ـــــ لیکن نبی اکرم ﷺ پر بحیثیت خاتم الانبیاء اور آخر المرسلین اس اساسی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ایک اضافی اور خصوصی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ آپؐ دین الحق کو عملاً غالب اور قائم کر کے دنیا کے سامنے اس کی ایک نظیر و مثال پیش فرما دیں تاکہ نوعِ انسانی پر ابدالآباد تک کے لئے حجت قائم ہو جائے۔

خصوصی منصب کے خصوصی تقاضے

اقامتِ دین کا کام درحقیقت ایک انقلابی جِدّوجُہد (Revolutionary Struggle) کا متقاضی ہے۔ ایک قائم شدہ نظام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ ایک صالح نظام کو قائم کرنے کے تقاضے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہ انقلاب صرف دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے نہیں آتا۔ اگرچہ اس میں بھی آغاز دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت ہی سے ہو گا اور اس میں تذکیر بھی ہو گی' تبشیر بھی اور انذار بھی ہو گا۔ لیکن اس کا ہدف یہ ہو گا کہ ان تمام کاموں کے نتیجہ میں ایک انقلابی جمعیت فراہم کرنا' اسے منظم کرنا' اس کی تربیت کرنا اور اس میں وہ تمام ضروری اوصاف پیدا کرنا جو کسی انقلاب کے لئے لازم اور ناگزیر ہیں ـــــ اور جب اس جمعیت میں مطلوبہ نظم اور ڈسپلن پیدا ہو جائے تو پھر اسے نظامِ باطل سے ٹکرا دینا۔ بقول علامہ اقبال ؎

با نشّہ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

صلح حدیبیہ کی مصلحتیں

چونکہ نبی اکرم ﷺ کے پیش نظر انقلاب کا یہ نقشہ تھا اور آپؐ کا دست مبارک ہر وقت حالات کی نبض پر رہتا تھا لہٰذا آپؐ نے جس وقت اور جس موقع پر جو بھی قدم اُٹھایا وہ درحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر اُٹھایا۔ جب آپؐ نے یہ دیکھا کہ ابھی مہلت در کار ہے (جسے ہم کہتے ہیں to buy time) تو آپؐ نے اسی کے مطابق عمل فرمایا۔ حدیبیہ کے مقام پر بظاہر گر کر اور دب کر صلح کرنے میں یہی مصلحت تھی کہ ابھی وقت اور مہلت درکار تھی۔ قرآن مجید میں اس کی ایک اور مصلحت بھی بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ اگر اُس وقت جبکہ حضور ﷺ ۶ھ میں حدیبیہ تک پہنچ گئے تھے' قریش سے مسلح ٹکراؤ ہو جاتا تو نہ صرف یہ کہ خونریزی بہت ہوتی بلکہ اندیشہ یہ تھا کہ بہت سے وہ مسلمان جو مکّہ میں موجود تھے لیکن اپنی بعض مجبوریوں کے باعث ہجرت نہ کر پائے تھے' مکّہ میں قریش کے ہاتھوں قتل کر دیئے جاتے۔ اس لئے کہ جنگ کے دوران اکثر اخلاقی اقدار اور قبائل کی

روایات کا لحاظ نہیں رہتا' جذبات کے عالم میں یہ سب پامال ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ جنگ کے ہنگامی حالات اور طوفانی کیفیات میں وہ خود حملہ آور مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارے جاتے' جس کا ذکر سورۃ الفتح کی آیت ۲۵ میں بایں الفاظ کیا گیا کہ : ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ "اگر (مکہ میں) ایسے مومن مرد و عورت موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے' اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم نادانستگی میں انہیں پامال کر دو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا (تو جنگ نہ روکی جاتی)۔" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلح تصادم ٹال دیا اور فریقین کے ہاتھ روک دیئے۔ چنانچہ اسی کا ذکر ہے سورۃ الفتح کی آیت ۲۴ کے اس حصہ میں ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ "وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے۔" تو یہ دو مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر بظاہر توہین آمیز شرائط پر بھی صلح کر لی۔

دو سال بعد کی صورت حال

لیکن دو سال کے بعد حالات کافی بدل گئے۔ اب نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدّوجُہد کی کامیابی کے لئے فضا تیار ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ کا دست مبارک حالات کی نبض پر مستقل طور پر رہا ہے۔ آپؐ کو اب بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت مکہ والوں میں کوئی دم خم موجود نہیں اور اب کسی خونریز مقابلہ کا سرے سے امکان ہی نہیں ہے۔ اب قریش میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ مقابلہ میں آ سکیں۔

اس کے برعکس ان دو برسوں کے اندر دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں اب مسلمانوں کی قوت اس قابل ہو گئی تھی کہ فیصلہ کُن اقدام کیا جا سکتا تھا۔ پھر صلح ختم کرنے کی کوئی اخلاقی ذمہ داری مسلمانوں پر کسی طرح بھی عائد نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے تھے کہ قریش کے ایک حلیف قبیلہ نے مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلہ پر حملہ کیا اور ان کو قتل کیا' حتیٰ کہ حرمِ محترم میں بھی ان کو امان نہیں ملی' وہاں بھی ان کا خون بہایا

گیا ـــــــ اور اس خونریز معرکہ میں قریش نے بھی بھیس بدل کر اپنے حلیف قبیلہ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ صلح حدیبیہ کی ایک شرط کی اس خلاف ورزی کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے نہایت منصفانہ اور عادلانہ شرائط پیش فرمائیں کہ بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے اور ان کے مالی نقصان کی تلافی کی جائے ـــــــ یا یہ کہ قریش بنی بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں تاکہ بنی خزاعہ اور مسلمان بنو بکر قبیلہ سے خود ہی نمٹ لیں۔ ان دونوں شرائط میں سے کوئی بھی منظور نہ ہو تو اعلان کر دیا جائے کہ آج سے صلح حدیبیہ ختم۔ قریش کے جوشیلے لوگوں نے جواب میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہمیں تیسری بات منظور ہے۔ یعنی آج سے صلح حدیبیہ ختم۔ اس موقع پر ابو سفیان بھی خاموش رہے اور قریش کے دوسرے جہاں دیدہ اور زیرک سردار بھی ـــــــ یہ تو ابو سفیان کا بعد کے غور و فکر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے محسوس کیا کہ صلح حدیبیہ کو توڑنے کا اعلان کر کے ہم سے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے۔ اسی لئے وہ دوڑے دوڑے مدینہ پہنچے اور انہوں نے تجدیدِ صلح کی کوششیں کیں جن میں ان کو ناکامی ہوئی۔ اس موقع پر اگر نبی اکرم ﷺ ابو سفیان کی پیش کش پر صلح کی تجدید فرما لیتے تو اس کے معنی یہ تھے کہ کفر اور شرک کو بلا ضرورت اور خواہ مخواہ عرب کے مرکز مکہ مکرمہ اور حرمِ محترم پر قابض رہنے کے لئے مزید مہلت دی جاتی' جسے آج کل کی اصطلاح میں Fresh Release of Existance کہا جاتا ہے ـــــــ اب اس کی قطعی ضرورت تھی نہ حاجت۔ مشیتِ الٰہی نے قریش کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے تھے اور انہوں نے خود ہی صلح حدیبیہ کے خاتمہ کا اعلان کر دیا تھا۔ اس طرح اس بشارت کے عملی ظہور کا وقت آ گیا تھا جو ہجرت سے متصلاً قبل سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ مبارکہ دی تھی :

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ○ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ ﴾ (بنی اسرائیل : ۸۰ ـ ۸۱)

"اور (اے نبی) کہہ دیجئے : اے رب میرے! (جہاں بھی تو مجھے داخل کرے تو) مجھ کو داخل کر سچا داخل کرنا اور (جہاں سے بھی تو مجھے نکالے تو) نکال مجھ کو سچا نکالنا اور

مجھ کو عطا کر دے اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔ اور (اے نبی) کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نکل بھاگا۔ بے شک باطل ہے ہی بھاگ جانے اور مٹ جانے والا"۔

صورت حال کے ادراک و شعور کی ضرورت

یہ ہے اصل صورت حال جس کا ادراک و شعور ضروری ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر حضور ﷺ کا خصوصی مشن اور آپ ﷺ کا امتیازی منصب یعنی دین الحق کو بالفعل بنفس نفیس قائم کرنا نگاہوں کے سامنے نہ رکھا جائے تو کوتاہ نظری کے باعث یہ تضاد نمایاں نظر آئے گا کہ دو سال پہلے حضورؐ بظاہر اہانت آمیز شرائط پر صلح فرما رہے ہیں اور دو سال کے بعد مخالف فریق کا رئیسِ اعظم خود مدینہ آکر خوشامدیں کر رہا ہے' سفارشیں پہنچانے کی کوششیں کر رہا ہے کہ کسی طرح صلح کی تجدید ہو جائے' لیکن حضور ﷺ ہیں کہ اس کی بات پر توجہ ہی نہیں دے رہے۔

درحقیقت سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا صحیح فہم اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک یہ بات پیش نظر نہ ہو کہ اصل میں نبی اکرم ﷺ کو کیا مشن تفویض کیا گیا تھا اور وہ کیا خصوصی ذمہ داری تھی جو حضورؐ کے سپرد کی گئی تھی! الفاظِ قرآنی ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ ایک شوشہ کے تغیر کے بغیر سورۃ التوبہ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں وارد ہوئے ہیں۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن الفاظ مبارکہ کو پورے قرآن مجید کا عمود قرار دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل صحیح ہو گا کہ ان الفاظ مبارکہ کے ذریعے حضور ﷺ کو ایک صالح انقلاب عملاً برپا کرنے کا مشن سونپا گیا تھا۔ لہٰذا انقلاب کے جو مراحل ہیں ان میں سے ہر مرحلہ پر اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے' چاہے بظاہر اس میں تضاد نظر آرہا ہو۔

تضادات کے ضمن میں نہایت غور طلب بات

جہاں تک ظاہری تضادات کا تعلق ہے سب سے نمایاں تضاد تو یہ نظر آتا ہے کہ مکہ میں بارہ برس تک حکم یہ ہے کہ مقابلے میں ہاتھ مت اُٹھاؤ' چاہے تمہارے ٹکڑے کر

دیئے جائیں، تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر تمہارے کباب بنانے کا سامان کیا جائے، تمہیں طرح طرح سے اذیتیں دی جائیں، تم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں، تمہاری نگاہوں کے سامنے تمہاری دینی بہن (حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا) کو انتہائی بہیمانہ طور پر شہید کر دیا جائے اور ان کے شوہر (حضرت یاسر رضی اللہ عنہ) کے جسم کے وحشیانہ طریق سے چیتھڑے اڑا دیئے جائیں۔ یہ سب کچھ جھیلو، برداشت کرو، تمہیں جوابی کارروائی تو کجا اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔

لیکن مدینہ آنے کے بعد انہی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" کا اب حال یہ ہے کہ ﴿یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ﴾ "وہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہیں، قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں" ——— تو بظاہر اس میں بھی بڑا نمایاں تضاد ہے۔ مگر یہ سارے تضادات صرف اسی طور سے حل ہوتے ہیں کہ انقلاب کے فلسفہ کو سامنے رکھ کر اس کے مختلف مراحل اور ہر مرحلہ کے مختلف تقاضوں کو سمجھنے کی معروضی کوشش کی جائے۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو اسلامی انقلابی جدوجہد سمجھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ تمام مراحل ایک ڈور میں پروئے ہوئے موتی نظر آئیں گے اور فکر و نظر گواہی دیں گے کہ ہر مرحلہ صحیح ہے اور ہر اقدام اس مرحلہ کی مناسبت سے بالکل درست اور مناسب ہے۔

غزوۂ حنین و اوطاس، محاصرۂ طائف

فتح کے بعد کے چند اہم واقعات

فتح مکہ کے بعد قریش کے بہت سے لوگ ایمان لے آئے اور مکہ کے اردگرد کے بہت سے قبائل نے بھی از خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا، جو طائف اور اس کے اردگرد کی سرسبز و شاداب وادیوں میں آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے بڑے جنگ جُو اور فنونِ حرب سے واقف تھے۔ طائف اور مکہ کو بعض اعتبارات سے جڑواں شہروں (Twin Cities) کا مقام

حاصل تھا۔ طائف میں رؤسائے مکہ کے باغات بھی تھے اور جائیدادیں بھی۔ پھر ان قبائل کے مابین تجارت بھی تھی اور رشتہ داریاں بھی ـــــ چنانچہ فتح مکہ کے بعد یہ قبائل بڑے مضطرب ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ہماری باری ہے۔ لہٰذا دونوں قبیلوں کے سرداروں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ اس وقت مسلمان مکہ میں جمع ہیں' ہم خود پیش قدمی کر کے پورے جوش و خروش اور زور و شور سے ان پر حملہ کر دیں۔

ان حالات کی نبی اکرم ﷺ کو مکہ میں خبر پہنچی تو آپؐ نے تحقیق و تصدیق کے بعد تیاریاں شروع کر دیں اور بارہ ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ حنین کی طرف پیش قدمی کی۔ ان میں دس ہزار تو وہ قدسی شامل تھے جو مدینہ سے آئے تھے' باقی دو ہزار میں فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے نو مسلم اور مشرکین بھی شریک تھے۔ یہ فوجیں حنین کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمیمہ اور تکملہ کے طور پر اگلے ہی مہینہ شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین اور غزوۂ اوطاس ہوا اور حضور ﷺ نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک حضور ﷺ کے یہ آخری مسلح اقدامات تھے۔

غزوۂ حنین

ہوازن اور ثقیف کے قبائل کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ان کی حفاظت کی غرض سے ان کی فوجیں بڑی پامردی سے لڑیں' جانیں دے دیں لیکن کسی صورت میں بھی پسپائی اختیار نہ کریں۔ انہوں نے فوج کی ترتیب اس طرح کی کہ اپنے بہت سے تیر انداز دستوں کو پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر تعینات کیا اور بقیہ فوج نے دُوبدو جنگ کے لئے پہلے سے پہنچ کر میدان میں موزوں اور مناسب مقامات پر صف آرائی کر لی۔ اس موقع پر بعض مسلمانوں کی زبان سے اپنی کثرت کے زعم میں یہ الفاظ نکل گئے کہ "آج مسلمانوں پر کون غالب آ سکتا ہے!" جب مسلمان تین سو تیرہ تھے تو ایک ہزار کے لشکر پر غالب آ گئے تھے' اس موقع پر تو مسلمانوں کا بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گھمنڈ پسند نہ تھا۔ لہٰذا اکثر مؤرخین کا بیان ہے کہ پہلے ہلے ہی میں ہوازن اور ثقیف کے تیر اندازوں نے مسلمانوں پر تیروں کی جو بوچھاڑ کی تو ایک عام

بھگدڑ مچ گئی اور بارہ ہزار کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ تاہم اس صورت میں بھی وہ پیکر مقدس میدان میں اپنی سواری پر جما رہا جو تنہا ایک فوج تھا' ایک اقلیم تھا' مجموعۂ کمالات انسانیہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم! بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے ساتھ صرف چار سو جان نثار موجود تھے ـــــ بارہ ہزار کے لشکر میں سے صرف چار سو ـــــ بہرحال اس موقع پر نبی اکرم ﷺ اپنی سواری سے اترے' علم ہاتھ میں لیا اور پوری حیاتِ مطہرہ میں پہلی بار پورے جلالِ نبوت کے ساتھ رجز پڑھا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا :

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب! اَنَا ابْنُ عبدِ المُطَّلِب!!

"میں اللہ کا نبی ہوں (اس میں ذرہ برابر) جھوٹ نہیں ہے' میں عبدالمطلب (جیسے شجاع) کا بیٹا ہوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہی تھے۔ وہ بلند آواز بھی تھے۔ لہٰذا آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ انصار و مہاجرین کو پکارو ـــــ انہوں نے نعرہ لگایا :

یا معشرَ الانصار! یا اصحابَ الشجرۃ!

"اے گروہِ انصار' اے اصحابِ شجرہ! (بیعت رضوان والو!)"

ان پُر تاثیر الفاظ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار و مہاجرین یہ کہتے ہوئے دفعتہ پلٹ پڑے کہ : لبّیک یا رسولَ اللہ وسعدیک' نحن بین یدیک ـــــ پھر جو مسلمانوں نے حملہ کیا تو اچانک جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ عارضی و وقتی شکست کامل فتح سے بدل گئی۔ بہت سے کافر کھیت رہے' اکثریت فرار ہو گئی اور جو باقی رہ گئے وہ اسیر بنا لئے گئے۔ بے شمار مالِ غنیمت' مویشی اور سامانِ حرب ہاتھ آیا۔

مغالطہ کا ازالہ

دس ہزار کا جو لشکر نبی اکرم ﷺ کے جلو میں آیا تھا ممکن ہے کہ ان میں کچھ ضعیف الایمان اور کچھ منافقین بھی شامل ہوں۔ ایک بڑے مجمع میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس لشکر میں دو ہزار کے لگ بھگ وہ افراد بھی تھے جن میں سے اکثر ایک ماہ قبل ایمان لائے تھے۔ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا ہے اور شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین ہوا ہے۔ گویا ایمان کی حالت میں ان پر ایک ماہ سے زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ پھر اس دو

ہزار کی تعداد میں کچھ وہ لوگ بھی شامل تھے جو ابھی ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ قبیلہ کی عصبیت یا مالِ غنیمت کے حصول کے لئے اسلامی لشکر کے ساتھ ہو گئے ہوں۔

بہرحال تھوڑے یا زیادہ لوگ اپنی کثرت پر نازاں تھے کہ آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔ چونکہ امّتِ مسلمہ کو پوری نوعِ انسانی کی رُشد و ہدایت' دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے برپا کیا جا رہا تھا لہٰذا غلطی پر تنبیہہ اور سزا بھی ضروری تھی۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر ہوا تھا کہ پینتیس افراد کی طرف سے اپنے لوکل کمانڈر کے حکم کی نافرمانی کی پاداش میں ابتدائی فتح شکست میں بدل گئی تھی اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید اور خود نبی اکرم ﷺ زخمی ہوئے تھے۔ چنانچہ غزوۂ حنین میں بھی کثرت پر جو ناز ہوا تھا اس پر یہ سزا ملی کہ ابتدا میں ہوازن و ثقیف کے تیراندازوں نے اسلامی لشکر کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طور پر یہ سبق دیا کہ حزب اللہ کا توکل اسباب پر نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر ہو۔ حسب استطاعت مادی اسباب و وسائل ضرور فراہم کئے جائیں لیکن مؤمن کو تو ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر نگاہ رکھنی چاہئے : ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ـــــ اللہ کے اِذن کے بغیر پتا تک جنبش نہیں کر سکتا۔ کسی کام کے لئے کتنے ہی اسباب و وسائل جمع ہو جائیں' لازم نہیں ہے کہ وہ کام حسب منشاء تکمیل پا جائے اور کسی شے کے لئے کچھ بھی وسائل و اسباب موجود نہ ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ شے عدمِ محض سے آنِ واحد میں وجود میں آ جائے۔ جب تک اللہ کی قدرتِ کاملہ پر اس نوع کا ایمان نہ ہو اور جب تک اُس (تعالیٰ) کی ذات پر کامل توکّل نہ ہو جائے اُس وقت تک درحقیقت وہ ابتدائی اوصاف (Pre-qualifications) اور وہ صلاحیتیں جو اسلام کو دنیا میں ایک کامل نظامِ زندگی کی حیثیت سے غالب' قائم اور نافذ کرنے کے لئے درکار ہیں' اُنہی کا فقدان ہے۔ اسلامی انقلاب جیسے عظیم ترین کام کے لئے تو وہ جماعت درکار ہے جس کے ہر ہر فرد میں یہ صفات پہلے وجود میں آ چکی ہوں کہ ان کا اللہ پر کامل ایمان و ایقان ہو اور ان کا کوئی تکیہ اور بھروسہ ظاہری اسباب و وسائل اور ذرائع پر نہ ہو بلکہ توکل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔ اسی بات کو اذہان و قلوب میں راسخ کرنے کے لئے حنین میں وقتی و

عارضی شکست کے ذریعے مسلمانوں کو جھنجوڑ دیا گیا۔

اوطاس

کفار کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ نخلہ اور طائف کے درمیان اوطاس کے مقام پر رُک گیا اور ایک بڑا حصہ طائف جا کر پناہ گزین ہوا۔ ایک اور قبیلہ حشم کا سردار دُرَید بن الصمہ جو اپنی بہادری اور شاعری میں پورے عرب میں مشہور تھا' اس کی عمر اُس وقت سو برس سے بھی زیادہ ہو گئی تھی' لیکن طائف کا سردار مالک بن عوف اس کو چارپائی پر ڈال کر حنین لے گیا تھا تا کہ اس کے سو سالہ تجربات سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ حنین کی شکست کے بعد دُرَید اپنے قبیلہ کی کئی ہزار جمعیت لے کر اوطاس آیا' طائف کے جو لوگ یہاں رُک گئے تھے وہ بھی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ کو برابر خبریں پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایک مختصر فوج ان کے استیصال کے لئے بھیج دی جس کے ہاتھوں اللہ نے فتح نصیب فرمائی۔ دُرَید قتل ہوا' جس کے بعد یہ جمعیت اپنے مقتولین کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی۔ کچھ لوگ طائف چلے گئے اور کچھ اسیر بنا لئے گئے۔

محاصرۂ طائف

حنین اور اوطاس کی شکست خوردہ فوجیں طائف میں پناہ گزین ہوئیں اور طائف والوں کی مدد سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا وہ قریش کا قریباً ہمسر تھا ـــــ نہایت شجاع' دلیر اور فنونِ جنگ سے واقف۔ عروہ بن مسعود یہاں کا رئیس تھا۔ سورۃ الزخرف میں مشرکین کا جو یہ قول نقل ہوا ہے : ﴿وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ "اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اُترا یہ قرآن کسی بڑے شخص پر دو بستیوں میں سے"۔ قریتین سے ان کی مُراد مکہ اور طائف کے شہر تھے اور طائف کے بڑے آدمی سے مراد یہی عروہ بن مسعود تھا۔ عروہ کا ذکر صلح حدیبیہ کے ضمن میں آ چکا ہے۔ وہ بعد میں ایمان لے آئے تھے لہٰذا صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

شہر طائف کے گرد مضبوط فصیل تھی اور وہاں ایک مضبوط قلعہ بھی موجود تھا' جس

میں طائف والوں نے سال بھر کا سامانِ خورد و نوش جمع کر لیا تھا۔ فصیل پر چاروں طرف منجنیق اور جا بجا تیر انداز معین کر دیئے گئے تھے۔ اسلامی فوجوں نے محاصرہ کیا اور یہ پہلا موقع تھا جب اسلامی فوج کی طرف سے فصیل شکن آلات کا استعمال ہوا۔ طائف کے لوگوں نے فصیل کے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں اور آگ برسائی اور اتنی شدت سے تیر پھینکے کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیس دن محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ نبی اکرم ﷺ نے مشاورت کے بعد محاصرہ اُٹھالیا۔ اس موقع پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اہل طائف کے لئے بد دُعا فرمائیں۔ لیکن نبی رحمت ﷺ نے بد دعا کے بجائے یہ دُعا فرمائی : ((اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَائْتِ بِھِمْ)) "اے اللہ! ثقیف کو ہدایت بخش کہ وہ میرے پاس حاضر ہو جائیں"۔ رسول اللہ ﷺ کی دُعا قبول ہوئی اور محاصرہ اُٹھا لینے کے چند دنوں بعد ہی عروہ بن مسعود اپنے چیدہ چیدہ ساتھیوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ بعد ازاں انہی حضرات کی دعوت و تبلیغ سے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کے تمام افراد ایمان لے آئے۔

فراستِ نبویؐ کا عظیم شاہکار :

ایک خاص واقعہ

سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی سایہ دار ہموار شاہراہ پر چلنے (Smooth Sailing) والا معاملہ نہیں تھا کہ جس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو، کوئی تکلیف نہ ہو، کوئی نشیب و فراز نہ ہوں اور انقلاب کی تکمیل ہو جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی انقلابی جدوجہد کی راہ میں جتنی مشکلات اور رکاوٹیں آ سکتی ہیں وہ ہمیں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں بتمام و کمال نظر آتی ہیں۔ نبوت و رسالت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد حضورؐ کی بائیس تیئس سالہ حیاتِ طیبہ نہایت شدید اور جاں گسل جدوجہد میں گزری ہے اور آپؐ کو بے پناہ مصائب و مشکلات

کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ خود آپؐ کا ارشاد گرامی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مجھ پر تنہا وہ سب تکلیفیں اور مشکلیں بیتی ہیں جو تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام پر بیتی تھیں ـــــــ اگرچہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' اگر اس کی مشیت ہوتی تو وہ اپنے محبوب ﷺ اور اپنے حبیب ﷺ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھنے نہ دیتا اور انقلابِ اسلامی کی تکمیل بھی ہو جاتی' لیکن بالفعل ایسا نہیں ہوا۔ حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو بے حد و حساب تکلیفیں جھیلنی پڑی ہیں' مصائب برداشت کرنے پڑے ہیں' بارہا آپؐ کو پیچیدہ سے پیچیدہ صورت حال سے عہدہ برآ ہونا پڑا ہے۔ مشرکین و کفار کی طرف سے استہزاء' تمسخر اور طعن و تشنیع سے جو ذہنی اذیت و کوفت آپؐ کو پہنچتی رہی ہے' وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف وہ بات یہ تھی کہ متعدد مواقع پر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ لوگ جو حضورؐ کا کلمہ پڑھ رہے تھے ان کے ہاتھوں بھی نبی اکرم ﷺ کو شدید نوعیت کی قلبی و ذہنی کوفت اور اذیت اُٹھانا پڑی ـــــــ آخر عبداللہ بن اُبی اور اس کے دوسرے منافق ساتھی بھی تو کلمہ گو تھے اور ان کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ یہی عبداللہ بن اُبی ہے جس نے کئی بار مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے' انہیں باہم دگر دست و گریباں کرانے اور مہاجرین کی توہین و تذلیل کی کوششیں کیں۔ اسی طرح ان منافقین نے غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے مواقع پر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے جو اوچھے ہتھکنڈے اختیار کئے وہ بھی آنحضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے انتہائی ذہنی اذیت کا باعث بنے۔

پھر یہی عبداللہ بن اُبی ہے جس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی' جس کے نتیجے میں نبی اکرم ﷺ کو انتہائی ذہنی و قلبی اذیت جھیلنی پڑی۔ پھر یہ کہ اس معاملے میں چند وہ لوگ بھی ملوث ہو گئے جو صادق الایمان تھے۔ اس لئے کہ انسان کی طبعی کمزوری کے پیش نظر اس میں ذہنی آمادگی رہتی ہے کہ کسی کے بارے میں بری بات بیان ہو تو اسے وہ جلد قبول کر لیتا ہے' جبکہ اگر کسی کے بارے میں اچھی بات بیان ہو تو اسے آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ واقعہ اِفک کے بعد جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا متواتر ایک مہینہ نہایت سخت کرب کی حالت میں گزرا۔ اس لئے کہ قریباً سوا مہینہ کے بعد

سورۂ نور نازل ہوئی جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی ہوئی تہمت کی تردید کی گئی اور آپ کی پاک دامنی کی شہادت دی گئی۔ اس واقعے کا بظاہر حیات النبی ﷺ کے انقلابی پہلو سے کوئی تعلق نہیں' تاہم یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ انقلابی جدوجہد کے شدائد کے ساتھ ساتھ آپ کو ذہنی کوفت کے بدترین تجربات بھی ہوئے۔ مگر ذہن کو بری طرح متاثر کرنے والے یہ واقعات آپ کی انقلابی جدوجہد کو ذرا بھی متزلزل نہ کر سکے۔

غنائم اور اسیرانِ جنگ

ہوازن اور ثقیف کے قبائل بہت طاقتور اور دولت مند تھے۔ چنانچہ ان معرکوں میں کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ معتبر روایات میں مذکور ہے کہ تقریباً چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بھیڑ بکریاں مالِ غنیمت میں ملیں۔ عرب کا اصل مال اور سرمایہ یہی مویشی ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں ڈھیروں مال و اسباب کے ساتھ چار ہزار اوقیہ چاندی بھی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ یہ قبائل اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے تاکہ ان کے لشکر اپنے اہل و عیال کے تحفظ کی خاطر بے جگری سے لڑیں اور میدانِ جنگ سے پیٹھ نہ موڑیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آگئی اور جب کافروں کو سزا دینے کا غیبی فیصلہ ہو گیا گویا ﴿وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ والی صورت حال عملاً پیدا ہو گئی تو ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور جان بچانے کے لئے جس کا جدھر منہ اٹھا فرار ہو گیا۔ مال مویشی ہی کیا وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی چھوڑ بھاگے۔ چنانچہ مال مویشی کے علاوہ تقریباً چھ ہزار افراد جن میں عورتوں بچوں کی عظیم اکثریت تھی اسیر بنالئے گئے[1]۔

---

(۱) اِن اسیران میں شیما نامی ایک خاتون بھی تھیں جو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور حضور ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ گرفتاری کے موقع پر انہوں نے کہا کہ "میں تمہارے نبی کی بہن ہوں"۔ لوگ تصدیق کے لئے فوراً ان کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت شیما نے پہچان کے طور پر اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی' کیونکہ حضور ﷺ نے ایک دفعہ بچپن میں پیٹھ پر دانتوں سے کاٹا تھا' اس کا نشان موجود تھا۔ حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے ان کے بیٹھنے کے لئے ››

تقسیم غنائم اور ایک پیچیدہ صورتِ حال

مختصراً یہ کہ اس غزوۃ کی فتح کے نتیجے میں بے شمار مال و اسباب ہاتھ آیا —— صدقات کی تقسیم کے لئے سورۂ توبہ میں جو مدات بیان ہوئی ہیں ان میں ایک مد "اَلْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ" بھی ہے۔ یعنی وہ لوگ بھی ان صدقات کے مستحق ہیں جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے غنائم کی تقسیم میں قریش کے ان لوگوں کو زیادہ نوازا جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے ایمان لائے تھے۔ ان میں سے بھی خاص طور پر جو قریش کے مختلف گھرانوں کے سربراہان اور سردار تھے ان کو مالِ غنیمت میں سے نسبتاً زیادہ حصہ عطا فرمایا۔

اب اس تقسیم پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں' کیونکہ اس عمل میں اتفاقی اور واقعاتی اعتبار سے یہ صورت حال موجود تھی کہ مکہ والے بہرحال نبی اکرم ﷺ کے قبیلہ کنبہ کے لوگ تھے' آپؐ کے رشتہ دار تھے۔ اگرچہ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اگر مکہ کے لوگ آپؐ کے ہم قبیلہ اور رشتہ دار نہ ہوتے تب بھی حضورؐ ان کے ساتھ یہی معاملہ کرتے۔ اب صورت واقعہ یہ بنی کہ اگرچہ حضورؐ یہ معاملہ تالیف قلبی کی غرض سے فرما رہے تھے لیکن بالفعل تو معاملہ یہ ہو گیا کہ یہ تالیف قلب جن کی ہو رہی تھی وہ آپؐ کے رشتہ دار اور کنبے قبیلے والے لوگ تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لشکر میں جو تھوڑے بہت منافقین شامل تھے' اب ان کو موقع مل گیا اور انہوں نے اس معاملے کو خوب اُچھالا —— اور یہ معاملہ چونکہ بہت نازک (Sensitive) تھا لہٰذا منافقین کے پروپیگنڈے سے عام مسلمانوں میں بھی تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ لوگ بھی انسان ہی تھے اور انسان کی جو طبعی و فطری کمزوریاں ہیں وہ تو موجود رہتی ہیں۔ چنانچہ قرآن نے اسی حقیقت کو کہیں یوں بیان

٭٭٭ خود اپنی رداءِ مبارک بچھائی' دلجوئی کی باتیں کیں' چند اونٹ اور بکریاں مرحمت فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو میرے ساتھ چل کر رہو یا گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ پہلے تو وہ ایمان لائیں' پھر عرض کیا کہ مجھے میرے اہل خاندان تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ ان کے قبیلہ میں پہنچا دیا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (مرتب)

فرمایا ہے کہ : ﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴾ کہیں اس طرح کہ : ﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ﴾ اور کہیں یوں کہ ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴾ ـــــــ یعنی انسان میں خلقی طور پر کچھ کمزوریاں رکھی گئی ہیں' تب ہی تو وہ امتحان اور آزمائش کے اندر ڈالا گیا ہے۔ اگر وہ ہر اعتبار سے کامل (Perfect) ہوتا' اس کی خلقت میں کسی پہلو سے بھی کوئی نقص نہ ہوتا تو پھر وہ فرشتہ ہوتا' پھر اس کے امتحان کی کیا احتیاج تھی؟۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اس واقعے سے مسلمانوں میں ایک عام بے چینی پھیل گئی اور خاص طور پر انصار میں سے بہت سے مسلمانوں کی زبانوں پر' جن میں مومنینِ صادقین بھی شامل تھے' یہ بات آگئی کہ :

"دیکھا! جب جان دینے کا وقت آتا ہے' قربانیوں کا موقع ہوتا ہے تو ہم (یعنی مدینہ والے انصار) یاد آتے ہیں اور جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا مرحلہ آیا ہے تو مکہ والے' اپنے قبیلے والے' اپنے اعزہ واقرباء یاد آگئے۔"

یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی اور چہ میگوئیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے گوش مبارک تک یہ تمام باتیں پہنچ رہی تھیں اور حضور ﷺ کے قلب پر جو کیفیات گزر رہی ہوں گی اس کا احساس ہر حسّاس شخص کر سکتا ہے۔

خطابتِ نبوی ؐ کا شاہکار

نبی اکرم ﷺ نے اس پیچیدہ صورت حال کو جس عمدگی سے حل فرمایا وہ درحقیقت حضورؐ کی فراست اور حسنِ تدبیر کا شاہکار ہے۔ یہ اور اسی نوعیت کی دیگر باتیں ہیں جن پر مستشرقین دنگ رہ جاتے ہیں' چاہے وہ منٹگمری واٹ ہو' چاہے ایچ جی ویلز ہو' چاہے کوئی اور نامی گرامی مستشرق' کہ یہ انسانی فطرت اور نفسیات سے واقفیت! یہ انسان شناسی! ـــــــ اور یہ صلاحیت کہ پیچیدہ سے پیچیدہ صورت حال کو خوب صورتی سے حل کر لینا' یہ تمام اوصاف اُس ذاتؐ میں بدرجہ کامل جمع تھے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ انگریزی زبان میں تعریف و توصیف کے کوئی الفاظ ایسے باقی نہیں رہ گئے جو مسٹر منٹگمری واٹ نے اپنی کتاب "Mohammad at Medina" میں حضورؐ کے لئے استعمال نہ کر دیئے ہوں۔ اس نے لکھا ہے کہ : اعلیٰ ترین تدبر و تفہم' معاملہ فہمی' انسان شناسی' دُور اندیشی' ان تمام اعتبارات سے جو اوصاف کسی بلند پایہ مدبر' کسی سیاست دان' کسی حکمران' کسی

Statesman کے اندر ہونے چاہئیں وہ بتمام و کمال محمد (ﷺ) میں موجود تھے۔

اسی فراست اور حسن تدبیر کی ایک نمایاں مثال ہے جو اس واقعہ میں سامنے آتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ چہ میگوئیاں سننے کے بعد حضور ﷺ نے ایک بہت بڑا خیمہ لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک بہت بڑا خیمہ نصب کیا گیا۔ پھر آپ نے تمام انصار رضی اللہ عنہم کو جمع کر لیا۔ وہاں آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ فصاحت و بلاغت کی معراج کے علاوہ فراست و ذکاوت اور تدبر نبوی ؐ کے ساتھ ساتھ علم نفسیات انسانی کے ادراک میں آپ کی مہارت کا بھی شاہکار ہے۔ حضور ؐ نے انصار ؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"اے معشر الانصار! کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے' اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت بخشی؟"۔

انصار ؓ نے بیک زبان یہی جواب دیا : "بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" (کیوں نہیں' اے اللہ کے رسول!) پھر حضور ؐ نے ارشاد فرمایا :

"یا معشر الانصار! کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے' میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر اُلفت و محبت اور اتفاق پیدا فرمایا؟"[1]

پھر حضور ﷺ نے فرمایا :

"یا معشر الانصار! کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم مفلس تھے' اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں غنی کر دیا؟"

اس طرح آپ وہ احسانات و انعامات گنواتے چلے گئے جو حضور ﷺ کے ذریعہ سے

---

(۱) اشارہ ہے اس دشمنی کی طرف جو اوس و خزرج کے قبائل میں برسوں سے نسلاً بعد نسل چلی آ رہی تھی جس کے باعث وقفہ وقفہ سے ان میں بار بار انتہائی خونریز اور خوفناک جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور یہ دونوں قبیلے قریباً ختم ہوا چاہتے تھے اگر نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف نہ لا چکے ہوتے۔ اسی کا ذکر ہے سورۂ آل عمران میں بایں الفاظ مبارکہ :

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾

انصار پر بالخصوص اور نوع انسانی پر بالعموم ہوئے تھے۔ اور ہر ہر جملہ پر تمام انصار رضی اللہ عنہم یک زبان عرض کرتے رہے کہ : "بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (کیوں نہیں! اے اللہ کے رسولؐ ہم تسلیم کرتے ہیں)

اس ارشاد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطاب کا رُخ بدلا اور ارشاد فرمایا :

"یا معشر الانصار! تم جواب میں یہ کہہ سکتے ہو کہ : اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تمہاری قوم نے تمہیں جھٹلایا' تمہاری تکذیب کی تو ہم تم پر ایمان لائے اور ہم نے تمہاری تصدیق کی ـــــ میں جواب میں کہوں گا کہ تم صحیح کہتے ہو"۔

پھر فرمایا :

"یا معشر الانصار! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تمہارے دشمنوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو ہم نے تمہیں پناہ دی ـــــ میں جواب میں کہوں گا کہ تم صحیح کہتے ہو۔"

پھر حضورؐ نے فرمایا :

"یا معشر الانصار! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا' ہم نے اپنی جانیں دی ہیں' ہم نے اپنا خون بہایا ہے جس کی بدولت آپؐ کو یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے ـــــ اور میں جواب میں کہوں گا کہ تم صحیح کہتے ہو۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پُر تاثیر خطبہ سے جب جذبات کی ایک خاص فضا پیدا ہو گئی تو آپؐ نے ایک بار پھر خطاب کا رُخ بدلا اور ارشاد فرمایا :

"یا معشر الانصار! کیا تمہیں یہ پسند اور منظور نہیں ہے کہ لوگ اونٹ بھیڑیں اور بکریاں لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں ـــــ اور تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھروں کو واپس لوٹو؟"

اس پر شدت جذبات سے تمام انصار رضی اللہ عنہم کی چیخیں نکل گئیں اور وہ سب یک زبان پکار اُٹھے :

"رضینا۔ رضینا۔ رضینا" ـــــ ہم بالکل راضی ہیں (ہمیں نہ اونٹ چاہئیں نہ بھیڑیں اور بکریاں۔ ہمیں تو صرف اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں۔)

مجمع میں اکثر کا یہ عالم تھا کہ روتے روتے بے حال ہو گئے۔ آنسوؤں سے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ کے سامنے یہ حکمت بیان فرمائی کہ مکہ کے

لوگ تازہ تازہ ایمان لائے ہیں' ان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ کسی ناحق جانبداری کی بنا پر نہیں دیا گیا ہے بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا گیا ہے۔

اس انتہائی نازک اور پیچیدہ صورت حال پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بالکل اتفاقیہ امر تھا کہ واقعتاً جن کی تالیف قلب کی گئی وہ نبی اکرم ﷺ کے قبیلہ والے تھے' بہت سے حضورؐ کے رشتہ دار تھے۔ لہٰذا ایسی صورت حال پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا —— لیکن فراست نبویؐ اور آپؐ کے حسن تدبیر نے کس خوبی سے اسے حل کیا! الغرض کسی بھی دوسرے انقلاب کے جو بھی اساسی تقاضے (Pre-requisites) ہوتے ہیں وہ سب کے سب آپؐ کی انقلابی جدوجہد میں پورے کئے گئے تب وہ انقلاب برپا ہوا جو بلاشبہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا۔

اسیرانِ جنگ کی رہائی

مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد اسیرانِ جنگ کی باقاعدہ تقسیم کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ تمام افراد اس وقت تک جعرانہ میں محفوظ تھے۔ اصول کے مطابق ان کو لشکر میں شریک لوگوں میں تقسیم کرنا باقی تھا کہ ہوازن و ثقیف کی جانب سے ایک معزز سفارت نبی اکرم ﷺ کے خیمہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسیرانِ جنگ کی رہائی کی درخواست پیش کی۔ رئیس سفارت نے کھڑے ہو کر حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے محمد (ﷺ) جو عورتیں محبوس اور اسیر ہیں ان میں تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ تم نے ہمارے قبیلہ کی ایک خاتون کا دودھ پیا ہے۔ (مراد ہیں حضرت حلیمہ ؓ) لہٰذا ہم سب تمہارے قرابت دار ہیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بھی کچھ امیدیں وابستہ ہوتیں اور تم سے تو کہیں زیادہ توقعات ہیں" —— نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہوگا وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے اجتماع میں یہ درخواست پیش کرو۔ چنانچہ نمازِ ظہر کے بعد رئیس سفارت نے یہ درخواست مجمع میں پیش کی —— حضورؐ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار

ہے جس کا حصہ میں چھوڑتا ہوں' اور تمام مسلمانوں سے بھی اسیران کی رہائی کی سفارش کرتا ہوں۔ "مہاجرین و انصار اور دوسرے لوگ پکار اُٹھے "ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔" چنانچہ اس طرح دفعتاً چھ ہزار اسیران آزاد ہو گئے۔ (جاری ہے)

بقیہ : پاکستان میں اسلامی انقلاب ....

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ﴾ یعنی "(مجھے واعظ نہ سمجھنا) مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں" ـــــ سورۃ الحدید میں فرمایا گیا کہ "ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں اور ہدایات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری ﴿ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ تاکہ لوگ عدل و انصاف پر کاربند ہوں۔" اور جن لوگوں نے دوسروں کے حقوق غصب کئے ہوں کیا وہ آسانی سے لوٹا دیں گے؟ شیر کے منہ سے نوالہ نکالنا آسان کام تو نہیں ہے۔ جو جاگیردار بنے بیٹھے ہیں وہ اپنی جاگیریں آسانی سے تو نہیں چھوڑ دیں گے' لہٰذا وہ اس نظامِ عدل کے راستے میں مزاحم ہوں گے۔ فرمایا گیا کہ ایسے عناصر کی سرکوبی کیلئے ہم نے لوہا اتارا ہے جس سے تلواریں بنتی ہیں' اِن سے اُن لوگوں کی سرکوبی کرو جو اللہ کے دین' اِس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے۔ فرمایا : ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○ ﴾ "اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے"۔ یہاں تک "اسلامی انقلاب ـــــ کیا؟" کا جواب ہم نے دو اعتبار سے دیکھ لیا۔ اب ہم اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے "اسلامی انقلاب ـــــ کیوں؟" کے جواب پر غور کریں گے۔ (جاری ہے)

رمضان المبارک کے دوران

دورۂ ترجمۃ القرآن کے پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب غربی

(۱) دفتر مسلم لیگ' ایم پی اے ہاؤس' نزد تالاب والی مسجد' سانگلہ ہل (بزبان پنجابی)
مدرس : چوہدری رحمت اللہ بٹر
(۲) مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن' صادق مارکیٹ ریلوے روڈ فیصل آباد
مدرس : جناب رشید عمر

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شرقی

لاہور وسطی :

لاہور وسطی میں درج ذیل چار مقامات پر بذریعہ ویڈیو دورۂ ترجمۃ القرآن کے پروگرام ہوں گے :

(۱) برمکان محمد احمد صاحب ۲۴۔ مین بازار' قصور پورہ' راوی روڈ' لاہور۔
(۲) برمکان نثار احمد خان۔ مکان نمبر ۱/ ۲۰ گلی نمبر بی/ ۵۵' خیبر پارک نمبر ۲' سنت نگر' لاہور۔
(۳) ۴۳۔ لئیق منزل' چوہان روڈ' اسلام پورہ' لاہور
(۴) برمکان رحم علی۔ ۱/۹ الریاض کالونی' عقب مسجد الریاض کالونی میسن روڈ' لاہور۔

لاہور غربی فیروز والہ :

(۱) جامع مسجد العزیز رچنا ٹاؤن' الشیخ ہسپتال بازار فیروز والہ' مدرس : حافظ علاؤ الدین

لاہور جنوبی :

(۱) برمکان اخلاق احمد فاروقی۔ ۴۴۔ منظور پارک' نواں کوٹ' لاہور
(۲) برمکان امیر الدین۔ داروغہ سٹریٹ نمبر ۱ے۔ ۳' چاہ وزیر والا ڈھولن وال' لاہور۔
(۳) فلیٹ نمبر ۴' نزد بسم اللہ سٹور' کینال ویو ہاؤسنگ سوسائٹی' لاہور۔
(۴) برمکان فیاض اختر میاں۔ ۳۲ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور
(۵) برمکان سید احمد حسن شاہ۔ ڈی۔۴۱ انکم ٹیکس کالونی' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور
(۶) برمکان محمد عباس' امام دین سٹریٹ' مکان نمبر ۱' گلی نمبر ۱' چوک عاشق آباد' رحمان پورہ' لاہور۔
(۷) برمکان محمد سلیم قمر۔ مکان نمبر ۱ ۴/ ۴۳' سٹریٹ نمبر ۱ے/ ۱۳۹ محمد علی روڈ' دو پٹہ کالونی' اچھرہ'

صیام و قیامِ رمضان کی فضیلت

اور چند ضروری وضاحتیں

——— فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ———

یہ بات احادیث کی روشنی میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ ؓ کو رمضان المبارک کی آمد پر خوشخبری سنایا کرتے تھے' اور ساتھ ساتھ آپ یہ بھی بتاتے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں رحمت اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((إِذَا كَانَتْ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَغُلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ، وَيُنَادِي مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ)) (۱)

"جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا۔ شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور پکارنے والا بلند آواز سے پکارتا ہے : "اے بھلائی کے طلب گار! آگے بڑھ اور اے برائی کے طلب گار! رُک جا"۔ اللہ کی رحمت سے متعدد لوگ آگ سے نجات پانے والے ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہر رات برابر چلتا رہتا ہے"۔

نبی اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا :

((جَاءَ کُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ شَهْرُ بَرَکَةٍ یَغْشَاکُمُ اللّٰهُ فِیْهِ فَیُنَزِّلُ الرَّحْمَةَ وَیَحُطُّ الْخَطَایَا وَیَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ' یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی تَنَافُسِکُمْ فِیْهِ فَیُبَاهِیْ بِکُمْ مَلَائِکَتَهُ' فَاَرُوا اللّٰهَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ خَیْرًا' فَاِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فِیْهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ)) (۲)

"تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آ چکا ہے جو سراپا برکت مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت کی چھاؤں کر دے گا' گناہ دھو دے گا' دعائیں قبول فرمائے گا' اللہ تعالیٰ نیک کاموں میں تمہاری مسابقت کو توجہ سے دیکھے گا' پھر تمہارے ان اعمال صالحہ کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا اچھا کردار پیش کرو۔ جو کوئی اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا' وہ انتہائی بدبخت ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فضائل رمضان کو مزید تفصیل کے ساتھ یوں بیان فرمایا :

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ' وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ' وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (۳)

"جس شخص نے ایمان کے تقاضے کے تحت اور اجر و ثواب کی غرض سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے۔ اور جس شخص نے ایمان کے تقاضے کے تحت اور اجر و ثواب کی خاطر رمضان المبارک (کی راتوں) کا قیام کیا اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے۔ اور جس شخص نے تقاضاءِ ایمان کی بنا پر اور اجر و ثواب کی خاطر لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے بھی سابقہ سارے گناہ معاف ہو گئے۔"

حضور اکرم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

((کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ' اِلَّا الصِّیَامَ فَاِنَّهُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ ' تَرَکَ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ اَجْلِیْ' لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ' وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ)) (۴)

"آدم زاد کی ہر نیکی (کا اجر) دس گنا سے سات سو گنا تک ہے" ماسوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔ اس لئے کہ اس نے اپنی خواہش نفس' اپنا کھانا' اپنا پینا صرف مجھے راضی کرنے کی خاطر چھوڑا۔ روزے دار کے لئے دو خوشیاں ہیں' ایک خوشی افطار کے وقت' دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو کستوری کی خوشبو سے زیادہ عزیز ہے۔"

رمضان المبارک کے روزوں کے فضائل' رمضان کی راتوں میں قیام بالقرآن کے فضائل اور عام دنوں میں روزہ رکھنے کے فضائل بیان کرنے والی احادیث کثرت سے موجود ہیں۔ چنانچہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس قیمتی موقع سے فائدہ اٹھائے۔ اور اس سے زیادہ کسی بندے پر اللہ کا احسان کیا ہوگا کہ اس کی زندگی میں ایک بار پھر رمضان کا مبارک مہینہ آگیا ہے۔ چنانچہ ہر طرح کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لپک کر پہنچے اور ہر گناہ سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرائض کو پوری دل جمعی اور کوشش سے ادا کرے اور بالخصوص پانچوں نمازیں' یہ اسلام کا بنیادی ستون ہیں۔ کلمۂ توحید ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے اور سب سے بڑا فرض بھی یہی نمازیں ہیں۔ چنانچہ ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے کہ نماز پابندی سے ادا کرے' بروقت اور پورے خشوع اور اطمینان کے ساتھ۔

نماز کے معاملے میں مردوں کی اضافی اور اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اسے باجماعت ادا کریں اور مسجد میں جا کر۔ مسجد ایک ایسی جگہ ہے جہاں باآوازِ بلند اللہ کے ذکر کی اجازت ہے۔ باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ۔ ۴۳)

"نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو' اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ"۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۙ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ ﴾

(البقرہ۔ ۲۳۸)

"اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو اور بالخصوص درمیان والی نماز (عصر) کی' اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔"

مزید ارشاد ربانی ہے :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴾

(المؤمنون : ۱'۲)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے' جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔"

اسی سورۃ میں آگے چل کر ارشاد فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ' هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون : ۹-۱۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

نماز کی اہمیت و مقام ذکر کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ ' فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ)) (۵)

"ہمارے اور کافروں کے درمیان حد فاصل نماز ہے' جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔"

نماز کے بعد اہم ترین فریضہ زکوۃ کا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ ﴾ (البینۃ : ۵)

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرکے بالکل یکسو ہو کر' اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان یوں ہے :

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ

تُرْحَمُوْنَ۝﴾ (النور : ۵۶)

"نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو' امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہایت واضح لفظوں میں ثابت ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے روز اسے اسی کے مال کے ذریعے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ نماز اور زکوٰۃ کے بعد اہم ترین کام رمضان المبارک کے روزے رکھنا ہے۔ اور یہ اسلام کے ان پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رُکن ہے جن کی اہمیت آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان سے ثابت ہے' فرمایا :

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ' شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ)) (۶)

"اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: (۱) لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) رمضان کے روزے رکھنا۔ (۵) بیت اللہ کا حج کرنا۔"

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جن باتوں اور کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ان سے اپنے روزے اور قیام کو محفوظ رکھے' اس لئے کہ روزے کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو' اس کی طرف سے مقرر کردہ محترم چیزوں کی تعظیم ہو' اللہ رب العالمین کی اطاعت کی بجاآوری میں خواہش نفس کے خلاف جہاد ہو ــــــ اور جن جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اپنے نفس کو ان سے باز رہنے کی تربیت دی جائے' کیونکہ روزے کا اصل مقصد کھانا' پینا یا دیگر مفطرات کا چھوڑ دینا ہی نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ ' فَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ' فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ)) (۷)

"روزہ ڈھال ہے' جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو بے ہودہ بات نہ

کرے اور نہ جھگڑا کرے' اور اگر کوئی اسے گالی دے جائے یا لڑائی کرنے لگے تو کہہ دے : "میں تو روزے سے ہوں"۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) (٨)

"جو آدمی غلط بات' غلط کام اور بدسلوکی سے باز نہ آئے' پھر اللہ کو تو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ آدمی اپنا کھانا پینا چھوڑ بیٹھے"۔

مذکورہ بالا نصوص کے علاوہ دیگر نصوص سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر روزہ دار کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ تمام چیزوں سے بچتا رہے' اور فرض کردہ تمام اعمال پر کاربند رہے۔ اسی شکل میں امید کی جاسکتی ہے کہ اس کی مغفرت ہوگی اور وہ آگ سے بچ جائے گا اور اس کا صیام و قیام اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور و مقبول ہوگا۔

نمازِ تراویح اطمینان سے ادا کی جائے

جن مسائل کا حکم بعض حضرات پر پوشیدہ رہ جاتا ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ دورانِ نماز اطمینان و سکون کا ہے' خواہ نماز فرض ہو یا نفل۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دورانِ نماز اطمینان و سکون کو رُکن قرار دیا ہے' اس کے بغیر نماز صحیح نہیں۔ اطمینان کا مطلب ہے کہ نماز ٹھہر ٹھہر کر اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے' جلدی نہ کی جائے' حتیٰ کہ ہر جوڑ اپنے اصل مقام پر واپس آجائے۔ رمضان المبارک میں لوگوں کی ایک بڑی اکثریت اس طرح تراویح ادا کرتی ہے کہ نہ تو انہیں قرآن سمجھ آتا ہے اور نہ ہی اطمینان سے نماز ادا کرتے ہیں بلکہ صرف ٹھونگے مارتے ہیں۔ اس شکل میں نماز جائز نہیں' اور ایسے نمازی کو ثواب کے بجائے الٹا گناہ ملے گا۔

تراویح کی تعدادِ رکعات کا مسئلہ

بعض حضرات پر تراویح کی تعدادِ رکعات کا معاملہ اُلجھا ہوا ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھ

بیٹھے ہیں کہ بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا صحیح نہیں اور کسی نے یہ خیال پختہ کر لیا ہے کہ گیارہ یا تیرہ رکعت سے زیادہ پڑھنا صحیح نہیں۔ یہ دونوں ہی خیال برمحل نہیں' بلکہ غلط ہیں اور دلائل کے خلاف ہیں۔ صحیح احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت یہ ہے کہ رات کی نماز یعنی تراویح اور تہجد کا معاملہ وسعت و گنجائش والا ہے۔ اس کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں جس میں کمی بیشی گناہ ہو' اگرچہ ثابت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ رات میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور کبھی تیرہ بھی۔ بسا اوقات رمضان المبارک یا دوسرے دنوں میں اس سے کم رکعت بھی پڑھی ہیں۔ اور جب نبی اکرم ﷺ سے رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا :

((مَثْنٰی مَثْنٰی ' فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوْتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلّٰى)) (۹)

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پھر جب صبح کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لے' یہ ایک رکعت سابقہ ساری نماز کو وتر بنا دے گی۔"

رات کی نماز کے ضمن میں رمضان یا دوسرے دنوں کے لئے تعداد رکعات کو آپ ﷺ نے معین نہیں فرمایا۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عہدِ فاروقی میں بسا اوقات تیئس رکعت پڑھی ہیں اور بسا اوقات گیارہ رکعت۔ یہ سب صورتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہیں اور آپؓ کے زمانے میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی۔

سلف صالحین میں سے کچھ حضرات چھتیس رکعت اور وتر اور تین وتر پڑھا کرتے تھے اور کچھ دوسرے اکتالیس رکعت۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور کچھ دوسرے اہل علم نے ان روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس معاملے میں وسعت اور گنجائش موجود ہے' اور اس اختلاف میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ جو آدمی لمبی قراءت اور لمبا رکوع و سجود کرنا چاہے اس کے لئے تھوڑی رکعات افضل ہیں اور جو آدمی ہلکی قراءت اور مختصر رکوع و سجود پر اکتفا کرنا چاہے وہ تعداد رکعات میں اضافہ کر لے۔ ہم نے شیخ الاسلام کی گفتگو بالمعنیٰ ذکر کی ہے۔

جو شخص رمضان میں امام کے ساتھ نماز شروع کرے اس کے لئے افضل یہی ہے کہ

وہ امام کے ساتھ ہی نماز مکمل کرے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

((اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَامَ مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ قِیَامَ لَیْلَۃٍ)) (۱۰)

"جب کوئی آدمی امام کے ساتھ قیام کرے اور نماز سے فراغت تک امام کے ساتھ رہے اللہ تعالیٰ اس آدمی کے حق میں ساری رات کا قیام لکھ دیتے ہیں۔"

اس مبارک مہینے میں تمام مسلمانوں کو حتی الامکان ہر قسم کی عبادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے' مثلاً نفل نماز' قرآن کریم کی تلاوت' اس میں تدبر یعنی سوچ بچار' سبحان اللہ' الحمدللہ' لاالٰہ الااللہ اور اللہ اکبر کا کثرت سے ذکر' دیگر مستحب و مسنون دعائیں' امر بالمعروف و نہی عن المنکر' اللہ کے دین کی طرف بندگانِ خدا کو دعوت' غریبوں' مسکینوں سے ہمدردی' والدین کی خدمت' صلہ رحمی' پڑوسیوں سے حسن سلوک' مریضوں کی عیادت' اور ان کے علاوہ جتنے بھی نیکی کے کام ہو سکتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مندرجہ ذیل فرمان پہلے بھی گزر چکا ہے :

((یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلٰی تَنَافُسِکُمْ فِیْہِ فَیُبَاھِیْ بِکُمْ مَلَائِکَتَہٗ' فَاَرُوا اللّٰہَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ خَیْرًا' فَاِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فِیْہِ رَحْمَۃَ اللّٰہِ)) (۱۱)

"اللہ تعالیٰ نیک کاموں میں تمہارے باہمی مقابلے کو بڑی توجہ سے دیکھتا ہے اور ان کی وجہ سے اپنے فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا اچھا کردار پیش کرو۔ جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا' وہ انتہائی بدبخت ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِنْ خِصَالِ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ' وَمَنْ اَدّٰی فِیْہِ فَرِیْضَۃً کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ)) (۱۲)

"جس شخص نے رمضان کے دنوں میں کوئی بھلائی کا کام کیا اسے دوسرے دنوں میں فرض ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا' اور جس نے رمضان میں ایک فرض

ادا کیا اسے دوسرے دنوں کے ستر فرضوں جتنا ثواب ملے گا"۔

فضائل رمضان بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً — أَوْ قَالَ — حَجَّةً مَعِيَ)) (۱۴)

"رمضان میں عمرہ ثواب کے لحاظ سے حج کے برابر ہے"۔ یا فرمایا : "میرے ساتھ حج کے برابر ہے"۔

اس مبارک مہینے میں مختلف قسم کے نیک کاموں میں باہمی مقابلہ اور مسابقت کی فضیلت بیان کرنے والی متعدد احادیث و روایات کتب حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ایسے کام کرنے کی توفیق بخشے جن میں اس کی رضا شامل ہو' ہمارے صیام و قیام کو مقبول و منظور فرمائے' ہمارے حالات کی اصلاح کر دے' ہم سب کو گمراہی اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کی بھی درخواست کرتے ہیں کہ تمام مسلمان حکمرانوں کی اصلاح فرمائے اور حق پر ان کو مجتمع کر دے۔ اور وہی ذات ایسا کرنے پر قادر ہے۔

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب الصوم' باب ماجاء فی فضل شھر رمضان حدیث ۶۸۵۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الصیام' باب ماجاء فی فضل شھر رمضان حدیث ۱۶۴۲۔ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن الترمذی للالبانی۔

(۲) مجمع الزوائد' ج ۳' ص ۱۴۲' بحوالہ المعجم الکبیر للطبرانی۔

(۳) صحیح بخاری' کتاب الصوم' حدیث ۳۳' ۳۵' ۳۶

(۴) صحیح بخاری' کتاب الصوم' باب ھل یقول انی صائم اذا شُتِمَ۔ صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام' حدیث ۱۱۵۱۔

(۵) سنن الترمذی' حدیث ۲۶۲۳۔ کتاب الایمان' باب ماجاء فی ترک الصلٰوۃ' حدیث صحیح ہے۔ دیگر متعدد کتب حدیث میں بھی یہ حدیث دیکھی جا سکتی ہے۔ امام حاکم و امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرک' ج ۱' ص ۶' ۷۔

(۶) صحیح بخاری' کتاب الایمان' حدیث ۸

(۷) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام۔

(۸) صحیح بخاری' کتاب الصوم' باب من لم یدع قول الزور ۔۔۔ الخ۔

(۹) صحیح بخاری 'کتاب الوتر' باب ماجاء فی الوتر۔ صحیح مسلم 'کتاب صلاۃ المسافرین 'باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ۔

(۱۰) سنن ابی داؤد 'تفریع ابواب شھر رمضان 'باب فی قیام شھر رمضان۔ سنن الترمذی 'باب قیام شھر رمضان حدیث ۷۴۶۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ بلاحظہ ہو صحیح سنن الترمذی للالبانی۔

(۱۱) مجمع الزوائد 'حوالہ گزر چکا ہے۔

(۱۲) الترغیب والترھیب بحوالہ صحیح ابن خزیمہ۔ لیکن حدیث سخت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی 'حدیث ۸۷۱

(۱۳) سنن ابی داؤد 'کتاب المناسک 'باب العمرۃ' حدیث ۱۹۹۰۔ سنن الترمذی 'کتاب الحج 'باب ماجاء فی عمرۃ رمضان 'حدیث ۹۳۹۔ حدیث صحیح ہے 'ملاحظہ ہو صحیح سنن الترمذی للالبانی

دینی جماعتوں اور جہادی تحریکوں کا نصب العین

نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام

——— رشید عمر ———

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾

(المائدہ ۰ ۶۸)

"کہہ دو: اے اہل کتاب تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات ' انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو قائم نہ کرو۔ یہ فرمان جو تمہارے رب کی طرف سے تمؐ پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو زیادہ بڑھادے گا۔ مگر تم انکار کرنے والوں کے حال پر کچھ افسوس نہ کرو"۔

شریعت بل پیش کرنے کے بعد ہمارا قومی ردِّ عمل اس آیت مبارکہ میں بیان کئے گئے ردِّ عمل سے مختلف نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک دوسرے اہم پہلو سے بات کو واضح کرنا مقصود ہے۔ وہ اہم پہلو یہ ہے کہ آج جب دُنیا کے کسی خطہ پر بھی صحیح اسلامی نظام قائم نہیں ہے 'تو کیا اُمتِ مسلمہ کی حیثیت اس حال میں اللہ کو قابل قبول ہے؟ اور کیا اسلامی نظامِ زندگی قائم نہ ہونے کی صورت میں اُمتِ مسلمہ کے مختلف گروہوں کا مذہب کے نام پر جہاد کے لئے برسرپیکار ہونا اُمت کے اسلامی رول کو اللہ کے ہاں قابل قبول بنانے کے لئے کافی ہے؟

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی روشنی میں سابقہ اُمتوں کے حال پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جب اللہ کے دیئے ہوئے نظامِ زندگی کو عملاً قائم نہ کیا تو اللہ

تعالیٰ نے ان کی کسی دوسری حیثیت کو یکسر تسلیم نہیں کیا۔ اگر امتِ مسلمہ بھی اسی روش پر چل رہی ہو تو اس کا کیا مقام ہے؟ اور پھر اس کی زندگی کا واحد اولین نصب العین کیا ہونا چاہئے۔ ان سوالوں کے جواب کے لئے دو جلیل القدر انبیاء کی زندگی کا جائزہ لینا ہوگا۔ وہ دو انبیاء ہیں حضرت ابرہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ۔ یہی دو پیغمبر ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر واضح کیا ہے کہ تمہارے لئے ان کی زندگی اور ان کے اصحاب کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ پہلے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو دیکھتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ . . . . ﴾ (الممتحنة : ۴)

"تمہارے لئے بہترین نمونہ تو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں ہے' جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو بالکل بری ہیں' ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بیزاری پیدا ہو گئی' یہاں تک کہ تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاؤ....."

دشمنی اور بیزاری کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے آپ علیہ السلام کو جن مراحل سے گزرنا پڑا' جن جن گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑا' قرآن مجید نے ان کا مفصل ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے باپ کے خاندانی بُت کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا اور کہا :

﴿ يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ ﴾

(مریم : ۴۲)

"ابا جان! آپ کیوں اس کی بندگی کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے' نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتا ہے؟"

باپ کا جواب تھا :

﴿ ...لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ○ ﴾ (مریم : ۴۶)

"اگر تو اپنی بات سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کروں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا"۔

پدری محبت اور خاندانی بندھن آڑے نہیں آئے اور آپؑ یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے :

﴿ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰی اَنْ لَاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○ ﴾ (مریم : ۴۸)

"میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ اور میں تو صرف اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا' امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر نا امید نہیں رہوں گا"۔

جب قوم نے اپنے معبودانِ باطل کی ناراضگی سے ڈرایا تو نہ صرف ان کے باطل نظریات کو حکمت اور دلائل کی بنیاد پر غلط ثابت کیا بلکہ ان کی طرف سے دلائے گئے خوف کو بھی مسترد کر دیا۔ فرمایا :

﴿ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الانعام : ۸۲)

"اور میں اُن چیزوں سے کیوں ڈرنے لگا جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا ہے' جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے (جن کے معبود ہونے) کی کوئی سند اس نے تم پر نازل نہیں کی۔ پھر دونوں میں سے کونسا فریق امن (اطمینان سے رہنے) کا زیادہ حقدار ہے' (بتاؤ) اگر تم علم رکھتے ہو۔"

اسی طرح قوم کے بُت خانہ میں بُتوں کے توڑنے کا مشہور واقعہ بھی پیش آیا جسے قرآن نے یوں بیان کیا :

﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ○ ﴾

(الانبیاء : ۵۸)

"چنانچہ (ان کے چلے جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے) بُتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا'

بجز ان کے بڑے بُت کے' تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔"
اس پر قوم کا ردِّ عمل بھی قرآن میں نقل ہوا ہے :

﴿ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء: ۶۸)

"انہوں نے (آپس میں) کہا: جلاڈالو اس کو اور بدلہ لو (اس سے) اپنے معبودوں کا اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔"

آپ علیہ السلام نے اس موقع پر بھی رہتی دُنیا کے لئے اپنا اُسوہ چھوڑا اور کوئی مفاہمت قبول نہیں کی' بلکہ اپنے دعوے اور عمل پر ثابت قدم رہتے ہوئے کفرو شرک کی جلائی ہوئی آگ میں چھلانگ لگادی۔ نصرتِ الٰہی کو بھی جوش آیا :

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۶۹)

"ہمارا حکم ہوا: اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی (بن جا) ابراہیم کے لئے"۔

اسی طرح باطل قوت و اقتدار کا سربراہ نمرود بھی آپ علیہ السلام کے ٹھوس دلائل کے سامنے مبہوت ہو کر رہ گیا :

﴿ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ ﴾ (البقرة . ۲۵۸)

"ابراہیم نے کہا: اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے' تُو اسے مغرب سے نکال لا۔ (یہ سن کر) وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔"

آپ علیہ السلام نے محبوب بیٹے کی محبت بھی اطاعت خداوندی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"(اور ابراہیم نے دعا مانگی) اے میرے رب مجھے (بیٹا) عطا فرما (جو) صالحین میں سے (ہو) تو ہم نے اسے ایک بُردبار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ لڑکا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے اس سے کہا: بیٹا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں' تو اب بتا تیری کیا رائے ہے؟۔ وہ بولا: ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے (بلا تامل) اس کی تعمیل کیجئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر جب دونوں (باپ بیٹے) حکم کی تعمیل

پر آمادہ ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل (زمین پر) گرا دیا تو ہم نے آواز دی: "اے ابراہیم واقعی تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ (اب ہم تجھے بڑے مراتب دیں گے اور) نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھی ایک کھلی آزمائش۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی اس بچے کے بدلے میں دے دی"۔ (الصافات : ۱۰۰۔۱۰۷)

دعوتِ حق کے لئے اپنی جائے پیدائش عراق کے شہر "اُر" سے لے کر مکہ تک کا سفر اس بات کی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام نے کسی علاقہ یا جگہ کی محبت کو اس عظیم رستے کی رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ اس دعوت کی شان کیا تھی؟ قرآن مجید نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے :

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

(البقرۃ : ۱۳۱)

"جب اس کے رب نے کہا فرمانبرداری اختیار کر' تو پکار اٹھا کہ میں نے ربّ العالمین کی فرمانبرداری اختیار کر لی"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف نظری توحید بلکہ توحید عملی کا نمونہ اپنی قوم کے سامنے رکھ کر دعوت دی کہ جیسے میں نے اپنے رب کی مکمل فرمانبرداری اختیار کی ہے' تم بھی غیروں کی بندگی چھوڑ کر صرف اسی کے فرمانبردار بن جاؤ۔ اگر تم اس کی اطاعت اختیار نہیں کرتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ یہ دشمنی اس وقت تک رہے گی جب تک تم صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کے اطاعت گزار نہیں بن جاتے۔ آپ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے ان بڑے بڑے واقعات کو ذہن میں لایئے کہ کس طرح آپ علیہ السلام نے خاندانی بُت کو توڑا' قوم کے بُت خانہ کو توڑا' باطل نظریات کو جھوٹا ثابت کیا' معبودانِ باطل کے غیظ و غضب کو خاطر میں نہیں لائے' اقتدار کے بُت کے سامنے نہیں جھکے' ایذا اور تکلیف کے خوف کے بُت کو خاطر میں نہیں لائے' وطن پرستی اختیار نہیں کی اور اولاد کی محبت کے جذبے کو اللہ کی محبت کے مقابلے میں ذبح کر دیا۔ تو پھر مالک حقیقی کی طرف سے اعلان ہوا :

﴿ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرۃ : ۱۲۴)

"میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔

آیئے اب ایک جھلک نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ کی بھی دیکھ لی جائے۔ جونہی اللہ کی جانب سے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے پکار لگائی۔ یہ پکار عام بھی تھی اور خاص بھی۔ آپ نے کہا: اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی کعب اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ کی گرفت سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ پھر حکم ہوا :

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ٥﴾ (الحجر : ۹۴)

"آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رُخ پھیر لیجئے"۔

آپ ﷺ نے مشرکانہ خرافات اور باطل نظریات کا مثالیں دے دے کر پردہ چاک کرنا شروع کیا تو قریشِ مکہ نے چار محاذوں پر آپ کی دعوت کو روکنے کی کوشش کی :

(۱) ہنسی مذاق، ٹھٹھا، تحقیر اور تکذیب تاکہ مسلمانوں کو بددل کر کے ان کے حوصلے پست کر دیئے جائیں۔ قرآن نے ان کا قول نقل کیا ہے :

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ٥﴾ (الحجر : ۶)

"(کافروں نے کہا) اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے یقیناً تم مجنون ہو۔"

(۲) آپ کی تعلیمات کو مسخ کرنا، شکوک و شبہات پیدا کرنا، جھوٹا پروپیگنڈا کرنا، تعلیمات سے لے کر شخصیت تک کو واہیات اعتراضات کا نشانہ بنانا، سب اس کثرت سے کرنا کہ عوام کو آپ کی دعوت و تبلیغ پر غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے :

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ٥﴾ (حم السجدة : ۲۶)

"اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو سنو ہی مت۔ (اور جب یہ سنایا جائے تو) اس دوران غل مچا دیا کرو شاید اس طرح تم غالب آجاؤ۔"

(۳) پہلوں کے واقعات اور افسانوں سے قرآن کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو اسی میں الجھائے رکھنا۔

(۴) سودے بازی کے ذریعے کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر اسلام اور جاہلیت کے درمیان کوئی مصالحت باہمی کی درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کرنا۔

جب یہ کارروائیاں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں تو پھر پچیس سرداران قریش نے باہمی مشورے اور غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اسلام کی مخالفت' پیغمبر اسلام کو ایذا رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جور و ستم اور ظلم تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ ذاتی حیثیت میں آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی۔ آپ ﷺ کے کھانے پر گندگی پھینکی گئی۔ نماز کے دوران سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی کمر پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی گئی' آپ ﷺ کے صاحبزادے کی موت پر خوشی منائی گئی اور آپ کے خلاف بدزبانی کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر : ۹۷)

"یقیناً ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ کا دل رکھتا ہے۔"

لیکن کوئی حربہ آپ کو دعوتِ حق کی تبلیغ سے نہ روک سکا۔

آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا گیا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گردن میں رسی ڈال کر مکہ کی گلیوں میں تپتی ریت پر گھسیٹا گیا' مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا دانہ پانی بند کر کے گھر سے نکال دیا گیا۔ آل یاسر رضی اللہ عنہم پر ظلم ڈھائے گئے۔ سُمیہؓ کو ابو جہل نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کیا' عمارؓ کو پانی میں غوطے دے کر حضرت محمد ﷺ کو گالیاں دینے پر مجبور کیا گیا اور خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو دہکتے انگاروں پر لٹایا گیا۔ اس جور و ستم کے نتیجے میں مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دو بار حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ قریش مکہ نے ان لوگوں کو واپس لانے کے لئے سفارت بھیجی جو ناکام واپس آئی۔ جب انہیں اپنی کوئی پیش چلتی نظر نہ آئی تو ابو طالب جو اَب تک آپ کے حمایتی چلے آ رہے تھے' سرداران قریش ان کے پاس حاضر ہوئے اور بولے "....اپنے بھتیجے کو روکئے' کیونکہ ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء و اَجداد کو گالیاں دی جائیں' ہماری عقل و فہم کو حماقت زدہ قرار دیا

جائے اور ہمارے خداؤں کی عیب چینی کی جائے۔ آپ نے انہیں نہ روکا تو ہم آپ سے اور ان سے ایسی جنگ چھیڑیں دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا"۔ ابو طالب پر اس زوردار دھمکی کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: "اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو"۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تو بھی میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑ سکتا کہ یا تو اللہ اس کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں"۔

مسلمانوں کی تعداد اس کے باوجود ہر روز بڑھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس قافلۂ ایمانی میں شامل ہو جاتے ہیں تو عتبہ بن ربیعہ قریش کے مشورہ سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے: "بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس لئے تم چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے دیتے ہیں، یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی جن بھوت آتا ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لئے اس کا علاج تلاش کئے دیتے ہیں اور اس کے لئے ہم بہت سا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں، تاکہ تم شفایاب ہو جاؤ"۔ جواب میں آپ ﷺ نے سورۂ حم السجدۃ کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس نے واپس جا کر قریش کے لوگوں سے کہا: اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کا قول سنا ہے، اس سے کوئی زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر عرب نے اس شخص کو مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت، اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی، اور اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہارے لئے باعثِ سعادت ہوگا۔"

اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے کسی فائدہ کے حصول کا اس سے بڑھ کر موقعہ کوئی اور نہ تھا۔ لیکن اپنی دعوت کو عملی طور پر غالب کرنے سے کم کوئی منفعت آپؐ کو قابل قبول نہ تھی۔ جب قریش مکہ نے دیکھا کہ آپؐ نے دین کی دعوت کے مقابلے میں مفاہمت کی ہر پیشکش ٹھکرا دی ہے تو بنی ہاشم اور بنی مطلب کا مکمل معاشی مقاطعہ کر دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ جب تک یہ قبائل محمدؐ کو قتل کے لئے قریش مکہ کے حوالے نہ کر دیں گے ان کے ساتھ کوئی صلح اور کسی مروّت کا معاملہ نہ کیا جائے گا۔ تین سال یہ مقاطعہ برقرار رہا لیکن اس کے باوجود ایّامِ حج میں آپؐ باہر نکلتے اور حج کے لئے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔

جب مکہ کے لوگوں تک آپؐ نے حجت تمام کر دی اور کسی مزید خیر کی توقع نہ رہی تو آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا' لیکن سردارانِ طائف نے آپ ﷺ کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ اہلِ مکہ کی زیادتیوں سے بڑھ کر تھا۔ اس کے ردعمل میں جو دُعا آپؐ نے کی وہ آسمانوں کا سینہ چیرتی ہوئی بارگاہِ الٰہی میں پہنچی' تو ملک الجبال کو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ لیکن طائف سے واپسی پر آپؐ کے آخری کلمات یہ تھے کہ "اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبیؐ کو غالب فرمائے گا"۔

ہجرت سے پہلی رات نوجوانانِ قریش مل کر آپؐ کے گھر کو گھیر لیتے ہیں کہ جونہی آپؐ باہر قدم رکھیں آپؐ کو قتل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے بحفاظت آپؐ کو مدینہ پہنچا دیا۔ مدینہ میں اوس و خزرج کا ایک گروہ آپ کا ساتھی تھا۔ بقیہ لوگوں میں تین قبائل بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ میں آباد تھے' جو فلسطینی النسل یہودی تھے۔ ان کے پاس مادی وسائل بھی وافر تھے اور ساتھ ہی مذہبی محاذ پر بھی ان کا قبضہ تھا۔ انہوں نے جہاں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں چال چلی وہاں اپنی معتبر حیثیت کے ذریعے کفار کو بھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ ان کے اس گھناؤنے کردار کی انتہائی مثال غزوۂ احزاب کے موقعہ پر کھل کر سامنے آئی۔ لیکن حضور نبی کریم ﷺ منافقت کی ان موجوں اور کفر کے چڑھتے ہوئے طوفانوں سے بچ کر اسلام کو سربلند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ غزوۂ احزاب سے پہلے کئی چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایا کے علاوہ بدر و اُحد کے

معرکے او ر اُحد میں فتح مکہ اور فتح خیبر و حُنین ' جنگِ موتہ اور جنگِ تبوک کے معرکے پیش آئے ' لیکن آپ نے سوائے دین حق کو واضح کرنے کے کسی اور حوالہ سے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ کسی معرکہ میں بھی علاقائی ' نسلی یا گروہی عصبیت کا مسئلہ جنگ کا سبب نہیں بنا۔ مطالبہ صرف ایک تھا ' نصب العین صرف ایک تھا :

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ﴾ (الشوریٰ : ۱۵)

" مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔ "

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ملاحظہ ہو :

((اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یُقِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکَاۃَ وَیَشْھَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ' فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدِ اعْتَصَمُوا وَعَصَمُوا دِمَاءَ ھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلاَّ بِحَقِّھَا وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ))

(احمد ' بزار ' نسائی ' ابن ماجہ و ترمذی)

" مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ اُس وقت تک جاری رکھوں جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھیں ' زکوٰۃ نہ دیں اور اس بات کی شہادت نہ دیں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے ' اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جب یہ باتیں کرلیں تو وہ خود بھی بچ گئے اور اپنی جان و مال کو بھی بچالیا ' مگر جو شریعت کی زد میں آجائے ' اس کے بعد ان کا حساب خدا کے سپرد ہے "۔

یہ ہے جھلک حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی۔

اب سورۃ الممتحنہ کی آیات مذکورہ پر ایک نظر دوبارہ ڈالئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ' حضرت محمد ﷺ اور وہ تمام ہستیاں جن کو اللہ نے بطور پیغامبر مبعوث کیا۔ اور جنہوں نے ان کا ساتھ دیا ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف ایک ہی تھا کہ وہ اللہ کے کلمہ کو سربلند کردیں۔ جس نظریہ کی دعوت دی خود اس کے مطابق فرمانبرداری کا مکمل نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے پیش ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے بنی نوع انسان کو خود ساختہ

تہذیبی ثقافتی رسم و رواج اور باطل مذہبی عقائد و نظریات کے بندھنوں سے آزاد کرا کے صرف اور صرف ایک اللہ کے تابع کر دیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے منصب کو بایں الفاظ واضح فرمایا :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝ ﴾ (الصف : ۹)

"وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو کُل نظامِ زندگی پر غالب کر دے ' چاہے مشرکوں کو ناگوار گزرے"۔

اور وہ ہستیاں جنہوں نے اللہ اور آخرت پر ایمان کے ساتھ آپؐ کی اتباع کی' ان کی شان اس طرح بیان فرمائی :

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۝ ﴾

(الحج : ۴۱)

"اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے ' زکوٰۃ دیں گے (لوگوں کو) نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

دورِ خلافتِ راشدہ تک فتوحات کا سلسلہ اسی نصب العین کے تحت چلا کیونکہ یہی شہادت علی الناس کی راہ تھی :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

"اسی طرح (اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دُنیا کے لوگوں پر گواہ بنو اور تم پر رسول گواہ بنے۔"

آج ہم اُمتِ مسلمہ پر نظر دوڑائیں تو پوری اُمت دو حصوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک حصہ جن کے سامنے دین کے حوالے سے کوئی نصب العین نہیں ہے۔ دوسری دینی اور جہادی تحریکیں ' جو مذہب کے نام پر اپنے کاموں کو جہاد فی سبیل اللہ کا رنگ دیتی

ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان کی تگ و دو کا مرکز و محور تہذیبی' ثقافتی' علاقائی' مسلکی اور نسلی تحفظات کا حصول تو نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی جدوجہد کو جہاد فی سبیل اللہ کہتے ہیں تو اس کا لازمی ہدف اسلامی نظام حکومت اور نفاذ شریعت کا حصول ہونا چاہئے۔ اگر یہ ہدف نہیں ہے تو باقی بُت خانہ ہے جس میں یہ جماعتیں گم ہو چکی ہیں' یہ خود اسلام کے نفاذ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ انہوں نے دوسرے مسائل کو نمایاں کر کے اپنے اور اپنے اصل ہدف کے درمیان پردے حائل کر دیئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں کا ہدف ہدایت خداوندی کے نفاذ کے علاوہ کسی اور چیز کو نہیں بنایا۔ انسانی دکھوں اور مصیبتوں کے بارے میں جس قدر حساس اور دردمند یہ ہستیاں تھیں کوئی دوسرا بڑے سے بڑا مُصلح ان کی خاک پا کا درجہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ انہوں نے تمام مسائل کا حل اللہ کے دیئے ہوئے نظام کو بتایا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دُنیا کو اس کی عملی صورت دکھادی۔

فرض کیجئے آپؐ گوناں گوں مشکلات کے حل کے لئے کوئی علاقائی مطالبہ یا مالی منفعت کے حصول پر مدِّمقابل عالمِ کفر سے سودا بازی کر لیتے تو ضرورتیں تو ان کی بھی تھیں' اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں گھربدر ہونے پر مجبور تھے۔ معاشی بدحالی نے انہیں بے حال کر رکھا تھا۔ معاشرتی وقار ان کو بھی محبوب تھا۔ اگر آپؐ کوئی بیچ کی راہ نکال لیتے جس سے یہ مسائل حل ہو جاتے تو کونسا مفکر یا دانشور ایسا ہوتا جو انہیں غلط کہتا۔ یقیناً لوگ آپؐ کو قومی ہیرو قرار دیتے۔ لیکن پوری انسانیت کو نظامِ عدل و قسط سے بہرہ ور کرنا ایسا مقصد تھا جس کے بدلے میں کوئی قیمت وصول نہیں کی جاسکتی تھی ـــــ اور بس یہی طریق زندگی قابلِ اتباع ہے۔

آج اگر دینی جماعتوں اور جہادی تحریکوں نے تہذیبِ نفس اور ابلاغِ عامہ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے باطل نظریات و عقائد سے بیزاری ظاہر نہ کی' اپنے پائے استقلال سے باطل اقتدار کے سربراہوں کو مبہوت نہ کیا' مصائب اور دکھوں کے خوف کے بُتوں سے نہ ٹکرائے اور نظامِ عدلِ اجتماعی کو اپنا نصب العین نہ بنایا تو جان لینا چاہئے کہ دُنیا میں مشرکین بھی ہیں' یہود و نصاریٰ بھی ہیں لیکن مسلمان نہیں ہیں!

غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار (۹)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد، مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۴۰) غلطی کرنے والے کا بائیکاٹ :

یہ ایک انتہائی مؤثر نبوی اسلوب ہے، بالخصوص جب کہ غلطی یا گناہ بہت عظیم ہو۔ کیونکہ تعلقات منقطع کر لینے سے غلطی کرنے والے کے دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے، جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے یہ تحقیق کر لی، اور خود انہوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ ان کے پاس جہاد سے پیچھے رہ جانے کا کوئی عذر نہیں تھا تو پھر کیا ہوا، اس کی تفصیل خود حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی زبان سے پیش خدمت ہے۔ انہوں نے فرمایا :

جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے، ان میں سے ہم تین سے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے دور دور رہنے لگے اور ہمارے ساتھ ان کا رویہ بالکل تبدیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ مجھے زمین اجنبی محسوس ہونے لگی۔ گویا یہ وہ سرزمین نہیں جسے میں جانتا تھا۔ پچاس دن تک ہمارا یہی حال رہا۔ میرے دونوں ساتھی تو انتہائی دل شکستہ ہو کر گھروں میں بیٹھ رہے اور روتے رہے۔ میں زیادہ جوان اور مضبوط تھا، (صبر کر کے یہ عظیم مصیبت برداشت کرتا رہا)، میں گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں بھی شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا بھی تھا، لیکن کوئی مسلمان مجھ سے کلام نہیں کرتا تھا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر مجلس میں

تشریف فرما ہوتے' مَیں حاضر ہو کر سلام عرض کرتا' پھر دل میں کہتا : کیا میرے سلام کا جواب دینے کے لئے آنحضرت ﷺ کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی ہے یا نہیں؟ (شک ہی رہتا)۔ پھر میں حضور ﷺ کے قریب ہی نماز شروع کر دیتا۔ چور نظروں سے حضور ﷺ کی طرف دیکھتا۔ جب مَیں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور ﷺ میری طرف دیکھتے' جب میں حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ منہ پھیر لیتے۔ جب لوگوں کی بے التفاتی کی مدت طویل ہو گئی تو (ایک دن) میں دیوار پھاند کر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ میں داخل ہو گیا' وہ میرے چچا زاد تھے' اور مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا' اللہ کی قسم! انہوں نے میرے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا : "ابو قتادہ! میں تجھ سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں' کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ؐ سے محبت رکھتا ہوں؟" وہ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ قسم دے کر پوچھا' وہ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے پھر قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے کہا : "اللہ اور اس کے رسول ؐ کو زیادہ معلوم ہے"۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں واپس لوٹا اور دیوار پھاند کر باہر آ گیا..... اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے آگے جا کر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : جب سے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع کیا تھا' پچاس راتیں گزر گئی تھیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھ کر گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور میری وہی کیفیت تھی جو اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) بیان فرمائی ہے کہ مجھ پر میری جان تنگ ہو گئی تھی' اور زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔ اچانک مجھے کسی پکارنے والے کی آواز سنائی دی' جس نے سلع پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا تھا : "اے کعب بن مالک! تجھے خوشخبری ہو"۔ (۱۰۷)

اس واقعہ میں عظیم نکات اور ایسے نصائح ہیں جنہیں کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ان سے مطلع ہونے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں علماء نے اس حدیث کی شرح بیان کی ہے' مثلاً زاد المعاد اور فتح الباری۔

ترمذی کی حدیث سے بھی آنحضرت ﷺ کے اس اسلوب کو روبعمل لانے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا : "جناب رسول

اللہ ﷺ کو تمام عادتوں میں سب سے زیادہ نفرت جھوٹ سے تھی۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے پاس غلط بیانی کرتا تو آنحضرت ﷺ کے دل پر اس وقت تک اس کا اثر رہتا تھا جب تک حضور ﷺ کو یقین نہ ہو جاتا کہ اس نے توبہ کرلی ہے۔(۱۰۸)

مسند احمد کی روایت میں ہے: "رسول اللہ ﷺ کے دل میں اس سے ناراضگی رہتی"۔(۱۰۹) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اگر حضور ﷺ کو اپنے کسی صحابی سے اس قسم کی کوئی چیز معلوم ہوتی تو حضور ﷺ اس سے کبیدہ خاطر رہتے، حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ اُس نے توبہ کرلی ہے"۔(۱۱۰)

ایک روایت میں ہے: "اگر حضور ﷺ کو اپنے گھر والوں میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس نے کوئی بات جھوٹ کہی ہے تو آپ اس سے عدمِ التفات کا رویّہ رکھتے، حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے"۔(۱۱۱)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے سے خفا ہو جانا، تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے، ایک مفید تربیتی اسلوب ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے جب غلطی کرنے والے کے دل میں خفا ہو جانے والے کا ایک مقام ہو، ورنہ اس پر اس کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے وہ سوچے کہ اچھا ہوا، جان چھوٹ گئی۔

(۳۱) غلطی پر اَڑ جانے والے کو بددعا دینا:

امام مسلمؒ نے روایت کی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "دائیں ہاتھ سے کھاؤ"۔ اُس نے کہا: "میں نہیں کھا سکتا"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تُو نہ کھا سکے"۔ اس کے بعد اس کا دایاں ہاتھ اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکا۔(۱۱۲)

مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو، جسے بُسر بن راعی العیر کہا جاتا تھا، بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا۔ میں نے حضور ﷺ کو اسے فرماتے سنا: "دائیں ہاتھ سے کھا"۔ اُس نے کہا: "میں اس کی طاقت نہیں رکھتا"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تُو طاقت نہ رکھے"۔ صحابی فرماتے

ہیں : اس کے بعد اس کا دایاں ہاتھ منہ تک نہیں پہنچ سکا۔ (۱۱۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بلاعذر کسی شرعی حکم کی مخالفت کرے اسے بددعا دینا جائز ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر حال میں کرنا چاہئے' حتیٰ کہ کھانا کھانے کے دوران بھی کیا جاسکتا ہے"۔ (۱۱۴)

یہ بددعا اس انداز کی نہیں تھی جس سے انسان کے خلاف شیطان کی مدد ہو' بلکہ یہ ایک قسم کی سزا تھی۔

۳۴) غلطی کرنے والے کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ غلطی کی طرف اشارہ کرکے باقی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرنا :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا' فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ' فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا' قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۝ ﴾ (التحریم : ۳)

"اور جب نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی۔ پھر جب اُس نے اس کو افشا کردیا اور اللہ نے نبیؐ کو اس سے آگاہ کردیا' تو نبیؐ نے اس پر کسی حد تک (اُس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبیؐ نے اُسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اُس نے پوچھا آپؐ کو اس کی کس نے خبر دی؟ نبیؐ نے کہا: مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جاننے والا اور خوب باخبر ہے"۔

قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر "محاسن التاویل" میں فرمایا :

"اور جب نبیؐ نے" یعنی حضرت محمد ﷺ نے "اپنی ایک بیوی سے" حفصہ رضی اللہ عنہا سے "راز کی بات کہی" یعنی لونڈی کو' یا اللہ کی حلال کردہ کسی اور چیز کو' اپنی ذات پر حرام کرنے کی بات بتائی۔ "جب اُس نے اس کو افشا کردیا" یعنی اُس نے وہ راز کی بات اپنی ساتھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادی "اور اللہ نے پیغمبر کو اس سے آگاہ کردیا" یعنی آپ کو

اطلاع دے دی کہ اُس نے اسے بات بتادی ہے "تو پیغمبرؐ نے اس بیوی کو وہ بات کچھ تو بتائی" یعنی انہوں نے جو راز افشاء کیا تھا' ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کچھ بات بتائی "اور کچھ نہ بتائی"۔ یعنی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ بات نہ بتائی۔

نوٹ : الاکلیل میں ہے : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کسی آشنا یعنی بیوی یا دوست وغیرہ کو راز کے طور پر کوئی بات بتانے میں کوئی حرج نہیں' اور اس (ہم راز) کے لئے ضروری ہے کہ اس راز کو محفوظ رکھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیویوں سے حسن سلوک کرنا چاہئے اور ڈانٹ ڈپٹ میں بھی نرمی کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور (غلطی کرنے والے کو جتانے کے لئے) غلطی کی پوری تفصیل ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے"۔ (۱۱۵)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے : "شریف آدمی کبھی تفصیل میں نہیں جاتا"۔
سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : "شریف لوگ ہمیشہ تغافل سے کام لیتے ہیں"۔

(۳۳) غلطی کے ازالے میں مسلمان کی مدد کرنا :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا . ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اُس نے کہا : "یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا"۔ فرمایا : "کیا ہوا؟" اُس نے کہا : "میں نے روزہ کی حالت اپنی بیوی سے مباشرت کر لی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "کیا تمہیں ایک غلام دستیاب ہے جسے تم آزاد کر دو؟" اُس نے عرض کیا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "کیا تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما رہے۔ اسی اثناء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ٹوکرا پیش کیا گیا' جس میں کھجوریں تھیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا : "سائل کہاں ہے؟" اُس نے کہا : "جی' میں ہوں"۔ فرمایا : "یہ لے کر صدقہ کر دو"۔ وہ بولا : "اللہ کے رسول! کیا اپنے سے زیادہ غریب آدمی پر صدقہ کروں؟ اللہ کی قسم! سنگریزوں والے دونوں قطعات کے درمیان (یعنی

پورے مدینہ میں) مجھ سے غریب گھر موجود نہیں"۔ آنحضرت ﷺ کھل کر مسکرائے حتیٰ کہ آپ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ پھر فرمایا: "اپنے گھر والوں کو کھلا دینا"۔ (۱۱۶)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان کے قلعہ کے بلند حصہ کے سائے میں بیٹھے تھے' کہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوا' اور بولا: "اللہ کے رسول! میں تو جل گیا"۔ فرمایا: "کیا ہوا؟" اُس نے کہا: "میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے مقاربت کی ہے"۔ راوی کہتے ہیں: یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: "بیٹھ جاؤ"۔ وہ دوسرے لوگوں میں جا بیٹھا۔ تب ایک آدمی گدھے پر کھجوروں کی بوری لے کر حاضر ہوا اور اُس نے کہا: "یا رسول اللہ! یہ میری طرف سے صدقہ ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ کہاں ہے جو ابھی جل گیا تھا؟" اُس نے کہا: "میں حاضر ہوں یا رسول اللہ" فرمایا: "یہ لے لو اور صدقہ کر دو"۔ اُس نے کہا: "صدقہ مجھ پر اور میرے لئے کرنے کے علاوہ اور کہاں جائے گا؟ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے' میرے پاس اور میرے بیوی بچوں کے پاس کچھ بھی نہیں"۔ فرمایا: "تب اسے لے لو"۔ چنانچہ اُس نے وہ کھجوریں لے لیں۔ (۱۱۷)

(۳۴) غلطی کرنے والے سے مل کر تبادلۂ خیال کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: میرے والد نے ایک معزز خاندان کی ایک خاتون سے میری شادی کر دی۔ وہ اپنی بہو کی خیریت کا پتہ کرنے آتے اور اس سے اس کے خاوند کے بارے میں پوچھتے' وہ کہتی: "وہ بہت اچھے آدمی ہیں' جب سے ہم ان کے پاس آئے ہیں وہ ہمارے بستر پر نہیں بیٹھے' نہ ہمارا کپڑا اٹھا کر دیکھا"۔ جب کافی عرصہ تک یہی کیفیت رہی تو انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ذکر کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اسے میرے پاس لانا"۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: "تم روزے کس طرح رکھتے ہو؟" میں نے کہا: "ہر روز"۔ فرمایا: "قرآن کتنی دیر میں ختم کرتے ہو؟" میں نے عرض

کیا : "ہر رات"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "ہر مہینے میں تین روزے رکھو' اور ایک مہینے میں قرآن پڑھو"۔ میں نے کہا : "میں اس سے زیادہ (عمل کرنے کی) طاقت رکھتا ہوں"۔ فرمایا : "ہفتہ میں تین روزے رکھو"۔ میں نے عرض کیا : "میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں"۔ فرمایا : "دو دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھو"۔ میں نے عرض کیا : "میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں"۔ فرمایا : "تو سب سے افضل روزہ رکھ لو' یعنی داؤد (علیہ السلام) کا روزہ' ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑو اور سات راتوں میں ایک بار قرآن ختم کرو"۔ کاش! میں نے رسول اللہ ﷺ کی رخصت قبول کرلی ہوتی! اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں (اور اتنی عبادت آسانی سے نہیں کر سکتا۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) آپ دن کے وقت قرآن کا ساتواں حصہ کسی کو سنا لیتے تھے' تاکہ رات کو پڑھنے میں آسانی ہو اور جب یہ چاہتے کہ (انہیں روزے رکھنے کی) طاقت حاصل ہو جائے' تو کئی دن (مسلسل) روزہ چھوڑ دیتے' بعد میں گن کر پورے کر لیتے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو کام نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں کرتے رہے ہیں' اسے ترک کر دیں۔ (۱۱۸)

مسند احمد کی روایت میں یہ واقعہ مزید وضاحت سے بیان ہوا ہے' اور اس روایت میں مزید کئی نکات بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : میرے والد نے قریش کی ایک عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ جب وہ رخصت ہو کر میرے گھر آئی تو میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا' کیونکہ میں اپنے اندر عبادت یعنی نماز اور روزے کی طاقت محسوس کرتا تھا۔ (ایک دن) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی بہو کے پاس آئے اور اس سے پوچھا : "تم نے اپنے خاوند کو کیسا پایا؟" اُس نے کہا : "بہت اچھا آدمی ہے' نہ اُس نے ہمارا کپڑا اٹھایا' نہ ہمارے بستر پر آئے"۔ انہوں نے میرے پاس آکر مجھے بہت سرزنش کی' اور فرمایا : "میں نے تمہارا نکاح قریش کی اونچے حسب نسب والی عورت سے کیا' تو نے اس سے کنارہ کشی کرلی اور تو نے یہ کیا' وہ کیا" (یعنی انہوں نے بہت برا بھلا کہا) پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے بلا بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا : "دن کو روزہ رکھتے

ہو؟" میں نے کہا : "جی ہاں"۔ فرمایا : "رات کو قیام کرتے ہو؟" میں نے کہا : "جی ہاں"۔ پھر فرمایا : "لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں' اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ جو میرے طریقے سے بے رغبتی کرے گا وہ مجھ سے نہیں"۔ پھر فرمایا : "ہر مہینے ایک بار قرآن پڑھا کرو"۔ میں نے عرض کیا : "میں اپنے آپ میں اس سے زیادہ قوت محسوس کرتا ہوں"۔ فرمایا : "تب دس دن میں قرآن پڑھ لیا کرو"۔ میں نے کہا : "میں خود کو اس سے زیادہ قوی سمجھتا ہوں"۔ فرمایا : "تو تین دن میں پڑھ لو"۔ اس کے بعد فرمایا : "ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو"۔ میں نے کہا : "میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں"۔ آپ اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ فرمایا : "ایک دن روزہ رکھو' ایک دن نہ رکھو۔ یہ سب سے افضل روزہ ہے اور یہ میرے بھائی داؤد (علیہ السلام) کا روزہ ہے"۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "ہر عبادت کرنے والے کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ جوش کے ٹھنڈا پڑنے پر وہ شخص یا تو سنت پر قائم رہتا ہے یا بدعت اختیار کر لیتا ہے۔ تو جو شخص جوش ٹھنڈا ہونے پر بھی سنت پر عمل کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے' اور جو شخص جوش ٹھنڈا ہونے پر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے' وہ تباہ ہو جاتا ہے"۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : "جب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بوڑھے اور کمزور ہو گئے' تو (یہ طریقہ اختیار کیا کہ) مسلسل کئی دن روزے رکھتے رہتے' پھر اسی تعداد کے مطابق (مسلسل) روزہ چھوڑ دیتے' تاکہ کچھ قوت حاصل ہو جائے"۔ انہوں نے فرمایا : "اسی طرح تلاوت کے حصہ میں بھی کمی بیشی کر لیتے تھے لیکن (مجموعی طور پر) مقدار پوری کر کے سات دن میں یا تین دن میں قرآن مجید پڑھ لیتے"۔ انہوں نے فرمایا : "بعد میں وہ کہا کرتے تھے : "اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت قبول کر لیتا تو وہ موجودہ متبادل صورت سے بہتر ہوتا۔ لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کام کرتے ہوئے جدا ہوا ہوں' اب اسے چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کو جی نہیں چاہتا"۔ (۱۱۹)

واقعہ سے مستنبط بعض مسائل

☆ نبی اکرم ﷺ نے اس سبب کی طرف توجہ فرمائی جس کی وجہ سے مسئلہ پیدا ہوا تھا۔ یعنی عبادت میں اس حد تک انہماک کہ بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لئے وقت نہ بچا جس کے نتیجے میں کوتاہی کا ارتکاب ہوا۔

☆ "ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو"۔ یہ قاعدہ ہر اس شخص پر منطبق ہوتا ہے جو نیکی کے کاموں میں حد سے زیادہ مشغول ہو۔ مثلاً وہ طالب علم جو بہت زیادہ اسباق پڑھتا ہے اور وہ مبلغ جو تبلیغ میں اس حد تک منہمک ہو جاتا ہے کہ بیوی کو تکلیف ہوتی ہے اور اسے شکایت پیدا ہوتی ہے' اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نیکی کے مختلف کاموں کی ادائیگی میں توازن قائم نہیں رہتا اور وقت کو مستحقین میں تقسیم کرنے پر عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ طالب علم اپنے اسباق کے اوقات میں سے اور مبلغ اپنی مصروفیت میں سے اتنی تخفیف کرے کہ گھر کے انتظام اور بیوی بچوں کے حقوق —— مثلاً اصلاح و تربیت وغیرہ —— کے لئے کافی وقت بچ سکے۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱۰۷) فتح الباری ۸/۴۴۱

(۱۰۸) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ سنن ترمذی' حدیث ۱۹۷۳

(۱۰۹) مسند احمد ۶/۱۵۲

(۱۱۰) سلسلہ احادیث صحیحہ ۲۰۵۲

(۱۱۱) اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ صحیح الجامع ۴۶۷۵

(۱۱۲) صحیح مسلم' حدیث ۲۰۲۱

(۱۱۳) صحیح مسلم ۴/۳۵

(۱۱۴) شرح نووی' ۱۴/۱۹۲

(۱۱۵) محاسن التاویل ۱۶/۲۲۲

(۱۱۶) صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۹۳۶

(۱۱۷) مسند احمد ۶/۲۷۶

(۱۱۸) صحیح بخاری مع فتح الباری ۵۰۵۲

(۱۱۹) مسند احمد ۲/۱۵۸' احمد شاکر نے کہا "اس کی سند صحیح ہے"۔ (حدیث ۶۴۷۷)

انقلابِ ایران کے فکری و عملی راہنما

ڈاکٹر علی شریعتی اور آیت اللہ طالقانی

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۴)

ــــــــ ڈاکٹر ابو معاذ ــــــــ

۱۹۷۰ء کی دہائی میں مجاہدین پر قیامت ٹوٹتی رہی' انہیں بڑے پیمانے پر گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتارا جاتا رہا اور وہ عزم و ہمت کی شاندار روایات قائم کرتے رہے' لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو انقلاب کی صبح کو طلوع ہوتا دیکھ سکے۔ ان لوگوں کے پیچھے آیت اللہ طالقانی اور ڈاکٹر علی شریعتی کی شخصیات تھیں اور یہ لوگ فکرِ اقبال سے جذباتی حد تک متأثر تھے۔ اب ہم ان تین شخصیات کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر علی شریعتی : مفکرِ انقلاب

زندگی : دسمبر ۱۹۳۳ء میں خراسان کے ایک چھوٹے سے گاؤں مازینان میں پیدا ہوئے جو صحرائے کویر کے ایک کونے میں واقع ہے۔ ان کے والد مجتہد استاد تقی شریعتی ایک عظیم عالم دین تھے اور مشہد میں حقانیت اسلام کی ترویج کے مرکز کے بانی تھے' جس کی بنیاد طاہر احمد زادہ کے ساتھ مل کر ۱۹۴۱ء میں رکھی گئی تھی۔ اسی طرح ۱۹۵۲ء میں استاد تقی شریعتی نے مہدی بازرگان کی تحریک آزادی میں مؤسس رکن کے طور پر شرکت کی تھی' جس میں ان کے علاوہ آیت اللہ طالقانی' طاہر احمد زادہ اور ڈاکٹر ید اللہ جیسے عظیم دانشور شامل تھے۔

ڈاکٹر شریعتی نے ۱۹۵۶ء میں مشہد یونیورسٹی کی فیکلٹی ادبیات میں داخلہ لیا۔ یہاں سے ڈاکٹر علی شریعتی نے دو محاذوں پر اپنی جنگ کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا نشانہ روایتی علماء

اور رجعت پسندوں کا طبقہ تھا جنہوں نے خود کو اپنی ذات کے خول میں بند کر کے اسلام کو توہمات کے مجموعہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے عوام کی روزمرہ زندگی کے مسائل سے نکال باہر کیا تھا اور دوسرا طبقہ ان نام نہاد ترقی پسندوں کا تھا جو مغرب کی اندھی تقلید میں مگن تھے۔ ڈاکٹر شریعتی ۱۹۵۸ء میں سرکاری وظیفہ پر فرانس چلے گئے جہاں انہوں نے اگلے پانچ برس تک پیرس میں مذہبی تاریخ اور سماجی علوم کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۶۰ء میں انہوں نے پروفیسر ماسیگنان کی نگرانی میں اپنی ڈاکٹریٹ کی تحقیق کا آغاز کیا۔ اس دوران دنیا بھر کی سماجی تحریکوں اور اسلام کی انقلابی روح کا مطالعہ کیا۔ اور ۱۹۶۴ء میں اپنی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ ایران آ گئے۔ انہیں ملک کی سرحد پر ہی گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ اگلے چھ ماہ انہوں نے جیل میں گزارے۔

رہائی کے بعد ڈاکٹر شریعتی کو ایران کی کسی بھی یونیورسٹی میں پڑھانے سے روک دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گاؤں کے قریب ایک دور دراز قصبے کے سکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ ۱۹۶۶ء میں انہیں مشہد یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ پیش کیا گیا' لیکن ان کے مذہب اور سماجی مسائل کے علم سے خائف ہو کر ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں تہران آ گئے اور "حسینیہ ارشاد" کے نام سے ایک تدریسی ادارہ قائم کیا۔ اگلے چھ برس اسلامی علوم کی تدریس اور تصنیف و تالیف میں سرگرم رہے۔ اس دوران اپنے شاگردوں کو اسلام کی اصل روح سے آشنا کروایا اور ثابت کیا کہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا مکمل ضابطہ حیات کس طرح مسائل کا حل پیش کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس ادارے کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۳ء میں گرمیوں کے سیشن میں چھ ہزار طلبہ نے یہاں داخلہ لیا۔ اب حکومت نے اس ادارے پر پابندی عائد کر دی۔ ۱۹۷۲ء میں جب شریعتی نے علامہ اقبال پر ایک ہفتہ بھر کا سیمینار منعقد کروایا تو ان پر مسجدوں کے منبروں سے طرح طرح کے الزامات عائد کئے گئے۔ ان کو سُنّی' وہابی' بہائی' مارکسسٹ اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا اور علماء نے یہ الزام لگایا کہ ایک سُنّی شخص (اقبال) کے افکار کی ترویج کر کے شریعتی نے اپنے غیر شیعہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس طرح آپ کے ادارے کو بھی کافرستان قرار دے دیا گیا۔ ادارہ بند ہوتے ہی شریعتی کو

گرفتار کرلیا گیا۔ سال بھر اذیتیں دے کر بھی جب ساواک کو مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہو سکا اور ڈاکٹر علی شریعتی کے پائے استقلال میں لغزش نہ آسکی تو ان کے بوڑھے والد جناب استاد تقی شریعتی کو بھی عقوبت خانے میں ڈال دیا گیا۔

نومبر ۱۹۷۴ء سے مارچ ۱۹۷۵ء تک ڈاکٹر شریعتی کو قید تنہائی میں رکھ کر بے حد اذیتیں دی گئیں۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے احتجاج کے پیش نظر جناب شریعتی کو مارچ ۱۹۷۵ء میں رہا تو کر دیا گیا مگر ان کی تبلیغی مساعی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ڈاکٹر شریعتی ۱۶/ مئی ۱۹۷۷ء کو خاموشی سے لندن چلے گئے اور ۱۹/ جون ۱۹۷۷ء کو لندن کے مضافات میں اپنے چھوٹے سے گھر میں مردہ پائے گئے۔ عام خیال یہی تھا کہ ساواک کے کارندوں نے ان کو زہر دے کر ہلاک کیا۔ ایک سرکاری اعلامیہ کے مطابق ڈاکٹر علی شریعتی کو ایک عظیم اسلامی سکالر کے طور پر سراہتے ہوئے ان کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ انہیں دمشق میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

طریق کار

ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنے تصورات کے مطابق اسلام کے انقلابی پیغام کو عام کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار اپنانے کا دعویٰ کیا ہے' جو روایتی' انقلابی اور اصلاحی تحریکوں سے مختلف تھا۔ روایتی لوگ معاشرے کی اقدار کو نہیں چھیڑتے کیونکہ اس طرح ان کے خیال میں معاشرے کی بنیادیں ختم ہو جاتی ہیں' اس کے برعکس انقلابی لوگ تمام قدیم اقدار کا یکسر خاتمہ چاہتے ہیں تاکہ ایک نئے دور کا ماضی سے الگ تھلگ ہو کر آغاز کیا جاسکے۔ اصلاحی تحریکوں میں درمیانی راہ اختیار کی جاتی ہے مگر اس میں بہت عرصہ درکار ہوتا ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ کا طریق کار بالکل مختلف تھا۔ آپؐ نے مختلف اقدار کو باقی رہنے دیا مگر ان کے معانی تبدیل کر دیئے۔ چونکہ لوگ مختلف رسوم و رواج سے صدیوں سے آشنا تھے اس لئے انہیں اچانک ختم نہیں کیا بلکہ ان کی روح' مقصدیت اور عملی معانی ایک دم بدل دیئے۔ یہ طریق کار سب سے کامیاب رہا۔ مثلاً

اسلام سے پہلے بھی ہر برس حج کیا جاتا تھا۔ طواف کعبہ کا مقصد پہلے بتوں کی پرستش' اسلاف کی تعظیم اور توہمات کا استحکام ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حج کا ڈھانچہ تو کافی حد تک وہی رہنے دیا مگر اس کے معانی یکسر بدل دیئے۔ اس سے لوگوں میں ایک دم ذہنی تبدیلی رونما ہو گئی' اس لئے عربوں کو اچانک نسل ہا نسل سے مروج طریق کار کو ایک دم ختم کرنے کے صدمے سے گزرنا نہ پڑا۔ اس کی بجائے انہوں نے یوں سمجھا جیسے حج کا اصل پہلو سامنے آنے سے اس مقدس فریضے میں موجود ہر طرح کی آلائشوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اپنا کر معاشرے سے تعلق ایک دم منقطع نہیں ہو جاتا۔ چونکہ ایرانی مسلمان تھے اس لئے ان کی اسلامی روایات کا احیاء ممکن تھا' بلکہ وہ کسی نہ کسی رنگ میں ان روایات (مسخ شدہ حالت میں ہی سہی) کی پاسداری کرتے چلے آ رہے تھے۔ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس میں کوئی پختہ اقدار و روایات موجود نہ ہوں تو وہاں یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔

حج کی مثال دیتے ہوئے شریعتی نے کہا کہ طواف سے مُراد انسانی تصورات کے ارتقاء کا سفر ہے' جب وہ مسلسل اپنی تکمیلِ ذات کی طرف رواں دواں ہونے کا تصور ذہن میں لاتا ہے۔ حج کے روحانی پہلو کے ساتھ ساتھ اس عمل کی سیاسی اور سماجی جہتیں بھی اجاگر کی گئیں۔ شریعتی کے خیال میں جن تین شیطانوں کو کنکریاں ماری جاتی ہیں وہ آج کے دور میں سرمایہ داری' جبر واستبداد اور مذہبی منافقت کے مظاہر سمجھے جا سکتے ہیں۔ یہاں پر توحید کے معنی اس آیت قرآن سے مشتق ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ انسان کو ایک ہی واحد جان سے پیدا کیا گیا ہے ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ (النساء) اس طرح تمام بنی نوع انسان کو وحدت کے رشتے میں سمو دیا گیا ہے۔ اسی طرح حج وہ عمل ہے جس میں انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے قدیم روایات کے بتوں کو پاش پاش کرنے پر اتر آتا ہے اور اپنے معاشرے میں ان تعلقات کو ختم کر دیتا ہے جو اس کے مشن کے حصول کے لئے غیر ضروری ہوں۔ اسی طرح آپ مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر اپنے رب سے یہ وعدہ کرنے لگیں کہ آپ بنی نوع انسان کو ظلم' جہالت اور رجعت

پسندی کی آگ میں جلنے سے بچائیں گے۔ طواف کعبہ کرتے ہوئے آپ یہ عہد کرتے ہیں کہ لوگوں کو جمود اور بے مقصد زیست کی حدود و قیود سے آزاد کر کے انھیں اسلامی معاشرے کے افراد میں تبدیل کرو گے۔ خدا کی راہ میں جدوجہد کے لئے تقویٰ اپنانا ہو گا' اس کے لئے آپ کو ایک ذمہ دار "باغی" بننا ہو گا اور معاشرے کی غلط اقدار سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے آپ کو لوگوں کے جائز مسائل کے حل کے لئے کوشاں ہونا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ درویشی اور رہبانیت اختیار کر کے اگر کوئی دوسروں کے مسائل سے لاتعلق ہو جائے تو پھر وہ تقویٰ اختیار نہیں کر سکتا۔ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ آپ خود کو خطرات کے شعلوں کی نذر کر کے باقی لوگوں کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ مجاہد بننا کوئی آسان کام نہیں' اس کے لئے سرفروشی' جان نثاری اور ایثار کی راہیں اپناتے ہوئے قید و بند کی صعوبات' ظلم و ستم' تکالیف اور بے شمار خطرات کا سامنا کرنا ہو گا اور جلاوطنی اور سزائے موت کے لئے تیار رہنا ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کی راہ پر چلتے ہوئے توحید کو اپنانا ہو گا۔ شریعتی کے بقول توحید کے سماجی' مادی اور انسانی پہلو بھی ہیں۔ ان سے مراد انسانیت کی وحدت کی اساس فراہم کرنا ہے تاکہ مختلف طبقات کے لوگوں کو مساوات کے نظام میں مربوط کیا جا سکے۔ توحید سے مراد ایک خدا ہے اور ایک ہی انسانیت ہے تاکہ خدا اور بندہ کے باہمی روابط کی داغ بیل ڈالی جا سکے۔ آپ کے نزدیک انسان ملکوتی اور حیواناتی جبلتوں کا امتزاج ہے۔ حیوانی پہلوؤں کو دبا کر ہی یہ ممکن ہے کہ انسان کے ملکوتی پہلو اجاگر ہو سکیں تاکہ انسان خدا کا تقرب حاصل کر سکے۔ انسان خدا کی رضا کا مظہر ہے اور وہ تکمیلِ ذات کے مراحل سے گزر کر خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ انسان اپنے خاکی اور روحانی پہلوؤں کی موجودگی میں ایک ثنویت (Dualism) کا شکار ہے۔ یہ جنگ ہابیل اور قابیل کے معرکہ میں واضح نظر آتی ہے۔ ہابیل قدیم دور کا نمائندہ ہے جب زندگی گلہ بانی کے گرد گھومتی ہے اور ذاتی ملکیت کا تصور نہیں' جبکہ قابیل اس دور کی نمائندگی کرتا ہے جب انسان کاشتکاری کی طرف مائل ہوتے ہوئے ذاتی ملکیت کے تصور سے آشنا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس میں سفلی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ اس باہمی جھگڑے سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا

ہے جب خدا کی زمین اور اس کے وسائل (مثلاً پانی) پر انسان اپنی ذاتی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ مضمون بڑے دلچسپ پیرائے میں ان کی کتاب "خدا و بشر" میں بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شریعتی توحید اور شرک کے سماجی پہلوؤں پر بھی بحث کرتے ہوئے ایک معاشرے میں سماجی' اخلاقی اور نسلی تضادات کو شرک گردانتے ہیں جبکہ خلوصِ نیت اور باہمی ہم آہنگی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی میں قائم ہونے والے متحدہ معاشرے کو توحیدی معاشرے کا نام دیتے ہیں۔

عقائد : راقم الحروف کو ڈاکٹر شریعتی کی کچھ کتب مثلاً خدا و بشر' شہادت' اقبال و ما اور خطاب با دوستانِ آشنا کے مطالعے کا موقع ملا ہے۔ انہوں نے ہر موقع پر روایتی اسلوب سے ہٹ کر معاملات کی انقلابی انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً خطاب با دوستانِ آشنا (جو غالباً ان کی آخری کتاب ہے) میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ میں شیعہ ہوں اور شیعیت میں امامت کا واضح تصور ہے جس کے مطابق امام میں اعلیٰ انسانی صفات اور قائدانہ خوبیاں موجود ہوتی ہیں' مگر جب میں حضرت زین العابدینؒ کو دیکھتا ہوں تو مجھے وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں کیونکہ مجھے وہ یزید کے دربار میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ کاظمؒ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ہارون الرشید مدینہ میں آتا ہے تو اس کی خواہش ہے کہ بنو ہاشم پر روا رکھے جانے والے ماضی کے ظلم و ستم کا کچھ مداوا کیا جاسکے تو وہ آپ کی درخواست پر آپ کی مالی اعانت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ شریعتی کے بقول اگر مجھے کوئی امامت کا اہل نظر آتا ہے تو وہ احمد بن حنبلؒ کی ذاتِ گرامی ہے جو ظلم و ستم سہتے ہیں اور ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آتی۔ دراصل رواداری کا یہ وہ مشکل مقام ہے جہاں پر ڈاکٹر شریعتی کی سوچ ہی پہنچ سکتی ہے۔ ڈاکٹر شریعتی نے علامہ اقبال کے اقوال و افکار اور اشعار کی ترویج کے لئے بھی کوئی کسر اٹھا نہیں چھوڑی تھی۔ ان کے بقول بیسویں صدی میں اسلام کی حقانیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اقبال جیسا عظیم مفکر عالمِ اسلام میں پیدا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر شریعتی کے بقول قرآن پاک کا تین چوتھائی حصہ زیادہ تر معاشرتی اور نظریاتی امثال اور امورِ زندگی کی وضاحت کرتا ہے اور قرآن کی ۱۱۴ میں صرف دو سورتیں ہی مذہبی عبادات کے بارے میں ہیں۔ سماجی ذمہ داریاں' نیک نیتی اور اختیار اسلام میں انسان کے بنیادی کردار کا تعین کرتے ہیں۔ قرآن مجید خدا اور بندے کے مابین ایک مسلسل تعلق کا قیام عمل میں لاتا ہے۔ معاشرے سے تعلق توڑ کر انسان ایک فلسفی' شاعر' ادیب یا مصور تو بن سکتا ہے مگر مسلمان نہیں بن سکتا۔ اس طرح شریعتی مارکسزم اور مغربی تہذیب دونوں پر تنقید کرتے ہوئے اسلام کے انقلابی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔

بالآخر شریعتی کی محنت رنگ لائی تو ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد مجاہدین خلق کے روپ میں اپنے دور کی فرعونیت سے نبرد آزما ہو گئی۔ قرآن کے ابدی اصولوں کی رہنمائی میں یہ لوگ سرفروشی کے لئے میدانِ عمل میں اُتر آئے اور فکرِ اقبال کی روشنی میں شخصی آزادی اور سماجی استحکام کی کوششیں شروع ہوئیں۔ شریعتی کی وفات سے ایک برس بعد جب راقم الحروف کو ایران جانا ہوا تو ہر طرف ان کا نام گونج رہا تھا' سفید کاغذ کی جلدوں میں ان کی کتابیں ہر جگہ دستیاب تھیں۔ ان کے شاگردوں نے موت کو مسکراتے ہوئے سینے سے لگالیا۔ ڈاکٹر شریعتی نے ایک موقع پر فرمایا کہ "میری مثال زینب علیہا السلام کی ہے جو کربلا کے شہیدوں کا حال بیان کرنے کے لئے دمشق کے بازاروں اور دربار میں موجود تھی۔ میں بھی شہیدانِ آزادی کا حال بیان کرنے کے لئے آج کے دور میں موجود ہوں"۔ بقول اقبال ؎

غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام
تا بدست آوردہ ام اسرارِ پنہانِ شما

آیت اللہ طالقانی : ایک بیباک عالمِ دین

۱۹۱۱ء میں تہران کی نواحی بستی کرج میں پیدا ہوئے۔ روایتی دینی مدرسوں میں دین

کی تعلیم حاصل کی اور جرأت و بیباکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۵ء میں جیل گئے تو آپ کو اسی کوٹھری میں بند کیا گیا جس میں وہ نوجوان کیمونسٹ بھی بند تھے جنہوں نے چھ برس بعد ۱۹۴۱ء میں کیمونسٹ پارٹی (حزبِ تودہ) کی بنیاد رکھنا تھی۔ طالقانی ان لوگوں کو اسلام کے ابدی اور انقلابی اصولوں کی پاسداری کی تلقین کرتے رہے۔ اسی دوران آپ ان نوجوانوں کے جذبہ اور ایثار سے متأثر بھی ہوئے اور زندگی بھر ان کے جذبات کا احترام کرتے رہے۔ ڈاکٹر مصدق کی تیل کو قومیانے کی تحریک کے دوران طالقانی ان چند علمائے دین میں سے تھے جنہوں نے مصدق کی حمایت جاری رکھی۔ ۱۹۵۳ء میں ناکام انقلاب کے بعد مصدق کی گرفتاری کے بعد انہوں نے بادشاہ کی طرف سے تاریخ کو مسخ کرنے کی ہر کوشش کی مخالفت کی اور مشہور انقلابی اسلامی اسکالر طاہر احمد زادہ اور استاد تقی شریعتی (ڈاکٹر علی شریعتی کے والد) کے ساتھ مل کر قومی مزاحمتی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں جب مہدی بازرگان (اسلامی انقلاب کے بعد ایران کے پہلے وزیر اعظم) نے اپنے اسلامی ذہن رکھنے والے روشن فکر دانشوروں کے ساتھ مل کر تحریک آزادی کی بنیاد رکھی تو طالقانی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس تحریک کا مقصد مذہب پر روایتی علماء کی اجارہ داری ختم کر کے اسلام کے سماجی اور انقلابی پہلوؤں کو غیر متعصبانہ فضا میں اجاگر کرنا تھا۔

طالقانی نے ۱۹۶۰ء میں تہران کے نواحی قصبہ کرج کی مسجد ہدایت میں نوجوانوں کے لئے خطبات اور لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی تعلیمات کے نتیجہ میں تہران کے نوجوانوں میں اسلامی روح بیدار ہونے لگی۔ ان کے ہفتہ وار خطبات میں بڑی تعداد میں دانشور، طلبہ، تاجر حضرات اور اساتذہ کرام شامل ہونے لگے۔ یہ اجتماعات بعد کے زمانہ میں ڈاکٹر علی شریعتی کی حسینیہ ارشاد کے منظم ادارے کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ مسجد ہدایت کے ان اجتماعات کے انتظامات کے چندہ جمع کرنے میں مشہور تاجر جناب حاج صادق پیش پیش رہے جن کے صاحبزادے ناصر صادق کو مجاہدین خلق کی اعلیٰ قیادت میں خاص مقام حاصل رہا ہے۔ جناب حاج صادق کے مطابق انہوں نے آج تک کسی بھی شخص کو اسلام کی حقانیت کی بابت اس قدر استدلال اور صاف گوئی کے ساتھ طالقانی کے

علاوہ نہیں دیکھا جن کے خطبات میں شرکت کے لئے نوجوان ہر ہفتے ستر اَسی کلومیٹر کا سفر طے کر کے مسجد ہدایت پہنچتے اور ان کی تقاریر کے دوران حاضرین پر سکوت کی کیفیت طاری رہتی۔ طالقانی کے خطبات کے مستقل شرکاء میں حنیف نجاد اور احمد رضائی جیسے نوجوان شامل تھے' جنہوں نے آپ سے متاثر ہو کر مجاہدین خلق کی بنیاد رکھی اور اپنی جان کے نذرانے راہ حق میں پیش کئے۔

طالقانی ایک بار پھر ۱۹۶۵ء میں قید کر لئے گئے اور انہیں اپنی طویل اسارت کے زمانے میں مجاہدین خلق اور فدائین خلق (کمیونسٹ نوجوانوں کی تنظیم) کے ارکان پر ہونے والے غیر انسانی مظالم کو ملاحظہ کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ طلبہ اور انقلابیوں کی خون آلود نعشیں اور شدید زخمیوں کے جسموں کو بھی طالقانی کی کوٹھری میں ڈال دیا جاتا تاکہ وہ ان نوجوانوں پر بیتنے والی قیامت کا مشاہدہ کر سکیں جن کو راہ حق کی تلقین آپ نے فرمائی تھی۔ جیل سے رہائی کے بعد بھی طالقانی نے اپنے انقلابی خطبات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۷۴ء میں انقلابی نوجوان جن کی تعداد نو تھی' ایران کی قومی ہوائی کمپنی "ھُما" کا ایک مسافر بردار طیارہ اغوا کر کے بغداد لے گئے اور وہاں پر گرفتار کر لئے گئے۔ ان کی رہائی کے لئے طالقانی نے آیت اللہ خمینی کو' جو نجف میں مقیم تھے' ایک خفیہ خط لکھا (جس کے لئے نظر نہ آنے والی روشنائی استعمال کی گئی تھی) کہ آپ ان کی رہائی کے لئے ذاتی طور پر کوشش کریں۔ جناب خمینی نے مقدور بھر کوشش کی مگر بالآخر تنظیم آزادی فلسطین کے دباؤ پر یہ لوگ رہا کروا لئے گئے۔

بادشاہ کے وفادار اور روایت پرست علماء نے جناب طالقانی کی انقلابی سرگرمیوں کی مخالفت شروع کر دی اور ان سے متاثر ہو کر انقلاب اسلامی کی جدوجہد کے لئے کوشاں نوجوانوں کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ اس دوران مشہور کمیونسٹ رہنما احمد کسروی کو اپنے گھر میں خفیہ طور پر پناہ دینے کے جرم کو بھی علماء نے تنقید کا نشانہ بنایا۔

طالقانی ۱۹۷۵ء میں پھر گرفتار کر لئے گئے اور انہوں نے اگلے تین برس تک جیل میں زبردست مشکلات کا سامنا کیا۔ خرابی صحت اور بڑھاپے کے باوجود صبر و استقامت سے ہر مشکل کو برداشت کیا۔ عوام کے زبردست دباؤ کے باعث اکتوبر ۱۹۷۸ء میں طالقانی

سینکڑوں سیاسی قیدیوں کے ہمراہ جیل سے باہر آگئے اور ان کی ذات انقلاب اسلامی کی تمام سرگرمیوں کا مرکز بن گئی۔ ان کا گھر انقلابیوں کا ہیڈ کوارٹر قرار دے دیا گیا اور اب ان کا پیرس میں مقیم جناب خمینی سے مسلسل رابطہ قائم رہا جنہیں یہ تمام انقلابی سرگرمیوں کی پل پل کی خبر دیتے رہے۔ اب طالقانی انقلاب کے ترجمان اور انقلابی سرگرمیوں کے منتظم کے طور پر سامنے آئے۔ انہوں نے ہڑتالوں اور دھرنوں کے پروگرام تشکیل دیئے۔ ان کی رہنمائی میں نومبر ۱۹۷۸ء سے لے کر جنوری ۱۹۷۹ء تک تیل کی پیداوار کے کارکنوں کی ہڑتال نے ایران میں زندگی کو عملاً مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ان کا گھر نہ صرف انقلابیوں کا ہیڈ کوارٹر بنا ہوا تھا بلکہ انقلابی سرگرمیوں کے لئے تمام تر چندہ یہیں جمع ہوتا اور انقلابی سرگرمیوں میں ہلاک یا زخمی ہونے والے افراد کے لواحقین کو یہیں سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ آیت اللہ خمینی کی جانب سے پیرس سے جو پیغامات یا پمفلٹ جاری ہوتے وہ بھی ان کے دفتر کے توسط سے تقسیم کئے جاتے تھے۔

طالقانی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو یوم عاشورہ منانے کا اعلان کیا جس میں وسیع پیمانے پر جلوس نکال کر جنرل اظہری کے مارشل لاء کی خلاف ورزی کی جانی تھی۔ اس سے ایک یوم قبل جناب طالقانی نے ایک ہدایت نامہ جاری کیا جس میں اس موقع کو سیاسی رنگ دے کر پہلوی بادشاہت پر کاری ضرب لگانے کے بارے میں عوام کو جلوس کے طریق کار سے آگاہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا تھا کہ اس دن اپنے سینے اور جسم پر دو ہتڑ مارنے کی بجائے آپ لوگ پہلوی کارندوں کو ٹھینگے دکھاتے ہوئے عہد کریں کہ عہدِ استبداد کا خاتمہ اب اللہ کی رضا ہے اور اس کے سامنے فرعونی قوتیں ٹھہر نہیں پائیں گی۔ عاشورہ سے ایک دن پہلے سڑکوں پر ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں کھڑی کر دی گئیں اور فوجی حکومت کے زیر انتظام چلنے والے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ لوگوں کو جلوسوں میں شرکت کرنے کے خوفناک نتائج سے خبردار کیا گیا۔ یہ خبر بھی پھیل گئی کہ جناب طالقانی کے گھر پر ایک فوجی حملے کی تیاری کر لی گئی ہے۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے ٹیلی فون کے ذریعے مسلسل جناب طالقانی سے اپیل کی جاتی رہی کہ آپ یہ جلوس منسوخ کر دیں، مگر انہوں نے افواہوں، کشیدگی اور غیر یقینی کی کیفیت میں اپنا پروگرام جاری رکھا۔ اگلے روز

(۱۰ دسمبر کو) دس لاکھ لوگ تہران کی سڑکوں پر نکل آئے۔ عوام کے جوش و خروش کے سامنے فوج پسپا ہونے لگی اور لوگوں کو اپنی فتح واضح طور پر نظر آنے لگی۔ شاید اسی دن کے بارے میں شہزادی اشرف پہلوی نے لکھا ہے کہ اس نے ہیلی کاپٹر پر پرواز کرتے ہوئے لاکھوں عوام کو تہران کی سڑکوں پر غیظ و غضب کی حالت میں دیکھا' ان میں بڑی تعداد میں سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی خواتین بھی شامل تھیں۔ یہ وہی خواتین تھیں جن کو عریانی کی جانب مائل کرنا ہی شہزادی اشرف (شاہ کی جڑواں بہن) کا زندگی بھر کا مشن رہا تھا۔ شہزادی اشرف لکھتی ہے کہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری عمر بھر کی محنت یوں اکارت چلی جائے گی اور وقت کا پہیہ ایک بار پھر پیچھے کی جانب چشم زدن میں گھوم جائے گا۔ اسی مظاہرے کے بعد امریکہ نے اپنے افراد کو ایران سے نکالنے کا پروگرام بنا لیا اور اپنے مفادات کو وہاں سے سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس لئے کہ امریکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب شاہ کو ہر صورت میں جانا ہی ہو گا۔

بالآخر انقلاب برپا ہو گیا۔ علماء کے ایک خاص گروہ نے (جس نے ابھی تک خود کو انقلابی سرگرمیوں سے علیحدہ رکھا تھا یا پھر بہت محتاط رویہ اختیار کئے رکھا تھا) جناب طالقانی کی کوششوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان کو آہستہ آہستہ پیچھے چھوڑنا شروع کر دیا۔ جناب طالقانی کو انقلاب کے بعد وہ مقام نہ دیا گیا جس کے وہ صحیح حق دار تھے۔ ان کے احتجاج پر ان پر سختی کی گئی اور ان کے اہلِ خاندان کو ہراساں کیا گیا۔ آپ انقلاب کے بعد مایوسی کا شکار ہو گئے اور ستمبر ۱۹۷۹ء میں وفات پا گئے۔ (جاری ہے)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۲
شوال المکرم	۱۴۱۹ھ
فروری	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زر تعاون	۱۰۰/-

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700- فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

"متحدہ اسلامی محاذ" کے قیام کی تجویز

گزشتہ ماہ، رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو، جسے عرف عام میں لیلۃ القدر کہا جاتا ہے، پاکستان نے اپنی عمر کے ۵۳ سال مکمل کئے اور ۵۴ ویں برس میں قدم رکھا۔ اس موقع پر لاہور میں جمعۃ الوداع کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ، نے پاکستان کی اب تک کی تاریخ اور اہل پاکستان کی کارگزاری خصوصاً میاں نواز شریف کے موجودہ دو سالہ دور حکومت میں نفاذ اسلام کی جانب پیش رفت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے "کیا کھویا اور کیا پایا؟" کے عنوان سے ایک بھرپور اور نہایت حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا کہ قومی و سیاسی، دینی و مذہبی، علمی اور اخلاقی، فنی و تعلیمی اور سماجی و معاشی اعتبار سے پچھلے ۵۴ برسوں میں ہم نے کتنی کچھ ترقی کی ہے اور کیسی کچھ تنزلی ان میدانوں میں ہوئی ہے ـــــ اس جائزے کے نتیجے میں بحیثیت مجموعی جو قومی صورتحال سامنے آئی وہ انتہائی سنگین اور تشویشناک ہی نہیں نہایت مایوس کن بھی ہے۔ چند ایک کامیابیوں کے سوا کہ جن میں قرارداد مقاصد کا پاس ہونا، دستورِ پاکستان میں اسلامی دفعات کی شمولیت اور ایٹمی دھماکہ کر گزرنا قابل ذکر ہیں، قریباً ہر میدان میں آج ہم تنزلی اور انحطاط کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ سودی معیشت کی تباہ کاریوں کے باعث معاشی اعتبار سے مفلوج ہونے اور سودی قرضوں کی دلدل میں گردن تک غرق ہونے کے باوجود آج بھی ہمارے حکمران اپنا قبلہ درست کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ ان کی ساری امیدیں اب بھی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے وابستہ ہیں اور ان کا ملجاو ماویٰ اور واحد پناہ گاہ اور سہارا آج بھی امریکہ ہے جس کی بے وفائی اور بدعہدی کا تجربہ ہمیں ہر اس نازک موقع پر ہوا کہ جب ہمیں اس کی مدد اور حمایت کی اشد ضرورت تھی۔ گویا ؎

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں ان کا یہ حکم دیکھ مرے فرش پر نہ رینگ!

اللہ کے اس واضح حکم کے ہوتے ہوئے کہ "اے مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ (انہیں اپنا حمایتی اور مددگار مت سمجھو)" ـــــ اور سود کے بارے میں اس سخت ترین وعید کہ "اگر تم ایسا نہیں کرتے (یعنی سود نہیں چھوڑتے) تو سن لو کہ پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے" کے باوجود ہمارا یہ طرزِ عمل اللہ کے غضب کو بھڑکانے اور اس کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف نہیں تو پھر کیا ہے!!

امیر تنظیم اسلامی نے اس مفصل خطاب میں، جسے ٹیپ کی ریل سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے زیر نظر شمارہ میں ہدیہ قارئین کر دیا گیا ہے، اصلاح احوال کی غرض سے دینی و مذہبی جماعتوں پر مشتمل ایک "متحدہ اسلامی محاذ" کے قیام کی تجویز بھی پیش کی تھی کہ ہمارے موجودہ حکمران اگر اپنی موجودہ روش کو بدلنے اور اپنا قبلہ درست کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو پھر دینی جماعتوں اور مذہبی طبقات کے لئے لازم ہو گا کہ وہ

"تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن   پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے"

کے مصداق سر پر مسلط عذاب الٰہی کو ٹالنے کی خاطر فوری تدبیر کے طور پر مل جل کر ایک غیر سیاسی اور خالص اسلامی محاذ تشکیل دیں جو کسی سیاسی معاملے کو ایشو بنانے کی بجائے "اسلام لاؤ، پاکستان بچاؤ" کے نعرہ کے ساتھ صرف اور صرف دین و شریعت کے نفاذ اور سود کے خاتمے کے لئے ایک پریشر گروپ کے طور پر تحریک اٹھائے۔ تنظیم اسلامی اور اس کے امیر نے اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر اس کے لئے دینی جماعتوں کو دعوت عمل اور مسلمانانِ پاکستان کو دعوت فکر دینے کی جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے۔ امیر تنظیم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ تنظیم اسلامی اس محاذ میں شریک رہے گی۔ اس تجویز کو، جسے اخباری اشتہار کی صورت میں عام کیا گیا تھا، پاکستان کے طول و عرض میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لئے امیر تنظیم اسلامی نے نمایاں دینی جماعتوں کے سربراہان اور زعماء سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اس ضمن میں ابٰ تک جو پیش رفت ہوئی ہے، قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم اس کا خلاصہ پیش کئے دیتے ہیں:

اس سلسلے میں اب تک جماعت اسلامی کے امیر و رہنما قاضی حسین احمد، ادارہ منہاج القرآن کے سربراہ علامہ طاہر القادری، جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی رہنما

مولانا محمد اجمل خان اور تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان سے امیر تنظیم اسلامی کی ملاقات ہو چکی ہے ـــــ محترم قاضی صاحب نے امیر تنظیم سے اپنی مختصر ملاقات میں سابقہ تجربات کی روشنی میں متحدہ محاذوں کی کارکردگی سے عمومی مایوسی کا اظہار کیا کہ اس راستے سے انہیں کسی خیر کی توقع نہیں ہے' تاہم انہوں نے امیر تنظیم کی تجویز پر مزید غور کرنے کا وعدہ فرمایا ـــــ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری نے اس تجویز سے اصولی طور پر اتفاق کا اظہار کیا اور امیر تنظیم کو تعاون کا یقین دلاتے ہوئے دینی جماعتوں کے زعماء اور علماء کے مابین ذہنی و فکری ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے ابتدائی قدم کے طور پر رابطہ کونسل کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ جے یو آئی کے مرکزی رہنما مولانا اجمل خان نے بھی امیر تنظیم اسلامی کے تجویز کردہ "متحدہ اسلامی محاذ" کی بھرپور تائید کی اور اس کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کا اعتراف کیا۔ مولانا مدظلہ نے اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ وہ اس تجویز کو جے یو آئی کی آئندہ مشاورت میں پوری اہمیت کے ساتھ پیش کریں گے ـــــ تحریک اسلامی کے سیکرٹری جنرل محمد جلیل خان نے ٹیلی فون کے ذریعے اپنے ایک پیغام میں اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے تعاون کی یقین دہانی کرائی اور امیر تنظیم کو بتایا کہ اسے شوریٰ کے آئندہ اجلاس کے ایجنڈے میں شامل کر لیا گیا ہے ـــــ تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان صاحب سے اس ضمن میں جو ملاقات ہوئی وہ نہایت حوصلہ افزا اور مفید مطلب تھی۔ امیر تنظیم نے جب مولانا سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ الاخوان کے لاہور کے عہدیداروں سمیت خود ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ "اسلام لاؤ' پاکستان بچاؤ" کو وقت کی آواز قرار دیتے ہوئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ "متحدہ اسلامی محاذ" کی تجویز کی بھرپور حمایت کی بلکہ اس ضمن میں ہر ممکن تعاون کا بھی یقین دلایا۔ مولانا کا فرمانا تھا کہ عوام تقریریں سن سن کر تھک چکے ہیں اب ہمیں آگے قدم بڑھانا ہو گا۔ مولانا اعوان کی امیر تنظیم سے قریباً ڈیڑھ گھنٹے پر محیط ملاقات میں اہم دینی و ملی معاملات زیر گفتگو آئے۔

اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر تنظیم اسلامی اور اس کے امیر نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اس کے اگلے قدم کے طور پر ملک کے اہم شہروں میں "منہاج محمدیؐ

کانفرنسوں" کا انعقاد پیش نظر ہے۔ تاکہ وہ منہاج محمدیؐ جس کے خدوخال کا پہلے اخباری اشتہار میں بھی اشارتاً ذکر موجود تھا، پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آئے، تمام دینی جماعتوں کے زعماء اور وابستگان اس پر خالص علمی انداز میں غور کریں اور پھر اس نہج پر اجتماعی جدوجہد کا آغاز کیا جاسکے —— اس امر کی مزید وضاحت اس اشتہار کے ذریعے بخوبی ہو جاتی ہے جو حال ہی میں قومی اخبارات میں شائع کرایا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے :

- سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں آج تک قیامِ نظامِ مصطفیؐ اور نفاذِ شریعت اسلامی کیلئے جو جدوجہد بھی ہوئی ہے وہ "منہاجِ مُحمّدی" کی بجائے مروجہ سیاسی طریق پر ہوئی ہے، یعنی : یا انتخابات میں حصہ لیا گیا —— یا کسی ناپسندیدہ حکومت کو گرانے کے لئے سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر تحریکیں چلائی گئیں۔
- ادھر اُسوۂ رسولؐ اور عقل و منطق کے تقاضوں پر مستزاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہ زریں حکیمانہ اقوال بھی ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں کہ :

"اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اس طریقے پر جس پر اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی"

- چنانچہ تمام تر خلوص کے باوجود آج تک کی جملہ مساعی کا حاصل صفر سے کچھ ہی اوپر ہے۔

لہٰذا ایک انقلابی انداز کے —— **متحدہ اسلامی محاذ** —— کی تشکیل کے ضمن میں

اولاً یہ ضروری ہے کہ **منہاجِ مُحمّدی** کے بارے میں اتفاق رائے پیدا کیا جائے

لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے عنقریب پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام "منہاج محمدیؐ کانفرنسیں" منعقد کی جائیں گی —— امید ہے کہ علماء کرام، دانشورانِ اُمت اور زُعمائے ملت ان میں شرکت فرما کر اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں گے۔

الداعی الی الخیر —— **ڈاکٹر اسرار احمد** —— امیر تنظیم اسلامی

○ 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ○ فون : 5869501-3 ○ فیکس : 5834000

email : anjuman@brain.net.pk

مولانا محمد طاسین کا سانحۂ ارتحال

مجلس علمی کراچی کے صدر' نامور عالم دین و محقق اور مولانا محمد یوسف بنوری کے داماد مولانا محمد طاسین ۲۳ رمضان المبارک کو مختصر علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیرا۔

امیر تنظیم اسلامی کے ساتھ مولانا مرحوم کا مشفقانہ تعلق جس میں بہت سے اہم دینی معاملات میں ذہنی و فکری ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ احترامِ باہمی کا عنصر بھی نمایاں تھا' زندگی کے آخری سانس تک برقرار رہا۔ مولانا' تنظیم اسلامی کے "حلقۂ مستشارین" کے' جو گزشتہ چند برسوں سے تعطل کا شکار تھا' مستقل رکن رہے اور امیر تنظیم کی دعوت پر "محاضراتِ قرآنی" اور دیگر پروگراموں میں باہتمام شریک ہوتے رہے۔ موجودہ نظامِ زمینداری اور بالخصوص مزارعت کے بارے میں ان کے نظریات امیر تنظیم کے نزدیک خصوصی اہمیت کے حامل تھے' چنانچہ "مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام" کے عنوان سے اس موضوع پر مولانا مرحوم کی ایک مبسوط کتاب بھی امیر تنظیم کی ہدایت پر مرکزی انجمن نے شائع کی اور ان افکار کو بڑے پیمانے پر عام کیا۔

قریباً تین ماہ قبل نومبر ۹۸ء میں کراچی میں تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر جب مولانا' امیر محترم سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی تشریف لائے تو اندازہ ہوا کہ مولانا کی صحت تیزی سے گر رہی ہے۔ ان کے چہرے پر ضعف اور نقاہت کے آثار نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ تاہم یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلد داغ مفارقت دے جائیں گے۔ ع

"آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے!"

مولانا طاسین مرحوم کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کا ایک مختصر اور اجمالی خاکہ جو مرحوم کے صاحبزادے جناب محمد عابد کے تعاون سے ہمیں موصول ہوا' پیش خدمت ہے :

"نام محمد طاسین ولد عبدالرحمٰن' تاریخ پیدائش ۱۹۲۳ء' مقام پیدائش ہری پور ہزارہ صوبہ سرحد۔ مقامی مکتب اور اسکول کی تعلیم کے بعد درس نظامی کی ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے بعض دینی مدارس میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کا موقع یوپی (انڈیا) کے بعض دارالعلوموں' دیوبند' مراد آباد' امروہہ وغیرہ میں ملا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ امروہہ میں بحیثیت استاذ اعلیٰ درجات کو چار سال تک پڑھاتے رہے۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک' تقسیم پاکستان کے بعد متعدد مدارس جیسے دارالعلوم کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ بنوری

ٹاؤن میں مولانا مرحوم درجۂ تخصص میں مقدمہ ابنِ خلدون وغیرہ پڑھاتے رہے۔ جدید سماجی' معاشرتی' سیاسی علوم سے آگاہی طویل مطالعے سے ہوئی مگر معاشیات کا مطالعہ خاص موضوع رہا' جیساکہ مولانا کی کتابیں اس کی شاہد عادل ہیں۔ کچھ عرصہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی میں بحیثیت ریڈر ریسرچ اسکالر کے تدریس اور تحقیق میں مشغول رہے۔ مطالعہ کے ذوق و شوق نے مجلس علمی لائبریری (جو اسلامی علوم کی ممتاز اور قدیم لائبریری ہے) کی سربراہی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ مولانا ہی کے وجود سے مجلس علمی روایت اور روایت' جدیدیت اور قدیمیت کی سنگم بن گئی۔ گو مجلس علمی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور رسمیت کا دائرہ چاک کر کے حقیقت پسندی پر جا پہنچے۔ لائبریری سے استفادہ کرنے والے مصنفین اور ریسرچ اسکالرز کی علمی راہنمائی کا حق ادا کیا۔ علومِ اسلامی' تاریخ اسلامی اور اسلامی سوشل سائنس کے بہت سے پی ایچ ڈی کے طلبہ کی کو مقالے تیار کرنے میں ہر ممکن علمی مدد کی' جو آج مختلف یونیورسٹیوں میں بحیثیت ڈاکٹر اور پروفیسر فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا نے مختلف اسلامی موضوعات پر وقتاً فوقتاً بہت سے مقالات لکھے ہیں' جو اعلیٰ معیار کے علمی ماہناموں میں شائع ہوئے اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ پاکستان ریڈیو پر مختلف موضوعات سے متعلق بکثرت تقاریر اور پروگرام نشر ہوئے۔ ٹی وی کے اسلامی پروگراموں میں بھی خاصا موقع ملا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر رہے۔ کراچی یونیورسٹی اور کوئٹہ یونیورسٹی کے شعبہ عربی اور اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً ۳۰ سال تک ممبر رہے۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سلیکشن بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں شعبہ دعوۃ اکیڈمی اور بعض دیگر کونسلوں کے ممبر بھی رہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ایم فل مقالات کے ممتحن بھی رہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے وفاقی شرعی عدالت کے ماہر شریعت مشیر مقرر ہو گئے تھے۔ انکوائری برائے خواتین کمیشن کے رکن بھی رہے جو فیڈرل گورنمنٹ کا مقرر کردہ اعلیٰ سطحی کمیشن تھا جس کے چیئرمین سپریم کورٹ کے سینئر جج تھے۔ حضرت مولانا طاسین (نور اللہ مرقدہ) کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ بمطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۹۸ء بروز بدھ ہوئی۔

مولانا طاسین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی جو کتابیں اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں ان کے نام یہ ہیں :

(۱) خطباتِ ماثورہ
(۲) مروجہ نظام زمینداری اور اسلام
(۳) اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات
(۴) سیرت طیبہ میں حکمت کا پہلو
(۵) سیرت محمدیہؐ کا سیاسی پہلو
(۶) سیرت محمدیہؐ کا معاشی پہلو
(۷) معاشی مساوات اور سیرت محمدیہؐ
(۸) عورتوں کی شہادت قرآن وحدیث کی روشنی میں
(۹) شوریٰ کا اسلامی تصور
(۱۰) تغیر پذیر معاشرے میں شریعت کا کردار
(۱۱) قرآن کی اخلاقی و قانونی تعلیمات
(۱۲) عدل اجتماعی کا اسلامی تصور
(۱۳) بعض اہم معاشی معاملات کی شرعی حیثیت کا تحقیقی جائزہ۔

تنزل و انحطاط کے 53 برس

—— اور ——

انجامِ بد سے نجات کا راستہ

پاکستان کی عمر کے 53 برس اور موجودہ حکومت کے دو برس مکمل ہونے پر
خود احتسابی کے نقطۂ نظر سے ایک بھرپور تنقیدی جائزہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ جمعۃ الوداع

خطبہ مسنونہ' سورۃ الانفال کی آیت ۲۶' سورۃ الاعراف کی آیات ۱۲۹ اور ۱۷۵ تا ۱۷۷ کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین! پاکستان کی عمر قمری حساب سے ۵۳ برس ہو چکی ہے اور آج رات کو ہم ۵۴ ویں برس میں قدم رکھیں گے۔ یہ یقیناً ایسا موقعہ ہے کہ ہم جائزہ لیں کہ ہماری منزل کیا تھی' ہم کس سمت میں چلے تھے اور اس کے اعتبار سے ہم کہاں پہنچے ہیں۔ اس عرصے میں کوئی کمائی کی تو کیا؟ کچھ گنوایا تو کیا؟ گویا ہماری بیلنس شیٹ کیا ہے۔ پھر یہ کہ ہم داخلی اعتبار سے اور بین الاقوامی و عالمی اعتبار سے اِس وقت کہاں کھڑے ہیں' اور جو تباہ کن خطرات ہمیں نظر آ رہے ہیں ان سے بچاؤ کا کوئی راستہ ہے یا نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کون سا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات نہایت اہم ہے۔ اگرچہ جزوی طور پر ان میں سے بعض مسائل پر وقتاً فوقتاً میرے خطابات میں گفتگو ہوتی رہتی ہے' تاہم اس پورے عرصے کی ایک بیلنس شیٹ بنانے کے اعتبار سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ان کو دہرایا جائے اور انہیں ایک بڑے فریم میں ایک وحدت کی حیثیت سے فٹ کیا جائے۔

قرآن حکیم میں "تحریک پاکستان کا ذکر"

سب سے پہلے تو ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اس ضمن میں قرآن مجید میں ہمارے لئے کیا راہنمائی ہے؟ قرآن مجید میں ایک مقام پر کہا گیا ہے کہ ﴿ فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ﴾ یعنی اس میں تمہارا ذکر بھی موجود ہے۔ اگرچہ اس کے ایک معانی یہ بھی لئے گئے کہ اس میں تمہارے حصے کا ذکر یعنی تمہارے حصے کی نصیحت موجود ہے' لیکن دوسرا مفہوم بھی لیا گیا ہے' جس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی مدح فرماتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ((فِيْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَ نَبَأُ مَا بَعْدَكُمْ وَ حُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ)) ظاہر بات ہے اُس وقت آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کر رہے تھے کہ "اس قرآن میں تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں بھی ہیں' تمہارے بعد آنے والے لوگوں کے حالات بھی ہیں اور تمہارے مابین پیدا ہونے والے اختلافات کا حل اور حکم بھی موجود ہے"۔ اس اعتبار سے میرا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ میں نے پیش آمدہ مسائل میں ہمیشہ قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کیا ہے اور قرآن مجید نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔ چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ کا مطالعہ کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ آیت عین تحریک پاکستان کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی تاثر ہے جیسا کہ حضور ﷺ کے انتقال پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جذبات میں آگئے تھے اور انہوں نے تلوار کھینچ لی تھی کہ جو کہے گا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس کیفیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے جہاں حضور ﷺ کا جسد اطہر رکھا ہوا تھا' جا کر حضور ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور باہر آئے۔ پھر آپؓ نے خطبہ دیا :

> "جو کوئی محمد ﷺ کو پوجتا تھا وہ جان لے کر محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا وہ جان لے کر اللہ کو تو ہمیشہ زندہ رہنا ہے' اسے کبھی موت نہیں آئے گی..."

پھر یہ آیت پڑھی :

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ.... ﴾ (آل عمران : ۱۴۴)

"محمد (ﷺ) تو اللہ کے ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل جاہلیت میں واپس چلے جاؤ گے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے ایسا محسوس کیا کہ یہ آیت گویا ابھی نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ آیت تو آٹھ برس پہلے ۳ھ میں نازل ہو چکی تھی۔ اسی طرح میں عرض کر رہا ہوں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ ٹھیک تحریک پاکستان کے پس منظر میں نازل ہوئی۔

آیت کا مضمون ملاحظہ کیجئے: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ "یاد کرو جبکہ تم اقلیت میں تھے' زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا"۔ یہاں "الْاَرْض" سے تاویل خاص کے اعتبار سے تو مکے کی زمین مراد ہے لیکن میں تاویل عام میں اسے "ارضِ ہند" سے تعبیر کر رہا ہوں۔ یعنی اے مسلمانانِ ہند! یاد کرو جبکہ تم ارضِ ہند میں اقلیت میں تھے' تمہیں دبالیا گیا تھا' ہندو اکثریت تم پر ہر اعتبار سے چھا گئی تھی۔ سیاسی اعتبار سے انڈین نیشنل کانگریس ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھر چکی تھی اور ایک عالمی مقبولیت رکھنے والا راہنما مہاتما گاندھی ان کا قائد تھا' جس کی مقبولیت کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا۔ سرمایہ ان کے پاس بے انتہا تھا' صنعت اور تجارت میں وہ بہت آگے نکل چکے تھے' تعلیم میں وہ بہت آگے جا چکے تھے' سرکاری ملازمتوں میں وہ بہت آگے بڑھ چکے تھے۔ غرضیکہ وہ ہر اعتبار سے ہندوستان کے اوپر چھا چکے تھے اور مسلمان دب گئے تھے' پس گئے تھے۔ اس صورت حال کے بہت سے اسباب ہیں' جنہیں میں نے اپنی کتاب "استحکام پاکستان" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انگریز نے چونکہ مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی لہٰذا اس نے مسلمانوں کو دبایا کہ ان کے اندر بغاوت کے جراثیم ہو سکتے ہیں۔ ہندو تو پہلے مسلمان کا غلام تھا اب انگریز کا ہو گیا' اس کو تو کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ لہٰذا ہندو نے نئی تہذیب اور نئے علوم کی خوب پذیرائی کی' جبکہ مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت' اپنی زبان اور اپنی مذہبی اقدار کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ اس طرح کے مختلف اسباب تھے جن کی وجہ سے مسلمان بہت پیچھے چلے گئے اور ہندو بہت آگے نکل گئے۔ یہاں تک کہ اب ہمارے مذہب

پر بھی ڈاکے پڑنے شروع ہو گئے تھے' شُدھی کی تحریک اتنے زور و شور سے چلی تھی کہ جہاں جاہل مسلمان آباد تھے ان کو تیزی کے ساتھ ہندو بنایا جا رہا تھا۔ گویا ہماری زبان' معاشرت' معیشت پر ہر اعتبار سے ہندو قابض آ چکا تھا۔ یہ تو ہو چکا تھا ﴿ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾ ابھی تمہیں مزید اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے۔ یعنی ابھی تو انگریز درمیان میں موجود تھا' کم سے کم قانون کی حکمرانی تھی اور ہمیں کچھ تحفظ حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں علماء کی ایک بہت بڑی زوردار طاقت موجود تھی جو کہتے تھے کہ ہمیں انگریز کو پریشان نہیں کرنا چاہئے' اس لئے کہ انگریز ہمیں سہارا دیتا ہے' اس نے ہمیں مذہبی آزادی دے رکھی ہے اور اگر انگریز یہاں سے فوری طور پر ہٹ گیا تو پھر ہندو جو کچھ کرے گا اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا محمد حسین بٹالوی اہلحدیث کا یہی موقف تھا۔ میں نے آپ کو تینوں طبقے گنوا دیئے' دیوبندی' بریلوی' اہلحدیث۔ اس حوالے سے ایک بڑا طبقہ یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی تو انگریز ہے' اگر یہ ملک ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہو جاتا ہے تو کیا ہو گا؟ اس لئے کہ زمانہ تھا One man one vote کا' اب شمشیرزنی کا زمانہ تو نہیں تھا۔ اگر شمشیرزنی کا زمانہ ہوتا تو مسلمان اب بھی بھاری ہوتے۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ انگریز چلا گیا تو ہندو ہمیں بالکل ختم کر کے رکھ دیں گے' ہماری تہذیب' ثقافت' تمدن کا استحصال کریں گے' یہاں تک کہ ہمارے مذہب کو ختم کر کے رکھ دیں گے۔

دیکھئے اس آیت میں تین عوامل بیان ہوئے ہیں جو پوری تحریک پاکستان کے اصل محرک (motivating force) کی حیثیت رکھتے ہیں : (i) ﴿ وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ ﴾ "یاد کرو جب تم اقلیت میں تھے"۔ (ii) ﴿ مُسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ "زمین میں بے زور سمجھے جاتے تھے" تمہیں ہر طرح دبالیا گیا تھا۔ (iii) ﴿ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾ "تمہیں ڈر تھا کہ لوگ تمہیں اُچک کر نہ لے جائیں"۔ تاویل عام میں اُس وقت "الناس" سے مُراد یہاں ہندو اکثریت تھی اور ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہمیں بے خانماں نہ کر دیں۔ ﴿ فَاٰوٰىكُمْ ﴾ "تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی" ﴿ وَاَيَّدَكُمْ

بِنَصْرِہٖ ﴾ "اور خود اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی" اور تمہیں پاکستان جیسا ملک دیا ﴿وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ "اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا" ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم شکر کرو۔ یہ جو کچھ ہوا ہے اس کو سمجھ لیجئے کہ یہ معجزے سے ہرگز کم نہیں ہے۔ اس کے لئے مجھے اپنی کتاب استحکام پاکستان کا حوالہ دینا پڑ رہا ہے۔ اس میں پورا باب موجود ہے کہ قیامِ پاکستان ایک معجزہ ہے۔ پاکستان کا قیام کسی حساب کتاب میں نہیں تھا۔ گاندھی جیسا مہاتما چند مہینے پہلے کہہ چکا تھا کہ پاکستان میری لاش پر بنے گا۔ قائداعظم خود ایک سال پہلے آزاد پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو چکے تھے۔ کیونکہ جب کیبنٹ مشن پلان مان لیا تو اس کے معانی کیا تھے' کم سے کم دس سال تک آزاد پاکستان کے مطالبے سے دستبرداری۔ یعنی ایک ملک ہو گا' ایک مذہبی حکومت ہو گی' تین زون ہوں گے' جنہیں اندرونی طور پر کچھ اختیارات حاصل ہوں گے۔ ہاں اگر دس سال کے بعد کوئی زون علیحدہ ہونا چاہے گا تو اسے اس کا اختیار ہو گا۔ تو گویا دس سال تک تو پاکستان کا قیام ملتوی ہو گیا تھا۔ پھر برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت تھی جو کانگرس کی ہمنوا' ہمدرد اور مؤید تھی۔ جبکہ ان کے وزیراعظم کو قائداعظم سے شدید کد' نفرت اور بغض تھا۔ اب تو یہ چیزیں لکھی ہوئی آ چکی ہیں۔ دوسری طرف ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن گاندھی کا چیلا تھا اور اس کے نہرو فیملی کے ساتھ جو مراسم تھے اس پر تو بہت سی شکوک و شبہات کی باتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ ان حالات میں پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ اللہ کی خاص مشیت کا مظہر ہے۔ جیسا کہ ایک سال پہلے رمضان المبارک کی ۲۷ویں شب میں مولانا حسین احمد مدنی نے سلہٹ میں کہہ دیا تھا کہ ملأ اعلیٰ میں پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

قیامِ پاکستان اور سُنّت اللہ

اللہ نے پاکستان کیوں دیا' اس کو سمجھ لیں۔ اللہ کا یہ قاعدہ قانون ہے کہ اگر کوئی قوم بحیثیت مجموعی یا انسانوں کا کوئی گروہ اللہ سے وعدہ کرے کہ اے اللہ ہمیں یہ شے دے دے تو ہم یہ کریں گے' تو اللہ اس پر حجت قائم کرتا ہے تاکہ وہ انہیں ایک موقع دے کر

آزمائے ﴿ فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ "پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کرتے کیا ہو" تم اپنا وعدہ پورا کرتے ہو یا نہیں۔ دوسرے صحیح احادیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قیامت سے پہلے احیائے اسلام میں ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی رول متعین ہے۔ اور گیارہویں صدی ہجری کے بعد ہندوستان میں مجددِ دینِ اسلام کی پیدائش سے بھی اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جابجا احیائے اسلام کی نوید سنائی ہے۔

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

یہ جو خواب تھا کہ اسلام کا احیاء ہو گا' اسلام پھر دنیا میں دوبارہ غالب ہو گا' یہ چیز بھی تحریک پاکستان میں ایک کرنٹ کی حیثیت سے شامل ہو گئی تھی۔ ایک طرف ہندو کا خوف اصل قوتِ محرکہ تھی' دوسری طرف جیسے جیسے تحریک پاکستان آگے بڑھی احیاءِ اسلام کے جذبے نے ایک عوامی نعرے کی شکل اختیار کرلی : "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ إلاّ اللہ"۔ عیدین اور جمعہ کے اجتماعات میں دعائیں مانگی گئیں کہ اے اللہ ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دے دے' ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے' تیرے نبی کا نظام قائم کریں گے۔ یہ اجتماعی طور پر اللہ کے حضور میں درخواست تھی' جس کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے وہ حجت قائم کر دی۔

سورۃ الاعراف میں ایک مقام پر مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہمارا حال تو یہ ہے کہ آپ کی آمد سے پہلے بھی ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور آپ کی آمد کے بعد بھی ہمارا وہی حال ہے' تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں :

﴿ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۲۹)

"عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں خلافت اور تمکن عطا کرے گا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو۔"

ابھی تم مجبور ہو' مقہور ہو' محکوم ہو' غلام ہو' جب آزاد ہو جاؤ گے' تمہارے ہاتھ میں اختیار آ جائے گا' جب تمہیں استخلاف مل جائے گا۔ پھر اللہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اپنے وعدے پورے کرتے ہو یا نہیں۔ بعینہٖ یہی بات قیامِ پاکستان کا مظہر بنی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام کم سے کم وقتی طور پر ہندو قوم کی ہلاکت کے مترادف تھا۔ کیونکہ ہندو قوم کی پون صدی کی جدوجہد تھی جو آنِ واحد میں ناکام قرار دے دی گئی۔ سورۃ الحشر میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے ﴿ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ان کا یہی حال تھا۔ وہی جواہر لعل نہرو اور پٹیل جو پاکستان کا نام تک سننے کو تیار نہیں تھے اسی جواہر لعل نہرو کو ماؤنٹ بیٹن سے کہنا پڑا کہ آپ جایئے اور باپو کو راضی کیجئے' ہم باپو سے تقسیم ہند کی بات نہیں کہہ سکتے' ہمارے اندر یہ ہمت نہیں۔ کس قدر اوس پڑی ہو گی پوری ہندوستانی قوم پر کہ ان کی بھارت ماتا کے ٹکڑے ہو گئے اور ان کی پون صدی کی جدوجہد زیرو ہو گئی۔ ہندو قوم تو اس کو کسی صورت گوارا کرنے بلکہ سننے تک کو تیار نہیں تھی۔ یہ تو انہوں نے کچھ امیدیں باندھ لی تھیں کہ عنقریب پاکستان ختم بھی ہو جائے گا۔ یہ جو جبری ہجرت کروائی گئی کہ ہندو یہاں سے نکل جائیں اور مسلمان وہاں سے نکل جائیں یہ اس لئے تھا کہ ایک ایسی ابتری اور اختلال (chaos) کی کیفیت پیدا ہو جائے کہ پاکستان بنتے ہی ختم ہو جائے۔ انہیں اس کی پوری توقع تھی' لہٰذا انہوں نے عارضی طور پر شکست تسلیم کی تھی۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قیامِ پاکستان ایک معجزہ تھا۔ ہندو اور انگریز نے خود اپنے ہاتھ سے پاکستان بنایا۔ ماؤنٹ بیٹن نے خود کسی طریقے سے جا کر گاندھی کو راضی کیا تھا۔ کیا پٹی پڑھائی ہو گی' اس کے کان میں کیا پھونک ماری ہو گی' کیا وعدے وعید کئے ہوں گے کہ میں کشمیر کا معاملہ اس طرح کر دوں گا اور پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا' ورنہ گاندھی جیسا آدمی کیسے مان گیا' جو چند دن پہلے کہہ چکا تھا کہ پاکستان میری لاش پر بن سکتا ہے۔ دراصل یہ ﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ﴾ کا مظہر تھا کہ "ہو سکتا ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے" ﴿ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ "اور زمین میں تم کو حکومت عطا کرے" ﴿ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ "اور پھر وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو!"۔

آج میری اس گفتگو کا مقصد ﴿ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ کا جائزہ لینا ہے' یعنی ہم بھی دیکھیں ہم نے کیا عمل کیا ہے' کیا کمایا ہے' کیا گنوایا ہے' کیا بنایا ہے' کیا بگاڑا ہے۔ اس جائزے کو میں دو حصوں میں تقسیم کر رہا ہوں۔ اولاً ہم رمضان المبارک ۱۹۴۷ء سے رمضان المبارک ۱۹۹۷ء تک' یعنی قیامِ پاکستان سے نواز شریف حکومت کے آغاز تک کے عرصے کا جائزہ لیتے ہیں۔ قمری اعتبار سے یہ عرصہ ۵۱ سال کو محیط ہے۔ اس عرصے میں مختلف اعتبارات اور اجتماعی زندگی کے مختلف عنوانات کے تحت ہم نے کیا کھویا' کیا پایا؟ اس دوران ہم نے ان شعبوں میں ترقی کا سفر طے کیا ہے یا تنزل و انحطاط کا؟۔

نصف صدی کی فردِ عمل

۱۔ دستوری سطح پر ہمارے ہاں ابتداء میں کچھ پیش رفت ہوئی۔ قراردادِ مقاصد پاس ہوئی' ہم نے کہا کہ حاکمیت اللہ کی ہے۔ یہ مقصد قیام پاکستان کی طرف صحیح رُخ پر ایک مثبت پیش رفت تھی۔ لیکن اس کے بعد اس ضمن میں پورے ۵۳ برس میں جتنے کام ہوئے وہ بالکل غیر مؤثر اور منافقانہ طرزِ عمل کے حامل تھے۔ اسلامی نظریات کونسل بنائی گئی جو غیر مؤثر ہے' اس کی سفارشات کو کوئی تنفیذی قوت حاصل نہیں۔ وفاقی شرعی عدالت بنائی گئی تو اس پر بھی پابندیاں لگادی گئیں کہ دستورِ پاکستان' ضابطۂ دیوانی' ضابطۂ فوجداری اور مسلم پرسنل لاء اس کے دائرہ اختیار سے خارج ہوں گے جبکہ مالیاتی قوانین کو دس سال کے لئے اس کے دائرے سے باہر کیا گیا۔ اور جب دس سال گزر گئے تو وفاقی شرعی عدالت نے بینک انٹرسٹ کو سود اور حرام قرار دے دیا۔ اس پر ہماری منافقت سامنے آئی اور شریعت کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ دستور میں موجود اسلامی دفعات کی کوئی مؤثر حیثیت نہیں ہے۔ قراردادِ مقاصد ۱۹۴۹ء میں پاس ہوئی' اب ۱۹۹۹ء ہے اور مارچ میں اس کو پچاس برس پورے ہو جائیں گے۔ اس قرارداد کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ یہاں کتاب و سنت کی مکمل بالادستی ہو' لیکن یہ کڑوی گولی ہم آج تک نہیں نگل سکے' اس لئے میں نے بارہا کہا ہے کہ پاکستان کا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔

۲۔ سیاسی سطح پر افراتفری اور عدم استحکام کادَوردورہ رہا کہ حکومتیں بن رہی ہیں 'بگڑ رہی ہیں۔ ایک تکون تھی جو حرکت کرتی تھی 'کبھی ایک رُخ (phase) سامنے آ گیا کبھی دوسرا سامنے آ گیا۔ یہ تکون آرمی ' بیوروکریسی اور کچھ پشتینی سیاست دانوں (جاگیرداروں) پر مشتمل تھی۔ جب سیاسی حکومت آتی ہے تو یہ جاگیردار لوگ آگے آ جاتے ہیں 'فوج اور بیوروکریسی ذرا پیچھے چلی جاتی ہے۔ مارشل لاء کی شکل میں اگر فوج سامنے آتی ہے تو سیاست دان اور بیوروکریٹ پیچھے چلے جاتے ہیں 'جبکہ صدر ایوب نے ایک زمانے میں بیوروکریسی کو آگے کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے مارشل لاء تو جلد ہی ہٹا دیا تھا۔ اس لئے ان کا دور بیوکریسی کا دور تھا' اس میں آرمی بھی پیچھے تھی اور سیاست دان بھی پیچھے تھے۔ ایک بار پنڈت جواہر لعل نہرو سے کہا گیا کہ آپ پاکستان سے کچھ گفت و شنید کریں ' دونوں ممالک کو قریب لانے کے لئے مذاکرات کا راستہ اختیار کریں 'تو نہرو نے ایک فقرہ چست کیا تھا کہ میں کس سے بات کروں 'میں تو اتنے کپڑے نہیں بدلتا جتنی وہاں حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ آج ایک حکومت ہے کل کوئی اور حکومت ہے۔ چوہدری محمد علی ابھی تھے ابھی نہیں ہیں 'بوگرہ امریکہ سے امپورٹ کئے گئے۔ کسی کے بارے میں پتا ہی نہیں چلتا کہ کون کیا ہے؟ ایک chaos ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی سطح پر ہم ایک نابالغ اور retarded قوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ جیسے کچھ بچوں کی ذہنی نشوونما رُک جاتی ہے 'اور سولہ سال کی عمر میں بھی ان کا ذہن ابھی سات سال کا ہوتا ہے 'یہی حال ہمارا ہے۔ ابھی حال ہی میں بی بی سی نے تبصرے کئے ہیں کہ فوجی عدالتوں کی صورت میں اس سویلین حکومت کو Highest Potency کا آخری انجیکشن دیا گیا ہے۔ اور تو اور فوج میٹر چیک کر رہی ہے 'فوج ریلوے چلائے گی۔ لیکن اگر یہ انجیکشن یا تجربہ بھی نہ چلا تو کیا ہو گا؟

افراتفری اور عدمِ استحکام کے علاوہ سیاسی سطح پر پاکستانی قوم مختلف قومیتوں میں بھی تقسیم ہو چکی ہے۔ پہلے چار قومیتوں کا راگ الاپتے رہے 'پھر کراچی سے ایک دم پانچویں مہاجر قومیت بڑے زور و شور سے اٹھ کھڑی ہوئی ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے

اسی طرح ایک سرائیکی قومیت اُبھر کر سامنے آ رہی ہے۔ اب ہم ایک قوم نہیں رہے۔

۳۔ معاشی سطح پر ہمارا ریکارڈ اس حوالے سے بدترین ہے کہ سود جوں کا توں موجود ہے اور اب اس پر جوئے کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے' جس کی ابتداء پرائز بانڈ کی شکل میں ہوئی تھی۔ اس طرح ایک طرف پوری معیشت کا تانا بانا سود اور جوئے پر مبنی ہے تو دوسری طرف ظالمانہ جاگیرداری نظام بھی جوں کا توں قائم ہے' اور موجودہ زمینداری نظام سے بڑا ظلم کوئی نہیں۔ خون پسینہ کاشتکار کا ایک ہوتا ہے اور عیش زمیندار کرتا ہے۔ کسان کے بچوں کے لئے وہ کچھ میسر نہیں ہوتا جو جاگیردار کے کتوں کو دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی خلافِ شریعت بات پر فرمایا تھا کہ کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا' اور کونسی زمین مجھے اٹھائے گی۔ میں بھی وہی الفاظ استعمال کر رہا ہوں کہ اس ظلم کے ہوتے ہوئے کون سا آسمان ہم پر سایہ کرے گا اور کونسی زمین ہمیں اٹھائے گی۔ اگرچہ دو دفعہ زرعی اصلاحات لائی گئی ہیں لیکن وہ صرف سنار کی "ٹھک ٹھک" ہیں' ان سے ان جاگیرداروں' نوابوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا اور زمینداری یا جاگیرداری جوں کی توں قائم ہے۔

ان ۵۱ سالوں میں معاشی میدان میں ایک اور ظلم کا اضافہ ہوا۔ وہ یہ کہ صدر ایوب کے زمانے میں کچھ صنعتی ترقی ہوئی جس کے نتیجے میں ایک نودولتیا طبقہ ہمارے ہاں پیدا ہوا ہے' جس نے اسراف اور تبذیر کی وہ روایتیں قائم کی ہیں کہ پورے معاشرے پر نمود و نمائش اور اسراف کا رنگ چھا گیا ہے' حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ ﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ﴾ "یقیناً فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں"۔ اس ضمن میں ایک واقعہ جسے میں بھول نہیں سکتا سنتے جایئے۔ ایک بار میرے پاس تنظیم اسلامی کراچی آفس میں دو نوجوان آئے۔ یہ آج سے کوئی پندرہ سال پرانی بات ہے۔ وہ نوجوان مراد آباد (ہندوستان) کے تھے' دونوں آتے ہی دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ ہم یہاں پھوپھی کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لئے پہلی مرتبہ مُراد آباد سے پاکستان آئے ہیں۔ وہاں ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہم بچوں کے لئے ایسے مکتب کھول سکیں

جہاں اپنے بچوں کو قرآن اور اردو پڑھادیں' لیکن یہاں ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے پھوپھا اگرچہ بہت زیادہ پیسے والے آدمی نہیں لیکن کس طرح انہوں نے پانی کی طرح شادی پر پیسہ بہایا ہے۔ وہ رو رہے تھے کہ کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ یہاں گھرے اڑائے جائیں۔ درحقیقت اوپر کے لوگ روایات کی طرح ڈالتے ہیں اور پھر عوام الناس ان کی پیروی کرتے ہیں کہ کیا کریں' آخر میری بچی کا بھی تو دل ہے' وہ سوچے گی کہ میری شادی پر میرے والدین نے کچھ نہیں کیا۔ اسی خرابی کے باعث کچھ بچیاں اپنے والدین کی دہلیز پر بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

۴۔ سماجی سطح پر بے پردگی' بے حیائی اور فحاشی عروج پر پہنچی۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سفلی جذبات ابھارنے کا پورا بندوبست کر رہے ہیں' نتیجتاً جنسی بے راہ روی اور گینگ ریپ عام ہے۔ کبھی کسی نے سنا تھا کہ گینگ ریپ کس شے کا نام ہے اور آج کوئی دن ہی ایسا جاتا ہو گا جس دن اس کی کوئی خبر نہ ہو' جبکہ کتنے واقعات تو ایسے ہوتے ہوں گے جو رپورٹ نہیں ہوتے۔

۵۔ امن وامان کی سطح پر قتل' ڈکیتیاں' دہشت گردی' چوریاں' غارت گری اور اغوا برائے تاوان معمول کا حصہ بن گئے۔ ہمارے وزیر اعظم کو اگر شریعت کا کوئی حصہ پسند ہے تو وہ یہی تعزیرات اور سزاؤں والا حصہ ہے' تاکہ شریعت کورٹس اور قاضی کورٹس قائم کر کے ملک میں امن وامان قائم کیا جاسکے۔

۶۔ تعلیمی سطح پر دین ودنیا کی تقسیم اب بھی باقی ہے' جو انگریزی دور کی پیداوار ہے' حالانکہ علم تو ایک ناقابل تسخیر وحدت ہے۔ انگریز کے دور میں ہمیں اپنے دین کے تحفظ کے لئے دینی مدرسے قائم کرنے پڑے' کیونکہ انہوں نے اپنے کالجوں' یونیورسٹیوں میں دین تھوڑا ہی پڑھانا تھا۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد اس تقسیم کا کیا جواز ہے' یہ تو ایک وحدت ہونی چاہئے تھی۔

دوسری طرف شرح خواندگی خطرناک حد تک کم ہوتی جارہی ہے۔ وہ قوم جس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس کے نبی پر پہلی وحی ہی یہ آئی کہ ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا" اُس نبی کے ماننے والے دنیا میں ناخواندگی

کی علمبردار قوم بن کر ابھرے ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کی روایت یہ رہی ہے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں سے کہا گیا تھا کہ تم پانچ آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھادو تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔ تقسیم ہند سے پہلے ایک صوبہ بہار ایسا تھا جس میں صرف مسلمانوں کی وجہ سے شرح خواندگی بلند ترین تھی' کیونکہ ہندوؤں کے بچے بھی مسلمانوں کے مکتبوں اور مسجدوں میں آکر پڑھتے تھے۔ اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ معیارِ تعلیم پست سے پست تر ہوتا جا رہا ہے۔ پبلک سیکٹر سے تعلیم ختم ہو گئی ہے۔ پرائیویٹائزیشن کی وجہ سے بڑی بڑی فیسوں والے خود مختار تعلیمی ادارے ہیں۔ چنانچہ اب تو تعلیم ایک کاروبار اور ملک کی ایک بڑی اور نفع بخش صنعت بن چکی ہے۔ جبکہ اسی دنیا میں متمدن قومیں کم سے کم بارہ سال تک کی تعلیم مفت دیتی ہیں۔ امریکہ میں ہائی سکول بارہ سال کا اور کینیڈا میں تیرہ سال کا ہے' اس دوران وہ ایک پیسہ نہیں لیتے' بلکہ وہ تو بچوں کو دودھ بھی پلاتے ہیں اور کئی دوسری ضروریات کے اخراجات بھی برداشت کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ کنڈر گارٹن کے لیول پر بھاری بھاری فیسیں ہیں۔ یہ فیسیں لوگ کہاں سے لاتے ہیں؟ ہمارے ہاں تنخواہوں کا ڈھانچہ تو اتنا نہیں ہے' ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے ناجائز ذرائع آمدن مثلاً رشوت' غبن اور خیانت کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے' یا پھر کوئی شریف آدمی ہے تو وہ آٹھ گھنٹے کی بجائے سولہ گھنٹے کام کر رہا ہے' دو دو جاب کر رہا ہے' اور اس طرح "burning the candle at both the ends" کا عملی مظاہرہ کر رہا ہے۔

۷۔ <u>اخلاقی سطح پر</u> جھوٹ' وعدہ خلافی اور خیانت انتہائی عروج پر ہیں۔ یہ تین چیزیں خاص طور پر اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حضور ﷺ نے ان تین چیزوں کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔((آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ' اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ' وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ)) "منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے' جب کہیں امین بنادیا جائے تو خیانت کرے (جس میں یہ تینوں نشانیاں ہیں وہ پکا منافق ہے) چاہے وہ نماز پڑھتا ہو' روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو"۔

اخلاقی سطح پر نفاق کے ساتھ ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ لوٹ مار کی بھی ایک دوڑ لگی

ہوئی ہے اور اس دوڑ میں ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اگر موجودہ حکومت کو اِس لوٹ مار کے احتساب کا خیال بھی آیا ہے تو اپنا دور نکال کر' حالانکہ جب نواز شریف صاحب پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے تو خود انہوں نے پلاٹوں کی بندر بانٹ کی تھی۔ میجر جنرل (ر) محمد حسین انصاری ان پلاٹوں کی لوٹ مار کے ثبوت کا پلندہ لے کر پھرتے ہیں' لیکن کون سنے' وہ زمانہ تو احتساب سے خارج ہے۔ جبکہ اس ریکارڈ کے مطابق ایک جیسی چھ درخواستیں تقریباً ایک ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی' جن پر ایک ہی نام اور تاریخ ہے' درخواست دہندہ کا کوئی ایڈریس بھی موجود نہیں ہے' سب کو پلاٹ دے دیئے گئے۔ ادھر پلاٹ کی الاٹمنٹ ہوئی ادھر پراپرٹی ڈیلر باہر کھڑے ہیں' جنہوں نے ہاتھوں ہاتھ خرید بھی لیا۔

۸۔ مذہبی سطح پر حالت یہ ہے کہ فرقہ واریت انتہا پر ہے۔ شیعہ سنی کا مسئلہ ہمارے ہاں پہلے بھی تھا' ماہِ محرم میں شیعہ سنیوں میں کچھ نہ کچھ کھٹ پٹ ہو جاتی تھی لیکن اب جس انداز میں فرقہ وارانہ قتل وغارت ہو رہی ہے اس کی مثال پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی تین شکلیں ہوتی ہیں' یا آسمان سے کوئی مصیبت آتی ہے یا زمین سے' مثلاً کوئی زلزلہ آگیا' زمین پھٹ گئی اور لوگ دھنس گئے' جبکہ ایک تیسری شکل عذاب کی یہ کہ ﴿ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ "یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے آپس میں ٹکرا دیں"۔ اللہ کو نہ آسمان سے کوئی عذاب نازل کرنا پڑے نہ زمین کو تکلیف دینی پڑے' بلکہ انہیں آپس میں ٹکرا دے کہ یہ ایک دوسرے کے سینے کلاشنکوف کی گولیوں سے چھلنی کر کے خود اپنے لئے عذاب کا بندوبست کر لیں گے۔ باہمی ٹکراؤ کی خاص طور پر بد ترین صورت ۱۹۷۱ء میں پیدا ہوئی جب قیامِ پاکستان کو پورے ۲۵ قمری برس ہو گئے تھے۔ اللہ نے "فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ" کے مصداق پوری رُبع صدی تک مہلت دی کہ دیکھیں تم کرتے کیا ہو۔ پورے ۲۵ برس بعد پاکستان دولخت ہو گیا' ہمارے ۹۳ ہزار افراد ہندو کے قیدی (POW) بنے' جن میں ۵۳ ہزار ریگولر فوجی' سپاہی سے لے کر جرنیل تک موجود تھے۔ انہیں ﴿ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ کے مصداق چھوٹے ہو کر اپنے

ہاتھ سے اپنا اسلحہ دشمن کو پیش کرنا پڑا۔ یہ وہ قوم تھی جس نے ہندوستان پر ہزار برس تک حکومت کی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر اندرا گاندھی نے کہا تھا

"We have evenged our thousand years defeat"

کہ "آج ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا" اور یہ کہ "آج ہم نے دو قومی نظریہ' جو پاکستان کی بنیاد تھا' اسے خلیج بنگال میں غرق کر دیا"۔ یہ بھی ہماری بداعمالیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہی کی ایک شکل تھی۔

۹۔ عسکری میدان میں بھی پاکستان نے تنزل کا سفر اختیار کیا ہے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان سے پہلے بھارت ڈرتا تھا کہ اس پر دو طرف سے پاکستان کا دباؤ تھا۔ گویا بھارت دو طرف سے پاکستان کے نرغے میں تھا۔ لیکن ۱۹۷۱ء کے سانحہ کے بعد ہندو کی پوری ذہنیت تبدیل ہوئی ہے' اس سے پہلے اس پر ہمارا خوف طاری تھا' اُس وقت بھارت کا یہ جارحانہ انداز نہیں تھا۔ وہ وقت یاد کیجئے جب قائد ملت لیاقت علی خان نے ہندوستان کو مکہ دکھایا تھا اور پاکستان کے دوسرے یومِ استقلال پر چودہ مسلمان ملکوں کے فوجی دستے لا کر بندر روڈ کراچی پر پریڈ کروائی تھی کہ دنیا دیکھ لے کہ ہم اکیلے نہیں ہیں اور ہمارا قدم پین اسلام ازم کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ ہندو بنیا کانپتا تھا کہ ہندو تو صرف بھارت میں ہیں جبکہ ان پاکستانی مسلمانوں کا تو پوری مسلم دنیا کے ساتھ رابطہ ہے۔ لیکن آج یہ حال ہے کہ بری اور فضائی فوج میں بھارت ہم سے بہت آگے جا چکا ہے۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی اور میزائل ٹیکنالوجی میں بھی وہ ہم سے بہت آگے ہے اور وہ اکثر چیزیں خود بنا رہا ہے۔ جہاں تک نیوی کا تعلق ہے وہ پورے بحرِ ہند پر اپنا تسلط بڑھا رہا ہے' جس کی وجہ سے آسٹریلیا بھی گھبرا رہا ہے اور ساؤتھ افریقہ بھی بھارت سے خوف زدہ ہے۔ جبکہ ہماری نیوی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے' کیونکہ ہمارے پاس وسائل ہی نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم کہتے تو ہیں کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے' لیکن ہم اس شہ رگ سے بھارت کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹانے کی جرأت نہیں رکھتے۔ بس واویلا اور چیخ و پکار کر سکتے ہیں' یا پھر یہ کہ امریکہ صلح کرا دے' فلاں بیچ میں آ جائے' کچھ مذاکرات ہو جائیں اور بس۔

اس پس منظر میں دیکھئے' بھارت سے ایک بڑا آتشیں سورج طلوع ہو رہا ہے۔ یہ

ہندو بنیاد پرستی کا سورج ہے۔ جب بھارت میں موجودہ حکومت بنی تھی تو خیال تھا کہ اب گئی کہ اب گئی' لیکن یہ حکومت خاصی مستحکم ثابت ہوئی ہے۔ ایڈوانی وزیر داخلہ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ بی جے پی (BJP) اور اس کے اتحادی وشوا ہندو پرشد (VHP)' راشٹریہ سیوک سنگھ (RSS)' بال ٹھاکرے کی شیو سینا' سب کا پروگرام مبرہن (declared) ہے کہ "ہندوستان کی پوتر زمین کو مسلمانوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنا" اور ہندوستان سے ان کی مراد صرف ہندوستان نہیں ہے پاکستان بھی اس میں شامل ہے۔ یاد رہے آر ایس ایس آج سے ستر سال قبل ہماری خاکسار تحریک کے رد عمل میں وجود میں آئی تھی۔ ہندو خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اب کیا ہو گا' مسلمان نے خاکی وردی پہن لی ہے اور بیلچہ لے کر سڑکوں پر پریڈ کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جگہ جگہ اکھاڑے بنائے اور گلیوں میں ورزشیں شروع کیں۔ آر ایس ایس کبھی براہ راست الیکشن میں نہیں آئی اور اب تک اپنے رضا کار تیار کرنے میں معروف ہے۔ آج سے بیس سال پہلے اس کے رضا کاروں کی تعداد ۲۵ لاکھ تھی' آج معلوم نہیں کتنی ہو چکی ہو گی۔ ان کی تنظیم کا آپ اندازہ کیجئے کہ آر ایس ایس (RSS) کے تین لاکھ ورکر پورے ہندوستان کے کونے کونے سے چلے' ایودھیا گئے' بابری مسجد کو گرایا اور گھر واپس آ گئے۔ نہ جاتے ہوئے کوئی دنگا فساد کیا نہ واپس آتے ہوئے کوئی ہنگامہ۔ نہ جاتے ہوئے کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا' نہ واپسی پر۔ پوری طرح پُرامن انداز سے جس طرح ایک منظم فوج مارچ کرتی ہے' ٹارگٹ پر گئے' ٹارگٹ پورا کیا اور واپس آ گئے۔ وہ تو بعد میں جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو پولیس نے مسلمانوں کو اپنی گولیوں سے بھونا ہے اور چھ ہزار مسلمانوں کو شہید کیا ہے۔

۱۰۔ خارجہ پالیسی میں تو ہم نے پہلے دن سے یہ طے کر لیا تھا کہ ہمارا ملجاو ماویٰ' ہمارا پشت پناہ اور حمایتی امریکہ ہے۔ نتیجتاً روس ہمارا دشمن بن گیا اور اس نے ہر اعتبار سے بھارت کو support کیا۔ جبکہ امریکہ نے ہر مشکل موڑ پر ہمیں دھوکا دیا' لیکن ہم اس سب کے باوجود اس کے گھڑے کی مچھلی بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں سورۃ المائدہ (آیت ۵۱) میں صراحت کے ساتھ یہ حکم موجود ہے : ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ﴾ "اے اہل ایمان ان

یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا دوست 'اپنا حمایتی و پشت پناہ مت بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے پشت پناہ ہیں"۔ جیسا کہ آج برطانیہ اور امریکہ وائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹ(WASP) کے نمائندے بن کر سامنے آئے ہیں۔ پہلے برطانیہ اس کا سربراہ تھا' آج امریکہ ہے۔ یہ دونوں اپنے عزائم کے اعتبار سے بالکل ننگے ہو کر سامنے آئے ہیں' ان کا صیہونیت (Zionism) سے گٹھ جوڑ ہے اور اِس وقت یہ دونوں اس گٹھ جوڑ میں بالکل علیحدہ ہو گئے ہیں' نہ فرانس ساتھ دے رہا ہے نہ روس ساتھ دے رہا ہے۔ لیکن ہمارا حال ان آیات کے علی الرغم ہے' جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا : ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ ﴾ "تم دیکھتے ہو یا دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ (یعنی نفاق کی بیماری) ہے کہ وہ انہی (کافروں) میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں" کہ آپ ہی ہمارے مائی باپ ہیں' آپ ہی یہ معاملہ طے کرائیں گے تو طے ہو گا۔ آپ ہی مسئلہ کشمیر کو حل کروائیں گے تو ہو گا۔ آپ ہی کے ذریعے سے ہماری معیشت میں بہتری ہو گی۔ آگے فرمانِ خداوندی ہے کہ وہ کہتے یہ ہیں کہ : ﴿ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾ "ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے"۔ ہم اس لئے ان میں گھستے ہیں کہ یہی ہمیں بچانے والے ہیں' یہی ہماری حفاظت کرنے والے ہیں۔

۱۱۔ انگریزی نظام کی محافظت : ہمارے ہاں ہر سطح پر انگریز کا نظام آج بھی برقرار ہے۔ انگریز کے نظام سے اثر انگیزی کا تو یہ عالم ہے کہ ہم صوبوں کی حدود تبدیل کرنے سے بھی ڈرتے ہیں جو انگریز قائم کر گیا تھا۔ ہم نے ضلعے نئے بنا لئے' کمشنریاں نئی بنا لیں' لیکن صوبوں کی تقسیم کو ہم نے مقدس گائے کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ انگریزی دور کے آزاد قبائل آج بھی آزاد قبائل ہیں' ان کا سٹیٹس تبدیل کرنے کی آج تک کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ گویا آزاد تو وہی ہیں' باقی ساری پاکستانی قوم محکوم ہے! مطلب یہ کہ ہم نے اس نظام کی کسی شے کے اندر کوئی تبدیلی لانے کی کوئی کوشش نہیں کی جو انگریز چھوڑ گیا تھا۔

گھٹاٹوپ اندھیرے میں اُمید کی کرن

مذکورہ بالا بداعمالیوں کے باعث ۱۹۹۶ء کے اواخر میں واقعتاً ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ہم تباہی کے آخری کنارے تک پہنچ گئے ہیں' لیکن اچانک ہوا کا ایک خوشگوار جھونکا آیا کہ فروری ۱۹۹۷ء کے الیکشن میں پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ زندہ ہو گئی' غیر متوقع طور پر مسلم لیگ کو بھاری مینڈیٹ مل گیا۔ اُس وقت میں نے اپنی جمعہ کی ایک تقریر میں "الحمد للہ" کا عنوان قائم کر کے چھ باتوں پر اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ پہلی یہ کہ پانچ نومبر کے صدارتی اقدام سے (جس سے کہ اسمبلیاں ٹوٹی تھیں) الیکشن کے ہو جانے تک ہماری گاڑی بالکل دستور کی پٹڑی پر چلی تھی' ہر چیز دستور کے مطابق اور صحیح ٹائم ٹیبل کے مطابق ہوئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ انتخابی مہم پر بھی کچھ پابندیاں لگائی گئیں تھیں۔ خرچہ اور شور ہنگامہ بھی کم ہوا۔ تیسرے یہ کہ انتخابات شفاف ہوئے تھے۔ اگرچہ Pre-election engineering ہوئی تھی' جیسا کہ بے نظیر نے الزام لگایا تھا' لیکن وہ بھی نہیں کہہ سکی کہ الیکشن کے موقع پر کوئی دھاندلی ہوئی ہے۔ چوتھے یہ کہ ٹرن آوٹ (Turn out) بھی اچھا بھلا تھا' کوئی زیادہ برا نہیں تھا۔ پانچویں یہ کہ اس موقع پر بے نظیر اور قاضی حسین احمد صاحب دونوں کا رویہ معتدل تھا۔ دونوں نے کہا تھا کہ ہم حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے اور ان کو کام کرنے کا موقع دیں گے۔ فوری طور پر کوئی تحریک چلانے کا کوئی اعلان سامنے نہیں آیا تھا۔ چھٹی اور سب سے بڑی بات یہ کہ مسلم لیگ کا احیاء ہوا تھا اور مسلم لیگ کو بھاری مینڈیٹ ملا تھا' جس کے تین نتیجے نکلتے تھے۔ داخلی طور پر ممبرانِ اسمبلی کی بلیک میلنگ سے جان چھوٹ جائے گی۔ ترقیاتی کام بھی پورے جماؤ کے ساتھ ہو سکیں گے اور ملک کی صورت حال بدلے گی۔ جبکہ خارجی طور پر ہم باہر کی طاقتوں سے اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر بات کر سکیں گے۔

البتہ میں نے دوسرا عنوان "العیاذ باللہ" کا بھی قائم کیا تھا۔ اس لئے کہ اس میں ہمارے لئے دینی اعتبار سے ایک بات بڑی قابل تشویش تھی کہ اس مسلم لیگ اور اس کے قائد نواز شریف نے پوری انتخابی مہم میں کہیں دین کا نام نہیں لیا تھا' جس پر پورے

بھارت میں بڑی خوشیاں منائی گئیں کہ پاکستان میں مسلم بنیاد پرستی کی موت واقع ہو گئی ہے۔ اتنا بڑا مینڈیٹ اُس جماعت کو ملا ہے جس نے اسلام کا نام ہی نہیں لیا اور اسی کے پس منظر میں یہ بھی کہ نواز شریف صاحب نے مغربی طاقتوں کو اطمینان دلایا تھا کہ میں بنیاد پرست نہیں ہوں۔ ان کے چھوٹے بھائی شہباز شریف صاحب نے مین ٹیشن میونسپل ہال میں باقاعدہ تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں ہمیں برسرِاقتدار نہ آنے دیا گیا تو وہاں بنیاد پرستوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ گویا کہ اگر ان کا راستہ روکنا ہے تو ہمیں سپورٹ کرو۔ چنانچہ یہ دو منفی نکات بھی میری اس تقریر میں ریکارڈ پر ہیں۔ تاہم ہم نے مسلم لیگ کی قیادت سے نیک گمان رکھتے ہوئے انہیں چند مشورے دیئے تھے۔ اور دستور کی منافقت دور کرنے کے لئے چند دستوری ترامیم تجویز کی تھیں۔

(۱) دستور کی منافقت کو ختم کیا جائے۔ دستور میں قرار دادِ مقاصد کے بارے میں طے کر دیا جائے کہ یہ پورے دستور پر حاوی ہے۔

(۲) دفعہ ۲۲۷ کو لا کر قرار دادِ مقاصد کے ساتھ ۲ ب کی حیثیت سے شامل کیا جائے جس میں درج ہے کہ ملک میں کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی۔

(۳) اسلامی نظریاتی کونسل ختم کر دی جائے' کیونکہ فیڈرل شریعت کورٹ کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۴) شریعت کورٹ کے حدودِ کار پر جو پابندیاں عائد ہیں انہیں ہٹایا جائے۔ کیونکہ شریعت کی بالادستی تو مکمل ہونی چاہئے۔

(۵) شریعت کورٹ کے ججوں کا معیارِ ملازمت ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے مساوی کیا جائے۔

یہ ہمارا ایک پیکج تھا' اس کے لئے ہم نے منتیں کیں' خطوط کی مہم چلائی' عوام سے تار دلوائے' جلسے کئے' جلوس نکالے۔ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ شاید اب اس مسلم لیگ سے' جو ۴۷-۱۹۴۶ء کے بعد ایک بار پھر ۱۹۹۷ء میں زندہ ہوئی ہے' قیامِ پاکستان کے مقاصد کے حوالے سے کوئی کام لینا چاہتا ہے اور شاید قیامِ پاکستان کی طرح اس میں بھی پاکستان کے کچھ سنورنے کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے'

لیکن یہ بتانا تو ہو گا کہ یہ کرو یہ نہ کرو۔ دوسرا مطالبہ ہم نے کیا کہ سود کا انسداد کیا جائے' اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ فوراً بند کی جائے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف جو اپیل دائر ہے اسے فوری واپس لیا جائے یا پھر سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بینچ بنا کر سماعت کروائی جائے' تاکہ یہ مسئلہ یونہی کولڈ سٹوریج میں نہ پڑا رہے۔ مزید یہ کہ اندرونِ ملک سود فوراً ختم کیا جائے۔ جب ہم اندرونی طور پر سود کو ختم کر لیں گے تو پھر بیرونی قرضوں کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ہم عالمی مالیاتی اداروں سے لئے گئے قرضوں پر بھی سود نہیں دیں گے' البتہ وہ اصل رقم ہمارے ملک میں انویسٹ (Invest) کر لیں۔ اس مقصد کے لئے ہم انہیں ان کی رقم اپنی کرنسی میں دے دیں گے اور وہ اس کا نفع ملک سے باہر اپنی کرنسی میں لے جا سکیں گے۔ ایسا ایک تجربہ لاطینی امریکہ میں ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ جاگیرداری اور زمینداری کے بارے میں میں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ ایک اعلیٰ سطحی لینڈ کمیشن بنایا جائے جو یہ طے کرے کہ آیا پاکستان کی اراضی خراجی ہے یا عشری۔ اگر خراجی ہے تو بالکل ایک نیا بندوبست اراضی کیا جائے اور زمینداروں سے زمینیں لے کر تمام کاشتکاروں میں برابر تقسیم کر دی جائیں۔ فرض کیجئے یہ زمینیں عشری ہیں (اگرچہ میرے نزدیک خراجی ہیں) تو پھر مزارعت کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے علماء کا بورڈ بٹھایا جائے۔ ویسے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مزارعت حرامِ مطلق ہے۔ اسلام میں زمین کا مالک خود اپنی زمین کاشت کرتا ہے' مزارع نہیں رکھ سکتا۔ البتہ ایک فرد اپنی زمین کی خود کاشت (self cultivation) کرتے ہوئے تنخواہ پر ملازم رکھ سکتا ہے۔ اس ملازمت کے قوانین بنائے جا سکتے ہیں' کیونکہ ملازمت کی شرائط اور قواعد (Service Structure) مقرر ہوتی ہیں۔ ان کے لئے پنشن کا بھی معاملہ ہو گا اور انہیں دیگر سہولیات (Benefits) بھی حاصل ہوں گی۔

مزید برآں ہم نے حکومت کو بیرونی معاملات میں چند سفارشات اور دی تھیں کہ سب سے پہلے طالبان کی حکومت کو تسلیم کیا جائے اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ ہمارے ہاں طے ہو گیا ہے۔ دوسرے ایران اور طالبان کے تعلقات کو درست کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ تیسرے یہ کہ کشمیر کے مسئلے میں ایران اور چین کی ثالثی تسلیم کی جائے

اور ان کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرانے کی کوشش کی جائے۔ چوتھے 'چین کے معاملے میں احتیاط برتی جائے کیونکہ سنکیانگ میں کچھ بنیاد پرست مسلمانوں کا حکومت کے ساتھ تصادم ہو رہا تھا اور میں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ امریکہ اس آڑ میں چاہتا ہے کہ چائنا کو مسلمانوں کے خلاف کر دے۔ ہماری یہ ساری سفارشات اور سارے مشورے "الدِّینُ النَّصِیحَۃُ" کے مصداق تھے 'کیونکہ دین نام ہے نصیحت کا 'خیر خواہی کا' اور اسی حوالے سے میں نے مسلم لیگ کے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنی تقریروں میں مذکورہ بالا آراء تفصیلاً گوش گزار کی تھیں۔ ظاہر بات ہے نہ میں معروف معنوں میں کوئی سیاسی لیڈر ہوں نہ مجھے ان کے خلاف مہم چلانی تھی' یہ سب صرف اس امید میں کہا گیا کہ شاید اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اور یہ حکومت اس ملک کی بگڑی ہوئی تقدیر کو سنوارنے کا ذریعہ بن جائے۔

ابتدا میں مسلم لیگ کی حکومت سے میرے حسن ظن کی وجہ ایک یہ بات بھی بنی کہ میری مذکورہ بالا تقریر میاں شریف صاحب اور ان کے تینوں بیٹوں (نواز شریف' عباس شریف' شہباز شریف) کے میرے ہاں دو مرتبہ آنے کا ذریعہ بن گئی۔ فروری ۹۷ء کے انتخابات سے کوئی سال سوا سال پہلے حرمِ مکی میں میاں شریف صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں ویل چیئر پر تھا' وہ اُٹھ کر آئے اور کہا "کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب آپ ویل چیئر پر ہیں؟" میں نے بتایا کہ میرے گھٹنوں میں تکلیف ہے۔ اس پر انہوں نے کہا "اللہ آپ کو شفا دے' میں آپ سے لاہور میں ملاقات کروں گا"۔ میں نے پوچھا "آپ ہیں کون؟ میں آپ کو پہچانتا نہیں"۔ انہوں نے کہا "میں میاں محمد شریف ہوں"۔ یہ دسمبر ۱۹۹۵ء کا معاملہ ہے' اس سے پہلے میری ان سے نہ بالمشافہ کوئی ملاقات رہی تھی نہ سرے سے کوئی آنا جانا تھا۔ اب جب یہ الیکشن ہوا اور میں نے مذکورہ بالا سفارشات پر مبنی تقاریر کیں تو ایک رات لیٹے ہوئے اچانک خیال آیا کہ میں میاں محمد شریف صاحب کو اپنی ان تقریروں کے کیسٹ بھیج دوں۔ چنانچہ میں نے اگلے دن کیسٹ کے ساتھ ایک خط بھی لکھ دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ آپ آئیں گے' آپ تو نہیں آئے' لیکن میں بھی اس لئے نہیں آیا کہ میرے نزدیک سرمایہ داروں کے دروازوں پر دین کے خادموں کا حاضر ہونا اچھی بات نہیں۔ اب جبکہ یہ معاملہ ہوا ہے کہ اللہ نے آپ کے بیٹوں کو موجودہ حکومت کی

صورت میں ایک غیر متوقع کامیابی دے دی ہے تو میں اپنے ۱۴ فروری کے خطاب جمعہ کا کیسٹ "الدِّینُ النَّصِیحَة" کا حق ادا کرنے کے لئے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ نواز شریف اور شہباز شریف کو تو مبارک بادیں وصول کرنے سے ہی فرصت نہیں ہو گی' وہ میری تقریر کیا سنیں گے' آپ سن لیں۔ اگر مزید کسی وضاحت کی ضرورت ہوئی اور آپ مجھے بلائیں گے تو میں سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا' آپ خود آئیں گے تو یہ میرے لئے باعث اعزاز ہو گا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میاں صاحب تیسرے ہی دن (۲۳ فروری ۹۷ء کو) میرے غریب خانے پر اپنے تینوں بیٹوں سمیت تشریف لے آئے۔ میری ان سے دوسری ملاقات ۱۹ مئی ۹۷ء کو ہوئی جس میں کسی قدر قول و قرار بھی ہوئے۔ شہباز شریف نے کہا کہ ہم ایک سال کے اندر اندر سود ختم کر دیں گے' جس پر میاں شریف صاحب نے کہا کہ نہیں چھ مہینے کے اندر اندر ختم کرو۔ میں سمجھا شاید اللہ کی طرف سے اس ملک پر بہت بڑی نظر کرم ہو گئی ہے۔ یوں لگتا تھا کہ واقعتا اس ملک کی قسمت بدلنے جا رہی ہے اور پاکستان کا قافلہ جو بھٹک گیا تھا وہ شاید پھر سوئے حرم چل نکلا ہے۔ ع "بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل!" بہرحال میں اسی گمان کو لئے ہوئے تنظیم اسلامی کا ایک وفد لے کر ان سے ۲۴/ مئی کو خود وزیر اعظم ہاؤس میں ملا۔ جہاں نواز شریف صاحب نے دوبار راجہ ظفرالحق صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ "راجہ صاحب نفاذِ شریعت بل لانے کی تیاری کیجئے"۔ یہ تھے وہ حالات جن کے باعث امیدوں کا ایک سراب نگاہوں کے سامنے آگیا تھا۔ اب اس سراب کی حقیقت واضح ہو چکی ہے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

نواز شریف حکومت کے دو سال

اس مایوسی کی وجوہات بھی جان لیجئے۔ دراصل رمضان ۹۷ء سے لے کر رمضان ۹۹ء تک کے دو سال کے درمیان حکومت نے جو کچھ کیا وہ مجھ سے کئے گئے تمام وعدوں کے بالکل برعکس تھا۔ اس اثناء میں جو کچھ ہوا گنتی کیجئے۔ اولاً نواز شریف صاحب نے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے ۴/ اپریل ۱۹۹۷ء کو تیرھویں ترمیم منظور کرائی جس کے

ذریعے نہ صرف صدر کے اختیارات ختم کر دیئے گئے' بلکہ صدارت کے لئے ایک آزمودہ' مخلص' بلکہ خدمت گار شخص سامنے لایا گیا جس کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں۔ اور خطرناک ترین بات یہ ہے کہ صدر کے صوبہ پنجاب سے تعلق ہونے کی وجہ سے صوبوں کے اندر احساس محرومی پیدا ہوا' کیونکہ وزیراعظم بھی پنجاب کا' آرمی چیف بھی پنجاب کا اور اب صدر کا تعلق بھی پنجاب سے ہے' جو وفاقی پارلیمانی طرز حکومت میں مناسب نہیں۔ جولائی ۷۷ء میں چودھویں ترمیم کے نتیجے میں ممبرانِ اسمبلی کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی ؎ "ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے"۔ خدا خدا کر کے نفاذِ شریعت کے نام پر پندرھویں ترمیم آئی۔ لیکن اس کا مقصد بھی سول آمریت قائم کرنا اور اپنے اختیارات میں اضافہ کرنا تھا کہ وفاقی حکومت جو چاہے اقدام کرے' کوئی عدالت کچھ نہیں کر سکتی' پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت نہیں' حتیٰ کہ دستور میں بھی سادہ اکثریت سے ترمیم کی جا سکے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ؎ "آئیں وہ یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں!" اگرچہ اب اس میں کچھ ترمیم کی گئی ہے لیکن اب بھی اس میں آمریت کے جراثیم موجود ہیں۔ اور اب جو کچھ ہو رہا ہے' پاکستان کی قانون سازی اور دستور سازی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں قانون سازی کی جو تیاریاں ہو رہی ہیں' ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اگرچہ دستور میں اجازت (Provision) ہے' لیکن موجودہ سیٹ اپ میں یہ کسی صورت بھی مناسب نہیں جبکہ پنجاب کو ہر لحاظ سے برتری حاصل ہے۔ اس مشترکہ اجلاس میں یہ مضرت مضمر ہے کہ سینٹ کو تو چھوٹے صوبوں کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر صوبے کے ارکان برابر ہوتے ہیں اور وہ گویا ان کے مفادات اور نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی کرتے ہیں' جبکہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں تو سینٹ کے ارکان کی تعداد بہت کم ہو گی' جس کا مطلب یہ ہے کہ اسمبلی ہی کی بھاری اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہو جائے گی۔ نتیجتاً سینٹ بائی پاس ہو جائے گا اور اس سے چھوٹے صوبوں میں ایک محرومی کی کیفیت پیدا ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس طریق کار پر آج تک عمل نہیں ہوا۔ پھر یہ کہ دستور میں جو provision موجود ہے وہ قانون سازی کے لئے ہے نہ کہ دستور میں ترمیم کے لئے۔ لیکن محسوس یہ ہو رہا ہے کہ مشترکہ پارلیمنٹ سے قانون

سازی کر کے پہلے ایک راستہ کھولا جا رہا ہے تاکہ اگلے مرحلے میں اسی طرح پندرہویں ترمیم کو بھی تیزی سے گزار کر منظور کرا لیا جائے۔ یہ قدم دوسرے صوبوں میں احساس محرومی کا باعث بن سکتا ہے اور یہ میرے نزدیک ملک کو پنجابی فاشزم کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہے' جس کا ردعمل نہایت خوفناک ہو سکتا ہے۔

آج (۱۵ جنوری ۹۹ء) کے نوائے وقت کے ادارتی مقالے میں بھی اس طرزِ عمل کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ نوائے وقت اگرچہ مسلم لیگ کا حامی اور موجودہ حکومت کا مؤید اخبار ہے' لیکن اس نے لکھا ہے کہ اس سے دوسرے صوبوں میں پنجاب کے خلاف نفرت کے جذبات پروان چڑھیں گے اور اس طرح علیحدگی کی تحریکوں کو تقویت حاصل ہو گی۔

اس سے بھی بڑھ کر جو معاملہ ہوا ہے وہ یہ کہ سود کے ضمن میں راجہ ظفر الحق کمیٹی کی رپورٹ دبا لی گئی ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کی طرف سے سود کے حرام ہونے کے بارے میں دیئے گئے فیصلے پر پہلے تو سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی تھی۔ اب یہ چال چلی گئی ہے کہ اپنی اپیل واپس لے کر شریعت کورٹ کو نظرِ ثانی (review) کے لئے کہا جا رہا ہے کہ آپ ہمیں سود کا متبادل نظام تجویز کر کے دیں' حالانکہ یہ عدالت کا کام نہیں ہے' متبادل تو حکومت کو تجویز کرنا تھا۔ یہ سب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے' کیونکہ راجہ ظفر الحق کی سربراہی میں ایک کمیٹی مفصل سفارشات حکومت کو دے چکی ہے۔ حکومت ان سفارشات پر عمل تو درکنار اسے شائع کرنے سے بھی خوف زدہ ہے کہ کہیں ان سفارشات کی روشنی میں سود ختم نہ کرنا پڑ جائے۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب کی سربراہی میں سود کے خلاف جو تاریخی فیصلہ دیا تھا وہ اس قدر مدلل تھا کہ پوری دنیا میں اس کی تعریف کی گئی۔ یہ ایک انتہائی اہم دستاویز ہے جس میں متبادل صورتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے لیکن یہ دستاویز اب کتابی صورت میں دستیاب نہیں ہے۔ یہ عمل حکومت کی بددیانتی کا مظہر ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ ہمارے ہاں پہلے سے امریکہ کی خوشامد کا ایک نقطہ نظر چلا آ رہا ہے لیکن اب یہ کہیں زیادہ پختہ ہو گیا ہے۔ موجودہ حکومت نے امریکہ کی خوشامد کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ سی ٹی بی ٹی اور ایف ایم سی ٹی پر

دستخطوں کے لئے فضا ہموار کی جا چکی ہے اور اللہ کی طرف سے خصوصی طور پر عطا کردہ جو ایٹمی صلاحیت ہمارے پاس ہے ہم اللہ کے واضح حکم ﴿ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ کے باوجود اس سے مستعفی ہونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ایف سولہ طیاروں کی بچی کھچی رقم لانے کی کامیابی بھی کوئی بڑی کامیابی نہیں ہے' کیونکہ یہ قدم کلنٹن انتظامیہ نے پاکستان کے عالمی عدالت میں جانے کے خوف سے اُٹھایا ہے۔ اگر پاکستان عالمی عدالت میں چلا جاتا تو کہیں بہتر نتیجہ نکلتا اور امریکی حکومت بدنام ہوتی۔ ظلم کی حد تو یہ ہے کہ ایف ۱۶ جو کہ ہمیں دیئے ہی نہیں گئے ان کے سروس چارجز اور گندم کے نام پر رقم کا ایک بڑا حصہ تو ویسے ہی روک لیا گیا ہے۔ اس کو سمجھا جا رہا ہے کہ بہت بڑا تیر مار لیا اور بڑی کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

ان حالات میں یہ بات مبرہن ہو چکی ہے کہ موجودہ لیگی قیادت یعنی نواز شریف اینڈ کمپنی پر مشتمل حکومتی ٹولے کا اسلام کی جانب کسی پیش رفت کا کوئی ارادہ نہیں' انہیں صرف اسلام کے سزاؤں والے پہلو سے دلچسپی ہے اور اس میں وہ کسی حد تک مخلص ہیں۔ لیکن اسلام صرف سزاؤں کا نام ہی تو نہیں ہے۔ اور جو فیصلے فوجی عدالتوں کے ہوتے ہیں ان میں عدل کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ یاد کیجئے ۱۹۵۳ء میں ایک فوجی عدالت نے مولانا مودودی مرحوم اور عبدالستار نیازی صاحب کو پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ فوجی عدالتیں' عدالتیں نہیں ہیں' وہاں پر عدالتی اصول نہیں ہوتے۔ عدالتی نظام کے اصول حضور ﷺ کے دیئے ہوئے ہیں۔ یہ تو آپ نے مغرب سے لے کر اس میں گندگیاں شامل کر رکھی ہیں' ورنہ جو اصل الاصول ہیں وہ حضورؐ نے دیئے ہیں۔ مثلاً "سو مجرم چھوٹ جائیں کوئی پروا نہیں' ایک بے گناہ کو سزا نہیں ہونی چاہئے"۔ یہ فرمانِ محمدیؐ ہے کہ "شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا"۔ یہ فرمانِ نبویؐ ہے کہ "یک طرفہ بات سن کر فیصلہ نہیں دیا جائے گا جب تک کہ فریق ثانی کو بھی موقع نہ دے دیا جائے" اور یہ کہ "حلف صرف مدعا علیہ کی طرف سے مؤثر ہو سکتا ہے' مدعی کو ثبوت پیش کرنا ہو گا"۔ اصول تو وہاں سے ملے ہیں' البتہ اس میں گندگیاں شامل ہو گئی ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے قانونِ شہادت اسلام کا نہیں رکھا ہوا۔ آپ کے ہاں پولیس کے ٹاؤٹس ہیں' آپ کے ہاں

پیشہ ور گواہ موجود ہوتے ہیں کہ چند پیسے دو جو چاہے گواہی دلوا لو۔ اس چیز کا قلع قمع ضروری ہے۔ باقی عدلیہ کے اصول تو سب کے سب محمد رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے ہیں۔ کوئی چاہے تو ان اصولوں کی روشنی میں اب بھی امن و امان اور انصاف قائم کر سکتا ہے۔

موجودہ حکومت کی دوسری بات یہ سامنے آئی ہے کہ ان کا نیو ورلڈ 'آئی ایم ایف' ورلڈ بینک اور امریکہ کے چنگل سے نہ صرف یہ کہ نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں' بلکہ ان کی کامل فرمانبرداری اور سعادت مندی والا معاملہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ گویا ؎

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ میرے فرش پر نہ رینگ

وہ چاہے ہمیں ٹھوکریں ماریں لیکن ہمیں ﴿ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾ کے مصداق جانا دھری ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کے ٹل پر وہ پاکستان میں ایک پارٹی کی عوامی آمریت یعنی فاشسٹ نظام قائم کرنے کے خواہش مند ہیں' تاکہ سب اختیار ان کے پاس ہوں' نہ عدلیہ کچھ کر سکے نہ پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت ہو' نہ صدر کچھ کر سکے۔ حالانکہ اس چیز کا ردعمل نہایت شدید ہو سکتا ہے اور یہ طرزِ عمل پاکستان کے لئے نہایت مہلک اور سم قاتل ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان باتوں سے میں جو نتیجہ نکال رہا ہوں وہ یہ ہے کہ کہیں "عذابِ اکبر" کا حقیقی خطرہ ہمارے سروں پر نہ منڈلا رہا ہو۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب آیا کرتا ہے' جیسا کہ سورۃ السجدہ میں بیان ہوا ہے : ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ "اور ہم انہیں بڑا عذاب دینے سے پہلے لازماً چھوٹا عذاب چکھائیں گے کہ یہ لوگ (شاید جاگ جائیں' ہوش میں آ جائیں) شاید کہ رجوع کر لیں"۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا دولخت ہونا چھوٹا عذاب تھا۔ پاکستان ختم تو نہیں ہوا تھا۔ لیکن جو شکست ہوئی' کلنک کا جو ٹیکہ لگا وہ ایک عذاب سے کم نہیں' اسے عذابِ اصغر یا عذابِ ادنیٰ کہا جا سکتا ہے۔ عذابِ ادنیٰ والی یہ قسط ٹھیک قیامِ پاکستان کے ۲۵ برس بعد آئی تھی' اب مزید ۲۸ برس گزر گئے ہیں۔ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں کہا گیا : ﴿ وَاِنْ

﴿وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ "تمہیں معلوم نہیں، ہو سکتا ہے یہ تمہارے لئے ایک نئی آزمائش ہو اور تمہیں مہلت دے دی جائے ایک خاص معین وقت تک کے لئے" کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں جو مہلت دی گئی تھی وہ اب ختم ہو رہی ہو۔ چنانچہ "عذابِ اکبر" کی صورت میں شدید اندیشہ ہے کہ شاید دنیا کے نقشے پر پاکستان کا وجود بھی باقی نہ رہے۔ جیسے اس صدی کے شروع میں سلطنت عثمانیہ کے نام سے عظیم سلطنت تھی جو نسیاً منسیا ہو گئی۔ اور یہ تو ابھی کی بات ہے جب امریکہ کی مدمقابل سپرپاور یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ریپبلکس (U.S.S.R) ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اب تو دنیا میں کتابیں چھپ رہی ہیں۔ ایک کتاب امریکہ میں چھپی ہے جس کا لکھنے والا ابوالمعالی سید پاکستانی ہے۔ وہ بہار کا پیدائشی ہے اور ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے پیشین گوئی کی ہے کہ ۲۰۰۶ء میں پاکستان کے حصے بخرے ہو جائیں گے، سندھو دیش علیحدہ ہو گا اور اس علاقے کی سب سے جدید، ترقی یافتہ ریاست بلوچستان ہو گی۔ صرف پنجاب سنٹرل پاکستان ہو گا۔ اور شاید یہاں پاکستان کا نام بچ جائے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا اندرونی طور پر موجودہ حکومت کا فاشسٹ ڈکٹیٹرانہ رجحان ہے، یہ اس کے لئے فضا ہموار کر رہی ہے، جبکہ بیرونی طور پر ہندو فنڈامنٹلزم کا عفریت زور شور کے ساتھ چنگھاڑتا ہوا اُٹھ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہودی بھی زور و شور سے اٹھ رہے ہیں۔ وہ اپنی منصوبہ بندی کے مطابق عرب آبادیوں سے عرب مکانات گرا رہے ہیں۔ ان کا اگلا قدم یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ شہید کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر شروع کی جائے۔ اس وقت جو ہنگامہ برپا ہو گا وہ ہو سکتا ہے احادیث صحیحہ کے مطابق "الملحمة العظمٰی" کا پیش خیمہ بن جائے۔

انجامِ بد سے نجات کا راستہ

اب ان حالات میں خیر کی توقع کیا ہے؟ یہ میری گفتگو کا آخری حصہ ہے۔ ہمیں حکم ہے ﴿لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ﴾ اور ﴿لَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ﴾ یعنی اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں کے درمیان

ہیں۔ وہ چاہے پلک جھپکنے میں لوگوں کے دل بدل دے' لیکن اس کے لئے ہمیں بھی کچھ کرنا پڑے گا۔

i) حکومتی سطح پر توبہ اور اس کے تقاضے

اس متوقع عذابِ الٰہی سے بچنے کی ایک راہ یہ ہے کہ "نواز اینڈ کو" پر مشتمل موجودہ حکومتی ٹولہ اِس وقت جہاں ہے وہیں سے اباؤٹ ٹرن (About turn) کرے' جس کیلئے دینی اصطلاح "توبہ" ہے۔ توبہ کے معنی ہیں پلٹنا' لوٹنا۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾۔ اس توبہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ طاغوت کا انکار کر دیا جائے۔ ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ "پھر جو کوئی کفر کرے طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر پس وہ چمٹ گیا مضبوط کنڈے سے"۔ یعنی اسے انتہائی مضبوط سہارا حاصل ہو گیا۔ کفر بالطاغوت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور امریکہ کے چنگل سے ایک ہی جست میں نکلا جائے۔ ع "ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں"۔ انہیں دو ٹوک انداز میں کہہ دیا جائے کہ ہم تمہیں قرضہ کی رقم واپس نہیں دے سکتے۔ البتہ آیئے اسے ہمارے ہاں invest کر لیجئے' جیسا کہ لاطینی امریکہ نے کیا۔ اس طرح ہم بھی آپ کو آپ کی اصل رقم دیں گے' اس پر سود نہیں دیں گے۔

کفر بالطاغوت کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اعلان کر دیا جائے کہ ہم سی ٹی بی ٹی' ایف یم سی ٹی اور این پی ٹی پر دستخط نہیں کریں گے' کیونکہ یہ ایٹمی صلاحیت ہمارے پاس اللہ کی دی ہوئی طاقت ہے جسے ہم نے بڑھانا ہے۔ لیکن جان لیجئے کہ یہ اسی صورت ممکن ہے کہ جب ہم سود کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جاری جنگ بند کر کے اس کی طرف رجوع کریں گے۔ ارشادِ باری ہے :

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ﴾

"(مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا' اور اگر اللہ

تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟"

تیسرا تقاضا یہ ہے کہ حکومت پندرھویں ترمیم واپس لے اور جس نہج پر ہم نے دستوری ترامیم تجویز کی تھیں ان کے مطابق پاکستان کو مکمل اسلامی ریاست بنانے کی غرض سے پارلیمنٹ میں نیابل پیش کرے۔ موجودہ حکومت کو اب تک اس بات کا اندازہ ہو جانا چاہئے تھا کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں' میں نے ان سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی' میں کبھی ان کے پاس نہیں گیا۔ ایک مرتبہ ان کے سابقہ دورِ حکومت میں اچانک معلوم ہوا کہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف صاحب میرے پاس تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے کہا اہلاً و سہلاً مرحبا۔ وہ آئے' کچھ دیر بیٹھے رہے اور چلے گئے۔ وہ تو شاید اس اُمید میں آئے ہونگے کہ میں بھی کہوں کہ میرا فلاں پراجیکٹ تکمیل طلب ہے' اس کے لئے پیسے چاہئیں۔ لیکن اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے تو ضیاء الحق سے اتنے قریب ہونے کے باوجود ان سے اپنے کسی پراجیکٹ کے لئے ایک پیسہ تک نہیں لیا۔ اسی وجہ سے ہم نے کبھی ان کو اپنی کسی تقریب میں بھی نہیں بلایا' کیونکہ میں اقتدار کی گلیوں (corridors of powers) کا آدمی ہی نہیں' اربابِ اقتدار سے میری دوستیاں نہیں' میں ان کے ولیموں میں نہیں جاتا' ان کو اپنے ہاں نہیں بلاتا۔ یہ قوم ہی اور ہے' ان کی نوع اور ہے' ان کی سطح اور ہے' ان کی معاشرت اور معیشت اور ہے۔

کفر بالطاغوت کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ اندرونِ ملک سود فوراً ختم کیا جائے اور ایک شرعی لینڈ کمیشن قائم کیا جائے جو یہ طے کرے کہ یہاں کی زمینیں خراجی ہیں یا عشری ہیں۔ اور اگر عشری اور ملکیتی ہیں تو مزارعت کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے جید علماء کا بورڈ بٹھایا جائے۔ نیز الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو فحاشی سے پاک کر کے اسے بھی مسلمان بنایا جائے۔

(ا) "پاکستان اسلامی اتحاد" کا قیام

اگر نواز شریف حکومت توبہ کا راستہ اختیار نہیں کرتی اور اپنی روش برقرار رکھتی ہے تو عذابِ الٰہی سے بچنے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ اس ملک کی دینی اور مذہبی جماعتیں

خالص دینی بنیاد پر ایک "پاکستان اسلامی اتحاد" قائم کریں۔ لیکن اس اتحاد کا پاور پالیٹکس سے کوئی تعلق نہ ہو۔ نہ ہی یہ کسی کا حلیف ہو نہ کسی کا حریف ہو۔ اسے "گاؤ آمد و خر رفت" یا "خر رفت و گاؤ آمد" سے کوئی غرض نہ ہو۔ یہ اتحاد خالص مذہبی ہو اور اس میں کسی سیکولر جماعت کو شامل نہ کیا جائے۔ اس اتحاد کا مقصد کسی کو ہٹاؤ اور کسی کو لاؤ نہیں بلکہ "اسلام لاؤ اور ملک بچاؤ" ہو۔ اور یہ ایک پریشر گروپ کی حیثیت سے کام کرے کہ فلاں حرام شے کو ختم کرو' یا شریعت میں فلاں چیز واجب ہے اس پر عمل کرو۔ اس کا ڈھانچہ "پاکستان قومی اتحاد" (PNA) کا سا ہو' جس میں تمام فیصلے اتفاق رائے (consensus) سے ہوں۔ اس میں کوئی نئی پارٹی شامل ہونا چاہے تو جب تک تمام پارٹیاں اس کی اجازت نہ دیں اسے شامل نہ کیا جائے۔ اسی طرح صدارت بھی بدل بدل کر (by rotation) تمام جماعتوں کو دی جاتی رہے۔

اس کام کے لئے میں خود مذہبی رہنماؤں کے پاس جاؤں گا اور تنظیم اسلامی اس میں صرف خدمت گاروں کی حیثیت سے شریک ہو گی' کوئی عہدہ قبول نہیں کرے گی' تاکہ یہ شک ختم ہو جائے کہ شاید یہ اپنا قد بڑھانے کے لئے یا اپنی کوئی حیثیت بنانے کے لئے آگے آ رہے ہیں۔ اور یہ اتحاد جب تک اس رُخ پر چلتا رہے گا اُس وقت تک ہم خادم کی حیثیت سے ساتھ رہیں گے۔ البتہ اگر اس کا رُخ بدلا گیا تو ہم الگ ہو جائیں گے۔

(iii) ہمارا چار نکاتی لائحۂ عمل

اگر خدا نہ کرے' یہ کوشش بھی ناکام ہو جاتی ہے تو عذاب سے بچنے کا تیسرا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے جس مستقل پروگرام پر عمل پیرا ہیں اس پر قائم و دائم رہیں گے۔ وہ پروگرام یہ ہے :

۱۔ قرآن کے درس و تدریس' تعلیم و تعلم اور تشہیر و اشاعت کے ذریعے لوگوں کو تجدید ایمان' توبہ اور تجدید عہد کی طرف راغب کرنا۔

۲۔ اس دعوت کے نتیجے میں جو لوگ اسلامی انقلاب' غلبۂ دین یا اقامت دین کی جدوجہد کیلئے کمر کس لیں گے اب ان کی تنظیم اور تعلیم کا اہتمام کرنا۔ اس مرحلے میں بھی

کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذریعے ہی ان کو منظم کیا جائے گا اور ان کی تربیت کی جائے گی۔

۳۔ جب تک تعداد اتنی نہیں ہو جاتی کہ نظامِ باطل کو کھلا چیلنج کیا جا سکے اُس وقت تک سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۴ کے مطابق تین کام کئے جاتے رہیں گے : ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ یعنی "تم سے ایک ایسی جماعت وجود میں آنی چاہئے (جو تین کام کرے) خیر کی دعوت دے‘ نیکی کا حکم کرے اور بدی سے روکے۔ اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں"۔ اس مرحلے میں یہ تینوں کام زبان کے ذریعے سے ہوں گے۔ واضح رہے کہ موجودہ دور میں آڈیو ویڈیو کیسٹ‘ پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات اور رسائل اور دیگر جدید ذرائع کے ذریعے برائی کے خلاف آواز اٹھانا اور رائے عامہ ہموار کرنا بھی "نہی عن المنکر باللسان" ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

۴۔ جب معتد بہ طاقت جمع ہو جائے اور ہم اس پوزیشن میں ہوں کہ طاغوت کو کھلا چیلنج کر سکیں تو "نہی عن المنکر بالید" کیا جائے گا‘ جسے غیر مسلح بغاوت کہا جا سکتا ہے کہ ہم اب یہ کام نہیں ہونے دیں گے۔ ہم گھیراؤ کریں گے‘ لیکن کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ اس مرحلے پر اپنی جانیں داؤ پر لگا دیں گے کہ چلاؤ ہم پر گولیاں‘ لیکن ہم اب یہ منکرات نہیں چلنے دیں گے۔ جیسے اہل تشیع نے ضیاء الحق صاحب کے زمانہ میں یہ کر کے دکھایا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو زکوٰۃ آرڈیننس سے مستثنیٰ کرانے کے لئے پچاس ہزار آدمی لے جا کر سول سیکرٹیریٹ کا گھیراؤ کر لیا تھا کہ ہم اُس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک ہمیں یہ یقین نہ دلا دیا جائے کہ ہمیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ (exempt) کر دیا گیا ہے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ مارشل لاء ابھی جوان تھا لیکن مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو بھی ناک رگڑنا پڑی تھی۔ اس کی دوسری مثال ایرانیوں کے ہاں ملتی ہے جنہوں نے شاہ ایران کے خلاف غیر مسلح بغاوت کی اور خود کوئی گولی نہیں چلائی۔ بلکہ اپنی جانیں دینے کے لئے میدان میں آ گئے۔ نتیجتاً شہنشاہ کو تاج و تخت چھوڑ کر ملک سے بھاگنا پڑا۔

یہ جو ہم نے چار نکاتی پروگرام بنایا ہے' اس پر ہم عمل پیرا ہیں۔ یہ سارے کام جو ہم کر رہے ہیں یہ ہمارے اسی کام کا مقدمہ ہے۔ ہمارا یہ کام آہستہ مگر ثابت قدمی سے (Slow and steady) چل رہا ہے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ حالات بدل دے' اور ان لوگوں کے دلوں میں نرمی پیدا کر دے اور بہتری کی کوئی شکل پیدا ہو جائے' صورت حال تبدیل ہو جائے۔ لیکن ہم نتیجہ کی پروا کئے بغیر اپنے اس پروگرام پر عمل پیرا رہیں گے۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ ہماری اس تدبیر کے ذریعے سے پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کر دے اور ہمیں کامیابی دے دے۔

اگر یہ بھی نہ ہو اور خدانخواستہ قومی' ملکی' اجتماعی سطح پر کوئی تقدیر مبرم آ ہی گئی ہے اور اللہ کے عذاب کا فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو بھی ہمیں یہ اطمینان ہے کہ یہ اللہ کی سنت ہے کہ جو لوگ نہی عن المنکر کا کام کرتے رہے ہوں اللہ انہیں عذاب سے بچا لیتا ہے۔ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس کا ذکر ہے۔ سورۃ الاعراف میں اصحابِ سبت کا ذکر ہے جن پر عذاب آیا تھا اور ان کی شکل بندروں کی سی بنا دی گئی تھی تو اللہ نے ان میں سے صرف ان لوگوں کو نجات دی جو انہیں برائی سے روکتے رہے تھے ﴿ فَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ ﴾ اس لئے کہ نہی عن المنکر واقعتاً بہت بڑی بات ہے۔ ٹھیک ہے جو بھی شامت آنی ہے وہ تو آئے گی لیکن اللہ ایسے لوگوں کو ضرور بچا لے گا۔ دوسری جگہ سورۂ ھود میں فرمایا : ﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ ﴾ "پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم' جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا' ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے ہیں جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیئے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے"۔ دنیا میں عذاب سے نجات کے علاوہ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت کے عذاب سے تو محفوظ رکھے گا کہ انہوں نے باطل کو تسلیم نہیں کیا تھا' یہ مجبوراً طاغوت کی چھتری تلے رہے لیکن حالت احتجاج میں (under protest) رہے' اس کو بدلنے کی

جدوجہد کرتے رہے۔ اور انہوں نے اس طاغوت کی چھتری کے نیچے پھلنے، پھیلنے، پھولنے کی کوشش نہیں کی۔ اس طرح ہم ﴿ مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ ﴾ کے مصداق اپنے رب کے حضور میں معذرت پیش کرنے کی پوزیشن میں تو ہوں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بچی کھچی قوت احادیث صحیحہ میں موجود اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی پیشین گوئیوں کے حوالے سے کوئی کردار ادا کر سکے۔ تاہم ہماری یہی دعا ہے کہ اللہ نواز شریف صاحب کو توبہ کی توفیق دے اور یہ عذاب ٹل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پاکستان کو عالمی سطح پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کا نقطہ آغاز بنا دے۔ آمین

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دُعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

پاکستان میں اسلامی انقلاب

کیا؟ — کیوں؟ — اور کیسے؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۲) "اسلامی انقلاب" — کیوں؟

i) مسلمانوں کا دینی فریضہ

"پاکستان میں اسلامی انقلاب — کیوں؟" کا اہم تر جواب یہ ہے کہ یہ ہر مسلمان کا دینی فریضہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا تقاضا ہے۔ ایک شخص اللہ کی وفاداری کا دعویٰ کرتا ہو' جبکہ اللہ کا دین مغلوب ہو اور یہ آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتا ہو اور یہ بھی کہتا ہو کہ مجھے اللہ سے محبت ہے' اس سے بڑا جھوٹا اور کون ہو گا؟۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑا عشق ہے' جبکہ اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہوں اور اس بدبخت کے احساسات پر جوں تک نہ رینگے تو اس کا عشق رسول ﷺ کا دعویٰ باطل ہے۔ کمزور سے کمزور انسان بھی اپنی ماں کی توہین برداشت نہیں کر سکتا' وہ اگر کچھ نہ کر سکے تو بھی اس کے سارے جسم کا خون اس کے چہرے پر سمٹ آئے گا اور "قہر درویش بر جانِ درویش" کے مصداق وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جائے گا۔ لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ماں کی گالی کھا کر انسان اطمینان سے بیٹھا رہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ حد درجہ بے غیرت و بے حمیت ہے۔ اسی طرح سوچئے کہ اس دین کی بھی کوئی غیرت و حمیت ہے یا نہیں؟ اس کے ساتھ بھی کوئی وفاداری درکار ہے یا نہیں؟ ہمارے بڑے دعوے ہیں کہ ہم اسلام کے ماننے والے ہیں' اسلام کے شیدائی ہیں' لیکن

ہمارا حال کیا ہے؟ جان لیجئے کہ جو شخص اسلام کو قائم کرنے کی جدوجہد نہیں کرتا اس کی اسلام کے ساتھ کوئی وفاداری نہیں ہے۔

اس ضمن میں ایک لرزا دینے والی حدیث ملاحظہ کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : ((اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرَائِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَۃَ کَذَا وَ کَذَا بِاَھْلِھَا)) "اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستیوں کو ان کے رہنے والوں سمیت الٹ دو"۔ ((قَالَ فَقَالَ : یَارَبِّ اِنَّ فِیْھَا عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَۃَ عَیْنٍ)) حضور ﷺ نے فرمایا : اس پر حضرت جبرائیل نے عرض کیا : "پروردگار (فلاں بستی کو اُلٹ دوں؟) اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے آج تک پلک جھپکنے جتنی دیر بھی معصیت میں بسر نہیں کی"۔ اس سے آپ اُس شخص کی نیکی کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ جس نے آنکھ جھپکنے جتنی دیر بھی معصیت میں بسر نہ کی ہو اس کا تقویٰ' اس کی نیکی' اس کی عبادت گزاری' اس کا ذاتی اعتبار سے اللہ کا احکام پر عمل پیرا ہونا کس انتہا کا ہو گا۔ اس لئے کہ گواہی دینے والا نہ کرائے کا گواہ ہے' نہ جھوٹا وکیل ہے' بلکہ جبرائیل ہیں۔ اور جہاں گواہی دے رہے ہیں وہاں ابوجہل بھی جھوٹ نہیں بول سکے گا' وہاں مبالغے کا کوئی امکان نہیں کہ اتنا نیک شخص! لیکن ((قَالَ فَقَالَ : اَقْلِبْھَا عَلَیْہِ وَ عَلَیْھِمْ)) حضور ﷺ فرماتے ہیں : اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو دوبارہ حکم دیا "اُلٹو اِس بستی کو پہلے اس بدبخت پر پھر دوسروں پر"۔ ((فَاِنَّ وَجْھَہٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَۃً قَطُّ)) "اس لئے کہ اس کے چہرے کا رنگ میری حمیت کی وجہ سے کبھی سرخ نہیں ہوا"۔ اتنا بے غیرت انسان کہ میرے احکام ٹوٹتے رہے' میری شریعت کی دھجیاں بکھرتی رہیں' میرے اوامر کا مذاق اڑتا رہا' نواہی کا چرچا ہوتا رہا اور یہ گوشہ نشین ہو کر اللہ' اللہ کرنے میں لگا رہا۔ معلوم ہوا کہ یہ دوہرا مجرم ہے اور یہ عذاب کا اولین مستحق ہے۔ چنانچہ "اسلامی انقلاب —— کیوں؟" کا سب سے پہلا جواب یہی ہے کہ یہ ہمارا دینی فرض ہے' اس کے بغیر نجات نہیں ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ دین قائم کر دینا فرض ہے' بلکہ اسے قائم کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے' اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد فرض ہے۔ یہ ہو گا تبھی جب اللہ چاہے گا۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اسلام کے غلبے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ مثلاً حضرت

حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ غلبۂ اسلام کی جدوجہد کے دوران شہید ہو گئے لیکن وہ اس دنیا سے (معاذ اللہ) محروم و ناکام تو نہیں گئے۔ پھر ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں جو مکے میں ہی شہید کر دیئے گئے تھے لیکن ان کی جدوجہد اسی رُخ پر تھی۔ چنانچہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد یا اسلامی انقلاب کو برپا کرنے کی کوشش اس لئے ضروری ہے کہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔

(ا) پاکستان کی بقاواستحکام کا تقاضا

"اسلامی انقلاب ـــــ کیوں؟" کے ضمن میں پہلے میں نے دین کی بات کی' اب دنیا کی بات بھی سن لیجئے۔ ہماری دنیا کیا ہے؟ یہ ملک پاکستان اللہ کا عطا کردہ ملک' جس میں ہمیں آزادی کی دولت حاصل ہے۔ اگرچہ یہاں عوام کو ان کے حقوق میسر نہیں ہیں اور ملکی وسائل پر چند مخصوص طبقات قابض ہیں' لیکن بہرحال اس معنی میں تو آزادی ہے کہ انگریز یا ہندو ہم پر حکمران نہیں۔ ہمارا یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اسلام کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی شخص خالص مادی اعتبار سے بھی سوچے اور دین کا فرض اس کے سامنے نہ ہو' تو بھی وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اس کی بقاء و استحکام کا ضامن اسلام ہے۔ میرے نزدیک تو اولین فرض دین کا ہے' دنیا بعد میں ہے' مسلمان تو وہی ہے جس کے لئے پہلے دین ہو پھر دنیا۔ لیکن اگر کوئی صرف دنیا کی بات کرتا ہے تو اس کو بھی میں ثابت کر کے یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر یہاں اسلامی انقلاب نہ آیا تو اس ملک کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ جو ہمیں قائداعظم کے فقرے سنائے جاتے ہیں کہ "پاکستان دنیا میں ہمیشہ قائم رہنے کے لئے آیا ہے" کیا ان کی تکرار سے پاکستان مستحکم ہو جائے گا؟ قائداعظم نبی تھے نہ رسول تھے۔ ٹھیک ہے ہمارے محسن تھے' بہت بڑے لیڈر تھے' لیکن نبی اور رسول تو نہیں تھے کہ جن کے منہ سے نکلی ہوئی بات وحی الٰہی پر مبنی ہو۔ پھر یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم کا قائم کیا ہوا پاکستان تو آج رُوئے ارضی پر موجود ہی نہیں رہا۔ چنانچہ یہ فقرہ ویسے ہی غلط ہو چکا ہے۔ جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر پاکستان ایک آزاد' خود مختار اور باوقار ملک کی حیثیت سے باقی رہ سکتا ہے تو اس کا صرف

ایک ہی راستہ ہے کہ یہاں اسلامی انقلاب آئے۔ اس کا استحکام تو بڑی دور کی بات ہے' میرے نزدیک اسلامی انقلاب کے بغیر اس ملک کے باقی رہنے کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ اقبال نے جو بات کہی تھی وہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے کہی تھی' لیکن وہ کسی اور ملک کے لئے صحیح ہو یا نہ ہو' پاکستان کے لئے سو فیصد درست ہے کہ ؂

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

تو یہ پاکستان بڑا خاص ملک ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک مصنوعی ملک ہے۔ ہندوستان سے پاکستان کو ایسے کاٹا گیا ہے جیسے کیک کاٹا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تقسیم میں میدانوں اور دریاؤں تک کو کاٹا گیا ہے اور بھارت کے ساتھ ہماری کوئی فطری سرحد موجود نہیں ہے' جبکہ بھارت وہ ملک ہے جس نے ایک دن کے لئے بھی ہمارے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ ۱۹۷۱ء میں اسے ایک موقع مل گیا تھا تو اس نے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اب تک اِس ملک کی حفاظت فرمائی ہے۔ اس دوران کئی مواقع پر یہ ملک عدمِ استحکام کا شکار ہوا' کئی بار علیحدگی کی تحریکوں نے زور پکڑا' جیسے سندھ کی تحریک کے دوران ریلوے لائن کے سلیپر جلانے کی کوشش کی گئی۔ اس موقع پر علیحدگی پسندوں کو بھارت سے مدد نہ مل سکی ورنہ اگر ان کے پاس کہیں ڈائنامائٹ وغیرہ ہوتے تو ہماری لائف لائن کئی جگہ سے ٹوٹ سکتی تھی اور ایک دفعہ یہ لائف لائن ٹوٹ جائے تو فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کے لئے تیل کہاں سے آئے گا جو تیل پیتے ہیں۔ اگر آپ کی "آئیل سپیشل" ٹرین چند دن کراچی سے نہ آئے تو پورے ملک میں پہیہ جام ہو جائے گا یا نہیں؟ اس سے جو حشر بپا ہو گا اس کا آپ اندازہ کیجئے۔ الحمد للہ کہ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے ابھی تک بچایا ہوا ہے۔

"اسلامی انقلاب ـــــ کیوں؟" کے دو جواب ہو گئے۔ ایک یہ کہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے' یہ اللہ کے ساتھ ہماری وفاداری کا تقاضا ہے ؂

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

یہ حضور ﷺ کے ساتھ ہماری وفاداری کا تقاضا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی میں پاکستان کی بقا ہے۔ اسی سے پاکستان کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔

"اسلامی انقلاب" ـــــ کیسے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب آئے کیسے؟ بلی کے گلے میں گھنٹی کیسے باندھی جائے اور اسے باندھے کون؟ یہ ہے اصل مسئلہ۔ قرآن حکیم کی طرف رجوع کیا جائے تو اس کے لئے ہمیں سورۃ الفتح کی آخری دو آیات میں بھرپور راہنمائی ملتی ہے۔ ان میں پہلی آیت کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ .... ﴾

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کرے اسے کل کے کل دین پر..."

لیکن کرے کیسے؟ اس کا جواب اگلی آیت میں ملتا ہے۔ قرآن حکیم اور سیرتِ نبوی ﷺ کے عمیق مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت ایک ایسی جماعت کا قیام ہے جس میں درج ذیل اوصاف ہوں :

اولاً یہ کہ اس میں شامل ہونے والے از سرِ نو اللہ سے یہ عہد کریں کہ اے اللہ اب تک ہم سے جو خطائیں سرزد ہوئی ہیں ان کو معاف کر دے' آئندہ ہم تیرے حکم کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔ اللہ کے ساتھ تجدید عہد کرتے ہوئے وہ جس اسلام کو قائم کرنا چاہتے ہیں پہلے اسے اپنے اوپر قائم کریں' اپنے گھروں میں اسلام نافذ کریں۔ اگر یہ نہیں کرتے تو وہ جھوٹے اور فریبی ہیں۔ اپنے اوپر اور اپنے گھروں میں اسلام نافذ کئے بغیر اگر یہ نفاذ اسلام کی تحریک کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تو یہ دھوکہ ہے' فراڈ ہے' خود فریبی ہے ۔

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ!

تو پہلی بات یہ کہ وہ خود اسلام پر کاربند ہوں۔

دوسری ضروری بات یہ کہ وہ اتنے منظم ہو جائیں کہ انہیں جو حکم ملے اس کیلئے تن من دھن سب لگانے کیلئے تیار ہو جائیں۔ صحابہ کرام ؓ نے جو انقلاب برپا کیا تو کیسے کیا؟ ـــــ نبی اکرم ﷺ کی اس جماعت کے اوصاف قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان ہوئے ہیں :

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا...الخ ﴾

"اللہ کے رسول محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود میں اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے..."

یہ نقشہ ہے اُس جماعت کا جس کی قربانیوں' سرفروشیوں' محنتوں اور مشقتوں سے دین غالب ہوا۔ ایک بات عرض کر رہا ہوں' اس کو سمجھنے میں غلطی نہ کریں' ورنہ آپ اسے معاذ اللہ حضور ﷺ کی توہین پر محمول کریں گے۔ بات سمجھانے کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ اکیلے محمد رسول اللہ ﷺ انقلاب نہیں لا سکتے تھے' انقلاب لانے کے لئے جماعت کی ضرورت ہے۔ اکیلے حضرت نوح علیہ السلام انقلاب نہیں لا سکے۔ لوگ ساتھ نہیں آئے' انقلاب نہیں آیا۔ اکیلا شخص دعوت دے سکتا ہے' تبلیغ کر سکتا ہے' شب و روز اس کام میں مصروف رہ سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک یہ کام کیا ہے۔ لیکن اگر ایسے ساتھی نہ ہوں جو پروانہ وار اپنی جانوں کو اس شمع پر نثار کرنے کو تیار رہوں تو انقلاب نہیں آ سکتا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں دعوت دی اور ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اس کے بعد جنگ کا مرحلہ آیا تو جاں نثار صحابہ ؓ پروانہ وار آگے بڑھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں دعوت دی تھی' پھر ہجرت کر کے جزیرہ نمائے سینا میں آئے تو چھ لاکھ افراد ساتھ تھے۔ لیکن اب جنگ کا وقت آگیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا : ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ "جاؤ موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ نتیجہ کیا نکلا؟ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام' دو رسول موجود

تھے' لیکن انقلاب نہیں آ سکا۔ قوم نے بزدلی دکھائی تو اللہ نے فرمایا دیا کہ ارضِ مقدس ان پر چالیس برس تک حرام کردی گئی ہے ﴿فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ چنانچہ چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرے۔ ان چالیس برسوں کے دوران میں پچھلی نسل' جو ہماری طرح غلامی میں پلی بڑھی تھی' وہ ختم ہوئی اور صحرا میں ایک نئی نسل پروان چڑھی تو اس کے ہاتھوں انقلاب آیا ؂

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی!

اس کے برعکس محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں جب جنگ کا مرحلہ آیا تو ساتھیوں نے عرض کیا: "حضور ﷺ جو آپ کا ارادہ ہو بسم اللہ کیجئے' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے آپ کو آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے"۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ ایک مہاجر ہیں' انہوں نے بڑی پیاری بات کہی کہ حضور' ہمیں موسیٰ کے ساتھی نہ سمجھئے جنہوں نے اپنے رسول کو صاف جواب دے دیا تھا۔ چنانچہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایسے سرفروشوں کی ایک جماعت درکار ہے جو اس مقصد کے ساتھ اس قدر مخلص ہوں اور انہیں اس سے ایسا والہانہ لگاؤ ہو کہ لوگ انہیں FANATICS اور دیوانے کہیں۔ ان کی شان یہ ہو کہ ؂

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی!

اس جماعت کا تیسرا وصف یہ ہونا چاہئے کہ یہ ایک منظم جماعت ہو۔ اگر یہ لوگ ایک حکم پر حرکت نہیں کرتے تو یہ ایک ہجوم اور انبوہ (mob) کہلائے گا' اسے ایک جماعت نہیں کہا جاسکتا۔ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؂

عید آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عید محکوماں ہجومِ مومنیں!

تو یہ ایک "ہجوم مؤمنین" نہ ہو بلکہ واقعتاً ایک جماعت ہو اور جب تک یہ جماعت منظم نہ ہو' بنیان مرصوص نہ ہو' سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہ ہو' انقلاب نہیں آئے گا۔

مطلوبہ انقلابی جماعت کا چوتھا وصف تربیت ہے۔ یہ جان لیجئے کہ انقلاب اسلامی کے لئے دو چیزیں لازم ہیں۔ پہلے انقلابی جماعت کا وجود میں آنا اور پھر انقلابی جدوجہد اگر جماعت ہی نہ ہو تو جدوجہد کیا ہو گی۔ اور جماعت اگر خام اور کچی ہے تو جدوجہد ناکام ہو جائے گی۔ بقول اقبال ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تُو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تُو

چنانچہ اسے پختہ کرنے کے لئے تربیت ضروری ہے' جس میں اولین شے "نماز" ہے۔ جیسا کہ ہم نے نبویؐ جماعت کے اوصاف ملاحظہ کئے : ﴿تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ ۔ اسی طرح روزہ ہے۔ روزہ کیا ہے؟ "اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ" نفس کے حملوں کے خلاف اللہ کی عطا کردہ ڈھال ہے۔ گویا یہ "عبادات" مسلمان کو اسلامی انقلاب کے لئے تیار کرنے کے لئے ہیں۔ جب یہ مقصد ذہن سے نکل جاتا ہے تو یہ عبادات محض رسمیں (Rituals) بن جاتی ہیں ؎

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اس جماعت کا پانچواں وصف یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ہو ___ اور چھٹا وصف یہ کہ ہر قسم کی انتخابی سیاست سے کنارہ کش رہے۔ یہ دو چیزیں ہیں جو ملک و قوم کو پھاڑتی ہیں۔ فرقہ واریت میں مسجدیں تک تقسیم ہو جاتی ہیں کہ اس کی مسجد اور میری مسجد اور 'لہٰذا من دیگرم تو دیگری۔ اسی طرح انتخابات میں مقابلے میں آکر ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرائی ہوتی ہے' جو قوم کو تقسیم کرتی ہے۔ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اس لئے بھی ضروری ہے کہ انقلاب کبھی انتخاب کے ذریعے نہیں آیا کرتا۔ جو لوگ پولٹیکل سائنس کی تھوڑی بہت بھی شُد بُد رکھتے ہیں وہ میری اس بات پر غور کریں کہ انتخاب ہمیشہ کسی ملک میں جو صورتحال قائم ہو' جسے انگریزی میں status quo کہتے ہیں' اس کو برقرار رکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ انتخاب میں ووٹ انہیں ملیں گے جن کے پاس وسائل ہیں' جو haves ہیں' جن کے پاس زمینداریاں ہیں

اور حلال و حرام کا کمایا ہوا کروڑوں روپیہ ہے۔ تین سو کے ہاؤس میں دو تین یا زیادہ سے زیادہ دس بارہ افراد ان سے علیحدہ کہیں آ جائیں تو آ جائیں' لیکن اکثریت انہی میں سے آئے گی۔ آپ کے ووٹروں کی اکثریت دیہات میں بستی ہے' اور وہ بھلا جاگیردار اور زمیندار کے خلاف ووٹ دے سکتے ہیں؟ اب جو لوگ وہاں سے ووٹ لے کر آئیں گے کیا وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے؟ کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ جاگیرداری ختم کریں گے؟ سرمایہ داری کے بل پر وہاں پہنچے ہیں وہ بھلا سرمایہ داری ختم کریں گے؟ زمینداری اور جاگیرداری کے بل پر وہاں پہنچنے والے اس زمینداری اور جاگیرداری کو تحفظ دیں گے یا ختم کریں گے؟ الیکشن سے سوائے status quo کو برقرار رکھنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پورے ایوان میں دو چار آدمی لڑتے جھگڑتے رہیں' آواز اٹھانے کی کوشش کرتے رہیں اور ان کا مذاق اڑتا رہے' اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں بھی دو چار مہینے ضیاء الحق صاحب کی منتخب مجلس شوریٰ میں جا کر دیکھ آیا ہوں کہ وہاں کیا حشر ہوتا ہے۔ انتخابات درحقیقت کسی نظام کو چلانے اور برقرار رکھنے کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں لیکن کسی نظام کو بدلنے کا ذریعہ ہرگز نہیں بن سکتے۔ نظام کو بدلنے کیلئے انقلابی جماعت درکار ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جو لوگ اسلام کے نام پر الیکشن میں آتے ہیں انہوں نے فرقہ واریت کو ایک سے دس گنا بڑھا دیا ہے۔ اس لئے کہ اگر تو یہاں پر کوئی ایسا آرڈیننس ہوتا کہ اسلام کے نام پر ووٹ صرف ایک جماعت مانگ سکتی ہے' کسی اور کو یہ حق نہیں' پھر تو کام بہت آسان تھا کہ تمام اسلام پسند ووٹ اسی پارٹی کو مل جاتے' لیکن یہاں پر کوئی ایسی قدغن تو ہے نہیں۔ چنانچہ اسلام کے نام پر جماعت اسلامی بھی ووٹ مانگے گی' جمعیت علماءِ اسلام بھی' جمعیت علماءِ پاکستان بھی اور دیگر مختلف مذہبی جماعتیں بھی نفاذِ اسلام کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جائیں گی اور اب ہر ایک کو اپنا اسلام علیحدہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ جب ووٹ علیحدہ لینے ہیں تو اپنا اسلام بھی علیحدہ کرنا ہو گا' اپنے اسلام کی علامات علیحدہ کرنا ہوں گی۔ ہمارے یہاں فرقے پہلے بھی تھے' لیکن فرقہ واریت نے جو عفریت کی شکل اختیار کی ہے اور یہ ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا ناسور بن گیا ہے اس کی وجہ یہی مذہبی

جماعتوں کی انتخابی سیاست ہے۔

چنانچہ اسلامی انقلاب کے لئے مذکورہ بالا چھ اوصاف کی حامل جماعت درکار ہے' جو اسلامی انقلابی پارٹی ہو گی۔ میں نے ان بنیادوں پر ایک اسلامی انقلابی جماعت تشکیل دینے کی کوشش کی ہے' جس کا نام تنظیم اسلامی ہے۔ پاکستان میں اسلامی انقلاب کے خواہاں ایسے حضرات جو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر سکیں اس جماعت میں شامل ہو کر میرے دست و بازو بنیں۔ اور جو ہمارے ساتھ نہ آنا چاہیں وہ ان چھ اوصاف کی حامل کوئی دوسری جماعت تلاش کریں یا خود اپنی جماعت بنائیں۔ انقلاب کے لئے یہ چھ شرائط آپ کو بہرحال پوری کرنا ہوں گی۔

حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ [اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ] بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) (رواہ احمد والترمذی) "(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔ یعنی التزامِ جماعت' سننا' اطاعت کرنا' ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" حضور ﷺ نے پہلی بات یہ فرمائی کہ جماعت کی شکل میں رہو۔ جو شخص کسی جماعت میں نہیں ہے اس کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ پھر جماعت کیسی؟ ((وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ)) یعنی سنو اور اطاعت کرو۔ یہ نہیں کہ جی چاہا تو مان لیا' نہیں جی چاہا تو نہ سہی' بات اچھی لگی تو مان لی' نہیں اچھی لگی تو جائے جہنم میں۔ اس کے بعد یہ جماعت کیا کرے گی؟ فرمایا: ((وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) اللہ کے لئے جو کچھ چھوڑنا پڑے گا چھوڑیں گے۔ اپنا گھربار اہل وعیال سب کچھ چھوڑیں گے اور جب وقت آئے گا اللہ کی راہ میں گردنیں کٹوائیں گے۔ یہ نیت رکھنا اول روز سے ضروری ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ چھ اوصاف والی جماعت درکار ہے اور اس جماعت کو قائم کرنا اسلامی انقلاب کے لئے اولین ضرورت ہے۔

انتخابی سیاست کے بارے میں ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ہم الیکشن میں کبھی حصہ نہیں لیں گے' کسی کے مقابلے میں نہیں آئیں گے' البتہ ہم ایسے امیدواروں کو ووٹ دیں گے اور ان کی حمایت کریں گے جو دو شرطیں پوری کرتے ہوں۔ ایک یہ کہ وہ خود اسلام پر

کاربند ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ کسی ایسی جماعت سے منسلک نہ ہوں جن کے منشور میں کوئی بات خلاف اسلام ہو۔ کوئی شخص چاہے خود ذاتی طور پر اسلام پر عمل پیرا دکھائی دیتا ہے لیکن کسی ایسی جماعت میں شریک ہو گیا ہے جس کے منشور میں کوئی چیز خلاف اسلام ہے تو ہم اس کے لباس اور داڑھی سے دھوکہ نہیں کھائیں گے۔ اور جو شخص خود ہی اسلام پر عمل پیرا نہیں اس سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ہمارے ملکی مفادات کے بارے میں دیانتداری اختیار کرے گا۔ جو اللہ کا نہیں وہ کس کا ہو گا؟ جو نماز نہیں پڑھتا اس سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دیانتداری سے ملک کا نظام چلائے گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا چھ اوصاف کی حامل اسلامی انقلابی جماعت کس طریقے سے اسلامی انقلاب برپا کرے گی؟ یعنی اگر ایک ایسی جماعت تشکیل پا جاتی ہے جس میں معتد بہ تعداد میں ایسے لوگ شامل ہوں جو اپنے اوپر اسلام کو نافذ کئے ہوئے ہوں وہ نظم کے بھی پابند ہوں' وہ تن من دھن سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہوں' وہ نماز روزے کے بھی پابند ہوں' وہ فرقہ واریت سے بالاتر ہوں' اور وہ الیکشن کی سیاست سے بھی کنارہ کش رہیں تو اب یہ جماعت کیا کرے گی؟ یہ بہت ہی اہم سوال ہے۔ اگرچہ حکمت تو اس کی متقاضی ہوتی ہے کہ بعد کی باتوں کو پہلے سے موضوع بحث نہ بنایا جائے' لیکن میں یہ ساری وضاحت اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا طریقہ کار واضح ہو جائے اور جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ اس راہ کے نشیب و فراز کو پہلے سے جان لے۔ یہ انقلابی جماعت "نهي عن المنكر باليد" پر عمل پیرا ہو گی جو حدیث نبوی ؐ کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ معاشرے میں جو بھی منکرات اور برائیاں موجود ہیں انہیں بدلنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا گیا ہے اور حدیث میں اس کے تین درجے مقرر کئے گئے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ رَاٰى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ' وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ)) (رواہ مسلم)

"تم میں سے جو کوئی بھی کسی منکر کو دیکھے تو وہ اپنے زورِ بازو سے اس کو بدلے! اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس برائی کو روکے!) لیکن اگر

اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو پھر اپنے دل سے (برائی کو برائی جانے اور اس کو روکنے کی خواہش کرے!) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

اس حدیث میں نہی عن المنکر کے تین درجے بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے آخری درجہ یہ ہے کہ برائی کو برائی سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی دیکھ کر انسان کو دُکھ ہو' غم ہو' رنج ہو' افسوس ہو' وہ دل میں کڑھن اور بے چینی محسوس کرے۔ اس کے بارے میں فرمایا : ((ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا : ((لَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) جس کے پاس یہ احساس بھی نہیں اس کے پاس رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے کہا جائے کہ دیکھو یہ غلط کام ہے' مت کرو' خدا کے بندو باز آ جاؤ' خدا کے غضب کو دعوت مت دو۔

برائی کو روکنے کا بلند ترین درجہ نہی عن المنکر بالید ہے۔ یعنی طاقت کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ کہ ہم یہ برائی نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بات غور طلب ہے۔ فرض کیجئے کہ میرے گھر کا مسئلہ ہے' میرے گھر میں کوئی برائی ہو رہی ہے تو وہاں یہ میری ذمہ داری ہے کہ طاقت کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں کہ یہ نہیں ہونے دوں گا۔ اگر میرا بیٹا کسی بری بات پر اَڑا ہوا ہے اور وہ میری بات نہیں مانتا تو وہ گھر چھوڑ کر نکل جائے۔ چلئے گھر میں تو طاقت استعمال ہو گئی' ملکی سطح پر طاقت کیسے استعمال ہو گی؟ وہ اسلامی انقلابی جماعت جس کے چھ اوصاف میں نے گنوائے ہیں وہ جماعت جب تیار ہو جائے گی تو وہ ایک انقلابی طاقت ہو گی۔ وہ جماعت پھر چیلنج کرے گی کہ ہم یہ کام نہیں ہونے دیں گے' یہ کام ہماری لاشوں پر ہی ہو گا۔ چنانچہ ہم مظاہرے کریں گے' Picketing کریں گے' گھیراؤ کریں گے' ہم کھڑے ہو جائیں گے کہ یہ ہم نہیں ہونے دیں گے۔ بشرطیکہ وہ منظم انقلابی جماعت تیار ہو چکی ہو۔ اگر جماعت کافی تعداد میں نہیں تو پھر یہ کام کرنا پاگل پن ہے۔ جب تک ایسی منظم جماعت تیار نہیں ہو جاتی اُس وقت تک ہم نہی عن المنکر باللِّسان کریں گے۔ یعنی زبان سے برائی کو روکیں گے کہ خدا کے لئے باز آجاؤ۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۱۴/ اگست اور ۲۳ مارچ دو

نئی عیدیں ہیں جو ہم نے قومی سطح پر ایجاد کی ہیں۔ ان میں فوج کی پریڈ ہوتی ہے۔ اس پریڈ میں مرد تو حصہ لیتے ہی ہیں' جوان لڑکیوں کی پریڈ بھی ہوتی ہے۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ ایک گرلز کالج کی پرنسپل کا فون آیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ مگر بہت سی باتیں کرتے ہیں اور اس کے خلاف آپ نے کبھی آواز نہیں اٹھائی' آپ کو نظر نہیں آتا یہ کیا ہوتا ہے؟ میرا ذہن پہلے اس طرف نہیں گیا تھا کیونکہ میں نے آج تک کوئی پریڈ دیکھی ہی نہیں۔ پھر خیال آیا کہ اگرچہ پریڈ نہیں دیکھی مگر اخبارات میں پریڈ کی تصاویر تو شائع ہوتی ہیں' لہٰذا اب تک اس کے خلاف آواز نہ اٹھا کر ہم نے واقعتاً ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ کی اس بندی کے توجہ دلانے پر میں نے اس منکر کے خلاف آواز اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اُس وقت میں عمرے کے لئے جانے والا تھا۔ ماہِ مارچ کا پہلا جمعہ تھا۔ مسجد دارالسلام ایک مرکزی جگہ ہے' جہاں فوجی افسر بھی آتے ہیں' سول بھی۔ میں نے وہاں اسی انداز میں تقریر کی کہ خدا کے لئے اس منکر کو بند کرواؤ۔ اگر کسی کی گورنر یا صدر (ضیاء الحق) صاحب تک رسائی ہے تو خدارا وہ جا کر انہیں سمجھائیں کہ یہ منکر ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ جوان لڑکیاں مَردوں کے سامنے اس طرح سینہ تان کر پریڈ کریں۔ میں نے اُس وقت بھی عرض کیا تھا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ لڑکیوں کو ٹریننگ نہ دیں۔ آپ انہیں کالجوں میں ٹریننگ دیں۔ گرلز کالج باپردہ ہوتے ہیں' وہاں وہ کھیلیں بھی اور ٹریننگ بھی کریں۔ اور اگر ان کی پریڈ ۲۳ مارچ کو کروانی ہے تو قذافی سٹیڈیم میں کروالیں' جہاں ان کی مائیں' بہنیں جائیں اور صرف عورتیں ان کو دیکھیں۔ پریڈ کرنے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن جوان مسلمان لڑکیاں جو حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نسبت رکھتی ہوں وہ سڑک پر پریڈ کریں اور وہ لوگ کھڑے ان کو دیکھ رہے ہوں جو اپنے آپ کو محمد ﷺ کے امتی کہتے ہیں' یہ بات ہمیں گوارا نہیں۔ یہ سراسر منکر ہے اور اس کے منکر ہونے میں کسی اہلحدیث' دیوبندی' بریلوی یا شیعہ کو اختلاف نہیں' یہ سب کے نزدیک منکر ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس طاقت نہیں ہے' لہٰذا ہم ہاتھ جوڑ کر صرف گزارش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ گزارش میں نے بھی کی اور پھر عمرے کے لئے چلا گیا۔ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ میں ۲۴ مارچ کو واپس آیا۔ اُس روز اخبارات کی چھٹی تھی' لہٰذا دن

کے اخبار تو چھپے نہیں تھے۔ ہوائی جہاز میں کراچی سے لاہور واپس آتے ہوئے مجھے شام کو چھپنے والے چھوٹے اخبار ملے۔ ان میں سے ایک انگریزی اخبار کی ہیڈ لائن یہ تھی

'Women parade took place despite the letter of Mian Tufail'

یعنی اخبار نے سرخی لگائی کہ "لڑکیوں کی پریڈ ہو کر رہی میاں طفیل کے خط کے باوجود"۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میاں طفیل محمد صاحب نے بھی صدر صاحب کو کوئی خط لکھا تھا۔ ہو سکتا ہے میاں صاحب کا ذہن بھی پہلے کبھی ادھر نہ گیا ہو اور اسی وقت میرے کہنے سے یا اسی خاتون کے توجہ دلانے سے انہیں اطلاع پہنچی ہو اور انہیں نے ضیاء الحق صاحب کو خط لکھا ہو۔ لیکن میاں صاحب کے خط کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور لڑکیوں کی پریڈ ہو کر رہی۔ اس لئے کہ یہ لوگ صرف طاقت کی زبان جانتے ہیں۔

اس ایک مثال سے منکرات کے سدباب میں طاقت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب مطلوبہ طاقت مہیا ہو جائے گی تو پھر ہم ہاتھ نہیں جوڑیں گے' بلکہ چیلنج کریں گے کہ یہ ہم نہیں ہونے دیں گے' اب یہ ہماری لاشوں پر ہو گا۔ ہم پر لاٹھیاں برستی ہیں تو برسیں' سر پھوٹتا ہے تو پھوٹے۔ ہمیں اور کیا چاہئے' ہو المراد' یہی تو ہمارا مقصود اور مطلوب ہے۔ اگر جیلوں میں ٹھونستے ہیں تو ٹھونسیں۔ آپ کو یاد ہو گا میں نے تو یہ باتیں ٹیلی ویژن پر "رُوبرو" پروگرام میں بھی کہی تھیں۔ اس لئے کہ مجھے تو کسی سے ڈر نہیں ہے' مسلمان کیلئے اللہ کا ڈر کافی ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب معتدبہ تعداد میں ساتھی میسر آئیں۔ اگر ساتھی نہیں ملتے تو میں اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر پیش کر دوں گا کہ میں نے پاکستان کے کونے کونے میں جا کر یہ بات کہی ہے' لیکن لوگ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ میں بری الذمہ ہو جاؤں گا۔ میں واضح کئے دیتا ہوں کہ اس کے سوا اسلام لانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

تاہم اس جدوجہد میں یہ شرط ضروری ہو گی کہ یہ مظاہرے بالکل پُرامن ہوں گے' ان میں توڑ پھوڑ اور دنگا فساد نہیں ہو گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ ہم سٹریٹ لائٹس توڑ دیں' کسی اور پر غصہ نہ چلے تو ٹریفک لائٹس اور نیون سائن توڑ دیں یا سرکاری املاک کو نذرِ آتش

کریں۔ غضب خدا کا! آج اسلام کا نام لینے والے نوجوان بسیں جلا رہے ہیں۔ یہ بسیں نہ بھٹو کے باپ کی تھیں نہ ضیاء الحق کی ہیں' یہ اس قوم کی ملکیت تھیں' اس قوم کے سرمائے سے خریدی گئی تھیں۔ انہیں جلانے کا فائدہ کیا ہوا؟ کیا بسوں کے جلانے سے بھٹو کا کچھ بگڑ گیا تھا یا ضیاء الحق کا کچھ بگڑ گیا۔ حکومت تو ایک نیا معاہدہ سائن کرے گی اور اربوں روپے کا نیا قرض لے کر سینکڑوں بسوں کا فلیٹ چند ماہ کے اندر کیماڑی میں اُتار کر کھڑا کر دے گی۔ اللہ کے بندو! یہ سوچو کہ جو شخص اپنے گھر جانے کیلئے ٹاور سے سوار ہوا تھا' اس نے کتنے ٹھکیرے مول لئے ہونگے' اور تم نے اس غریب کو برنس روڈ پر اُتار کر کھڑا کر دیا۔ اس کے بچے گھر میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ آپ کو گالیاں دیں گے یا آپ کے ساتھی بنیں گے؟ دنیا میں کوئی کام عقل سے بھی کرنا چاہئے۔ ہاں آگے آؤ' پیچھے قدم نہ ہٹے' لیکن کسی کو تم سے کوئی گزند نہ پہنچے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ برس تک صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ میں یہ حکم دیا کہ چاہے تمہارے پرخچے اڑا دیئے جائیں' تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ طریقہ اختیار نہیں کریں گے تو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی' شرط عزم و ہمت کی ہے۔

پُرامن اور پُرتشدد تحریک کے موازنے کی ایک مثال ہمیں مشرقی پنجاب میں ملتی ہے۔ بھارتی پنجاب اور ہمارا پنجاب کبھی ایک ہی صوبہ تھا اور ایک ہی ملک کا حصہ تھا۔ تقسیم ہند کے وقت ہم جس پنجاب کو چھوڑ کر آئے تھے اب وہ تین صوبوں میں منقسم ہو چکا ہے۔ یعنی ہریانہ' ہماچل پردیش اور پنجاب۔ اس پنجاب میں انیس سو تیس کی دہائی میں بھی سکھوں نے ایک تحریک چلائی تھی اور ان کی ایک تحریک اب چل رہی ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے اس کو سمجھ لیجئے۔ وہ پُرامن تحریک تھی' جو کامیاب ہو گئی۔ یہ تحریک تشدد سے شروع ہوئی ہے' اس کا سارا نقصان سکھوں کو پہنچے گا اور انتہاپسند سکھوں کا بالکل صفایا کر دیا جائے گا[1]۔ جس پُرامن تحریک کی میں بات کر رہا ہوں وہ سکھوں نے اپنے

---

[1] واضح رہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب ۳۰/اگست ۱۹۸۵ء کا ہے۔ اُن دنوں بھارت میں خالصتان کے قیام کی تحریک زوروں پر تھی۔ لیکن بھارتی حکومت نے اس پُرتشدد تحریک کو طاقت کے بل پر کچل کے رکھ دیا اور انتہاپسند سکھوں کا تقریباً صفایا کر دیا۔ (مرتب)

گوردواروں کا انتظام اپنی تحویل میں لینے کے لئے چلائی تھی۔ عجیب طرفہ تماشہ تھا کہ اُس وقت سکھوں کے گوردواروں کا کنٹرول ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے کہ سکھوں کو اس وقت تک علیحدہ مذہب نہیں سمجھا گیا تھا اور انہیں بھی ہندوؤں ہی کا ایک فرقہ (sect) شمار کیا جاتا تھا۔ سکھوں کے گوردواروں کے ساتھ بڑے بڑے اوقاف تھے جن پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ چنانچہ سکھوں نے "گوردوارہ پربندھک کمیٹی" کے نام سے تحریک چلائی کہ ہمیں اپنے گوردواروں کا کنٹرول ملنا چاہئے۔ ہندوؤں کے پاس پیسہ بھی تھا اور پولیس بھی ان کے ساتھ تھی' بلکہ پوری حکومت ہندوؤں کے ساتھ تھی۔ لہٰذا امرتسر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی گئی۔ حاجی عبدالواحد صاحب[1] جن کی عمر اس وقت ۸۵ سال کے لگ بھگ ہے اور انہوں نے ۱۹۳۰ء میں ایم اے انگریزی کیا تھا' وہ چشم دید گواہ ہیں کہ سکھوں کے پچاس پچاس افراد پر مشتمل جتھے نکلتے تھے' لیکن انہیں حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود جلوس نکالنا چونکہ خلافِ قانون تھا لہٰذا پولیس ان جتھوں پر لاٹھیاں برساتی۔ پولیس کی لاٹھیوں سے سکھوں کے سر پھٹ جاتے اور وہ سڑک پر گر جاتے' لیکن ان کے ہاتھ بندھے رہتے۔ آخر کار حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور سکھوں کو اپنے گوردواروں کا کنٹرول مل گیا۔ جبکہ اب جو سنت جرنیل سنگھ نے تحریک شروع کی ہے یہ پہلے دن ہی سے پُر تشدد رہی ہے۔ انہوں نے پہلے اپنوں کو مارا' پھر ہندوؤں کو مارا' اور نتیجتاً دہلی میں سکھوں کو جو دن دیکھنا پڑا ہے وہ آپ کے علم میں ہو گا۔ میرے نزدیک اس تحریک کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

یہ ہے اصل میں تحریکوں کی کامیابی اور ناکامی کا معاملہ۔ اور یہ چیزیں نوعِ انسانی کو محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں بارہ برس تک اپنے ساتھیوں کی تربیت فرمائی اور انہیں حکم دیا کہ "کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ" اپنے ہاتھ بندھے رکھو!۔ چنانچہ اب بھی اسلامی انقلاب کے لئے اٹھنے والی تحریک کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ تنظیم اور تربیت کے مرحلے میں ہاتھ بندھے رہیں۔ ہاں اس کے بعد وقت آسکتا ہے کہ ہاتھ

{1} حاجی عبدالواحد صاحب اب انتقال فرما چکے ہیں۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

کھول دیئے جائیں' چیلنج ہو جائے کہ اب آؤ میدان میں۔ لیکن بحالاتِ موجودہ مقابلہ چونکہ کفار سے نہیں ہے لہٰذا ہمیں پُرامن مظاہروں کا راستہ اختیار کرنا ہو گا اور منکرات کے خاتمے کے لئے ڈٹ جانا ہو گا۔ اب ہم یہ نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ اب دو ہی راستے ہوں گے' یا تو نظامِ وقت کی پاسبان حکومت گھٹنے ٹیک دے گی' حکومت پسپائی اختیار کرے گی کہ اب ہم لڑکیوں کی پریڈ نہیں کریں گے۔ ٹھیک ہے' ہمیں حکومت نہیں چاہئے' حکومت کی تو خواہش بھی اگر دل میں ہو تو ایمان کے منافی بات ہو جائے گی۔ اگر آپ کے ہاتھوں یہ کام ہو جائے تو ہمیں کیا چاہئے۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرے منکر کے خلاف احتجاج کرتے رہیں گے اور ایک ایک کر کے تمام منکرات صاف ہو جائیں گے' اور اگر حکومت اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالے کہ ہم گھٹنے کیوں ٹیکیں' تو اب انقلابی جماعت کا امتحان ہے کہ تیاری صحیح تھی یا نہیں' تربیت پا کر پختہ ہو گئے تھے یا نہیں ؂

با نشہ ' درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

اگر ناقص تربیت کے ساتھ پختہ ہوئے بغیر یہ کام کیا گیا تو انقلابیوں کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ علامہ کہتے ہیں کہ پہلے تمہیں درویشی کی مشق کرنی ہو گی۔ یہ نماز روزہ جیسی عبادات درویشی کی مشق ہی تو ہے کہ پختہ ہو جاؤ۔ لیکن یہ نہیں کہ ساری عمر مشق ہی ہوتی رہے اور کبھی طاقت کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے۔ جب طاقت حاصل ہو جائے اور پختہ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو سلطنت جم پر دے مارو۔ اس کی مثال میں دیا کرتا ہوں کہ کچی ریت کا گولہ لے کر آپ شیشے کے اوپر ماریں گے تو شیشہ موجود رہے گا اور کچی ریت کا گولہ بکھر جائے گا۔ جبکہ اسی کچی ریت کے گولے کو آگ پر پکا کر روڑا بنائیں اور اب ماریں تو شیشہ چکنا چور ہو جائے گا ؂

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تُو

اسلامی انقلابی جماعت اگر تربیت کے مرحلے سے گزر کر میدان میں آئے گی تو انقلاب برپا ہو جائے گا' بصورت دیگر یہ ختم ہو جائے گی۔ یہ ہے جواب اس تیسرے سوال کا کہ

اب آخری بات کہہ رہا ہوں کہ یہ باتیں میرے لئے صرف قال کے درجے میں نہیں ہیں' یہ میرا حال ہے۔ میں ۱۹۶۵ء میں منٹگمری (ساہیوال) سے واپس لاہور آیا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں ایم بی بی ایس کر کے لاہور سے گیا تھا اور گیارہ برس لاہور سے باہر رہا ہوں۔ ۱۹۶۵ء میں اسی ارادے سے یہاں آیا تھا کہ یہی اقامت دین کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اپنا تقریباً سارا وقت اسی کام میں لگایا ہے۔ قرآن کی دعوت و تبلیغ' دروسِ قرآن کے حلقے' انجمن خدام القرآن کا قیام' قرآن کانفرنسیں اور محاضراتِ قرآنی' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج' آپ ان سب چیزوں سے واقف ہیں۔ اسی ضمن میں ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" بھی تھا۔ جو موقع بھی ملا ہے اس کو استعمال کیا ہے' پھر ملے گا تو پھر کریں گے۔ ٹی وی نہیں تو آڈیو ویڈیو کیسٹس سے تو کوئی نہیں روک سکتا۔ ایران کا پورا انقلاب کیسٹ ریوولیوشن کہلاتا ہے' وہاں تو ویڈیو بھی نہیں تھے' ابھی صرف آڈیو کیسٹ تھے۔ ہم یہ کام ہر ممکن ذریعے سے کرتے رہیں گے۔ ہم نے تنظیم اسلامی کے نام سے ایک اسلامی انقلابی جماعت بنانے کی کوشش کی ہے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ہم ایسی مطلوبہ جماعت بنا چکے ہیں' اس لئے کہ مطلوبہ اوصاف بڑے کٹھن ہیں' ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اس معیار پر پورے اتریں۔ جنہیں ہمارا ساتھ دینا ہے' ہمارے ساتھ آئیں اور جنہیں ہم پر اعتماد نہیں وہ خود کھڑے ہوں' لیکن یہ جان لیں کہ یہ ان کا دینی فرض بھی ہے اور دنیاوی بھی۔ اب اس کے بعد سوچنا غور کرنا آپ کا کام ہے۔ اگر بات سمجھ میں آتی ہے تو کچھ کرنے کا ارادہ لے کر اٹھیں۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

(مرتب : حافظ خالد محمود خضر)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

علّامہ اقبال اور ایران کا "اسلامی انقلاب"

بسلسلہ علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۵)

ڈاکٹر ابو معاذ

علّامہ اقبال اور ایران

اس کتاب میں ہم اقبالیات کا اجمالی جائزہ تو شامل نہیں کر رہے، صرف علامہ اقبال کے ایران کے انقلاب اور فکری ارتقاء پر اثرات کا ایک مختصر سا خاکہ قارئین کو پیش کریں گے تاکہ شاعر مشرق کے افکار و اثرات کے وہ پہلو اُجاگر ہو سکیں جو ممکن ہے کہ ہمارے قارئین کی نظر سے اوجھل رہے ہوں۔

ذاتی تجربات

راقم الحروف کو بچپن سے ہی بتایا گیا تھا کہ علامہ اقبال کا بیشتر کلام فارسی زبان میں ہے، مگر اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آ پا رہی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں جب فاضل فارسی (منشی فاضل) کے امتحان کی تیاری کرنا شروع کی تو آہستہ آہستہ علامہ اقبال کے فارسی کلام سے شناسائی ہونے لگی۔ اسکے کورس میں صادق سرمد کی مشہور نظم شامل تھی جس میں انہوں نے یومِ اقبال پر شاعر مشرق کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ ؎

اگرچہ مَرد بمیرد بگردشِ مہ و سال

نمردہ است و نمیرد محمد اقبال

(اگرچہ انسان گردشِ ایام کے باعث اس جہان سے چلا جاتا ہے، لیکن محمد اقبال نہ مرے ہیں اور نہ کبھی انہیں موت آئے گی۔)

راقم الحروف اس قصیدہ کے صوتی اور معنوی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ قصیدہ سارے کا سارا زبانی یاد ہو گیا۔ پھر ایف ایس سی کے لئے اسلامیہ کالج گوجرانوالہ

میں داخلہ لیا تو وہاں کے پرنسپل جناب خواجہ عبدالحمید عرفانی سے شناسائی ہوئی اور پھر وہ زندگی بھر کے تعلق میں ڈھل گئی۔ ان سے جب علامہ اقبال اور ایران کا ذکر ہوا تو میں نے وہی قصیدہ سنا دیا' جس پر انہیں بہت حیرت ہوئی کہ ایف ایس سی کے ایک طالب علم کو نہ صرف صادق سرمد کے اشعار سے شناسائی ہے بلکہ وہ ان کے علامہ اقبال کی بابت افکار و اشعار سے کافی حد تک باخبر ہے۔ آہستہ آہستہ آپ سے بہت کچھ معلوم ہوتا گیا۔ آپ کی کتب "رومی' عصر" (علامہ اقبال کے بارے میں فارسی میں لکھی گئی پہلی کتاب جو کسی غیر ایرانی نے لکھی اور ریکارڈ تعداد میں شائع ہوئی)' "اقبال ایرانیوں کی نظر میں" "گفتہ ہائے رومی و اقبال" اور بعد کی کتب "اقبال ایران" اور "اقبال عرفانی" پڑھیں تو معلوم ہوا کہ آپ (جناب عرفانی مرحوم) ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اقبال کو ایران میں متعارف کروانے میں زبردست کردار ادا کیا ہے اور اس میں سب سے اہم رول آپ کا ہی رہا ہے۔

لاہور میں قیام کے دوران خانۂ فرہنگ ایران کے توسط سے اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے اساتذہ کے ذریعے مزید معلومات میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک چیز پوری طرح واضح ہو گئی کہ اقبال اس وقت تک ایران کے کونے کونے میں اقبال لاہوری کے نام سے متعارف ہو چکے تھے اور آپ کے افکار وہاں پر خاص و عام کی زبان پر تھے۔ اقبال پر مختلف مجلات کے خصوصی شمارے چھپ رہے تھے۔ علامہ اقبال پر لکھی گئی کئی ایک فارسی کتب بھی اس چیز کا مظہر تھیں۔ اسی طرح ایران میں فارسی ادب کی کتب' جو سکول میں پڑھائی جاتی تھیں ان میں کلامِ اقبال کو زبردست اہمیت دی جاتی تھی۔ پھر ۱۹۷۷ء میں لاہور میں علامہ اقبال کے سو سالہ یومِ پیدائش پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ راقم الحروف کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پڑھ رہا تھا اور ایم اے فارسی (پہلی پوزیشن میں) پنجاب یونیورسٹی سے (تھرڈ ائیر ایم بی بی ایس میں) پاس کرنے کے بعد پی ایچ ڈی فارسی کے لئے رجسٹر ہو چکا تھا اور ایران کے خانۂ فرہنگ' کلچرل کونسل اور مرکز تحقیقات ایران و پاکستان سے شناسائی پیدا ہو چکی تھی اور راقم کا فارسی نظمیں بھی ایران کے مجلات میں شائع ہو چکی تھیں۔ علاوہ بریں خانۂ فرہنگ ایران لاہور کی تقریبات میں فارسی نظمیں پیش

کرتے کرتے ایک حد تک پاکستان میں فارسی دان طبقہ میں شناسائی پیدا ہو چکی تھی۔ مزید برآں ایران کے کچھ علمی حلقوں سے روابط بھی قائم ہو چکے تھے۔ ان دنوں پاکستان میں ایران کے کلچرل کونسلر پروفیسر جعفر محجوب تھے جو تہران کے فارسی ادب کے اساتذہ میں ممتاز ترین تھے اور جناب عرفانی مرحوم کے دوست جناب حسین خطیبی کے شاگردوں میں سے تھے۔ ڈاکٹر محجوب سے خط و کتابت شروع کی تو آپ نے میری فارسی نثر کو سراہتے ہوئے راقم الحروف کو ملاقات کا شرف بخشا اور پھر یہ ملاقاتیں مستقل علمی روابط میں ڈھل گئیں۔ ان ہی کے ذریعہ میں ایران کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوا۔

بات علامہ اقبال کانفرنس کی ہو رہی تھی' اس میں شرکت کے لئے ایران سے جو دانشور تشریف لائے ان میں مشہد یونیورسٹی کے چانسلر جناب جلال متینی اور ایران کے مشہور صحافی (رکن سینٹ) جناب سیف اللہ وحید نیا (مدیر مجلّہ وحید تہران) بھی شامل تھے۔ جناب جعفر محجوب کے توسط سے ان لوگوں سے ملاقات ہوئی اور فارسی میں مختلف ادبی موضوعات پر بات چلتی رہی۔ ان لوگوں نے ایران آنے کو کہا اور جناب وحید نیا نے مجلّہ وحید تہران کا پاکستان میں نمائندہ بھی نامزد کیا اور بعد میں ایک آدھ رپورٹ بھی بھجوائی جو مجلّے میں چھپی۔ ان زعماء سے بات کر کے معلوم ہوا کہ گویا اقبال بھی ایران اور پاکستان میں رابطے کی ایک مضبوط کڑی کا کام دے سکتے ہیں۔

اگلے برس فروری ۱۹۷۸ء میں پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب یونس سیٹھی کی کوششوں سے وہاں پر مولانا رومؒ پر بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ راقم الحروف کو وہاں بہترین مقالہ پیش کرنے پر صدر فضل الٰہی چوہدری سے طلائی تمغہ عطا ہوا اور مزید ایرانی زعماء اور شعراء و ادباء سے ملاقات ہوئی اور ایک بار پھر ایران آنے کی دعوت ملی۔ فورتھ ایئر ایم بی بی ایس کا امتحان دیتے ہی اور گرمیوں کی تعطیلات کا سہارا لیتے ہی ایران کا عزم کیا۔ سرکاری دعوت نامہ حکومت ایران کا بھی تھا اور جناب عرفانی کے تعارفی خطوط بھی تھے ـــــ اور عرفانی بھی وہ جو کہا کرتے تھے ؎

بودہ ام من رابطِ مہر و ولا
درمیانِ دوستانِ باصفا

آرزو می داشتم گردد یکی
کشورِ اقبال و بومِ مولوی

(میں صاف دل دوستوں میں محبت اور دلی تعلقات کا رابطہ استوار کرتا رہا ہوں اور میری خواہش یہی تھی کہ کشورِ اقبال یعنی پاکستان اور بومِ مولوی یعنی مولانا رُوم کی سرزمین، جس سے مُراد خراسانِ بزرگ سے لے کر ایران اور ترکی شامل ہیں، ایک ہو جائیں۔)

ایران میں میری پہلی منزل مشہد تھی۔ یہاں پر دو تقاریب ہوئیں، ایک پاکستانی قونصل خانے نے مجھے بلایا اور ایران میں اردو پڑھنے والے طلبہ کو چائے کی پارٹی دی۔ وہاں پر بھی کلامِ اقبال کے حوالہ سے بات چلی اور دلی روابط کا ذکر ہوا۔ جلد ہی معلوم ہوا کہ اقبال کی فکر کو ایرانی اور خصوصاً اہل خراسان اپنا چکے ہیں اور ہمارے پاس شاید فکرِ اقبال کا بہت کم حصہ رہ گیا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی ایک آدھ غزل سنائی جس کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؂

مرگ را در پیش گاہش رہ نمی باید گہی
آنکہ بہر دیگراں خونِ جگر می افگند
پا بہ جا خونِ سیاوش است وماند جاوداں
زندہ گردد ہر کہ خود را در خطر می افگند

(موت کو اس عظیم انسان کے دربار تک رسائی نہیں ہو پاتی جو دوسروں کی زندگی کے لئے اپنے خونِ جگر کو نچھاور کر دے۔ خونِ سیاوش آج بھی اپنی جگہ پر قائم ہے اور وہ شخص امر ہو جاتا ہے جو دوسروں کے لئے خطرات میں کود پڑتا ہے۔)

سیاوش قدیم اساطیری عہد کا ایران کا ہیرو تھا جس نے قوم کے لئے قربانی دی تھی اور آج بھی ایران میں ایک خوبصورت پھول کو خونِ سیاوش کا نام دیا جاتا ہے۔ صائب تبریزی کی پیروی میں لکھی گئی یہ غزل انقلابیوں نے اچک لی اور اس کی بازگشت دور دور تک سنائی دیتی رہی۔ پھر علامہ اقبال کے حوالہ سے بات ہوئی تو ایرانی نوجوانوں نے حیرت سے پوچھا کہ اس عظیم مفکر کے ملک کے لوگ اس کے افکار سے بے بہرہ کیوں ہیں اور اس

کی بات مان کر اپنے معاملات درست کرنے میں کوتاہی سے کام کیوں لے رہے ہیں؟

اگلے چند روز کئی ایرانی نوجوان گھروں میں کھانوں پر بلاتے رہے اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اُن دنوں شاہ کے جبر و استبداد کا عروج تھا۔ طلبہ کی تمام سرگرمیوں پر پابندی تھی اور صرف نصابی سرگرمیوں کی اجازت تھی اور وہ بھی اس طرح کہ یونیورسٹی کے باہر ٹینک کھڑے رہتے تھے جن کی نالیوں کا رُخ تدریسی عمارات کی جانب تھا۔ دوپہر کے کھانے (جو یونیورسٹی کی طرف سے ملتا تھا) کے موقع پر گتے کے گلاس استعمال ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلے شیشے کے گلاس ہوتے تھے' اب اس خوف سے کہ کہیں طلبہ انہیں توڑ کر ہتھیار کے طور پر استعمال نہ کرلیں' ان پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ طلبہ نے مل بیٹھنے کا ایک بہانہ یہ ڈھونڈا کہ ہمیں ایک دن فیکلٹی ادبیات کی کینٹین میں چائے پر چپکے سے بلالیا اور یہ کینٹین طلبہ اور طالبات (جو ابھی تک مغربی لباس میں ہی ملبوس تھیں) سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پوچھا گیا کہ کلامِ اقبال سے کچھ کہا جائے اور کچھ سنا جائے؟ تو علامہ اقبال کی اس غزل کا خیال آیا ؂

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں

(وقت کا خضر پھر حجاز مقدس کے صحرا سے ہماری جانب بڑھ رہا ہے اور پھر قافلوں کے قافلے اس دور دراز وادی سے باہر آ رہے ہیں۔)

اس سے یہ مُراد لی گئی کہ نااُمیدی کی رات ختم ہونے کو ہے اور اُمید کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔ لیکن ہماری امیدوں کا مرکز وہی مکہ و مدینہ کے حرم ہیں اور وہی قافلہ ہائے شوق ہیں جو ان وادیوں سے ابدیت کا پیغام لے کر اس ملک (ایران) کی جانب بڑھ رہے ہیں

من بسیمائے غلاماں فرِّ سلطاں دیدہ ام
شعلۂ محمود از خاکِ ایاز آید بروں

(میں نے غلاموں کے چہروں پر بادشاہی کا جلال دیکھ لیا ہے اور آج پھر ایاز کی مٹی سے محمود کے شعلے اُٹھ رہے ہیں)

مشہد خراسان میں واقع ہے اور محمود کو شاہ خراساں کہا جاتا تھا۔ اس نسبت سے مفہوم یہ

واضح کیا گیا کہ آج غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے والی ہیں اور آپ لوگ جو خود کو مجبور و مقہور محسوس کر رہے ہیں آپ کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی ہے، لیکن اس مٹی سے وہ شعلے لپک رہے ہیں جن کی آب و تاب مستقبل کا نور ہو گا۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

(مدتوں تک زندگی کعبے اور بت خانے میں آہ و زاری کرتی رہتی ہے، پھر کہیں محفل شوق سے کوئی ایک آدھ رازدان نظر آہی جاتا ہے۔)

اس سے مُراد یہ لی گئی کہ وہ پختہ کار رہنما جو قوم کی تقدیر بدل کے رکھ دیتا ہے اس کے ظہور سے پہلے قوموں کو بہت انتظار کرنا پڑتا اور ارتقاء کے عمل میں بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔

طرح نو می افگند اندر ضمیرِ کائنات
نالہ ہا کز سینہ اہل نیاز آید بروں

(وہ نالے جو نیازمند مجبوروں کے دلوں سے اٹھتے ہیں وہ تو کائنات کے ضمیر میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیتے ہیں)

اس سے انقلابی نوجوانوں کی جدوجہد مُراد لی گئی۔

چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت
نغمہ ام خون گشت واز رگہای ساز آید بروں

(میرے ہاتھوں سے سارنگی واپس لے لو کہ میرا کام پورا ہو گیا۔ میرا نغمہ تو خون بن کر خود بخود ساز کی رگوں سے ابل پڑا ہے۔)

اس سے مُراد لی گئی کہ بقول اقبال میری کوششیں بار آور ثابت ہو گئی ہیں اور اب میرے نغمات خود بخود ابل رہے ہیں، یعنی ہر شخص میرا ہم آواز بن گیا ہے۔

اس غزل کے بعد علامہ کا یہ شعر پڑھا گیا۔

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

(زمانے نے پرانے بتوں کو ہزار بار مختلف انداز سے سجایا ہے۔ لیکن میں نے حرم
پاک کو نہیں چھوڑا کہ اس کی بنیادیں بہت مضبوط ہیں)

اس سے مُراد یہ لی گئی کہ اسلام ہی مستقبل کا دین ہے اور ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کے آثار ہمارے لئے عبرت کا سامان تو ہیں فخر و مباہات کے مراکز قطعاً نہیں۔ اس غزل کی وضاحت میں دبے دبے الفاظ میں وہ کچھ کہا جو حاضرین سننا چاہتے تھے۔

پھر تہران جانا ہوا تو بھی روابط جاری رہے۔ ایک دن (غالباً مئی یا جون ۱۹۷۸ء کی بات ہے) طلبہ اور شاہ کی فورس میں زبردست مقابلہ ہوا اور یونیورسٹی کی سڑکیں میدانِ کارزار بنی رہیں۔ پھر یونیورسٹی کے ایک حصہ پر طلبہ نے قبضہ کر لیا۔ مجھے طلبہ اپنے زیر انتظام حصے میں زبردستی لے گئے اور وہ ہال دکھایا جو ان کی انقلابی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اس کی بڑی دیوار پر تین تصاویر (پنسل سے بنائے ہوئے اسکیچ) آویزاں تھے۔ درمیان میں علامہ اقبال کی تصویر تھی، جس کے ایک طرف حضرت سید جمال الدین افغانی اور دوسری طرف ایک ناشناسا سی تصویر تھی (بعد میں معلوم ہوا کہ وہ آیت اللہ خمینی کی تصویر تھی)۔ علامہ اقبال کی تصویر کے نیچے درج تھا "مولانا محمد اقبال لاہوری بزرگ ترین فیلسوفِ جہانِ اسلام" (عالم اسلام کے سب سے بڑے مفکر) اور علامہ کی رباعی درج تھی ؎

ساحل افتادہ گفت ، گرچہ بسی زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موجے زخود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

(ایک بوسیدہ ساحل نے کہا کہ اگرچہ ایک طویل عرصہ سے میں موجود ہوں اب تک کچھ بھی معلوم نہیں ہو پایا کہ میں کیا ہوں۔ اس کے جواب میں ایک مست لہر اٹھی اور تیزی سی چلتی ہوئی کہہ گئی کہ میں اگر چلوں تو ہوں اور اگر رُک جاؤں تو کچھ بھی نہیں!)

طلبہ نے مجھ سے کہا کہ آپ کو اس لئے لایا گیا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ اقبال کے وطن اور شہر (لاہور) سے آئے ہیں۔ آپ گواہ رہنا کہ ہم جس انقلاب کے لئے جدوجہد کر

رہے ہیں وہ فکر اقبال کا مرہون منت ہے۔

تہران میں اور بھی کئی مواقع پر معلوم ہوا کہ اقبال کی فکر دلوں پر گہرا اثر رکھتی ہے اور تقریباً ہر علمی اور سماجی محفل میں علامہ اقبال کے افکار پر بحث ہوتی رہی۔

پھر اصفہان' شیراز اور تبریز جانا ہوا اور یہی سلسلہ چلتا رہا۔ اقبال کے وہ اشعار زبان پر آئے جو ان شہروں کی بابت ہیں' مثلاً ؂

مطرب غزلی بیتی از مرشدِ روم آور
تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزی

(اے نغمہ خواں! مولانا روم کی غزل کا شعر سنا تاکہ میری جان تبریز کی آگ میں غوطے لگائے)

یہاں پر مولانا روم کی حضرت شمس تبریزی سے معنوی عقیدت کی جانب اشارہ ہے ؂

آتش اندر دلِ شیراز وصفاہاں زدہ ام

(یعنی میں نے شیراز اور اصفہان کے دلوں میں آگ لگادی ہے)

یہاں پر بھی ہر جانب فکر اقبال کی چھاپ نظر آئی۔ علامہ اقبال کے کلام کے مقامی ایڈیشن نظر آئے۔ تہران میں خیابان مولانا محمد اقبال لاہوری (علامہ اقبال روڈ) اور مختلف مقامات پر اقبال کے نشانات نظر آئے۔ واقعی آپ نے شیراز' اصفہان اور تبریز میں فکری اور معنوی اعتبار سے آگ لگادی تھی اور آپ کی یہ حسرت پوری ہونے کو تھی ؂

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایران وہی تبریز ہے ساقی

سامراجیت اور بادشاہت اپنے اختتام کو تھی اور جبر و استبداد کے دامن سے آزادی پھوٹ رہی تھی' صفویت کے ظالمانہ اور جابرانہ تفکرات ختم ہونے کو تھے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افکار پر مبنی ایک نظام کی ابتداء ہونے کو تھی جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا ؂

دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس دور میں تعبیر بدل جائے

تہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

کچھ عرصہ کے بعد خاک و خون میں ڈوبے ہوئے ایران کو چھوڑا اور حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر ایران کو خیرباد کہا۔ ابھی تک تختِ طاؤس پر بادشاہ وقت متمکن تھا اور وہ خود کو آریامہر، ظلِ الٰہی اور بادشاہوں کا بادشاہ کہلانے پر مصر تھا۔ مگر بقول اقبال

ع لا سلاطیں، لا ملوک و لا اِلٰہ

اور ؂

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں ہے نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

اب وہ وقت گزر گیا۔ اِمتدادِ زمانہ سے مئی ۱۹۹۰ء میں جب ایران جانا ہوا تو تہران میں اترتے ہی معلوم ہوا کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ سڑکوں کے نام بدل چکے تھے، تہران تین گنا بڑا ہو چکا تھا۔ مغربی تہذیب اپنا دامن لپیٹ چکی تھی، خواتین حجاب میں تھیں اور اکثر مرد حضرات کے چہرے پر داڑھی کی نورانیت تھی۔ صرف چند پرانی سڑکیں، عمارات اور زبان وہی تھی۔ فارسی میں عربی کے کلمات اور اصطلاحات پھر سے داخل ہو گئے تھے۔ جس ترکیب میں "شاہ" کا لفظ استعمال ہوتا تھا وہ بھی بدل چکی تھی، مثلاً شاہراہ، اب "بزرگراہ" تھی، شاہ سوار بھی "بزرگ سوار" ہو گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے اصحابِ کہف کی طرح صدیوں کے بعد بیدار ہوا ہوں۔ بقول اقبال ؂

باش تا بینی کہ بے آوازِ صور
ملتی بر خیزد از خاکِ قبور

(تھوڑی دیر انتظار کر اور دیکھ کہ صورِ اسرافیل کے بغیر بھی ایک قوم قبروں کی مٹی سے کفن پھاڑتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔)

اب ہم جہاں بھی گئے لوگوں نے دکتر فاضل (یعنی پڑھا لکھا ڈاکٹر) کہنا شروع کر دیا اور اِرد گرد جمع ہونے لگے۔ یار لوگوں کو غصہ آیا کہ ایران آتے ہی ایک ڈاکٹر صرف پڑھا لکھا رہ گیا ہے اور باقی تمام کے تمام جاہل ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں جناب حسن حبیبی (نائب

صدر جمہوریہ) کی اہلیہ تشریف لائیں تو ذکر اقبال ہوا' اگر پارلیمنٹ کے ارکان آئے تو انہوں نے اقبال کے اشعار پڑھے اور غرض ایک عام شخص بھی آیا تو اس کی زبان پر اقبال کا نام تھا۔ ہمیں فکری ہم آہنگی' لسانی مماثلت اور سوچوں کا اشتراک ہی نظر آیا اور ملک الشعراء بہار کے وہ اشعار یاد آئے ؎

درود باد بروحِ مطہرِ اقبال
کہ بود حکمتش آموزگارِ پاکستان

(اقبال کی پاک روح پر رحمتیں ہوں کہ جس کی دانائی پاکستان کی رہنما بن گئی)

جدا نبود و نباشند ملّتِ ایران
زطبع و خُوی و شعار و دثارِ پاکستان

(ایران کی قوم عادات واطوار اور افکار یالباس کے معاملہ میں پاکستان کی قوم سے نہ کبھی مختلف رہی ہے اور نہ ہی کبھی مختلف ہوگی)

گماں مبر کہ بود بیشتر ز ایرانی
کسی بہ رُوی زمیں دوستدارِ پاکستان

(یہ کبھی بھی نہ سوچنا کہ روئے زمین پر ایرانی قوم سے بڑھ کر کوئی اور قوم پاکستانیوں کی زیادہ دوست ہو سکتی ہے)

اب لوگوں نے دیکھا کہ میں مولانا محمد اقبال لاہوری کے اشعار وافکار سناتا تو ایرانی نوجوان سر جھکائے احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ ہمارے ایک بزرگ میری زبانی بار بار مولانا محمد اقبال لاہوری کا نام سنتے تو بالآخر پریشان ہو کر کہنے لگے یار یہ بتاؤ یہ لاہور کا کونسا مولوی تھا جو یہاں بہت ہی مشہور ہے' ہمیں تو اس کا پتہ بھی نہیں' تو بتانا پڑا کہ یہ مولوی وہ ہے جسے ہم بطور مولوی پہچان ہی نہیں پائے اور آپ ہیں علامہ اقبال۔

گیلان سے تہران واپس آئے تو سفارت خانہ کی جانب سے ایک پُر تکلف ضیافت کا اہتمام ہوا جس میں سفارت خانہ کے حکام کے علاوہ بااثر ایرانی احباب کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس کے بعد ناچیز کو "علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں پاکستان اور ایران کے روابط" کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی گئی جس کا پیغام پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔ میں نے کسی

ایرانی شاعر(نام یاد نہیں) کے یہ شعر پڑھے ؎

تاجہان باقیست تا خورشید و مہ تابندہ است
بینِ پاکستان و ایران دوستی پائندہ است

(جب تک یہ دنیا قائم و دائم رہے گی اور جب تک چاند سورج چمکتے رہیں گے پاکستان اور ایران کے مابین دوستی قائم رہے گی)

آفریں بر خلقِ پاکستاں کہ با اقبال خویش
چشمۂ اندیشہ ای دارد کہ خوش زایندہ است

(پاکستان کے عوام پر آفرین ہے کہ اس کے پاس اقبال کی صورت میں افکار و تصورات کا وہ سرچشمہ موجود ہے جو ہمیشہ جاری و ساری رہے گا)

پھر علامہ اقبال کے اشعار و افکار کی روشنی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔ بارہ برس کے طویل عرصہ کے بعد تہران میں انہی خیالات کی بازگشت تھی جو دوبارہ سنائی دے رہی تھی۔ ملوکیت' جبر و استبداد' ذہنی غلامی' حیلہ و تزویر اور مکرو ریا پر مبنی ایران کے صدیوں سے قائم بوسیدہ نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے ملت ایران کے اس جذبہ کی داد دی جس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا تھا اور پھر یہ رباعی سنائی ؎

مسلمانے کہ داند رمزِ دیں را — نساید پیش غیر اللہ جبیں را
اگر گردون بکامِ او نہ گردد — بکامِ خود بگرداند زمیں را

(وہ مسلمان جسے دین کے راز کا علم ہے وہ کسی غیر کے سامنے اپنی پیشانی نہیں رگڑا کرتا۔ اگر آسمان اس کی مرضی کے مطابق گردش نہ بھی کرے تو وہ زمین کو تو اپنی مرضی کے مطابق گردش میں لے ہی آتا ہے)

فضا میں سکوت طاری تھا اور دیر تک ان لوگوں کا تذکرہ ہوتا رہا جنہوں نے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں یا اس سے بھی پہلے علامہ اقبال کو یہاں عام کیا تھا۔ جناب محیط طباطبائی' پروفیسر سعید نفیسی اور ملک الشعراء بہار کا ذکر چلا اور حضرت عرفانی مرحوم کی یادیں تازہ ہوئیں۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق جیسے عظیم ایرانی شاعر نے ۱۹۵۰ء کی دہائی کے آغاز میں کیا خوب کہا تھا ؎

آنکہ اقدامِ مقبلاں کردہ — شعر اقبال را بیاں کردہ
دفترِ خویش از گل عرفان — پاک محسود گلستاں کردہ

مسلکِ عارفانِ ایراں را بہرِ پیر و جوان عیاں کردہ
شاعرِ دلنشینِ پاکستان پیش صاحب دلان نشاں کردہ
گر پرسی زنامِ اُو کہ چنیں کارِ نیکی درین زماں کردہ
من نمی گویمت تو خود دانی خواجہ عبدالحمید عرفانی

(وہ شخص جس نے عظیم لوگوں والا کام کیا یعنی اقبال کے اشعار کو بیان کیا۔ علم و عرفان کے پھولوں سے اپنی بیاض اس قدر بھر کے رنگین کر دی کہ وہ باغ و گلستان کا رشک بن گئی۔ اس نے ایران کے صوفیاء کے مسلک کو جوانوں اور بوڑھوں کے سامنے پیش کیا۔ دل والوں کے حضور پاکستان کے شیریں بیان شاعر کو متعارف کرایا۔ وہ شخص جس نے اس زمانے میں نیکی کا وہ کام کیا ہے اگر اس کا نام پوچھنا چاہو تو میں کچھ نہیں بتاتا' آپ خود جانتے ہیں اور وہ ہیں خواجہ عبدالحمید عرفانی)

پھر ایران جا کر دوستانِ باصفا کے حضور وہ قصہ چھیڑنے کی پھر آرزو ہے۔

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

(۱) دینی گھرانے سے تعلق رکھنے والی لیڈی ڈاکٹر (ایم بی بی ایس 98ء) کیلئے دینی مزاج کے حامل شرفاء کے گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ ذات پات کی قید نہیں' تاہم ڈاکٹر کا رشتہ قابل ترجیح ہوگا۔ برائے رابطہ : حافظ عاکف سعید' مدیر میثاق' 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

(۲) ایم۔اے پاس' 22 سالہ دوشیزہ' پٹھان فیملی' (ریٹائرڈ پروفیسر کی بیٹی) کے لئے ترجیحاً فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے موزوں رشتہ کی تلاش ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔
رابطہ : معرفت انجمن خدام القرآن فیصل آباد' پی 157 صادق مارکیٹ ریلوے روڈ

(۳) رفیق تنظیم حلقہ پنجاب شمالی کی ہمشیرگان کے لئے رشتے درکار ہیں' جن کا تعلق شورکوٹ کینٹ کے زمیندار گھرانے سے ہے اور ارائیں خاندان سے ہیں۔ ایک بچی کی عمر 21 سال تعلیم مڈل جبکہ دوسری کی عمر 19 سال اور تعلیم ایف اے ہے۔ دونوں دینی تعلیم سے بھی آراستہ ہیں اور امورِ خانہ داری سے بخوبی واقف ہیں۔ ذات پات کی قید نہیں۔ رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔
رابطہ : ابو عمران۔ دفتر تنظیم اسلامی' حلقہ پنجاب شمالی
20۔ سلطان سٹریٹ' فیض آباد ہاؤسنگ سکیم 4/8۔9 اسلام آباد

امیر تنظیم اسلامی کی جانب سے

جانشین کی نامزدگی کا اعلان اور اس کا پس منظر

مرتب کردہ : عطاء الرحمٰن خان' شکاگو (امریکہ)

امیر تنظیم اسلامی نے اپنے جانشین کی نامزدگی کا اعلان فروری ۹۸ء میں کیا تھا۔ تنظیم کے ملتزم رفقاء کی اکثریت اس فیصلے کے پس منظر اور اس کے لئے مشاورت کے ان تمام سابقہ مراحل سے بخوبی واقف ہے جن سے گزر کر یہ فیصلہ ہوا اور اس کا باضابطہ اعلان کیا گیا۔ تاہم تنظیم کے بہت سے دیگر رفقاء واحباب کی ایک بڑی تعداد اس سارے پس منظر سے ناواقف تھی۔ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے امیر محترم عطاء الرحمٰن نے شمالی امریکہ کے رفقاء کو اس اہم فیصلے کے پس منظر سے آگاہ کرنے کے لئے ایک مختصر تحریر مرتب کی ہے جسے افادۂ عام کی خاطر ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۴/ فروری ۱۹۹۸ء کو لاہور میں رفقاء کے ایک خصوصی اجتماع میں اپنے بعد آنے والے تنظیم کے امیر کی نامزدگی کا اعلان کیا تھا۔ امیر محترم اُس وقت اپنی عمر کے 66 برس تقریباً مکمل کر چکے تھے۔ عمر رسیدگی اور بگڑتی ہوئی صحت کے پیش نظر چند سال پہلے سے انہوں نے تنظیم کے آئندہ امیر کے معاملے میں سوچ بچار شروع کر دیا تھا۔ تنظیم اسلامی کے دستور کی رُو سے انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اگلے امیر کی نامزدگی کا اعلان کریں یا اس معاملے کو مرکزی شوریٰ پر چھوڑ دیں کہ وہ ان کے بعد نیا امیر منتخب کر لے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ آئندہ جو بھی امیر تنظیم مقرر ہوں گے تنظیم کے تمام رفقاء نئے سرے سے ان کی بیعت کریں گے۔ محترم ڈاکٹر صاحب مسلسل اس چھان پھٹک میں لگے ہوئے تھے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت تنظیم کے حق میں بہتر ہو سکتی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم اور سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے جو بھی فہم حاصل کیا ہے اس کی روشنی میں انہوں نے تنظیم قائم کرنے میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا ہے' لہٰذا قدرتی طور پر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد کم از کم فوری طور پر تنظیم اپنا رُخ تبدیل نہ کر لے' کیونکہ ہمارے ہاں عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی ادارے کا بانی رخصت ہوا تو اس ادارے نے بھی دوسرا کوئی راستہ چن لیا۔ بہرحال جیسا کہ ہم جانتے ہیں' ہمارے ذمہ صرف کوشش کرنا ہے' اختیارِ کل کا کل اللہ کا ہے' اللہ چاہے گا تو تنظیم اپنے صحیح رُخ پر قائم رہے گی۔

سوچ بچار کا آغاز

اپریل ۱۹۹۵ء میں لاہور میں ملتزم رفقاء کا ایک خصوصی اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اس میں امریکہ

اور ابو ظہبی سے بھی رفقاء نے شرکت کی تھی۔ اجتماع کا ایک اہم مقصد تنظیم کے موجودہ طریق کار اور امیر تنظیم کی نامزدگی پر غور کرنا اور اس بارے میں تجاویز پیش کرنا تھا۔ جو تجاویز مرتب کی گئیں وہ یہ تھیں :

۱) تنظیم میں شمولیت کیلئے بیعت کا جو نظام اختیار کیا گیا ہے اسے جاری رکھا جائے اور جب تنظیم کے نئے امیر چارج سنبھالیں تو تنظیم کے تمام رفقاء نئے سرے سے ان سے بیعت کریں۔

۲) تنظیم کے اگلے امیر کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑنے کی بجائے امیر محترم اپنی زندگی میں ان کے نام کا اعلان کریں۔

اجتماع کے دوران امیر محترم نے نائب امیر تنظیم کا تقرر کیا جو اُن کے بیرونی سفر کے موقعہ پر امیر تنظیم کے طور پر بھی خدمات انجام دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ امیر تنظیم کی نامزدگی کا معاملہ الگ طور پر طے کیا جائے گا۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اگست ۱۹۹۵ء میں شوریٰ کے اجلاس میں بتایا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی تنظیم کے اگلے امیر کی نامزدگی کا سوچا ہے' لیکن نام کا اعلان کرنے کی بجائے ان کا خیال ہے کہ اس کی وصیت تحریر کردیں اور بعد میں کسی وقت اگر ضرورت محسوس ہو تو وصیت میں درج نام تبدیل بھی کرسکیں۔ آپ نے اس پر شوریٰ کے اراکین کی رائے طلب کی اور ان کے ساتھ تبادلہ خیالات کیا۔

اپریل ۱۹۹۶ء میں لاہور میں ملتزم رفقاء کا دوسرا سالانہ مشاورتی اجتماع منعقد ہوا۔ اس میں بھی رفقاء کو امارت کے مسئلے پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ بڑی تفصیل سے اس پر گفتگو ہوئی۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں تیسرے سالانہ اجتماع کے دوران امیر محترم نے بتایا کہ صحت کی خرابی اور بالخصوص گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باعث وہ تنظیم کی امارت اب کسی اور شخص کے حوالے کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ رفقاء نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ امیر محترم وصیت کی بجائے تنظیم کے آئندہ امیر کے نام کا باقاعدہ اعلان کرکے انہیں کچھ عرصہ اپنے ساتھ کام کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اس دوران ان کی تربیت ہو جائے' لیکن امارت اپنے پاس ہی رکھیں۔ اجتماع کے بعد شوریٰ کے اجلاس میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی کہ آئندہ امیر کے نام کا اعلان کردینا بہتر ہے۔ خود امیر محترم اگرچہ وصیت کے حق میں تھے تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ ملتزم رفقاء کی مزید آراء جاننے کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ اسی سال ۳۱/اکتوبر تا یکم نومبر ملتزم رفقاء کا اجتماع ہوا مگر اس میں بھی کم و بیش سابقہ آراء کا ہی اعادہ کیا گیا' جس پر اجتماع میں موجود رفقاء سے

ایک خفیہ بیلٹ کے ذریعے آئندہ امیر تنظیم کے نام کے بارے میں آراء طلب کی گئیں۔ نتیجے میں چھ نام سامنے آئے' حروفِ تہجی کے اعتبار سے درج ذیل ہیں :

۱) چوہدری رحمت اللہ بٹر' ۲) ڈاکٹر عبدالخالق' ۳) عبدالرزاق قمر'

۴) ڈاکٹر عبدالسمیع' ۵) حافظ عاکف سعید' ۶) انجینئر مختار حسین فاروقی

ان چھ حضرات کو پہلے سے مرتب ایک سوالنامہ کی روشنی میں رفقاء سے خطاب اور ان کے سوالات کا جواب دینے کی دعوت دی گئی۔ (اس طریقے سے رفقاء کو ان چھ افراد کا تعارف حاصل کرنے اور ان کی تحریکی سوچ اور صلاحیت کو جانچنے کا کسی قدر موقع ملا۔)

بعد ازاں دسمبر ۱۹۹۷ء میں شوریٰ کے اجلاس میں اس پر غور ہوا۔ اس کے علاوہ رفقاء ذاتی طور پر بھی امیر محترم کو اپنی آراء اور تجاویز پیش کرتے رہے۔ آخر میں ماہ رمضان ۱۴۱۸ھ کے پہلے عشرہ میں محترم ڈاکٹر صاحب نے استخارہ کر کے اس بارے میں حتمی رائے قائم کی اور ۱۴/ فروری ۱۹۹۸ء کے خصوصی اجتماع میں اس کا اعلان کیا' جس کی رُو سے حافظ عاکف سعید کو تنظیم اسلامی کے آئندہ امیر کے طور پر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے اس فیصلے میں جب بھی ضرورت محسوس کریں گے ترمیم و تنسیخ کر سکتے ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کرتے وقت صرف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص اور تنظیم کے مستقبل کو ملحوظ رکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ بہت ہی نازک مرحلہ تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنے خاندان میں سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے سے کنی کترانا چاہتے تھے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ اہم تھی کہ محض اس وجہ سے کہ وہ میرا بیٹا ہے اسے اس معاملے سے باہر رکھنا جائز نہ ہو گا' لہٰذا ان کے لئے اس بارے میں فیصلہ کرنا بہت ہی کٹھن کام تھا۔ لیکن انہیں یہ دیکھ کر خاصا اطمینان ہوا ہے کہ تنظیم کے تمام رفقاء' خصوصاً سینئر رفقاء نے فیصلے کو بڑی خوشدلی کے ساتھ قبول کیا ہے جو تنظیم کے لئے بہت خوش آئند بات ہے۔ عزیزم عاکف سعید کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ اپریل ۱۹۹۷ء تک اس کا نام ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا (جس کی بڑی وجہ ان کی صحت سے متعلق بعض عوارض تھے جن کے پیش نظر میں نے اس سے پہلے انہیں consider نہیں کیا تھا۔) تب پہلی دفعہ ہمارے بزرگ رفیق' شیخ جمیل الرحمٰن نے اس جانب توجہ دلائی۔ انہوں نے مجھے ایک مفصل خط تحریر کیا جس میں بڑے پُر زور طریقے سے جانشین کے لئے عزیزم عاکف کا نام تجویز کیا گیا تھا۔ لیکن اُس وقت میں نے شعوری طور پر اس بات کو اپنے ذہن سے خارج کر دیا تھا اور جولائی ۱۹۹۷ء میں جب میں امریکہ روانہ ہوا تو اسی شخص کے حق میں وصیت برقرار رکھی جو پچھلے کئی برسوں سے نامزد چلے آرہے تھے۔ لیکن اکتوبر ۱۹۹۷ء کی رائے شماری میں چوتھے نمبر پر عزیزم عاکف کا نام دیکھ کر خود

مجھے بھی حیرت ہوئی' نیز اس موقعہ پر حافظ عاکف سعید نے جس طرح اپنے آپ کو پیش کرنے میں سادگی اور بے ساختگی کا مظاہرہ کیا وہ بھی میرے لئے خاصا متاثر کن تھا۔ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے اس نے اپنی صحت کے حوالے سے ان تکالیف کا صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے خاص طور پر ذکر کیا جو اس سے قبل صرف گھر والوں کے علم میں تھیں۔ چھ کے گروپ میں اپنے آپ کو سب سے کمتر ظاہر کر کے انہوں نے چاہا کہ تنظیم کی امارت کا بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے لیکن بشمول دیگر باتوں کے ان کی یہ بات ان کی نامزدگی کے لئے اضافی خوبی کا درجہ اختیار کر گئی۔ چنانچہ اسی اجلاس میں جب دوبارہ رفقاء سے رائے لی گئی تو ان کے حق میں رائے دینے والے رفقاء کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور متعدد حلقوں کے رفقاء نے اکثریتی طور پر ان کا نام ترجیح اول کے طور پر تجویز کیا۔ اس سے قبل جن چھ سینئر رفقاء نے امیر محترم کو اپنی تجاویز تفصیل کے ساتھ تحریراً ارسال کی تھیں' ان میں سے تین نے جانشینی کے لئے حافظ عاکف سعید ہی کا نام تجویز کیا تھا۔ اسی طرح جن چند رفقاء نے امیر محترم سے اس بارے میں خصوصی ملاقاتیں کی تھیں ان میں سے بھی دو نے عاکف کا نام پیش کیا۔ تاہم یاد رہے کہ فیصلہ کرتے وقت یہاں آراء کو گنا نہیں تولا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے عزیزم عاکف سعید کے معاملہ میں جو چیزیں زیادہ نمایاں ہیں وہ یہ ہیں :

- ☆ سترہ سال کی عمر میں تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور تنظیم کے تاسیسی اجلاس سے اس کے ساتھ وابستہ ہوئے۔
- ☆ بچپن ہی سے امیر محترم کے دروسِ قرآنی اور خطابات میں شرکت رہی ہے۔
- ☆ دنیاوی تعلیم میں فلسفہ میں ایم۔اے کیا ہے۔
- ☆ حافظ قرآن ہیں اور بغیر کسی کی ترغیب و تشویق کے خود اپنے شوق اور جذبہ سے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن حفظ کیا ہے۔
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کی ادارت کی ذمہ داری بڑے عرصے سے خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں۔
- ☆ انہیں تنظیم کا پورا فکر خاص طور پر از بر ہے۔
- ☆ قرآن مجید کے خوبصورت قاری ہیں۔
- ☆ مسجد دار السلام میں جمعہ کی نماز اکثر وہی پڑھایا کرتے ہیں۔
- ☆ ایک اچھے مدرس' ذہین' متحمل اور معاملہ فہم نوجوان ہیں۔

اجتماع کے آخر میں رفقاء نے بالعموم اور نامزدگی کی فہرست میں شامل بقیہ پانچ حضرات نے بالخصوص امیر تنظیم کے اس فیصلہ کو سراہتے ہوئے حافظ عاکف سعید کے ساتھ اپنے بھرپور تعاون اور حمایت کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

قرآن اکیڈمی لاہور میں
خلاصۂ مباحث قرآن کا رُوح پرور پروگرام

مرتب : فرقان دانش خان

شیخ الہند مولانا محمود حسن ؒ اسیر مالٹا نے قید سے رہائی کے بعد ایک بار علماء کے مجمع میں ایک اہم بات ارشاد فرمائی :

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے : ایک ان کا قرآن کا چھوڑ دینا' دوسرے آپس کے اختلافات۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے' بچوں کے لئے (قرآن کی) لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کئے جائیں۔ جبکہ بڑوں کو "عوامی درس قرآن" کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے"۔

مولانا مفتی محمد شفیع ؒ نے ان الفاظ پر یہ حکیمانہ اضافہ فرمایا کہ :

"غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا نتیجہ ہے۔"

یہ آج سے تقریباً ۳۵ برس پہلے کی بات ہے جب ایک شخص نے شیخ الہندؒ کی اس تشخیص کو گرہ سے باندھ لیا اور اس بات کو حرزِ جان بنا کر لاہور کی مختلف مساجد میں تن تنہا درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کی آواز میں سوز بھی تھا اور تاثیر بھی۔ یہ وہ وقت تھا جب مساجد میں دعوت و تبلیغ' خطبہ و وعظ غرضیکہ سب کچھ ہوتا تھا مگر درسِ قرآن نہیں ہوتا تھا۔ لوگ قرآن کو اجنبی اور اور غیر متعلق کتاب سمجھتے تھے۔ لیکن اُس شخص نے ہمت نہ ہاری۔ اس کی ایک ہی پکار تھی کہ قرآن مجید کو اللہ کی کتاب مانا جائے' اسے پڑھا جائے' اسے سمجھا جائے' اس پر عمل کیا جائے اور اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ یہ شخص پیشے کے اعتبار سے جسمانی امراض کا ڈاکٹر تھا' لیکن خدائے ذوالجلال نے اسے انسانوں کے روحانی معالج کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔ جی ہاں' اس شخص کا نام ڈاکٹر اسرار احمد ہے' جسے آج دنیا خادمِ قرآن کی حیثیت سے جانتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو شرفِ قبولیت عطا کیا اور ایک بیٹھک سے شروع ہونے والے

درسِ قرآن نے مسجد خضراء سمن آباد' مسجد شہداء ریگل چوک اور جامع مسجد دارالسلام باغ جناح میں حقیقتاً "عوامی درسِ قرآن" کی شکل اختیار کرلی۔ درسِ قرآن کا یہ سلسلہ چھ برس جاری رہا۔ آہستہ آہستہ ڈاکٹر صاحب کو ہم خیال افراد ملتے گئے' جنہوں نے ایک قافلے کی صورت اختیار کی تو ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن وجود میں آگئی۔ یہ قافلہ اور آگے بڑھا تو ڈاکٹر صاحب نے قرآنی معاشرے کی تشکیل اور فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی کیلئے ۱۹۷۵ء میں "تنظیم اسلامی" کے نام سے ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں آپ نے انجمن خدام القرآن کے صدرِ مؤسس کی حیثیت سے ۱۹۷۶ میں قرآن اکیڈمی اور ۱۹۸۷ء میں قرآن کالج بھی قائم کردیا۔ اس طرح محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے حضرت شاہ ولی اللہ' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا محمود حسن' علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے خوابوں کی تکمیل کر کے خود کو ان حضرات کا حقیقی وارث ثابت کردیا۔ یہ سفر جاری رہا اور رجوع الی القرآن اور تعلیم و تعلم قرآن کی اس تحریک کا حلقہ اندرونِ ملک پھیلتے پھیلتے بیرونی دنیا میں بھی وسیع ہوگیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ اللہ کی رحمت سے اُمت کا ایک بڑا طبقہ قرآن کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کہیں قرآن کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں' کہیں فہم قرآن کے حلقے قائم ہونے لگے۔ آج اگر کہیں قرآن کے نام سے کوئی محفل منعقد ہوتی ہے یا کوئی ادارہ قائم ہوتا نظر آتا ہے یا کہیں درسِ قرآن کا غلغلہ ہے تو اکثر و بیشتر ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریک رجوع الی القرآن کے شجرہی کا کوئی ثمر یا برگ و بار ہے۔

اسی تحریک کے زیر اثر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے آج سے پندرہ برس قبل جامع القرآن' قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں قرآن پاک کو ہر چار رکعت نماز تراویح سے پہلے سمجھنے سمجھانے کا ایک منفرد سلسلہ شروع کیا' جو شروع شروع میں ایک نئی بات ہونے اور رات کو دو تین بجے تک جاگنے کی مشقت کے باعث ناممکن العمل نظر آتا تھا۔ لیکن جلد ہی یہ سلسلہ نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی متعارف ہوگیا۔ آج آپ کے ۶۰ سے زیادہ شاگردانِ رشید ملک کے گوشے گوشے میں ہر سال انوار و برکات بھری ان محفلوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ خود ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی گزشتہ کئی سالوں سے اس پروگرام کیلئے رمضان المبارک میں اندرون و بیرونِ ملک دوروں پر رہے۔ تاہم کئی سال کے وقفے کے بعد امسال پھر یہ سعادت اہل لاہور کے حصے میں آئی کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ البتہ اس بار ڈاکٹر صاحب کی صحت کے پیش نظر اس پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی تھی۔ وہ یہ کہ قرآن کے لفظ بہ لفظ ترجمہ و مختصر تشریح کے بجائے اس بار صرف رکوع بہ رکوع مباحث و مضامین قرآن کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یکم رمضان المبارک کو اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ "میں اس تبدیلی کیلئے اپنے رفقاء کے اصرار پر رضامند ہوا ہوں۔ لیکن میرا دل فی الحال اس تبدیلی کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں' کیونکہ قرآن میں کوئی لفظ زائد نہیں ہے' اس کا ہر لفظ انسانیت کی رہنمائی کیلئے یکساں اہم ہے۔ تاہم ہو سکتا ہے اللہ خلاصہ مباحث قرآن کے اس پروگرام سے بھی کوئی خیر

برآمد فرمادیں"۔

دراصل اس سے پہلے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام میں یہ ہوتا تھا کہ نمازِ تراویح کی ہر چار رکعت سے پہلے ان چار رکعتوں میں پڑھے جانے والے قرآن کا ترجمہ و تشریح بیان کی جاتی تھی اور یہ پروگرام رات گئے اختتام پذیر ہوتا' کہ شرکاء بمشکل سحری کے وقت تک اپنے گھروں کو پہنچ پاتے' لیکن اس کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ روز بروز مقبولیت پاتا گیا۔

اس سال خلاصہ مباحث قرآن کے پروگرام میں ڈاکٹر صاحب عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح کی پہلی آٹھ رکعت میں پڑھے جانے والے قرآن کے مضامین کا خلاصہ ایک گھنٹے میں بیان فرماتے۔ پھر آٹھ رکعتیں پڑھی جاتیں اس کے بعد اگلی بارہ رکعت میں پڑھے جانے والے قرآن کا خلاصہ بھی ایک گھنٹے میں بیان کیا جاتا۔ پھر بیس منٹ کا وقفہ ہوتا' جس میں انجمن خدام القرآن کی طرف سے شرکاء کو چائے پیش کی جاتی۔ وقفے کے بعد بارہ رکعت تراویح اور صلوٰۃ الوتر کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا' جبکہ پروگرام کے اختتام پر قریباً نصف گھنٹہ سوال و جواب کی نشست کیلئے مختص تھا۔ یوں یہ پروگرام ساڑھے سات بجے سے شروع ہو کر رات ساڑھے بارہ بجے اختتام پذیر ہوتا۔ پروگرام میں اختصار کے باعث یہ خیر برآمد ہوا کہ رمضان کے پورے مہینے میں دھند اور شدید سردی کے باوجود لاہور کے دور دراز علاقوں اور قریبی شہروں سے بے شمار لوگ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ بیسیوں میل سفر کر کے روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے روزانہ قرآن اکیڈمی آتے رہے۔ چنانچہ قرآن اکیڈمی کے کشادہ مسجد ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی اور جو لوگ ہال میں نہیں سما سکتے تھے ان کیلئے مسجد کے صحن میں ٹی وی کے ذریعے ترجمہ قرآن سے مستفیض ہونے کا اہتمام کیا جاتا۔ مسجد کے علاوہ الگ سے دو ہال خواتین اور چھوٹے بچوں کیلئے بھی تھے۔ یہ ہال بھی کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ جبکہ گاڑیوں کی پارکنگ سے مسجد کے اردگرد علاقے میں گاڑیوں کا ایک شہر بس جاتا۔ اس کے علاوہ اس بار ایک بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ شرکاء میں زیادہ تر ڈاکٹر' انجینئر' افسران' پروفیسرز' اساتذہ' سرکاری ملازمین' تاجر اور خصوصاً نوجوانوں کی غالب اکثریت شامل تھی۔ جو اس بات کی عکاس ہے کہ معاشرے میں تعلیم یافتہ طبقے کا قرآن اور دین کے ساتھ شغف بڑھ رہا ہے۔ خصوصاً نوجوان جنہوں نے اپنے اردگرد کفر و الحاد اور مادہ پرستی کے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں دیکھا' جن کے دور میں مایوسی اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ لوگ بے روزگاری اور مفلسی کے ہاتھوں خود سوزی اور خودکشی جیسے فعل حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں' اس پروگرام میں ان کی اس قدر دلچسپی دیکھنے میں آئی کہ دل کہتا تھا کچھ ہونے والا ہے اور مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی انقلاب کی منزل اب دور نہیں۔ یوں لگتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے قیامت سے پہلے روئے ارضی پر جس غلبہ اسلام کی نوید سنائی ہے اس کے پورا ہونے کا وقت بہت قریب ہے۔

اس پروگرام میں نماز تراویح میں امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نوجوان بھتیجے حافظ عبداللہ محمود نے ادا کئے' جو سول انجینئر ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ نے جہاں انہیں خوبصورت آواز سے

نوازا وہاں انہوں نے قرآن کو حکم الٰہی کے مطابق ترتیل سے پڑھنے کا مقدور بھر حق ادا کر دیا۔ شرکاء نے ان کی قراءت اور اندازِ تلاوت کو بے حد پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی آواز اور صحت کو یونہی قائم و دائم رکھے اور انہیں قرآن کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نمازِ تراویح میں قرآن حکیم کو سمجھنے کا یہ پروگرام بلاشبہ اس حدیث نبویؐ کی صحیح تعبیر ہے جس میں ماہِ رمضان میں تزکیہ نفس کیلئے دن کا روزہ اور رات کو قرآن کے ذریعے قیام کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ دن میں اگر روزہ سے نفس انسانی مختلف معنوی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے تو رات کو قرآن کے ذریعے احتساب سے روح کو غذا اور تقویت ملتی ہے۔ تاہم یہ جبھی ممکن ہے جب قرآن کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ جس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ ہر مسلمان اتنی عربی سیکھ لے کہ قرآن پڑھتے یا سنتے ہوئے بغیر کسی ترجمہ کی مدد کے اسے سمجھتا چلا جائے۔ یا دوسری شکل یہ ہے جس کی "طرح" رمضان المبارک میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ڈالی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اس خلاصہ مباحث قرآن کے چند بنیادی نکات یہ تھے :

- مؤمن کی زندگی کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہئے۔
- ایمان دو قسم کے ہیں 'اقرار باللسان سے آدمی صرف اسلام کے قانونی پہلو سے مسلمان مانا جاتا ہے' جبکہ تصدیق بالقلب کا مرحلہ طے کر کے ایک مسلمان ایمانِ حقیقی کی منزل تک پہنچ کر آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔
- مؤمن وہی ہے جس کی زندگی جہاد فی سبیل اللہ سے عبارت ہے 'یعنی جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ مومن کی جان اور مال اللہ نے جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔
- دین اسلام صرف مذہب یعنی عبادات و رسومات ہی کا نام نہیں 'بلکہ انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں پر محیط ہے۔
- تمام انبیاء و رسل ﷺ کی بعثت کا مقصد نظامِ عدل و قسط کا قیام تھا اور آج کے مسلمان کیلئے بھی اقامت دین ہی سب سے اولین فریضہ ہے۔
- اقامت دین کی ادائیگی کا فریضہ ایک مومن انفرادی سطح پر ادا نہیں کر سکتا۔ اس کیلئے انقلابی دینی جماعت درکار ہے جو بیعت کی منصوص 'مسنون اور ماثور بنیاد پر استوار ہو اور منہج انقلابِ نبویؐ کے مطابق تمام انقلابی مراحل طے کرنے کا واضح شعور اور ہدف رکھتی ہو۔
- اللہ کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنا اصل جہاد ہے۔ اس جہاد سے اعراض نفاق کے مرض کو جنم دیتا ہے۔ اس نفاق سے بچنے کی کوشش کرنا عین ایمان ہے۔
- آج دین اسلام ثوابی دین بن چکا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو ثوابی دین کے چکر سے نکل کر عمل کی طرف پیش رفت کرنا چاہئے۔

○ کفر بالطاغوت یعنی غیر اللہ کی حکمرانی سے بغاوت کر کے ہی ایک مومن ایمان کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

○ شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور غیر اللہ کی حکمرانی سب سے بڑا شرک ہے۔

نیز اس پروگرام کے دوران یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر آیت گویا سننے والے کے اپنے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔ جس کا اظہار حاضرین نے برملا اور کئی بار کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے اس دورۂ ترجمہ قرآن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ نے مغربی تعلیم اور مستشرقین کے پروپیگنڈے کے زیر اثر ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کیا اور قرآنی نظریات کو جدید عمرانی و سائنسی نظریات پر منطبق کر کے یہ بات سمجھائی کہ دور خواہ کوئی بھی ہو انسان صرف قرآن پر عمل کے ذریعے ہی دنیا و آخرت میں حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

رمضان المبارک کے ابتدائی ایام میں شرکاء سے تعارف حاصل کرنے کے لئے "تعارف فارم" تقسیم کئے گئے' جس میں نام' پتہ' پیشہ اور تجاویز کے کوائف رکھے گئے تھے۔ تمام لوگوں نے یہ فارم پُر کیا اور مختلف تجاویز دیں۔ چنانچہ تمام شرکاء کے اتفاق رائے سے پروگرام کی بہتری کیلئے کچھ انتظامی نوعیت کی معمولی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ اسی طرح رمضان کے وسط میں شرکاء کو تنظیم اسلامی میں شمولیت کیلئے معاونین فارم اور بیعت فارم دیئے گئے تاکہ جو افراد رضائے الٰہی کے حصول کی غرض سے تنظیم اسلامی میں شامل ہو کر اقامت دین اور نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا چاہیں' وہ بیعت فارم پُر کر سکیں۔ اور جو لوگ ابھی یہ اہم فیصلہ نہ کر پائیں وہ کم از کم معاونین کی حیثیت سے تنظیم اسلامی کے دست و بازو بنیں۔ بیسیوں افراد نے جوش و خروش کے ساتھ یہ فارم بھرے اور اپنی زندگیاں بدلنے کا عہد کیا۔

قرآن اکیڈمی کے شعبہ سمع و بصر کی طرف سے ناظم شعبہ آصف حمید کی سرکردگی میں اس پروگرام کی آڈیو اور ڈیجیٹل ویڈیو ریکارڈنگ کا اہتمام بھی تھا۔ تاکہ اپنی نوعیت کے اس منفرد پروگرام کو آئندہ دعوتی و تبلیغی مقاصد کیلئے استعمال کیا جا سکے۔

جوں جوں رمضان کی بابرکت راتیں گزرتی گئیں۔ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آخری عشرہ میں لوگوں کا ذوق و شوق دیکھتے ہوئے طاق راتوں میں بیان القرآن میں ایک گھنٹے کا اضافہ کر دیا گیا۔ تاکہ حاضرین کا یادہ سے زیادہ وقت قیام اللیل میں شمار ہو سکے۔ اس عشرے میں اعتکاف میں بیٹھنے والوں کی دلچسپی اور تعداد قابل ذکر ہے۔ تقریباً ۶۰ سے زیادہ افراد جامع القرآن میں معتکف ہوئے' جو گزشتہ سالوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔

روزانہ سوال و جواب کی محافل میں بھی شائقین کا شوق دیدنی تھا۔ یہ نشست عموماً ساڑھے گیارہ بجے رات شروع ہوتی۔ لوگ ڈاکٹر صاحب سے اس روز کے مضامین قرآن میں آنے والے مباحث کے

بارے میں استفسار کرتے۔ اگرچہ یہاں بھی نوجوان طبقہ سب پر بازی لے گیا تھا۔ لیکن زیادہ عمر والے حضرات اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد مثلاً ڈاکٹر' انجینئرز' افسران اور پروفیسرز بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ اس نشست میں ہر قسم کے سوالات زیر بحث آتے اور لوگ ڈاکٹر صاحب کے جوابات سے اپنی علمی و رُوحانی پیاس بجھاتے۔

یہ رُوح پرور اور ایمان افروز پروگرام رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو اختتام پذیر ہوا۔ ستائیسویں رات کی برکتوں اور رحمتوں سے فیض یاب ہونے کیلئے گویا پورا لاہور ہی اُمڈ آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے "اسباب مجوبیٔ قرآن" کے عنوان پر اپنے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ "آج قرآن اس لئے لوگوں کے دلوں پر اثر پذیر نہیں ہو تا کہ ہم قرآن کے بہت سے مباحث مثلاً شرک' سابقہ اقوام کے ذکر اور انبیاء کے واقعات کو اپنے لئے غیر متعلق "irrelevent" سمجھتے ہیں۔ جبکہ ان مباحث کے ذریعے ہمارے اس دور کے شرک سے بچنے' سابقہ اقوام کے طرز عمل سے سبق حاصل کرنے اور انبیاء کے مقصد حیات کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔"

خطاب کے بعد ملک و ملت اور اسلام کی سربلندی کیلئے رقت آمیز دعا مانگی گئی اور تنظیم اسلامی کے معاونین اور عام شرکاء سے فریضہ اقامت دین کیلئے اپنا جان و مال وقف کرنے کا عہد لیا گیا آخر میں تنظیم میں شامل ہونے والے رفقاء نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مد ظلہ العالی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کرنے والے رفقاء کی تعداد زیادہ ہونے کے باعث متعدد چادروں کو جوڑ کر ایک طویل چادر بنائی گئی اور اس کے ذریعے بیعت لی گئی۔ شرکاء کے اصرار پر سوال و جواب کی محفل بھی منعقد ہوئی اور یوں یہ پروگرام رمضان کی ۲۷ ویں شب کو ڈھائی بجے رات اختتام کو پہنچا۔

قرآن اکیڈمی میں خلاصۂ مباحث قرآن کے مذکورہ بالا پروگرام کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں دورۂ ترجمہ قرآن اور خلاصۂ مباحث قرآن کے پروگرام متعدد مقامات پر منعقد ہوئے۔ دورۂ ترجمہ قرآن مع مختصر تشریح کے پروگرام پچیس سے زائد مقامات پر ہوئے' جن میں تنظیم اسلامی کے رفقاء و احباب نے مترجمین کے فرائض سرانجام دیئے۔ تین مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام حلقہ خواتین کے زیر اہتمام منعقد ہوئے' جن میں ترجمہ کی سعادت بھی خواتین ہی نے حاصل کی۔ مزید بر آں بیان القرآن (خلاصۂ مباحث قرآن) کے پروگرام گیارہ مقامات پر' اور آڈیو / ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ترجمہ قرآن کے مکمل و مختصر پروگرام ۳۵ مقامات پر منعقد ہوئے۔ فالحمد للہ علی ذلک!

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۳
ذوالقعدہ	۱۴۱۹ھ
مارچ	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زرِ تعاون	-/۱۰۰

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ	22 ڈالر (800 روپے)
○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان	17 ڈالر (600 روپے)
○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر	10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون · 03۔02۔5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون · 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع · رشید احمد چودھری، مطبع · مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

متحدہ اسلامی محاذ کے قیام کی تجویز امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے قریباً دو ماہ قبل پیش کی تھی اور قومی اخبارات میں بصورت اشتہار شائع کروا کے خاصے وسیع پیمانے پر اسے عام کیا تھا۔ مذکورہ محاذ کی عملی تشکیل کے لئے ابتدائی قدم کے طور پر ملک کی نمایاں دینی جماعتوں کے سربراہان سے رابطوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ میثاق کی گزشتہ اشاعت میں انہی صفحات میں اس کی ایک اجمالی رپورٹ ہدیہ قارئین کر دی گئی تھی۔ گزشتہ ماہ کے دوران جن دینی زعماء اور نامور علماء سے اس ضمن میں امیر تنظیم نے ملاقات کی ان میں جے یو پی کے مولانا شاہ احمد نورانی، جے یو آئی کے مرکزی رہنما مولانا محمد خان شیرانی اور مجلس محاذِ عمل کے رہنما مولانا زاہد الراشدی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان ملاقاتوں کے ذریعے بحمد اللہ دینی زُعماء کی جانب سے متحدہ اسلامی محاذ کے قیام کی تجویز کے بارے میں عمومی اتفاق رائے سامنے آیا۔

حال ہی میں متحدہ اسلامی محاذ کی تجویز کو عام کرنے اور اس کے لائحہ عمل کے بارے میں دینی جماعتوں کے سربراہان اور رجال دین کا اتفاق رائے حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے تمام شہروں میں منہاجِ محمدیؐ کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کانفرنس ۲۱ فروری کو راولپنڈی پریس کلب ہال میں منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس تعداد شرکاء ہی نہیں مقررین کی شرکت کے اعتبار سے بھی نہایت بھرپور اور کامیاب رہی۔ مقررین میں تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان، جے یو آئی کے مرکزی رہنما مولانا محمد خان شیرانی اور معروف دانشور جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل کے نام نمایاں تھے ــــــ اس سلسلے کی دوسری کانفرنس ان شاء اللہ ۲۸ فروری کو پشاور میں منعقد ہو گی۔ جس میں مالاکنڈ میں تحریک نفاذ شریعت کے امیر مولانا صوفی محمد کی شرکت بھی متوقع ہے۔ مزید بر آں مولانا گوہر رحمان اور مولانا سمیع الحق کے علاوہ بعض دیگر معروف مقامی علماء نے بھی شرکت کا وعدہ کیا ہے۔ لاہور میں اگر اللہ نے چاہا تو "منہاجِ محمدیؐ کانفرنس" ۲۱/مارچ کو منعقد ہو گی جس کے لئے خصوصی اہتمام پیش نظر ہے۔ ان کانفرنسوں کی باتصویر رپورٹیں "ندائے خلافت" میں شائع کی جائیں گی، تاہم ارادہ ہے کہ ان

کانفرنسوں کی ایک جامع رپورٹ اپریل کے میثاق میں ہدیہ قارئین کر دی جائے گی۔

☆ ☆ ☆

ملی و سیاسی اعتبار سے گزشتہ ماہ وزیر اعظم بھارت اٹل بہاری واجپائی کا دورۂ پاکستان غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے حوالے سے پاک بھارت تعلقات پر بحث اور اظہارِ خیال کا معاملہ نہایت شدت کے ساتھ گرم ہوا۔ امیر تنظیم اسلامی نے ۱۹ فروری کے خطاب جمعہ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے حالات کا جو تجزیہ پیش فرمایا وہ اس درجہ جامع اور حقیقت پسندانہ تھا کہ اس کی تلخیص کو 'جو ندائے خلافت کے لئے مرتب کی گئی تھی' پاکستان کے تمام چوٹی کے روزناموں نے 'جن میں روزنامہ نوائے وقت' جنگ' خبریں اور روزنامہ پاکستان شامل ہیں' اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ وقت کے اہم ترین اور نازک ترین موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب کے اس فکر انگیز خطاب کو زیر نظر شمارے میں بھی "تذکرہ و تبصرہ" کے عنوان سے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے ——
۲۶/ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے بعض دیگر اہم قومی و دینی امور پر بھی اظہار خیال فرمایا ہے۔ جن میں چین کی جانب سے پاکستان کو دفاعی معاہدہ کی پیشکش' شریعت ایپلٹ بینچ کے حالیہ جرأت مندانہ فیصلے اور واجپائی کی آمد پر جماعت اسلامی کے احتجاجی مظاہرے پر نہایت متوازن تبصرہ بھی شامل ہے۔ اس خطاب کا پریس ریلیز بھی زیر نظر شمارے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ OO

انتقالِ پُرملال

میثاق کے مستقل رکن ادارۂ تحریر اور ہمارے قابل احترام بزرگ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی بڑی صاحبزادی اور رفیق تنظیم نعیم الطاف کی والدہ محترمہ طاہرہ خاتون گزشتہ ہفتے کراچی میں انتقال کر گئیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں : اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا وادخلھا فی رحمتک وحاسبھا حسابا یسیرا (آمین)

ہم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کے لئے بھی دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس صدمے کو صبر اور استقامت کے ساتھ جھیلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یا رب العالمین)---(ادارہ)

سلطنتِ خداداد پاکستان
خود کُشی کی راہ پر؟

پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے ایک فکر انگیز خطاب

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۹/ فروری کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتب : نعیم اختر عدنان

خطبۂ مسنونہ ' تلاوتِ آیات اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا :

پاکستان اور بھارت کے مابین مفاہمت اور دوستانہ تعلقات کا قیام اِس وقت ملکی سطح پر بحث و مباحثہ کا اہم ترین موضوع بن چکا ہے۔ موجودہ حکومت نے پہلے سے جاری کرکٹ ڈپلومیسی کو نہ صرف جاری رکھا ہوا ہے بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر "بس ڈپلومیسی" کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ اس کا نقطۂ عروج بھارتی وزیر اعظم کی پاکستان یاترا ہے جو بلاشبہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات کے حوالے سے پوری قوم دو طبقات میں منقسم ہو چکی ہے۔ ایک طرف حکومت وقت ہے' جو مسلم لیگ پر مشتمل ہے' اس کے پاس کارکنوں کا بڑا حلقہ موجود ہے۔ پھر پارلیمانی اپوزیشن ہے جو پیپلز پارٹی پر مشتمل ہے۔ پاک بھارت تعلقات کے حوالہ سے اِس وقت پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ دونوں میں گٹھ جوڑ ہو چکا ہے' گویا اس حوالے سے حکمران اور اپوزیشن دونوں کی پالیسی یکساں ہے' لہٰذا یہ دونوں جماعتیں عملاً ایک فریق بن چکی ہیں۔

دوسرے فریق میں اکثر و بیشتر ملک کی دینی و مذہبی جماعتیں شامل ہیں' جن کی نمائندگی یا سربراہی اس وقت جماعت اسلامی کر رہی ہے' البتہ ان دینی جماعتوں میں سے ایک جماعت یعنی جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمن گروپ) اس گروپ میں شامل نہیں ہے۔

روزنامہ نوائے وقت اگرچہ ایک قومی روزنامہ ہے مگر درحقیقت یہ ایک ادارہ ہے' جسے محض ایک اخبار قرار دینا درست نہ ہو گا۔ نظریہ پاکستان کا سب سے اولین' قدیم ترین اور سب سے بڑھ کر پرچارک اور علمبردار نوائے وقت ہی ہے۔ نوائے وقت نے نہ صرف تحریک پاکستان میں بڑا اہم اور گراں قدر کردار ادا کیا' بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی نوائے وقت کا کردار نظریۂ پاکستان کے حوالے سے نہ تو کبھی مشکوک ہوا اور نہ کبھی مبہم رہا۔ دو قومی نظریئے پر نوائے وقت کا موقف بڑا اٹل اور دوٹوک رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے نوائے وقت نے کبھی کسی لچک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہ محض ایک اخبار ہی نہیں بلکہ ایک مکتبۂ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔ نوائے وقت نے واجپائی کی آمد کے حوالے سے اپنی ۱۶/ فروری کی اشاعت میں جو اداریہ تحریر کیا تھا' اُسے جماعت اسلامی کی طرف سے دو لاکھ کی تعداد میں خصوصی اہتمام کے ساتھ شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ گویا اس مسئلے پر دینی جماعتیں اور نوائے وقت "یکجان" ہو گئے ہیں۔ ملک کی بعض اہم شخصیات بھی اسی مکتبۂ فکر میں شامل ہیں' جن میں جنرل (ر) حمید گل کی شخصیت سب سے نمایاں ہے۔ جنرل صاحب صوم و صلوٰۃ کے پابند مسلمان ہیں۔ ان کی حب الوطنی' قوم سے محبت اور ملک سے وفاداری ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ۱۶/ جنوری کو جنرل حمید گل کا جو طویل مقالہ "نوائے وقت" سمیت کئی ایک اخبارات میں شائع ہوا اس میں جنرل حمید گل نے قومی و ملی غیرت و حمیت کو بڑی دل سوزی سے للکارا ہے۔ ایک پکار اور دہائی ہے جو پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے حوالے سے ان کے دل سے نکلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بہرکیف دینی جماعتوں' نوائے وقت اور جنرل (ر) حمید گل پر مشتمل مکتبۂ فکر کے مطابق بھارت سے مفاہمت اور دوستانہ تعلقات کی کوشش ۸۰ ہزار شہدائے کشمیر کے خون سے غداری کے مترادف ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کشمیریوں نے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے جو قربانیاں دی ہیں' وہ دنیا کی کسی دوسری قوم سے کم نہیں ہیں۔ آزادی کشمیر کی تحریک میں شہداء کے خون کے ساتھ ساتھ ہزاروں کشمیری خواتین کی عصمتیں بھی لٹ چکی ہیں۔ چنانچہ بھارت سے مفاہمت کشمیری مسلمانوں کے خون سے بھی بے وفائی ہے اور کشمیری خواتین کی

عصمتوں کی پامالی سے بھی غداری ہے۔ مزید یہ کہ بابری مسجد کی پامالی اور شہادت سے بھی پہلو تہی اور اعلانِ براءت ہے۔ اس لئے کہ بی جے پی ہی نے بابری مسجد کو شہید کیا تھا' اب اسی جماعت کے رہنما کے استقبال کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی ہیں۔ ۲۰/ فروری کو بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو خوش آمدید کہا جائے گا' اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جائیں گے اور اس کے اعزاز میں دعوتیں سجائی جائیں گی۔

حکومت کی اس پالیسی کے بارے میں بجا طور پر گمان ہو رہا ہے کہ اس نے کشمیر پر "کیمپ ڈیوڈ" یا "اوسلو" طرز کا کوئی خفیہ معاہدہ کر لیا ہے۔ جنرل (ر) حمید گل کے خیالات و جذبات سے میں خود بہت متاثر ہوا ہوں۔ جنرل حمید گل کی یہ قومی للکار پاکستان کی قومی تاریخ کے ۳۴ سال قبل وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعے سے بہت مشابہ ہے جب جنرل ایوب خان کے دور میں تاشقند کا معاہدہ ہوا تھا' جسے تاشقند کے راز کی حیثیت سے بھٹو صاحب نے بہت اچھالا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بھٹو صاحب کے تھیلے سے تاشقند کی بلی کبھی باہر نہ آ سکی! بہرحال اُس وقت بھٹو نے پاکستان اور پاکستانیت کے حوالے سے جو پکار لگائی تھی' اسی کی صدائے بازگشت جنرل حمید گل کے خیالات میں نظر آ رہی ہے۔ جنرل صاحب نے علامہ اقبال کے ایک مصرع کو اپنے مضمون کی اہم بحث کا عنوان بنایا ہے کہ "حیاتِ جاوداں اندر ستیز است" کہ حیاتِ ابدی تو معرکہ آرائی' جنگ اور تصادم میں پنہاں ہے نہ کہ مصالحت میں! گویا کشاکش جاری رہے گی تو ہم زندہ رہیں گے۔ اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ بھارت کے ساتھ تصادم اور کشاکش ہی میں پاکستان کی بقا پوشیدہ ہے' جبکہ بھارت کے ساتھ مفاہمت و مصالحت اور دوستی میں پاکستان کیلئے کئی طرح کے اندیشے اور خطرات پنہاں ہیں۔

بھارتی وزیر اعظم کی آمد پر جماعت اسلامی اپنے احتجاج کو اگر کسی اسلامی انقلاب کی تمہید سمجھتی ہے تو یہ رائے صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ حقیقی اسلامی انقلاب کیلئے جب بھی احتجاجی تحریک برپا ہو گی تو کسی دینی مسئلہ پر۔ مگر موجودہ صورتحال میں ایسا نہیں ہے۔ بھارت کے ساتھ مصالحت اور مفاہمت دینی مسئلہ نہیں ہے اور پھر اسے حرام یا ناجائز بھی قرار نہیں دیا جا سکتا! ایسی احتجاجی تحریک بھی صرف اسی صورت میں کامیابی سے ہمکنار ہو

سکتی ہے جب کہ وہ اس وقت شروع کی جائے جب مخلص اور تربیت یافتہ کارکنوں کی ضروری تعداد مہیا ہو چکی ہو۔ ایسی جماعت کے ارکان اپنی ذات پر اور اپنے گھر میں اللہ کا دین نافذ کر چکے ہوں کہ ع "شرط اول قدم این است کہ مجنوں باشی"۔ ان مراحل کو طے کئے بغیر نفاذِ اسلام کے نعرے بلند کرنا اور اس کیلئے تحریکیں چلانا' اسلام کی خدمت کی بجائے اسے بدنام کر دینے کا موجب قرار پائے گا۔

ان شرائط کو پورا کئے بغیر چلائی جانے والی تحریک فساد تو پیدا کر سکتی ہے مگر کوئی مثبت اور نتیجہ خیز تبدیلی نہیں لا سکتی۔ اگر کسی شخص کی یہ رائے ہے کہ اس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ کارکن موجود ہیں تو پھر اسے مزید تاخیر کی بجائے تحریک کا آغاز کر دینا چاہئے' لیکن یہ تحریک کسی وقتی ایشو پر نہ اٹھائی جائے بلکہ اس کے لئے کسی دینی مسئلہ ہی کو بنیاد بنایا جائے۔ مثال کے طور پر سودی نظام کے خلاف تحریک منظم کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک خالص دینی مسئلہ ہے۔ اسی طرح بے پردگی اور فحاشی و عریانی کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ کسی وقتی قومی یا سیاسی مسئلے کی بجائے خالص دینی مسئلہ پر اگر تحریک منظم کی جائے تو ان شاء اللہ ایسی تحریک کا تنظیم اسلامی بھی بھرپور ساتھ دے گی۔

اصل غور طلب بات یہ ہے کہ آخر کیمپ ڈیوڈ اور اوسلو طرز کے معاہدوں پر ہم کیوں مجبور ہوئے ہیں؟ کیا مصری قوم بزدل تھی؟ کیا جمال عبدالناصر ہی وہ شخص نہیں تھا جس نے انگریزوں کو بحیرۂ روم میں اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ اسرائیل کے ساتھ ۶۷ء کی جنگ بھی مصر ہی نے شروع کی تھی۔ اگرچہ اس جنگ میں مصر کو شرمناک ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا' لیکن اس ہزیمت اور شکست کے بدنما داغ کو مصریوں نے ۷۳ء کی جنگ رمضان میں اپنی پیشانی سے دھو دیا۔ امریکہ اسرائیل کی مدد کے لئے براہِ راست نہ کود پڑتا تو مصر اسرائیل کا تیا پانچہ کر دیتا۔ اسی طرح کا معاملہ پی ایل او کی تحریک کا ہے۔ مردوں کے ساتھ فلسطینی عورتیں بھی اس تحریک میں شریک رہیں۔ ایک وقت میں فلسطینی تحریک آزادی پوری دنیا کیلئے خوفناک دہشت کی علامت بن گئی تھی۔ لیکن ان عظیم قربانیوں کے باوجود انہیں پسپائی اختیار کر کے کیوں "سجدہ سہو" کرنا پڑا؟ ایسا کیوں ہوا؟ —— سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اللہ اور اس کے دین سے

وفاداری کا اظہار کر کے اپنا قبلہ درست نہیں کیا۔ بلکہ کسی نے اپنا قبلہ و کعبہ واشنگٹن کو بنایا تو کسی نے اپنا ملجاو ماویٰ ماسکو کو بنالیا۔ لیکن اگر ہم نے اللہ، رسول ﷺ اور اسلام کے ساتھ وفاداری کا رشتہ استوار کیا ہوتا تو پھر ہمیں لازماً اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○ ﴾

(محمد ۷)

"اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ (یقینی طور پر) تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا"

مگر ہم نے اس فرمانِ خداوندی پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اللہ کی نافرمانی اور بغاوت کا راستہ اختیار کرلیا۔ تمام مسلمان ممالک نے اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کا قرب حاصل کرنے کیلئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر رکھی ہیں۔ ہم نے اجتماعی سطح پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو نافذ نہیں کیا اور نہ ہی ہمارے معاشرے میں اسلامی تہذیب کا کہیں وجود نظر آتا ہے۔ ہمارے بالادست اور اونچے طبقات کی عظیم اکثریت آج بھی اُسی مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے جس میں ہندو سکھ اور عیسائی رنگے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ہمارے معاشرے میں اور ہندو معاشرے میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ تہذیب وہی ہے 'تمدن وہی ہے' اقدار وہی ہیں' سوچ کا انداز وہی ہے ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

سورۃ الحج میں فرمایا گیا :

﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ﴾ (آیت ۴۰)

"اللہ لازماً ایسے لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے (یعنی اس کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں گے) اللہ تو قوی اور زبردست ہے"۔

اللہ تعالیٰ جس قوم کی تائید اور پشت پناہی پر آجائے پھر ایسی قوم کو کون شکست دے سکتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا :

﴿ اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ ۗ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (آیت ۱۶۰)

"(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر اس کے سوا کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے۔ اور اہل ایمان کو تو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے"۔

یہ تمام آیات ہمیں بتا رہی ہیں کہ آج اللہ کی مدد ہماری پشت پر نہیں ہے اور دین کے ساتھ غداری کی پاداش میں ہم اسی طرح ذلت و مسکنت کے عذابِ الٰہی سے دوچار ہیں جس طرح ہم سے پہلے بنی اسرائیل ذلت و مسکنت کے اس عذابِ خداوندی میں گرفتار رہے ہیں۔ ہم بحیثیت قوم کم ہمتی اور بزدلی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ سیدھی سی بات کہ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے اور ہر اصول اور قانون کے تحت کشمیر پاکستان کا حصہ ہے' تو پھر ہمیں اپنا یہ جائز حق لینے اور اپنی شہ رگ کو دشمن کے قبضہ سے چھڑانے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانی چاہئے تھی۔ اس میں کسی مصلحت کا مظاہرہ کرنا صریح بزدلی نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم نے ۶۵ء میں جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا' جب ہم نے اپنے تربیت یافتہ کمانڈوز کشمیر میں داخل کر دیئے تھے۔ جواب میں ہم پر ۶۵ء کی جنگ مسلط کی گئی تھی۔ چونکہ اس وقت کشمیر میں حالات سازگار نہیں تھے' اس لئے ہم اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ اس کے بعد سے پاکستان پورے طور پر امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن چکا ہے اور امریکہ وہ دھوکہ باز اور منافق ملک ہے جس نے ہمیں ہر موقع پر دھوکہ دیا۔ ۷۱ء کی ذلت آمیز شکست کے داغ دھونے سے ہم ابھی تک قاصر ہیں۔ ۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ تو جو ہوا' سو ہوا۔ اُس وقت مغربی پاکستان کا بچ جانا بھی غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت کے امریکی صدر نکسن کے دل میں اللہ نے نیکی ڈالی کہ اس نے ہاٹ لائن پر روسی وزیراعظم کوسیجن سے بات کی اور اس نے اندرا گاندھی کو یکطرفہ جنگ بندی کا حکم دیا۔ بہرحال ۷۱ء کی شرمناک شکست کا داغ ابھی تک ہماری پیشانی پر موجود ہے۔ دوسری جانب کشمیری مسلمانوں کا خون بھی بہہ رہا ہے' مسلمان خواتین کی عصمتیں لٹ رہی ہیں اور مسلمانوں کی بستیاں جلائی جا رہی ہیں مگر پاکستان میں یہ حوصلہ اور جرأت نہیں

ہے کہ وہ بھارت سے یہ کہہ سکے کہ کشمیر میں ظلم و ستم کا بازار اب بند کر دو' ہم کشمیریوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو مزید برداشت نہیں کر سکتے! ہم میں یہ جرأتِ رندانہ موجود نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں بھی ہم قومی سطح پر اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی اور دھوکہ بازی کا معاملہ کر رہے ہیں۔ ہم دنیا کی وہ واحد مسلمان قوم ہیں جنہوں نے آزادی کی تحریک میں اسلام کا نام لیا تھا' اللہ تعالیٰ سے دین کے نفاذ کا وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت اور مساوات پر مبنی نظام کو نافذ کر کے اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ قومی سطح پر اس وعدۂ الٰہی کی خلاف ورزی کے جرم میں نفاق کا مرض ہم پر مسلط کر دیا گیا۔ اسی نفاق کی ایک شکل "نفاق باہمی" ہے کہ ایک قوم اب کئی قومیتوں میں منقسم اور تحلیل ہو چکی ہے۔ نفاق کی ایک اور قسم اخلاق و کردار کی سطح پر ہمارے اندر پیوست ہو چکی ہے۔ چنانچہ جھوٹ' وعدہ خلافی' خیانت اور غبن جیسی برائیاں ہمارا قومی کلچر بن چکی ہیں۔ ہماری اس منافقت کا ایک بڑا مظہر ملک کا دستور بھی ہے۔ مدینہ کے منافق بھی زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرتے تھے' اللہ اور رسولؐ سے وفاداری کا دم بھرتے تھے مگر ان کے دل ایمان اور یقین کی دولت سے خالی تھے۔ اسی طرح ہم نے دستور میں اللہ کی حاکمیت طے تو کر دی ہے لیکن اسے غیر مؤثر کرنے والی دفعات بھی دستور میں داخل کر رکھی ہیں۔ قومی سطح پر اس منافقت اور دھوکہ بازی کی سزا ذلت اور بزدلی کی صورت میں ہم بحیثیت قوم بھگت رہے ہیں۔ اس ذلت و بزدلی کا علاج محض احتجاجی مظاہروں اور چیخ و پکار سے نہیں ہو گا۔ لتا منگیشکر بھی آئیں گی' کرکٹ اور ہاکی ٹیموں کے دو طرفہ دورے بھی ہوں گے' واجپائی بھی آئیں گے' آپ کس کس معاملے میں احتجاج کریں گے کہ یہاں تو "تن ہمہ داغ داغ شد' پنبہ کجا کجا نہم" والا معاملہ ہے۔

مصر کے بعد اب پاکستان کیوں کیمپ ڈیوڈ طرز کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کا سبب میری گفتگو میں سامنے آ چکا ہے۔ پوری قوم اس کی ذمہ دار ہے' ہم کسی ایک شخص کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ میاں نواز شریف محب وطن ہیں' وہ پاکستان کے دشمن نہیں۔ بے نظیر کو تو بہت سے لوگوں نے ملک کیلئے سیکورٹی رِسک قرار دیا تھا مگر نواز شریف

کے بارے میں ایسا تاثر موجود نہیں ہے۔ نواز شریف ایک سیاستدان کی حیثیت سے موجودالوقت حالات میں ممکن العمل حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں۔ میں محب وطن حلقوں اور مذہبی حلقوں کی عمومی رائے سے مختلف بلکہ مخالف رائے کا اظہار کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک اس وقت کی معروضی صورتحال میں کشمیر کے مسئلہ کا حل اسی طریقے سے ہو گا جس پر موجودہ حکومت عمل پیرا ہے' اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔ بھارت سے کشمیر کو بزورِ شمشیر حاصل کرنے کی ہم میں ہمت ہی نہیں۔ اسی طرح اگر یہ کسی کا خیال ہے کہ بھارت کی حکومت یا قیادت کشمیر کو طشتری میں رکھ کر ہمارے سامنے پیش کر دے گی تو اس کو اپنی عقل کا ماتم کرنا چاہئے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ بھارت ہمیشہ سے کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھتا ہے۔ چنانچہ ۶۵ء میں کشمیر میں مداخلت کو بھارت نے اپنے اوپر حملہ تصور کیا تھا۔ اسی طرح امریکہ بھی' جو ہمارے حکمرانوں کا مربی' ملجا و ماویٰ اور قبلہ و کعبہ ہے' ہماری ہر طرح کی منت سماجت کو ٹھکرا کر ثالثی کا کردار ادا کرنے سے معذوری کا اظہار کر رہا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے امریکی صدر پر وزیر اعظم نواز شریف نے کئی مرتبہ زور دیا مگر بھارت چونکہ امریکہ کو ثالث بنانے پر آمادہ نہیں ہے لہٰذا نواز شریف کو امریکہ نے صاف جواب دے دیا۔ جہاں تک اقوام متحدہ کے ذریعے مسئلہ کشمیر کو حل کرانے کا تعلق ہے' میرے نزدیک یہ سب سے خطرناک راستہ ہے۔ اس لئے کہ اگر اقوام متحدہ کی منظور کردہ قراردادوں کے مطابق کشمیر میں استصوابِ رائے کرایا گیا تو پاکستان کو آزاد کشمیر' گلگت' چترال اور بلتستان کے شمالی علاقہ جات بھی خالی کر کے اقوامِ متحدہ کے حوالے کرنا پڑیں گے' جبکہ دوسری طرف بھارت کو حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنے زیر قبضہ کشمیر میں کچھ نہ کچھ افواج رکھ سکے گا۔ اس طرح کشمیر اقوام متحدہ کی تحویل میں آ جائے گا۔ کشمیر پر پاکستان اور بھارت کی باہمی لڑائی سے سارا فائدہ امریکی بندر کو پہنچ جائے گا اور بلیوں کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ یوں کشمیر کی شکل میں ایک الگ ریاست قائم ہو گی جو بین الاقوامی سازشوں کا مرکز و محور بن جائے گی۔ اس سے گویا ایشیا کے وسط میں ایک نئے اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ کشمیر کی ریاست کی شکل میں ایک آزاد و خود مختار ریاست کے قیام سے دنیا کی واحد اور سپریم طاقت امریکہ کو یہ سہولت حاصل ہو

گی کہ وہ "دنیا کی چھت" پر بیٹھ کر پاکستان' بھارت' چین اور ترکستانی ریاستوں پر ہر وقت نظر رکھ سکے گا۔ گویا کشمیر کی علیحدہ اور خود مختار ریاست اگر قائم ہو گئی تو اسے امریکی اڈے کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ اس تناظر میں میری رائے میں بہترین راستہ وہی ہے جسے نواز شریف حکومت نے اختیار کیا ہے کہ مسئلہ کشمیر کو دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے۔ ویسے بھی شملہ معاہدہ کی رو سے پاکستان اس بات کا پابند بھی ہے۔ اس طرح کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی اپنا کر ہی یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے دو طرفہ مذاکرات سے پہلے دونوں ممالک میں مفاہمت و مصالحت اور تجارت ذ آمد و رفت کے شعبہ میں پیش رفت ضروری ہے۔ اس کے بغیر بھارتی رائے عامہ کو متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ بھارت کی حکومت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو' اپنے ملک کی رائے عامہ کو نظر انداز کر کے مسئلہ کشمیر حل نہیں کر سکتی۔ اس لئے میں دو ٹوک انداز میں کہہ رہا ہوں کہ ہمیں ہندو بنئے کو باہمی تجارت کی بحالی کے ذریعے کچھ نہ کچھ رشوت لازماً دینا ہو گی' شاید کہ ہندو بنیا اپنا فائدہ دیکھ کر کشمیر کے مسئلہ پر لچک کا مظاہرہ کر دے!

میرے نزدیک مثالی اور آئیڈیل صورتحال تو یہی ہے کہ مسئلہ کشمیر کو ہندوستان کی تقسیم کے نامکمل ایجنڈے کی حیثیت سے حل کیا جائے۔ یعنی کشمیر کا مسلم اکثریتی علاقہ پاکستان کے ساتھ اور ہندو اکثریتی علاقہ بھارت کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ وادی کی حد تک ریفرنڈم بھی کرایا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر مقبوضہ وادی کے لوگوں کو تھرڈ آپشن کا اختیار بھی دے دیا جائے تو اس میں بھی قطعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی مسئلۂ کشمیر کا بہترین حل اور قابل عمل راستہ ہے۔ پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے پاکستان کے معمار' بانی اور مؤسس قائداعظم کی ایک رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ قائداعظم سے جب پوچھا گیا کہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستان اور بھارت کے باہمی تعلقات کیسے ہوں گے تو قائداعظم نے فرمایا تھا کہ دونوں ممالک کے تعلقات بالکل ایسے ہی ہوں گے جیسے امریکہ اور کینیڈا کے درمیان موجود ہیں۔

یہ تمام زمینی حقائق اپنی جگہ ہیں' لیکن اس سب کے باوجود میری پختہ رائے یہ ہے کہ بحالاتِ موجودہ بھارت سے مفاہمت' مصالحت اور دوستانہ تعلقات میں پیش رفت' ثقافتی

و تجارتی سطح پر تعلقات کا قیام اور خیر سگالی کے مظاہرے پاکستان کیلئے قومی سطح پر خودکشی کے مترادف ہیں۔ وہ اس لئے کہ ہم نے پاکستان کے اسلامی تشخص کو مضبوط اور مستحکم نہیں کیا اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو قائم کرنے کی بجائے اُس سرمایہ دارانہ سیکولر نظام کو اختیار کرنے کو ترجیح دی جو ساری دنیا میں مروج ہے۔ اس صورتحال میں چونکہ پاکستان کی نسبت بھارت سیکولر اقدار کی حامل عالمی تہذیب و ثقافت سے زیادہ ہم آہنگ ہے' لہٰذا بھارت سے مفاہمت اور تجارتی و ثقافتی میدان میں تعلقات اگر بحال کر لئے گئے تو پھر چند سال کے اندر اندر پاکستان عملاً بھارت میں مدغم ہو جائے گا۔

نصف صدی کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی آج ہمارے ملک میں جاگیرداری اور سود پر مبنی استحصالی اور ظالمانہ نظام مسلط ہے۔ اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کیلئے پاکستان کے حصول کی خواہش کی پشت پر ایک احیائی جذبہ کارفرما تھا جسے یکسر نظرانداز کر کے ہم نے بحیثیت قوم اللہ سے کئے گئے وعدہ سے انحراف اور اس کے دین سے بے وفائی کا ارتکاب کیا ہے۔ قیام پاکستان کا دوسرا محرک ہندو کا خوف اور دشمنی کا جذبہ تھا۔ قیام پاکستان کا یہ اہم محرک آج ہماری نوجوان نسل کے سامنے نہیں ہے۔ وہ بزرگ نسل جو ہندو ذہنیت کو جاننے اور پہچاننے والی تھی اس کی اکثریت اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ دوسری جانب بھارتی ریڈیو' ٹیلی ویژن' ثقافتی طائفے اور دانشور اور فنکار ہر طرف "محبت" کے گیت گاتے نظر آتے ہیں اور بظاہر محسوس ہو رہا ہے کہ بھارتی عوام بقول جگر ہمارے لئے ؏ "جگر وہ تو سرتاپا محبت ہی محبت ہیں" کا مصداق بن چکے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ پاکستان میں بھی وہی سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے جو ہندوستان میں مروج ہے۔ کاروبار کے طور طریقے بھی ایک جیسے ہیں' سودی نظام بھارت میں بھی رائج ہے اور پاکستان میں بھی۔ بلکہ ایک اعتبار سے بھارت نے پاکستان کے مقابلے میں کافی بڑی پیش رفت کی ہے کہ اس نے آزادی کے بعد جاگیرداری نظام کا ہمیشہ کیلئے قلع قمع کر دیا مگر پاکستان پر ابھی تک یہی طبقہ مسلط ہے۔ اسی طرح سیکولر پارلیمانی نظام جو بھارت میں قائم ہے وہی نظام پاکستان نے بھی اپنا رکھا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے اعلیٰ طبقات کا رہن سہن' تہذیب و تمدن اور سماجی اقدار وہی ہیں جو ہندوؤں کے اعلیٰ طبقات کی ہیں۔ بے حیائی اور عریانی جیسی کچھ

بھارت میں ہے' وہی نقشہ آپ کو پاکستان میں بھی نظر آتا ہے۔ ان حالات میں اگر پاکستان نے بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات اور روابط کے فلڈ گیٹ کھول دیئے تو پاکستان کا نظریاتی تشخص دم توڑ جائے گا۔ اس لئے کہ سونیا گاندھی کے بقول بھارت ثقافتی میدان میں پہلے ہی پاکستان کو فتح کر چکا ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بھارتی جنتا پارٹی ' راشٹریہ سیوک سنگھ (R.S.S) کا سیاسی ونگ ہے۔ اس جماعت کے اعلانیہ مقاصد میں برصغیر سے (معاذ اللہ) اسلام کے "ناپاک" وجود کا خاتمہ اور اکھنڈ بھارت کا قیام شامل ہے۔ گو اس وقت سیاسی مصلحت کے تحت پاکستان کو میٹھا زہر دیا جا رہا ہے۔ بھارتی وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی کی طرف سے پاک بھارت کنفیڈریشن کی تجویز بھی اسی ذہن کی عکاسی ہے۔ اس سے شدید اندیشہ ہے کہ پاکستان جو احیائے اسلام کے عظیم تر مقصد کیلئے قائم ہوا تھا' اپنا تشخص کھو دے گا اور احیائے اسلام کا یہ خواب دم توڑ جائے۔ اس صورتحال پر قرآن مجید کی یہ آیات پوری طرح صادق آتی ہیں کہ

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾

"اے نبی انہیں اس شخص کا قصہ سنایئے جسے آیاتِ الٰہی سے نوازا گیا تھا مگر وہ ان سے بھاگ نکلا' اگر ہم چاہتے تو اسے اور سربلندی کا مقام عطا فرماتے مگر وہ اپنی خواہش کی پیروی میں پستی کی طرف دھنستا چلا گیا..."

اللہ فرماتا ہے کہ یہ کسی ایک آدمی کی مثال نہیں بلکہ : ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴿ "یہ مثال اس قوم کی ہے جو آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرے"۔ اس وقت ہم یہی کچھ تو کر رہے ہیں۔ مگر میرا دل یہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہو گا' کوئی معجزہ رونما ہو گا اور پاکستان اپنے موجودہ طرزِ عمل کی بجائے اپنے اصل مقصد کی جانب لازماً پیش رفت کرے گا۔ چنانچہ حالات میں مثبت تبدیلی کا واحد راستہ ہے کہ میاں نواز شریف نفاذِ اسلام کے ضمن میں اپنے موجودہ طرزِ عمل پر نظرِثانی کرتے ہوئے اللہ کے حضور توبہ کریں اور دستور سے منافقت کے خاتمہ کیلئے بلا تاخیر قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دیں اور

ساتھ ہی ساتھ سودی نظام کا بھی خاتمہ کریں۔ ان دو اقدامات کے نتیجے میں ہمیں اللہ کی نصرت و حمایت حاصل ہو جائے گی۔ ملک کی دینی جماعتیں پاور پالیٹکس کی سیاست سے توبہ کر کے نفاذ اسلام کے عظیم تر نصب العین کیلئے متحدہ اسلامی محاذ قائم کر کے نظام کی تبدیلی کی تحریک منظم کریں۔ جماعت اسلامی وقتی مسائل پر جماعت کے مخلص کارکنوں کے مالی وسائل اور توانائیاں صرف کرنے کی بجائے سودی نظام کے خاتمے کو "ایشو" بنا کر تحریک منظم کرے تو اس میں تنظیم اسلامی بھی جماعت اسلامی کے شانہ بشانہ ہو گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○○

سلسلۂ تقاریر ـــــ منہج انقلابِ نبوی ؐ ـــــ خطاب نہم (۲)

اندرونِ عرب انقلاب کے تکمیلی مراحل

پر نگاہِ بازگشت ـــــ اور

مخالف قوتوں کا آخری قلع قمع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

فتح مکہ کے بعد پہلا حج (۸ھ)

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کا تدبر ملاحظہ کیجئے۔ اگرچہ آپؐ کو یہ پہلے سے اندازہ تھا کہ قریش میں بالکل دم خم نہیں ہے کہ وہ اسلامی فوج کا مقابلہ کر سکیں‘ ان کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا کوئی امکان ہی نہیں تھا‘ اسی وجہ سے آپؐ نے صلح کی تجدید سے اعراض فرمایا تھا ـــــ لیکن فتح مکہ کے بعد آپؐ نے ایسا نہیں کیا کہ وہاں کے پورے نظام کو یکسر بدل دیا ہو۔ اس کے بالکل برعکس آپؐ نے ان مختلف ذمہ داریوں کو جو قریش کے مختلف خاندانوں کے سربراہوں کی تحویل میں تھیں انہی کے سپرد رہنے دیا‘ قطع نظر اس سے کہ وہ ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ آپؐ نے وہاں کے انتظامی معاملات کو قطعاً نہیں چھیڑا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اپنا کوئی امیرِ حج تک مقرر نہیں کیا کہ اب اس کی سرکردگی میں حج ہو گا‘ حالانکہ دو ماہ بعد حج ہونے والا تھا۔ بلکہ آپؐ نے نہایت نرم روش اختیار کی اور فتح مکہ کے بعد ذوالحجہ ۸ھ میں جو پہلا حج آیا وہ حسب سابق مشرکین ہی کے زیر انتظام و انصرام ہوا ـــــ صرف اس فرق کے ساتھ کہ مشرکین اپنے طریقے سے حج کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اُمتی

موحّدین اسلامی طریق پر حج کر رہے تھے۔

دوسرا حج (۹ھ)

فتح مکہ کے دوسرے سال ۹ھ میں جب حج کا موقع آیا تو اس میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی شرکت کی اجازت تو برقرار رکھی کہ وہ بھی حج کریں اور مسلمان بھی حج کریں' لیکن حج کے جملہ انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ حضور ﷺ حج کے لئے خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج بنا کر ان کے ہمراہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک قافلہ حج کے لئے بھیج دیا۔

مشرکینِ عرب کو آخری تنبیہہ

حج کے لئے قافلہ روانہ ہو چکا تھا کہ چند دنوں بعد ہی سورۃ التوبہ کی پہلی چھ آیات نازل ہوئیں' جو دراصل اندرون عرب انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل کے اعلان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ درحقیقت جزیرہ نمائے عرب میں شرک کے قطعی اور مکمل قلع قمع کا آخری اقدام یہی ہے جو ان آیات میں بیان ہوا۔

سورۂ توبہ کے ساتھ بسم اللہ کا نہ ہونا

یہ بات تو ہر وہ شخص جانتا ہے جو قرآن مجید سے ادنیٰ شغف اور تعلق بھی رکھتا ہو کہ سورۃ التوبہ سے پہلے آیۂ بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے۔ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے یہ واحد سورت ہے کہ جس کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ —— مختلف لوگوں نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں —— اصل وجہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس سورۃ کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھوائی۔ اس کے سوا کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ دلیل تو صرف حضورؐ کا فرمان ہے۔ لیکن اس دلیل کی حکمت معلوم کرنے کے لئے' اس کی توجیہہ میں مختلف آراء ہو سکتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ تلوار

ہاتھ میں لے کر نازل ہوئی ہے' یہ مُخْزِیَۃ ہے' یہ مُشَرِّدَۃ ہے' یہ مُفْضِحَۃ ہے۔ یہ تو مشرکین کو فضیحت کرنے والی ہے۔ یہ ان کے لئے دنیاو آخرت کی رسوائی کا اعلان کرنے والی ہے' یہ ان کے آخری استیصال اور بیخ کنی کا فرمان (Extermination Proclamation) لے کر آئی ہے۔ لہٰذا اس کے آغاز میں بسم اللہ کیسے لکھی جائے' جس میں اللہ تعالیٰ کے دو عظیم ترین اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے دو اَرفع صفات یعنی رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر ہے۔ آیتِ بسم اللہ تو رحمتِ الٰہی کا بہت عظیم خزانہ ہے' جبکہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب اور انتقامی شان ظاہر ہو رہی ہے ـــــ لہٰذا یہ واحد سورۂ مبارکہ ہے' جس کے آغاز میں آیت بسم اللہ نہیں ہے۔

سورۂ توبہ کی ابتدائی چھ آیات کے مطالب و مفاہیم

سورۃ التوبہ کی پہلی آیت ہے :

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

"اعلانِ براءت ہے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے ان سب مشرکین کے لئے جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کئے تھے"۔

اس کی شرح بعد میں آئی ہے کہ جن مشرکین نے معاہدہ کی شرائط اپنی طرف سے پوری کی ہیں تم بھی اپنی طرف سے ان شرائط کو پورا کرو' لیکن اُس مدت تک جس کے لئے معاہدہ ہوا ہے ـــــ اب کسی مشرک قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کی تجدید (Renewal) نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اب انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل کا مرحلہ آگیا ہے۔ آگے فرمایا :

﴿ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

"پس (اے مشرکو!) تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے مزید چل پھر لو' اور

جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' اور یہ کہ اللہ منکرین حق کو رُسوا کرنے والا ہے"۔

چونکہ یہ اَشہرِ حُرم ہیں' ان میں خونریزی ممنوع ہے' لہٰذا تمہیں چار مہینوں کی مہلت ہے۔ لیکن یہ جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور تم وہ صورت دیکھ چکے ہو کہ ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ کے مصداق باطل تو اب زائل ہو چکا ہے' اس کے لئے اب زوال مقدر ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رُسوا اور ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ اور تکمیل کا اعلان تیسری آیت میں ہے : ﴿ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ... ﴾ "یہ اعلانِ عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام نوعِ انسانی کی طرف حج اکبر کے دن...."

"حج اکبر" کی صحیح نوعیت : "حج اکبر" کے متعلق ہمارے یہاں ایک غلط تصور ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے کہ حج اگر جمعہ کے روز ہو تو وہ "حج اکبر" ہوتا ہے۔ یہ بالکل بے بنیاد اور غلط تصور ہے۔ حج اکبر درحقیقت حج ہی کو کہتے ہیں۔ عرب میں اسلام سے پہلے عمرہ کو "حج اصغر" کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اس میں قیامِ منیٰ' وقوفِ عرفات' رمی جمرات اور قربانی کو چھوڑ کر دوسرے مناسک جو خالصتاً بیت اللہ سے متعلق ہیں' جیسے احرام' طوافِ قدوم' سعی بین الصفا والمروہ اور طوافِ وداع شامل ہیں۔ چنانچہ عمرہ حج اصغر ہے اور ۹ ذی الحجہ کو وقوفِ عرفات حج اکبر ہے۔ وقوفِ عرفہ کا جمعہ کے دن آ جانا کوئی خصوصی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن غلط العام کے طور پر یہ بات پھیل گئی ہے کہ وقوفِ عرفہ کا جمعہ کے دن آنا حج اکبر ہے۔

براءت کا اعلانِ عام : فرمایا :

﴿ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ اِلاَّ الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْآ اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾

"اعلانِ عام ہے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے لوگوں کے لئے حج اکبر کے دن کہ اللہ اور اس کا رسول ؐ مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ اب اگر تم توبہ کرو (یعنی اسلام قبول کرلو) تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے" "اور (اے مشرکو!) اب بھی اگر تم نے روگردانی کی تو اچھی طرح جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے"۔ اور (اے نبی ؐ) ان کافروں کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔ سوائے ان مشرکین کے جن سے تمہارے معاہدے ہیں' پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا' تو ایسے لوگوں کے ساتھ جو تمہارا معاہدہ ہے تم اسے مدتِ معاہدہ تک وفا کرو۔ بے شک اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے"۔

عذابِ استیصال والی آیت : اب پانچویں آیت وہ ہے جو مشرکینِ عرب کے لئے عذابِ استیصال کا اعلان کرنے والی سخت ترین آیت ہے۔ اس سے زیادہ سخت کوئی آیت قرآن مجید میں نہیں ہے ـــــ اور اس سورۂ مبارکہ کی یہی آیت ہے جس میں تلوار ہاتھ میں لے کر اُترنے والی شان نمایاں نظر آتی ہے۔ فرمایا :

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾

"پس جب حرمت والے یہ مہینے ختم ہو جائیں تو قتل کرو ان مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ اور ان کو پکڑو' ان کا محاصرہ کرو اور ان کی خوب خبر لینے کے لئے ہر

گھات میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں (یعنی ایمان لائیں) اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔"

یہ آیت عام نہیں ہے۔ یعنی یہ دنیا کے تمام مشرکوں کے لئے نہیں ہے' بلکہ یہ صرف جزیرہ نمائے عرب کے اُن مشرکین کے لئے ہے جو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں وہاں آباد تھے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ ان ہی میں سے تھے۔ ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا اور ان پر آخری درجہ میں اتمامِ حجت ہو چکا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ اب بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ بالکل وہی قانون ہے کہ جس قانون کے تحت قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قوم صالحؑ اور قومِ لوطؑ کو ہلاک کر دیا گیا۔ یعنی جس قوم کی طرف تعین کے ساتھ رسول کو بھیج دیا جائے اور رسول دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے اپنی قوم پر اتمامِ حجت کر دے لیکن قوم اس کی بات کو نہ مانے تو وہ قوم کسی رعایت کی مستحق نہیں رہتی اور اسے اس دنیا میں نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ کسی عام داعی کی بات نہیں ہے' یہ رسول کی بات ہے۔ رسول تو اللہ تعالیٰ کی برہان بن کر مبعوث ہوتا ہے' وہ اللہ کی طرف سے بینات لے کر آتا ہے' اللہ کے حکم سے معجزات دکھاتا ہے' اس پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے کہ جس سے بڑی کوئی برہان اور کوئی بینہ ممکن نہیں ہے۔ اب ان تمام باتوں کے بعد بھی لوگ ایمان نہ لائیں تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ کا وہ غیر مبدل قانون ہے جس کے تحت پوری کی پوری قومیں ہلاک کر دی گئیں اور نقشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ ﴿ لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰکِنُھُمۡ ﴾ یعنی قوم ختم ہو گئی' مسکن رہ گئے' کھنڈرات رہ گئے۔ مکان نظر آرہے ہیں' مکین نظر نہیں آرہے۔ مختلف قوموں پر عذابِ استیصال مختلف صورتوں میں آیا ہے۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ ایک عالمگیر نوعیت کا سیلاب لا کر پوری کی پوری قوم کو غرق کر دیا گیا' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ قوم کے چیدہ چیدہ لوگوں کو نکال کر سمندر میں غرق کر دیا گیا' جیسے آلِ فرعون کے ساتھ

ہوا۔ کہیں ایسا ہوا کہ منکرین کی بستیوں ہی میں عذاب آیا۔ کہیں زلزلہ آگیا' کہیں پتھراؤ کیا گیا' کہیں طوفان بادوباراں آگیا' کہیں بستیوں کو اٹھا کر پلٹ دیا گیا۔ کہیں ایسی چنگھاڑ اور گرج بھیج دی گئی کہ جس کو سن کر پوری کی پوری بستی ختم ہو گئی ـــــ تو عذابِ استیصال کی یہ مختلف صورتیں رہی ہیں۔

حضور ﷺ کی دو بعثتیں : درحقیقت حضور ﷺ کی بعثتیں دو ہیں۔ ایک بعثتِ خصوصی' اہلِ عرب یعنی بنی اسمٰعیل کی طرف ہے' جن میں سے نبی اکرم ﷺ خود تھے۔ جن کی زبان میں حضورؐ پر اللہ کا کلام نازل ہوا۔ دوسری بعثتِ عمومی ہے "اِلٰی کَافَّۃً لِلنَّاسِ" یعنی پوری نوعِ انسانی کی طرف۔ وہ اس وقت موضوعِ بحث نہیں ـــــ البتہ جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی تھی تو ان پر دعوت و تبلیغ' وعظ و نصیحت' انذار و تبشیر' تذکیر و موعظت کے ذریعہ سے حضور ﷺ رسالت کی تمام ذمہ داریاں بنفسِ نفیس ادا فرما چکے تھے۔ اس طرح ان پر اتمامِ حجت کیا جا چکا تھا' لہٰذا ان کے لئے اب رعایت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ ان پر اللہ کا جو عذاب آیا اس کی پہلی قسط غزوۂ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی' جہاں ان کے بڑے بڑے سردار کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی مانند پڑے ہوئے تھے۔ انہی میں ابوجہل تھا' عتبہ بن ابی معیط تھا' انہی میں عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی اور بیٹا بھی تھے۔ الغرض ان کے اکثر نامی گرامی سردار اس غزوہ میں کھیت رہے تھے۔ انہی میں نضر بن حارث بھی تھا جو پکڑا گیا تھا اور بعد میں حضورؐ نے اسے قتل کرایا تھا۔ پھر مختلف غزوات میں بہت سے صنادید مشرکین بتدریج اس دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہو کر واصلِ جہنم ہوتے رہے۔

مکمل قلع قمع کا مرحلہ : سورۃ التوبہ کی ابتدائی چھ آیات میں درحقیقت عرب سے شرک کے مکمل خاتمہ اور قلع قمع (Mopping up Operation) کا اعلانِ عام ہے کہ اب اہلِ عرب میں سے مشرکین کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے' اب ان سے کوئی نئی صلح نہیں ہو گی۔ صلح کے جو معاہدے پہلے ہو چکے ہیں ان میں سے کسی کی بھی مدت

ختم ہو جانے کے بعد آئندہ تجدید نہیں ہو گی۔ کسی نے صلح توڑ دی' معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو وہ اسی وقت ختم اور کالعدم ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ چار مہینے گزرنے کے بعد پورے عرب میں مشرکین کا قتل عام شروع ہو جائے گا' کسی کی کوئی رُو رعایت نہیں کی جائے گی' کسی کی جان بخشی نہیں کی جائے گی' سوائے اس کے جو ایمان لے آئے۔ دل کا حال اللہ جانتا ہے' اس کا حساب وہ عزّوجلّ خود لے گا ـــــ یہاں اسے اپنے ایمان کا اقرار و اعلان کرنا ہو گا' کلمۂ شہادت ادا کرنا ہو گا' نماز قائم کرنی ہو گی' زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی۔ جو بھی ان شرائط کو پورا کر دے گا اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا یعنی جو لوگ نظامِ اسلام کو قبول کر لیں اور مسلم ہو جائیں' ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ رہا یہ معاملہ کہ ان کے دلوں میں ایمان داخل ہوا یا نہیں' اس کا فیصلہ اللہ کرے گا۔ کیونکہ دلوں کا حال اُسی "عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" کو معلوم ہے۔ چنانچہ اسی مضمون پر مشتمل رسول اللہ ﷺ کی بڑی پیاری حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ ھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))

"مجھے (اللہ کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں حتیٰ کہ وہ لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پس جب وہ یہ (کام) کریں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اپنے اموال بچالیں گے' سوائے اس کے کہ کوئی اسلام کے قانون کی زد میں آ جائے (باقی رہا) ان کا حساب تو وہ اللہ کے ذمے ہے۔"

معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ کی جان بخشی کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں تھی کہ وہ کلمۂ شہادت ادا کریں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

قتلِ عام کی نوبت نہیں آئی : ان چار مہینوں کے اختتام پر مشرکینِ عرب میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اسلام نہ لے آیا ہو۔ گنتی کے چند افراد کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ آخر وقت تک کفر پر قائم رہے' لیکن ایسے لوگ معیّن وقت ختم ہونے سے پہلے ہی سرزمینِ عرب کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ چنانچہ کوئی حبشہ چلا گیا اور کسی نے شام یا مصر میں پناہ لی ـــــ بہرحال خونریزی کا مرحلہ نہیں آیا۔ لیکن اصل میں اس اعلان کی حیثیت جزیرہ نمائے عرب سے کفر و شرک کے استیصال (Mopping up Operation) کی ہے کہ اگر اہلِ عرب بنی اسمٰعیل میں سے کوئی بھی انکار کرتا تو اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جاتی۔ البتہ دوسرے غیر عرب کفار کا معاملہ دوسرا ہے۔

نظم کی اہمیت کا ایک اہم واقعہ

سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات کے نازل ہونے سے پہلے حج کے لئے قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج مقرر فرمایا تھا۔ اب ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ فرمایا اور آنجنابؓ کو یہ ذمہ داری سپرد کی کہ حج کے موقع پر جبکہ میدانِ عرفات میں پورے عرب کے کونے کونے سے آئے ہوئے لوگ جمع ہوں گے' جن میں مشرکین بھی ہوں گے تو اس مجمع میں یہ آیات میرے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے کھڑے ہو کر سنا دینا تاکہ تمام اہلِ عرب کو معلوم ہو جائے کہ اشہرِ حرم کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مشرکینِ عرب سے کیا معاملہ ہو گا!

یہ چھ آیات اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داری لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے اور راستہ ہی میں قافلۂ حج کو جا لیا۔ جب وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلام و دعا کے بعد دریافت فرمایا : "اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟" یعنی یہ بات واضح کر دیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امیر بنا کر

بھیجا ہے یا مامور بنا کر؟ ـــــ کسی اسلامی جماعت میں کسی بھی فرد کے لئے دو ہی صورتیں ممکن ہیں' یا تو وہ خود صاحب امر یعنی امیر ہو گا' بصورت دیگر کسی امیر کے تابع یعنی مامور ہو گا ـــــ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟ ـــــ یعنی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے آپ کو امیر بنا دیا ہو' تو آیئے چارج سنبھالئے' اپنی پوزیشن میں آیئے' تاکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں اب مامور ہوں اور میں آپ کا حکم سنوں اور مانوں۔ اور اگر دوسری صورت ہے کہ میں ہی امیر حج ہوں اور آپ مامور ہیں تو یہ پوزیشن بھی واضح ہو جانی چاہئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فوراً کہا : مَاْمُوْرٌ ـــــ یعنی میں امیر بن کر نہیں آیا میں مامور ہی ہوں' اس قافلہ حج کے امیر آپ ہی ہیں۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ذمہ یہ کام سپرد کیا ہے کہ آپؓ کی روانگی کے بعد جو چھ آیات نازل ہوئی ہیں ان کا اعلانِ عام حج کے مجمع میں رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کی حیثیت سے کر دوں۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی بحیثیت امیر قافلہ حضور ﷺ کی جانب سے اعلان فرما سکتے تھے تو یہ ذمہ داری خصوصیت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیوں کی گئی؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ کوئی اہم اور خاص اعلان کسی قبیلہ کے سردار کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی قریب ترین عزیز ہی کیا کرتا تھا جو اسی قبیلہ سے تعلق بھی رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں اس اعلان کی اہمیت مسلم ہوتی تھی۔ اگرچہ رشتہ داری کے اعتبار سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے خسر تھے' لیکن آپؓ بنو ہاشم میں سے نہیں تھے جبکہ ابھی تک قبائلی نظام بڑی حد تک باقی (Intact) تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ آپؐ کے قریب ترین عزیز بھی تھے اور قبیلہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا یہ ذمہ داری حضرت علیؓ کے سپرد کی گئی۔

ایک رعایت

اس کے بعد چھٹی آیت میں مشرکین کے لئے ایک رعایت کا ذکر ہے۔ فرمایا :

﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اور (اے نبیؐ) اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے' پھر اسے اس کے مامن یعنی مستقل قیام گاہ تک پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے"۔ یعنی ان کو اسلام کے پیغام کی پوری واقفیت نہیں ہے۔

آیتِ مبارکہ کے ترجمہ ہی سے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ تاہم مفہوم یہ ہے کہ مہلت کے چار مہینوں کے اندر کوئی مشرک دین کو جاننے اور سمجھنے کے لئے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دی جائے' اسے دین سمجھایا جائے۔ اگر اس کام میں چار ماہ کی مدت ختم ہو جائے اور وہ ایمان نہ لائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اس کی قیام گاہ تک پہنچا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر وہ جو فیصلہ کرے اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ ایمان لے آئے تو چھوڑ دیا جائے گا' ترکِ وطن کرنا چاہے تو راستہ نہیں روکا جائے گا۔ دونوں اختیارات میں سے کوئی بھی اس کے لئے قابل قبول نہ ہو تو اب وہ واجب القتل ہو گا۔

مشرکین کے لئے بیت اللہ میں داخلہ کی ممانعت

مشرکین کے لئے آئندہ حج کرنے اور بیت الحرام میں داخل ہونے کی ممانعت کا حکم پہلے نازل ہو چکا تھا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ... ﴾ (التوبہ : ۲۸)

"اے اہل ایمان' مشرکین ناپاک ہیں' لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں...."

بیت اللہ کی تطہیر اب مکمل ہو گئی۔ لہٰذا آئندہ مشرکین کو نہ حج کی ت ہو گی نہ وہ

حرم شریف میں داخل ہو سکیں گے۔

مَیں انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مرحلے کو Mopping up Operation سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ جب ہر نوع کی مزاحمت و رکاوٹ (Resistance) ختم کر کے اور آخری وارننگ دے کر جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کر دی گئی۔ اس بات کا اشارہ سورۃ المائدہ میں بھی ملتا ہے' جہاں فرمایا گیا :

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ (المائدہ : ۳)

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"

یہ وہ آیت مبارکہ ہے جس کے متعلق یہودی بڑی حسرت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ اگر اس مفہوم کی کوئی آیت ہمیں عطا ہو جاتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو اپنی سالانہ عید کے طور پر مناتے۔

سورۃ المائدہ کی یہ آیت نہایت اہم' عظیم اور مہتم بالشان مطالب و مفاہیم کی حامل ہے۔ کیونکہ اس آیت میں تکمیل دین کا اعلان ہے۔ یعنی نوع انسانی کو ایک ایسا مستقل اور بھرپور نظامِ زندگی عطا کر دیا گیا ہے کہ جس میں قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کے جملہ انفرادی و اجتماعی مسائل کا نہایت معتدل تفصیلی یا اصولی حل موجود ہے۔ پھر اسی آیت میں اتمامِ نعمت کا اعلان بھی ہے۔ یعنی نہ صرف یہ کہ دین مکمل ہو گیا بلکہ نعمت کی تکمیل بھی ہو گئی۔ اور نعمت سے یہاں مُراد ہے سلسلۂ وحی اور نبوت و رسالت۔ نبوت و رسالت کا بنیادی مقصد لوگوں تک اللہ کے دین کو پہنچانا اور اپنے قول و فعل سے لوگوں پر حجت قائم کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس یہ کام کر کے دکھایا اور جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین کو بالفعل غالب فرما کر

گویا اتمامِ حجت کا حق ادا کر دیا۔ اور اس طرح سلسلۂ نبوت و رسالت بھی اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اب چونکہ اللہ کا آخری اور مکمل پیغام بنی نوع انسان تک پہنچ گیا تھا اور اس آخری وحی کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ نے لے لیا تھا اور دوسری جانب حضورؐ کی ذات میں سلسلۂ رسالت بھی اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا اور اس میں مزید کسی اضافے (improvement) کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا سلسلۂ وحی اور نبوت و رسالت کو اب ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا گیا ـــــ اس پہلو سے یہ آیت اتمام و اختتامِ نبوت و رسالت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل

فتح مکہ اور معرکۂ حنین و اوطاس نیز محاصرۂ طائف کے بعد اہل طائف خود ہی مطیع ہو کر مشرف باسلام ہو گئے تھے ـــــ اسلامی انقلاب کی تکمیل ہو چکی تھی اور نقشہ یہ بن گیا تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کا دین دوسرے تمام باطل نظام ہائے حیات پر غالب و حکمران ہو گیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ عرب کے جن قبائل نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا ان میں مشاورتیں منعقد ہوئیں اور مدینہ میں ان کے وفود کا تانتا بندھ گیا۔ ہر روز کسی نہ کسی قبیلہ کا وفد آ کر سرِ اطاعت خم کرتا تھا اور اسلام قبول کر لیتا تھا۔ گویا کہ اسلام کے خلاف مزاحم قوتوں کا بڑی تیزی سے خاتمہ ہوتا جا رہا تھا۔

اسلام کا اصل مفہوم ہی فرمانبرداری اور اطاعت قبول کرنا ہے۔ فارسی میں اس مفہوم کو "گردن نہادن" اور انگریزی میں to give up resistance اور to surrender کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کیفیت کو سورۃ النصر میں یوں بیان کیا گیا ہے :

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ

دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا○﴾

"جب پہنچ چکی اللہ کی مدد اور (حاصل ہو گئی) فتح تو تم نے دیکھا لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتے فوج در فوج۔"

اس طرح جزیرہ نمائے عرب میں بسنے والے تمام عرب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ انقلاب کے ان چھ کے چھ مراحل سے گزرنے کے بعد انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل ہو گئی۔

دوسرے منکرین و کفار کا معاملہ

اندرونِ جزیرہ نمائے عرب جو غیر اسماعیلی آباد تھے' یہ یہود اور نصاریٰ تھے۔ یہ بنی اسماعیل میں سے نہیں تھے۔ اس طرح حضور ﷺ کے ہم نسل نہیں تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام سے' جن کا لقب اسرائیل تھا' جو نسل چلی وہ اسرائیلی یا بنی اسرائیل کہلائی۔ یہود و نصاریٰ اسی نسل سے تھے۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جا کر یہ دونوں نسلیں مل جاتی ہیں' لیکن چونکہ اسی وقت سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی رہائش گاہوں میں اتنا بُعدِ مکانی تھا کہ جس کے باعث حضرت ابراہیمؑ کی ذریت دو علیحدہ نسلوں کی حیثیت سے پھیلی۔ لہٰذا اسی دور سے یہ جدا جدا نسلیں شمار ہوتی چلی آ رہی ہیں —— پھر بنی اسرائیل کے پاس پہلے آسمانی کتابیں اور صحیفے موجود تھے۔ یہود کے پاس شریعت کا ایک ڈھانچہ بھی موجود تھا۔ چاہے ان چیزوں میں تحریف ہو چکی تھی لیکن بہرحال وہ اہل کتاب تھے اور قرآن مجید نے ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا ان کی کیٹگری کو علیحدہ رکھا گیا اور ان کے متعلق سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ میں احکامات آ گئے۔ فرمایا :

﴿ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝ ﴾

"(اے مسلمانو!) قتال کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے جو نہ اللہ کو مانتے ہیں (جیسا کہ اس کے ماننے کا حق ہے) اور نہ روزِ آخرت کو اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اور نہ دین حق (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔ (ان سے جنگ کرو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔"

بنی اسماعیل کے لئے تو دو اختیارات میں سے ایک قبول کرنا تھا کہ یا ایمان لائیں یا قتل ہونے کے لئے تیار رہیں ــــــ اس کے نتیجہ میں تیسرا اختیار (option) از خود بن گیا تھا کہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں ــــــ عرب میں رہتے ہوئے کوئی تیسرا option ان کے لئے نہیں تھا۔ عرب میں کسی نوع کی غیر اللہ کی پرستش نہیں ہو سکتی' چاہے وہ اصنام پرستی ہو' چاہے مظاہرِ قدرت کی پرستش۔ لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ معاملہ مختلف رکھا گیا۔ انہیں رعایت دی گئی اور ان کے سامنے تین صورتیں رکھی گئیں۔ پہلی یہی کہ ایمان لے آؤ تو ہمارے برابر کے بھائی ہو' کوئی مغائرت باقی نہیں رہے گی' حقوق و فرائض میں سب مکمل طور پر مساوی ہوں گے ــــــ یہ منظور نہیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ چھوٹے بن کر رہو۔ دینِ حق کے غلبہ کو تسلیم کرو' نظامِ اجتماعی (Law of the land) اللہ کے دین کے مطابق نافذ و رائج ہو گا اور تمہیں اس کی اطاعت کرنی ہو گی اور اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ دین اللہ کے تحت تم یہودی یا عیسائی ہو کر رہ سکتے ہو۔ تمہارے احوالِ شخصیہ (Personal Law) میں اسلامی حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ اس کی اجازت ہے [1]۔ لیکن تم چھوٹے بن کر اور جزیہ ادا کر کے اسلامی حکومت کے تحت رہ سکتے ہو ــــــ اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر تیسری صورت قتال کی ہے۔ اس کے سوا چوتھی شکل کوئی اور نہیں۔ اس میں از خود یہ بات بھی مضمر ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرۂ اختیار

---

[1] یہ بات سورۃ البقرہ میں بایں الفاظ پہلے فرمادی گئی تھی کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

سے نکل کر کسی اور جگہ جا کر آباد ہو سکتے ہو۔

سورۃ التوبہ کی یہی وہ آیت ہے جو اسلامی انقلاب کے بین الاقوامی مرحلہ میں بنیادی ہے کہ بعد میں خلافتِ راشدہ کے دوران جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فوجیں اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہارِ دین الحق کے لئے نکلتیں تو وہ ہمیشہ یہی تین شرائط (options) پیش کرتے تھے۔(i) ایمان لے آؤ' تم ہمارے برابر کے بھائی ہو گے۔ تمہاری تمام املاک جوں کی توں تمہاری ملکیت میں رہیں گی' ہم کسی کو ہاتھ تک نہیں لگائیں گے۔ ہمارا تمہارا معاملہ ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے بالکل مساوی ہو جائے گا ـــــ (ii) اگر یہ منظور نہیں کرتے تو تمہیں چھوٹے بن کر رہنا پڑے گا۔ غالب دین اللہ کا ہو گا' حکومت اللہ کی ہو گی' تم ماتحت رہ کر اور جزیہ دے کر خواہ عیسائی بن کر رہو' یہودی رہو' مجوسی رہو' ہندو رہو' سکھ رہو' جو چاہو رہو اس کی اجازت ہو گی۔ تمہارے احوالِ شخصیہ میں اسلامی حکومت قطعاً کوئی مداخلت نہیں کرے گی' لیکن تمہیں چھوٹے ہو کر اور اللہ کے دین کو بحیثیت نظامِ اجتماعی ذہناً قبول کر کے اسلامی حکومت میں رہنے کی اجازت ہو گی۔ لاء آف دی لینڈ اسلام ہی ہو گا ـــــ (iii) اگر یہ دونوں باتیں تمہارے لئے قابل قبول نہیں ہیں تو قتال کے لئے میدان میں آؤ۔ تلوار ہمارے اور تمہارے مابین فیصلہ کر دے گی۔ چوتھی کوئی شکل نہیں ہے ـــــ تو یہ تین شرائط درحقیقت مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ پر مبنی ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین OO

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

خطاب دہم

بیرونِ عرب
انقلابِ محمدیؐ کی توسیع و تصدیر

انقلاب کی خصوصیت

ہر انقلاب کی فطری خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جغرافیائی یا علاقائی یا ملکی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ پھیلتا ہے۔ کسی بھی انقلابی نظریہ کو نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے نہ ویزا کی' بلکہ وہ ان قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ جدید اصطلاح میں اسے "تصدیر الانقلاب" کہتے ہیں۔ یعنی انقلاب ایکسپورٹ کرنا' اس کو بیرونِ ملک برآمد کرنا' اس کا دائرہ وسیع کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی وہ انقلاب ظہور پذیر ہو۔ یہ انقلاب کا خاصہ ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ پھیلے اور وسعت پذیر ہو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی انقلاب کے حقیقتاً "انقلاب" ہونے کا حتمی ثبوت یہی ہے کہ وہ کسی علاقائی و جغرافیائی حد میں محدود ہو کر نہ رہ جائے' بلکہ پھیلے اور وسعت پذیر ہو۔ اگر وہ جغرافیائی حدود کے اندر محدود ہو کر رہ گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جان نہیں تھی' اس کے بنیادی فلسفہ میں قوت تسخیر نہیں تھی' اس میں آفاقیت اور عالمگیریت نہیں تھی' بلکہ شاید اس کے اندر اصل فیصلہ کُن عوامل صرف قومی و ملکی تھے۔ اس میں کوئی ایسا نظریہ' کوئی ایسا پیغام نہیں تھا جو بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہو اور جو قومی اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر نوعِ انسانی کے اذہان و قلوب میں اپنی جگہ بنا سکے۔

انقلاب کی چند مثالیں

کامل انقلاب کی مثال تو تاریخ انسانی میں ایک اور صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے انقلابِ محمدیؐ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ـــــ جس کے نتیجہ میں انسانی زندگی کا

ہر گوشہ بدل گیا تھا۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں میں انقلاب آ گیا یعنی معاشرتی' سماجی' سیاسی' معاشی' عدالتی' دستوری اور آئینی غرضیکہ وہ تمام شعبے یکسر بدل گئے جو اجتماعیاتِ انسانی سے متعلق ہیں' بلکہ انفرادی زندگی بھی پورے طور پر اس کی لپیٹ میں آ گئی تھی' چنانچہ اخلاق بدل گئے' عقائد بدل گئے' صبح و شام کے معمولات اور رہن سہن کے طور طریقے سب بدل گئے۔ مختصراً یہ کہ ایک ایسا انقلاب جو پوری انسانی زندگی کو اپنی گرفت اور اپنے احاطہ میں لے لے' یعنی جسے ہم کامل انقلاب (Complete Revolution) کہہ سکیں' وہ تو صرف انقلابِ محمدیؐ ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں برپا کیا تھا۔ لیکن اس سے نیچے اتر کر وہ انقلابات جو کسی نہ کسی درجہ میں "انقلاب" کا عنوان پانے کے مستحق بن سکتے ہیں ان میں دو انقلابات قابل ذکر ہیں۔ ایک ہے انقلابِ فرانس' جس کے نتیجہ میں سیاسی ڈھانچہ بدل گیا تھا۔ یعنی ملوکیت کا دور ختم ہوا اور جمہوریت کے دور کا آغاز ہوا۔ اسی طرح دوسرا انقلاب جس پر لفظ انقلاب کا کسی درجہ میں اطلاق ہوتا ہے وہ ہے روس کا انقلاب یعنی بالشویک انقلاب جس کے نتیجہ میں معیشت کا پورا ڈھانچہ بدل گیا' تمام ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت سے نکل کر اجتماعی ملکیت میں لے لئے گئے۔ آغاز میں تو وہاں بہت انتہاپسندی تھی کہ انفرادی ملکیت کی کامل نفی تھی' لیکن ہوتے ہوتے پھر وہ یہاں تک پہنچے کہ ذاتی استعمال کی چیزیں انفرادی ملکیت ہو سکتی ہیں۔ جیسے ایک شخص کے پاس سائیکل ہے جس پر وہ دفتر یا کارخانے جاتا ہے تو یہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ کسی شخص کے پاس رہنے کے لئے مکان ہے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے پاس گھریلو استعمال کا جو سامان ہے' وہ بھی اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ لیکن ذرائع پیداوار (Means of Production) جن سے انسان مزید پیدا کرتا ہے' جسے وہ آمدنی کا ذریعہ بناتا ہے' کسی فرد کی ملکیت میں نہیں رہیں گے' بلکہ وہ پوری قوم اور ریاست کی ملکیت قرار پائیں گے اور حکومت ان کا انتظام کرے گی۔ ان ذرائع پیداوار سے

جو یافت ہوگی، حکومت کوشش کرے گی کہ اس کو پوری قوم میں ایک مقررہ معیار کے مطابق حصہ رسدی کے اصول پر تقسیم کردیا جائے ـــــ بہرحال یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے اور اس تبدیلی کے اعتبار سے بالشویک ریوولیوشن بھی یقیناً ایک انقلاب تھا۔ الغرض سیاسی سطح پر انقلابِ فرانس اور معاشی سطح پر انقلابِ روس یقیناً "انقلابات" قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔ اور ان دونوں میں آپ کو یہ قدرِ مشترک نظر آئے گی کہ یہ انقلابات اپنے ملکوں تک محدود نہیں رہے بلکہ وسعت پذیر ہوئے۔ انقلابِ فرانس کے نتیجہ میں جمہوریت کا جو سیاسی نظام آیا وہ صرف فرانس تک محدود نہیں رہا بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک میں جمہوریت کے قیام کیلئے تحریکیں چلیں اور کامیاب ہوئیں۔ اگرچہ آپ کو یہ عجیب بات نظر آئے گی کہ یورپ میں بعض ممالک نے ابھی تک بادشاہت کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے لیکن دراصل اس کی حیثیت محض آرائشی و زیبائشی نوعیت کی ہے۔ ورنہ درحقیقت ملوکیت کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب جمہوریت ہی کا دور ہے۔ اسی طرح روس کا جو انقلاب تھا اس کے بطن سے نہ معلوم کتنے انقلابات برآمد ہوئے اور کرۂ ارضی پر نصف کے لگ بھگ ممالک ایسے ہوں گے جن پر کسی نہ کسی شکل میں اس نظریہ کی حکمرانی قائم ہوئی جس کے تحت ۱۹۱۹ء میں روس میں پہلا انقلاب آیا تھا۔

انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس کے حوالے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کسی بھی حقیقی و واقعی انقلاب میں بنیادی طور پر وسعت پذیری کی خصوصیت و صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں تو اس کی اہمیت و ضرورت کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ آپؐ کا لایا ہوا انقلاب محض جزیرہ نمائے عرب کی حد تک محدود نہ ہو جائے بلکہ آگے بڑھے اور پھیل جائے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ خاتم النبیین بھی ہیں اور آخر المرسلینؐ بھی ـــــ اور آپ کی دعوت محض اہل عرب کے لئے نہ تھی بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے تھی۔ لہٰذا آپؐ کے مقصد بعثت کا بھی یہ تقاضا تھا کہ آپؐ نہ صرف یہ کہ عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل بنفسِ نفیس فرمائیں

بلکہ اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں اس کے بین الاقوامی مرحلہ کا آغاز فرما کر مستقل طور پر اُمت کی رہنمائی فرمادیں۔

تاہم انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل در حقیقت اُس وقت ہوگی جب پورے کرۂ ارضی پر دین حق اسی طرح غالب ہو جائے جیسے نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل جزیرہ نمائے عرب پر غالب فرمادیا تھا۔ چنانچہ آفاقی سطح پر انقلابِ محمدی ؐ کی تکمیل کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ اس مفہوم کو علامہ اقبال مرحوم نے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے کہ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے!
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

یعنی جب تک نورِ توحید سے پورا کرۂ ارضی جگمگا نہیں اُٹھتا اُس وقت تک اُمت مرحومہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی۔ اس پر تو لازم ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کی جدوجہد مسلسل جاری رکھے۔ از روئے الفاظ قرآنی : ﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ .... ﴾ "اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اس کیلئے جہاد کا حق ہے۔ (اے اُمت مسلمہ) اُس (اللہ) نے تمہیں (اس کام کیلئے) چن لیا ہے..."

اقسامِ توحید

توحید کی ایک قسم علمی و فکری یعنی عقیدہ کی توحید ہے کہ اللہ کو ذات و صفات کے اعتبارات سے ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ فرمایا گیا :

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۱۱)

"اور کہہ دو سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا سلطنت میں شریک ہے اور نہ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا مددگار ہے۔ اور اس کی بڑائی بیان کرتے رہو' کمال درجے کی بڑائی"۔

جبکہ توحید کی دوسری قسم عملی توحید ہے' یعنی صرف اللہ ہی کے بندے بن جانا۔ فرمایا :

﴿ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ... ﴾

"اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے (اس) رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا۔"

اللہ کی اطاعت کو اپنے آپ پر اس طرح لازم و فرض کر لینا کہ اُس کی اطاعت سے آزاد کسی اور کی اطاعت اس میں شامل نہ ہو۔ اس عملی توحید کا اجتماعی سطح پر تقاضا اُس وقت پورا ہو گا جب وہ نظام قائم ہو جائے گا جس میں حاکمِ مطلق (Supreme Authority) صرف اللہ کو مانا جائے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ یعنی نہ صرف یہ تسلیم کیا جائے کہ قانون و شریعت دینے کا اختیار صرف اُس (تعالیٰ) کے پاس ہے۔ بلکہ بالفعل اللہ کے دین اور اس کی شریعت کو پورے اجتماعی نظام پر غالب و نافذ کر دیا جائے۔ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا۔ یہی عملی توحید ہے۔ اور توحید کی یہ شکل جب تک عالمی سطح پر عملی اعتبار سے مکمل طور پر قائم و نافذ نہیں ہوتی اُس وقت تک انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ گویا

؎ نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

آنحضورؐ پر تکمیلِ نبوّت و رسالت اور اس کے تقاضے

آفاقی رسالت

قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے یہ بات بہت اہم ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے جتنے رسول آئے' ان سب میں بلا استثناء یہ بات مشترک نظر آتی ہے کہ ان کی رسالت دو اعتبارات سے محدود تھی۔ ایک مکانی لحاظ سے' کہ وہ اپنی اپنی قوموں

کی طرف یا کسی مخصوص علاقہ کی طرف مبعوث ہوئے۔ سورۂ ہود اور سورۂ قصص میں رسولوں کا ذکر اسی انداز میں ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کی رسالت زمانی اعتبار سے بھی محدود تھی کہ ہر رسول کی رسالت اُس وقت تک کے لئے تھی جب تک اگلا رسول نہیں آجاتا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اگلا رسول آتا تھا پہلے کا دَورِ رسالت ختم ہو جاتا تھا۔ یعنی آنے والے رسول کو ملنے والی ہدایت اور شریعت میں جتنی سابقہ چیزیں برقرار رکھی جاتیں وہ آنے والی ہدایت اور شریعت کا جزو بن جاتیں' باقی منسوخ ہو جاتیں ـــــ گویا نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل رسالت کا معاملہ مکانی اور زمانی دونوں اعتبارات سے محدود رہا ہے۔

تکمیلِ نبوّت و رسالت

نبوت کی تکمیل کا مظہر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کامل کر دی گئی۔ سابقہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کو جو کچھ بذریعہ وحی ملتا رہا ہے اس کا کامل' مکمل اور محفوظ ایڈیشن قرآن مجید ہے ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ لّلعالمیں!

چنانچہ ہدایت الٰہی کا یہ آخری اور کامل ایڈیشن آگیا تو گویا کہ نبوت کامل ہو گئی۔

رسالت کی تکمیل کے دو مظہر ہیں۔ ایک یہ کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت مکانی اور زمانی دونوں اعتبارات سے غیر محدود ہے۔ اس لئے کہ ایک جانب آپؐ کی رسالت کرۂ ارضی پر بسنے والی تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے اور دوسری جانب آپؐ کی رسالت کا دور دائمی ہے۔ یعنی تا قیامِ قیامت آپؐ ہی کی رسالت کا دور ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارات موجود ہیں۔ مثلاً سورۂ سبا میں ارشاد ہے : ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا.... ﴾ "اور (اے نبی) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپؐ کو مگر تمام نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر...."

گویا کہ مکانی حدود ختم ہوئیں۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پورے کرۂ ارضی کے لئے ہے اور آپؐ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کی طرف ہوئی ہے۔ آپؐ کی مخاطب کوئی ایک قوم' کوئی ایک قبیلہ' کوئی ایک نسل' کوئی ایک علاقہ' کوئی ایک ملک اور کسی ایک دور کے انسان نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی ہے۔ یہ چیز جہاں مکانی اعتبار سے غیر محدود ہے وہاں زمانی اعتبار سے بھی غیر محدود ہے کہ اب تا قیامِ قیامت کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں۔ اب حضور ﷺ کا دورِ رسالت ہے جو قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔

تکمیل و ختمِ نبوت کا منطقی تقاضا

قرآن حکیم سے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ تمام نوعِ انسانی کے لئے رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں اور آپؐ کی رسالت تا قیامِ قیامت دائم اور جاری و ساری ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خاتم الانبیاء و آخر الرسل محمد ﷺ جو دین حق دے کر مبعوث فرمائے گئے تھے اور جس دین کو تمام نظامہائے حیات پر غالب کرنا آپؐ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا تھا' اس دین کی دعوت و تبلیغ اور اقامت کا کام جاری رہے۔ چنانچہ اب یہ فریضہ اُمّتِ مسلمہ کے سپرد ہوا۔ یعنی ایک طرف اللہ کا پیغام تمام بنی نوعِ انسان تک اس درجہ میں پہنچا دینا کہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے کہ وہ اللہ کے یہاں یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ ہم تک تیرا پیغام نہیں پہنچا۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ پورے کرۂ ارضی پر دین حق کو بالفعل غالب و قائم کرنا بھی اس اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ بنفسِ نفیس اپنے مشن کی ایک حد تک تکمیل فرما کر اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل ہو گئی' لیکن آپؐ کا مشن تو درحقیقت اُس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچے گا جب پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا پرچم سب سے بلند ہو گا۔

اس پہلو سے جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو حضورؐ اپنے فرضِ منصبی کے

اعتبار سے اس پر مامور تھے کہ آپؐ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل بنفسِ نفیس فرمادیں۔ یہ گویا آپؐ کی آفاقی ' عالمی اور دائمی بعثت و رسالت کا اولین مرحلہ تھا جو پورا ہوا ـــــ لیکن ابھی بین الاقوامی اور عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام باقی تھا جس کا نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ دُنیوی کے دوران بنفسِ نفیس آغاز فرما کر پھر اس مشن کو اُمت کے حوالے فرما دیا کہ اب اس فریضہ کی عالمی سطح پر تکمیل تمہارے ذِمّہ ہے۔ اب ایک ایک فردِ نوعِ بشر تک دعوت و تبلیغ اور شہادت علی الناس کا فرض تمہیں انجام دینا ہے اور پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا بول بالا کرنا یعنی "اسلامی انقلاب" تم نے برپا کرنا ہے۔

دعوت و تبلیغ کے ضمن میں ایک اصولی بات

یہ بات واضح ہونے کے بعد کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و رسالت آفاقی و عالمی ہے اور تاقیامِ قیامت حضورؐ ہی کا دَورِ رسالت جاری رہے گا۔ ہمیں سیرتِ مطہرہ کے حوالے سے اور تاریخی اعتبار سے یہ اصولی بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کے مرکز مکہ مکرمہ سے اس وقت تک قدم باہر نہیں رکھا جب تک آپ اہل مکہ سے قطعی طور پر مایوس نہیں ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ۶۱۰ء عیسوی میں ہوا۔ اس کے بعد سے لے کر مسلسل اٹھارہ اُنیس برس تک حضور ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا دائرہ صرف عرب تک محدود رہا۔ ان میں بھی ابتدائی دس برس تو وہ ہیں کہ آپؐ دعوت و تبلیغ کا کام مکہ ہی میں انجام دیتے رہے۔ اس میں اگر کوئی استثناء ہے تو صرف یہ کہ مکہ کے آس پاس جو میلے لگتے تھے ان میں دعوت و تبلیغ کے لئے آپؐ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان میں عکاظ کا میلہ یا بازار بہت مشہور رہے۔ یہ ان میلوں میں سب سے بڑا ہوتا تھا اور اس میں عرب کے کونے کونے سے شعراء اور خطباء آکر جمع ہوتے تھے' وہاں مجلسیں اور محفلیں جمتی تھیں اور شعراء کے مابین مقابلے ہوا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا دعوت و تبلیغ کے لئے

ان میلوں میں تشریف لے جانا تاریخی طور پر ثابت ہے۔ یا پھر آپؐ اسی مقصد کے لئے ان قافلوں کی طرف تشریف لے جاتے تھے جو وقتاً فوقتاً مختلف ضروریات کے لئے مکّہ آتے تھے اور مکّہ سے باہر پڑاؤ ڈالتے تھے' مکّہ سے ضروریاتِ زندگی کی چیزیں لیتے اور پھر اپنے اپنے مستقر کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ ان مستثنیات کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے لئے کامل دس برس تک مکّہ سے باہر قدم نہیں نکالا اور حضورؐ کی ساری دعوت و تبلیغ مکّہ تک محدود رہی۔

۱۰ نبوی میں دار الندوۃ میں مشورہ کے بعد محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کرلیا گیا۔ چنانچہ اہل مکّہ سے نااُمید ہو کر رسول اللہ ﷺ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا' لیکن اہل طائف کی طرف سے ایک ہی روز میں جس توہین و تذلیل اور جسمانی اذیت سے سابقہ پیش آیا اس کی دس سالہ مکی دور میں نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ آپؐ کو ایک مشرک مطعم بن عدی کی پناہ لے کر واپس مکّہ آنا پڑا۔

جب بظاہر احوال ہر طرف سے راستہ بند نظر آیا تو اللہ تعالیٰ نے یثرب کی طرف ہجرت کا راستہ کھول دیا۔ ہجرت کے بعد چھ برس کے دوران دعوتِ توحید کا دائرہ بتدریج جزیرہ نمائے عرب میں پھیلنے لگا۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ان چھ برسوں کے دوران رسول اللہ ﷺ نے نہ اپنا کوئی داعی یا مبلغ عرب کی حدود سے باہر بھیجا اور نہ ہی اپنے کسی جان نثار کو اپنا نامہ مبارک دے کر یا کوئی پیغام دے کر بیرون عرب بھیجا۔ البتہ ۶ھ میں جب صلح حدیبیہ ہو گئی' جسے قرآن مجید نے فتح مبین قرار دیا' تب حضورؐ کی دعوتی سرگرمیاں جہاں اندرونِ عرب عروج پر پہنچیں' وہاں حضورؐ نے بیرونِ عرب بھی دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا۔

دعوت و تبلیغ کے بین الاقوامی مرحلہ کا آغاز

فتح خیبر کے بعد ۷ھ کے اوائل ہی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دعوتی و تبلیغی نامہ ہائے مبارک دے کر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیصر روم' کسریٰ ایران' عزیزِ مصر'

شاہِ حبشہ اور ان رؤسائے عرب کی طرف بھیجا جو جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر آباد تھے اور جنھوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان میں سے بعض قبائل قیصر روم کے اور بعض کسریٰ ایران کے باج گزار تھے۔ سیرت کی تمام مستند کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نامہ ہائے مبارک کی ترسیل سے قبل مسجد نبویؐ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں حضور ﷺ نے اسی حقیقت کو بیان کیا کہ میری بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام جہان والوں کے لئے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے" بمصداقِ آیت قرآنی ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ میں نے اب تک دعوت تمہیں پیش کی ہے۔ اب اے مسلمانو! تمہارے ذمہ ہے کہ تم اس دعوت اور پیغام کو لے کر تمام اطراف و اکناف عالم میں پھیل جاؤ اور اللہ کی توحید کو عام کرو۔ گویا نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلہ کا افتتاح اس خطبہ کے ذریعہ سے فرمایا۔

خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ملوک و سلاطین کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط تحریر کرائے اور اپنے مختلف اصحاب کے ہاتھ آس پاس کے علاقوں کے حکمرانوں اور سرداروں کو اپنے نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔ ظاہر بات ہے کہ اس ضمن میں "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" کا لحاظ ضروری تھا۔ یوں تو ہندوستان بھی تھا، چین بھی تھا، ایشیا اور یورپ کے نہ معلوم کتنے ممالک تھے، لیکن پہلا دائرہ تو قریب کے علاقوں کا ہی ہو سکتا تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے چاروں طرف تھے۔

قیصرِ روم کے دربار میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نامۂ مبارک دے کر بھیجے گئے۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں روایت آئی ہے کہ وہ شکل و صورت میں نبی اکرم ﷺ سے بہت مشابہ تھے اور نہایت حسین تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی انسانی شکل میں تشریف لاتے تھے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ کو خسرو پرویز کسریٰ ایران کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ عزیزِ مصر کی طرف بھیجے گئے۔ مصر اُس وقت ایک نیم آزاد ملک تھا جو سلطنت روما کا باج گزار تھا۔ عزیز مصر خود بھی عیسائی تھا اور سلطنت روما کے ماتحت تھا۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو شاہِ حبش نجاشی کی طرف بھیجا گیا۔ حبشہ بھی مصر کی طرح سلطنت روما کا باج گزار تھا اور وہاں کا بادشاہ بھی مذہباً عیسائی تھا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ نجاشی رحمہ اللہ جو آنحضور ﷺ پر ایمان لے آئے تھے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کا ایمان اس اعتبار سے بالکل انفرادی نوعیت کا تھا کہ اس موقع پر کوئی "Mass Convertion" نہیں ہوئی تھی۔ یعنی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ان کے تمام درباری اور پوری رعایا نے اسلام قبول کر لیا ہو' بلکہ قبولیتِ اسلام کا معاملہ ان کی ذات تک محدود تھا۔ جب ان کے انتقال کی خبر بذریعہ وحی آنحضور ﷺ کو ملی تو آپؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کے بعد جو نجاشی تخت نشین ہوا وہ عیسائی تھا۔

حضرت سلیط بن عمرو بن عبد شمس رضی اللہ عنہ رؤسائے یمامہ کی طرف بھیجے گئے۔ یمامہ جزیرہ نمائے عرب ہی کا شمال مشرقی علاقہ ہے۔ آج کل یہ علاقہ نجد میں شامل ہے۔

حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ حدودِ شام میں حارث غسانی کے پاس بھیجے گئے۔ شام بھی اُس وقت سلطنت روما کے زیرِ حکومت تھا اور وہاں قیصر کی طرف سے غسانی خاندان حکمران تھا۔ گویا کہ شام کی وہی پوزیشن تھی جو انگریزی دورِ حکومت میں برِّصغیر کی بڑی ریاستوں کو حاصل تھی۔ ان کے علاوہ بعض دیگر رؤساء و سرداران کو بھی حضور ﷺ نے نامۂ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔

ان نامہ ہائے مبارک کے نتیجہ میں سلاطین کی جانب سے مختلف ردعمل سامنے آئے۔ ایک طرف ان بادشاہوں اور حکمرانوں کا ردعمل ہے جو مذہباً عیسائی تھے۔ ان کے مقابلہ میں بالکل برعکس ردعمل کسریٰ ایران کا ہے۔ وہ مجوسی تھا' مشرک تھا اور وحی و نبوت اور اُمورِ رسالت سے بالکل نابلد اور ناواقف تھا' جبکہ عیسائیوں کا

معاملہ یہ تھا کہ وہ اہل کتاب تھے' ان کے پاس تورات اور انجیل موجود تھی۔ وہ حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق' حضرت اسمٰعیل' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ناموں سے واقف تھے اور ان سب پر ایمان رکھتے تھے۔ قیصر روم کے بارے میں معتبر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بہت بڑا عالم تھا۔

قیصر روم کے نام حضور ﷺ کا نامۂ مبارک

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جو قیصر روم کے نام حضور ﷺ کا نامہ مبارک لے کر چلے تھے جب دمشق کے قریب بصریٰ کے مقام پر پہنچے جو غسانیوں کا دارالحکومت تھا تو ان کو پتہ چلا کہ قیصر ان دنوں یروشلم میں ہے۔ اُس وقت اس خاندان کا رئیس حارث غسانی تھا۔ حارث غسانی نے حضرت دحیہؓ کو قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر یروشلم پہنچ گئے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک جب قیصر کو پہنچا تو چونکہ وہ خود توراۃ و انجیل کا عالم تھا لہٰذا خط پڑھتے ہی جان گیا کہ یہ وہی آخری رسول ہیں کہ جن کی بعثت کی ہمارے یہاں پیشین گوئیاں موجود ہیں ـــــ آخر وہ بھی شام کا عیسائی راہب ہی تھا جس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دے کر مدینہ کی طرف بھیجا تھا کہ میرا علم بتاتا ہے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت آگیا ہے اور ان کی بعثت عرب کے ریگستان اور کھجوروں کے جھنڈ میں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ یہ بات عیسائیوں کے خدا ترس رہبان و احبار جانتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت اب قریب ہے ـــــ قیصر نے اس خیال کا اظہار کیا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ آخری نبی کا ظہور شام میں ہوگا' مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کی بعثت عرب میں ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر اور آپؐ کو پہچان کر قیصر کا جو طرزِ عمل سامنے آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چاہتا تھا کہ اگر میری پوری مملکت ایمان لے آئے تو گویا ہم اجتماعی طور پر (En Bloc) مسلمان ہوجائیں گے' اور اس طرح میری مملکت بھی قائم رہے گی اور

میری حکومت بھی برقرار رہے گی۔

گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ غیر عرب غیر مسلموں کے لئے مسلمانوں کی تین شرطیں ہوتی تھیں۔ ایک یہ کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو تم ہمارے بھائی ہو گے' تمہاری تمام املاک' تمہاری عزت و آبرو الغرض تمہاری ہر شے محفوظ اور برقرار (Intact) رہے گی۔ تمہیں وہ تمام حقوق مساوی طور پر حاصل ہوں گے جو بحیثیت مسلمان ہم کو حاصل ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ منظور نہیں اور تم ایمان نہیں لاتے تو چھوٹے یعنی ماتحت اور ذِمی بن کر رہو اور جزیہ ادا کیا کرو : ﴿ . . يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝ ﴾ ملکی قانون (Law of the land) بہرصورت اسلام کا ہو گا۔ ہاں کسی کو بزورِ شمشیر اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ تمام غیر مسلموں کو ان کے احوالِ شخصیہ (Personal law) میں پوری آزادی ہو گی' حتیٰ کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق پوجاپاٹ کا جو طریقہ اختیار کرنا چاہیں اس میں اسلامی حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی —— اور تیسرے یہ کہ اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر میدان میں آؤ' ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ ان تین کے سوا چوتھی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

قیصر کی اس خواہش اور کوشش کا بھی ایک تاریخی پس منظر ہے کہ اس کے عمائدینِ سلطنت اور اس کی رعیت مجموعی طور پر ایمان لے آئے اور اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ جن لوگوں نے یورپ اور خاص طور پر عیسائیت کی تاریخ پڑھی ہے' ان کے علم میں ہو گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع سماوی کے قریباً ساڑھے تین سو برس بعد رومہ الکبریٰ (موجودہ اٹلی) کے شہنشاہ کنسٹنٹائن (قسطنطین) اور اس کی پوری رعایا نے مجموعی طور پر (En Bloc) عیسائیت قبول کر لی تھی۔ لہٰذا کسی نوعِ کا اعتقادی یا سیاسی مسئلہ اور تنازعہ کھڑا نہیں ہوا اور قسطنطین کی شہنشاہیت جوں کی توں برقرار رہی۔ اسی سبب سے ایک طرف یورپ میں عیسائیت نے فروغ پایا اور دوسری طرف شہنشاہِ روم نے اپنا پایۂ

تخت روم کو چھوڑ کر استنبول کو قرار دیا۔ چنانچہ اس کے نام پر اس شہر کا نام قسطنطنیہ رکھا گیا۔ وہاں سے اس نے ایشیائے کوچک اور شمالی افریقہ پر فوج کشی کی اور عیسائیت کو فروغ دینے کی مہمات شروع کیں جن میں اس کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ـــــ اس تاریخی تناظر میں دیکھئے تو قیصر کا طرز عمل سمجھ میں آتا ہے۔ چنانچہ نامہ مبارک کے ذریعے حضورؐ کو پہچان لینے کے بعد اس نے چاہا کہ اس کی پوری مملکت اسی طرح اسلام کو قبول کرے جیسے قریباً ساڑھے تین سو سال قبل پوری سلطنت روم نے عیسائیت کو بطور مذہب اختیار کر لیا تھا تاکہ اس کی حکومت قائم و برقرار رہے۔

لیکن اس کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ اس کے لئے تدبیر کیا ہو؟ اس کے دربار میں بڑے بڑے جغادری عیسائی علماء موجود تھے' قِسّیسین تھے' بطریق تھے' تمام عمائد و اعیانِ حکومت تھے' پھر فوج تھی' اب ان سب کو کس طرح راضی کیا جائے؟ ان منصب داروں اور امراء (Lords) کے بل پر اس کی حکومت قائم تھی۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ مطمئن ہو کر ایمان نہ لائیں اس کی حکومت کو خطرہ لاحق تھا۔ اس نے کچھ دیر توقف کیا' ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی' اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ ان دنوں عربوں کا کوئی تجارتی قافلہ تو یہاں نہیں آیا؟ بتایا گیا کہ عربوں کا ایک تجارتی قافلہ اس علاقے میں آیا ہوا ہے اور فی الوقت غزہ میں مقیم ہے۔ قیصر نے فوراً قاصد بھیج کر قافلے کے لوگوں کو یروشلم بلا لیا۔ اس قافلہ کے رئیس ابو سفیان تھے جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔

ہرقل قیصر روم نے ایک عالی شان دربار منعقد کیا۔ اس موقع پر بیت المقدس میں اس کے جو اعیان و عمائد مملکت اور سپہ سالار موجود تھے' ان کو جمع کیا۔ پھر بطارقہ' قِسّیسین اور احبار و رُہبان کی صفیں لگوائیں اور دربار میں ابو سفیان کو ان کے ہمراہیوں سمیت بلایا گیا۔ پہلے تو دربار میں نبی اکرم ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا گیا۔ (اس نامہ گرامی کا متن ابن ہشام اور طبری نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا

ہے اور بحمد اللہ یہ نامہ مبارک اپنی اصل حالت میں اب بھی قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔)

نبی اکرم ﷺ کے نامہ مبارک کی عبارت یہ ہے :

((مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْل عَظِيْمِ الرُّوْمِ' سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى' اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّي اَدْعُوْكَ بِدعايَةِ الاسْلَامِ' اَسْلِمْ تَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ' فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ اَلْاَرِيسِيِّيْنَ' و يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ))

"محمد (ﷺ) کی طرف سے' جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' ہرقل کے نام جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ سلامتی ہے ہر اُس شخص کے لئے جس نے ہدایت (ربانی) کی پیروی کی۔ اس کے بعد (اے رئیس اعظم!) میں تجھے دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں' اسلام قبول کر لے تو تُو سلامت رہے گا۔ (بلکہ) اللہ تعالٰی تجھے دہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تُو نے (قبول کرنے سے) اعراض کیا (تو نہ صرف تو اکیلا مجرم ٹھہرے گا بلکہ) اہل ملک کا گناہ (بھی) تیرے اوپر ہو گا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف پیش قدمی کرو جو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے' (وہ) یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں اور نہ ہی ہم اس ہستی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں' اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اللہ تعالٰی کے سوا کسی اور کو (اپنا) پروردگار تسلیم کرے۔ پس اگر وہ (اہل کتاب دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے) اعراض کریں تو (اے مسلمانو!) تم (انہیں) کہہ دو کہ (اے اہل کتاب ہمارے معاملہ میں) تم گواہ رہو کہ ہم تو (ہر حال میں اس دعوت پر) سرِ تسلیم خم کر دینے

والے ہیں۔"

نامۂ مبارک کے چند اہم نکات

نامہ مبارک میں حضور ﷺ نے جو یہ بات رقم کرائی کہ : ((يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ)) تو حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اہل کتاب میں سے جو مجھ پر ایمان لاتا ہے' اسے اللہ دوہرا اجر دیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ پہلے نبیوں اور رسولوں کو ماننے والا بھی تھا اور اب وہ مجھ پر بھی ایمان لے آیا ہے۔ آگے جو حصہ ہے کہ : ((فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمُ الاَرِيْسِيِّيْنَ)) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے قیصر روم کی تھی کہ اگر وہ ایمان لے آتا تو چاہے پوری رعیت ایمان نہ لاتی لیکن لاکھوں لوگ تو ایمان لے آتے' چنانچہ ان کا اجر بھی اس کے حصہ میں آتا۔ لیکن اس نے روگردانی کی جس کے باعث رومی دولت ایمان سے محروم ہو گئے تو ان کا وبال بھی قیصر کے حصہ میں آئے گا۔ اس لئے کہ کسی ملک' کسی قوم' کسی قبیلہ کے سربراہ کفر پر اَڑے رہیں تو وہ دعوتِ اسلامی کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ جو بھی نظامِ باطل کسی جگہ قائم ہوتا ہے تو وہ نظامِ حق کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ نے اس بات کو ایک مختصر سے جملہ میں نہایت بلاغت و فصاحت کے ساتھ سمو دیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ اپنے نامہ مبارک میں درج کرائی ہے۔ اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ قرآن مجید میں اہل کتاب کو توحید کی دعوت اور اسلام کا پیغام دینے کے جتنے بھی اسالیب آئے ہیں ان میں اس آیت کا اسلوب نہایت بلیغ اور مؤثر ترین ہے۔ نجران سے جب عیسائی اَحبار و رُہبان کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اسلام کی دعوت سمجھنے کے لئے آیا تھا تو اس موقع پر حضورؐ پر جو وحی نازل ہوئی تھی' اس میں یہ آیت مبارکہ بھی شامل ہے۔ اس سے اس کی عظمت' اس کے جلال' اس کی تاثیر اور اس کے محکم ہونے کا

اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس آیت کا ایک ٹکڑا ہے : ﴿ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ "ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب نہ بنا لے۔" اللہ کے سوا جن ہستیوں کو رب بنایا جاتا ہے ان میں مذہبی رب بھی ہوتے ہیں، جیسے اصنام اور مظاہرِ قدرت کی پرستش' اوتار' حلول اور اسی نوع کے دوسرے عقائد ــــــ اور سیاسی نوعیت کے رب بھی ہوتے ہیں۔ یعنی جسے بھی اللہ کے سوا مختار و مطاعِ مطلق تسلیم کر لیا جائے وہی تسلیم کرنے والوں کا رب ہے۔ درحقیقت فرعون و نمرود نے خدائی کا دعویٰ اسی اعتبار سے کیا تھا کہ وہ بادشاہ اور حاکمِ مطلق ہیں' چنانچہ وہ اپنی رعیت کے رب اور خدا ہیں۔ یہ دراصل سیاسی شرک ہے۔ آج جو لوگ عوام کی مطلق حاکیت کے نظریہ کے حامی اور پرچارک ہیں وہ اسی سیاسی شرک میں مبتلا ہیں۔ لیکن عظیم اکثریت کو اس کا شعور حاصل نہیں ہے۔

قیصراور ابوسفیان کا مکالمہ

اس کے بعد قیصر اور ابوسفیان کے مابین جو مکالمہ ہوا اس پر غور کریں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے بالکل اسی انداز میں جرح کی جیسے وکلاء بحث و جرح کرتے ہوئے حقائق و دلائل کو واضح کرنے کے لئے Suggestive Questions کرتے ہیں۔ یعنی ایسے سوالات کہ جن کے جوابات کے ذریعے از خود جرح کرنے والے کے موقف کی تائید ہوتی چلی جائے اور بات اس انداز میں کھل کر سامنے آجائے کہ سامعین کے لئے حق کو پہچان لینا بالکل آسان ہو جائے۔ ابوسفیان سے ہرقل نے جس گہرائی کے ساتھ سوالات کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس پایہ کا عالم تھا اور یہ کہ وہ حضور ﷺ کو نبی آخر الزمان کی حیثیت سے پہچان چکا تھا۔ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کا ایک قول ملتا ہے' جو ایمان لانے کے بعد کا ہے کہ خدا کی قسم اس مکالمہ کے دوران کئی بار میرا جی چاہا کہ میں جھوٹ بول دوں' اس لئے کہ قیصر کے سوالات مجھے گھیرتے چلے جا رہے تھے اور میں محسوس کر رہا

تھا کہ میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک رہی ہے ـــــ لیکن میں نے سوچا کہ میرے ساتھی کیا کہیں گے کہ قریش کا اتنا بڑا سردار جھوٹ بول رہا ہے۔ چنانچہ میں جھوٹ نہیں بول سکا۔ اس بات سے عربوں کی یہ ایک مزاجی خصوصیت سامنے آتی ہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی بے شمار برائیوں کے باوجود ان میں چند اعلیٰ انسانی اوصاف موجود تھے۔ مکالمہ ملاحظہ فرمائیے۔

قیصر ـــــ مدّعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان ـــــ شریف ہے۔

قیصر ـــــ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان ـــــ نہیں۔

قیصر ـــــ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان ـــــ نہیں۔

قیصر ـــــ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے، وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحبِ اثر؟

ابوسفیان ـــــ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر ـــــ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان ـــــ بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر ـــــ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا ہے؟

ابوسفیان ـــــ نہیں۔

قیصر ـــــ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان ـــــ ابھی تک تو نہیں کی، لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

قیصر ـــــ تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟

ابوسفیان ـــــ ہاں۔

قیصر ـــــ نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان ـــــ کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر ـــــ وہ کیا سکھاتا ہے۔

ابوسفیان ـــــ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو' کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ' نماز پڑھو' پاکدامنی اختیار کرو' سچ بولو' صلہ رحمی کرو۔

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ اس مکالمہ کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے یہ تبصرہ کیا :

"تم نے اس کو شریف النسب بتایا' پیغمبر اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا' وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے (تو) پیغمبر کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے' سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا' پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ و عفاف کی ہدایت کرتا ہے' اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھے یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔"

یہ ہے ہرقل قیصر روم کا تبصرہ جو کتب سیر میں محفوظ ہے۔

قیصر کی بدبختی

اب اصل امتحان آتا ہے جرأت کا' ہمت کا' قربانی کا' ایثار کا۔ اور اس بات کا کہ انسان حق کے لئے کیا کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اس مکالمہ کے دوران

قیصر نے محسوس کیا کہ جیسے جیسے گفتگو آگے بڑھ رہی ہے اور درباریوں کو اندازہ ہوتا جا رہا ہے کہ قیصر کا جھکاؤ اسلام کی جانب ہے اسی نسبت سے دربار میں موجود بطارقہ اور احبار و رہبان کے نتھنے اندرونی غیظ و غضب کے باعث پھول رہے ہیں' اور برہمی و غصہ سے ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی ہیں اور اسی طرح اس نے اپنے عمائد و اعیانِ حکومت اور اپنے سپہ سالاروں کے تیور بگڑتے ہوئے دیکھے تو اسے اپنے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ اس صورت حال سے خوف زدہ ہو کر اس نے عربوں کو دربار سے اٹھا دیا اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو کسی جواب کے بغیر واپس جانے کا حکم سنا دیا۔ ورنہ قرائن بتاتے ہیں کہ اس کے دل میں نورِ ایمان کی کرن پہنچ چکی تھی لیکن تاج و تخت' اقتدار و حکومت اس کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں اور حق کی روشنی بجھ گئی۔ اقتدار' حکومت' غلبہ' قیادت و سیادت اور تکبر وہ چیزیں ہیں جو حق کو تسلیم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹیں بن جایا کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں یہود کے علماء کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ کہ یہ محمد (ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ لیکن پہچاننا اور ہے' ماننا اور ہے۔ پھر محض زبانی ماننا اور ہے' دل سے یقین کرنا اور ہے۔ یہ تو کئی مراحل ہیں ع ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است! راہِ حق میں تو بڑی بڑی رکاوٹیں' بڑے بڑے موانع اور بڑے بڑے امتحانات آتے ہیں۔ پس قیصر کی سلطنت و حکومت اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی' وہ ایمان نہیں لایا اور محروم رہ گیا۔ بہرحال حضور ﷺ کے نامہ ہائے مبارک کے جواب میں عیسائی بادشاہوں کی جانب سے یہ ایک نمائندہ طرز عمل تھا۔

دیگر سلاطین کے نام حضورؐ کے نامہ ہائے مبارک

عزیز مصر (مقوقس) : اُس وقت مصر میں مقوقس نامی شخص کی حکومت تھی جو قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ موجودہ اسکندریہ اس کا دارالحکومت تھا۔ قیصر کی طرح

مقوقس بھی عیسائی تھا اور صاحبِ علم شخص تھا۔ وہ ایمان تو نہیں لایا لیکن اس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا اعزاز و اکرام کیا اور حضور ﷺ کے نامہ مبارک کے جواب میں عربی میں یہ خط لکھا :

لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مِنَ الْمَقُوْقَسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ ' سَلَامٌ عَلَيْكَ ' اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيْهِ وَمَا تَدْعُوْا اِلَيْهِ' وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّ نَبِيًّا بِقَىَ وَكُنْتُ اَظُنُّ اَنْ يَخْرُجَ مِنَ الشَّامِ' وَقَدْ اَكْرَمْتُ رَسُوْلَكَ وَبَعَثْتُ اِلَيْكَ بَجَارِيَتَيْنِ لَهُمَا مَكَانٌ مِنَ الْقِبْطِ عظيمٌ وكِسْوَةٌ واَهْدَيْتُ اِلَيْكَ بَغْلَةً لِتَرْكَبَهَا' وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ

(ترجمہ) "محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے۔ سلام علیک کے بعد: میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپؐ کے قاصد کی عزت کی۔ اور آپ کی طرف دو لڑکیاں بھیجتا ہوں' جن کی قبطیوں (مصر کی قوم) میں بہت عزت کی جاتی ہے۔ اور میں آپؐ کے لئے پوشاک اور سواری کے لئے ایک خچر (بطور ہدیہ) بھیج رہا ہوں۔ والسلام"

مقوقس نے جو دو لڑکیاں بھیجی تھیں' وہ کنیزیں یا لونڈیاں نہیں تھیں بلکہ شاہی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ دونوں اثناءِ سفر ہی میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و تعلیم سے ایمان لے آئی تھیں۔ ان میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے حرم میں شامل ہوئیں۔ دوسری جن کا نام سیرین تھا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ یہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ جنگِ حنین میں حضور اکرم ﷺ اسی پر سوار تھے۔

<u>نجاشی شاہِ حبشہ</u> : علامہ شبلیؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق نجاشی کے متعلق جو

لکھا ہے' وہ درج ذیل ہے :

"نجاشی بادشاہ حبش کو آپؐ نے دعوت اسلام کا جو خط بھیجا' اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں"۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہیں موجود تھے۔ نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر لی۔ ابن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض نیاز کے لئے بھیجا' لیکن جہاز ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہو گئی۔"

علامہ شبلیؒ نے یہ روایت طبری کے حوالے سے لکھی ہے۔ آگے علامہؒ لکھتے ہیں :

"عام اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی' آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ خبر سن کر آپؐ نے غائبانہ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی' لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپؐ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا۔" (واللہ اعلم)

ان تین عیسائی بادشاہوں کے طرزِ عمل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ انہوں نے نہ تو نبی اکرم ﷺ کے قاصدوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی اور نہ ہی حضورؐ کے نامہ گرامی کی کوئی توہین کی' بلکہ ہرقل قیصر روم کے رویہ سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس کی پوری مملکت اجتماعی طور پر اسلام کی دعوت قبول کرے لیکن اس کوشش میں وہ ناکام ہو گیا اور اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر دولتِ ایمان سے محروم رہ گیا۔

کسریٰ ایران : ایران میں اُس وقت خسرو پرویز فرمانروائے سلطنت تھا اور پچھلے شہنشاہوں کے طرح "کسریٰ" کے لقب سے ملقّب تھا۔ اس کا طرز عمل عیسائی بادشاہوں کے بالکل برعکس تھا۔ وہ مجوسی یعنی آتش پرست تھا اور وحی' نبوت اور رسالت کے بارے میں قطعی لاعلم تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھ کر وہ نہایت برہم ہو گیا اور اس نے نہایت تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا۔ اس کے نام حضور

ﷺ کا نامۂ مبارک جو علامہ شبلی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے' درج ذیل ہے :

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ' مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِس' سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَشَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا' اَسْلِمْ تَسْلِمْ فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ))

"خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے' محمدؐ پیغمبر خدا کی طرف سے کسریٰ رئیسِ فارس کے نام' سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور یہ کہ اللہ نے مجھے تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ تُو اسلام قبول کر لے تُو سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا وبال بھی تیری گردن پر ہو گا۔"

خسرو پرویز کا غرور اور گستاخی : بادشاہت کا نشہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ عام طور پر ہر بادشاہ مغرور ہو ہی جاتا ہے' لیکن خسرو پرویز بہت زیادہ مغرور تھا۔ اس کے دور میں دربار شاہی کو جو عظمت و شوکت اور جلال حاصل ہوا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اس کے نام رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں بادشاہ کا نام پہلے ہوتا تھا اور مکتوب نگار کا بعد میں۔ حضور ﷺ کے نامہ مبارک کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے بسم اللہ پھر خود حضورؐ کا اسم گرامی تھا اور پھر کسریٰ کا نام تھا۔ یہ دیکھ کر کسریٰ آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر نہایت گستاخانہ رویہ اختیار کیا۔ نقل کفر کفر نہ باشد' اس نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا' تمہارے صاحب کی یہ جرأت کہ میرے غلام ہوتے ہوئے میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا۔ ایسا گستاخ شخص! میں ابھی اس کی

گرفتاری کا فرمان جاری کرتا ہوں اور اسے بلوا کر اپنے دربار میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اُڑا دوں گا[1]۔ ان گستاخانہ کلمات کے ساتھ اس نے نبی اکرم ﷺ کا نامۂ مبارک چاک کر ڈالا[2]۔

نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی : بعد میں جناب رسول اللہ ﷺ کو خسرو پرویز کی اس گستاخی کی خبر پہنچی تو آپ ؐ نے بطور پیشین گوئی فرمایا کہ "اس نے میرا خط نہیں پھاڑا، اپنی سلطنت کے پرزے اُڑا دیئے"۔ اُس وقت عالم واقعہ میں تو کیفیت یہ تھی کہ سلطنت کسریٰ موجود تھی، اس کی لاکھوں کی فوج تھی، اس کی سلطنت لاکھوں میل پر پھیلی ہوئی تھی، اس کی سطوت، شان و شوکت اور رعب و دبدبہ مرعوب کن تھا۔ اس کے پرزے تو کئی سال بعد خلافتِ فاروقی کے دور میں ہونے شروع ہوئے اور اس کی تکمیل حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے ابتدائی تین چار سالوں میں ہوئی۔ لیکن حضور ﷺ نے اسی وقت پیشین گوئی فرما دی کہ کسریٰ کی سلطنت کے پرخچے اُڑ جائیں گے اور اس کا نام تک باقی نہیں رہے گا۔

خسرو پرویز کا انجام : خسرو پرویز نے حضور ﷺ کے قاصد اور آپ ؐ کے نامۂ مبارک کے ساتھ گستاخی پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اس نے یمن میں اپنے گورنر کو جو ایرانی تھا، فرمان بھیجا کہ "یہ مدینہ کا کون گستاخ شخص ہے جس نے میری شان میں ایسی گستاخی کی ہے اور جو نبوت کا مدعی ہے، اسے فوراً گرفتار کر کے میرے دربار میں حاضر کرو"۔ باذان گورنر یمن نے اپنے دو گماشتوں کو مدینہ بھیجا۔ ان دونوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ ہمارے شہنشاہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ اگر آپ حکم کی تعمیل نہیں کریں گے تو وہ آپ کو اور آپ کے پورے ملک کو تباہ و برباد

(۱) یمن میں اُس وقت ایران کی حکومت تھی اور ایران کے بادشاہ پورے عرب کو آزاد قبائل کا علاقہ سمجھتے تھے اور اسے اپنی قلمرو کا حصہ گردانتے تھے۔

(۲) واضح رہے کہ اُس وقت کسریٰ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے نامۂ مبارک کا ترجمہ تھا جسے اس نے چاک کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا اصل نامۂ مبارک محفوظ رہا۔ (مرتب)

کر کے رکھ دے گا۔ اس پر حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ تمہارا بادشاہ رات کو اپنے بیٹے (شیرویہ) کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اب تم واپس جاؤ اور اپنے گورنر سے کہہ دینا کہ جلد ہی اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔ چنانچہ خسرو پرویز کا یہ انجام ہوا کہ اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا' جس کی خبر حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے پہنچائی۔

<u>قیصرو کسریٰ کے انجام میں ایک نمایاں فرق</u> : نبی اکرم ﷺ کے دورِ سعید ہی میں اُس دَور کی دونوں عظیم سلطنتوں یعنی روم و فارس سے مسلمانوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی' جس نے حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں باقاعدہ جنگوں کی صورت اختیار کر لی' جن کے دو علیحدہ علیحدہ نتائج نکلے۔ وہ یہ کہ جہاں تک قیصر روم کا تعلق ہے تو اگرچہ وہ شام کے تمام علاقوں سے بالکل بے دخل کر دیا گیا تھا۔ اور شمالی افریقہ کے تمام علاقے از مصر تا مراکش اس کی فرمانروائی میں نہیں رہے تھے لیکن اس کی حکومت بالکل ختم نہیں ہوئی' بلکہ ایشیائے کوچک کے تھوڑے سے علاقے اور بلقان کی ریاستوں میں اس کا اقتدار قائم رہا۔ قسطنطنیہ جو اس کا پایۂ تخت تھا وہ بعد میں پندرھویں صدی عیسوی میں ترکانِ عثمانی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ خلافتِ راشدہ میں اس کی حکومت کا بالکل ختم نہ ہونا اس کے اس رویہ کی برکت تھی جو اس نے نبی اکرم ﷺ کے نامۂ مبارک کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس خلافتِ فاروقی میں کسریٰ کی حکومت قریباً ختم ہو چکی تھی جس کا خلافت عثمانیہ میں نام بھی باقی نہیں رہا۔ یزدگرد مارا گیا اور وہ پورا علاقہ جو کسریٰ عظیم فارس کے زیر نگیں تھا اسلامی حکومت کا جزو بن گیا۔ یہ انجام تھا اس گستاخانہ رویے کا جو خسرو پرویز نے حضور ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کرنے کی صورت میں کیا تھا۔ یہ ایک نمایاں فرق ہے جو ہمیں تاریخ اسلام کے قرنِ اول میں نظر آتا ہے۔

بیرونِ عرب مسلّح تصادم کا آغاز

غزوۂ موتہ

صلح حدیبیہ کے بعد ۷ ھ کے بالکل اوائل میں حضور ﷺ نے ان روٴساءِ عرب کے نام بھی نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے تھے جو عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں آباد تھے۔ ان میں غسان کا قبیلہ تعداد میں بھی بڑا تھا اور کافی طاقت ور بھی تھا۔ اس قبیلہ کے لوگ اگرچہ عرب تھے، لیکن ایک مدت سے عیسائی تھے۔ یہ قبیلہ قیصر روم کے ماتحت اور اس کا باج گزار تھا۔ اس وقت قبیلہ کا رئیس و حکمران شُرَحْبِیل بن عمرو نامی شخص تھا۔ اس کے پاس حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ بطورِ قاصد حضور ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔ اس بدبخت نے حضور ﷺ کے قاصد کو شہید کر دیا۔ حضورؐ نے انؓ کے خون کے قصاص کے لئے تین ہزار کا لشکر تیار کر کے جمادی الاولیٰ ۸ ھ میں شام کی طرف بھیجا۔ اس لشکر کا سپہ سالار حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور پہلے ہی سے معین کر دیا کہ اگر ان کو دولتِ شہادت نصیب ہو تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی) سپہ سالار ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں حضرت زید بن رواحہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار ہوں گے جو انصاری تھے اور مشہور شاعر تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لشکر کی سرداری اور سپہ سالاری کس بنا پر سپرد کر گئی ہے۔ لیکن اسلام جس مساواتِ عام کو قائم کرنے کیلئے آیا تھا اس کیلئے یہ عملی نظیر ضروری تھی تاکہ لوگوں میں ایثار کا جذبہ پیدا ہو اور امیر خواہ کوئی بھی ہو اس کی اطاعت فی المعروف کی تربیت حاصل ہو ـــــ مرض وفات کے شروع ہونے سے قبل حضور ﷺ نے انہی زیدؓ بن حارثہ کے فرزند حضرت اُسامہؓ کو اس لشکر کا

افسر وامیر مقرر کیا تھا جو شام کی سرحدوں کی طرف بھیجا جانے والا تھا۔ حضرت اُسامہؓ کی ماتحتی میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساواتِ انسانی کے محض وعظ ارشاد نہیں فرمائے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طور پر تزکیہ فرمایا تھا کہ وہ لوگ جو نسلی اور قبائلی تفاخر کو حرزِ جان بنائے رکھتے تھے ایک کنگھی کے دندانوں کی طرح باہم مربوط اور بنیانِ مرصوص بن گئے تھے۔ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسی نوع کے واقعات کو دیکھ کر ایچ جی ویلز جیسے دشمن اسلام کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ "مساواتِ انسانی، اخوت اور حریت پر نہایت بلند پایہ مواعظ تو حضرت مسیح (علیہ السلام) کے یہاں بھی ملتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اِن اُصولوں پر دُنیا میں سب سے پہلا عملی معاشرہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قائم فرمایا۔

اگرچہ یہ مہم قصاص لینے کے لئے بھیجی گئی تھی، لیکن چونکہ تمام مہمات کا بنیادی و حقیقی مقصد اسلام کی تبلیغ و دعوت تھا اس لئے لشکر کی روانگی سے قبل اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دیں اور ارشاد فرمایا کہ راہ میں جو قبائل آباد ہیں ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور شُرَحبیل بن عمرو غسانی کو بھی پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ اگر وہ قبول کرلے تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوج کے ساتھ مدینہ سے باہر کچھ دُور تک بنفسِ نفیس تشریف لے گئے۔

اِدھر مدینہ میں مسلمانوں کا لشکر ترتیب پا رہا تھا اور اُدھر جاسوسوں نے شُرَحبیل کو خبر کردی۔ چنانچہ شُرَحبیل نے اس لشکر کے مقابلہ کے لئے قریباً ایک لاکھ کی فوج تیار کی، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ معاملہ قصاص اور انتقام کا ہے، لہٰذا جنگ ضرور ہوگی۔ پھر خود قیصر روم (ہرقل) ایک بہت بڑی فوج لے کر غسانیوں کے دارالحکومت بصریٰ سے چند میل کے فاصلہ پر آکر بیٹھ گیا تاکہ اگر غسانی شکست کھائیں تو وہ ان کی مدد کے لئے اپنی فوج لے کر پہنچ جائے۔ اہل ایمان کے لشکر کو جب غسانیوں کی تیاری اور اس کی پشت پر ہرقل کی فوج کی موجودگی کا علم ہوا تو مشورہ ہوا

کہ ان حالات میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ کہاں صرف تین ہزار اور کہاں ایک لاکھ! گویا ایک اور تینتیس کی نسبت بن رہی تھی' چنانچہ مشورہ ہوا کہ دریں حالات مقابلہ کا خطرہ (Risk) مول لینا چاہئے یا حضور ﷺ کو اطلاع دی جائے اور توقف کر کے آپؐ کے حکم کا انتظار کیا جائے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن!

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہی تھی کہ ہمیں سردست مقابلہ نہیں کرنا چاہئے اور حضورؐ کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے تقریر کی کہ مسلمانو! ہم دنیا کے طالب ہو کر نہیں نکلے' فتح اور شکست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں' ہم تو شہادت کے متمنی ہیں' اللہ نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا ہے تو ہم تاخیر کیوں کریں؟"۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ فیصلہ ہو گیا کہ مقابلہ کیا جائے گا ـــــ چنانچہ تصادم ہو گیا۔ اب کہاں تین ہزار کہاں ایک لاکھ! لیکن جوشِ ایمانی اور شوقِ شہادت سے سرشار یہ مختصر سا لشکر ایک لاکھ کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عَلَم اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب انہوں نے عَلَم سنبھالا اور لشکر ان کی قیادت میں آیا تو گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کی ٹانگوں پر تلوار ماری اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تاکہ گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہونے کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔ پھر نہایت بے جگری سے دشمنوں کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ہاتھ قلم ہوا تو دوسرے ہاتھ میں عَلَم تھام لیا۔ وہ بھی قلم ہوا تو باقی ماندہ بازوؤں سے جھنڈا آغوش میں لے لیا تاکہ عَلَم ان کے جیتے جی زمین بوس نہ ہو۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت جعفرؓ زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گرے اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ جعفرؓ کو اللہ تعالیٰ نے کٹے ہوئے دو بازوؤں کی جگہ دو پر عطا فرما دیئے ہیں جن سے وہ جنت میں اُڑتے پھر رہے ہیں۔ اسی وقت سے آپ کا لقب "طیار" قرار پایا اور وہ جعفر طیار کے نام سے موسوم ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' جو اس غزوہ میں شریک تھے' ان کا بیان ہے کہ میں نے جعفرؓ کی لاش بعد میں خود دیکھی تھی' اس پر تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم تھے' لیکن سب سامنے کی طرف تھے' پشت پر کوئی زخم نہیں تھا۔ یہ تھے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

جناب رسول اللہ ﷺ نے ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یکے بعد دیگرے سپہ سالار نامزد کیا تھا' لیکن مزید کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ چنانچہ جب وہ تینوں شہید ہو گئے تو اب مسلمانوں کے لشکر میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کمان سنبھالی اور نہایت بہادری اور بے جگری سے لڑے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس غزوہ میں ان کے ہاتھ سے آٹھ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گریں [1]۔ لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا مقابلہ تھا۔ اس نازک صورت حال میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ ایسی جنگی چال کے ذریعے رومیوں کو مرعوب کر کے اتنی کامیابی کے ساتھ

---

(۱) صحیح بخاری میں "غزوۂ موتہ" کے باب میں حدیث ہے کہ جنگ موتہ کی خبر وحی کے ذریعہ سے حضور ﷺ کو مل رہی تھی۔ آپؐ نے ازروئے وحی فرمایا "اب اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد بن ولید سیف من سیوف اللہ نے مسلمانوں کا علم اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا"۔ حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ "فتح اللہ علیھم "غلبہ اور فتح کی تشریح میں ارباب سیر اور اہل روایت کی مختلف آرا ملتی ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے ان کو اپنی تالیف سیرۃ النبیؐ میں "غزوہ موتہ" کے باب کے اختتام پر حاشیہ میں درج کر دیا ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کا لقب "سیف اللہ" اسی حدیث کی رُو سے مشہور ہوا۔ (مرتب)

مسلمانوں کو پیچھے ہٹالیں کہ رومیوں کو تعاقب کی ہمت نہ ہو۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ یہ روایات بھی موجود ہیں کہ غسانیوں کے ہراول دستے نے جب حملہ کیا تو واقعتاً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور ہراول دستہ شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ بعد میں دشمن کی پوری فوج نے یکبارگی حملہ کر کے مسلمانوں کی فوج کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے پہاڑ کی جانب سے دشمنوں کا گھیرا توڑا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے اور اس طرح اپنی فوج کو دشمنوں کے حملوں سے بچالائے۔

جب یہ فوج مدینہ پہنچی تو بعض روایات میں آتا ہے کہ لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ بھاگ کر آئے ہیں۔ چند لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر ان پر کنکریاں اور ریت پھینکی کہ تم لوگ بھگوڑے ہو۔ تم لوگ اللہ کی راہ میں قتال کے لئے گئے تھے لیکن اپنی جان بچا کر آگئے ہو۔

نبی اکرم ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپؐ بنفسِ نفیس مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ آپؐ نے بڑے تپاک سے فوج کا استقبال کیا اور یہ ارشاد فرما کر ان کو تسلی دی کہ تم مفرور نہیں ہو' بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو — جیسے سورۃ الانفال میں آچکا تھا کہ پینترا بدلنے اور جنگی چال کے طور پر یا نئی قوت کے ساتھ پھر مقابلے کی نیت کے ساتھ پیچھے ہٹا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے[1] غزوۂ موتہ سے بچ کر آنے والے اہل ایمان دراصل اسی زمرے میں آتے تھے' یہ جان بچا کر فرار نہیں تھا۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے اس فوج کو تسلی دی۔ ادھر نہ صرف غسانی بلکہ سارا عرب اور مشرق وسطیٰ یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے۔ مسلمانوں کے جتنے لوگ شہید ہوئے

---

(۱) سورۂ انفال کی آیت نمبر۱۶ میں کفار کے مقابلہ میں جان بچا کر پیٹھ پھیرنے والوں کے لئے اللہ کے غضب اور جہنم کی وعید آئی ہے۔ اسی آیت کے درمیان میں یہ استثنائی الفاظ آئے ہیں: ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾۔ (مرتب)

اس سے کہیں زیادہ تعداد میں کفار مقتول ہوئے۔ پھر ایک لاکھ کی فوج کے نرغہ سے تین ہزار کی مختصر سی فوج کو بچا لے جانا بھی فوجی اعتبار سے بڑے اچنبھے کی بات تھی۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور عراق کی سرحدوں پر آباد قبائل اور نجدی قبائل کو اسلام کی دعوت توحید سے متاثر کیا اور اس غزوہ کے بعد ہزاروں کی تعداد میں ان قبائل کے لوگ ایمان لے آئے۔

غسانیوں کا خوف اور جنگی تیاریاں : جنگِ موتہ کے اس معرکے نے غسانیوں اور رومیوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کو خوف لاحق ہو گیا کہ مسلمان چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ وہ یقیناً دوبارہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایک طرف غسانیوں نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں' دوسری طرف انہوں نے قیصر روم کو لکھا کہ اس اُبھرتی ہوئی طاقت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے' امسال پورا عرب قحط میں مبتلا ہے لہٰذا یہ بہترین موقع ہے کہ اس اُبھرتی ہوئی قوت کو کچل دیا جائے۔ چنانچہ ہرقل نے بھی چالیس ہزار کی فوج شام بھیج دی اور خود مزید فوج کے ساتھ حمص پہنچ گیا۔ اس طرح غسانیوں اور رومیوں نے ایک لشکر جرار تیار کر لیا۔

غزوۂ تبوک

شام اور عرب کے مابین تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ تاجروں کے ذریعہ سے یہ خبر پورے عرب میں پھیل گئی کہ غسانی رومی فوج کے ساتھ مل کر عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی یہ خبریں برابر مل رہی تھیں چنانچہ آپؐ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضور ﷺ کی طرف سے نفیر عام ہوئی۔ یعنی ہر مسلمان جس کو کوئی عذر شرعی لاحق نہ ہو اس کا اس غزوہ کے لئے نکلنا اور فوج میں شامل ہونا لازم قرار دے دیا گیا۔ اس سے قبل یہ ہوتا تھا کہ جب بھی کہیں کوئی مہم بھیجنی ہوتی تھی تو نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرماتے اور مہم کے لئے مطلوبہ تعداد کے

مطابق یا خود انتخاب فرماتے یا اُن اصحاب کو شامل فرما لیتے جو خود کو اس مہم کے لئے پیش کرتے۔ لیکن اس مرتبہ صورت حال مختلف تھی۔ چنانچہ نفیر عام کے نتیجہ میں تیس ہزار کی فوج تیار ہو گئی اور آپؐ اس لشکر کو لے کر تبوک طرف روانہ ہوئے۔

سورۃ التوبہ کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک سے متصلاً قبل اور متصلاً بعد کے واقعات پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔ یہی موقع ہے کہ جس میں منافقین کا کردار نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور ان کے نفاق کا پردہ چاک ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سخت ترین امتحان : غزوۂ احزاب کی طرح غزوۂ تبوک بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے لئے نہایت سخت امتحان کا موقع تھا۔ اس لئے کہ اب ٹکراؤ وقت کی دو عظیم ترین طاقتوں میں سے ایک طاقت یعنی سلطنت روما سے درپیش تھا۔ اب بات عربوں کی باہمی جنگ کی نہیں تھی جہاں ایک اور تین چار یا ایک اور دس یا بیس کی نسبت ہو۔ اب تو سلطنت روما سے ٹکراؤ کا مسئلہ درپیش تھا کہ جس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں ہر وقت باقاعدہ فوجیں تیار رہتی تھیں' جو اُس دور کے اعتبار سے اعلیٰ ترین ہتھیاروں سے لیس تھیں۔ غسانیوں نے لاکھوں کا لشکر تیار کر رکھا تھا' جس کی پشت پر خود ہِرقل قیصرِ روم اپنی کثیر فوج کے ساتھ شام میں موجود تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنے ان مقبوضات سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک طرف یہ صورت حال تھی' دوسری طرف عالم یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا سخت امتحان لیا کہ ہر مسلمان کا جنگ کے لئے نکلنا لازم فرمایا' اِلاّ یہ کہ وہ ضعیف یا بیمار ہو۔ پھر یہ کہ قحط کا عالم اور شدت کی گرمی کا موسم تھا کہ لوگوں کو ویسے بھی گھر سے نکلنا شاق گزرتا تھا۔ ان حالات میں طویل سفر گویا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر منافقین کا پردہ چاک ہو گیا' جو خود بھی جنگ کے لئے نکلنے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ﴾ "گرمی میں نہ نکلو"۔ مزید یہ کہ کھجوروں کی فصل تیار تھی اور یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اگر اب چلے گئے تو یہ کھجوریں کون اتارے

گا۔ یہ درختوں ہی پر گل سڑ کر ختم ہو جائیں گی۔ پہلے ہی کھانے کے لالے پڑے ہیں' یہ فصل بھی اگر برباد ہو گئی تو پھر کیا ہو گا؟

سب پر مستزاد یہ کہ طویل ترین سفر اور سلطنت روما سے ٹکراؤ کا مرحلہ درپیش تھا' لہٰذا ساز و سامان بھی کافی درکار تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دے رہے تھے کہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مالی انفاق بھی کرو۔ نبی اکرم ﷺ کی اس ترغیب کے نتیجہ میں پرستارانِ حق نے ساز و سامان کی فراہمی میں اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسودہ حال تھے انہوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ یہی وہ موقع ہے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا نصف ساز و سامان اور اثاثہ جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارے کا سارا اثاثہ نذر کر دیا اور گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ غریب صحابہ رضی اللہ عنہم نے محنت مزدوری کر کے جو کچھ کمایا لا کر حاضر کر دیا۔ ایک صحابیؓ نے رات بھر ایک باغ میں پانی سینچا اور اس کے معاوضہ میں انہیں جو کھجوریں ملیں وہ لا کر خدمتِ اقدس میں پیش کر دیں۔ عورتوں نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے۔ الغرض تمام اہل ایمان میں جوش جہاد کی لہر دوڑ گئی۔

یہ نفیرعام اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب منافقوں کے لئے کسوٹی بن گئی۔ اس موقع پر پیچھے رہ جانے اور انفاق سے ہاتھ روکنے کے معنی یہ تھے کہ ایسے شخص کا اسلام کے ساتھ تعلق کا معاملہ مشتبہ ہو جاتا۔ چنانچہ منافقین کے لئے یہ موقع ان کے نفاق کا پردہ چاک کرنے کا سبب بن گیا۔ دوسری طرف وہ اہلِ ایمان بھی تھے جو سواریوں کی کمی اور سامان کی قلت کی وجہ سے تبوک کے سفر پر جانے سے معذور تھے۔ حالانکہ ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلیں۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں رو رو کر کہتے کہ اگر آپؐ ہمیں بھی لے چلیں تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں۔ ان مُخلِصین کی بے تابیوں کو دیکھ کر حضور ﷺ کا دل بھر آتا تھا ـــــ چنانچہ سورۃ التوبہ میں جہاں ضعفاء اور مریضوں کو اس غزوہ میں شرکت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے تسلی دی گئی وہاں ان مخلص اہلِ ایمان صحابہ کی

تسلی کے لئے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی :

﴿ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ (آیت ۹۲)

"اور (اسی طرح) ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے جو (اے نبی) آپ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ ہم کو سواری دیجئے (تاکہ ہم بھی ساتھ چلیں) تو آپ نے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے جس پر تم کو سوار کر سکوں تو وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہم اس جہاد میں حصہ لینے کی مقدرت نہیں رکھتے۔"

تبوک کی طرف کوچ : الغرض رجب ۹ھ میں نبی اکرم ﷺ نے ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا اور تبوک کے مقام پر قیام فرمایا جو شام اور جزیرہ نمائے عرب کا سرحدی مقام ہے۔ اس سفر میں دس ہزار گھڑسوار آپؐ کے ہمراہ تھے۔ اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔

قیصر کا جنگ سے اعراض : غسانیوں نے لاکھوں کی فوج تیار کر رکھی تھی اور قیصر نے چالیس ہزار رومی سپاہ ان کی مدد کے لئے بھیج رکھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ غسانیوں کی مدد کے لئے حمص میں موجود تھا۔ لیکن جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا جو لشکر مدینہ سے آرہا ہے اس کی قیادت خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں تو اس نے غسانیوں اور رومی فوجوں کو حکم بھیجا کہ سرحد سے تمام فوجیں واپس چلی آئیں۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسولؐ ہیں اور یہ کہ اللہ کے رسولؐ سے مقابلے کا نتیجہ شرمناک شکست کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ پھر غزوۂ موتہ میں ایک جانب تین ہزار اور دوسری جانب ایک لاکھ فوج کے مقابلہ کی جو کیفیت اس کے علم میں تھی تو اس کے بعد اس کی ہمت

نہ پڑی کہ وہ تیس ہزار فدائین کے اس لشکر سے مقابلہ کرے جس کی کمان خود نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے۔ حالانکہ اُس وقت اس کے پاس غسانیوں اور رومیوں کی دو لاکھ سے بھی زیادہ فوج موجود تھی۔ چنانچہ وہ طرح دے گیا اور اس نے سرحد سے تمام فوجیں واپس ہٹا کر مسلح تصادم کا ہر امکان روک دیا۔

نبی اکرم ﷺ کے اقدامات : نبی اکرم ﷺ نے اس مرحلہ پر قیصر کے اعراض اور پسپائی کو کافی سمجھا اور از خود تبوک سے آگے بڑھ کر شام کی سرحد میں داخل ہونے کے بجائے اس بات کو ترجیح دی کہ اس طرح لشکر اسلام کو جو اخلاقی اور نفسیاتی فتح حاصل ہوئی تھی اس سے زیادہ سے زیادہ سیاسی اور جنگی فوائد حاصل کئے جائیں۔ حضورؐ وہاں بیس دن تک مقیم رہے تاکہ اگر قیصر مقابلہ میں آتا ہے تو آئے ____ اس عرصہ کے دوران آپؐ نے سرحد کے اردگرد جو قبائل آباد تھے' ان کے رئیسوں اور سرداروں سے معاہدے کئے اور اس طرح اس علاقے میں اپنی پوزیشن مضبوط بنالی۔ گویا ہجرت کے بعد غزوۂ بدر سے قبل حضورؐ نے قریش کے خلاف جو اقدام (Active Resistance) کیا اور قریش کی سیاسی ناکہ بندی (Political Isolation) کی وہی کام حضور ﷺ نے تبوک کے ۲۰ یوم کے قیام کے دوران انجام دیا۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

الغرض یہ ہیں سیرت کے وہ اہم واقعات یعنی سلاطین و رؤساء کو نامہ ہائے مبارکہ کی ترسیل' جنگ موتہ اور غزوۂ تبوک جن سے انقلابِ محمدیؐ کی بین الاقوامی تصدیر (Export) کے کام کا آغاز ہوا۔ یعنی جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اب اطراف و اکنافِ عالم میں حضورؐ کی انقلابی دعوت پہنچانے اور توحید کا علم کرۂ ارضی پر بلند کرنے کا جو کام اُمت کے سپرد تھا' اس کا راستہ حضور ﷺ نے بنفسِ نفیس کھول دیا۔

حجۃ الوداع

نبی اکرم ﷺ نے ۱۰ھ میں فریضۂ حج ادا فرمایا۔ ہجرت کے بعد آپؐ کا یہی پہلا اور آخری حج ہے۔ اسی لئے اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مشن اُمت کے حوالہ فرمادیا۔ اس موقع پر سوالاکھ کا مجمع موجود تھا۔ آپؐ نے پہلے تو مجمع سے گواہی لی کہ میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچادیا کہ نہیں؟ جب تین مرتبہ پورے مجمع نے اقرار کیا کہ بے شک آپؐ نے حقِ تبلیغ، حقِ نصیحت اور حقِ امانت ادا فرمادیا تو پھر آپؐ نے فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) "یعنی (میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچادیا) اب وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں (ان کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو) پہنچائیں ان تک جو یہاں موجود نہیں ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں گویا یہ بات از خود مضمر ہے کہ میں نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کردی ہے اور اس عمل کا آغاز کردیا ہے جس کا تعلق بین الاقوامی مرحلہ سے ہے۔ لہٰذا انقلاب کی عالمی سطح پر تکمیل کی ذمہ داری اب تمہارے کاندھوں پر ہے۔

رفیقِ اعلیٰ کی طرف مراجعت

حجۃ الوداع کے بعد ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ تک حضور ﷺ کی حیاتِ دُنیوی کے ۸۰ دن بنتے ہیں جس کے بعد ((اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْاَعْلٰى)) فرماتے ہوئے آپؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس مراجعت سے چند دن قبل آپؐ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں شام کی سرحد کی طرف پیش قدمی کے لئے ایک لشکر تیار فرمادیا تھا، جسے بجا طور پر اس بات کا ثبوت قرار دیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس انقلاب کی بین الاقوامی سطح پر پیش قدمی کرنے کے لئے اُمت اور اپنے جانشینوں کے لئے ایک واضح لائحہ عمل کی جانب رہنمائی فرمادی تھی اور اس ضمن میں قابلِ تقلید عملی نمونہ بھی پیش فرمادیا تھا۔

اقول قولی ہذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار (۱۰)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد ' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے

نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۳۵) غلطی کرنے والے کو صاف طور پر اس کی غلطی بتادینا :

صحیح بخاری میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : میرا کسی آدمی سے جھگڑا ہوگیا' اس کی ماں عجمی تھی۔ میں نے اس کو ماں کا طعنہ دیا' اس نے نبی ﷺ کو بتایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "فلاں شخص سے تمہارا گالی گلوچ ہوا؟" میں نے کہا : "جی ہاں"۔ فرمایا : "تم نے اس کی ماں کو برا کہا؟" میں نے کہا : "جی ہاں"۔ فرمایا : "تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کا اثر باقی ہے"۔ میں نے کہا : "اس بڑھاپے میں بھی؟" فرمایا : "ہاں' وہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے۔ تو جس کے قبضہ میں اللہ نے اس کے بھائی کو کیا ہو' اسے چاہئے کہ جو خود کھائے اسے کھلائے اور جو خود پہنے اسے پہنائے' اور اسے اس کام میں نہ لگائے جو اس پر غالب آ جائے (انتہائی دشوار ہو) اور اگر اسے کسی ایسے کام میں لگائے جو اس پر غالب آئے تو اس کی ادائیگی میں اس کی مدد بھی کرے"۔ (۱۲۰)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میرے بھائیوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ میری تلخ کلامی ہوگئی' اس کی ماں عجمی تھی' میں نے اسے ماں کا طعنہ دیا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے میری شکایت کی۔ نبی اکرم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا : "ابوذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے"۔ میں نے کہا : "اللہ کے رسول! جو کوئی لوگوں کو گالی دیتا ہے' لوگ اس کے ماں باپ کو گالی دیتے

ہیں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ابوذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضے میں دے دیا ہے' لہٰذا انہیں وہ کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو' اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان کے ذمے وہ کام نہ لگاؤ جو ان پر غالب آ جائے۔ اگر ایسا کام ان کے ذمے لگاؤ تو ان کی مدد کرو"۔ (۱۲۱)

نبی اکرم ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بلا تمہید اور پوری صراحت سے یہ بات فرمادی' کیونکہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ صحابی رضی اللہ عنہ اس کو قبول کرلیں گے۔ کیونکہ صراحت ایک مفید ذریعہ ہے' جس میں وقت بھی کم لگتا ہے اور محنت بھی زیادہ نہیں کرنا پڑتی' اور اصل مقصد بھی بڑی سہولت سے واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن اس طریقہ کار کا استعمال مناسب حالات میں اور مناسب افراد کے ساتھ ہی کیا جاسکتا ہے۔

بعض اوقات عالم غلطی پر صراحت سے تنبیہ کرنے سے اجتناب کرتا ہے' جب کہ اس طریقہ کے استعمال کے نتیجہ میں کوئی بڑی خرابی پیدا ہونے کا خطرہ ہو' یا کوئی بڑا فائدہ ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً غلطی کرنے والا معاشرہ میں ممتاز مقام کا حامل ہے یا کسی بلند عہدے پر فائز ہے جس کی وجہ سے وہ اس اسلوب سے کی ہوئی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ یا خطرہ ہے کہ صراحت کرنے پر غلطی کرنے والا اپنے آپ کو سخت مشکل میں محسوس کرے گا' یا وہ اس قدر حساس طبیعت کا مالک ہے کہ اس سے منفی رد عمل سرزد ہونے کا امکان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غلطی کرنے والا صراحت کے اسلوب کو پسند نہیں کیا کرتا' اور اسے برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے' کیونکہ اس میں سامنے ہو کر بات کی جاتی ہے' اور تنقید کرنے والا گویا استاد جیسے بلند مقام پر فائز محسوس ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں غلطی کرنے والا ایک نقص کا حامل اور کم تر مقام پر نظر آتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ گھما پھرا کر بات کرنے کے بھی منفی پہلو موجود ہیں' جو بعض اوقات صراحت کے اسلوب سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غلطی کرنے والا یہ محسوس کرسکتا ہے کہ اسے کم عقل سمجھ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ ممکن ہے وہ اشاروں کنایوں کی وجہ سے پریشانی محسوس کرے کیونکہ وہ انہیں طنز اور ذہنی اذیت سمجھتا

ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے جو بات سمجھانا مقصود ہے وہ اسے سمجھ ہی نہ سکے' کیونکہ کلام کا اصل مقصد پوشیدہ ہے اور غلطی کرنے والے کا ذہن اس تک نہیں پہنچ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ غلطی پر قائم رہے گا۔ ویسے بھی ہر شخص میں قبولیت کی طرف میلان ایک جیسا نہیں ہوتا۔ مزید برآں ایک شخص کے لئے ایک انداز بہترین ہوتا ہے' دوسرے آدمی کے لئے کوئی دوسرا اسلوب بہتر ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات ہر حال میں درست ہے کہ تبلیغ کی کامیابی میں رہنمائی کرتے وقت حسن خلق کا اثر سب سے زیادہ ہے۔

۳۶) غلطی کرنے والے کو قائل کرنا:

غلطی کرنے والے کو قائل کرنے کے لئے اس سے تبادلہ خیال کی کوشش کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح اس کی عقل پر سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جو حق کی قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے' چنانچہ آدمی سیدھی راہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ سنت نبوی میں سے اس کی ایک مثال طبرانی کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان لڑکا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور کہا : "اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجئے"۔ لوگوں نے بلند آواز سے اسے منع کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے (حاضرین سے) فرمایا : "بس کرو"۔ پھر فرمایا : "اسے سکون سے بیٹھنے دو"۔ اور اُسے فرمایا : "قریب آ جاؤ"۔ وہ قریب آ گیا' حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے بالکل سامنے آ بیٹھا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا ۔ "کیا تم اپنی والدہ کے لئے یہ چیز پسند کرتے ہو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ چیز پسند نہیں کرتے ــــ کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ چیز پسند کرتے ہو؟" اس نے کہا "جی نہیں"۔ فرمایا: "اسی طرح لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے" ــــ "کیا تم اپنی بہن کے لئے یہ پسند کرتے ہو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "اسی طرح لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ چیز پسند نہیں کرتے ــــ کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے یہ بات پسند کرتے ہو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "اسی طرح لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے ــــ کیا تم اپنی خالہ کے لئے یہ پسند

کرتے ہو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "اسی طرح لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لئے پسند نہیں کرتے"۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا : "اے اللہ ! اس کا گناہ معاف کر دے' اس کے دل کو پاک کر دے' اور اسے پاک دامنی بھی عطا فرما"۔ (۱۲۲)

۴۷) غلطی کرنے والے کو یہ احساس دلانا کہ اس کا عذرِ لنگ ناقابل قابل قبول ہے :

بعض اوقات غلطی کرنے والا من گھڑت اور ناقابل قبول وجوہات تراش کر اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے' خصوصاً جب کہ معاملہ اچانک ظاہر ہو جائے اور وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ ہو۔ بعض اوقات جھوٹا بہانہ کرتے ہوئے زبان اٹکتی ہے' خاص طور پر جب آدمی صاف دل والا ہو اور اسے جھوٹ بولنا نہ آتا ہو۔ اگر مربی کے سامنے اس قسم کے آدمی کا کوئی معاملہ آئے تو وہ کونسا طریق کار اختیار کرے؟ مندرجہ ذیل قصہ اگر صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو اس سے نبی اکرم ﷺ کا اپنے ایک صحابی کے ساتھ بڑا خوبصورت اور مبنی بر حکمت موقف سامنے آتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مربی کس طرح غلطی کرنے والے کو ایک تسلسل کے ساتھ غلطی کا احساس دلا سکتا ہے حتی کہ وہ اپنی غلطی سے دستبردار ہو کر اصلاح کر لے۔

حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ہم نے جناب رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں مرالظہران کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ میں اپنے خیمے سے نکلا' اچانک مجھے کچھ خواتین باتیں کرتی نظر آئیں۔ مجھے یہ منظر اچھا لگا۔ میں نے واپس اپنے خیمے میں جا کر اپنا بقچہ نکالا' اس میں سے ایک حُلہ (عمدہ جوڑا) نکال کر پہنا' اور اُن کے پاس آ بیٹھا۔ (اچانک) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ (مجھے عورتوں کے پاس بیٹھے دیکھ کر) فرمایا : "اے ابو عبداللہ !" جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میں خوفزدہ ہو گیا اور مجھ سے کوئی بات نہ بن پائی۔ میں نے کہا : "اللہ کے رسول! میرا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے' میں اس کے لئے رسی کی تلاش میں ہوں"۔ حضور علیہ السلام چل دیئے' میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل

پڑا۔ آپؐ نے اپنی چادر میرے پاس رکھ دی (مطلب یہ تھا کہ یہیں رکے رہو) اور خود (قضائے حاجت کے لئے) درختوں میں تشریف لے آئے۔ مجھے درختوں کے سبز رنگ میں سے آپ کی کمر مبارک کی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ فارغ ہو کر آپؐ نے وضو کیا' اور تشریف لائے تو آپؐ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک ٹپک کر سینے پر گر رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا : "ابو عبداللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟" اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے جب بھی رسول اللہ ﷺ مجھے ملتے تو فرماتے "السلام علیکم' ابو عبداللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟" یہ کیفیت دیکھ کر میں تیزی سے سفر کر کے مدینہ پہنچ گیا' میں نے مسجد میں آنا اور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ جب کافی دن گزر گئے تو میں ایسے وقت مسجد کی طرف چلا جب وہ (نمازیوں سے) خالی ہو' میں وہاں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ بھی کسی حجرہ شریف میں سے نکل کر تشریف لے آئے اور ہلکی سی دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے نماز لمبی کر دی کہ شاید حضور علیہ السلام مجھے چھوڑ کر تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا : "ابو عبداللہ! جتنی لمبی چاہو نماز پڑھو' جب تک تم نماز سے فارغ نہیں ہو گے میں بھی نہیں اٹھوں گا"۔ میں نے دل میں کہا : اللہ کی قسم! میں ضرور جنابِ رسول اللہ ﷺ سے معذرت کر لوں گا اور اپنے بارے میں حضور علیہ السلام کا دل صاف کر دوں گا۔ جب میں نے نماز سے سلام پھیرا تو آپؐ نے فرمایا : "ابو عبداللہ! السلام علیکم' تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟" میں نے عرض کیا : "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' وہ اونٹ تو جب سے میں مسلمان ہوا ہوں' کبھی نہیں بھاگا"۔ آنحضرت ﷺ نے تین بار فرمایا : "اللہ تجھ پر رحمت فرمائے"۔ اس کے بعد آپؐ نے دوبارہ وہ بات نہیں فرمائی۔"[۲۳۱]

یہ تربیت کا ایک عمدہ درس ہے' اور ایسے پُر حکمت طریق کار کی مثال ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو گیا۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل مسائل بھی اخذ کئے جا سکتے ہیں :

☆ مربی کی ایک ہیبت ہے' چنانچہ جب وہ غلطی کے مرتکب کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ شرم محسوس کرتا ہے۔

☆ مربی کے سوالات —— باوجود مختصر ہونے کے —— اور مربی کی نظر میں بہت کچھ

سمجھا دیتی ہیں' اور ان کا دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔

☆ من گھڑت عذر' جس میں واضح خلل اس کو غلط ثابت کر رہا ہے' اسے سن کر بحث نہ کرنا اور عذر کرنے والے سے اعراض کر لینا' یہ احساس دلانے کے لئے کافی ہے کہ اس کا عذر قبول نہیں ہوا' اور یہ چیز اُسے توبہ اور معذرت کی طرف مائل کرتی ہے۔ یہ نکتہ اس حدیث کے ان الفاظ سے ظاہر ہے : "حضور علیہ السلام چل دیئے"۔

☆ اچھا مربی وہ ہے جو غلطی کرنے والے کے دل میں حیاء کا احساس بھی پیدا کر دے جس کی وجہ سے وہ اس سے روپوش رہنا چاہتا ہے' اور یہ احساس بھی پیدا کرے کہ اسے اس کے پاس حاضر ہونے کی ضرورت ہے۔ اور آخر کار دوسرا احساس پہلے پر غالب آ جائے۔

☆ اس قسم کے حالات میں جب غلطی کا مرتکب اپنا موقف تبدیل کر لیتا ہے' تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطی کا معترف ہے اور اس سے رجوع کر رہا ہے۔

۳۸) انسان کی فطری کمزوریوں کو ملحوظ رکھنا :

اس کی ایک مثال عورتوں' اور خصوصاً سوکنوں میں رقابت کا جذبہ ہے۔ بعض اوقات اس جذبہ کے زیر اثر عورت سے ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ اگر کسی اور انسان سے عام حالات میں سرزد ہو تو اس سے بالکل مختلف طریقے سے سلوک کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ عورتوں کی باہمی رقابت' اور اس کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والی غلطیوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے' اور اس میں عدل و انصاف کے ساتھ ساتھ صبر' برداشت اور تحمل کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا : "نبی اکرم ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک اُم المومنین (رضی اللہ عنہا) نے ایک چوڑے برتن میں کھانا بھیجا۔ نبی اکرم ﷺ جس خاتون کے ہاں تشریف فرما تھے' انہوں نے خادمہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جس کی وجہ سے برتن گر کر ٹوٹ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے برتن کے ٹکڑے جمع کئے' اور ان میں گرا ہوا کھانا ڈالنے لگے اور فرمایا : "تمہاری

ماں کو غیرت آگئی"۔ پھر آپ نے خادمہ کو روک لیا حتیٰ کہ جس اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے ہاں حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے' ان کے گھر سے برتن حاضر کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے صحیح برتن ان کے ہاں بھیج دیا جن کا برتن ٹوٹا تھا اور ٹوٹا ہوا برتن ان کے ہاں رہنے دیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (۱۲۴)

سنن نسائی میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ایک چوڑے برتن میں کھانا لائیں۔ (اتنے میں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آ گئیں۔ انہوں نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ان کے پاس ایک پتھر تھا۔ انہوں نے پتھر مار کر برتن توڑ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن کے دونوں ٹکڑوں کو ملا کر رکھا اور دو بار فرمایا : "کھاؤ' تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی"۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا برتن لے کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیج دیا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا (ٹوٹا ہوا) برتن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ (۱۲۵)

سنن دارمی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑا پیالہ بھیجا جس میں ثرید تھا۔ حضور علیہ السلام اپنی کسی دوسری زوجہ محترمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پیالے کو کچھ مار کر توڑ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثرید اٹھا اٹھا کر پیالے میں ڈالنے لگے اور فرمایا : "کھاؤ' تمہاری ماں کو غیرت آگئی"۔ (۱۲۶)

عورت کا غیرت و رقابت کا جذبہ اس کی فطرت میں رچا بسا ہوا ہے' جو اُس سے بڑے بڑے کام کروا دیتا ہے اور اس کی نگاہ سے نتائج و عواقب کو اوجھل کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے جیسے کسی کا قول ہے کہ "عورت پر جب غیرت کا جذبہ غالب آتا ہے تو اسے یہ بھی نظر نہیں آتا کہ وادی کا اُونچا کنارہ کونسا ہے اور نیچی زمین کونسی؟"

حرفِ آخر

سنت نبویہ کے معطر چمن کی اس مختصر سی سیر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مختلف اسلوب

سامنے آئے ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے عام لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے اختیار فرمائے۔ اس موضوع پر جو گزارشات پیش کی گئی ہیں، بہتر ہے چند نکات میں ان کی دوبارہ یاددہانی ہو جائے :

☆ غلطیوں کی اصلاح لازمی ہے اور اہم بھی —— اور یہ ذہنی خیر خواہی کی ایک صورت اور نہی عن المنکر کا ایک جزء ہے۔ لیکن یہ فریضہ کا صرف ایک جزء ہے، کیونکہ دین میں صرف نہی عن المنکر نہیں، امر بالمعروف بھی شامل ہے۔

☆ تربیت صرف غلطیوں کی اصلاح کا نام نہیں، بلکہ اس میں دین کے اصول و قواعد اور شرعی احکام بتانا، سمجھانا اور سکھانا بھی شامل ہے اور افراد کے ذہن میں ان تصورات کو واضح اور راسخ کرنے کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً عملی نمونہ پیش کرنا، وعظ و نصیحت کرنا، واقعات اور کہانیاں سنانا، وغیرہ۔ بعض والدین، اساتذہ اور تربیت کرنے والوں سے یہ کوتاہی سرزد ہوتی ہے کہ پوری توجہ غلطیوں کی تلاش اور ان کے علاج کی طرف مبذول کر دیتے ہیں اور بنیادی تصورات کی تعلیم کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کرتے، حالانکہ بے راہ روی اور غلطیوں کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے حفاظتی اقدامات اختیار کرنے سے ان کی مقدار کم ہو سکتی ہے، بلکہ یہ ختم بھی ہو سکتی ہیں۔

☆ مذکورہ بالا واقعات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غلطیوں کی اصلاح کے لئے جو اقدامات فرمائے ہیں، ان میں بہت تنوع پایا جاتا ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حالات اور افراد کے بدلنے سے اصلاح کا اسلوب بھی بدل جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس معاملہ میں نبی اکرم ﷺ کی اقتدا کرنا چاہتا ہے، وہ پیش آنے والے واقعات میں تفقہ اور اجتہاد سے کام لیتے ہوئے ان نظائر کو سامنے رکھتا ہے اور مسئلہ کو اس سے مشابہ مسئلہ پر قیاس کر کے وہ اسلوب منتخب کر لیتا ہے جو کسی خاص موقعہ کے لئے زیادہ مناسب ہو۔

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سمجھ نصیب فرمائے اور ہمیں نفس

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

(۱)

چین کی طرف سے دفاعی معاہدے کی پیشکش نہایت خوش آئند ہے

واجپائی کی آمد پر جماعت اسلامی کا احتجاج قوم کی طرف سے فرضِ کفایہ ہے

۲۶۔ فروری = ہمارے قومی مسائل کا واحد حل نیو ورلڈ آرڈر کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے' تاہم اس کیلئے عوام میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنا ہو گا۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطابِ جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ قرض کی مے پینے کی پرانی عادت نے پاکستانی معیشت کو تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا ہے اور اب ہم امریکہ اور آئی ایم ایف کے ہر حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان کی خداداد ایٹمی صلاحیت درحقیقت پوری امت مسلمہ کا اجتماعی سرمایہ ہے' جسے امریکی اور یہودی لابی تباہ کرنے کیلئے اعلانیہ اور خفیہ سازشوں میں مصروف ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ان حالات میں جبکہ پاکستان امریکہ کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے' چین کی طرف سے دفاعی معاہدے کی پیشکش نہایت خوش آئند ہے۔ اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کو بلا تاخیر چین سے دفاعی معاہدہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اس اہم پیشکش سے فائدہ نہ اٹھانا مجرمانہ غفلت اور سنگین غلطی ہو گی۔

امیر تنظیم اسلامی نے سپریم کورٹ کے شریعت ایپلٹ بینچ کی طرف سے حکومتی اپیل کو مسترد کرنے کے فیصلہ پر خراج تحسین پیش کیا اور اسے جرأت مندانہ اقدام قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس فیصلے پر شریعت ایپلٹ بینچ کے معزز جج صاحبان پوری قوم کی طرف سے شکریئے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کے قانونی مشیروں نے اپنے غیر آئینی مشوروں سے حکومت کو ہر سطح پر شرمندگی اور ہزیمت سے دوچار کیا ہے۔ سپریم کورٹ کی طرف سے فوجی عدالتوں کے قیام کو غیر آئینی اقدام قرار دینا اور سود کی زیر سماعت اپیل پر حکومتی درخواست کا مسترد ہونا حکومت کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ کے مترادف ہے جو انہی آئینی مشیروں کے غلط مشوروں کا مرہونِ منت ہے۔ انہوں نے کہا کہ سودی نظام کے خاتمے کیلئے اسلامی آئیڈیالوجی کونسل کی سفارشات اور راجہ ظفر الحق کمیشن کی مرتب کردہ رپورٹ کے ہوتے ہوئے حکومت کا وفاقی شرعی عدالت سے سود کے متبادل کیلئے رہنمائی کیلئے رجوع کرنا مضحکہ خیز

اور ناقابل فہم ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ ان سفارشات کو بلا تاخیر عملی جامہ پہنانے کا اعلان کر کے ملک سے سود کے خاتمے اور اسلامی معیشت کے قیام کی جانب مثبت پیش رفت کا آغاز کرے۔

بھارتی وزیر اعظم کی پاکستان آمد کے موقع پر جماعت اسلامی کے بھرپور احتجاج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جماعت اسلامی نے احتجاج کر کے پوری قوم کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر دیا ہے۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد سے کہا کہ وہ جماعت اسلامی کو اصولی' انقلابی اسلامی جماعت کی شکل دے کر ملک میں نفاذ اسلام کی تحریک منظم کریں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اگر یہ خبر درست ہے کہ مال روڈ پر احتجاج کے سلسلے میں جماعت اسلامی نے انتظامیہ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے تو اس سے جماعت اسلامی کا عمومی تشخص مجروح ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو جماعت اپنے کارکنوں اور حمایتیوں کو احتجاج کیلئے سڑکوں پر لاتی ہے اسی کا فرض ہے کہ وہ مظاہرین کو پُرامن رکھے وگرنہ احتجاج کیلئے لوگوں کو سڑکوں پر لانے سے گریز کرے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے جماعت اسلامی لاہور کے زیر اہتمام لٹن روڈ لاہور پر منعقدہ جلسے کے شرکاء پر پولیس تشدد کو انتقامی کارروائی قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مذمت کی۔

—————— (۲) ——————

نواز شریف امریکہ کے ساتھ سہ نکاتی ایجنڈے پر سودے بازی کر چکے ہیں

۱۲/ فروری = قرائن بتاتے ہیں کہ کشمیر پر "کیمپ ڈیوڈ" اور "اوسلو" طرز کا کوئی خفیہ معاہدہ طے پا چکا ہے' چنانچہ امریکہ اور برطانیہ کی نواز شریف پر اچانک نوازشات اسی "خدمت" کا نتیجہ ہیں' جس کا تازہ مظہر یہ ہے کہ برطانیہ نے الطاف حسین کے معاملے میں اپنی سابقہ پالیسی تبدیل کرتے ہوئے نواز شریف کے ساتھ تعاون کا عندیہ دیا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ میں کہا ہے کہ نواز شریف نے یہ عارضی اور جزوی کامیابی بڑی بھاری قیمت دے کر حاصل کی ہے۔ چنانچہ وہ امریکی دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں اور نیو ورلڈ آرڈر کے مقاصد کی تکمیل کیلئے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو سی ٹی بی ٹی اور ایف ایم سی ٹی کے ذریعے سبوتاژ کرنے' کشمیر کا مسئلہ حل کئے بغیر بھارت کی شرائط پر اس سے مفاہمت و مصالحت کرنے اور امریکہ کی ہدایات کی روشنی میں افغان پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے تین نکاتی ایجنڈے پر سودے بازی کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان کے نظریاتی اساس یعنی اسلام کو یہاں مستحکم کئے بغیر پاکستان کو حقیقی اسلامی ریاست بنائے بغیر بھارت سے دوستی اور مفاہمت قومی سطح پر خودکشی کے مترادف ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ قرارداد مقاصد کی رو سے حاکمیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے' جسے حکمران اپنے اختیارات حکمرانی کو قرآن و سنت کی حدود کے اندر ہی استعمال کر سکتے ہیں مگر شرعی عدالت کے دائرہ اختیار پر عائد پابندیوں کو برقرار رکھ کر منافقانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ مذہبی جماعتیں پاور

پالیٹکس سے الگ ہو کر "اسلام لاؤ اور ملک بچاؤ" کی بنیاد پر یک نکاتی ایجنڈے کے تحت "متحدہ اسلامی محاذ" قائم کر کے ملک کو اسلام کا گہوارہ بنانے کی تحریک برپا کریں 'وگرنہ شدید اندیشہ ہے کہ بعض مذہبی جماعتیں یہاں تشدد اور خونی انقلاب کا راستہ اختیار کر لیں گی جس سے مثبت تبدیلی کی بجائے ملک خانہ جنگی اور شدید افراتفری کا شکار ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ کراچی کے بعد ملک گیر سطح پر فوجی عدالتوں کا قیام اور واپڈا کو فوج کے حوالے سول حکومت کی ناکامی کے اعلان کے مترادف ہے۔ بجلی چوری کی روک تھام کی خاطر فوج کے چھاپوں سے متاثر ہونے والے بڑے سیاستدانوں اور مراعات یافتہ طبقات کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے "نوٹس دلاؤ پالیسی" کے ذریعے تحفظ فراہم کرنے کے اقدام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بجلی چوری میں صرف واپڈا اہلکار ہی نہیں بلکہ خود حکمران طبقہ بھی ملوث ہے۔

(۴)

کشمیریوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی اور بھارت کے ساتھ دوستی منافقانہ طرزِ عمل ہے

۵ / فروری = موجودہ حکومت کا یہ طرزِ عمل منافقانہ ہے کہ ایک طرف تو تعطیل عام کے ذریعے کشمیری عوام سے یکجہتی کا دن منایا جا رہا ہے جبکہ دوسری طرف انہی کے قاتل بھارت سے روابط بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک وقت تھا جب ہم مسئلہ کشمیر حل کئے بغیر پاکستان اور بھارت کے تعلقات معمول پر لانے کی بات سننے کو بھی تیار نہ تھے لیکن موجودہ حکومت مسئلہ کشمیر کو یکسر نظرانداز کر کے ثقافت 'کھیل اور تجارت کے میدان میں بھارت سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔ جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ کے اشارے پر موجودہ حکومت "اوسلو" طرز کا کوئی معاہدہ بھارت سے کر چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شریف فیملی کے متکبرانہ طرز عمل کی وجہ سے پاکستان پر ایک خاندان کی حکومت قائم ہونے کی شکل پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن ان آسودۂ ساحل لوگوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ "ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں' خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں"۔ چنانچہ جس تیرھویں ترمیم کے قلعے میں انہوں نے پناہ لی تھی اس میں ان کے قریبی "ہم میاں اظہر کے استعفاء سے دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اللہ کی عنایت کردہ ہے لیکن موجودہ حکومت امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے سی ٹی بی ٹی اور ایف ایم سی ٹی پر نہ صرف یہ کہ کوئی خفیہ سازباز کر چکی ہے بلکہ ان پر عمل درآمد بھی شروع ہو چکا ہے۔ اس طرح موجودہ حکومت اللہ کی ناشکری اور ملت اسلامیہ سے غداری کی مرتکب ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی اس فرمانبرداری کے نتیجے میں اگرچہ آئی ایم ایف نے پاکستان کو قرضے کی ایک قسط جاری کر دی ہے

لیکن اس کے نتیجے میں حکومت کو بجلی کے نرخوں میں گیارہ فیصد اضافہ کرنا پڑے گا۔ جس کے باعث یہ امکان موجود ہے کہ عوامی سطح پر کوئی تحریک اٹھ کھڑی ہو یا پھر خانہ جنگی کی سی کیفیت اس ملک میں پیدا ہو جائے جو موجودہ حکومت کو خس و خاشاک کی طرف بہالے جائے۔

ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ نظام سے بیزار اور غربت و مہنگائی کے ہاتھوں پریشان عوام کے ان جذبات کو صحیح رخ پر ڈالا جائے۔ اور دینی جماعتیں دین کے قیام کیلئے اکٹھی ہو کر منہاج نبویؐ کے مطابق ملک میں نفاذ شریعت کیلئے جدوجہد کریں۔ اس ضمن میں تنظیم اسلامی نے پہلا قدم بڑھادیا ہے اور بہت سی دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے خالص دینی اتحاد کے قیام کی تجویز سے اتفاق کیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یہ اتحاد منہج انقلاب نبویؐ کے پہلے مرحلے کے طور پر سب سے پہلے دعوت کی منزل طے کرے گا' پھر جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں گے انہیں دوسرے مرحلے میں منظم کیا جائے گا اور جب معتدبہ تعداد حاصل ہو جائے گی تو تیسرے مرحلے میں نہی عن المنکر بالید کا آغاز کیا جائے گا۔ الحمد للہ اس ضمن میں تنظیم اسلامی نے تحریک دعوت رجوع الی القرآن کے ذریعے گزشتہ نصف صدی میں دعوت کے مرحلے میں خاصا کام کیا ہے۔ جس کا مظہر ملک کے طول و عرض میں قرآن کے نام پر قائم ہونے والے ادارے اور قرآن کانفرنسوں کا انعقاد ہے۔

بقیہ : غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار

امّارہ کی شراتوں سے محفوظ رکھے۔ ہمیں نیکی کی راہیں کھولنے والے اور برائی کی راہیں بند کرنے والے بنائے' ہماری رہنمائی فرمائے اور ہمیں دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ یقیناً وہ ہماری دعائیں سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ وہی ہمارا آقا و مولا اور وہی مدد فرمانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ وصلی اللّٰہ علی النّبیِّ الاُمّیّ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین' والحمدُ لِلّٰہ رَبِّ العالمین۔

(۱۲۰) فتح الباری ۶۰۵۰

(۱۲۱) صحیح مسلم' حدیث ۱۶۶۱ (۱۲۲) معجم کبیر طبرانی ۷۶۷۹ اور ۷۷۵۹

(۱۲۳) معجم کبیر طبرانی ۴ .۳۰۳۔ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ زید بن اسلمؒ نے حضرت خوات سے نہیں سنا۔

(۱۲۴) صحیح بخاری' حدیث ۵۲۲۵ (۱۲۵) سنن نسائی' کتاب عشرة النساء۔ ۷/۴۰

(۱۲۶) سنن دارمی' کتاب البیوع' باب من کسر شیئا فعلیہ مثلہ

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۴
ذوالحجہ	۱۴۱۹ھ
اپریل	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زر تعاون	-/۱۰۰

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

فرقہ واریت کے خاتمہ کے لئے علماء کمیٹی کا قیام

یہ بات اکثر رفقاء و احباب کے علم میں ہوگی کہ حال ہی میں فرقہ واریت میں شدت پسندی کے رجحان کے خاتمے کے لئے حکومت نے مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل جو کمیٹی بنائی ہے اس کی سربراہی کی ذمہ داری امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ پر ڈالی گئی ہے۔ اس خبر پر ہمارے رفقاء و احباب کے ملے جلے تاثرات سامنے آئے ہیں۔ بعض احباب نے اس پر خوشگوار حیرت کا اظہار کیا اور بعض نے پریشانی اور تشویش کا۔ بہرکیف یہ ایک غیر متوقع خبر ضرور ہے اور اس کے حوالے سے جو لوگ کچھ ذہنی تحفظات رکھتے اور تشویش میں مبتلا ہیں ان کا یہ طرز عمل بالکل فطری ہے۔ اس لئے کہ موجودہ حکومت کے بارے میں امیر محترم کے شدید ترین ریمارکس آجانے کے بعد اور پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی جانب پیش رفت کے حوالے سے میاں شریف فیملی کے طرز عمل سے مایوسی ہی نہیں بیزاری کے واضح اعلان کے بعد یکایک حکومت کی قائم کردہ کمیٹی کی سربراہی قبول کرنا بادی النظر میں یقیناً ناقابل فہم ہی کہلائے گا ـــــ امیر تنظیم کے اس فیصلے کی کوئی شخص تائید کرے یا مخالفت، بہرکیف اپنی جگہ یہ ایک وضاحت طلب معاملہ ضرور ہے۔ ۲/اپریل کے خطاب جمعہ میں امیر محترم نے اس معاملے کا پس منظر بیان کیا اور تفصیلاً پوری صورتحال سامعین کے سامنے رکھی جس کا خلاصہ جو "ندائے خلافت" میں شائع ہو چکا ہے، قارئین میثاق کی دلچسپی کے پیش نظر ذیل میں پیش خدمت ہے:

> "فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے علماء کمیٹی کے قیام اور اس کی سربراہی قبول کرنے کا پس منظر یہ ہے کہ ۷/مارچ کو فیصل آباد میں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی تشکیل کے ضمن میں منہاجِ محمدیؐ کانفرنس تھی، اس روز مولانا ضیاء القاسمی صاحب خاص طور پر مجھ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ انہوں نے سپاہ صحابہ کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی جماعت کے کارکنوں پر حکومت کی طرف سے ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میں سپاہ صحابہؓ کے

کارکنوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھاؤں۔ میں مولانا کی اس بات سے حیران بھی ہوا کہ مجھے اور میری جماعت تنظیم اسلامی کو ملک میں ایسی کوئی سیاسی اہمیت حاصل نہیں ہے کہ ہم اس حوالے سے کوئی اہم کردار ادا کر سکیں۔ تاہم مولانا ضیاء القاسمی نے جس دلسوزی سے گفتگو کی' اس بناء پر میں نے اس معاملے پر غور و خوض کا وعدہ کر لیا۔ بعد ازاں کراچی اور لاہور میں اسی سلسلے کی منعقد ہونے والی کانفرنسوں کے ضمن میں خاصی مصروفیت رہی' تاہم ۲۳/مارچ کو تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس میں اس مسئلہ پر غور کیا گیا۔ جس میں یہ تجویز سامنے آئی کہ میاں محمد شریف صاحب کو اس حوالے سے ایک خط تحریر کر دیا جائے' تاکہ مولانا ضیاء القاسمی اور میاں محمد شریف صاحب کی براہ راست ملاقات کی راہ ہموار ہو جائے۔

چنانچہ میں نے میاں شریف صاحب کے نام ایک مختصر خط ارسال کر دیا جس میں لکھا تھا کہ حکومت کے بعض اقدامات اور پالیسیوں کے بارے میں میری تنقیدیں اور تلخ تبصرے اپنی جگہ لیکن آپ ازراہِ کرم وزیر اعظم نواز شریف سے کہیں کہ وہ ایک بار مولانا ضیاء القاسمی سے ملاقات کر کے ان کا موقف ضرور سن لیں۔ اگلے روز خلاف توقع میاں محمد شریف صاحب اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف قرآن اکیڈمی تشریف لے آئے۔ میاں محمد شریف صاحب نے مجھ سے ملاقات کے دوران اس خواہش کا اظہار کیا کہ مولانا ضیاء القاسمی سے ان کی ملاقات میری وساطت سے ہونی چاہئے۔ "جو بولے وہی کنڈا کھولے" کے مصداق گویا میں اس معاملے میں "پھنس" گیا۔ چنانچہ عید کے دوسرے روز رائے ونڈ میں سپاہ صحابہؓ کے وفد کے ساتھ میاں شریف صاحب سے ملاقات کا پروگرام طے پا گیا۔ اس ملاقات میں میاں محمد شریف کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف اور میاں شہباز شریف بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کے دوران دو باتیں سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ ملکی سطح پر ایسا قانون بنا دیا جائے کہ جو شخص بھی خلفاء راشدین' صحابہ کرام' ازواجِ مطہرات اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی توہین کا ارتکاب کرے اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی پر تکفیر کا فتویٰ لگانے کے لئے لازم ہو کہ وہ عدالت میں اپنا

موقف ثابت کرے' بصورت دیگر مدعی کو سخت ترین سزا دی جائے۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ قائداعظم کی توہین پر دس سال قید کی سزا کا قانون موجود ہے' خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا معاملہ تو اس سے کئی گنا اہمیت کا حامل ہے' لہٰذا اس کے لئے سخت تر سزا ہونی چاہئے۔ مولانا قاسمی صاحب نے سزا کی مدت ۱۴ سال تجویز کی' جس پر صاحبان اقتدار نے آمادگی کا اظہار کیا۔ البتہ ان تجاویز کی روشنی میں طے پایا کہ تمام مکاتب فقہ پر مشتمل نمائندہ علماء کی کمیٹی تشکیل دی جائے۔ وہیں یہ بات بھی رکھی گئی کہ اس کمیٹی کی سربراہی بھی میں ہی قبول کروں اور میری معذرت کے باوجود مجھ پر یہ کڑی اور بھاری ذمہ داری عائد کر دی گئی۔

جمعرات یکم اپریل کو وزیراعظم ہاؤس میں اس کمیٹی کا پہلا باقاعدہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں طے پایا کہ اگر یہ کمیٹی متفقہ طور پر کسی نتیجے پر پہنچ جاتی ہے تو ان سفارشات کی روشنی میں حکومت مطلوبہ قانون سازی کر دے گی اور یوں فرقہ واریت کے حوالے سے ہونے والے جلسے' جلوس' اشتہارات وغیرہ سب کا از خود توڑ ہو جائے گا۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ تشدد کے ذریعے اس مسئلے کا حل کیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے تشدد کے ذریعے رو کا جا سکے۔ اس لئے کہ یہ معاملہ ع "بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد" کی طرح کا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکریم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی ناموس کی حفاظت تو دین و ایمان کا معاملہ ہے۔ اس قسم کے معاملات میں غازی علم الدین شہید جیسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو پھانسی کی سزا کو بھی اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کا حل تشدد نہیں۔ صحابہ' امہات المومنین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی تقدیس کے احترام کا قانون بنانے ہی سے یہ مسئلہ حل ہوگا۔ آپ سب لوگ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا کریں کہ اس اہم ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے میں اللہ میری مدد فرمائے اور اس کمیٹی کے ذریعے سے ملک و ملت کے لئے خیر و بھلائی کا راستہ کھول دے۔ آمین!

مجھے امید ہے کہ جس طرح سودی نظام کے خاتمے کی پاکستان سے ابتداء ہو گی' اسی طرح شیعہ سنی جھگڑے میں مفاہمت کی کوئی شکل پیدا کرنے کی سعادت

بھی پاکستان ہی کے حصے میں آئے گی۔ گو اختلافات کا مکمل طور پر ختم ہو جانا تو ممکن ہی نہیں لیکن "شیعہ سنی مفاہمت" وقت کی اہم ضرورت ہے اور جب تک اس طرف کوئی ٹھوس پیش رفت نہیں ہو گی نہ پاکستان میں حقیقی اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے گی اور نہ ہی امت مسلمہ یہودی نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کر سکتی ہے"۔

۹/اپریل کے خطابِ جمعہ میں امیر محترم نے اس معاملے پر مزید گفتگو کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار فرمایا ان کا خلاصہ پریس ریلیز کے حوالے سے پیش خدمت ہے :

"فرقہ وارانہ اور مسلکی اختلاف کی شدت میں کمی اور انہیں ایک دوسرے سے قریب لا کر باہمی اتحاد کا قیام میری گزشتہ ربع صدی کی دینی جدوجہد کا ایک اہم ہدف رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ اتحاد امت کے عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قرآن مجید سے گہری وابستگی ضروری ہے۔ امت کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر قرآن حکیم سے جتنا قریب ہوں گے اتنا ہی ان میں باہم قرب اور اتحاد پیدا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں غلبہ و نفاذ اسلام کے عظیم تر مقصد کی تکمیل کے لئے اہل تشیع اور اہل سنت میں مفاہمت ناگزیر قومی ضرورت تو ہے ہی' امت مسلمہ کو عالمی سطح پر درپیش صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے ضمن میں بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان' ایران اور افغانستان پر مشتمل مشترکہ اسلامی بلاک ہی نیو ورلڈ آرڈر کے پس پردہ کارفرما صیہونی عزائم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شیعہ سنی منافرت پھیلانے میں اصل ہاتھ "را" اور "موساد" کا ہے۔ تاہم ان ایجنسیوں کے آلہ کار دہشت گرد شیعہ سنی اختلاف کی آڑ میں ہی اپنی کارروائیاں کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر ملک میں جاری موجودہ شیعہ سنی محاذ آرائی کی شدت میں کمی آجاتی ہے تو اس سے مذہبی دہشت گردی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو مستقلاً ختم کرنے کے لئے مناسب قانون سازی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے جس کے تحت امت کی مقدس

ترین ہستیوں کے احترام کو پامال کرنے والوں اور بلا ثبوت کفر کے فتوے لگانے والوں کو سخت ترین سزائیں دی جاسکیں تاکہ مذہبی منافرت اور اشتعال انگیزی کا خاتمہ کیا جاسکے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ اس وقت بھی مقدس شخصیات کی توہین پر سزا ملکی قانون میں موجود ہے مگر موجودہ قانون کے تحت سزا بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ لیکن زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس قانون کے تحت آج تک کسی کو سزا نہیں دی گئی جس سے انتظامیہ کی نااہلی اور غفلت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ علماء کمیٹی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حکومت خصوصی ٹاسک فورس قائم کرے جو دو طرفہ طور پر شائع ہونے والے اختلافی اور اشتعال انگیز مواد کا مسلسل جائزہ لیتی رہے تاکہ فرقہ واریت کو ہوا دینے والے شرپسند عناصر کو قانون کے شکنجے میں جکڑا جاسکے۔ انہوں نے اسلامی ریاست میں "مسئلہ تکفیر" کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات سے منحرف ہو جائے تو امت کے مجموعی مفاد کے پیش نظر اسے امت مسلمہ سے خارج کرنا ضروری ہے۔ تطہیر کے اسی عمل کو "تکفیر" کہا جاتا ہے۔ تاہم انگریز کی بالادستی کے دستور میں بعض علماء کے غیر محتاط رویئے کے باعث تکفیر ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ریاستی سطح پر کسی شخص یا جماعت کے کفر کا فیصلہ کرنے کے لئے عدلیہ کا فورم ہی مجاز حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا انکار کرنے والوں کی قانونی حیثیت کا تعین ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کسی کو کافر کہنے والا شخص اگر اپنے الزام کو عدالت میں ثابت نہ کرسکے تو مذکورہ شخص کو ایسی سخت سزا دی جائے کہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ تنظیم اسلامی کو ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کے قیام کے ضمن میں ابتدائی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور تحریک اسلامی نے تنظیم اسلامی کے ساتھ باقاعدہ اشتراکِ عمل کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ عنقریب مرکزی جمعیت اہلحدیث بھی اس اتحاد میں شمولیت کا باضابطہ اعلان کر دے گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ وہ تحریک جعفریہ کے سربراہ علامہ سید ساجد علی نقوی کو بھی اتحاد میں شمولیت کی

باضابطہ دعوت دینے کے لئے ان سے جلد ہی ملاقات کریں گے"۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ محترم ڈاکٹر صاحب کو ہمت و جرأت' استقامت اور صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرمائے اور یہ کمیٹی اُمت کے حق میں ایک عظیم کار خیر کا ذریعہ بن جائے تاکہ اس فرقہ وارانہ شدت پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو سکے جو دُنیا میں اسلام کی بدنامی کا باعث بن رہی ہے اور جس نے اہل پاکستان کی زندگی اجیرن بنا دی ہے۔

قراردادِ مقاصد کی پچاسویں سالگرہ

۱۲/ مارچ کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کے دستور میں قرارداد مقاصد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکیت کو ریاستی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ آج جبکہ پوری دنیا میں سیکولرزم کا سکہ رواں ہے' یہاں قرارداد مقاصد کا پاس ہو جانا ایک معجزے سے کم نہیں۔ قرارداد مقاصد آج سے ٹھیک پچاس برس قبل ۱۲مارچ ۴۹ء کو پاس ہوئی تھی جس میں اللہ کی حاکیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ قائداعظم کے اس عزم کا اعادہ بھی کیا گیا تھا کہ پاکستان کا قیام پوری دنیا کے لئے مثالی اسلامی ریاست کا عملی نمونہ قائم کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے۔ مگر افسوس کہ پچاس برس گزرنے کے باوجود بھی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستانی قوم اسلام سے محبت کرنے والی قوم ہے مگر اسلام کی علمبردار دینی جماعتوں کی غلط حکمت عملی اور عالمی سیکولر طاقتوں کی سازشوں کے باعث نفاذ اسلام کی جانب ٹھوس پیش رفت نہیں ہو سکی۔ انہوں نے کہا کہ آئین میں قرارداد مقاصد سے متصادم دفعات کی شمولیت کی وجہ سے ملک کا آئین منافقت کا پلندہ بن چکا ہے۔ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنانا اگرچہ ضیاء الحق کا اہم کارنامہ تھا مگر اس وضاحت کے نہ ہونے کی وجہ سے کہ قرآن و سنت کو ملک کے سپریم لاء کی حیثیت حاصل ہوگی مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ جسٹس نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے ایک افسوسناک فیصلہ نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ قرآن و سنت ملک کا سپریم لاء نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ دستور میں موجود اس خلا کو دور کرنے کے لئے میاں نواز شریف نے اپنے سابقہ دورِ حکومت میں قرآن و سنت کو سپریم لاء قرار دینے کے لئے آئینی ترمیم کا وعدہ کیا۔ آٹھ سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بالآخر اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے پندرھویں ترمیم کا پیکیج لایا گیا' لیکن اس پیکیج میں شامل بعض غیر ضروری دفعات کی وجہ سے یہ پوری قوم کی متفقہ آواز بننے کی بجائے اختلافی حیثیت اختیار کر گیا۔ انہوں نے وزیر اعظم میاں نواز شریف سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ شریعت بل میں ترمیم کر کے متنازعہ ذیلی دفعہ ۲ نکال دیں تو پھر کوئی شخص بھی شریعت بل کی مخالفت نہیں کرے گا۔

منہاجِ محمدیؐ

بمقابلہ منہاجِ موسویؑ و عیسویؑ

سالانہ اجتماع، کراچی (نومبر ۱۹۹۸) کے موقع پر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

خطبۂ مسنونہ، تعوذ و تسمیہ، سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ کے الفاظ ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

آج کی اس گفتگو کے لئے میں نے ایک آیت کے چھوٹے سے ٹکڑے کو عنوان بنایا ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ تمہیداً نوٹ کر لیجئے کہ یہ سورۃ المائدہ کا ساتواں رکوع ہے جس میں یہ ٹکڑا وارد ہوا ہے۔

سورۃ المائدہ تکمیل شریعت کی سورۃ ہے۔ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کا بنیادی خاکہ (BluePrint) سورۃ البقرہ میں ملتا ہے جو مدنی سورت ہے۔ اس سلسلے میں احکام کا نزول وہاں سے شروع ہوا۔ مکی قرآن میں اخلاقی تعلیمات ہیں، ایمانیات کی بحثیں ہیں، کفر اور شرک کا نفی و رد ہے اور انبیاء و رسل کے حالات و واقعات ہیں۔ کیونکہ مکہ میں ابھی فقہی اور شرعی احکام نازل ہونے شروع نہیں ہوئے تھے۔ یہ سلسلہ مدینے میں آ کر شروع ہوا۔ چنانچہ سورہ البقرہ سے ذرا آگے چل کر کچھ خاکہ سورۃ النساء میں بیان ہوا ہے جب کہ اس کی تکمیل سورۃ المائدہ میں ہوئی ہے۔ اور اسی سورۃ میں وہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں جن کے بارے میں یہود کے علماء نے کہا تھا کہ اے مسلمانو! یہ آیت جو تمہیں عطا ہوئی ہے اگر ہمیں عطا ہوئی ہوتی تو ہم اس کے یومِ نزول کا اپنا سالانہ جشن مناتے ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ "آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیتِ دین ہمیشہ کیلئے پسند کر لیا۔

سورۃ المائدہ رکوع ۷ کے مضامین کا خلاصہ

اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے مقامات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں' لیکن ساتواں رکوع جس میں حسن اتفاق سے سات ہی آیات ہیں اپنی جگہ نہایت اہم اور خود مکتفی ہے۔ کیونکہ ایک مضمون سے متعلق پوری بحث ان سات آیات میں آگئی ہے۔ یہ سات آیتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید ترین تنبیہ وارد ہوئی ہے کہ جن کو ہم اپنی کتاب عطا فرمائیں' شریعت عطا فرمائیں اور وہ ہماری کتاب اور شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں' وہی تو کافر ہیں' وہی تو مشرک اور ظالم ہیں' وہی تو فاسق اور باغی ہیں۔ یہ الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ . . . اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ یہ ایک شدید تنبیہ ہے' اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فتویٰ اور فیصلہ ہے۔

دراصل اس رکوع میں ایک اہم علمی مضمون بیان ہوا ہے۔ وہ یہ کہ اِس وقت تین اُمتیں ایسی ہیں جن کو ہم صاحبِ کتاب کہیں گے۔ ان میں ایک یہود ہیں جن کے پاس توراۃ ہے' دوسرے نصاریٰ یا عیسائی جن کے پاس انجیل ہے۔ اگرچہ وہ تورات کو بھی مانتے ہیں لیکن ان کی اصل کتاب انجیل ہے اور تیسری اُمّتِ محمد ﷺ جن کے پاس قرآن مجید ہے۔ ان تینوں کتب سماوی میں شرعی احکام آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایات آئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اول الذکر دونوں کتب میں تحریف ہو چکی ہے اور قرآن نے ان کو منسوخ کر دیا ہے۔ تاہم اس رکوع میں ان تینوں امتوں سے متعلق جو اہم ترین بات آئی ہے وہی ہے جسے میں نے آج کی گفتگو کا عنوان بنایا ہے کہ ان تینوں کے لئے ہم نے علیحدہ علیحدہ ایک شریعت اور علیحدہ علیحدہ منہاج (طریقہ کار) متعین کر دیا ہے ﴿لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا﴾

اس سے پہلے کہ موضوع پر بات آگے بڑھائی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس ساتویں رکوع کا سرسری سا جائزہ لے لیں۔ اس رکوع کی پہلی آیت میں ارشادِ ربانی ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ﴾: "ہم نے ہی نازل کی تھی تورات جس میں ہدایت بھی تھی' راہنمائی بھی تھی' نور بھی تھا" ﴿یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا﴾ "اسی کی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے وہ نبی جو خود اللہ کے فرمانبردار تھے"۔ یہ بات قابلِ توجہ

ہے کہ نبی جس بات کی دعوت لے کر آتے تھے اس کے سب سے پہلے ماننے والے وہ خود ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی یہی نعرہ بلند کرتا تھا کہ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی سب سے پہلے فرمانبردار میں خود ہوں ﴿ لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ ﴾ یہ انبیاء اسی تورات کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے اور ان کے معاملات کو طے کرواتے تھے۔ اور نہ صرف انبیاء بلکہ ان کے اہل اللہ یعنی مشائخ اور علماء بھی اسی تورات کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے تھے۔ یہاں خاص طور پر یہ دو الفاظ "ربّانی" اور "احبار" نوٹ کر لیجئے۔ انبیاء تو وہ تھے جن پر وحی نازل ہوتی تھی۔ لیکن اُمّت کے اندر دینی قیادت عام طور پر دو طبقوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ جن کا زیادہ تر شغل پڑھنا لکھنا' کتاب کا علم' تفسیر کا علم حاصل کرنا' اس کے بارے میں غور و فکر کرنا ہوتا ہے' جنہیں قرآن نے احبار کہا ہے یعنی علمائے کرام۔ اور دوسرا طبقہ ہے جو تزکیۂ نفس اور روحانی ترقی کے لئے راہنمائی کرتا ہے۔ یہ دونوں طبقات اُمّتِ مسلمہ میں بھی موجود ہیں۔ تاہم یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ انبیاء کے علاوہ مشائخ و علماء بھی اسی کتاب سے یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے۔ ﴿ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ﴾ کیونکہ ان پر اللہ کی کتاب کی حفاظت واجب کی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ بنا دیئے گئے تھے۔ یہ گواہی عملاً اور قولاً دونوں طرح سے ہوتی ہے۔ البتہ عملاً گواہی اجتماعی سطح پر بھی ہوگی اور انفرادی سطح پر بھی۔ آپ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس پر خود بھی عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہ نہیں کہ ﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الصّف ۲) کے مصداق دعوت تو بڑی اونچی ہے لیکن اپنا کردار بڑا پست ہے۔ اس طرح آپ اس دعوت کو بھی بدنام کریں گے۔

اس ذمہ داری کی اجتماعی سطح پر گواہی کی صورت یہ ہوگی کہ کتاب اللہ میں موجود اجتماعی احکام کو اجتماعی نظام کی شکل میں نافذ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیجئے' ورنہ کتابوں میں لکھا ہوا ہو کہ ہمارا نظام بہت اچھا ہے اور عملی طور پر اس نظام کو چلا کر نہ دکھایا جائے تو کون سنے گا' کون مانے گا؟ چنانچہ یہ ذمہ داری تھی جو ان علماء و احبار اور صوفیاء و رہبان کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگی ہوئی تھی۔ اسی کی طرف سورۃ الجمعہ کی آیت ۵ میں اشارہ ہے ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ یعنی جب تک وہ احبار' رہبان اور ربّانیون یہ کام کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی

رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔ لیکن جب انہوں نے اس مشن اور ذمہ داری کو ادا کرنا چھوڑ دیا تو فرمایا کہ اب ان حاملینِ تورات کی مثال اُن گدھوں کی سی ہے جن پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو' کیونکہ انہوں نے اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا۔

تاہم یہاں سورۃ المائدہ میں ذمہ داریوں سے پہلو تہی پر زجر اور ڈانٹ دوسرے انداز میں آئی۔ چنانچہ آگے فرمایا ﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ اے علمائے یہود! تم لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو حقیر مفادات کے عوض فروخت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دنیوی قیادت اور چوہدراہٹ کی خاطر اللہ کی آیات سے منہ موڑ رہے تھے کہ کہیں ان کی سیادت پر آنچ نہ آجائے' کہیں ان کی مسندیں ان سے نہ چھن جائیں' کہیں ان کی حیثیت مجروح نہ ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسا کیا تو پھر تمہارا شمار انکار کرنے والوں میں ہو گا۔ ﴿ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ○ ﴾ "اور جو نہیں فیصلے کرتے اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو کافر ہیں"۔ اقبال کا بڑا خوبصورت شعر ہے۔

بُتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اگر تمہارا اعتقاد غیر اللہ پر ہو گیا تو سب سے بڑا کفر یہی ہے۔ اسی لئے اس رکوع کے فوراً بعد جو رکوع آتا ہے اس میں پہلا حکم یہ دیا گیا ہے ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ﴾ "اے اہل ایمان یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ' انہیں اپنا مددگار اور پشت پناہ نہ سمجھو"۔ تم ان پر اعتماد کرو گے تو گویا کہ اللہ پر تمہارا اعتماد نہیں اور تم اللہ کے باغی ہو۔

اس کے بعد اگلی آیت کا ابتدائی حصہ بھی اسی اُمتِ موسیٰ سے متعلق ہے' جس میں قصاص کا حکم ہے' اور وہ بھی ایک لفظ کی تبدیلی سے انہی الفاظ پر ختم ہوتی ہے ﴿ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ﴾ اور جو نہیں کرتے فیصلے اس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا وہی ظالم ہیں"۔ ظالم کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ہم سب سمجھتے ہیں اور جو اردو میں بھی مستعمل ہے جبکہ قرآنی اصطلاح کے اعتبار سے سب سے بڑا ظلم شرک ہے ﴿ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○ ﴾ (لقمان: ۱۳) اس لئے کہ ظلم کہتے ہیں وَضْعُ شَیْءٍ فِیْ غَیْرِ

مَخْلَبَہ کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا۔ اصل مقام تو یہ ہے اللہ کا حکم مانا جائے' تم کسی اور کا حکم مان رہے ہو۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا' اور یہی تو شرک ہے۔ اس لئے لفظ "ظالمون" کے دونوں ترجمے ہوں گے کہ وہی لوگ ظالم اور مشرک ہیں۔

اس کے بعد اگلی آیت میں حضرت عیسیٰ ؑ کا ذکر آ رہا ہے ﴿ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ بنی اسرائیل کے انبیاء اور ان کے احبار و رہبان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اٹھایا ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ﴾ جو تصدیق کرتے ہوئے آئے اس کی جو ان کے سامنے موجود تھا تورات میں سے اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی۔ ﴿ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ اور وہ بھی تصدیق کرتی تھی اس کی جو کچھ کہ اس کے سامنے موجود تھا تورات میں سے اور وہ بھی متقین کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی۔ ﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ﴾ اب انجیل کے ماننے والوں کا فرض ہے کہ وہ فیصلے کریں اس کے مطابق جو انجیل میں اللہ نے نازل کیا ہے۔ ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ "اور جو نہیں فیصلے کرتے اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو فاسق ہیں"۔ فسق کے بہت سے درجات ہیں۔ عام طور پر ہم فاسق اس مسلمان کو کہہ دیتے ہیں جو غیر محتاط ہو' لیکن ایک فسق ہے سرکشی کا فسق۔ شیطان کے بارے میں سورۂ کہف میں فرمایا گیا ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾ "وہ جِنّات میں سے تھا اور اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی"۔ ان آیات میں تین اعتبارات سے شدید ترین تنبیہات آ گئی ہیں کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر' ظالم اور فاسق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ "اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ پر ایک کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے" جو آخری کتاب (The Final Book) ہے اور بنی نوعِ انسان کے لئے مکمل رہنمائی (The Complete Guidance) ہے۔

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ لِلعالمیں

﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ "تصدیق کرتی ہے کتاب میں سے جو کچھ اس کے سامنے پہلے سے موجود ہے"۔ یعنی یہ قرآن اپنے سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتب تورات اور انجیل کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے۔ لیکن اب اس کی حیثیت سابقہ کتب کے ناسخ کی ہے ﴿ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ "اور یہ حاکم ہے اس کے اوپر"۔ تصدیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں جو تحریفیں ہو گئی ہیں' اب قرآن ان کی وضاحت اور ان کی نشاندہی کرتا ہے' کیونکہ اللہ نے ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا تھا۔ ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ "تو اے محمدؐ آپ فیصلہ کیجئے ان کے مابین اس کے مطابق جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے' اور الحق جو آپ کے پاس آچکا ہے آپ اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہ کیجئے"۔ جیسے کہ سورۃ البقرہ میں آپؐ کو بتا دیا گیا تھا کہ اے نبی آپ امیدوار نہ رہئے کہ یہ تو اہل کتاب ہیں' نبوت و رسالت سے واقف ہیں' توحید کے مدعی ہیں' آخرت کو مانتے ہیں' یہ فوراً مان لیں گے اور آپؐ کی تصدیق کر دیں گے۔ فرمایا ﴿ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ "یہ یہودی اور نصرانی کبھی آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہونگے جب تک کہ آپ ان کے طریقے کی پیروی نہ کریں"۔ کیونکہ مذہبی سیادت و قیادت ان کے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں' ان کو نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ جب کہ آپؐ پر ایمان لا کر ان کی یہ ساری حیثیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ ماننے والے نہیں ہیں۔

سورۃ المائدہ کے اس رکوع میں اب وہ الفاظ آ گئے جنہیں میں نے اپنی آج کی گفتگو کا عنوان بنایا ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ "تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک الگ شریعت اور ایک الگ منہاج معین کیا"۔ مطلب یہ کہ تمام انبیاء کا دین ایک تھا' لیکن شریعتیں اور منہاج مختلف تھے۔ ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا (تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا) لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف امتوں کی شکل اس لئے دی ہے تاکہ وہ ہر ایک کو آزمائے۔ آیا تورات پر ایمان رکھنے والے حضرت مسیحؑ کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ جن کا وہ انتظار کر رہے تھے' لیکن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کا انکار

یا' انہیں کافر اور مرتد قرار دیا' جادوگر کہہ کر واجب القتل ہونے کے فتوے لگائے اور یوں وہ اپنے امتحان میں فیل ہو گئے۔ اسی طرح تورات اور انجیل کو ماننے والے حضرت محمد ﷺ کو مانتے اور پہچانتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ ان کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں ان کے پاس موجود تھیں۔ مثلاً فارقلیط والی پیشین گوئی ہے یا تورات کی کتاب استثناء کے باب ۵۸ کی اٹھارہویں آیت میں ہے کہ "اے موسیٰؑ میں تیرے مانند ان کے بھائیوں میں سے ایک رسول اُٹھاؤں گا"۔ کچھ دن پہلے امریکہ میں ایک بہت بڑے یہودی سکالر (پروفیسر مائیکل وشوگراڈ) سے گفتگو ہوئی۔ میں نے انہیں تورات کی اس آیت کا حوالہ دیا تو وہ چونک گئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں اس پر غور کروں گا کہ موسیٰؑ کے مثل کون ہو گا اور بنی اسرائیل کے بھائی کون سے ہوں گے۔ بنی اسرائیل میں جو نبی آئے وہ تو بنو اسرائیل میں سے ہوئے۔ انہوں نے مانا کہ موسیٰ کی مانند سے مراد یہ ہونا چاہئے کہ وہ رسول صاحب شریعت ہوں' جیسے حضرت موسیٰؑ شریعت لے کر آئے۔ "ان کے بھائیوں" میں سے یعنی وہ بنو اسماعیل میں سے ہوں گے۔ بہرحال انہوں نے وضاحت کے ساتھ پوری بات سنی' لیکن میں حیران ہوا کہ کتاب استثناء کی وہ آیت ان کے ذہن میں بالکل نہیں تھی۔ دراصل مختلف مذاہب کے پیروکاروں خصوصاً ان کے زیادہ پڑھے لکھے لوگوں میں یہ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بعض چیزوں کو taken for granted لیتے ہیں اور ان پر توجہ نہیں کرتے۔ ایک بار شاہجہان کے دربار میں ایک ایسا ہی واقعہ ہو گیا تھا جہاں عیسائی مناظرین اور علمائے اسلام کا مناظرہ ہو رہا تھا۔ ایک عیسائی نے اپنے دعویٰ کے حق میں دلیل کے طور پر قرآن مجید کی ایک آیت پیش کی۔ تمام علماء نے کہا کہ "یہ قرآن میں ہے ہی نہیں' تم جھوٹ بول رہے ہو"۔ قرآن منگایا گیا تو وہ آیت قرآن میں دیکھ کر سب کی گردنیں لٹک گئیں۔ اس لئے کہ ان کے شب و روز تو فقہ پڑھنے میں گزرتے تھے' انہیں فتویٰ دینا ہوتا تھا۔ عدالت میں قاضی کو مقدمے کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے تو قرآن سے کیا سروکار؟ سارا معاملہ فقہ کا ہے۔ چنانچہ ان کے شب و روز فقہ کے اندر ہی گم تھے۔ قرآن مجید کی تو صرف حصول ثواب کے لئے تلاوت تھی۔ اسی طرح کی حیرانی میں نے پروفیسر وشوگراڈ کے چہرے پر دیکھی۔ انہوں نے کہا کیا واقعی یہ تورات میں ہے؟ میں نے کہا ہاں ہے۔ جب تورات منگائی اور کھولی گئی تو وہ حیران ہو گئے۔

بہرحال حضور ﷺ کی آمد پر یہود و نصاریٰ کا یہی امتحان تھا کہ وہ انہیں پہچانتے ہیں یا نہیں۔ جب کہ حضور ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں ان کی اپنی کتابوں میں موجود تھیں۔ آگے فرمایا ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (چونکہ شریعتوں میں فرق تمہارے امتحان کے لئے تھا) "اس لئے اب تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو، تم سب کو بالآخر اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے" ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۞ ﴾ "اور پھر اللہ تمہیں جتلا دے گا ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے"۔ آگے پھر اُسی بات کا اعادہ ہو رہا ہے۔ گویا حضور ﷺ کو مزید تاکید کی جارہی ہے ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ "اور اے نبی ﷺ آپ فیصلہ کیجئے ان کے مابین اس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے ذرا بچتے رہئے، چوکنے رہئے کہ یہ کہیں آپ کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بچلا نہ دیں"۔ یعنی یہ طرح طرح کے فتنے اٹھائیں گے اور پھر آپ کا شریعت پر اور اللہ کی کتاب پر قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔ ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۞ ﴾ "تو اے نبی پھر یہ اگر پیٹھ موڑ لیں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ اب ان کے کچھ گناہوں کی پاداش میں ان کو پکڑنا چاہتا ہے (یعنی ان کی سزا مقدر ہو چکی ہے)۔ اور یقیناً انسانوں کی بہت بڑی تعداد نافرمانوں پر مشتمل ہے"۔ ﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۞ ﴾ "تو کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ اور اللہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں"۔

"شریعت" اور "منہاج" کا مفہوم

یہ ہے وہ رکوع کہ جس میں ایک اہم ترین علمی خزانہ یہ آیت ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ یہاں "مِنْكُمْ" سے مراد کیا ہے؟ ظاہر بات ہے اس رکوع میں تورات اور تورات کے ماننے والوں کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح انجیل کا ذکر آیا، حضرت مسیحؑ کا ذکر آیا، پھر حضور ﷺ اور قرآن کا ذکر آیا، تو گویا کہ یہاں یہی تین اُمتیں مُراد ہیں، پیروانِ موسیٰؑ، پیروانِ عیسیٰؑ یعنی سابقہ اُمتِ مسلمہ اور پیروانِ محمد ﷺ جو موجودہ اُمتِ

مسلمہ ہے۔ "شِرْعَة" بھی قابل توجہ لفظ ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک شریعت' ایک لائحہ عمل اور ایک طریقہ کار۔ اس مادے سے قرآن مجید میں پانچ جگہ پر الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں یہ مادہ دو جگہ آیا ہے ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ﴾ (آیت ۱۳) یعنی اللہ نے موسیٰ' عیسیٰ' ابراہیم' نوح اور حضرت محمد ﷺ کو دین تو ایک ہی دیا اور ان سب کو وصیت کی تھی کہ اسے قائم کرنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ یعنی دین ایک ہے' اور دین میں کوئی فرق نہیں۔ آگے چل کر اسی سورۃ کی ۲۱ویں آیت میں آتا ہے ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾ "کیا یہ جو مشرکین عرب ہیں ان کے ایسے شریک بھی ہیں جنہوں نے ان کو کوئی دین دیا ہو جس کی اللہ نے اجازت نہ دی ہو" کیونکہ اللہ نے تو دین دیا ہے۔ تو پوچھو ان سے کہ یہ جن بتوں (لات' منات اور عزیٰ) کو پوجتے ہیں کیا انہوں نے بھی کوئی دین دیا ہے' کوئی ہدایات' کوئی نظام دیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں دیا۔ سورۃ الشوریٰ میں دو دفعہ "شرع الدین" دین کو معین کر دینا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اس کے بعد شریعت کا لفظ سورۃ الجاثیہ میں آیا ہے۔ پہلے اس کی آیات ۱۶' ۱۷ میں تورات کا ذکر آیا ہے' اس کے بعد انجیل کا ذکر نہیں ہے اور تورات کے ذکر کے فوراً بعد آتا ہے ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ ﴾ "اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو الامر کی شریعت پر اٹھایا ہے" یہاں یہ بات بڑی واضح ہو جاتی ہے کہ شریعتیں دو ہی ہیں' شریعت موسوی اور شریعت محمدی ﷺ۔ کیونکہ انجیل میں کوئی شریعت نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ شریعت موسوی ہی کی توثیق کے لئے آئے تھے۔ آج بھی موجودہ بائبل میں ان کے الفاظ موجود ہیں: "Don't think I have come to destroy law" "یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ میں شریعت موسوی کو ختم کرنے آیا ہوں"۔ دراصل موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی شریعت ایک ہی تھی' کتابیں دو ہونے کے اعتبار سے دو امتیں شمار ہو گئیں' جیسے کہ سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے۔ درحقیقت شریعت کے اعتبار سے وہ ایک ہی امت تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ سینٹ پال نے شریعت ساقط کر دی۔ چنانچہ عیسائیت ایسا دین ہے جس میں شریعت سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ سارا درحقیقت پال ازم ہے' عیسائیت ہے ہی نہیں۔

"The Hundred" کے مصنف نے صحیح لکھا ہے کہ موجودہ عیسائیت کی پال سے نسبت ہے کیونکہ حضرت مسیحؑ اور ان کے حواری درحقیقت یہودی کا ایک فرقہ اور جماعت سمجھے جاتے تھے۔ اور حضرت مسیحؑ ایک خاص نہج پر کام کر رہے تھے۔ ان کے پیشِ نظر ایک الگ امت بنا دینا نہیں تھا۔ اسی طرح اس آیت میں بیان ہوا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ "کہ ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت معین کی"۔

یہاں دوسرا لفظ آیا ہے "منہاج"۔ جس طرح دین ایک تھا اور شریعتیں جدا ہیں، اسی طرح انبیاء کے منہاج بھی جدا ہیں اور میری گفتگو کا موضوع بھی درحقیقت "منہاج" یعنی طریقہ کار ہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کا طریقہ کار کیا تھا؟ گویا یہ بات میری گفتگو کا main theme ہے۔ پھر آگے چل کر ان مختلف منہاجوں کی روشنی میں اس وقت جو مختلف تحریکیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان کا جائزہ لینا ہے کہ طریقہ کار کے حوالے سے کہ ان کے ڈانڈے کہاں جا کر ملتے ہیں۔ اس سے پیشِ نظر کیا ہے؟ ایک تو یہ کہ ہمارے اندر فکر و نظر اور قلب میں وسعت پیدا ہو کہ اگر کوئی جماعت کسی اور نبی کے منہاج پر کام کر رہی ہے تو ان کی کلی نفی نہ کی جائے۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ﴿ إِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ کہ تمام انبیاء و رُسل ایک اُمت واحدہ ہیں۔ عیسویؑ یا موسویؑ منہاج اگرچہ محمدیؐ منہاج سے مختلف ہو سکتا ہے لیکن حرام، ناجائز یا دین کے دائرے سے خارج نہیں ہے۔ کیونکہ دین تو ایک ہی ہے۔ فرض کیجئے امت کے اندر کچھ لوگ منہاجِ موسویؑ کے مطابق کام کر رہے ہیں اور کچھ لوگ منہاجِ عیسویؑ کے مطابق کام کر رہے ہیں یا کچھ لوگوں نے براہِ راست منہاجِ محمدی ﷺ کو اختیار کیا ہے، لیکن ان سب کو ایک دوسرے کے لئے بھی قلب و ذہن میں گنجائش رکھنی چاہئے۔ اس لئے کہ آخر سب کے سب اللہ کو ماننے والے ہیں اور ﴿ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ﴾ کے مصداق جو محنتیں ہم کر رہے ہیں ان کا اگر کوئی اجر و ثواب ہے تو اس کا اجر ہمیں ملے گا اور جو بھی سعی و جُہد وہ کر رہے ہیں اس کا اجر و ثواب انہیں ملے گا۔ ﴿ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ ہمارے اور تمہارے مابین کسی حجت بازی کی ضرورت نہیں، کسی جھگڑے کی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ جھگڑا کرنا اور ایک دوسرے کی نفی کر دینا درست نہیں ﴿ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ﴾ "اللہ ہمیں جمع کر دے گا"۔ یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ دنیا ہی میں جمع کر دے۔ کچھ عرصے کے بعد ہم پر منکشف ہو جائے کہ آپ کا طریقہ ٹھیک تھا' ہم آپ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یا ان پر منکشف ہو جائے کہ یہ طریقہ کار بہتر تھا اور وہ ہمارے ساتھ آ جائیں۔

اس کی مثال میں دیا کرتا ہوں کہ حج کے موقع پر ۹ ذوالحجہ کو بے شمار قافلے عرفات کی طرف چلتے ہیں' جن کے راستے مختلف ہیں۔ اب تو آٹھ دس سڑکیں ہیں اور ہر سڑک فٹ بال کے گراؤنڈ جتنی چوڑی ہے۔ ہر قافلے نے اپنا اپنا جھنڈا اٹھا رکھا ہوتا ہے تاکہ اس قافلے میں شامل لوگوں میں سے کوئی بچھڑ نہ جائے۔ بہرحال بے شمار قافلے ہوتے ہیں' لیکن ان کی منزل ایک ہوتی ہے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے ہیں ان کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے اور وہ عرفات میں جا کر جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ ہمیں جمع کر دے گا۔ اور اگر دنیا میں نہ بھی جمع ہوئے تو قیامت میں تو جمع ہونا ہی ہے' پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا ہو جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا' کون حقیقت پر گامزن تھا اور کون خیالات و تصورات پر چل رہا تھا۔ تاہم ان منہاجوں پر غور کا ایک مقصد یہ ہے کہ سینوں' ذہنوں اور قلوب کے اندر کشادگی پیدا ہو۔ لیکن یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ افضل منہاج "منہاجِ محمدی" ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے حجت صرف منہاجِ محمدی ﷺ ہے۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ "تمہارے لئے اللہ کے رسول محمد ﷺ میں بہترین نمونہ ہے"۔

منہاجِ موسوی علیہ السلام

اب آیئے سب سے پہلے دیکھیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا منہاج کیا تھا؟ حضرت موسیٰؑ کی رسالت کا رُخ فرعون کی طرف تھا۔ قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے کہ ہم نے بھیجا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کو فرعون کی اور اس کے سرداروں کی طرف" کیونکہ فرعون اور اس کے سردار کافر تھے۔ ان کی طرف بعثت موسوی کا رُخ دعوت الی اللہ کی غرض سے تھا' جس کا سورۃ النازعات میں تذکرہ ہے ﴿اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى﴾ (آیات ۱۵۔ ۲۲) ان آیات میں ذکر کیا جا رہا ہے کہ موسیٰؑ نے فرعون کو یہی دعوت دی کہ اگر تم اللہ کا قرب حاصل

کرنا چاہتے ہو اور تم چاہتے ہو کہ تمہارا تزکیہ ہو جائے تو میری پیروی کرو' میں تمہیں راستہ دکھاؤں گا۔ لیکن بعض اعتبارات سے بعثت موسوی کا جو نمایاں مقصد تھا وہ ایک بگڑی ہوئی لیکن مظلوم اور محکوم مسلمان قوم یعنی بنی اسرائیل کو غلامی کے پھندے سے نجات دلانا تھا۔ بنی اسرائیل حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ جن کا لقب اسرائیل تھا' ان کے بارہ بیٹوں کے بارہ قبیلے ہیں۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین تھا لیکن یہ قوم مصر آ کر محکوم ہو گئی "مُسْتَضْعِفُوْنَ" بنا لی گئی۔ آلِ فرعون نے انہیں دبائے رکھا ﴿یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ﴾ وہ اس عذاب میں مبتلا تھے کہ آلِ فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے۔ اس قوم کو غلامی کے بندھن سے نجات دلانا حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ مضمون تو چند مقامات پر آیا ہے جو میں نے سورۃ النازعات کے حوالے سے بتایا ہے جبکہ اکثر مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی دوسری شان زیادہ نمایاں کی گئی ہے ﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْھُمْ﴾ (طٰہٰ ۴۷) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دو جو حضرت یوسف کے زمانے میں آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ اب تم ان پر ظلم کر رہے ہو تو یہ درست نہیں ہے' انہیں واپس جانے دو۔ لیکن مصری ان کو کیسے جانے دیتے؟ وہ تو ان کے لئے مزدور اور خادم تھے۔ وہ ان کے مَردوں کو قتل کر دیتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تاکہ عورتیں ان کے گھروں میں کام کریں۔ اہرامِ مصر کی تعمیر میں بنی اسرائیل کے مَردوں' عورتوں اور بچوں کی ہڈیاں چورا ہو کر شامل ہیں۔ قرآن مجید ثابت کر رہا ہے کہ آلِ فرعون کی غلامی اور ان کے تشدد سے بنی اسرائیل کی نجات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے تھا۔

اب ذرا نوٹ کیجئے کہ بنی اسرائیل کون تھے۔ دراصل یہ بنی ابراہیمؑ اور ایک مسلمان قوم تھے۔ الحمدللہ وہ موحد تھے' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ کہ ان کے پاس کتاب تھی نہ شریعت۔ تورات ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کا ذکر قرآن میں ہے ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی﴾ ان صحیفوں میں ہدایات ہوتی تھیں۔ شریعت کے لئے چار کتابیں تورات' انجیل' زبور اور قرآن نازل ہوئیں۔ حضرت

ابراہیم کے صحیفے کہاں ہیں' معلوم نہیں۔ میرا ذاتی گمان ہے کہ ہندوؤں کی متبرک کتابوں میں سے "اپنشد" ان صحیفوں کی بگڑی ہوئی شکل ہیں۔ واللہ اعلم!۔ جس کو ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں وہ تو یہ چار کتابیں تورات' زبور' انجیل اور قرآن مجید ہی ہیں جو ہمارے ایمان میں شامل ہیں۔

بنی اسرائیل اگرچہ ایک نسلاً مسلمان قوم تھے' لیکن ان کا کردار کیا تھا' میں چاہتا ہوں کہ اس کو سمجھ لیا جائے۔ اس قوم کے کردار کا ایک رُخ تو یہ سامنے آیا کہ حضرت موسیٰؑ پر ان کے معدودے چند نوجوان ایمان لائے جبکہ پوری قوم نے انہیں اللہ کا نبی اور رسول نہیں مانا۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ ان کے نجات دہندہ بن کر آئے تھے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں فرمایا ﴿ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾ "پس نہیں ایمان لائے موسیٰ پر مگر چند نوجوان اس کی قوم میں سے"۔ قوم مسلمان ہے' بایں معنی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی تصدیق اور آپؑ کو نبی و رسول تسلیم کرنے میں مذبذب رہی۔ قرآن کا فتویٰ یہ ہے کہ چند نوجوان تھے جو ایمان لائے' باقی قوم ڈرتی رہی کہ ہم موسیٰ پر ایمان لائیں گے تو فرعون ہم پر مزید ظلم و ستم کرے گا۔ خود ان کے سردار فرعون کے ایجنٹ بنے ہوئے تھے۔ جیسے تقسیم ہند سے پہلے ہمارے ہاں "خان بہادر" اور "سر" مسلمانوں اور ہندوؤں ہی میں سے ہوتے تھے جو انگریزوں کے ایجنٹ بن کر درحقیقت حکومتی گاڑی کو چلنے میں مدد دیتے تھے۔ اسی طرح قارون قومِ موسیٰ میں سے تھا۔ فرعون کے درباریوں (مقربین) میں سے تھا۔ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر اس نے اس طرح دولت کے انبار جمع کئے جیسے انگریز کے دور میں بڑے بڑے ٹھیکیدار راتوں رات کروڑ پتی بن گئے۔ خاص طور پر جنگ کے زمانے میں تو سپلائی کے ٹھیکیداروں کیلئے چاندی نہیں سونا ہوا کرتا تھا۔ اس طرح کی یہ قوم تھی۔

دوسرا رُخ دیکھئے' قرآن مجید نو معجزے (تِسْعَ اٰيٰتٍ) بیان کرتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ وہ نو معجزے ان کی قوم اور فرعون نے دیکھے۔ کبھی ان پر مینڈکوں اور کبھی چچڑیوں کا عذاب آگیا' کبھی خون کی بارشیں ہو رہی ہیں' کبھی قحط سالی آرہی ہے۔ پھر سب سے بڑا معجزہ بھی انہوں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کے عصا کی ضرب سے سمندر میں بارہ راستے بن گئے اور فرعون ان کی نگاہوں کے سامنے غرق ہو گیا۔ لیکن

اس کے باوجود اس ناہنجار قوم کا حال یہ ہے ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾ "جب ہم نے ان کو سمندر سے پار کر دیا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کی پوجا کرتے تھے"۔ ﴿قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود تراش دو جیسے ان کے معبود ہیں۔ گویا ؎

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر!

اب تم جس اللہ کی بات کرتے ہو اسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں۔ ع

کبھی اے حقیقت منتظر آ لباس مجاز میں!

آپ ہمیں کوئی دکھائی دینے والا معبود تراش دیں۔ ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ اس پر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم ایسی قوم ہو جو نہایت جہالت کا معاملہ اختیار کر رہے ہو۔ یہ وہ قوم ہے جو دس معجزے دیکھنے کے باوجود حضرت موسیٰؑ سے بت تراشنے کی فرمائش کر رہی ہے۔ اور جب اللہ نے حضرت موسیٰ کو تورات دینے کے لئے کوہ طور پر بلایا تو انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ واپس آئے اور قوم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے توبہ کرنا چاہی۔ توبہ کی قبولیت کی شرط کے طور پر ستر ہزار افراد قتل کئے گئے۔ تو اندازہ کیجئے ایسی بگڑی ہوئی ناہنجار قوم ـــــ لیکن چونکہ مسلمان قوم ہے اس لئے ان کی اصلاح اور خیر خواہی کے لئے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ اور ان سب کوتاہیوں کے باوجود اللہ کا فضل و کرم ان پر جاری رہا کہ شاید وہ سیدھے راستے پر آ جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام و اکرام کئے وہ صرف انہی کا اعزاز ہے۔ فرمایا ﴿ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی﴾ وہ صحرا کے اندر جہاں جہاں بھی جاتے تھے بادل کا ایک سائبان ساتھ ساتھ چلتا تھا' جبکہ کھانے کے لئے من و سلویٰ نازل ہو رہا تھا۔ اسی طرح ان کے لئے ایک ہی چٹان سے پانی کے بارہ چشمے نکالے گئے۔

اب اس قوم کی تیسری نالائقی ملاحظہ کیجئے کہ کم سے کم تیرہ معجزے دیکھنے والی قوم کا یہ حال ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ قتال فی سبیل اللہ کے لئے تیار ہو جاؤ تو کورا جواب

دے دیا: ﴿ يٰمُوسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا ﴾ کہ ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے فلسطین میں جب تک یہاں جو قوم آباد ہے وہ نکل نہ جائے۔ یعنی ہم جانیں دینے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے نوجوانوں میں سے دو نوجوانوں یوشع بن نون (جو بائبل میں "جوشوا" کہلاتے ہیں) اور کالب بن یفنا نے قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کیوں بزدلی دکھا رہے ہو، ہمت کرو، کوشش کرو تو قوم نے کورا جواب دیا کہ ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ "موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ ؎ زمین جنبد نہ جنبد گل محمد۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتنی شدید بیزاری طاری ہوئی کہ انہوں نے کہا: ﴿ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ پروردگار! مجھے تو اپنی جان یا اپنے بھائی ہارون کی جان کا اختیار ہے اور یہ قوم کورا جواب دے رہی ہے، پس تو ہمارے اور ان کے درمیان تفریق پیدا کردے، اب میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ تصور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر اس ناہنجار قوم کے ساتھ مزید ایک لمحہ بھی رہنے کو تیار نہیں۔ یہ ساری تفصیل اس لئے بیان کی ہے کہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان قوم کی اصلاح، اس کو غلامی سے چھٹکارا دلانے اور مصائب سے نکالنے کی اہمیت کو سمجھئے کہ یہ کام بھی کتنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا بھی رد کردی کہ میں اب ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا اور انہیں اپنی قوم کے ساتھ رہنا پڑا۔ البتہ اب ان بدبختوں کو اس نافرمانی پر سزا ضرور ملی یعنی اگر انہوں نے یہ بزدلی نہ دکھائی ہوتی تو انہیں فلسطین میں اقتدار مل جاتا اور اسلامی حکومت قائم ہو جاتی۔ چنانچہ فرمایا ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ﴾ اب یہ چالیس برس تک اسی صحرا میں بھٹکتے پھریں گے اور ارض مقدس ان پر چالیس سال کے لئے حرام کردی گئی ہے۔ انہی چالیس سالوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا، پھر حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب وہ نئی نسل جو اس صحرا میں پیدا ہوئی اور یہیں پر پلی بڑھی اور جوان ہوئی، ان کے ماتھے پر غلامی کا داغ نہیں تھا۔ غلامی کا داغ قوموں کی نفسیات کے اندر گہرا اتر جاتا ہے اور اس کی وجہ سے غیرت کچلی جاتی ہے، قوم کی حمیت ختم ہو جاتی ہے ؎

حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے!

بنی اسرائیل کی بزدلی اس غلامانہ ذہنیت کی عکاس تھی جو آلِ فرعون کے دست نگر رہنے کی وجہ سے develop ہو گئی تھی۔ لیکن چالیس سال بعد جو نئی نسل صحرا میں تیار ہوئی تھی وہ کم ہمت نہ تھی' وہ صحرا میں رہنے کی وجہ سے سخت جان ہو چکی تھی' ان میں وہ غیرت اور حمیت موجود تھی جو صحرا اور پہاڑوں میں رہنے والوں کا خاصہ ہوتی ہے ۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

چنانچہ یہ جو "بندۂ صحرائی" قسم کی قوم اُبھری اُس نے حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کو فتح کیا۔ یہ ہے منہاجِ موسوی کہ ایک مسلمان قوم جو اگرچہ بگڑی ہوئی ہو' اس کے اخلاق اور دین میں کتنا ہی فساد آ گیا ہو' لیکن پھر بھی اس کی دنیاوی فلاح و بہبود اور اس کو غلامی سے نجات دلانا کوئی غلط کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ کام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔

منہاجِ عیسوی علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بہت سے اعتبارات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برعکس ہے۔ یہ بھی بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے۔ چاہے بن باپ کے پیدا ہوئے لیکن بن ماں کے تو نہیں ہیں۔ حضرت مریم (سلام علیہا) تو اسرائیلی ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن مجید خاص طور پر یہ کہہ رہا ہے کہ ﴿ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ یعنی ان کی رسالت کا اصل رُخ بنی اسرائیل کی طرف تھا۔ انہیں کسی اور قوم کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے دو پہلو تھے۔ حضرت موسیٰؑ ایک طرف بنی اسرائیل کے لئے مصلح اور نجات دہندہ بنا کر بھیجے گئے تو دوسری طرف ان کی دعوت کا رُخ فرعون اور اس کی قوم کی طرف تھا۔ نوٹ کیجئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر میں باہر سے آ کر آباد ہونے کی وجہ سے غلام بنے ہوئے تھے' جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل اپنے ملک میں غلام بنے ہوئے تھے۔ ان کے ملک پر رومن ایمپائر کا قبضہ تھا۔ فلسطین سلطنت روما کا ایک صوبہ تھا۔ وہاں پائیلیٹ پونٹیئس (Pilate Pontius) گورنر تھا جب کہ رومیوں نے مقامی طور پر ایک یہودی کو بھی حکمران بنا رکھا تھا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے انگریزوں کے دور میں ہندوستان کے کچھ علاقوں میں

جو تاج برطانیہ کے تحت تھے وہاں ان کا نمائندہ نواب یا راجہ تشریف فرما ہوتا تھا۔ اصل حکومت تو انگریز کی تھی۔ اسی طرح یہاں بھی اصل حکومت رومیوں کی تھی' لیکن انہوں نے مقامی لوگوں میں سے ایک یہودی کو بادشاہ بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کی آزادی کا نام تک نہیں لیا کجا یہ کہ اس کے لئے کوئی مہم چلائیں' کوئی دعوت دیں' کوئی تحریک اٹھائیں۔ بلکہ بنی اسرائیل جس کمزوری کے باعث رومن حکومت کے زیر نگیں ہوئے تھے اسے دُور کرنے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو بغاوت کی تیاریاں کیا کرتا تھا۔ یہ لوگ ہتھیار بناتے تھے اور پہاڑوں کی کھوؤں میں رہتے تھے۔ انہی میں سے وہ جوڈس اسکاریات (Judas Iscariot) تھا جس نے مسیحؑ کو پکڑوایا اور گرفتار کروایا۔ وہ انہی باغیوں میں سے تھا اور حضرت مسیحؑ کا بہت معتقد تھا۔ یقیناً وہ حضرت مسیحؑ پر سچا ایمان رکھتا تھا' لیکن اس کا خیال یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ ایک دفعہ رومیوں کے خلاف بددعا کردیں تو یہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ مردہ کو زندہ کردیتے تھے' پرندہ بنا کر پھونک مارتے تھے تو وہ اُڑتا ہوا پرندہ ہو جاتا تھا۔ پھر یہ کہ مادر زاد اندھے کو آپ کی دعا سے بینائی مل جاتی تھی۔ اگر کسی کو انتہائی موذی مرض کوڑھ لگا ہوا ہوتا اور آپ ہاتھ پھیرتے تو کوڑھ ختم ہو جاتا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ ذرا ان کو گرفتار کروا دو' جب انہیں تکلیف پہنچے گی اور یہ بددعا کریں گے تو رومن ایمپائر کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ اصل میں اپنے اس یقین کی وجہ سے اس نے آپ کو گرفتار کروایا۔ تاہم توجہ طلب بات یہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے کبھی رومنز کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ بلکہ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ رومی ہم سے ٹیکس مانگتے ہیں تو ہمیں یہ ٹیکس دینا چاہئے یا نہیں؟ انہوں نے کہا تم ٹیکس میں کیا دیتے ہو؟ اس پر انہیں سکہ دکھایا گیا جس پر قیصر روم کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حکمت دیکھئے' انہوں نے فرمایا "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو' جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو"۔ یہ بات کی ہے لیکن براہِ راست انہیں بغاوت پر نہیں اُکسایا۔[1]

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے اس رُخ کی تصدیق اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ یہودیوں کی عدالت نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ارتداد اور کفر کا فیصلہ دیا اور انہیں واجب القتل قرار دے دیا۔ لیکن رومن گورنر کی توثیق کے بغیر وہ خود سزا نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ انہیں ←

دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری کوشش یہود کی اخلاقی اور روحانی اصلاح پر مرتکز تھی۔ ساری انجیل پڑھ جایئے۔ آپ علیہ السلام کی یہی کوشش ہے کہ بنی اسرائیل روح دین کی طرف رجوع کریں، مثلاً: "تم نے چھلکا ہاتھ میں لے رکھا ہے اصل دین تمہارے اندر موجود نہیں" یا "تمہاری مثال ان قبروں کی سی ہے جن کو اوپر سے سفیدی کی ہوئی ہوتی ہے لیکن اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا"۔ یعنی تم روحانی و اخلاقی اعتبار سے گل سڑ چکے ہو۔ گویا آپ کا سارا منہاج یہی ہے کہ بنی سرائیل (مسلمان قوم) ایمان کی حقیقت سے آشنا ہو جائے، جو اللہ کو ماننے والے اور آخرت کو ماننے والے ہیں۔ ان کے اندر اخلاص پیدا ہو جائے۔

منہاجِ عیسوی میں جو دوسری نمایاں بات نظر آتی ہے وہ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنا کوئی مرکز نہیں بنایا۔ ہمہ وقت گردش، سفر، گشت۔ آج یہاں، کل وہاں، کہیں مچھلیاں پکڑنے والوں کو تبلیغ کر رہے ہیں کہ مچھلیاں پکڑنے والو آؤ، میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں۔ صرف وعظ، (Sermons) تبلیغ، نصیحت ہی آپ کا مقصد بعثت تھا۔ میری معلومات کی حد تک حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ جو انجیل میں منقول ہیں ان سے زیادہ مؤثر کوئی وعظ میری نگاہوں سے نہیں گزرا۔ اس لئے کہ بدقسمتی سے رسول اللہ ﷺ کے مواعظ محفوظ نہیں ہوئے۔ آپ کے اصل مواعظ تو مکہ کے اندر ہوئے اور ان کا ریکارڈ ہمارے پاس نہیں ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے خود صحابہ کو آخری وقت تک اس سے روکے رکھا اور فرمایا ((لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْآنِ)) کہ میری باتیں مت لکھو، صرف قرآن لکھو تاکہ سب گڈمڈ نہ ہو جائے، جیسے انجیل میں ہوا ہے۔ انجیل میں اللہ کا کلام، حضرت عیسیٰ کا کلام اور ان کی سوانح سب گڈمڈ ہیں۔ لہٰذا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مواعظ ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مواعظ سے مؤثر کوئی وعظ دنیا میں موجود نہیں۔

⟪ پائیلیٹ یونٹیس کو refer کرنا پڑا۔ جس نے صاف کہا کہ عیسیٰ نے ہمارے خلاف تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ جب ان کی طرف سے دوبارہ اصرار ہوا کہ نہیں یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے تو اس نے پانی کا ایک برتن منگایا کہ میں اس سے اپنے ہاتھ دھو رہا ہوں۔ اب یسوع کا خون تم پر ہے۔

منہاجِ موسویؑ و عیسویؑ کے مشترک نکات

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ اگرچہ دونوں بنی اسرائیل میں بھیجے گئے لیکن دونوں کے منہاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تاہم ایک ہی قوم کی طرف مبعوث کئے جانے کی وجہ سے کچھ باتیں مشترک ہیں۔ یعنی دونوں کی شریعت ایک ہے' دونوں کی مساعی ان کی اپنی زندگی کے دوران کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دین کے نظام کو قائم ہوتے دیکھے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کا عروج دیکھے بغیر آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اسی طرح دونوں میں ایک اور قدر مشترک ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال اور حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع سماوی کے تین سو برس کے بعد بنی اسرائیل کی ثروت اور شوکت اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ حضرت موسیٰ کے انتقال کے بعد یوشع بن نون کی زیر قیادت یہودیوں نے فلسطین کو فتح تو کر لیا لیکن چھوٹی چھوٹی بارہ مملکتیں بنالیں (جیسے مغلیہ دور کے آخر میں طوائف الملوکی ہو گئی تھی) پھر وہ ریاستیں آپس میں لڑتی بھی رہتی تھیں اور آس پاس کی مشرکانہ اقوام نے ان کو دبا لیا تھا۔ جبھی تو انہوں نے وقت کے نبی سے کہا تھا کہ ہمارا ایک سپہ سالار بنا دو تا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں تو حضرت طالوت کا تعین ہوا۔ پھر طالوت اور جالوت کی جنگ ہوئی' جس میں اللہ نے انہیں فتح دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال اور طالوت کی حکومت قائم ہونے میں تین سو سال کا فصل ہے۔ طالوت' داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی حکومت در حقیقت بنی اسرائیل کی خلافت راشدہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کا بھی یہی معاملہ ہوا ہے کہ تین سو برس تک شدید ترین تشدد کا شکار رہے' تا آنکہ سن تین سو عیسوی میں شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کر لی اور پوری سلطنت روما عیسائی ہو گئی۔ اس طرح عیسائیوں کا غلبہ ہو گیا۔

منہاجِ محمدی ﷺ

اب آیئے' حضرت محمد ﷺ کا منہاج کیا ہے؟ اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو یہ ایک انقلابی منہاج ہے' کیونکہ جیسے حضور ﷺ پر نبوت اور رسالت کی تکمیل ہوئی ہے اسی طرح منہاج نبوی کی تکمیل بھی محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوئی ہے' اور جب دین کی تکمیل ہو

گئی تو اس دین کو قائم و نافذ کرنا آپؐ کا مقصد بعثت قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی دوسرے نبی یا رسول کے لئے یہ الفاظ قرآن میں نہیں آئے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے آئے ہیں : ﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ یہ الفاظ قرآن میں تین مرتبہ آئے ہیں' جن سے آپؐ کا مقصد بعثت نمایاں ہوتا ہے۔ مبشرین' منذرین' داعیان الی اللہ تو سب انبیاء تھے' وہ سب اپنی اپنی جگہ ہدایت کے روشن چراغ تھے۔ لیکن چراغ محمدی ﷺ کی اپنی روشنی ہے۔ تمام انبیاء و رسل کی بعثت میں "اظہار دین الحق" کے علاوہ باقی حیثیتیں مشترک ہیں' لیکن یہ صرف آپؐ کی مخصوص حیثیت تھی۔ اسی حوالے سے محمد رسول اللہ ﷺ کا منہاج انقلابی ہے جس کا سیرتِ موسوی اور سیرتِ عیسوی کے اندر ہمیں کوئی مساوی یا متوازی نظر نہیں آتا۔

منہج انقلابِ نبوی کے چھ مراحل تھے (۱) دعوتِ ایمان (۲) تنظیم (۳) تربیت (۴) صبر محض (۵) اقدام یا چیلنج (۶) تصادم۔ سب سے پہلے حضور ﷺ نے توحید کی دعوت دی' جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا انہیں منظم کیا' کیونکہ منظم جماعت کے بغیر انقلاب نہیں آتا' دین کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اگر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے پہلے دن سے بیعت لینی شروع کی ہوتی تو کیا وہ عین وقت پر قتال سے انکار کر سکتے تھے؟ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے بیعت کی بنیاد پر صحابہ کو منظم کیا۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے "نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا" اس اعتبار سے منہاجِ محمدی ﷺ کا ایک ہدف ہے ﴿ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ تاکہ دین اسلام کل کے کل دین پر غالب ہو جائے۔ یہ انقلابی منہاج ہے۔

اس کے لئے ایمان کی دعوت بذریعہ قرآن دی جائے۔ تنظیم بذریعہ بیعت ہو۔ تیسرا مرحلہ تربیت اور تزکیہ کا ہے۔ چوتھے مرحلے میں ﴿ كُفُّوْا اَیْدِیَكُمْ ﴾ کا حکم تھا کہ جب تک اتنی طاقت نہیں ہے کہ نظام باطل کے ساتھ ٹکراؤ مول لے سکیں اس وقت تک صبر محض کرو۔ خواہ تمہارے جسموں کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں لیکن تم ہاتھ مت اٹھاؤ۔ اپنے ہاتھ بندھے رکھو' یہاں تک کہ اپنے بچاؤ کے لئے بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ بارہ برس تک مکے میں یہی حکم تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد جب اذن قتال آ گیا تو حکم ہوا آگے بڑھو اور باطل سے ٹکر مول لو۔ یعنی خود اقدام کر کے باطل نظام کو چیلنج کرو جس کے نتیجے میں تصادم کا چھٹا

مرحلہ شروع ہو گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے تصادم شروع ہوا اور عرب کی حد تک آٹھ برس میں انقلاب مکمل ہو گیا۔ ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾

خلافتِ راشدہ میں تو اسی انقلاب کی توسیع ہوئی ہے' جو کسی بھی انقلاب کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر انقلاب ایک جگہ مکمل ہونے کے بعد پھیلتا ہے۔ گویا یہ کسی انقلاب کا litmus test ہے کہ وہ اگر حقیقی انقلاب ہے تو پھر جغرافیائی یا قومی حدود کا پابند نہیں رہ سکتا۔ وہ تو بڑھے گا' کیونکہ حقیقی انقلاب کی بنیاد نظریہ پر ہوتی ہے اور نظریات کے پھیلنے کے لئے نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے نہ ویزا کی۔ آپ کو معلوم ہے بالشویک انقلاب روس میں آیا تو اس کے اثرات لاطینی امریکہ میں جا پہنچے۔ کیوبا میں بھی کمیونسٹوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ انقلاب کی توسیع کو ساتواں مرحلہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ انقلاب اسلامی واقعی ایک انقلاب ہے۔ سورۃ التوبہ میں حکم دیا گیا کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ﴾ "اے اہل ایمان! تمہارے ساتھ کفار کی جو سرحدیں بھی ملتی ہیں ان کے ساتھ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے قتال کرو۔

تاہم اس مرحلے میں کفار کو تین options دی جائیں گی کہ وہ کسی ایک کو اختیار کر لیں : (۱) اسلام لے آؤ تو ہمارے برابر کے بھائی ہو جاؤ گے' تمہاری املاک' تمہاری جان و مال کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہو گی۔ (۲) اگر یہ قبول نہیں تو جزیہ دینے کا وعدہ کرو اور تابعدار بن کر رہو' تب بھی تمہاری جان و مال اسی طرح محفوظ ہوں گے جیسے دوسرے لوگوں کی محفوظ ہیں (۳) اگر یہ بھی نہیں تو پھر میدان میں آجاؤ' تلوار ہمارے اور تمہارے مابین فیصلہ کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب سپہ سالارِ ایران رستم نے اسلامی فوج سے پوچھا کہ پہلے بھی عرب کے صحرا سے کچھ لوگ آتے تھے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے لیکن اس بار تم لوگ ہماری جان نہیں چھوڑ رہے' تم چاہتے کیا ہو؟۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا "اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا" ہم خود نہیں آئے ہمیں بھیجا گیا ہے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں بھیجا ہے (We are on a mission now) مشن کیا تھا "لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ اِلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ" تاکہ لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی

روشنی میں لے آئیں "وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ" اور بادشاہوں کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کے عدل میں داخل کر دیں۔ ان بادشاہوں اور جاگیرداروں نے لوگوں کا خون چوسنے کا جو نظام بنا رکھا ہے' اس نظام کو ختم کر کے عدل کا نظام قائم کر دیں۔

یہ ہے منہج انقلاب محمدی ﷺ جس پر عمل پیرا ہو کر ہم آج بھی وہی عظیم انقلاب برپا کر سکتے ہیں جو ۱۴۰۰ سال قبل محسن انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا۔

منہاجِ ابراہیمی علیہ السلام

سورۃ المائدہ کے ساتویں رکوع کی روشنی میں منہاجِ موسوی ؑ و عیسوی ؑ اور منہج انقلاب محمدی ﷺ کا ذکر اس لئے آیا ہے کیونکہ یہ تینوں رسول صاحب کتاب و شریعت تھے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منہاجِ ابراہیمی ؑ کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تاکہ موضوع کی تکمیل ہو سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ پر نظر دوڑائیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک بوڑھا باغبان ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے باغ لگا رہا ہے اور جسے معلوم ہے کہ اس باغ کا پھل کھانا تو درکنار اسے دیکھنا بھی نصیب نہ ہو گا۔ لیکن وہ پوری تندہی' محنت' مشقت' لگن اور یکسوئی سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ ان کا اصل کام یہ تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور بھتیجے کو دین کے مراکز قائم کر کے دیئے کہ یہاں بیٹھو اور دین کی دعوت کا کام کرو۔ ایک بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے حجاز میں آباد کر دیا' دوسرے بیٹے اسحٰق علیہ السلام کو فلسطین میں' جبکہ اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں میں بھیج دیا اور ان مقامات پر دعوت دین کے مراکز قائم کئے تاکہ دعوت کا تسلسل برقرار رہے۔ بعد ازاں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے بنی اسرائیل جیسی امت مسلمہ وجود میں آئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے امت محمد ﷺ برپا ہوئی۔

تنظیم اسلامی دیگر معاصر دینی تحریکوں کے تناظر میں

اب ان کو مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں مختصراً یہ دیکھتے چلیں کہ ماضی قریب میں ہندوستان کے حوالے سے جو مختلف عظیم تحریکیں اٹھی ہیں ان میں سے کس کس کے ڈانڈے کس منہاج سے ملتے ہیں اور ان میں کس حد تک کس منہاج سے مشابہت ہے۔

اس ضمن میں ہندوستان میں جو تجدیدی مساعی ہوئی ہیں یا انگریز کی آمد کے بعد جو بھی مزاحمتی تحریکیں (Resistance Movements) اور آزادی کی تحریکیں چلی ہیں' مثلاً سید احمد شہید کی تحریک جہاد' ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی' انگریز کی غلامی سے نجات کے لئے علمائے کرام کی کوششیں اور مسلم لیگ کی آزاد مسلم ریاست کے قیام کی جدوجہد سب منہاجِ موسوی ؑ سے مشابہ ہیں' جب کہ صوفیائے کرام کا طرز عمل منہاجِ ابراہیمی پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ ایک عظیم تحریک "تبلیغی جماعت" کا طریق کار بہت حد تک منہاجِ عیسوی سے مشابہ ہے' کیونکہ ان کا جہادِ حریت سے کسی قسم کا تعلق نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ اسی طرح انہوں نے نہ ہی پہلے کبھی ملی سیاست سے کوئی سروکار رکھا اور نہ اب ہے۔ البتہ حضرت مسیح علیہ السلام کے انداز میں تبلیغی سفر اور گشت ان کا معمول ہیں کہ آج یہاں ہیں اور کل وہاں ہیں۔ نیز اس ساری چلت پھرت کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں میں روحِ دین اور حقیقی ایمان پیدا ہو۔

حال ہی میں شروع ہونے والی ایک اور تحریک "دعوتِ اسلامی" جس کا زور حضور ﷺ کی سنتیں زندہ کرنے پر ہے یہ بھی حضرت عیسیٰ ؑ کے منہاج سے قریب تر ہے۔

تاہم ان تحریکوں سے کچھ نہ کچھ خیر ضرور برآمد ہو رہا ہے۔ تبلیغی جماعت کی محنت کے نتیجے میں ایمان کا لب لباب کہ مادی وسائل پر سے تکیہ ختم ہو کر لوگوں میں صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ پیدا ہو رہا ہے۔ اسی طرح دعوت اسلامی کے زیر اثر بہت سے نوجوان لباس' وضع قطع اور بود و باش میں سنتیں اپنا رہے ہیں' جو اپنی جگہ بہت قیمتی اعمال ہیں۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ہمارے سینوں میں ان منہاجوں کے حوالے سے وسعت ہونی چاہئے' کیونکہ ان میں سے کوئی منہج اختیار کرنا حرام نہیں ہے۔ البتہ ہمارے لئے افضل منہاجِ محمدی ﷺ ہی ہے۔ اور اقامت دین یا حقیقی اسلامی انقلاب کی منزل منہج انقلاب نبوی ﷺ پر عمل کر کے ہی سر ہو سکتی ہے۔

اب آیئے منہج انقلاب نبوی ﷺ کی طرف کہ اس پر بھی کسی نے توجہ کی یا نہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں منہج انقلابِ نبوی ﷺ کو فکری اور عملی طور پر تازہ کرنے والے علامہ اقبال ہیں۔ رجوع الی القرآن اور انقلاب کا نعرہ سب سے پہلے علامہ اقبال نے بلند کیا۔ یہ تصور بھی اقبال نے پیش کیا کہ اسلام جب غالب ہو تو دین ہوتا ہے اور مغلوب ہو تو

مذہب بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ منہج انقلاب نبوی ﷺ کے جو چھ مراحل اللہ نے ہمیں پیش کرنے کی توفیق دی ہے انہیں بھی اقبال نے دو مصرعوں میں سمو دیا ہے ؎

با نشہ ٔ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

مطلب یہ کہ پہلے تو درویشی کا راستہ اختیار کرو' دعوت دو' تربیت و تزکیہ کرو اور خود کو منظم کرو۔ اس راہ میں اگر کوئی مارے تو ہاتھ نہ اٹھاؤ' کوئی گالی دے تو اسے دعا دو۔ یہ چار ابتدائی مراحل ہیں جنہیں اقبال نے درویشی سے تعبیر کیا ہے۔ بارہ برس تک مکے میں یہی درویشی کا دور چلا ہے۔ اگلے مصرعے میں فرمایا کہ جب تم تیار ہو جاؤ' پختہ ہو جاؤ اور تمہاری طاقت مناسب ہو جائے تو اپنے آپ کو باطل نظام سے ٹکرا دو۔ یہ منہاجِ محمدی ﷺ کا پانچواں اور چھٹا مرحلہ ہے۔

اس کے بعد منہاجِ محمدی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش مولانا ابوالکلام آزاد نے کی ہے' جنہوں نے ۱۹۱۳ء میں حزب اللہ بنائی تھی۔ جس کے پیش نظر انگریزوں کی غلامی سے نجات اور حکومت الٰہیہ کا قیام تھا۔ لیکن طریقہ کار کے واضح نہ ہونے اور روایتی علماء کی مخالفت کے باعث یہ تحریک مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ بعد ازاں اس مشن کا بیڑا مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اٹھایا اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کے واضح طریق کار کے ساتھ جماعت اسلامی قائم کی' جو قیام پاکستان کے بعد انتخابی سیاست کی دلدل میں دھنس کر منہاجِ محمدی ﷺ سے دستبردار ہو گئی۔ اب الحمدللہ تنظیم اسلامی منہج انقلاب نبوی ﷺ کے مطابق پاکستان میں اقامت دین کی جدوجہد کا پرچم بلند کئے ہوئے ہے۔ اور جب تک تنظیم اسلامی حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے اس راستے پر گامزن ہے اللہ کی مدد و نصرت اس کے ساتھ رہے گی۔

اقول قولی ھذا و استغفر اللّٰہ لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات OO

(مرتب : فرقان دانش خان)

سلسلۂ تقاریر ——— منہجِ انقلابِ نبویؐ ——— خطاب یازدہم

منہجِ انقلابِ نبویؐ کے حالاتِ حاضرہ پر انطباق

کے ضمن میں

اِقدام اور مسلّح تصادم کا متبادل

قرآن وحدیث کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

گزشتہ دس خطابات میں مَیں اپنی سی امکانی کوشش کر چکا ہوں کہ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک مطالعہ اور ایک جائزہ اس انداز میں آپ کے سامنے رکھ دوں کہ اسلامی انقلاب کے مراحل اور مدارج نکھر کر سامنے آجائیں۔

اب ہمیں گہرے غور و فکر اور نہایت احتیاط کے ساتھ یہ دیکھنا ہو گا کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے کن کن مراحل اور امور کو ہمیں جوں کا توں لینا ہو گا اور وہ کون سے مراحل ہیں کہ جن کے بارے میں حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو من حیث المجموع سامنے رکھ کر ہمیں موجودہ حالات کے پیش نظر استنباط کرنا ہو گا اور اس معاملے میں ہمیں کس حد تک اجتہاد کرنا ہو گا۔ اس مسئلہ پر گفتگو سے قبل پہلے ہمیں اس فرق کو سمجھنا ہو گا جو دو اعتبارات سے دورِ نبوی ﷺ اور آج کے حالات میں واقع ہوا ہے۔

مسلّح تصادم کے اعتبار سے

دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں دو اہم فرق

پہلا فرق : دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں پہلا واضح ترین اور نمایاں ترین فرق تو یہ واقع ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ ایک خالص کافرانہ و مشرکانہ معاشرے میں ہوئی

تھی' جبکہ ہمارا تعلق ایک مسلمان معاشرہ سے ہے اور ہمیں اس میں کام کرنا ہے۔ ہمارے ملک ہی کی طرح دوسرے بہت سے مسلم ممالک ہیں جن میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد اسی فیصد سے زائد ہے اور ان تمام ممالک کے سربراہ اور حکمران بھی مسلمان ہی ہیں۔ رعایا اور حکمرانوں کے کردار' ان کے اخلاق' ان کی سیرت اور دین سے ان کے عملی تعلق کے معاملات کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ بات تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ یہ سب کے سب قانوناً مسلمان ہیں۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ کہیں بھی مکمل اسلامی نظام اپنی آئیڈیل صورت میں عملاً قائم و نافذ نہ ہو بلکہ پورے کا پورا لادینی (Secular) نظام رائج ہو تب بھی وہ مسلمان معاشرہ کہلائے گا اور اس کے حکمران مسلمان ہی تسلیم کئے جائیں گے۔ پھر حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان معاشروں میں کردار کے اعتبار سے ہر طرح کے طبقات موجود ہیں۔ شرابی' زانی' قمار باز اور کئی اعتبارات سے صرف اسلامی اخلاق و کردار ہی سے نہیں عام انسانی سیرت و کردار سے تہی دست افراد بھی موجود ہیں اور اسلامی نظام کے عملاً نافذ نہ ہونے کے باوجود انہی معاشروں میں کچھ نہ کچھ ایسے مسلمان بھی لازماً موجود ہوں گے جو نمازی' روزے دار' اسلامی شعائر کی پاس داری کرنے والے اور انفرادی سطح پر صالح اور متقی مسلمان ہوں۔ بہرحال عملاً یہ تمام لوگ قانوناً مسلمان ہیں اور انہیں کلمہ کی ڈھال حاصل ہے۔ لہٰذا ان حالات میں جن میں نبی اکرم ﷺ نے توحید کی انقلابی دعوت پیش کی اور اس صورت حال میں جس سے ہمارا سابقہ ہے' ایک نہایت نمایاں فرق موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا جس معاشرے سے مقابلہ تھا' وہ فکری و عملی دونوں اعتبارات سے خالص مشرکانہ اور کافرانہ معاشرہ تھا اور ان کا پورا نظام شرک کی بنیادوں پر استوار اور قائم تھا۔ کچھ سعید روحیں ضرور موجود تھیں جو فکری طور پر موحد اور عملی طور پر بت پرستی کی نجاست کی آلودگی سے محفوظ تھیں۔ لیکن غالب اکثریت مشرکین ہی کی تھی۔ چنانچہ پہلا اور بنیادی فرق جس کو سامنے رکھ کر ہمیں سوچنا ہوگا یہ ہے کہ آیا ہم نبی اکرم ﷺ کا پورا منہج انقلاب جوں کا توں اور بعینہٖ اختیار کریں گے یا اس میں کوئی فرق و تفاوت ہوگا!

دوسرا فرق : دوسری اہم بات یہ ہے کہ نوعِ انسانی کا جو تمدنی ارتقا ہوا ہے اس کے اعتبار سے اب کسی بھی ملک میں جو حکومت ہوتی ہے اس کے پاس تمام وسائل اور پوری قوت موجود ہوتی ہے' جبکہ عوام اب بالکل نہتے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حکومت اور عوام کے مابین فرق

و تفاوت اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ وہ جو مسلح تصادم (Armed Conflict) والا مرحلہ ہے' یعنی پہلے سے قائم شدہ باطل نظام سے مسلح تصادم کا معاملہ وہ نظری اور عملی دونوں اعتبارات سے قریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ یہ دونوں تبدیلیاں ایسی بنیادی ہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر ہمیں معروضی طور پر غور کرنا ہے کہ اگر ہم اسلامی انقلاب برپا کرنے کا تہیہ اور عزم کرتے ہیں تو ان تمام مراحل میں جن سے نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد اور سعی و کوشش گزری آیا ہمیں بعینہٖ وہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا جو ہمیں سیرتِ مطہرہ میں ملتا ہے یا یہ کہ اُن اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر مرحلہ پر ہم یہ دیکھیں کہ کس کس پہلو سے ہمارا لائحہ عمل مختلف ہو گا۔

زیر بحث موضوع کی وضاحت سے پہلے قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس صورت حال کو ایک مفروضہ کی حیثیت سے سامنے رکھیں اور سردست اس بات کو ذہن سے نکال دیں کہ اس وقت پیشِ نظر پاکستان کی حکومت اور اس کا معاشرہ ہے۔ ورنہ اس مسئلہ میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

گفتگو کی عکسی ترتیب

اصلاً تو ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ انقلابِ محمّدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام کے جو چھ مراحل بیان کئے گئے تھے' انطباق کے معاملہ میں بھی وہی ترتیب اختیار کی جائے۔ یعنی پہلے اس مسئلہ پر اظہار خیال ہو کہ دعوت کے مرحلہ میں کوئی فرق و تفاوت ہو گا یا نہیں' اور اگر ہو گا تو وہ کیا ہو گا؟ پھر تنظیم کے مرحلہ اور اس کے طریق کار میں کوئی فرق و تفاوت ہو گا یا نہیں' اگر ہو گا تو کیا ہو گا؟ تربیت کے عمل میں کوئی فرق و تفاوت ہو گا یا نہیں' اگر ہو گا تو کیا ہو گا؟ اسی کے ساتھ صبر محض (Passive Resistance) کا مرحلہ ہے' جس کے بعد اقدام (Active Resistance) کا مرحلہ آتا ہے۔ گنتی اور ترتیب کے اعتبار سے تو یہ دونوں مرحلے چوتھے اور پانچویں نمبر کے طور پر بیان ہوتے ہیں جبکہ حقیقت کے اعتبار سے صبر محض کا مرحلہ پہلے مرحلے یعنی دعوت کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ تو سوچنا ہو گا کہ آیا ان کے ضمن میں بھی کسی اجتہادی تبدیلی کی ضرورت ہو گی یا نہیں۔ اسی طرح آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کا معاملہ ہے کہ آیا اس میں بھی کوئی فرق و تفاوت ہے یا نہیں ہے' اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

موضوع کی نزاکت

زیرِ بحث موضوع بڑا نازک اور پیچیدہ مسئلہ ہے' کیونکہ اس دور میں اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کی بظاہر احوال اُس وقت تک کوئی صورت ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس مسئلہ کو تمدنی ارتقاء کی روشنی میں حل نہ کیا جائے اور اس کے صحیح متبادل طریقہ کو تلاش نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس اعتبار سے بھی یہ مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارا اصل ہدف اسلامی انقلاب برپا کرنا ہے' جس کے چھ مراحل کا تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ ہو چکا۔ چونکہ قانونی اعتبار سے آخری مراحل میں ہی سب سے بڑا فرق واقع ہوتا ہے اس لئے انہی مراحل کا ذکر پہلے ہوگا اور یہ فرض کیا جائے گا کہ ابتدائی مراحل کسی معاشرہ میں مکمل ہو چکے ہیں۔ یعنی خالص اسلام کی دعوت پر ایک تحریک اُٹھی' اس کو اس معاشرہ میں مقبولیت حاصل ہوئی' اسے response ملا' لوگوں نے شعوری طور پر اس دعوت کو قبول کیا۔ پھر وہ منظم ہوئے اور سمع و طاعت والی ایک تنظیم کا نظام قائم ہو گیا۔ پھر ان کی تعداد بھی اتنی معتدبہ ہو گئی کہ وہ تنظیم اب رائج نظام کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ پھر یہ کہ تنظیم کے کارکنوں کی تربیت بھی ایسی ہو چکی ہے کہ انفرادی کردار و اخلاق اور سیرت کے اعتبار سے ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ان کے متعلق یہ حسن ظن موجود ہے کہ وہ فی الواقع اپنی انفرادی زندگی میں اپنے امکان بھر اسلام کو عملاً نافذ کر چکے ہیں' انہوں نے تزکیہ کے مراحل بھی طے کر لئے ہیں اور ان کے دل راہِ حق میں قربانیاں دینے کے لئے بے تاب ہیں۔ یہ مفروضات (Pre-suppositions) ہیں جو پیشِ نظر ہوں گے۔ کسی انقلابی عمل کا آخری مرحلہ مسلح تصادم ہوتا ہے' مگر یہ آج کا مسئلہ نہیں ہے' یہ فوری طور پر عمل کرنے والی بات نہیں ہے' لہٰذا اس آخری مرحلہ کو صرف علمی طور پر سمجھنا ہوگا۔

مزید برآں ہمارا سابقہ ایک مسلمان معاشرہ سے ہے' جو ایمان اور عمل دونوں اعتبارات سے سخت مضمحل ہو چکا ہے۔ نیز جس میں حکومت کرنے والے بھی مسلمان ہیں' خواہ وہ بادشاہ ہوں' جیسے سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں ہیں' چاہے وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوں اور خواہ وہ جمہور کے منتخب نمائندے ہوں' جیسے بہت سے ممالک میں جمہوری حکومتیں قائم ہیں۔ اپنی نجی زندگیوں میں وہ کچھ بھی ہوں' فاسق و فاجر ہوں' یا نمازی اور روزہ دار ہوں' دونوں صورتوں میں وہ مسلمان ہیں' لیکن اس معاشرہ میں اسلامی نظام قائم نہیں

ہے' تو وہاں پر رائج نظام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر صحیح و حقیقی اسلامی نظام کے قیام کے لئے آخری اقدام کی صورت کیا ہو گی یا بالفاظ دیگر کیا ہو سکتی ہے جو مسلح تصادم کا بدل (alternative) بن سکے؟

ایک اسلامی تحریک کے اوصاف

آگے بڑھنے سے قبل بات کی تفہیم کے لئے ایک بار پھر ایسی تحریک کے اوصاف ذہن میں تازہ کر لیجئے جو فی الواقع اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کسی معاشرہ میں اُٹھی ہو۔ وہ تحریک کسی فرقہ واریت کی بنیاد پر نہ اُٹھی ہو' وہ محض رائج الوقت نظام کی کسی جزوی اصلاح کے لئے نہ اُٹھی ہو' وہ صرف کسی انتخابی عمل کے ذریعے اس نظام کو چلانے والے ہاتھوں کو بدلنے کے لئے میدان میں نہ آئی ہو' بلکہ اس جماعت کا مقصد خالص اسلامی انقلاب برپا کرنا ہو۔ یعنی معاشرہ میں علمی و عملی دونوں اعتبارات سے توحید کے نفاذ و انعقاد کی جدوجہد ہی اس کا مقصود و مطلوب ہو۔ پھر یہ کہ ایک معتدبہ تعداد میں لوگوں نے اسے شعوری طور پر قبول کیا ہو۔ پھر یہ کہ وہ منظم ہو چکے ہوں اور منظم بھی اس درجہ میں کہ "وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا" کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو۔ وہ کبھی مشتعل نہ ہوئے ہوں۔ انہوں نے کبھی بھی گالی کا جواب گالی سے نہ دیا ہو۔ یعنی وہ ان مراحل سے بڑی حد تک گزر چکے ہوں جو صبر محض کے عنوان کے تحت سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مکی دور کے حالات کے ضمن میں قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں' کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سختیاں جھیلیں' استہزاء اور تمسخر برداشت کیا' ذہنی و جسمانی تشدد جھیلا' معاشرہ نے اہل ایمان کا بائیکاٹ کیا' شعب بنی ہاشم کی تین سالہ جاں گسل محصوری سے سابقہ پیش آیا' ایمان لانے والے سعید و صالح نوجوانوں کو ان کے خاندان والوں نے گھروں سے نکالا' ان پر معیشت کا دائرہ تنگ سے تنگ تر کیا گیا' لیکن انہوں نے ان سب کو جھیلتے اور برداشت کرتے ہوئے توحید کا علم ہاتھ میں لئے توحیدی انقلاب اور توحیدی نظام قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ کسی ادنیٰ درجہ میں ہی سہی' اُس جماعت کے وابستگان میں بھی ان باتوں کی کوئی جھلک نظر آنا ضروری ہے۔

نکتۂ توحید کی تفسیر

توحید کی بنیاد پر جو نظام قائم ہوتا ہے صرف اور صرف وہی نظامِ عدل و قسط کہلانے کا

استحقاق رکھتا ہے۔ یہ نظام توحید ہی سماجی سطح پر کامل انسانی مساوات قائم کرتا ہے۔ یعنی نسل، رنگ، زبان، پیشہ اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی بلند و اعلیٰ ہوتا ہے نہ کوئی کم تر و پست۔ پھر مرد و عورت کے منصفانہ طور پر حقوق اور فرائض کو متعین کرتا ہے۔ معاشی سطح پر یہ نظام ملک کے ہر شہری کی ناگزیر بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کا ذمہ دار ریاست کو قرار دیتا ہے۔ آجر و مستاجر (مزدور و کارخانہ دار) کے درمیان عدل و انصاف اور اخوت کی فضا پیدا کرتا ہے۔ جاگیرداری کی لعنت کا مکمل خاتمہ کرتا ہے۔ اس نظامِ توحید میں سیاسی سطح پر حاکمیت مطلقہ صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ ملک کی پارلیمنٹ یا اسمبلی ﴿ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ کے اصول پر شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے دیگر انتظامی و فلاحی اُمور کے لئے قانون سازی کی مجاز ہوتی ہے، لیکن وہ اللہ اور رسول ؐ یعنی کتاب و سنت میں بیان کردہ حدود و تعزیرات میں ایک شوشہ کے برابر بھی تغیر و تبدل کی مجاز نہیں ہوتی۔

اقدام کا مرحلہ

سوال یہ ہے کہ اگر ایک اسلامی تحریک مختلف مراحل سے گزر کر اقدام کے مرحلہ تک آ گئی تو بحالات موجودہ اقدام کی صورت کیا ہوگی؟ ظاہر ہے کہ اقدام کے بغیر نظام نہیں بدلے گا۔ بیٹھے رہیں گے تو وہ نظام خود بخود تبدیل نہیں ہوگا۔ اس موقع پر یہ بات بھی گرہ میں باندھ لیجئے کہ محض وعظ و نصیحت سے بھی ہرگز ہرگز کوئی نظام تبدیل نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس فاسد نظام میں چند نیک، صالح باکردار اور متقی لوگوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ نظام کی تبدیلی کے لئے اقدام ناگزیر ہے، اس کے بغیر انقلاب نہیں آتا۔

مسلح بغاوت کی شرعی حیثیت

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض حضرات کے ذہنوں میں جو یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ کسی مسلمان حکمران کے خلاف مسلح اقدام کی شریعت میں سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے تو یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اگرچہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن یہ بات بھی متفق علیہ نہیں ہے کہ کسی بھی حالت اور کسی بھی صورت میں کسی مسلمان حکمران کے خلاف خروج نہیں ہو سکتا یا بغاوت

نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس بات کو تسلیم کرنے کے معنی تو یہ ہوں گے کہ فُسّاق و فجّار کی حکومت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جو فاسق و فاجر ایک بار مسلط ہو گیا تو پھر اس کا یہ تسلط دائمی ہو گا اور سوائے زبانی و کلامی نصیحت کرنے یا خاموش رہنے کے کوئی عملی اقدام کرنے کا حق اور اختیار باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ اکثر حالات میں تو زبان پر بھی پہرے بٹھا دیئے جائیں گے کہ تنقید تو کجا' دلسوزی' ہمدردی اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے پر بھی زبان بندی کر دی جائے گی۔ ایسی صورت میں ظاہر بات ہے کہ وہ تسلط ہمیشہ باقی رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہو گا۔ اس سلسلہ میں غور کا مقام ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما نے حکومت کے خلاف جو اقدام فرمایا' تو ایک لحہ کیلئے بھی یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ ان حضرات گرامی کا اقدام خلافِ شریعت تھا یا وہ کوئی ناجائز کام کر رہے تھے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!

حضرت حسین بن علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اقدامات ان حضرات کی اجتہادی غلطی تو ہو سکتی ہے' اس میں خطا کا امکان ہو سکتا ہے' لیکن اسے ناجائز کام یا ہوس اقتدار ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اس بات کا شائبہ بھی دل میں آ گیا تو عدالت خداوندی میں لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ یہی معاملہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی رائے کے متعلق کہا جائے گا کہ اگر انہوں نے ان حضرات کو اقدام کرنے سے روکا اور یزید کی بیعت کر لی تو یہ ان کی اجتہادی رائے ہے جس میں خطاء کا امکان ہے' لیکن اس کو بھی حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دو انتہاؤں کے درمیان میں ہمارے سلف و خلف کے علمائے ربانی کی رائے یہی ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ناپسندیدہ مسلمان حکومت کے خلاف خروج کی دین میں گنجائش موجود ہے۔ تب ہی تو ان دونوں بزرگوں نے اقدامات کئے۔ البتہ اقدام کے مرحلے پر یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے لئے موقع و محل بھی مناسب ہے یا نہیں۔ اس کا تعلق خالص اجتہاد سے ہے' جس میں خطاء و صواب دونوں کا برابر امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ لہٰذا اس بات کو ذہن سے نکال دیجئے کہ مسلمان حکمران کے خلاف خروج اور بغاوت سرے سے ہو ہی نہیں سکتی۔

خروج کے بارے میں احناف کا موقف

ہمارے اس ملک میں بسنے والے سنی مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت حنفی المسلک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہی ہے کہ فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج ہو

سکتا ہے۔ البتہ اس کے لئے شرائط بڑی کڑی ہیں۔ امام صاحبؒ کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت نفس زکیہ رضی اللہ عنہ کی تائید بھی کی تھی اور ان کو مالی اعانت بھی فراہم کی تھی جنہوں نے بنو عباس کی حکومت کے خلاف خروج کیا تھا۔ البتہ امام صاحب نور اللہ مرقدہ بنفسِ نفیس میدان میں نہیں آئے تھے۔ تاریخ کی تمام مستند کتابوں میں ان باتوں کا ثبوت موجود ہے۔ لہٰذا دینی اور شرعی اعتبار سے ایسا معاملہ نہیں ہے کہ کسی حال اور کسی صورت میں بھی کسی فاسق و فاجر حکمران کے خلاف خروج یا بغاوت نہ کی جا سکے۔ البتہ فقہائے احناف نے اس کے لئے بڑی کڑی شرائط لگائی ہیں۔

ایک شرط تو یہ ہے کہ حکمرانوں کی طرف سے کھلم کھلا اور برملا کسی ایسی بات کا ظہور ہو رہا ہو جو خلافِ اسلام ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر شراب پی رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ لیکن اگر وہ شراب نوشی کی ترویج کر رہا ہو' لوگوں کو اس کے استعمال کی ترغیب و تشویق دے رہا ہو تو معاملہ مختلف ہو جائے گا۔ ایسے حکمران کو معزول کرنے کے لئے قوت فراہم کرنا اور خروج کرنا بالکل جائز اقدام ہو گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس نظام کو بدلنے کے لئے جو لوگ اُٹھیں ان کی طاقت اور ان کے اثرات اتنے زیادہ ہو چکے ہوں کہ وہ یقین رکھتے ہوں کہ ہم تبدیلی برپا کر دیں گے۔ یہ نہیں کہ تھوڑی سی طاقت کے ساتھ تصادم کا آغاز کر دیں' جس کا نتیجہ بدامنی کی صورت میں ظاہر ہو اور وہ لوگ ختم ہو کر رہ جائیں۔ بلکہ صورت یہ ہونی چاہئے کہ بحالات ظاہر یہ امید واثق ہو کہ ہم نظام کو بدل سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کر دیں اور نظام جوں کا توں قائم رہے۔ تو یہ ہے اس مسئلہ کی خالص دینی اور شرعی حیثیت۔

ایک قابلِ لحاظ نکتہ

موجودہ دور میں بالفعل یہ صورت پیدا ہو چکی ہے کہ اب خروج و بغاوت کا امکان ہی موجود نہیں۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں باقاعدہ تنخواہ دار فوجیں (Standing Armies) نہیں ہوتی تھیں۔ اگر ہوتی بھی تھیں تو بہت کم۔ جبکہ آج کل قریباً ہر حکومت کے پاس لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ اور منظم فوجیں موجود ہوتی ہیں۔ ثانیاً اُس دَور میں جس نوع کا اسلحہ فوجوں کے پاس ہوتا تھا قریباً اسی نوع کا عوام کے پاس بھی ہوتا تھا۔ اس میں مقدار کا فرق تو ہو سکتا ہے' لیکن وہی تلواریں' وہی نیزے' وہی تیر' وہی ڈھالیں جو فوج کے پاس ہیں

وہی عوام کے پاس بھی ہیں۔ تو اس زمانہ میں نسبت و تناسب کا کوئی نہ کوئی معاملہ موجود تھا۔ لیکن اب جو تمدن کا ارتقاء ہوا ہے تو یہ صورت باقی نہیں رہی ہے۔ حکومت کے وسائل' اس کی طاقت' اس کی فوجیں اور اسلحہ کے معاملہ کی نوعیت بالکل بدل چکی ہے۔ چنانچہ اب سرے سے کوئی نسبت و تناسب موجود ہی نہیں ہے۔ حکومتی افواج نہ معلوم کس کس نوعیت کے اعلیٰ اور جدید ترین اسلحہ سے لیس ہیں اور اس طرح حکومت ایک قوی ترین ادارہ بن چکی ہیں' جبکہ عوام قریباً بالکل نہتے ہیں۔ تو یہ فرق و تفاوت اتنا عظیم ہے کہ اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا خروج اور بغاوت بحالاتِ موجودہ تقریباً خارج از بحث ہو چکی ہے —— شرعی اعتبار سے نہیں' حالات کے اعتبار سے اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ایک اہم سوال

ان تمام تنقیحات کے بعد ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ بحالاتِ موجودہ اس چھٹے مرحلہ کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ اس کا متبادل (alternate) کیا ہوگا؟ اس سوال کے براہِ راست جواب سے قبل ضروری ہے کہ دو اہم امور کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

تمدنی ارتقاء سے پیدا شدہ دو اہم تبدیلیاں

تمدنی ارتقاء نے یہ شکل پیدا کی ہے کہ حکومت کے پاس قوت اور طاقت بے انتہا ہوتی ہے۔ فوج اس کی پشت پناہ ہوتی ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی پیشِ نظر رکھئے کہ بات پاکستان کی نہیں ہو رہی بلکہ علمی اور اصولی نقطہ نظر سے ہو رہی ہے۔ آخر یہ مسئلہ شام میں بھی تو درپیش ہے' جہاں الاخوان المسلمون نے اسلام کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے' لیکن مقابلہ کس سے ہے؟ حافظ الاسد کی حکومت سے' جس کے پاس جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے' جس کے پاس ہر طرح کے ذرائع و وسائل موجود ہیں اور جس کی پشت پر روس جیسی سپرپاور موجود ہے۔ لہٰذا الاخوان المسلمون کچلے جا رہے ہیں اور ان کی مسلح جدوجہد دم توڑ چکی ہے۔ پھر سوچئے کہ اسی طرح کا مسئلہ افغانستان میں ہو رہا ہے یا نہیں؟[1] کارمل بظاہر مسلمان ہے۔ آج تک تو نہیں سنا گیا کہ اس کی تکفیر کی گئی ہو۔ اس اس کے ساتھ جو افغانی فوج ہے' وہ سب کے سب بہرحال مسلمان ہیں' مسلمان ماؤں کا دودھ پیئے ہوئے ہیں۔ لیکن

---

(۱) واضح رہے کہ یہ خطاب دسمبر ۸۴ء کا ہے۔

چونکہ فوج کا جدید تصور یہ ہے کہ جو شخص یا گروہ اقتدار میں ہو یا کسی طرح اقتدار میں آجائے تو فوج اس کا حکم مانے' اس کو تحفظ فراہم کرے۔ کتنا دکھ ہوتا ہے جب خبریں آتی ہیں کہ اتنے کارمل فوجی مجاہدین کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مجاہدین' اسلام کے لئے' حریت کے لئے اور خدا ناآشنا بلکہ خدا دشمن روسی جارحیت کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی کامیابی پر خوشی ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس میں دکھ کا یہ پہلو موجود ہے کہ ہلاک ہونے والے بھی تو مسلمان ہیں۔ وہ ایک حکومت کے حکم کے تحت جنگ کر رہے ہیں۔ دونوں طرف سے مسلمانوں ہی کا خون بہہ رہا ہے۔ روسی فوج کے لوگ تو کارمل فوج کی نسبت کم ہی مرے ہوں گے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے ہاتھوں مسلمان ہی ہلاک ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہر ملک کے علیحدہ علیحدہ مسائل ہیں۔ چنانچہ ہمیں پاکستان کے حالات کو ایک طرف رکھ کر اصولی طور پر بات سمجھنی ہو گی۔

جہاں تمدنی ارتقاء نے حکومت کے ہاتھ میں بے پناہ قوت فوج کی شکل میں دے دی ہے وہاں اس تمدنی ارتقاء کی بدولت دو اہم تبدیلیاں اور بھی آئی ہیں۔ دینی مزاج کے ہمارے اکثر لوگ ان تبدیلیوں سے واقف نہیں ہیں۔ چنانچہ راقم جب اسلامی انقلاب کے چھٹے مرحلہ کے طور پر مسلح تصادم کی بات کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اور میری تنظیم پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کوشاں ہے تو وہ چونک جاتے ہیں کہ یہ لوگ تو مسلح بغاوت کی بات کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑوانا چاہتے ہیں' حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ جب سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے فلسفۂ انقلاب اخذ کیا جائے گا اور حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے معروضی مطالعہ سے انقلابِ محمدیؐ کے مراحل و مدارج کے تعین کی کوشش کی جائے گی تو لامحالہ چھٹے اور آخری مرحلہ کے طور پر مسلح تصادم کا ذکر آئے گا۔ البتہ راقم نے اس موضوع پر جب بھی اظہارِ خیال کیا ہے تو ان متبادل طریقوں کا بھی ذکر کیا ہے جو تمدن کے موجودہ ارتقاء نے دُنیا کو دیئے ہیں۔

ریاست اور حکومت کا فرق

انسانی تمدن کے بتدریج ارتقاء کے نتیجہ میں دوسری اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی ہے کہ آج کے دور میں "ریاست" اور "حکومت" دو علیحدہ علیحدہ چیزیں تسلیم کی جاتی ہیں جبکہ آج سے دو سو سال قبل یہ صورت حال موجود نہیں تھی۔ صرف "حکومت" ہی کا وجود تھا'

"ریاست" کا کوئی تصور نہ تھا۔ چنانچہ ادھر کوئی شخص حکومت کے خلاف کھڑا ہوا ادھر اسے فوراً باغی گردان کر گردن زدنی قرار دے دیا گیا۔ لیکن یہ صورت حال اس دور میں بدل چکی ہے۔ انسانی فکر اور انسانی تمدن کا جو ارتقاء ہوا ہے اس کے تحت اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ "ریاست" ایک بالکل علیحدہ شے ہے اور حکومت صرف ریاست کے معاملات کو چلانے والا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ کسی ملک کے رہنے والے دستوری اور آئینی طور پر درحقیقت "ریاست" کے وفادار ہوتے ہیں، حکومت کے نہیں۔ حکومت کی اطاعت تو وہ کرتے ہیں، لیکن دراصل جس شے کو وفاداری کہا جاتا ہے وہ "ریاست" کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ پاکستان ایک ریاست ہے۔ اس کو چلانے والی ایک حکومت ہے جو اس ریاست کا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ یہ حکومت بدلتی رہتی ہے، آج کسی کی ہے تو کل کسی اور کی۔ کبھی سول حکومت ہے تو کبھی فوجی، کبھی ایوب صاحب کی تھی، کبھی یحییٰ صاحب کی، پھر بھٹو صاحب آئے اور ان کے بعد مسندِ اقتدار پر ضیاء الحق صاحب متمکن ہوئے۔ پس حکومت تو آنی جانی شے ہے۔ جس شے کو دوام ہے، جو چیز تسلسل کی حامل ہے، وہ درحقیقت ریاست ہے، لہٰذا کسی بھی ملک کے رہنے والوں کی اصل وفاداری ریاست سے ہوتی ہے، حکومت سے نہیں۔

تمدن کے ارتقاء اور فکر انسانی کی وسعت کے نتیجہ میں آج پوری دُنیا میں یہ بات مسلم سمجھی جاتی ہے کہ کسی حکومت کو بدلنے کا حق اس ملک کے رہنے والوں کو حاصل ہے۔ کوئی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی حکومت مستقل قسم کی حکومت ہے۔ جو بھی کہے گا یہی کہے گا کہ یہ وقتی اور عارضی انتظام ہے، حالات خراب ہو گئے تھے، انتشار ہو گیا تھا، خانہ جنگی کا اندیشہ لاحق تھا، لہٰذا فساد کو روکنے کے لئے یہ فوری نوع کا اقدام بطور فوری علاج کیا گیا ہے، وقتی طور پر حکومت کے انتظام کو فوج نے سنبھالا ہے، ہمارا اس کو مستقل قائم رکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی بھی ایسا حکمران جو جمہوری طریقہ سے برسراقتدار آیا ہو یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب اس کی یا اس کے خاندان کی اس ملک پر مستقل حکومت رہے گی۔ البتہ جہاں ملوکیت اور بادشاہت (Monarchy) قائم ہے وہاں معاملہ تاحال سابق انداز پر چل رہا ہے کہ وہاں خاندانی حکومتیں قائم ہیں۔ وہاں ریاست و حکومت کا کوئی علیحدہ تصور موجود نہیں ہے۔ وہاں کوئی سیاسی جماعت بنانے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ جہاں جماعت بنی اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ بادشاہ صاحب کو ہٹانے کی کوئی کوشش پیشِ نظر ہے۔ تو وہ

نظام چند ممالک میں تاہنوز چل رہا ہے۔ "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو" کے مصداق فی الحال ان کا معاملہ ایک طرف رکھئے۔ البتہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ زیادہ دیر چلنے والا نظام نہیں ہے۔ اس کے گرد جو دیواریں ہیں وہ بہت بوسیدہ ہو چکی ہیں اور گرا ہی چاہتی ہیں۔ اب کوئی دیر کی بات ہے کہ اس کو ختم ہونا ہی ہے اور وہ بات ہو کر رہے گی جو اپنے زوال کے وقت شاہ فاروق نے کہی تھی کہ "دُنیا میں صرف پانچ بادشاہ رہ جائیں گے' چار تاش کے ہوں گے اور ایک انگلستان کا"۔ اس لئے کہ انگریزوں نے بادشاہت کو ایک نمائشی اور آرائشی علامت (Decoration Piece) کی حیثیت سے اپنے یہاں سجا کر رکھا ہوا ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ روایت پرستی اس قوم کے مزاج میں رچی بسی ہے لہٰذا وہ روایتی طور پر اس کو نباہ رہے ہیں' ورنہ ساری دُنیا جانتی ہے کہ وہاں اصل اقتدار و اختیار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔

اس نقطۂ نظر سے یہ بات جان لیجئے کہ ساری دُنیا مانتی ہے کہ ایک ملک کے رہنے والوں کا یہ مسلّم حق ہے کہ وہ آئینی و دستوری طور پر حکومت بدل سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ مدت سے قبل (mid-term) نئے انتخابات کا مطالبہ لے کر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہ بالکل استثنائی صورت ہے کہ ہنگامی حالات سے فائدہ اُٹھا کر کوئی جنرل بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اقتدار پر قبضہ کر لے اور رائے دہندگی کے حق کو معطل کر دے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دُنیا میں اس وقت سب سے زیادہ قابل تسلیم بات یہی سمجھی جاتی ہے کہ ملک کے رہنے والوں کو سیاسی جماعتیں بنانے کا حق حاصل ہے اور ہر پارٹی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ موجود الوقت حکومت کو ہٹانے کے لئے اپنی انتخابی مہم چلائے' اس پر دل کھول کر اور تلخ و تند تنقید کرے' رائے عامہ کو اپنی پارٹی کے حق میں ہموار کرے تاکہ حکومت اس پارٹی کی قائم ہو سکے۔ زیادہ سے زیادہ پابندی یہ لگائی جاتی ہے کہ سرکاری ملازم کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو کر اس کی انتخابی جدوجہد میں شرکت نہیں کر سکتے اور انتخاب میں بھی کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ وہ ریاست کے ملازم اور کارکن ہیں اور ریاست کی طرف سے ان کو کچھ اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کسی سیاسی پارٹی سے عملاً وابستہ ہوں گے تو ان کے ہاتھ میں جو اختیارات ہیں ان کے غلط استعمال کا اندیشہ ہے۔ باقی رہا ووٹ دینے کا معاملہ' تو ان کا یہ حق برقرار رہے گا' اس پر کہیں کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ عوام

کی رائے سے حکومت میں تبدیلی ہو گی اور اس معاملہ میں سرکاری ملازمین ہی نہیں بلکہ فوجیوں کو بھی حق ہو گا کہ اپنی پسندیدہ پارٹی کو ووٹ دیں۔ تمدن کے ارتقاء نے یہ متبادل طریقے عطا کئے ہیں' جبکہ اس سے پہلے یہ صورت نہیں تھی۔ ریاست اور حکومت کا تصور گڈ مڈ تھا اور حکومت کو ہی ریاست کا مقام بھی حاصل تھا۔ نیز حکومت کو بدلنے کی کوشش کو بغاوت سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ اب صورت حال بالکل بدل چکی ہے۔ ریاست اور حکومت دو مختلف تصورات ہیں اور کسی بھی ملک کے باشندوں کو آئینی طور پر یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ حکومت کو بدل دیں۔

خلافتِ راشدہ کے نظام کی نوعیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محترم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے مشن کو آگے بڑھانے والا نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ ہی کا تو ہے۔ لیکن اس احترام و توقیر کے باوصف ایک بات جان لیجئے کہ اس کے ساتھ دو limitations (محدودیتیں) موجود تھیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ اس وقت بنیادی طور پر عرب میں ایک قبائلی معاشرہ قائم تھا۔ لہٰذا جہاں ایک قبائلی نظام پہلے سے موجود ہو اس میں اگر صرف سردارانِ قبائل سے مشورہ کر لیا جائے' ان کی آراء کو معلوم کر لیا جائے تو گویا ہر قبیلہ کے افراد سے مشورہ کا حق ادا ہو گیا۔ دوسری یہ کہ سرداران کی حیثیت اپنے قبیلہ کے نمائندہ کی ہوتی تھی۔ لہٰذا وہاں رائے دہندگان کی فہرستوں کی تیاری' بیلٹ پیپر اور انتخابات کے کھکھیڑ مول لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہاں قبائل کے سردار اور بڑے بڑے خاندانوں کے سربراہ اربابِ حل و عقد کہلاتے تھے۔ کسی معاملہ میں ان سے مشورہ ہو گیا تو گویا ﴿ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ کا تقاضا پورا ہو گیا۔ جبکہ موجودہ دور میں یہ بات نہیں چل سکتی۔ آپ نے دیکھا کہ اِس دور کے تقاضے کے تحت چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جیسے مطلق العنان حاکم کو بھی ریفرنڈم کا ڈرامہ رچانا پڑا۔ اس قسم کی کسی صورتِ حال کا ثبوت آپ کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں تو نہیں ملے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس طرز کا سیاسی نظام جو خلافتِ راشدہ میں قائم تھا' جوں کا توں اس دور میں چل سکتا ہے' ایک مغالطہ ہے۔ اس دور میں حالات کی تبدیلی کے پیشِ نظر ایک ایسا نظام بنانے پر غور کرنا ہو گا جس میں اصول تو وہی رہیں' لیکن طریق کار کو تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

ایک قابل غور بات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو تحریک اُٹھی وہ یقیناً ایک یہودی سازش تھی۔ شروع ہی سے اس کے عزائم مجرمانہ تھے' اس کے اندر نیک نیتی کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کسی نظامِ حکومت میں جہاں بدنیتی کے ساتھ یہ معاملہ ہوگیا' وہاں نیک نیتی کے ساتھ بھی تو یہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ اس امکان کو خارج از بحث نہیں کیا جاسکتا۔ بالکل نیک نیتی کے ساتھ بھی کسی ملک میں ایسی تحریک اُٹھ سکتی ہے کہ موجوہ حکمران ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہیں' انہیں معزول ہونا چاہئے اور ان کی جگہ نئی قیادت کا انتخاب ہونا چاہئے۔ اُس وقت تک ہمارے یہاں اس مقصد کے لئے کوئی ذرائع (Channels) موجود نہیں تھے۔ کوئی راستہ نہیں تھا کہ جس کے ذریعہ سے ایسا اختلافِ رائے سامنے آ سکتا۔ در حقیقت تمدنی ارتقاء نے جو متبادل راستے دیئے ہیں انہی کے ذریعہ اختلاف رائے بھی سامنے آتا ہے اور وہ اختلاف صحت مند انداز میں حل (resolve) بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تمدنی اور فکری ارتقاء نے اختلاف کے اظہار اور ان کو حل کرنے کے جو طریقے اور راستے (Channels) کھول دیئے ہیں اب ہمیں انہی کو سامنے رکھ کر اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے لئے کوئی راہ معین کرنی ہوگی۔

بنیادی انسانی حقوق

تمدنی ارتقاء نے اس بات کو بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک حق قرار دیا ہے کہ ایک شخص اپنی جماعت بنائے اور لوگوں کو اپنی بات کا قائل کرے' زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائے اور وہ یہ کام کھلم کھلا اور برملا کرے۔ یہ اس کا آئینی حق ہے' اسے زیر زمین جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پُرامن طریقہ سے ہرپارٹی کو برسراقتدار پارٹی کے خلاف مہم اور تحریک چلانے کا حق پوری دُنیا میں اب تسلیم کیا جاتا ہے۔

ہمارے سوچنے کا کام

ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم تمدنی ارتقاء اور اس انقلاب کو سامنے رکھیں جس نے یہ متبادل طریقے دُنیا کو دیئے ہیں کہ آج یہ امکان موجود ہے کہ حزب اختلاف قائم ہو۔ جب تک وہ پارٹی بغاوت نہیں کرتی اور پُرامن طور طریقے اختیار کرتی ہے' کوئی قانون اس کے

خلاف نہیں جائے گا۔ وہ پارٹی تبلیغ کا حق رکھتی ہے' اپنے خیالات کی نشرو اشاعت کا حق رکھتی ہے' جو لوگ اس کے خیالات کو قبول کریں' انہیں جمع کرنے اور منظم کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اسے اپنے طریق تنظیم کو اپنی صوابدید کے مطابق اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے سربراہ کو صدر کہے' امیر کہے' یا کوئی اور اصطلاح اختیار کرے اسے حق ہے۔ جب تک یہ پارٹی بدامنی اور فساد کی کوئی صورت پیدا نہ کرے' خانہ جنگی کی صورت پیدا نہ کرے اس وقت تک اس کے وہ تمام حقوق مسلمہ ہیں جو ابھی بیان ہوئے۔ ان میں سے کوئی حق بھی سلب نہیں کیا جاسکتا۔

حالات کا دیانت دارانہ تجزیہ

ہمارے معاشرہ میں اسلامی شعائر مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ حج کی اجازت ہے' اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بھٹو صاحب کے دور میں بھی ان شعائر سے روکتا تو کوئی نہیں تھا۔ البتہ یہ فضا بڑی حد تک پیدا ہو گئی تھی کہ بھٹو صاحب کی پارٹی کے اکثر کارکن ان چیزوں کا مذاق اڑانے لگے تھے۔ ضیاء الحق صاحب کے دور میں وہ بات نہیں رہی کہ کسی نمازی پر فقرے چست کیے جائیں یا کوئی سرکاری افسر اس بات پر شرمائے کہ وہ اگر کسی فنکشن یا مجلس سے نماز کے لئے اُٹھ کر جائے گا تو لوگ کیا کہیں گے؟ ماحول میں کچھ نہ کچھ تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہی سب کچھ ہے؟ ایک شخص کی رائے ہو سکتی ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے' بلکہ ہم نے صرف اوپر سے غازہ مل دیا ہے' حقیقت کے اعتبار سے تو یہ کچھ بھی نہیں بدلا۔ یہ محض تصنع ہے جس کے باعث عوام کے اندر اسلام سے بددلی پیدا ہو رہی ہے کہ ہمارے شب و روز تو وہی ہیں جو پہلے تھے' بلکہ بگاڑ میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ وہی سرمایہ دار' جاگیردار اور زمیندار کی حکومت ہے' وہی رشوت کا لین دین دھڑلے سے ہو رہا ہے بلکہ خود سربراہ مملکت کے بقول اس کے نرخ بہت بڑھ گئے ہیں۔ اسمگلنگ کا کاروبار کھلے بندوں ہو رہا ہے۔ سود کا لین دین جاری ہے۔ منشیات کی اندرونی و بیرونی تجارت کھلے عام ہو رہی ہے۔ بلیک مارکیٹنگ کا دھندا زوروں پر ہے۔ ڈاکہ' چوری' لوٹ مار' قتل و غارت کا بازار گرم سے گرم تر ہوتا جارہا ہے۔ اغوا اور عصمت دری کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں۔ علاقائی قومیتوں کا احساس مزید اُبھر رہا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں جلد ہی یہ بہت سے خوفناک عفریتوں کا روپ نہ دھار لے۔ استحصالی اور جابرانہ نظام مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جارہا ہے۔ ایک

طرف حالات کی صحیح تصویر یہ ہے' دوسری طرف اسلام آرہا ہے' اسلام آرہا ہے' کے فلک شگاف نعرے لگائے جارہے ہیں' بلند بانگ دعوے کئے جارہے ہیں۔ حالانکہ آج کے اور دس بارہ سال قبل کے معاشرہ کا تقابل کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ سرمو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ بحیثیت مجموعی حالات روز بروز بد تر سے بدترین ہوتے چلے جارہے ہیں' بلکہ ہم نے اس معاشرے پر اوپر کا کچھ غازہ مل کر اور کچھ ظاہری ٹیپ ٹاپ کر کے اسے اسلامی معاشرہ کہہ دیا ہے اور ساری دُنیا میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ کھڑا ہو اور وہ برملا یہ حق بات کہے کہ ہمیں اس دھوکے کا پردہ چاک کرنا ہے اور انقلابی طریق کار پر عمل کرتے ہوئے اس نظام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر اس کی جگہ صحیح و کامل اسلامی نظام قائم کرنا ہے۔ ایسے شخص کا دینی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی دعوت دے' اس کے لئے لوگوں کو جمع کرے' انہیں منظم کرے' ان کی تربیت کا انتظام کرے۔ جب تک وہ امن عامہ کی موجودہ صورتحال کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتا' جب تک وہ زبان سے بغاوت کا اعلان نہیں کرتا' اسے یہ کام کرنے کا آئینی و قانونی حق ہے۔ بلکہ یہ اس کے اپنے ایمان کا تقاضا ہے کہ ابتدائی مراحل کو طے کرنے کی سعی و جہد کرے اور انقلاب لانے کے لئے اقدام کرے۔ ان مراحل میں اولاً دعوت کا مرحلہ ہے۔ پھر لوگوں کی تنظیم ہے' پھر ان کی تربیت ہے۔ پھر اس دوران اس پر جو تکلیف آئے اسے جھیلنا ہے۔ اس لئے کہ اسے خود اپنے اوپر اسلام قائم کرنا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے کاروبار کی کافی وسیع و عریض بساط بچھی ہوئی تھی' لیکن وہ اگر آج اسے سود کی آمیزش اور آلودگی سے پاک کرنے کی فکر کرتا ہے تو اس کے کاروبار کی بساط لپٹنی شروع ہو جائے گی۔ اگر کسی شخص کے گھر میں رشوت کے ذریعے سے اللے تللے ہو رہے تھے' آج وہ طے کرتا ہے کہ میں اب رشوت نہیں لوں گا تو اس کے خاندان کو دونوں وقت سادہ ترین غذا بھی شاید بمشکل ملے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے ہی گھر میں صحیح صحیح شرعی پردہ نافذ کر دے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی میں نکو بن کر رہ جائے گا اور اس کے اپنے اعزہ و اقارب اسے دیوانہ اور مجنون کہنے لگیں گے اور اس کا مقاطعہ کر دیں گے۔ وہ یہ سب تکلیفیں جھیلے' انہیں برداشت کرے' ان میں سے کسی بھی مصیبت پر جوابی کارروائی کے متعلق نہ سوچے' retaliate نہ کرے۔ کہیں جذبات سے مغلوب ہو کر مشتعل نہ ہو' کسی کو گالی نہ دے' کوئی

ایسا اقدام نہ کرے کہ جس سے امن کا معاملہ درہم برہم ہو۔ یہ ہے اس دور میں ایک سچے مسلمان کی حقیقی تربیت کی کسوٹی۔ آج کلمۂ توحید و رسالت پڑھنے پر مار نہیں پڑے گی' مقاطعہ نہیں ہو گا' گھروں سے نکالا نہیں جائے گا' مجنون اور دیوانہ نہیں کہا جائے گا' تمسخر اور استہزاء نہیں ہو گا' بلکہ اس دور میں اگر کوئی شخص ہزار دانے کی تسبیح لے کر سڑک پر کہیں بیٹھ جائے اور بلند آواز سے کلمہ کا ورد کرے یا "حق ہو' حق ہو" کے نعرے لگائے تو موجودہ معاشرہ ایسے شخص کی بڑی عزت و توقیر کرے گا' اسے پہنچا ہوا بزرگ سمجھے گا' اس کی خدمت اپنے لئے سعادت سمجھے گا۔ لیکن کوئی شخص کاروبار کو سود سے پاک رکھے' انکم ٹیکس کی چوری نہ کرے' رشوت نہ دے' گھر میں صحیح اسلامی پردہ کو نافذ کرے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ اپنے ہی بیگانے بن جائیں گے اور وہ اپنے ہی گھر اور اپنی ہی قریبی سوسائٹی میں نکوبن کر رہ جائے گا۔ اس کا وہ مذاق اڑے گا کہ توبہ ہی بھلی۔

موجودہ دور میں اقدام کی نوعیت

اگر کسی معاشرہ میں انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مرحلہ وار کام ہو رہا ہے' دعوت و تبلیغ کا مرحلہ درپیش ہے' تنظیم کا مرحلہ چل رہا ہے' تربیت کا مرحلہ طے ہو رہا ہے' اس سلسلہ میں جن تکالیف و مصائب سے سابقہ پیش آ رہا ہے انہیں جھیلا جا رہا ہے اور آئندہ بھی جھیلنے کا عزم ہے تو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی جائے گی۔ اب فرض کیجئے کہ یہ جماعت اتنی مضبوط اور مؤثر ہو گئی ہے کہ اقدام کیا جا سکتا ہے تو اس اقدام اور تصادم کے مراحل کے موقع پر وہ جماعت کیا کرے گی۔؟ اس کے اقدام کی نوعیت کیا ہو گی؟ اسی مسئلہ سے بات شروع ہوئی تھی۔ جان لیجئے کہ اس کے لئے ہمیں تمدن کی موجودہ ارتقائی صورت حال نے کچھ متبادل طریقے دیئے ہیں۔

اب اسلامی انقلاب کے لئے اقدام کا واحد راستہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسی تنظیم وجود میں آ جائے جو پہلے چار مراحل یعنی دعوت' تنظیم' تربیت' اور صبر محض سے گزر چکی ہو تو وہ رائج الوقت نظام اور اس کو چلانے والے انتظامی ادارے (یعنی حکومت) کے مقابلہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کمر کس لے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کھڑی ہو جائے اور صرف زبانی و کلامی بات کرنے کے بجائے علی الاعلان یہ کہے کہ اب فلاں فلاں منکرات ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے' یہ کام اب ہماری لاشوں پر ہو گا۔ پھر اس پر ڈٹ

جائے اور ہر نوع کی مالی و جانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرے۔ البتہ اس اقدام میں اس بات کا التزام و لحاظ ضروری ہو گا کہ انہی منکرات کو چیلنج کیا جائے جو تمام مسالک کے ماننے والوں کے نزدیک مسلم ہوں۔ کسی مسئلہ میں اگر کسی کی شاذ رائے ہو کہ وہ منکر ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس پر تمام مسالک کے لوگوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کوئی تحریک ہی برپا کی جا سکتی ہے۔ ہدف اس کام کو بنانا ہو گا جو سب مسلمانوں کے نزدیک منکر ہو' جو سب کے نزدیک حرام ہو۔ مثال کے طور پر بے حیائی' عریانی' تبرج جاہلیہ' مرد و عورت کے مخلوط اجتماعات' عورت کی بطور اشتہار تشہیر اور یوم پاکستان اور یوم استقلال کے مواقع پر افواج پاکستان کے ساتھ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی نوجوان معنوی بیٹیوں کی سڑکوں پر مَردوں کے سامنے سینہ تان کر پریڈ۔ یہ سب وہ خلافِ شریعت امور ہیں جن کے منکر ہونے کے بارے میں تمام مذہبی مکاتب فکر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ الغرض موجودہ دور میں اسلامی انقلابی جماعت منکرات یعنی خلاف شریعت کاموں کے خلاف مظاہروں کے ذریعے اقدام کا آغاز کرے گی۔ تمدنی ارتقاء نے ان مظاہروں کی بہت سی صورتوں سے دُنیا کو روشناس کرایا ہے جن میں پکٹنگ (Picketing) یعنی دھرنا مار کر بیٹھنا' احتجاجی طور پر حکومت کو یا عوام کو کسی کام سے روکنے کے لئے گھیراؤ وغیرہ کرنا بھی شامل ہے۔

اقدام کی لازمی شرائط

البتہ اس موقع پر ان شرائط کا اعادہ ضروری ہے جن کو اس اقدام یعنی مظاہروں اور دیگر احتجاجی طور طریقوں کو اختیار کرنے کی صورت میں ملحوظ رکھنا لازم ہے ـــــ یعنی اپنی طرف سے ہاتھ بالکل نہیں اُٹھانا ہے' کسی قسم کی توڑ پھوڑ نہیں کرنی ہے' قریباً بارہ تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں صبر محض (Passive Resistance) کا جو معاملہ رہا ہے کہ ہر قسم کے جور و ستم اور ظلم و تشدد کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس پامردی سے برداشت کیا ہے' اپنی طرف سے جوابی کارروائی تو درکنار مدافعت تک نہیں کی' وہی طرز عمل اس اقدام یعنی مظاہروں' گھیراؤ وغیرہ کے معاملہ میں اس انقلابی جماعت کو اختیار کرنا ہو گا۔ ان کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا کہ احتجاجی جلوس تو ہم نے نکالا تھا لیکن توڑ پھوڑ کوئی اور کر گیا۔ اگر ایسی انقلابی جماعت کے اثرات اتنے نہیں ہیں کہ وہ عوام کو پُرامن رکھ سکے اور نہ اس کے پاس ایسے کارکن ہیں جو عوام کو کنٹرول کر سکیں اور ہر نوع کی بدامنی کو قابو میں رکھ سکیں تو ایسی صورت میں اس

تنظیم کو مظاہروں کا حق نہیں ہے۔ اس اقدام کا مرحلہ اسی وقت آئے گا کہ جب اس انقلابی جماعت کو اپنی امکانی حد تک یہ اندازہ ہو جائے اور یہ معلومات حاصل ہوں کہ ہمارے اپنے زیر اثر اور ہمارے تربیت یافتہ لوگ اتنے ہیں کہ وہ پُرامن طریق پر سڑکوں پر آ کر مظاہرے کر سکتے ہیں اور ان کی اخلاقی ساکھ اتنی مضبوط ہے کہ ان کے مظاہروں کے دوران بدامنی کا کوئی حادثہ نہیں ہو گا۔ اور اگر چند شرپسند لوگ بدامنی پر اتر ہی آئیں تو ان کی تنظیمی طاقت اتنی مضبوط ہو کہ وہ ان اشرار کی گردنیں خود دبوچیں اور ان پر قابو پا کر انہیں حکومت کے حوالے کریں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں' یہ تخریب کار عناصر ہیں' جو اس پُرامن اور عدم تشدد کی اسلامی تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لئے آ گئے ہیں۔ اس انقلابی تنظیم کے تربیت یافتہ جلوس نہ بسوں کو جلائیں گے' نہ نیون سائن اور ٹریفک سگنلز توڑیں گے' نہ ہی وہ نجی یا سرکاری املاک کو نقصان پہنچائیں گے۔ ان جلوسوں اور مظاہروں کا مطالبہ یہ ہو گا کہ فلاں فلاں کام شریعت کی رو سے منکر ہیں' حرام ہیں' ہم ان کو کسی حال میں نہیں ہونے دیں گے۔ حکومت گرفتار کرے تو مظاہرین کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔ لاٹھی چارج کرے تو اسے جھیلیں گے۔ آنسو گیس کے شیل برسائے تو برداشت کریں گے۔ حتیٰ کہ گولیاں برسائے تو خوشی خوشی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔ لیکن نہ پیچھے ہٹیں گے اور نہ اپنے موقف کو چھوڑیں گے۔

یہاں بعض حضرات کو یہ غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے اور بعض حضرات دانستہ یہ غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ یہ تو حکومت وقت کے خلاف بغاوت اور مسلح تصادم کی بات ہے' حالانکہ انقلابی طریق کار کا مطلب لازمی طور پر یہ نہیں ہے کہ مسلح بغاوت اور تصادم ہو' بلکہ موجودہ دور میں یہ بات قریباً خارج از بحث ہے۔ اس لئے کہ اولاً تو سابقہ ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسی حکومت سے ہے جو قانوناً مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ثانیاً یہ کہ حکومت کے پاس باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے' جبکہ عوام الناس نہتے ہیں' لہٰذا ان دونوں اعتبارات سے فی زمانہ مسلح تصادم اور بغاوت کے راستے معدوم کے درجے میں آتے ہیں۔ چنانچہ اب سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں وہ طریقہ اختیار کرنا ہو گا جس سے دورِ جدید کے تمدنی ارتقاء نے لوگوں کو واقف کرایا ہے۔ آج عوام عدم تشدد کے اصول پر پُرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے اپنے عزم اور اپنی قوت کا اظہار کرتے ہیں اس کے لئے ہمیں

قرآن وحدیث سے جو رہنمائی ملتی ہے اسے میں "نہی عن المنکر بالید" سے تعبیر کرتا ہوں۔

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

قرآن سے رہنمائی

نبی اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ یعنی ہر دور میں اس سے انسان کو ہدایت ملتی رہے گی۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جیسے جیسے انسانی ذہن اور تمدن کا ارتقاء ہو گا' یہی قرآن انسان کی انگلی پکڑ کر لے چلے گا اور ہر ہر مرحلہ پر ہدایت دے گا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں نہی عن المنکر پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے۔ جبکہ دعوت کا حکم اتنے زور شور کے ساتھ قرآن مجید میں نہیں ملے گا۔ آپ کو ﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ..... ﴾ یا ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ..... ﴾ والی آیات مل جائیں گی۔ قرآن مجید میں عام مسلمانوں کے لئے تبلیغ کا حکم ملے گا ہی نہیں۔ وہاں تو تبلیغ کا حکم صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے آیا ہے : ﴿ یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ وہ تو نبی اکرم ﷺ نے اسے تمام اہل ایمان کے لئے عام کیا ہے کہ ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً)) "پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت"۔ البتہ قرآن مجید میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر بہت سی آیات ہیں۔ بلکہ بعض آیات میں نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت سامنے آتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے :

۱) سورۃ النحل کی وہ آیت جو اکثر خطباتِ جمعہ کے آخر میں پڑھی جاتی ہے' اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے کہ وہ خود یہ کام کرتا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ﴾ (النحل : ۹۰)

"اللہ عدل' احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے"۔

۲) سورۂ لقمان میں وارد شدہ حضرت لقمان کی نصیحتوں میں اس کا بڑے شد و مد سے بیان آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی نصائح کا قرآن مجید میں ذکر فرما کر ان کو دوام عطا

فرمادیا ہے۔ ان نصائح میں یہ بھی ہے :

﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ ﴾

"اے میرے پیارے بچے! نماز قائم رکھ' نیکی کا حکم دے اور بدی سے روک۔ اور اس کام کی انجام دہی میں جو بھی تکلیف و مصیبت آئے اسے برداشت کر۔ یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

۳) سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں نبی اکرم ﷺ کی جہاں بہت سی شانیں بیان ہوئی ہیں وہاں یہ بھی ہے ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ یعنی خود رسول اللہ ﷺ کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ آپ معروف کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔

۴) بنی اسرائیل پر ایک فرد قرارداد جرم تو وہ ہے جو سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع سے شروع ہو کر دسویں رکوع پر ختم ہوتی ہے۔ مزید برآں مختلف مقامات پر ان پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں ان میں بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق اس لئے بھی بنے کہ انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ ان آیات میں یہ بات غور طلب بات ہے کہ پورا زور نہی عن المنکر پر ہے۔ یعنی بدی کو نہ روکنا اور اس فریضہ کو ترک کر دینا امربالمعروف کو چھوڑ دینے کے مقابلہ میں زیادہ بڑا جرم ہے۔ اس لئے کہ منکرات کا فروغ ہی وہ شے ہے جس سے معاشرے میں گندگی اور فساد پھیلتا چلا جاتا ہے اور ماحول اتنا خراب ہو جاتا ہے کہ اس میں امربالمعروف بے اثر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۶۳ میں فرمایا :

﴿ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ ﴾

"کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش (صوفیاء) اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے۔ بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔"

۵) اسی سورہ کی آیت ۷۹ میں فرمایا :

﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ ﴾

"(یہ رہبان و احبار وہ لوگ ہیں کہ) جب ان کے یہاں منکر پر عمل ہو رہا تھا تو وہ اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ کیا ہی بری روش تھی جس پر وہ چل رہے تھے"۔

لہٰذا یہ بھی برابر کے مجرم ہیں اور پاداش میں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

۶) سورۃ الاعراف میں (آیت ۱۶۳ سے لے کر ۱۶۶ تک) یہود کے اس قبیلہ کا ذکر ہے جس کا پیشہ ماہی گیری تھا۔ سبت (ہفتہ) کا دن ان کے ہاں صرف اللہ کی عبادت کے لئے مختص تھا اور اس دن ان پر مچھلی کا شکار کرنا حرام تھا۔ ان لوگوں کو حکم عدولی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے یہ آزمائش آئی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں کنارے پر آکر سطح آب پر خوب اٹھکیلیاں کرتی تھیں اور باقی دنوں میں غائب رہتی تھیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ چنانچہ صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ ہفتہ سے ایک دن پہلے (جمعہ کے دن) کناروں پر دریا کا پانی کاٹ کر حوض بنا لیتے اور جب مچھلیاں ہفتہ کے دن ان کے بنائے ہوئے حوضوں میں آجاتیں تو نکاسی کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا کر پکڑ لاتے۔ تاکہ اس حیلہ کی بناء پر ہفتہ کو شکار کرنے کا الزام ان پر نہ آئے۔ اس حیلہ سازی اور مکاری کے ضمن میں اس قبیلہ کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو یہی حیلہ ساز لوگ تھے جو دھڑلے کے ساتھ اس گناہ میں ملوث تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو اگرچہ اس حیلہ سازی اور نافرمانی میں شریک نہیں تھے لیکن ان کو اس سے روکتے بھی نہیں تھے۔ جبکہ تیسرے وہ لوگ تھے جو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑنے سے اور اس حیلہ سازی سے منع کرتے تھے۔ یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ مسلسل ادا کرتے رہتے تھے۔ درمیانی قسم کے لوگ اس مؤخر الذکر گروہ سے کہتے کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا ان کو عذاب دے' تو وہ جواب میں کہتے : ﴿ مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ "(ہم انہیں اس لئے نصیحت کرتے ہیں کہ) تمہارے رب کے حضور میں معذرت پیش کر سکیں اور اس لئے بھی کہ شاید وہ لوگ تقویٰ کی روش پر آجائیں' (نافرمانی اور سرکشی سے باز آجائیں)" ان تینوں گروہوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ ﴿ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ﴾ "ہم نے عذاب سے بچایا ان کو جو روکتے تھے اس بُرے کام سے" ــــ یعنی درحقیقت نجات کے مستحق وہی لوگ بنتے ہیں جو لوگوں کو بدی سے روکنے کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ بدی سے صرف خود رُکے رہنا نجات کے لئے کفایت نہیں کرے گا۔ جو لوگوں کو بدی سے روکتے نہیں ہیں وہ بھی ان لوگوں کے مانند گردانے جاتے ہیں جو بدی میں ملوث ہیں۔

۷) اب قرآن مجید میں دیکھیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضمن میں اُمت مسلمہ کو کیا ہدایات اور احکام ملے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (آیت ۱۱۰)

"تم وہ بہترین امت ہو جسے ہم نے نکالا ہے پوری نوعِ انسانی کے لئے۔ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو اور تم اللہ پر اپنا ایمان پختہ رکھو"۔

بین الاقوامی سطح پر بحیثیت اُمت یہی تمہاری اجتماعی ڈیوٹی ہے۔

۸) دوسری آیت وہ ہے کہ جس میں اس صورت حال کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ جب اُمت خود مریض ہو گئی ہو' جب خود اسے اصلاح کی ضرورت ہو تو ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے؟ اس کا حل آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں پیش کیا گیا ہے :

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ ﴾

"اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی موجود رہے جو نیکی کی طرف بلاتی رہے' اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے۔ (جو لوگ یہ کام کریں گے) وہی فلاح پائیں گے"۔

اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملی کہ کچھ لوگ تو ایسے ہوں جو جاگیں' ہوش میں آجائیں۔ وہ مل جل کر ایک "اُمت" بنیں۔ یعنی اُمت کے اندر ایک اُمت بنائیں' جماعت کے اندر جماعت کی شکل اختیار کریں۔ بڑی پارٹی تو وہی ہے یعنی اُمّتِ مسلمہ' چاہے اس کی عظیم ترین اکثریت بے عمل یا فاسق و فاجر ہو' جو بھی کلمہ گو ہے وہ قانوناً اُمّتِ محمد ﷺ میں شامل ہے۔ لیکن یہاں ہدایت کی جا رہی ہے کہ اس بڑی اُمت میں سے ایک چھوٹی اُمت تشکیل پائے جو ان لوگوں پر مشتمل ہو جو خود حق پر چلیں اور معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کے لئے حق کی دعوت دیں۔ اس آیت کے آخری حصے میں حصر کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کامیابی صرف ان لوگوں کے لئے ہے اور فلاح صرف وہی لوگ پائیں گے جو اِس سہ نکاتی پروگرام یعنی دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی انجام دہی میں تن' من دھن کی بازی لگا دیں گے۔ اگر ہر شخص کلمہ گو ہونے کے ناطے فلاح کا امیدوار بنا بیٹھا رہے تو اس کی قرآن مجید میں کوئی ضمانت موجود نہیں ہے۔ یہ ضمانت صرف ان کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ ان فرائض کی انجام دہی کے لئے

کمر کس لیں اور تکلیفیں جھیلنے کے لئے تیار ہوں۔

۹) سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۲ اس سلسلے کی بڑی عظیم اور دلکش آیت ہے۔ اس آیت مبارکہ میں وہ ظاہری و باطنی اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ایک بندۂ مومن کی سیرت و کردار میں درکار ہیں۔ ان میں تین تین اوصاف کے تین سیٹ (sets) ہیں۔ ایک طرف اُن چھ اوصاف کا بیان ہے جو ایک مؤمن صادق کی زندگی میں انفرادی سطح پر مطلوب ہیں۔ دوسری طرف ایک مسلم معاشرہ کا فرد ہونے کے اعتبار سے ایک بندۂ مومن پر جو اجتماعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کی ادائیگی کے لئے جو تین اوصاف درکار ہیں وہ بیان ہو گئے۔ اس طرح ایک آیت میں نو اوصاف جمع کر دیئے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ... ﴾

"(یہ مؤمنین جنہوں نے جنت کے عوض اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے) اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے ہیں' عبادت گزار ہیں' اس کا شکر ادا کرنے والے' اس کی ثناء کرنے والے ہیں' (اس کے دین کی خاطر) زمین میں گردش کرنے والے ہیں' اس کے حضور میں رکوع کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں...."

یہ چھ اوصاف وہ ہیں جو انفرادی طور پر ایک بندۂ مومن کے لئے مطلوب ہیں۔ یہ گویا تربیت و تزکیہ کے مراحل ہیں۔ یہ اوصاف ہیں جنہیں علامہ اقبال نے اپنے اس ایک مصرع میں سمو دیا ہے ؏ بانشہ درویشی در ساز و دمادم زن! یہ چھ اوصاف اگر حاصل ہو گئے تو علامہ اقبال کے بقول اب تم پختہ ہو گئے۔ اب کیا کرنا ہے؟ ؏ چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن! اور اس آیت مبارکہ کی رُو سے اگلا قدم یہ ہو گا :

﴿ .. الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ ﴾

"...نیکی کا حکم دینے والے ہیں' بدی سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ پس (اے نبیؐ ان) مؤمنین کو بشارت سنا دیجئے۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے والے کہ ہم اللہ کی حدود کو توڑنے نہیں دیں گے' ہم منکرات کو کسی طور پر برداشت نہیں کریں گے۔ ان تین آخری اوصاف میں اس مسئلہ کی کلید ہے کہ ایک مسلمان حکومت میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے

جو انقلابی جماعت میدان میں آئے گی وہ اسی بنیاد پر آئے گی کہ صرف امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور تحفظ حدود اللہ کے لئے پُرامن اور عدمِ تشدد پر مبنی مظاہرے کرے گی' گھیراؤ کرے گی' دھرنا مار کر بیٹھے گی اور ترکِ موالات کے تمام طور طریقے اختیار کرے گی۔

۱۰) اسی سورۃ التوبہ کی آیت ۶۷ اور آیت ۷۱ میں اہل نفاق اور اہل ایمان کی روش اور طرزِ عمل کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت ۶۷ میں منافقین کے رویہ کے متعلق فرمایا:

﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ..... ﴾

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہی ہیں' (سب کی ایک ہی روش ہے۔ یہ معاشرہ میں) بُری باتوں اور بُرے کاموں کو ترویج دیتے ہیں' اور خیر اور نیکی کے کاموں کے فروغ کو روکتے ہیں..."

اور آیت ۷۱ میں اہل ایمان کے طرزِ عمل کے لئے فرمایا کہ:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ... ﴾

"اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہوتے ہیں' نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں . . ."

اب ذرا اس بات پر غور کیجئے کہ اِس وقت تمام مسلم معاشروں میں جو لوگ مسند اقتدار پر براجمان ہیں اور جن کے قبضے میں ملک کا نظامِ تعلیم' ذرائع ابلاغ اور مملکت کے سارے وسائل ہیں وہ کن خصوصیات کے حامل ہیں۔ وہ فحاشی کے علمبردار' بے پردگی و بے حیائی کے مبلغ اور ہر نوع کی اباحیت کو ماننے والے اور اس کے پرچارک ہیں۔ یہی طبقہ ہے جو شریعت کی حدود اور پابندیوں کو توڑنے کے لئے نہایت منظم طور پر مسلم معاشروں میں مصروفِ عمل ہے۔ اجتماعی زندگی کے تمام شعبے ان کی ترک تازیوں کی جولان گاہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کون ہیں؟ قانوناً مسلمان ــــ لیکن سورۃ التوبہ کی آیت ۶۷ میں انہیں منافقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک مسلم معاشرہ کیلئے کھلے کافروں' منکروں اور غیر مسلموں سے کہیں زیادہ خطرناک عنصر ان منافقین کا ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ آستین کے سانپ کا رول ادا کرتے ہیں۔

۱۱) سورۃ الحج کی آیت ۴۱ میں تمکن فی الارض یعنی اللہ کی طرف سے حکومت ملنے کے بعد اہل ایمان کے بنیادی فرائض بیان فرمائے گئے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ... ﴾

"وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں اقتدار عطا فرمائیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے...."

یہ آیت مبارکہ ایک اسلامی حکومت کے بنیادی و اساسی فرائض کے تعین کے لئے نصِ قطعی کا درجہ رکھتی ہے۔

(۱۲) نہی عن المنکر کے بارے میں سورۂ ہود کی آیت ۱۱۶ و ۱۱۷ پر بھی غور کر لیجئے:

﴿ فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ﴾

"پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم' جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچالیا' ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیئے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔"

اس آیت میں سابقہ رسولوں کی اُمتوں کا بیان ہے کہ جب رسولوں کی اُمتیں بگڑتی رہیں اور دین کی تعلیمات کو قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں تو ایسی اُمتوں کو ہلاک کر دیا جاتا اور صرف ان تھوڑے سے لوگوں کو بچالیا جاتا جو نہی عن الفساد کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے۔

مندرجہ بالا متعدد قرآنی آیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ہمارے دین کے اندر کس قدر عظیم اہمیت کی حامل شے ہے۔ ان آیات پر غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب اُمت محمد ﷺ میں دین کے احیاء اور دین کو بتمام و کمال قائم کرنے کا مسئلہ آئے گا اور فاسد و استحصالی نظام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر پورے نظام کو توحید کی بنیادوں پر استوار کرنے کا مرحلہ آئے گا تو درحقیقت اقدام کا یہی راستہ ہو گا کہ ایک منظم اور تربیت یافتہ اسلامی انقلابی جماعت امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تحفظِ

حدود اللہ کے لئے پُرامن مظاہروں اور ان تمام طریقوں سے حکومت وقت کو مجبور کردے کہ وہ معروفات کی ترویج کرے' منکرات کا قلع قمع کرے اور حدود اللہ کو نافذ کرے۔ یہ بغاوت کا راستہ نہیں ہے۔ کسی حکومت کے خلاف کھڑے ہو کر اعلانِ بغاوت کرنے اور قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ انقلابی جماعت حکومت کی طالب ہوگی ہی نہیں۔ حقیقی اسلامی جماعت کبھی بھی اقتدار کی طالب بن کر میدان میں نہیں آتی۔ اس کا تو صرف یہ مطالبہ ہو گا کہ جب مسلمانوں کا معاشرہ ہے اور مسلمان ہی حکمران ہیں تو دین کو صحیح شکل میں قائم کرو اور اس کے خلاف جو کچھ ہے اسے ختم کرو۔ نہیں کرتے تو پھر ہم میدان میں موجود ہیں۔ پھر ہمارے سینے حاضر ہیں' گولیاں چلاؤ.... پھر ہمارے سر حاضر ہیں' لاٹھیاں برساؤ.... پھر ہم حاضر ہیں کہ دارورسن کے حربے ہم پر آزماؤ۔ اس ابتلاء اور امتحان میں ڈٹے رہنا ہے' پیچھے نہیں ہٹنا ہے' کھڑے رہنا ہے۔ اس موقع پر محمد رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو یاد رکھنا ہے جو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو دیا تھا کہ تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہو تو لیٹ جاؤ' مکہ کی گرم اور سنگلاخ زمین پر تمہیں جانور کی طرح گلے میں رسی ڈال کر پیٹھ کے بل گھسیٹا جا رہا ہو تو اُف نہ کرو' ہاتھ مت اُٹھاؤ' تمہیں ابھی جوابی کارروائی کی اجازت نہیں ہے ـــــ موجودہ دور میں اسلامی انقلاب کا یہی صحیح راستہ ہے اور یہی "صبر محض" اور "پُر تحمل مزاحمت" ہے۔

احادیثِ شریفہ اور فریضہ نہی عن المنکر

قرآن کی طرح احادیث رسول ﷺ میں بھی اس مسئلے پر راہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔ صحیح مسلم کی دو حدیثیں پیش ہیں۔ ان پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس ضمن میں ہمیں کامل رہنمائی دے گئے ہیں' ہمیں اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں چھوڑ گئے۔ مکان و زمان کے فرق کو ملحوظ رکھ کر حضور ﷺ کے ان ارشادات سے مختلف مراحل کے لئے ہدایت و رہنمائی اخذ کی جا سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ نیتیں خراب ہوں' عافیت مطلوب ہو' صرف کھانا کمانا پیش نظر ہو' بچوں کی پرورش اور ان کو اعلیٰ تعلیم دلانا ہی زندگی کا مقصود بن گیا ہو تو محرومی ہے..... لیکن اگر وفاداری اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے ساتھ ہے' جیسے علامہ اقبال مرحوم نے کہا ؂

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی وفاداری اور اس کے رسول ﷺ کی وفاداری آسان کام نہیں ہے۔ اس کیلئے ارادہ پیدا ہو جائے تو جمود و تعطل توڑ کر میدان میں آنا پڑے گا۔

پہلی حدیث کے راوی حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس روایت میں اختصار و ایجاز ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ رَاٰی مِنکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ' فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ' فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ' وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے اپنے زورِ بازو سے بدل دے۔ اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اسے بُرا کہے اور اسے بدلنے کی کوشش کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (اسے بُرا جانے اور اس پر دلی کرب محسوس کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس کی ہم مضمون دوسری روایت کے آخری ٹکڑے میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ((وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ)) گویا ان تین حالتوں میں سے اگر کوئی بھی نہیں ہے تو ایسا شخص جان لے کہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان موجود نہیں ہے۔

اب خاص طور پر دیکھئے کہ اس حدیث میں امر بالمعروف کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ وہ حکم اپنی جگہ قرآن مجید میں ہے' اس کی نفی مقصود نہیں ہے۔ البتہ اس حدیث میں سارا زور نہی عن المنکر پر ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک کا اسلوب دیکھئے' فرمایا کہ ((مَنْ رَاٰی مِنکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ)) جو شخص بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے اس پر لازم ہے کہ اسے ہاتھ سے روکے۔ اس لئے کہ یہ صیغہ امر ہے' جو وجوب کیلئے آتا ہے۔ فرمایا ((فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ)) اگر طاقت سے روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ کہے تو سہی کہ اللہ کے بندو! باز آجاؤ' اس راستہ پر مت جاؤ' یہ حرام کا راستہ ہے' یہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ ہے' یہ شیطان کا راستہ ہے' یہ طاغوت کا راستہ ہے۔ زبان سے کہے۔ ((فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ)) اگر یہ بھی نہیں کر سکتا' اتنا بھی دم نہیں' اتنی بھی استطاعت نہیں

ہے یا زبانوں پر تالے ڈال دیئے گئے ہیں تو دل میں بدی کے خلاف شدید نفرت تو رکھے۔ اس پر دل میں گھٹن اور کڑھن تو محسوس کرے۔ فرمایا : ((وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) اور یہ یعنی صرف دل سے بُرا جاننا' دل میں برائیوں پر کرب محسوس کرنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ عربی زبان میں "اَضْعَفُ" "Superlative Degree" ہے۔ اس سے آگے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اگر دل میں نفرت بھی نہ رہے تو گویا ایمان ہی گیا۔ پھر وہی بات ہو گی جو اقبال نے کہی ہے کہ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جب یہ احساس بھی ختم ہو گیا تو جان لیجئے کہ دل والا حقیقی ایمان بالکل رخصت ہو گیا!

اس حدیث کے مفہوم کے ضمن میں البتہ ایک احتیاط پیش نظر رکھنی اشد ضروری ہے' لوگ عام طور پر غور نہیں کرتے۔ اس حدیث میں جو تین مدارج بیان کئے گئے ہیں وہ اس اعتبار سے نہیں ہیں کہ جو شخص نیچے کھڑا ہے وہ نیچے ہی کھڑا رہے' اور جو شخص درمیانی درجہ میں ہے وہ وہیں رہے۔ بلکہ ایسے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مسلسل کوشش کرے کہ اگر آج طاقت حاصل نہیں ہے کہ منکر کو طاقت سے روک سکے تو طاقت حاصل کرے۔ وہ جو علامہ نے کہا ہے ؎

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے!

اگر آپ نہی عن المنکر اعلیٰ اور بلند ترین سطح پر کرنا چاہتے ہیں تو وہ طاقت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ چنانچہ اگر طاقت موجود نہیں ہے تو طاقت فراہم کیجئے۔ اس طاقت و قوت کو فراہم کرنے کی سعی و جُہد کرنا بھی فرض کے درجہ میں ہو گا۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود اتنی جمعیت فراہم نہیں ہو پا رہی کہ منکرات کے خلاف منظم اور پُرامن طور پر طاقت کا مظاہرہ کیا جا سکے تو بہرحال اُس وقت تک زبان سے منکر کو منکر کہنا اور اس کے خلاف زبان سے جہاد کرنا لازم ہے۔ اگر اس کا بھی امکان نہیں ہے تو دل سے نفرت کرنا لازم ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہئے کہ انسان نچلی منزل پر قانع ہو کر بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ یہ وہ نازک ترین مقام ہے کہ اگر ذرا سی بھی چوک ہو گئی اور کسی منکر کے خلاف دل میں نفرت' کراہت اور کرب کے جذبات پیدا

نہیں ہوئے تو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ یہ تو وہ آخری حد ہے کہ جس سے باہر قدم نکلتے ہی انسان ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

اس حدیثِ مبارکہ کے اسلوب پر غور و تدبر سے یہ لازمی تقاضا سامنے آتا ہے کہ منکر کو مٹانا' اسے بُرا کہنا اور اسے بُرا سمجھ کر اس سے نفرت کرنا ہر مسلمان پر واجب اور فرض ہے۔ سب سے نچلے درجے پر ہرگز قانع نہیں ہونا چاہیئے' بلکہ لازم ہے کہ طاقت حاصل کرنے اور جمعیت فراہم کرنے کے لئے دل و جان سے کوشش کی جائے۔ لوگوں کو تیار کیا جائے کہ منکرات کو مٹانے اور بدلنے کیلئے اپنی جانیں تک دینے کیلئے آمادہ ہوں۔ جب تک طاقت حاصل نہ ہو زبان سے بھی منکر کو منکر کہنے کا عمل جاری رہے۔ صاحبانِ اقتدار کو نرم و گرم طور پر اس طرف متوجہ کیا جاتا رہے۔ اِس دوران دل میں منکرات کے خلاف نفرت پروان چڑھتی رہے تاکہ جب ان کو طاقت و قوت کے ساتھ بدلنے کا مرحلہ آئے تو جذبات میں منکرات کے خلاف جوش و خروش کا طوفان موجزن ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی مسلمان ماحول کے رنگ میں رنگا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دل کی نفرت کم ہو اور پھر ماحول اس پر چھا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کل وہ جس کام کو بُرا کہہ رہا تھا اور بُرا سمجھ رہا تھا آج وہ خود اس میں ملوث ہو جائے۔

علماءِ بنی اسرائیل کی اس روش کا تذکرہ حدیث میں ملتا ہے۔ ارشادِ رسالت مآب ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ یہود کے عالموں کا سب سے بڑا جرم ہی یہ تھا کہ جب ان کے اُمراء نے غلط کام کرنے شروع کئے تو ابتداء میں تو علماء نے ان کو ٹوکا کہ شریعت کی رو سے یہ بُرا اور غلط کام ہے' لیکن ان کے ساتھ مجلسی تعلق بھی قائم رکھا اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک نہیں کیا۔ ان امراء کے دسترخوان کی لذتیں ان کو کھینچ کھینچ کر بلاتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ درحقیقت جب تک انسان ایسے لوگوں کے ساتھ مقاطعہ کی روش اختیار نہ کرے۔ اُس وقت تک نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں پا سکے گا۔ اس بات کا اقرار ہم روزانہ دعائے قنوت میں بایں الفاظ کرتے ہیں "نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ" یعنی اے اللہ جو بھی تیرا نافرمان ہوگا اور فاجر و فاسق ہوگا ہم اس سے قطع تعلق کریں گے۔ اسے ہم چھوڑ دیں گے' اس کے ساتھ ہم دلی محبت کا کوئی رشتہ استوار نہیں کریں گے۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اگر کوئی شخص کسی فاسق کے ساتھ چلتا

ہے تاکہ اسے تقویت پہنچائے تو اللہ کے غضب کی وجہ سے عرشِ الٰہی کانپنے لگتا ہے"۔

صحیح مسلم کی دوسری حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ وہ فقہ جسے آج ہم فقہ حنفی کے نام سے جانتے ہیں سلف میں فقہ ابن مسعودؓ کہلاتی تھی۔ اس لئے کہ اس کے اصل بانی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے جن کا شمار کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔ وہ کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کے شاگرد کے شاگرد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس حدیث میں نہی المنکر کے فریضہ کی انجام دہی کے مسئلہ کو نہایت تشریح اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

انَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي اِلاَّ كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهِ ' ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لاَ يَفْعَلُوْنَ' وَيَفْعَلُوْنَ مَا لاَ يُؤْمَرُوْنَ' فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ' وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ))

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی اُمت میں کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے بعد اس کی اُمت میں اس کے حواریوں اور اصحاب نے اس کی سنت کو قائم نہ کیا ہو اور اس کے احکام کی پیروی نہ کی ہو۔ پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے لوگ بن جاتے ہیں جن کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے اور وہ ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔ پس اور جو ان کے خلاف ہاتھ (قوت) سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان کے خلاف زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے (یعنی دل میں انہیں بُرا سمجھے) وہ مؤمن ہے۔ مگر اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے"۔

گویا ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ نبی اور اس کے حواریوں اور اصحاب کے انتقال کے بعد رفتہ رفتہ انحطاط' اضمحلال اور زوال شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں تین ادوار ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے خیر قرون سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ۔ تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا زمانہ۔ ایسے ادوار کے گزرنے کے بعد انحطاط و اضمحلال

اور زوال کی صورت شروع ہوتی ہے۔ بعد میں آنے والوں کے قول و عمل میں تضاد ہوتا تھا۔ یعنی کہہ کچھ رہے ہیں' کر کچھ رہے ہیں۔ زبان پر اسلام کا اقرار ہے' اس کی مداح سرائی ہے' جبکہ عمل میں اسلام اور اس کے شعائر سے بغاوت ہے' سرکشی ہے' اعراض ہے' روگردانی ہے۔ پھر ان کے افعال و اعمال ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حکم' جن کی کوئی سند ان کے دین میں موجود نہیں ہوتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ایمان کے جو درجات بیان کئے گئے ہیں ان سے ناخلف طبقہ کے خلاف اقدام سے' جو عموماً مسند اقتدار پر متمکن ہوتا ہے' نہایت گہرا تعلق ہے۔ اس حصہ سے ہمیں اقدام کے لئے ہدایت و رہنمائی ملتی ہے۔ دل سے جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ منکرات اور ان کے فروغ کو دیکھ کر ایک بندۂ مومن دل کی بے کلی میں مبتلا ہو جائے' وہ ہر وقت کڑھے' اس کی نیندیں حرام ہو جائیں' وہ اپنی بے بسی پر بے قرار اور مضطرب رہے' اس کے دل میں نفرت پروان چڑھتی رہے اور اس کا دل اُس وقت کی جلد آمد کے لئے بے چین رہے کہ جس وقت وہ ایک منظم اسلامی انقلابی جماعت کے ساتھ مل کر نہی عن المنکر کے لئے میدان میں آ سکے اور اپنے جسم و جان اور مال و منال کی قربانی کا نذرانہ پیش کر سکے۔ یا اگر اس میں صلاحیت و اہلیت ہے تو وہ خود کھڑا ہو اور ایسی انقلابی جماعت قائم کرنے کی سعی و جہد کرے۔

اس حدیث کا آخری حصہ جس کا حوالہ اوپر حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں دیا گیا' نہایت لرزا دینے والا ہے۔ اس کو سن کر دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو جانا چاہئے۔ اس لئے کہ ایسے شخص کے ایمان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفی فرما رہے ہیں جس کا دل بھی منکرات اور ان کے فروغ کو دیکھ کر بے قرار' مضطر اور بے کل نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے بارے میں کونین کے مفتی اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ آخرت میں وہ لوگ کس مقام پر کھڑے ہوں گے جو اس دنیا میں قانوناً مسلمان اور مدعیٔ ایمان تھے اور مسند اقتدار پر بیٹھے منکرات کو فروغ دے رہے تھے۔ ان مدعیانِ ایمان کا کیا حال ہو گا جو ذرائع ابلاغ پر قابض تھے اور ان کو منکرات کی نشر و اشاعت کے لئے استعمال کر رہے تھے؟ وہ لوگ کس حالت اور عالم میں ہوں گے جو حکمرانی کے بل بوتے پر منکرات کی سرپرستی کر رہے تھے اور ایسا ماحول اور ایسی فضا پیدا کرنے

کے باعث بن رہے تھے جس میں معروفات سسک رہے تھے اور منکرات کے فروغ کے باعث معاشرہ سنڈاس بن رہا تھا۔

سورۃ الاعراف میں مذکور اصحابِ سبت کے واقعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا کہ جب کسی قوم کی بداعمالیوں کے باعث ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو اس سے صرف وہ لوگ بچ پاتے ہیں جو دوسروں کو بداعمالیوں سے روکتے رہتے ہیں۔ اس حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے ایک تمثیل کے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ایک جہاز میں کچھ لوگ عرشہ پر سوار ہیں' کچھ لوگ نچلی منزل میں ہیں۔ نیچے والوں کو جب پانی لینا ہوتا ہے تب وہ اوپر آتے ہیں' جس سے عرشہ پر مقیم لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ پانی برتنوں سے چھلک بھی جاتا ہوگا۔ عرشہ والے ان لوگوں کے اوپر آنے جانے پر ناک بھوں چڑھاتے ہوں گے۔ چنانچہ نیچے والوں نے سوچا کہ اوپر سے پانی لانے کے کام کو چھوڑیں' ہم ان کو کیوں ناراض کریں' ہم نیچے جہاز کے پیندے میں سوراخ کرلیتے ہیں' یہیں سے پانی لے لیا کریں گے۔ اب اگر اوپر والے ان نیچے والوں کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو جہاز ڈوب جائے گا اور اس طرح صرف نیچے والے ہی نہیں' اُوپر والے بھی ڈوبیں گے۔ گویا جو لوگ غلط کام اور بدی سے روکتے نہیں ہیں انجام کار کے اعتبار سے وہ ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں جو بدی میں خود ملوث ہیں۔ اس مثال سے بھی واضح ہوا کہ اصل میں نہی عن المنکر ہی وہ شے ہے جو انسان کو نجات کا حق دار بناتی ہے۔

خلاصۂ بحث

مسلم شریف کی متذکرہ بالا جو دو روایتیں تشریح و توضیح کے ساتھ بیان ہوئیں' ان کو سامنے رکھ کر غور کیجئے۔ ان دونوں احادیث کو ہمارے پیشِ نظر مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کلید کی حیثیت حاصل ہے۔ اب راستہ یہ ہے کہ کسی مسلمان ملک میں دین کو اس کی کامل شکل میں قائم و نافذ کرنے کے لئے کوئی تحریک اُٹھے۔ اس تحریک کے وابستگان خود اپنی انفرادی زندگیوں پر دین کو نافذ کر چکے ہوں' تربیت اور تزکیہ کے مراحل طے کر چکے ہوں' انہوں نے حرام کو بالفعل ترک کیا ہو اور سُنّت کو انہوں نے عملاً اختیار کیا ہو۔ پھر یہ لوگ منظم ہوئے ہوں' بنیانِ مرصوص بن چکے ہوں' یہ کسی تنظیم کے ساتھ منسلک ہو کر اس کے امیر' کمانڈر اور قائد کے حکم پر ڈسپلن کے ساتھ حرکت کرنے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں'

سمع و طاعت کے عادی ہو چکے ہوں۔ تو اب یہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام طاقت کے ساتھ کریں گے۔ یہ کھڑے ہو جائیں گے اور اعلان کریں گے کہ ہم منکرات کے کام نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بات جان لیجئے کہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے پُرامن طور پر قوت کا مظاہرہ کرنا اب دنیا میں ہر ملک کے رہنے والوں کا تسلیم شدہ حق ہے۔ اگر سیاسی حقوق کے حصول اور بحالی کے لئے' مہنگائی کے خلاف یا کچھ دیگر قومی مسائل کے حل کے لئے مظاہرے کئے جا سکتے ہیں' پکٹنگ اور گھیراؤ کیا جا سکتا ہے تو دین نے جن کاموں کو منکرات قرار دیا ہے ان کے خلاف مظاہرے کیوں نہیں کئے جا سکتے؟ ان کو چیلنج کیوں نہیں کیا سکتا؟ لیکن یہ مظاہرے پُرامن ہوں گے۔ کہیں فساد نہیں ہو گا' کسی کو تکلیف نہیں ہو گی' قومی دولت کا کوئی ضیاع نہیں ہو گا۔ اس تنظیم کے وابستگان ساری تکلیفیں اپنے اوپر جھیلنے کے لئے تیار ہوں گے' ساری مصیبتیں خود برداشت کریں گے' اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکلیں گے۔ اگر حکومت وقت گولیاں چلائے گی تو اپنے سینے پیش کریں گے۔

اگر یہ معاملہ ہو جائے اور یہ مرحلہ آ جائے تو یہ بات جان لیجئے کہ آخر کب تک۔ اس مسلمان ملک کی مسلمان پولیس ان پر لاٹھیاں برسائے گی اور مسلمان فوج کب تک گولیاں چلا کر ان نہتے مظاہرین کو مارے گی جو صرف اللہ کے لئے منکرات کے خلاف نکلے ہوں؟ پھر یہ فوج کتنوں کو مارے گی....؟ یہ بات بھی اچھی طرح جان لیجئے کہ کوئی جابر سے جابر حکمران بھی ایک حد سے آگے نہیں جا سکتا۔

ایران کی مثال

اس کا سب سے بڑا نمونہ ہمارے سامنے شہنشاہِ ایران کا انجام ہے۔ وہ شاہِ ایران جس کے پاس ایشیا کا سب سے بڑا اسلحہ خانہ تھا' جس کے پاس ساوک جیسی سفاک پولیس تھی' جس کے مقابلہ کی سفاک پولیس کسی کیمونسٹ ملک میں تو شاید موجود ہو۔ باقی دنیا میں اس کے مقابلے کی کوئی پولیس موجود نہیں۔ جس طرح کے مظالم اس ایرانی پولیس نے ڈھائے ہیں اور جس خوفناک قسم کی اذیتیں اس نے انقلابیوں کو دی ہیں' اس کی مثال موجودہ دور کے کسی ملک میں مشکل ہی سے ملے گی۔ لیکن شہنشاہ ایران' جو خود کو "آریہ مہر" کہلواتا تھا اور جو سائرس ثانی بننے کے خواب دیکھ رہا تھا' اس کی ساری طاقت اور سارا دبدبہ ان سرفروشوں کی قربانیوں کے آگے خس و خاشاک کی طرح بکھر کر رہ گیا جو اس کے خلاف مظاہروں کی صورت

میں جان دینے کیلئے سڑکوں پر آ گئے تھے۔ بالآخر اس کی پولیس عاجز آ گئی اور فوج نے ان مظاہرین پر گولیاں چلانے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو اپنا ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا اور حد تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد اسے اپنے وطن میں دفن ہونے کیلئے جگہ بھی نہ مل سکی۔ اس کے دوست ملک نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی مہلک متعدی مرض میں مبتلا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جب ایک منظم انقلابی جماعت راہِ حق میں جان دینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو اسے ملک کے عوام کی اتنی اخلاقی اور عملی حمایت حاصل ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کچلنا اور ختم کر دینا آسان نہیں رہتا۔ ایسی جماعت کو بغاوت کا اعلان کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی' نہ اسے ہتھیار اُٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے' بلکہ اس کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ؏

"جب وقت شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں"

کوئی طاقت ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کا راستہ نہیں روک سکتی۔

تین ممکنہ نتائج

اس طریق کار کے تین ممکنہ نتائج نکل سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حکومت اگر ان مظاہروں کے نتیجہ میں پسپائی اختیار کرے' یعنی منکرات کو ختم کرنا شروع کر دے تو اور کیا چاہیئے؟ ایک منکر کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے منکر کے خلاف مظاہرے جاری رہیں گے۔ اس طرح اگر ہم ایک ایک کر کے منکرات کو ختم کراتے چلے جائیں تو اسلامی انقلاب آ جائے گا۔ تبدیلی برپا ہو جائے گی اور پورے کا پورا نظام صحیح ہو جائے گا۔ لیکن جب تک نظام مکمل طور پر اسلامی نہیں ہو گا یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

دوسرا ممکن نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اسے اپنی بقاء' اپنی انا اور اپنے مفادات کے تحفظ کا مسئلہ بنا لے اور طاقت سے اس اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے۔ اس موقع پر ذرا ٹھہر کر حکومت وقت کی ماہیت و ہیئت کو سمجھ لیجئے کہ وہ کیا ہوتی ہے۔ ہر حکومت کسی نہ کسی طبقہ کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کے کسی طاقتور طبقہ کے مفادات کی محافظ بن کر بیٹھی ہوتی ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل و قسط ان طبقات کے لئے پیغامِ موت لے کر آتا ہے۔ لہٰذا حکومت وقت کسی ایسی تحریک کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں

کرتی جس کے کامیاب ہونے کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصالی نظام ختم ہو جائے اور اسلام کا عادلانہ و منصفانہ نظام قائم ہو جائے۔ لہٰذا وہ ریاست کی پولیس اور فوج کو اس تحریک کو کچلنے کے لئے بے دریغ استعمال کرے گی۔ چنانچہ لاٹھیاں برسیں گی' آنسو گیس کے شیل پھینکے جائیں گے' گولیوں کی بوچھاڑ آئے گی' گرفتاریاں ہوں گی' دارورسن کے مراحل آئیں گے۔ لیکن اگر لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں حتیٰ کہ جان تک دینے پر تیار ہوں اور ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہیں تو پولیس کتنوں کو گرفتار کرے گی؟ فوج کتنوں کو اپنی گولیوں سے بھونے گی؟ اگر تحریک کے کارکنوں نے صبرو استقامت کا ثبوت دیا تو پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی ہم مذہب اور ہم وطن ہیں' ہمارے ہی اعزہ و اقرباء ہیں' یہ لوگ اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے میدان میں نہیں آئے ہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے قیام کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے نکلے ہیں' تو آخر ہم کب تک ان کو اپنی گولیوں سے بھونتے چلے جائیں؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا اور تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو گی' جیسا کہ ایران میں ہوا کہ شہنشاہ ایران جیسے آمر مطلق کو بھی ایسی صورت حال میں باحسرت و یاس ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا ___ تو یہ دو ممکنہ صورتیں تو تحریک کی کامیابی کی ہیں۔

ایک تیسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس صورت میں جن لوگوں نے اس راہ میں جانیں دی ہوں گی' ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ وہ' ان شاء اللہ العزیز' اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر عظیم اور فوزِ کبیر سے نوازے جائیں گے۔ یہ واضح رہنا چاہیئے کہ ہم نظام کو بالفعل بدلنے کے مکلف اور ذمہ دار نہیں ہیں' البتہ اس کو بدلنے کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ مزید برآں انہی جان نثاروں اور سرفروشوں کے خون اور ہڈیوں کی کھاد سے' ان شاء اللہ' جلد یا بدیر کوئی نئی انقلابی اسلامی تحریک ابھرے گی جو طاغوتی استحصالی اور جابرانہ نظام کو للکارے گی اور اس طرح وہ وقت آ کر رہے گا جس کی خبر الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ پورے کرۂ ارض پر اللہ کا دین اسی طرح غالب ہو کر رہے گا جس طرح آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا۔

اقول قولی هذا و استغفر اللّٰہ لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات

ایمان و استقامت

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

انتخاب و ترتیب : حافظ محمد سلیمان' ایم اے

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝٣٠ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝٣١ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝٣٢ ﴾

(حٰم السجدة . ۳۰-۳۲)

"جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے' خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لئے موجود ہو گی۔ (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے"۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝١٣ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٤ ﴾ (الاحقاف . ۱۳-۱۴)

"جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان کو کچھ خوف ہو گا نہ وہ غمناک ہوں گے۔ یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اس کا بدلہ (ہے) جو وہ کیا کرتے تھے"۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝١٥ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

"مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ

پڑے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے' یہی لوگ (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں"۔

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾

(ابراهيم : ۲۷)

"اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا) اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے' اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے"۔

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾

(البقرة : ۲۱۴)

"کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں' ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیئے گئے' یہاں تک کہ پیغمبر اور مؤمن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی' دیکھو اللہ کی مدد (عن) قریب (آیا چاہتی) ہے"۔

عن سفيان بن عبدالله الثقفي قال . قلتُ . يا رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه و سلم قُل لي في الاسلامِ قولاً لا اسال عنه احداً بعدَک ' قال : ((قُلْ امنتُ باللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) (صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب جامع اوصاف الاسلام)

"حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اسلام میں ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر میں اس کو آپ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ نے فرمایا" تم کہو میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر ثابت قدم رہو"۔

عن البراء بن عازب رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال :

((اَلْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِي القبرِ يشهَدُ اَن لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَنَّ مُحمدًا رسولُ اللّٰه فذٰلِك قولهُ : ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾)) (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قبر میں مسلمان سے جس وقت سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں قولِ ثابت سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھے گا"۔

عن البراء بن عازب رضى اللّٰه تعالٰى عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال : ((يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ قال : نَزَلَتْ فِي عذابِ القبرِ يُقَالُ مَن رَبُّكَ فيقول رَبِّيَ اللّٰهُ وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ ﷺ فذلك قولهُ عزَّ و جل ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾)) (صحيح مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها و اهلها، باب عرض المقعد الميت و عذاب القبر)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ قائم رکھتا ہے ایمان والوں کو پکی بات پر...." قبر کے عذاب کے بارے میں اتری ہے۔ میت سے پوچھا جاتا ہے "تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں" یہی مراد ہے اللہ کے اس قول سے کہ "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات پر دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے"۔

عن انس بن مالک ان رسول اللّٰه ﷺ قال . ((ثلاثٌ مَن كُنَّ فِيه وَجَدَ بِهِنَّ طَعْمَ الايمانِ مَن كانَ اللّٰهُ ورَسولهُ اَحَبَّ اليه مِمَّا سِواهُمَا ، وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ اِلاَّ لِلّٰه وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُودَ فِي الكُفرِ بَعْدَ اذْ اَنقذه اللّٰهُ كما يكرَه اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ))

(سنن الترمذی، كتاب الايمان، باب حلاوة الايمان)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جس میں تین چیزیں ہوں گی' وہ ان کے سبب ایمان کا مزہ پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس کو دیگر ہر شے سے زیادہ پیارے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کی (لوگوں سے) دوستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے سے ہو اور تیسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے نجات بخشی ہے تو پھر وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کو اتنا ہی برا جانے گویا اسے آگ میں ڈالا جا رہا ہے"۔

وعن خبَّابِ بنِ الارت قال شَكَوْنَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وهو مُتَوَسِّدٌ بُردةً فِي ظِلِّ الكعبةِ وقد لقينا من المشركين شِدَّةً' فقلنا: اَلَا تَدْعُو اللّٰهَ؟ فَقَعَدَ وهو مُحْمَرٌّ وَجْهُهُ وقال: ((كان الرَّجُلُ فِيمن كان قَبْلَكُم يُحفَر له فِي الارضِ فيُجعل فيه فيُجَاءُ بِمِنشارٍ فيُوضَعُ فَوْقَ رَأسِهٖ فيُشَقُّ بِاثْنَينِ فما يصدُّهُ ذٰلِكَ عَن دينه و يُمشَطُ بامشاطِ الحديدِ مَادون لحمهٖ من عظمٍ و عصبٍ وما يصدُّه ذٰلک عن دينه' واللّٰه ليتمن هذا الامر حتّٰى يسير الراكبُ مِن صنعاء الى حضرموت لا يخافُ الا اللّٰهَ اَوِ الذِّئبَ علٰى غنمهٖ ولٰكنَّكم تستعجلون)) (رواه البخاری کذا فی المشکٰوۃ' کتاب الفتن' باب علامات السوۃ)

"حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سایہ کے نیچے کملی رکھے ہوئے لیٹے تھے کہ ہم نے کفار کی شکایت کی اور عرض کیا کہ مشرکوں سے ہم کو سخت تکلیف پہنچی ہے' پھر ہم نے عرض کیا' کیا آپ اللہ تعالیٰ سے (بد) دعا نہیں کرتے؟ یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کیلئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا تھا' پھر اس گڑھے میں آدمی کو بٹھایا یا کھڑا کیا جاتا تھا اور پھر آرا لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور آرے سے چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن یہ عذاب اس کو دین سے منحرف نہ کرتا تھا اور (کسی کے جسم) پر لوہے کی کنگھیاں چلا کر ہڈیوں اور پٹھوں سے گوشت نوچ لیا جاتا۔ یہ چیز (بھی) اسے اپنے دین سے نہ ہٹا

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام فروری۔ مارچ کے دوران منعقدہ

منہاجِ محمدیؐ کانفرنسیں

ایک اجمالی رپورٹ

مرتب : ڈاکٹر عبدالخالق

توسیعی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ یکم و دو فروری ۹۹ء کے دوران فیصلہ کیا گیا کہ متحدہ اسلامی محاذ کی تشکیل کے ضمن میں پہلے قدم کے طور پر منہاجِ محمدیؐ کے بارے میں اتفاق رائے کے حصول کے لئے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں منہاجِ محمدیؐ کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔ فیصلہ ہوا کہ ایسی تمام کانفرنسیں اتوار کے روز صبح کے اوقات میں منعقد کی جائیں یعنی آغاز ساڑھے نو بجے یا دس بجے کے لگ بھگ ہو اور یہ ڈیڑھ بجے یا دو بجے اختتام پذیر ہوں۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مقررین کو موضوع کی مناسبت سے تقریر کرنے پر آمادہ کرنے کی غرض سے دعوت نامہ پہنچاتے وقت مکمل بریفنگ بھی دی جائے اور کتاب منہج انقلاب نبوی کا ایک نسخہ بھی فراہم کر دیا جائے۔ مختلف شہروں میں کانفرنسوں کے انعقاد کے انتظامات اور مقررین حضرات سے رابطہ متعلقہ حلقہ کے ناظم / امیر کے ذمہ لگایا گیا۔ اس ضمن میں پہلی کانفرنس راولپنڈی میں منعقد ہوئی۔

پہلی منہاجِ محمدیؐ کانفرنس۔ بمقام پریس کلب راولپنڈی

۲۱/ فروری (۱۰ بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات : (۱) محمد خان شیرانی (۲) جنرل (ر) حمید گل (۳) عبدالستار بھٹی (لشکر طیبہ) (۴) محمد اکرم اعوان (۵) مولانا محمد چراغ (۶) پروفیسر محمد افضل۔

کانفرنس کا آغاز ٹھیک وقت پر ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد امیر محترم نے منہاجِ محمدیؐ کانفرنسوں کے سلسلے کا پس منظر بیان کیا۔ آپ نے بین الاقوامی حالات اور نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلے میں اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے برعظیم پاک و ہند میں احیائے اسلام کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مشیت الٰہی میں اس خطے کی خصوصی اہمیت اور اس ضمن میں قیام پاکستان کی تحریک کے دوران اسلام کے نام کو استعمال کئے جانے کا تذکرہ کیا۔ نیز قیام پاکستان کے بعد قرار دادِ مقاصد کے پاس ہونے اور ۱۹۵۰ء میں ۳۱ علماء کے ۲۲ متفقہ دستوری نکات کا بھی ذکر کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان تمام ترمثبت اقدامات کے باوجود پاکستان میں آج تک اسلامی نظام

کانفاذنہ ہوسکنے کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ رہی کہ اکثر دینی وسیاسی جماعتوں نے نفاذ اسلام کی جدوجہد کے لئے منہاجِ محمدیؐ کی بجائے مروجہ سیاسی طریقے کو اپنائے رکھا۔ یعنی انتخابات میں حصہ لیا یا کسی ناپسندیدہ حکومت کو گرانے کے لئے سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر تحریکیں چلائیں۔ جبکہ آج بھی ہماری رہنمائی کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امام مالکؒ کے یہ زریں حکیمانہ اقوال موجود ہیں کہ "اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہوسکے گی مگر صرف اُسی طریقے سے جس پر اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی"۔ تو کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم منہاجِ محمدیؐ کی طرف رجوع کریں؟ اس ضمن میں منہاجِ محمدیؐ کی جانب متوجہ کرنے اور اس پر اتفاق رائے کے حصول کے لئے ہم نے منہاجِ محمدیؐ کانفرنسوں کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور آج اس سلسلے کی پہلی کانفرنس ہے۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے باری باری معزز مقررین کو خطاب کی دعوت دی۔ سب سے پہلے جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے معروف لیڈر و مذہبی شخصیت مولانا محمد خان شیرانی صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے مسائل کا حل بجا طور پر اسلامی نظام کا نفاذ قرار دیا، لیکن موضوع پر گفتگو سے اعراض کیا۔ جنرل (ر) حمید گل صاحب نے تو جماعت کی ضرورت ہی سے انکار کر دیا بلکہ تمام افتراق و اختلاف کی وجہ ہی جماعت سازی کو ٹھہرایا۔ لشکر طیبہ کے عبدالستار بھٹی صاحب کی تقریر خطابت کا عمدہ نمونہ تھی۔ منہاجِ محمدیؐ کے حوالے سے انہوں نے حضور ﷺ کے طرز عمل میں ہجرتِ مدینہ کے بعد ارد گرد کے قبائل سے معاہدوں کو ہی اصل اہمیت کی چیز قرار دیا اور اس طرح پاکستان میں نفاذ اسلام سے قبل ارد گرد کے علاقوں پر اپنے کنٹرول کو ضروری قرار دیا۔ اور اس طرح لشکر طیبہ کی مقبوضہ کشمیر میں جدوجہد کو جواز عطا کیا۔ تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان صاحب نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے ایک واقعے کو اپنی جدوجہد کی بنیاد قرار دیا جس میں ایک بدو صحابی نے تلوار سونت کر کہا تھا کہ ہم تمہیں (عمرؓ کو) تلوار کی نوک سے درست کر دیں گے۔ اکرم اعوان صاحب نے فرمایا کہ ہمیں تو ایک ایسے ہی بدو کی ضرورت ہے۔ تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل صاحب نے ذاتی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا۔ بعد ازاں مولانا محمد چراغ اور پروفیسر محمد افضل صاحب (بریلوی مکتبہ فکر) نے خطاب فرمایا۔ کسی نے بھی منہاجِ محمدیؐ کو objectively بیان نہیں کیا۔ اس لحاظ سے تو یہ ایک ناکام اجتماع تھا، تاہم تمام مقررین کا آجانا اور حاضری (جو کہ ۷۰۰ کے لگ بھگ تھی) کے اعتبار سے یہ یقیناً ایک کامیاب اجتماع تھا۔

دوسری منہاجِ محمدیؐ کانفرنس۔ بمقام نشتر ہال پشاور

۲۸/ فروری (ساڑھے نو بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات: (۱) مولانا صوفی محمد (۲) مولانا محبوب الرحمٰن (فضل الرحمٰن گروپ)

(۳) حکیم عبدالوحید (جماعت اسلامی) (۴) مولانا عبدالسلام (اہلحدیث) (۵) مولانا گوہرالرحمٰن (۶) مولانا سمیع الحق۔

تلاوتِ قرآن حکیم کے بعد ابتداء میں امیر محترم نے منہاجِ محمدی کانفرنسوں کی غرض وغایت اور موضوع کی وضاحت فرمائی اور پھر مقررین کو خطاب کی دعوت دی۔ سب سے پہلے صوفی محمد صاحب' جو مالاکنڈ میں تحریک نفاذ شریعت کے حوالے سے خاصے معروف ہیں' تشریف لائے۔ موصوف کا خطاب پشتو زبان میں تھا۔ انہوں نے نفاذ شریعت کے لئے اپنی تحریک کا طریق کار بیان کیا اور اسی کو منہاجِ محمدی قرار دیا۔ دوسرے نمبر پر جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے مولانا محبوب الرحمٰن تشریف لائے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی جدوجہد کے کچھ نکات بیان کئے' خصوصاً ہجرت کے بعد کے مراحل پر روشنی ڈالی اور ساتھ ہی جمعیت علمائے اسلام کے انتخابی سیاست میں حصہ لینے کی وکالت بھی کی۔ بعد ازاں جماعت اسلامی کے حکیم عبدالوحید صاحب آئے۔ انہوں نے جماعت کے دستور سے جماعت اسلامی کے طریق کار کو پڑھنا شروع کر دیا اور منہاجِ محمدی پر سرے سے کوئی بات ہی نہ کی۔ مولانا عبدالسلام کا تعلق مسلک اہلحدیث سے تھا۔ آپ نے مختلف جماعتوں کے اکابرین پر تنقید کی اور انہیں تلقین کی کہ وہ اکٹھے بیٹھ کر اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ مولانا گوہرالرحمٰن نے پاکستان میں اسلام کے نہ آنے کے اسباب بیان کئے۔ منہاجِ محمدی بیان کرتے ہوئے آپ نے حضور ﷺ کی جدوجہد کے مختلف مراحل کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ دعوت' تعلیم و تنظیم کے مراحل کو بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضورؐ نے پھر اس جماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے اصلاح معاشرہ کا کام لیا۔ مولانا گوہر الرحمٰن نے آج کے حالات میں ان مراحل کو طے کرنے کے بعد تبدیلی نظام کے لئے انتخابی طریق کار ہی کی حمایت کی' تاہم دوسرے کسی طریق کار کی نفی بھی نہیں فرمائی۔ آخری مقرر مولانا سمیع الحق تھے' ان کی تقریر مایوسی اور بددلی کا مرقع تھی۔ آپ نے اتحاد کو ضروری تو قرار دیا تاہم سوال اٹھایا کہ یہ اتحاد وجود میں کیسے آئے؟ اتحاد کے ذریعے مقصد کا حصول کیسے ہو؟ سمیع الحق صاحب نے فرمایا کہ میں اس ضمن میں مایوس ہوں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب باہمت ہیں کہ ان حالات میں بھی پُر اُمید ہیں۔ انہوں نے گزشتہ اتحادوں کی ناکامی کی جانب بھی اشارہ کیا۔ ڈیڑھ بجے یہ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ شرکاء کی تعداد قریباً ۷۵۰ تھی۔

تیسری منہاج محمدی کانفرنس۔ بمقام حمید پیلس فیصل آباد

۷/مارچ (سوا نو بجے صبح تا سوا ایک بجے دوپہر)

مقررین حضرات : (۱) غیاث الدین جانباز (الاخوان) (۲) مولانا ارشاد الحق اثری (ممبر اسلامی نظریاتی کونسل) (۳) صاحبزادہ طارق محمود (عالمی مجلس ختم نبوت) (۴) طارق چوہدری (الاخوان)

(۵) مولانا زاہد الراشدی (۶) حاجی محمد رشید قادری (تحریک منہاج القرآن) (۷) قاری محمد اصغر (جماعت اسلامی) (۸) مولانا مجاہد الحسینی۔

کانفرنس کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ میں امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے کانفرنسوں کے اس سلسلے کی غرض و غایت اور پس منظر سے سامعین کو آگاہ کیا۔ سب سے پہلے الاخوان تنظیم سے تعلق رکھنے والے بزرگ رہنما جناب غیاث الدین جانباز کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ موصوف خاصے جوشیلے مقرر ہیں اگرچہ اب ضعیف العمری کے باعث وہ دم خم باقی نہیں رہا۔ انہوں نے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا اور اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کی کوششوں کو سراہا اور تعاون کا یقین دلایا' تاہم منہاجِ محمدیؐ کے حوالے سے گفتگو نہیں کی۔ دوسرے مقرر مولانا ارشاد الحق اثری تھے' موصوف مسجد مبارک کے خطیب اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہیں۔ آپ نے منہاجِ محمدیؐ کو ایمان کی دعوت سے تعبیر کیا اور اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب لوگوں میں ایمان آ جائے گا تو لوگ دین پر عمل کرنا شروع کر دیں گے اور اس طرح سے دین قائم ہو جائے گا۔ ان کی تقریر کے بعد صاحبزادہ طارق محمود صاحب' جو عالمی مجلس ختم نبوت کے ممبر ہیں' نے پاکستان میں اسلام نہ آنے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مختلف مواقع پر بننے والے اتحادوں کی ناکامیاں بیان کیں۔ اس کے بعد الاخوان تنظیم کے اہم رکن سابق سینیٹر طارق چوہدری صاحب تقریر کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے منہاجِ محمدیؐ پر گفتگو سے صرف نظر کرتے ہوئے دیگر اہم نکات کی جانب توجہ دلائی۔ طارق چوہدری صاحب نے فرمایا کہ کسی مشترکہ لائحہ عمل تک پہنچنے کے لئے اس قسم کی کانفرنسیں مفید نہیں۔ اس کی بجائے مختلف اکابرین کو جمع کر کے اس پر بحث مباحثہ کرنا چاہئے تاکہ کسی ایک نقطۂ نظر تک پہنچا جا سکے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اجتماعی قیادت اقتدار میں تو چل سکتی ہے لیکن انقلاب برپا کرنے کے لئے لوگوں کو کسی ایک شخصیت پر جمع کرنا ہو گا' اس ضمن میں اتحاد کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔ انقلاب کے لئے ہمیں ایک خاص تعداد میں لوگوں کو جمع کرنا ہو گا۔

زاہد الراشدی صاحب اس کانفرنس میں شرکت کے لئے گوجرانوالہ سے تشریف لائے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ منہج انقلاب نبویؐ کے مختلف پہلو ہیں' میں آج کی محفل میں صرف ایک نقطے پر گفتگو کروں گا اور وہ یہ کہ حضور ﷺ نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے دوران اُس وقت موجود سسٹم سے کسی قسم کی مفاہمت نہیں کی۔ لہٰذا اگر ہمیں بھی اسی منہج پر کام کرنا ہے تو موجود قومی و بین الاقوامی سسٹم کے ساتھ ہماری adjustment نہیں ہو سکتی۔ موجودہ سسٹم کے کھنڈرات پر ہمیں اسلامی نظام کی عمارت تعمیر کرنا ہے۔ آپ نے لندن میں منعقدہ ایک بین الاقوامی کانفرنس کا حوالہ دیا جس میں موضوع بحث یہ تھا کہ آج کے دور میں کونسا ایسا اسلامی ملک ہے جس میں اسلام کے سیاسی' سماجی اور معاشی نظام کے بتمام و کمال نفاذ کے سب سے زیادہ امکانات ہیں۔ زاہد الراشدی صاحب نے فرمایا کہ قریباً تمام ہی اسلامی دانشوروں نالرز': و مختلف ممالک سے آئے تھے' کا اس بات پر اتفاق تھا کہ صرف ایک ملک ایسا ہے جہاں

اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کے سب سے زیادہ امکانات ہیں اور وہ "پاکستان" ہے۔ حاجی محمد رشید قادری صاحب کا تعلق تحریک منہاج القرآن سے تھا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں زیادہ تر تحریک منہاج القرآن کے طریق کار کو واضح کیا۔ جماعت اسلامی کے قاری محمد اصغر صاحب نے فرمایا کہ جماعت اسلامی نے تو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی جماعتیں ہمارا ساتھ دیتی ہیں۔ بقول ان کے جماعت اسلامی نے تو طبل جنگ بجادیا ہے' اب تو ہم حالت جنگ میں ہیں اور یہ جاری رہے گی جب تک ہمیں اقتدار حاصل نہیں ہو جاتا۔ آخر میں مولانا مجاہد الحسینی صاحب نے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا کہ ۳۱ علماء کے ۲۲ نکات کو اتحاد کی بنیاد بنایا جائے۔ آخر میں امیر محترم نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ یہ کانفرنسیں اس لحاظ سے کامیاب رہی ہیں کہ مختلف الخیال لوگوں نے اپنا اپنا نقطہ نظر بیان فرمایا اور کوئی تلخی یا ہنگامہ نہیں ہوا۔ لوگوں نے بڑے سکون سے تمام مقررین کے خیالات کو سنا' تاہم منہاجِ محمدیؐ کے حوالے سے بہت کم گفتگو ہوئی اور یہ موضوع تشنہ بیان رہا۔ سامعین کی تعداد ۴۵۰ کے قریب تھی۔

چوتھی منہاجِ محمدیؐ کانفرنس۔ بمقام آئی بی اے ہال کراچی

۱۴/ مارچ (۱۰ بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات : (۱) پروفیسر غفور احمد (۲) مفتی نظام الدین شامزئی (۳) غلام دستگیر ربانی (منہاج القرآن) (۴) ڈاکٹر اطہر قریشی (تحریک اسلامی) (۵) افضال مبین (مؤتمر اسلامی) (۶) علامہ حسن ترابی (تحریک جعفریہ) (۷) قاری شیر افضل (جمعیت علمائے اسلام) (۸) محمد اکرم اعوان۔

کانفرنس کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ ابتداء میں امیر محترم نے کانفرنس کا پس منظر اور غرض وغایت نیز ماضی قریب کی تاریخ کے حوالے سے قیام پاکستان کا اصل مقصد اور مشیت الٰہی میں اس کے رول پر گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت بین الاقوامی حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ کم از کم کسی ایک اسلامی ملک میں اسلام کے عادلانہ نظام کا قیام ہو' صرف اسی کے نتیجے میں یہود کے قائم کردہ عالمی مالیاتی استعمار کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور آج کے دور میں اسلام کے اس عادلانہ نظام کے قیام کا امکان اگر ہے تو صرف پاکستان میں ہے۔ تمہیدی گفتگو کے بعد آپ نے مقررین کو دعوت خطاب دی۔ سب سے پہلے جماعت اسلامی کے معروف رہنما اور نائب امیر پروفیسر غفور احمد تشریف لائے۔ آپ نے اپنے مختصر بیان میں الیکشن کی سیاست کو ہی مسائل کا حل قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسلامی نظام کے قیام کا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے' اگر کوئی ہے تو بتایا جائے۔ آپ نے موضوع سے ہٹ کر مسئلہ کشمیر کے حل کے حوالے سے امیر محترم کے تجزیے سے اختلاف کیا۔ پروفیسر غفور احمد صاحب نے اتحادوں کی سیاست کی ناکامی کا ذکر بھی کیا۔ دوسرے مقرر مدرسہ بنوری ٹاون سے مفتی نظام الدین

شامل تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اتفاق و اتحاد کی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ اتحاد کا رسمی اعلان کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ رسمی اتحاد کے بغیر مشترکہ نکات پر جمع ہوا جائے۔ آپ نے دوسری صورت کو احسن قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ بڑی بڑی شخصیات اتحاد و اتفاق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہمیں منافقت کے خلاف مسلح جہاد کرنا ہوگا۔ بغیر اسلحہ ہاتھ میں لئے ہم کوئی اصلاح نہیں کر سکتے۔ تحریک منہاج القرآن سندھ کے صدر غلام دستگیر ربانی صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں میں عمل کم ہوتا ہے اور ردعمل زیادہ' لہٰذا جتنی زیادہ خرابی آئے گی اتنے ہی مسلمان اسلام کی جانب زیادہ راغب ہوں گے اور خرابی جب اپنی انتہا کو پہنچے گی تو انقلاب آ جائے گا۔ تاہم یہ کام کسی ایک امیر کی موجودگی میں ہی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اطہر قریشی صاحب' جن کا تعلق تحریک اسلامی سے ہے' نے فرمایا کہ اتحاد جب بننے کے بعد ناکام ہوتے ہیں تو انتہائی مایوسی پھیلتی ہے' اس لئے اس کے بارے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اطہر قریشی صاحب نے فرمایا کہ نظام کی تبدیلی اور حالات کی بہتری کے لئے سوائے انتخابات کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہمارے حالات ایران سے مختلف ہیں۔ لہٰذا ہمیں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے انقلاب ایران کا حوالہ نہیں دینا چاہئے۔ مؤتمر عالم اسلامی کے افضال مبین صاحب نے مقالہ پیش کیا جس کا منہاجِ محمدی کے حوالے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ تحریک جعفریہ کے علامہ حسن ترابی نے فرمایا کہ اسلام میں پبلک لاء اور پرسنل لاء کی تقسیم نہیں ہے۔ اہل تشیع کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کی ضمانت دی جائے تو شیعہ ہر قربانی کے لئے تیار ہوں گے۔ موضوع کے حوالے سے موصوف نے کوئی گفتگو نہ کی۔ جمعیت علماء اسلام کے قاری شیر افضل صاحب نے فرمایا کہ جب ہم کتاب و سنت کی بات کرتے ہیں تو ہمیں کسی فقہ کی بات نہیں کرنا چاہئے۔ انقلاب کے لئے طاقت کے حصول کی خاطر عوام کے اندر شعور بیدار کرنا ہوگا۔ انتخابات ہمارے مسائل کا حل نہیں بلکہ نظام صرف انقلابی جدوجہد کے ذریعے ہی تبدیل ہو سکتا ہے۔ آخری مقرر تنظیم الاخوان کے امیر محمد اکرم اعوان صاحب نے فرمایا کہ اب تقریروں اور سیمینارز کی نہیں اقدام کی ضرورت ہے۔ آپ نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کو گن کر دو لاکھ آدمی دینے کے لئے تیار ہوں آپ پیش قدمی کریں۔ علماء اگر اقدام کرنے کے لئے تیار نہیں ہونگے تو قیادت جاہلوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔

کانفرنس کے اختتام پر امیر تنظیم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے فرمایا کہ انقلاب کے لئے ایسے دو لاکھ افراد درکار ہوں گے جو اپنی معاش اور معاشرت پر اسلام نافذ کر چکے ہوں۔ کچے پکے اور بے عمل مسلمانوں کی جدوجہد اور قربانی کے نتیجے میں اسلامی انقلاب تو نہیں آ سکتا' البتہ فساد یا زیادہ سے زیادہ کسی اور قسم کی تبدیلی ضرور آ سکتی ہے۔ دعائے خیر پر یہ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ آئی بی اے ہال اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ دامانی کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ محتاط اندازے کے مطابق حاضرین کی تعداد قریباً ۶۵۰ تھی۔ ۸۰ کے قریب خواتین اس کے علاوہ تھیں۔

پانچویں منہاج محمدی کانفرنس۔ بمقام قرآن آڈیٹوریم لاہور

۲۱/ مارچ (نو بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات : (۱) پروفیسر حفیظ الرحمٰن (تحریک اسلامی) (۲) سید عتیق الرحمٰن گیلانی (۳) صاحبزادہ خورشید گیلانی (۴) ضیاء اللہ بخاری (مرکزی جمعیت اہلحدیث) (۵) مولانا محمد امجد خان (۶) انجینئر سلیم اللہ خان (جمعیت علمائے پاکستان) (۷) علامہ ڈاکٹر طاہر القادری۔

تلاوت قرآن حکیم کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ابتدائی کلمات ارشاد فرمائے۔ آپ نے سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ میں وارد شدہ الفاظ ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں مبعوث رسولوں کی شریعتوں میں فرق تھا ایسے ہی ان کے طریق کار میں بھی فرق رہا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ کا منہاج اور تھا اور حضرت عیسیٰ کا اور' اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف ؑ کے منہاج میں بھی فرق رہا۔ اس حوالے سے ہمیں منہاجِ محمدیؐ کا معروضی طور پر جائزہ لے کر اسے معین کرنا چاہئے' اس لئے کہ ہمارے لئے حجت منہاجِ محمدیؐ ہی ہے اور اس لئے بھی کہ صرف حضورؐ کا برپا کردہ انقلاب ہی ہمہ گیر بھی تھا اور مکمل بھی۔ منہاجِ محمدی متعین ہو جانے کے بعد پھر اس پر غور کرنا ہو گا کہ آیا اُس وقت کے اور آج کے حالات میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کس مرحلے پر کیا تبدیلی کرنا ہو گی۔ اپنے ابتدائی خطاب میں محترم ڈاکٹر صاحب نے منہج انقلاب نبویؐ کے تمام مراحل بیان فرمائے اور دیگر مقررین کو دعوت دی کہ وہ اپنی گفتگو کو اسی موضوع پر مرکوز رکھیں۔

سب سے پہلے تحریک اسلامی کے نائب امیر جناب پروفیسر حفیظ الرحمٰن احسن نے اپنی تحریر پڑھ کر سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ آج کوئی بھی جماعت ایسی نہیں جو منہج انقلاب نبویؐ کے جملہ تقاضوں پر پورا اترتی ہو۔ ہمیں خوب سوچ سمجھ کر اپنی راہیں متعین کرنا چاہئیں اور انقلاب کے جملہ پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے محنت اور کوشش کرنی چاہئے۔ پروفیسر صاحب نے انتخابی سیاست کے حوالے سے بھی اپنے تحفظات کا اظہار فرمایا اور اس میدان کو خالی نہ چھوڑنے کا خیال ظاہر کیا۔ جناب سید عتیق الرحمٰن گیلانی نے فرمایا کہ نہی عن المنکر کے حوالے سے حضورؐ کے اتباع کی ضرورت ہے اور اس ضمن میں ہمیں کسی کمی یا کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ آپ نے منہاجِ محمدیؐ کے حوالے سے زیادہ گفتگو نہیں کی۔ ان کے بعد صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ شعورِ عصریہ ہے کہ تبدیلی مروجہ طریقے سے ہو گی یا اسی طریقے سے جو حضورؐ نے اختیار فرمایا۔ میرے خیال میں اصل منہاجِ محمدیؐ یہ ہے کہ جیسے بھی ہو سکے موجودہ ظالمانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ نیز اس نظام کا جزو بن کر ہم نظام تبدیل نہیں کر سکتے۔ جو حضرات اس نظام کا جزو بن کر نظام کی تبدیلی کا خواب دیکھتے ہیں ان کی سادہ لوحی پر

سوائے حسرت کے اظہار کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث لکھوی گروپ کے ناظم اعلیٰ سید ضیاء اللہ بخاری نے اپنی جماعت کی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا' تاہم انہوں نے منہاجِ محمدی پر گفتگو نہیں فرمائی۔ اسی طرح مولانا امجد خان صاحب نے بھی موضوع پر نہ کی۔ انجینئر سلیم اللہ خان نے فرمایا کہ کسی نئے اتحاد کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ جو مختلف دینی جماعتیں تحریک تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر اکٹھی ہیں اسلام کے نفاذ کے لئے اسی پلیٹ فارم کو استعمال کرنا چاہئے۔ اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اب ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ نواز شریف حکومت منافق ہے' اب اس حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے کی ضرورت ہے۔ آخر میں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ منہاجِ محمدی کے تعین کے لئے اس قسم کا اجتماع ہرگز مناسب نہیں۔ آپ نے کہا کہ میں اس موضوع پر پوری طرح تیار ہو کر آیا ہوں' میرے پاس مفصل نوٹس موجود ہیں لیکن یہ فورم اس قسم کی گفتگو کے لئے موزوں نہیں۔ تاہم انہوں نے مختصراً منہاجِ محمدی بیان کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسلامی نظام کا نفاذ بغیر اقتدار کے ممکن نہیں اور منہاجِ محمدی بھی یہی ہے کہ پہلے اقتدار حاصل کیا جائے۔

کانفرنس کے آخر میں میزبان کانفرنس امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے فرمایا کہ اگرچہ اکثر مقررین حضرات نے منہاجِ محمدی کو واضح طور پر بیان نہیں کیا تاہم ان کانفرنسوں کے نتیجے میں انہیں (جماعتوں اور تنظیموں کو) اپنے طریق کار کو منہاجِ محمدیؐ سے مستنبط ثابت کرنا پڑے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ان کانفرنسوں کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دعائے خیر پر یہ پانچویں منہاجِ محمدیؐ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

بقیہ : ایمان و استقامت

پاتی۔ قسم ہے اللہ کی یہ دین (اسلام) کامل ہو گا اور اس درجہ ترقی کرے گا کہ ایک سوار صنعاء (واقع یمن) سے حضرموت تک تنہا سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے گا اور (بکریوں والا) سوائے بھیڑیئے کے اپنی بکریوں کے متعلق کسی سے خوفزدہ نہ ہو گا۔ لیکن تم جلدی کرتے ہو (یعنی ابھی تمہیں مزید صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہئے)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۵
محرم الحرام	۱۴۲۰ھ
مئی	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زر تعاون	۱۰۰/-

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 - فون: 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ۔ پیش رفت

قارئین واحباب اس امر سے آگاہ ہیں کہ متحدہ اسلامی محاذ ـــــ جس کا نام بعد میں بدل کر متحدہ اسلامی انقلابی محاذ رکھ دیا گیا تھا ـــــ کی تجویز امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے ماہِ رمضان کے اواخر میں سامنے آئی تھی۔ اس تجویز کو ایک اخباری اشتہار کی صورت میں بڑے پیمانے پر ملک میں عام کیا گیا جس کا حاصل یہ تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ دینی جماعتیں اپنے اپنے طریق ہائے کار پر نظرثانی کریں اور کشاکش اقتدار سے بالکل علیحدہ رہ کر قرآنی تعلیمات کے مطابق دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور محمدیؐ منہاج کو اختیار کرتے ہوئے پریشر گروپ کی صورت میں متحد ہو کر نفاذ اسلام کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ عیدالفطر کے فوراً بعد اس تجویز کو آگے بڑھانے کی خاطر امیر تنظیم نے دینی جماعتوں کے سربراہان اور رجال دین سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ پاکستان کی قریباً سبھی دینی جماعتوں کے اکابرین سے ملاقات کر کے امیر تنظیم نے متحدہ اسلامی محاذ کی تجویز پر تبادلہ خیال کیا۔ چنانچہ زعمائے ملت میں جماعت اسلامی پاکستان کے امیر قاضی حسین احمد' تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان' تحریک منہاج القرآن کے سربراہ علامہ طاہر القادری' جے یو پی کے رہنما مولانا شاہ احمد نورانی' تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل' جے یو آئی کے رہنما مولانا محمد خان شیرانی اور مولانا اجمل خان کے علاوہ اہلحدیث مکتب فکر کے بعض رہنماؤں سے بھی امیر محترم کی اس ضمن میں براہ راست ملاقات ہوئی اور مجوزہ محاذ کے قیام کے امکانات پر تبادلہ خیال کا موقع ملا۔

بعد ازاں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی اس تجویز کو وسیع تر حلقے میں پھیلانے' عوام و خواص میں 'منہاج محمدیؐ' کا شعور اجاگر کرنے اور مختلف دینی جماعتوں کو فکری اعتبار سے قریب تر لانے کی غرض سے "منہاج محمدی کانفرنسوں" کے انعقاد کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ پاکستان کے پانچ بڑے شہروں میں ان کانفرنسوں کا انعقاد طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوا۔ راولپنڈی' پشاور' فیصل آباد' کراچی اور لاہور' پانچوں مقامات پر یہ کانفرنس بہت سے اعتبارات سے نہایت کامیاب رہیں۔ ان کانفرنسوں کی اجمالی رپورٹیں "ندائے خلافت" میں شائع کی جاتی رہی ہیں۔

اس تجویز کی کلی یا جزوی تائید کا اظہار قریباً تمام اکابرین کی جانب سے ہوا لیکن اتحاد کے قیام کی جانب سے عملی پیش رفت کے ضمن میں واضح تائید و تعاون کا معاملہ تا حال تین جماعتوں کی

جانب سے سامنے آیا ہے۔ یعنی تحریک اسلامی، تنظیم الاخوان اور جمعیت اہلحدیث لکھوی گروپ ـــــ ان میں سے اول الذکر یعنی تحریک اسلامی کا مجوزہ محاذ کے قیام کے لئے تنظیم اسلامی کے ساتھ ایک ۱۷ نکاتی لائحہ عمل پر اتفاق رائے ہو گیا ہے جسے اس محاذ کی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ تحریک الاخوان نے بھی بحمد اللہ ان نکات سے مجموعی اتفاق رائے کا اظہار کرتے ہوئے محاذ میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انکی مرکزی قیادت نے بعض نکات میں جزوی تبدیلی کا مشورہ دیا ہے جس پر گفتگو کے بعد ان شاء اللہ بہت جلد اس محاذ کے باضابطہ قیام کا اعلان کر دیا جائے گا۔

تحریک اسلامی اور تنظیم اسلامی کی چوٹی کی قیادتوں نے جس ۱۷ نکاتی دستاویز پر اظہار اتفاق کیا ہے اس کا متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اقامت دین کی جدوجہد کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ دینی عناصر تعاونوا علی البر والتقوی کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مددگار بنیں۔ ملک میں اس سمت میں پیش رفت کی خاطر ایک ایسا نظام ممد ثابت ہو سکتا ہے، جس میں مختلف دینی تنظیمیں شریک ہوں۔ اس نظام کا نام "**متحدہ اسلامی محاذ**" تجویز کیا گیا ہے۔ مذکورہ محاذ کی تشکیل کے لئے حسب ذیل بنیادی نکات تجویز کئے گئے ہیں :

۱) اقتدار کی کشاکش سے کنارہ کش رہتے ہوئے کسی شخص یا جماعت کو "ہٹاؤ" نہیں بلکہ "اسلام لاؤ" کی تحریک چلائی جائے۔

۲) اس مقصد کے لئے خالص قرآنی لائحہ عمل یعنی "دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" (آل عمران: ۱۰۴) سے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔

۳) معتد بہ قوت حاصل ہونے پر بموجب فرمان نبوی "نہی عن المنکر بالید" کے ضمن میں مناسب اقدامات کا فیصلہ کیا جائے، تاکہ سلطنت خداداد پاکستان میں دین حق کا نظام عدل اجتماعی قائم اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے یا اللہ ہمیں شہادت کی موت عطا فرما دے۔

۴) اس محاذ میں سیکولر نظریات یا مزاج کی حامل کوئی سیاسی جماعت شامل نہیں ہو سکے گی۔

۵) خالص دینی و مذہبی جماعتیں خواہ کسی بھی مسلک کی حامل ہوں، اس میں شامل ہو سکیں گی۔

۶) محاذ اصلاً جماعتوں پر مشتمل ہو گا۔ البتہ اہم افراد معاونین کی حیثیت سے شامل ہو سکیں گے، جو مشورے تو دے سکیں گے لیکن فیصلوں میں شریک نہیں ہوں گے۔

۷) اس میں صرف وہ دینی جماعتیں شامل ہو سکیں گی' جن کی تنظیم پورے ملک میں معروف ہو۔

۸) محاذ میں کسی نئی جماعت کی شمولیت پہلے سے شامل جماعتوں کے اتفاق رائے سے ہو گی۔

۹) جماعتوں کو مجلس عاملہ میں مساوی نمائندگی دی جائے گی اور اس کے فیصلے صرف اتفاق رائے سے ہوں گے۔ گویا ہر جماعت کو ویٹو کا حق حاصل ہو گا۔ تاہم کوشش کی جائے گی کہ اس کی نوبت نہ آنے پائے۔

۱۰) معمول کے اخراجات کے لئے ہر جماعت دو ہزار روپے ماہانہ زرتعاون پیش کرے گی' جس کا اکاؤنٹ صدر' ناظم بیت المال اور معتمد کی مشترکہ تحویل میں ہو گا۔ ان میں سے کسی دو حضرات کے دستخطوں سے رقوم نکالی جا سکیں گی۔

۱۱) محاذ میں شامل کوئی تنظیم کسی دوسری رکن تنظیم پر تنقید کے لئے ذرائع ابلاغ یا پبلک پلیٹ فارم کو ذریعہ نہیں بنائے گی۔

۱۲) محاذ کی تنظیمیں اپنے اپنے طریق کار کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہوں گی' لیکن محاذ کے طے شدہ امور میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گی' جس کا طریق کار خود محاذ طے کرے گا۔

۱۳) محاذ کے کسی فیصلے سے پہلے کوئی شریک تنظیم محاذ کے حوالے سے کوئی بیان نہیں دے گی۔

۱۴) محاذ کی مقرر کردہ کمیٹی محاذ کا تحریری دستور اور منصوبہ بنائے گی' جس کی منظوری محاذ دے گا اور جس کے مطابق محاذ کے نام سے مشترک کوششیں کی جائیں گی۔

۱۵) ہر اہم موقع پر کوئی بھی شریک تنظیم محاذ کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلانے کی فرمائش کر سکے گی' جس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے اندر مجلس عاملہ کا اجلاس بلانا محاذ کے معتمد کی ذمہ داری ہو گی۔

۱۶) محاذ کے ذمہ داران کا انتخاب سالانہ ہوا کرے گا۔

۱۷) یہ کوشش مسلسل کی جائے گی کہ محاذ کی کارکردگی فکری ہم آہنگی کی آئینہ دار ہو اور وہ ہر طرح کی اندرونی کشمکش سے محفوظ رہے۔

الحمد للہ تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی میں ان نکات پر کامل اتفاق پایا جاتا ہے لیکن مطلوبہ محاذ کو وجود میں لانے کے لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ یہ تجویز دوسری دینی تنظیموں کو بھی بھیجی جائے اور ان کے اظہار تعاون کی بنیاد پر ایک سربراہی اجلاس بلا کر گفتگو کی جائے تاکہ مذکورہ محاذ کی تشکیل کی جا سکے"۔

علماء کمیٹی سے امیر تنظیم اسلامی کا استعفاء

میثاق کے گزشتہ شمارے کے انہی صفحات میں قارئین کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ فرقہ واریت میں شدت پسندی اور بڑھتی ہوئی دہشت گردی کے خاتمے کی خاطر مناسب قوانین کا مسودہ تیار کرنے کی غرض سے حکومت نے جو علماء کمیٹی تشکیل دی تھی اس کی سربراہی کا بوجھ امیر تنظیم اسلامی کے کاندھوں پر ڈالا تھا۔ اس کمیٹی کے قیام کے پس منظر اور اس میں سربراہی کا منصب قبول کرنے کی وجوہات کا تفصیلی ذکر گزشتہ "میثاق" میں کیا جا چکا ہے ـــــ تاہم یہ بیل ابھی پورے طور پر منڈھے چڑھنے نہ پائی تھی کہ کمیٹی کے بعض ارکان کے نامناسب بیانات اور قومی پریس میں ۱۸ سال قبل کے ماہ محرم میں بیٹے کی شادی کے واقعے کے غیر ضروری طور پر اچھل جانے سے فضا کے عمومی مکدر ہو جانے کے باعث اصلاح احوال کی غرض سے امیر تنظیم اسلامی نے اس کمیٹی کی چیئرمین شپ اور رکنیت سے مستعفی ہونے کو مناسب خیال فرمایا اور ۱۳/اپریل کو وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب کے نام ذاتی خط میں انہیں اپنے اس فیصلہ سے مطلع فرما دیا۔ اس خط کے بعض مندرجات قومی اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ذیل میں اس خط کا مکمل متن ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی جناب وزیر اعظم پاکستان، اسلام آباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے بعض انتہاپسند اہل سنت و اہل تشیع کے باہمی تصادم سے پیدا شدہ تکلیف دہ صورتحال کی اصلاح کے لئے سفارشات پیش کرنے کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی تھی، اس کے چیئرمین کی حیثیت سے مجھے نامزد کر کے مجھ پر جس اعتماد کا اظہار کیا تھا اس کے لئے تہہ دل سے ممنون ہوں۔

میرا ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ میں اس منصب کا اہل ہوں، تاہم میں نے اس ذمہ داری کو اس لئے قبول کر لیا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور شریعت اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں شیعہ سنی مفاہمت کی جو کوشش میں گزشتہ چار پانچ سال سے کر رہا ہوں، شاید کہ اس کمیٹی کے ذریعہ اس مقصد کو بھی تقویت حاصل ہو۔ بہرحال حسب فیصلہ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس ۷، ۸/اپریل کو لاہور میں منعقد ہوا۔ جس کی کارروائی مجموعی طور پر خوشگوار ماحول میں اس طرح بحسن و خوبی انجام کو پہنچی کہ دو قوانین کے مسودے تیار کر لئے گئے جن میں سے ایک پر تو تقریباً سب اراکین کمیٹی کا اتفاق تھا، لیکن دوسرے کے

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

قرآن حکیم کا پیغام

مدنی سورتوں کے مضامین کی روشنی میں

قرآن اکیڈمی لاہور میں رمضان المبارک کی ۲۵ ویں شب
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا :

خلاصہ مباحثِ قرآن کی ان نشستوں میں ہم قرآن مجید کے تقریباً اٹھائیس پاروں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان میں سے آخری تہائی حصے کا ہم نے لفظاً لفظاً مطالعہ کیا ہے ' جبکہ اس سے پہلے ہم درمیان میں کچھ چھوڑتے بھی رہے ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ہم ذرا ایک "نگاہِ بازگشت" کے طور پر جائزہ لے لیں کہ ہمارے سامنے قرآن حکیم کے وہ کون سے مباحث آئے ہیں جو عملی اعتبار سے اہم ہیں۔

"ثُلثِ اوّل" کی مدنی سورتوں کے مباحث

اِس وقت میں قرآن مجید کی مکی سورتوں ' جو کہ دو تہائی کے لگ بھگ ہیں ' کے ضمن میں کچھ عرض نہیں کروں گا ' ان پر ان شاء اللہ ایک الگ نشست میں گفتگو ہو گی۔ لیکن طویل مدنی سورتوں کا سلسلہ جو قرآن حکیم کے ثُلثِ اول یعنی پہلے دس پاروں میں آیا ہے (جن میں سورۃ البقرہ ' آل عمران ' النساء ' المائدہ ' الانفال اور التوبہ شامل ہیں) اس میں عملی اعتبار سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ایک تو عبادات یعنی نماز ' روزہ ' حج ' زکوٰۃ کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر یہ کہ اس نے حلال اور حرام کے احکام دیئے ہیں اور ان کی پابندی کا ہم سے تقاضا کیا ہے کہ حلال پر اکتفا کریں اور حرام سے اجتناب کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ ' قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں دو رکوع سے زائد انفاق فی سبیل اللہ پر ہیں ' سورۂ آل عمران کی ساٹھ آیات غزوۂ اُحد پر ہیں ' پوری سورۃ الانفال غزوۂ بدر پر ہے ' جبکہ سورۃ التوبہ غزوۂ تبوک کے بارے میں ہے۔

ان مباحث کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر تو ان تینوں یعنی جہاد' قتال اور انفاق فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا جائے گا تو فوز و فلاح' رشد و نجات اور کامیابی ہے ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴾ ۔ لیکن اگر ہم یہ نہیں کرتے' اس سے اعراض اور پہلو تہی کرتے ہیں اور بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ اصل میں مرضِ نفاق کا نقطۂ آغاز ہے۔ منافقین کو عبادات کی ادائیگی پر کوئی اعتراض نہیں تھا' حلال و حرام کے احکام پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان کو سارا اعتراض جہاد و قتال' ہجرت اور انفاق پر تھا۔ ان کی پسپائی وہاں سے ہوتی تھی۔ یہ نفاق وہ روگ ہے جس کے نفسیاتی مراحل ہم نے سورۃ الحدید میں بایں الفاظ دیکھے ہیں :

﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ... ﴾ (آیت ۱۴)

"مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا' موقع پرستی کی' شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا..."

پھر سورۃ المنافقون میں نفاق کے درجات بیان ہوئے کہ پہلے جھوٹ' پھر جھوٹی قسمیں' پھر عداوت کہ مؤمنین صالحین سے دل کے اندر ایک دشمنی پیدا ہو جائے۔ اور نفاق کا اخروی انجام اور اس کی آخری منزل ہم سورۃ النساء میں پڑھ چکے ہیں کہ :

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ (آیت ۱۴۵)

"یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔"

سورۃ المنافقون میں ہم نے پڑھا :

﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ﴾ (آیت ۶)

"(اے نبیؐ!) آپ چاہے ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں' ان کے لئے یکساں ہے' اللہ ہرگز انہیں معاف نہ کرے گا۔"

اور سورۃ التوبہ میں ہم پڑھ چکے ہیں :

﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ﴾ (آیت ۸۰)

"(اے نبیؐ!) آپ چاہے ان کے لئے معافی کی درخواست کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کرنے کی درخواست کریں گے تو بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا"۔

یہ ہے خلاصہ ان مباحث کا کہ جہاد فی سبیل اللہ' قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت پر آپ لبیک کہیں اور دامے' درمے' سخنے آگے بڑھیں' جان اور مال خرچ کریں تو آپ کے لئے کامیابی اور نجات ہے اور آپ نعمتوں بھری جنت کے مستحق ٹھہریں گے۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر آپ جو راستہ اختیار کر رہے ہیں وہ نفاق کا راستہ ہے' اس مرض کے درجات اور مراحل سے آپ کو متنبہ کر دیا گیا ہے اور اس کے آخری انجام سے بھی خبردار کر دیا گیا ہے کہ ﴿فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ ہو گا۔

ان طویل مدنی سورتوں کے مضامین میں چار چیزیں بڑے اہتمام کے ساتھ آئی ہیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا کہ اللہ ﴿قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ ہے' عدل و انصاف کو قائم کرنا اسے محبوب اور مطلوب ہے۔ وہ اگر چاہے تو اسے آنِ واحد میں خود قائم کر دے' لیکن اس نے اپنے اہل ایمان بندوں کی آزمائش کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے کھڑے ہوں' اپنی جانیں اور اپنا مال لگائیں' جدوجہد کریں اور دنیا میں عدل و قسط کے نظام کو قائم کریں۔ چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا :

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾

(آیت ۱۳۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کی خاطر گواہی دینے والے بنو!"

جبکہ سورۃ المائدہ میں فرمایا :

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾

(آیت ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو!"

سورۃ البقرہ اور آل عمران میں یہ بات دو مرتبہ بتائی گئی کہ اس نظامِ عدل و قسط کے قائم کرنے کی جدوجہد اور جہاد کرتے ہوئے اگر تم اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دو گے تو یہ

موت نہیں' یہ تو حیاتِ جاوداں ہے۔ چنانچہ فرمایا :

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو' ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں' مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔"

اور فرمایا :

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۶۹)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو' بلکہ حقیقت میں وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔"

سورۃ التوبہ میں فرمایا کہ اگر تم واقعتاً مؤمن ہو تو تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اللہ تعالیٰ جنت کے عوض خرید چکا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۗ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (آیت ۱۱۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

پھر سورۃ التوبہ ہی میں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

﴿ وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ ﴾

(التوبۃ ۲۴)

"(اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے : اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں' تمہارے رشتہ دار اور تمہارے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں بہت پسند ہیں' تم کو اللہ' اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو جاؤ انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ ایسے فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا"۔

سورۃ التوبہ ہی میں نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت کا اعلان کرنے والی آیت بھی موجود ہے کہ جان لو کہ ہم نے اپنے رسولؐ کو کس مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا :

﴿ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں۔"

یہ کشاکش جاری ہے اور جاری رہے گی' یہ یہودی اس پر تلے ہوئے ہیں اور ہمیشہ تلے رہیں گے کہ اللہ کے نور کو اپنی منہ کی پھونکوں سے بجھادیں۔ لیکن :

﴿ وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (آیت ۳۲)

"اللہ کو ہرگز منظور نہیں ہے مگر یہ کہ اپنے نور کا اتمام فرمائے' اگرچہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

پھر فرمایا :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ ﴾ (آیت ۳۳)

"وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق

(اسلام) کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے ' خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے!"

یہ دونوں آیتیں (پہلی آیت میں معمولی لفظی ترمیم کے ساتھ) سورۃ الصف میں بھی اسی طرح جڑی ہوئی آئی ہیں۔

اس جہاد و قتال کا مقصد ایک اور اعتبار سے سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال میں بایں الفاظ بیان فرمایا : ﴿ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ﴾ (البقرہ : ۱۹۳) "دین اللہ کے لئے ہو جائے" اور ﴿ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ﴾ (الانفال : ۳۹) "دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔" یہ نہ ہو کہ زندگی کے ایک حصے میں تو اللہ کی اطاعت ہو رہی ہو' جبکہ کسی دوسرے حصے میں اس کی اطاعت نہ ہو بلکہ اس کی اطاعت سے آزاد ہو کر کسی اور کی اطاعت کی جا رہی ہو۔ یہ تو دین کا تفرقہ ہو گیا' دین کے ٹکڑے کر دیئے گئے' دین کے حصے بخرے کر دیئے گئے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ ﴾ (الانعام : ۱۶۰)

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے آپ ؐ کا کچھ واسطہ نہیں۔"

چنانچہ قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ یہ گویا قتال فی سبیل اللہ کی آخری منزل ہے۔

قرآن حکیم کے ثلث اوّل یعنی پہلے دس پاروں کی مدنی سورتوں میں جہاں عبادات و احکام آئے ہیں اور جہاں ہمیں علم و حکمت اور معرفت کے بہت سے نایاب موتی ملے ہیں وہاں عملی پہلو سے یہ چیزیں سامنے آئی ہیں' جن کا ہم نے اجمالی جائزہ لے لیا۔

"ثلثِ آخر" کی مدنی سورتوں کے مباحث

اب ذرا ہم قرآن حکیم کے ثلث آخر کا جائزہ لیتے ہیں' جس کا اکثر حصہ ہم نے لفظ لفظ پڑھا ہے۔ اس حوالہ سے پانچ نکات ذہن میں پھر سے تازہ کر لیں۔

(۱) عبادتِ رب : سورۃ الذاریات میں ہم نے پڑھا کہ انسان کا مقصدِ تخلیق عبادتِ

رب ہے : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (آیت ۵۶) "میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔" ؏

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

(۲) اطاعت میں اخلاص : یہ عبادت اور بندگی محض مراسمِ عبودیت بجالانے تک محدود نہ ہو۔ بلکہ سورۃ الزمر میں فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس کے لئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے ہونی چاہئے : ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ (آیت ۲) یہ نہ ہو کہ پرستش اس کی ہو رہی ہے نماز اس کی پڑھ رہے ہیں' لیکن اطاعت منقسم ہے کہ کچھ اُس کی' کچھ کسی اور کی۔

(۳) دُعا میں اخلاص : اسی عبادت کا ایک باطنی عنصر(esoteric element)دعا ہے۔ اس دُعا کے بارے میں فرمایا : ﴿ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (المومن : ۶۵) "پس اللہ تعالیٰ کو پکارو اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔" مزید فرمایا : ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (المومن : ۶۰) "تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری دعا سنوں گا....." بشرطیکہ وہ دعا اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے کی گئی ہو۔ ورنہ ﴿ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ کے مصداق اس کی دعا بھٹک کر رہ جائے گی۔

جب ایک شخص نے اپنی زندگی میں اطاعت کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت پر کاربند ہونے کا عزم کرلیا اور اس کی دعا بھی اللہ کے لئے خالص ہو گئی تو اب اس کے دو امکانات ہیں۔ اگر کوئی شخص خلافت راشدہ کے دور میں پیدا ہو گیا ہو جبکہ اسلام کا نظام پوری طرح قائم تھا' اللہ کا دین قائم تھا' اسلام کے سارے احکام نافذ تھے تو اب اس کے ذمے صرف انفرادی نوعیت کے فرائض رہ گئے' وہ انہیں ادا کرلے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ غلبۂ طاغوت میں زندگی گزار رہا ہو' دینِ حق غالب نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ یہی کر سکتا ہے کہ جہاں جہاں اس کے لئے ممکن ہو وہاں وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ لیکن جہاں وہ نظام میں جکڑا ہوا ہے وہاں وہ اکیلا کیا کرے گا؟ اکیلا چنا بھاڑ تو پھوڑ

نہیں سکتا۔ خاص طور پر آج کی دنیا میں تو وہ نظام عالمگیر حیثیت اختیار کر گیا ہے 'کہیں بھاگ کر جانے کو جگہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ دین کے جتنے حصے پر انسان عمل کر سکتا ہے اس پر تو وہ لازماً عمل کرے' چاہے تکلیف آئے 'اسے دقیانوسی کہا جائے' اس پر فقرے چست کئے جائیں' اس کا سماجی بائیکاٹ ہو اور لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ مثلاً اپنے گھر میں شرعی پردہ پر اسے اختیار ہے 'لہٰذا اسے گھر میں نافذ کرے چاہے سوشل بائیکاٹ ہو جائے۔ سود کے براہ راست لین دین کا کوئی معاملہ نہ کرے چاہے اسے اپنے کاروبار کی بساط لپیٹنی پڑے۔ بڑا کاروبار کرنا فرض نہیں ہے' حلال کھانا فرض ہے۔ دین کے جس حصے پر عمل ہو سکتا ہو اس کو لازماً کرے' اگر اس پر وہ عمل نہیں کرتا تو وہ خود چور ہے' دوسروں سے وہ کیا شکوہ و شکایت کرے گا؟ لہٰذا اس کا الزام وہ دوسروں کو نہیں دے سکتا۔ اب دین کے وہ گوشے جن پر عمل کرنا اس کے اختیار میں نہیں (مثلاً حدود و تعزیرات کا نفاذ) لہٰذا وہ ان پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس کی اطاعت ﴿ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ تو نہیں ہے' اس کی اطاعت تو بڑی محدود اطاعت ہے جس کے ساتھ وہ اللہ کی بندگی کر رہا ہے۔ اس طرح وہ جس گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس باطل نظام کو ذہناً تسلیم نہ کرے' بلکہ اس میں ایک باغی کی حیثیت سے رہے۔ under protest رہے۔ ذہناً تسلیم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وفاداری کا دم نہ بھرے اور اس میں خود اپنے آپ کو promote کرنے اور مفادات حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس نظام کے تحت زندگی بسر کرتے ہوئے نہ تو جائیدادیں بنانے میں مشغول ہو اور نہ ہی اپنے کاروبار کو جمانے اور پھیلانے کی تگ و دو کرے۔ بلکہ اپنی صلاحیتوں کا ایک حصہ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے رکھ کر باقی اپنی پوری صلاحیتیں' اوقات اور قوتیں اقامت دین کی جدوجہد کے لئے صرف کر دے تاکہ اس نظام کو تبدیل کر کے یہاں نظامِ حق قائم کیا جائے۔ نظامِ باطل کے اندر سانس لینے کا یہی کفارہ ہے' اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

(۴) دعوت الی اللہ : نظام کی تبدیلی کے لئے جدوجہد کا پہلا مرحلہ "دعوت" کا ہو گا۔ جب تک کچھ ہم خیال ساتھی' کچھ اعوان و انصار مل کر ایک جمعیت فراہم نہ کریں اور کوئی طاقت فراہم نہ ہو تو نظام کیسے بدلے؟ لہٰذا اس کے لئے دعوت ضروری ہے۔ سورۂ حٰم السجدہ کی مرکزی آیت اسی حقیقت کو بیان کر رہی ہے :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾
(حٰمٓ السجدۃ : ۳۳)

"اور اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔"

اور اس دعوت کا آلہ و ذریعہ اور میڈیم قرآن ہو۔ سورۂ حم السجدہ کے چھ رکوعوں میں چھ انداز سے قرآن کا تذکرہ ہے۔ یہ گویا اس سلسلے کی چوتھی سورۃ ہے۔

⑤ <u>فریضہ اقامتِ دین</u> : سورۃ الشوریٰ میں اقامت دین کا مطالبہ ہے ﴿ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ ﴾ یعنی جب وہ طاقت فراہم ہو جائے تو پھر باطل نظام سے ٹکر مول لو اور پھر اس ٹکر کے نتیجے میں اگر اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا کر دے تو نظام اسلام کو قائم کر دو۔ چنانچہ سورۃ الشوریٰ میں ﴿ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ ﴾ کے حکم کے ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾ "اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں"۔ یہ "سلسلہ حوامیم" کی سورتوں کے مباحث کا ایک اجمالی جائزہ ہو گیا۔

اس کے بعد سورۃ الحدید سے اب تک پڑھی جانے والی سورتوں کے خلاصے کو ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ سورۃ الحدید کی سب سے نمایاں آیت' جس کے بارے میں مَیں کہا کرتا ہوں کہ دنیا بھر کے انقلابی لٹریچر میں اس سے زیادہ کھلی اور عریاں انقلابی عبارت اور کوئی نہیں ہو سکتی' آیت نمبر ۲۵ ہے' جس میں واضح طور پر طاقت کے استعمال کی دعوت دی جا رہی ہے :

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ ﴾

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (شریعت) نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اللہ واضح کر دے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بینات اور کتاب دے کر بھیجا اور اس کے ساتھ میزان (شریعت) بھی اتاری تاکہ اُسے نصب کیا جائے اور جس کسی سے کچھ لیا جائے یا کسی کو کچھ دیا جائے تو اس میزان میں تول کر۔ یہ (معاذاللہ) اللہ کی کوئی Exercise in Futility نہیں ہے' بلکہ اس سے عدل و قسط کا نظامِ قائم کرنا مقصود ہے۔ اب جو لوگ ضرورت سے زائد لے رہے ہیں' اپنے حق سے زیادہ لے رہے ہیں' دوسروں کا استحصال کر رہے ہیں' جن کے پاس معاشرے میں بہت سی سہولیات ہیں' جن کے پاس ملک کے مفادات ہیں وہ تو ظاہر بات ہے کہ اس کو برداشت نہیں کریں گے کہ وہ نظام عدل قائم ہو جائے۔ لہٰذا تصادم ہو گا اور اس تصادم کی آخری منزل لوہے کا استعمال ہے ـــــ جس کے لئے فرمایا ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ﴾ کہ ہم نے (ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لئے) لوہا اتارا۔"

اس سے پہلے دعوت دینا ہو گی' لوگوں کو بلانا ہو گا' ان کی تربیت کرنا ہو گی' ان کا تزکیہ کرنا ہو گا' انہیں منظم کرنا ہو گا اور تن من' دھن لگانے کے لئے تیار کرنا ہو گا' سمع و طاعت کا عادی بنانا ہو گا۔ انسان کا انسان کے حکم کو ماننا آسان نہیں ہوتا۔ ہاں جہاں مفاد ہو وہاں وہ مانتا ہے' دفتر میں اپنے افسر کی بات کو ماننا پڑتا ہے' جھڑکیاں کھانی پڑتی ہیں کیونکہ معلوم ہے کہ اس نے اگر فائل خراب کر دی تو ترقی رک جائے گی۔ یہ سب کچھ ہم اپنے مفادات کے تحت برداشت کرتے ہیں لیکن اللہ کے دین کے لئے یہ سب کچھ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ کوئی فوری منفعت نہیں۔ چنانچہ سمع و طاعت کا خوگر بننا ہو گا' اس کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی!

اس کے بعد وہ جمعیت فراہم ہو گی جو اس نظامِ عدل و قسط کے لئے انفاقِ مال اور بذلِ نفس کے لئے تیار ہو گی۔ فرمایا : ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ "اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کون سے بندے ہیں جو اُس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں غیب میں ہونے کے باوجود"۔ اللہ چاہے تو آنِ واحد میں اپنا دین قائم کر دے' لیکن اس کا یہ طریقہ نہیں۔ وہ تو بندوں کی وفاداریوں کا امتحان لیتا ہے' اسی سے پتا چلتا ہے کہ کون کتنے

بانی میں ہے۔ کس کے اندر کتنا یقین ہے' کون واقعتاً کتنا آخرت کا طلب گار ہے' کون اس کے لئے بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان کا تصادم : سورۃ الحدید کے بعد ہم نے دیکھا کہ سورۃ المجادلہ کا مرکزی مضمون ہی حزب اللہ اور حزب الشیطان کا تصادم ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں حزب اللہ اور حزب الشیطان کا نقشہ کھینچنے کے بعد فرمایا گیا : ﴿اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○﴾ کہ آخری کامیابی اور غلبہ بہرحال حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہی کو حاصل ہو گا۔

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت : سورۃ الصف میں واضح کر دیا گیا کہ ہمارا یہ نبی عام نبی نہیں ہے' یہ صرف داعی بن کر نہیں آیا' بلکہ عدل قائم کرنے آیا ہے۔ یہ صرف مربیّ' مزکّی اور معلّم بن کر نہیں آیا' یہ دین کو غالب کرنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ دوسرے انبیاء کو جو تین چیزیں دے کر بھیجا گیا تھا (بینات' کتاب اور میزان' وہ اس کے بارے میں دو ہو گئی ہیں (الہدیٰ اور دین الحق) اس لئے کہ اس کا معجزہ بھی قرآن ہے اور اس کی کتاب بھی قرآن (الہدیٰ)۔ اور شریعت اب مکمل ہو کر دین حق کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ چونکہ اللہ نے اس دینِ حق کو غالب کر کے رہنا ہے' ان ساری سازشوں کے علی الرغم جو یہودی کریں گے' لہٰذا نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت والی آیت سے فوراً پہلے یہ آیت آئی :
﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اس ضمن میں میری کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل" کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اب کیا معاملہ ہونے والا ہے اور آنے والی جنگ کا درحقیقت کیا نقشہ جم رہا ہے۔ سابقہ امت (یہود) اور موجودہ اُمت (مسلمانوں) کا جو آخری تصادم ہوتا ہے' جسے "Armegadon" سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور جس کے لئے حدیث میں "المَلحمة العُظمٰی" کی اصطلاح آئی ہے اس کے لئے سٹیج تیار ہو رہا ہے۔ یہودی قوم دو ہزار برس تک منتشر رہی ہے' جو کہ اپنے گھر سے ۷۰ عیسوی میں نکال دی گئی تھی۔ دو ہزار برس کے بعد اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ ہیکل سلمانی نمبر۲ جو تقریباً ساڑھے چار سو قبل مسیح میں حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں تعمیر کیا گیا اس کو ۷۰ عیسوی میں گرا دیا گیا' جو کہ ابھی تک گرا پڑا ہے۔ اب وہ بہت جلد اس کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس کی تعمیر کے لئے

مسجد اقصیٰ کو گرانا ضروری ہے۔ اُس وقت جو طوفان اٹھے گا اس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ سب کچھ ہونے والا ہے' لیکن ظاہر بات ہے کہ پھر بالآخر اللہ کا دین غالب ہو گا۔ اس سے پہلے مسلمانوں پر سختیاں آئیں گی۔ عالم عرب پر تو بالخصوص بہت برے دن آنے ہیں' اس میں کوئی شک نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے : ((وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ)) "عرب کے لئے تباہی ہے اس شر کے نتیجے میں جو قریب آ پہنچا ہے"۔ عرب کے بعد دوسرے نمبر پر جو سختی آنی ہے وہ ممکن ہے کہ مسلمانانِ پاکستان پر آئے۔ اس لئے کہ قیامِ پاکستان کو قمری اعتبار سے ۵۳ برس ہو چکے ہیں اور ہم ابھی تک گم کردہ راہ ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

<u>مقصدِ بعثت کی تکمیل میں اُمّت کا کردار</u> : بہرحال نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت غلبۂ دین ہے۔ اس کے لئے اہل ایمان کو جان' مال اور وقت لگانا ہے۔ اسی صورت میں انہیں عذاب سے چھٹکارہ ملے گا۔ سورۃ الصف کی یہ آیات دوبارہ پڑھ لیجئے :

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ (الصف ۱۱'۱۲)

"اے ایمان والو! میں بتاؤں تمہیں وہ تجارت جو تمہیں عذابِ الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔"

اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ ایمان اور جہاد پر کاربند ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ تم پر پانچ انعامات فرمائے گا : (۱) تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (۲) تمہیں جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا۔ (۳) جنت میں ابدی قیام کے لئے تمہیں بہترین گھر دیئے جائیں گے۔ (۴) تمہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح نصیب ہو گی' لیکن آزمائشوں کے بعد۔ (۵) تمہارا اتنا اونچا روحانی مقام ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا مددگار قرار دے گا۔ لیکن اگر یہ نہیں کرتے ہو تو عذابِ الیم سے چھٹکارا پانا بھی ایک موہوم خیال اور وہم ہے۔ گویا کہ تم سابقہ امت کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ یہ تمہارے قول و عمل کا تضاد ہے جو اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا ہے اور یہ کہ تم بھی جمادات و نباتات کی صف میں آ کر

صرف زبانی کلامی اس کی تسبیح کرنے والے ہو' جبکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے ان بندوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صفیں باندھ کر جنگ کرتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا اساسی منہاج : سورۃ الجمعہ میں اس مضمون کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے کہ دین کے غلبے کے لئے نبی اکرم ﷺ کا بنیادی طریق کار اور اساسی منہاج کیا ہے؟ ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ لوگوں کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھنا' ان کو پاک کرنا اور ان کو کتاب و حکمت سکھانا۔ گویا یہ سارا انقلابی عمل قرآن کے گرد گھومتا ہے۔ اسی قرآن کے ذریعے سے مردانِ کار تلاش کرنا' اسی کو ذہنوں میں اتارنا' اسی کو دلوں میں بٹھانا' اسی کے ذریعے افراد کے دلوں میں تبدیلی پیدا کرنا' اسی کو ان کے اخلاق و کردار میں انقلاب لانا اور اسی سے معاشرے میں تبدیلی لانا۔ یہ ہے انقلاب محمدیؐ کا اساسی منہاج۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے یہی اساسی منہاج اختیار کیا۔ چنانچہ میں ۱۹۶۵ء میں منٹگمری (حال ساہیوال) سے اپنے اس مشن کا آغاز کرنے کے لئے لاہور منتقل ہوا' جسے اب مجھے ۳۴ واں برس ہے۔ ابتداء میں سات برس تک میں نے صرف درس قرآن دیا اور اس عرصے میں کوئی انجمن' ادارہ یا اکیڈمی نہیں بنائی۔ روزانہ شام کو کہیں نہ کہیں درس قرآن ہوتا تھا۔ میں نے اس درس قرآن کے "مقناطیس" کو شہر لاہور میں گھمایا پھرایا' اور جو بھی سعید ارواح اس کے ساتھ چپکتی گئیں انہیں پہلے انجمن خدام القرآن کی شکل میں منظم کیا' پھر تنظیم اسلامی کی داغ بیل ڈالی۔ یہ دعوت قرآن کی بنیاد پر دی گئی۔ میں نہ مصنف ہوں نہ معلم' نہ ہی معروف معنوں میں کوئی خطیب ہوں' میں تو بس مدرسِ قرآن ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) یعنی "مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ میں نے ایک دفعہ اپنے بارے میں کہا تھا : "اِنَّمَا خُلِقْتُ مُدَرِّسًا" کہ مجھے تو اللہ نے مدرس بنا کر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید کا درس دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ مردانِ کار جن کے اندر روح ابھی زندہ تھی' جن کے اندر response کی صلاحیت تھی میرے گرد جمع ہوئے۔ چنانچہ پہلے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم ہوئی' پھر تنظیم اسلامی کا قیام ممکن ہوا۔ مرکزی انجمن کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی قائم ہوئی' قرآن کالج تعمیر ہوا' جہاں اللہ کے فضل و کرم سے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورسز اور دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہر سال ہو رہے ہیں۔ قرآن کانفرنسوں، محاضرات قرآنی اور قرآنی تربیت گاہوں کے سلسلہ سے کون شخص واقف نہیں؟ مرکزی انجمن کے بطن سے بہت ساری منسلک اور ذیلی انجمنیں وجود میں آچکی ہیں جن کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمیز اور قرآن کالجز قائم ہو رہے ہیں۔ اس سب کا حساب کتاب اور ریکارڈ اللہ کے ہاں موجود ہے۔

سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کے بعد ہم نے سورۃ المنافقون اور سورۃ التغابن بھی پڑھ لی ہیں۔

قرآن حکیم کا حاصلِ مُطالعہ

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کے ان مباحث کا حاصل کیا ہے؟۔ میں اپنے مُطالعۂ قرآن، فہم قرآن اور تدبر قرآن کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

اقامتِ دین کی جدّوجہد کی فرضیت : اگر دینِ حق مغلوب ہو اور باطل اور طاغوت غالب ہو تو مسلمان کا اولین فرضِ عین اس طاغوت کو ختم کر کے، اس کے غلبے کو توڑ کر اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔ یہ اصل اور پہلا فرضِ عین ہے، جو نماز پر بھی مقدم ہے۔ اس لئے کہ نماز کی صداقت کا معیار یہی ہے۔ اگر آپ یہ کر رہے ہیں تو آپ کی نماز صحیح ہے اور اگر یہ نہیں کر رہے تو آپ کی نماز جھوٹی ہے۔ آپ نے باطل کا غلبہ گوارا کر رکھا ہے اور نماز میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہہ رہے ہیں تو آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہاں! آپ نے باطل کو تسلیم نہیں کیا، باطل کے خلاف آپ کی جدوجہد جاری ہے اور آپ کہیں کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" تو آپ سچ بول رہے ہیں۔ آپ نماز میں کہہ رہے ہیں "وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ" یعنی "ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور ہم ان سے قطع تعلق کرتے ہیں جو بھی تیرے فاسق اور فاجر ہوں" لیکن ہماری وہی دوستیاں اور وہی رشتہ داریاں برقرار ہوں تو ہم اللہ کی جناب میں جھوٹ بول رہے ہیں۔ چنانچہ پہلا فرضِ عین اللہ کے دین کی اقامت اور اس کے غلبے کی جدوجہد ہے۔ یہ ایسا فرض ہے جس کے ادا ہونے پر ہر فرض کی صحت کا دارومدار ہے۔ نماز بھی اس کی استعانت کے لئے ہے۔ حکم دیا گیا : ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ یعنی اس مقصد کے لئے نماز اور صبر سے استعانت حاصل کرو۔

ہاں! اگر ہم خلافتِ راشدہ کے دور میں پیدا ہو چکے ہوتے تو اس کے برعکس صورت ہوتی۔ اسلام کا نظام اگر قائم ہو تو اس نظام کی مزید توسیع اور اسے عالمگیر پیمانے پر پھیلانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہم حکومت کے نظم کے پابند ہیں۔ اس صورت میں یہ جدوجہد فرضِ کفایہ ہے۔ حکومت کو جتنے رضا کار مطلوب ہیں وہ اگر مہیا ہو جائیں تو باقی سب لوگ اپنے گھروں میں پاؤں پھیلا کر سوئیں' ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے' کچھ لوگوں نے نماز پڑھ لی تو باقی سب کی طرف سے بھی ادا ہو جائے گی' اگر کسی نے بھی نہیں پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے۔ اس معنی میں اگر خلافت کا نظام قائم ہو' دین غالب ہو تو افراد کے اوپر سے غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حکومت اسلامی کا ادارہ موجود ہے' وہ ان معاملات کی دیکھ بھال کرے گا کہ اللہ کے دین کو عالمی سطح پر قائم کرنے کے لئے کیا اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس کے لئے جو افرادی اور مالی قوت چاہیئے وہ لوگ پیش کر دیں تو بس ٹھیک ہے۔ لیکن جب صورت یہ نہیں ہے اور آپ باطل کے غلبے میں جی رہے ہیں تو اقامت دین کی جدوجہد آپ کا اولین فرضِ عین ہے' اسے اضافی نیکی نہ سمجھئے! یہ فرضِ عین ہے' اسے فرضِ کفایہ نہ سمجھئے!! "فرض عین" کے تصور میں دو چیزوں کی نفی ہے —— یعنی یہ اضافی نیکی نہیں ہے اور فرضِ کفایہ نہیں ہے۔

<u>التزام جماعت</u> : فریضہ اقامتِ دین ادائیگی کے لئے "التزامِ جماعت" شرطِ لازم ہے۔ یعنی آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ کسی نہ کسی جماعت کے ساتھ شامل ہو کر یہ جدوجہد کریں۔ جیسے نماز فرضِ عین ہے جو وضو کے بغیر نہیں پڑھی جا سکتی تو نماز کی ادائیگی کے لئے وضو بھی فرض ہو گیا۔ اسی طرح اقامت دین کی جدوجہد جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتی لہٰذا التزامِ جماعت بھی فرض ہے۔

جہاں تک پہلی بات یعنی غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کا فرضِ عین ہونا ہے اس کے لئے تو میں نے سورۃ البقرہ سے سورۃ التوبہ تک اور سورۃ الشوریٰ سے سورۃ الصف تک آپ کے سامنے ہر دلیل واضح کر دی ہے اور قرآن کے تقاضے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔ تاہم جہاں تک دوسری بات یعنی التزامِ جماعت کا تعلق ہے میں اس کے لئے

قرآن مجید سے نصِ صریح تو پیش نہیں کر سکتا' لیکن اس کے لئے اشارات موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ المائدہ اور سورۃ المجادلہ میں حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کا لفظ راہنمائی کے لئے آیا ہے۔ یقیناً قرآن کا ہر لفظ ایک راہنمائی بھی ہے۔ سورۃ الفتح میں ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ کے الفاظ میں ایک جماعتی زندگی کا نقشہ آ گیا۔ یا سورۃ الصف میں ہم نے پڑھا ﴿ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ "کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟" ظاہر ہے کہ داعی کی اس دعوت پر کچھ لوگ لبیک کہیں گے تو ایک جماعت کی شکل بن جائے گی۔ یہ اشارات ہیں' نص قطعی قرآن سے نہیں ہے' البتہ احادیث نبوی ؐ میں نصوصِ قطعیہ موجود ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) "تم پر جماعت کی شکل لازم ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ہے ((لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ)) "جماعت کے بغیر کوئی اسلام ہے ہی نہیں"۔

اس ضمن میں نوٹ کر لیجئے کہ جماعت کی دو ہی شکلیں ممکن ہیں۔ یا تو ہمارا جماعتی نظام ایک ریاست کی شکل اختیار کر چکا ہو۔ یعنی جو امیر المومنین ہے وہی ہمارا امیر ہے اور حکومت کا ریاستی ڈھانچہ ہی ہماری جماعت ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی نہ کوئی جماعت ضروری ہے جو اس نظامِ خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کیلئے سب سے اہم حدیث حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِنِّيْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ [اللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ] بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ' وَالطَّاعَةِ' وَالْهِجْرَةِ' وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

(مسند احمد و جامع الترمذی)

"(اے مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں' اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔ (۱) جماعت کی صورت میں رہنے کا' (۲) سننے کا اور (۳) ماننے کا' اور (۴) ہجرت اور (۵) جہاد فی سبیل اللہ کا۔"

مزید برآں عقل سلیم اور منطق (Logic) سب سے بڑی دلیل ہے کہ نظام کی تبدیلی کسی جماعتی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔ کسی انقلابی نظریئے کو کوئی شخص بھی پھیلا سکتا ہے' کسی مصنف نے انقلاب پر کوئی کتاب لکھی ہے' آج نہیں تو کل اس کا چرچا ہو سکتا

ہے' کوئی علی گڑھ کی نوعیت کا سکول یا کالج بن گیا ہے تو اس سے کچھ خیالات پھیل جائیں گے' لیکن اس طرح نظام نہیں بدلا کرتا۔ اس کے لئے تو آپ کو ایک منظم انقلابی پارٹی درکار ہوگی۔ انقلاب کی راہ میں وہ سارے مراحل آئیں گے جو آیا کرتے ہیں۔ نظامِ باطل سے ٹکراؤ اور تصادم بھی ہوگا۔ ان مراحل سے کوئی ہجوم (mob) عہدہ برآ نہیں ہو سکتا' کوئی ڈھیلا ڈھالا جماعتی ڈھانچہ اس کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔

یہ جو دو باتیں میں نے خلاصہ کے طور پر عرض کی ہیں میری ۶۷ سالہ زندگی کے غور و فکر اور تدبر کا نچوڑ ہیں۔ بحالاتِ موجودہ اقامت دین کی جدوجہد ہم میں سے ہر ایک پر اولین فرض ہے۔ اس کی ادائیگی پر دوسرے فرائض کی قبولیت اللہ کے ہاں منحصر ہے اور اس کے لئے ایک جماعت کا التزام شرط لازم ہے۔ جو حضرات اب بھی میری ان باتوں سے متفق نہیں ہیں ان سے تو میں اِس وقت بس یہی کہوں گا کہ ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ اس قرآن کا اتنا کچھ سننے کے بعد بھی اگر بات واضح نہیں ہوئی تو کس طرح واضح ہوگی؟ یا میں اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کروں گا ؂

یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دل اور دے ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور!

البتہ جن حضرات کو میری ان دونوں باتوں سے اتفاق ہے' ان سے میں پہلی بات یہ عرض کروں گا کہ اب ان کا فرض ہے کہ وہ ایسی جماعت تلاش کریں جو فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی میں ان کی مدد و معاون ہو۔ اگر آپ اقامت دین کی فرضیت کے قائل ہیں تو ایسی جماعت کی تلاش آپ کی ضرورت ہے۔ ایک عربی نظم کا بڑا خوبصورت مصرع ہے "فَتِش لقلبک عَن رفیق "! یعنی اپنے دل کے لئے کوئی رفیق تلاش کرو!۔ اسی طرح مَیں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ کوئی جماعت تلاش کیجئے۔

اقامتِ دین کے لئے قائم جماعت کے مطلوبہ اوصاف

اس جماعت کی تلاش میں مَیں جو مدد آپ کو دے سکتا ہوں وہ یہ کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے خصائص کیا ہونے چاہئیں۔

(۱) اس جماعت کا واضح مقصد اقامتِ دین کی جدوجہد ہونا چاہئے۔ اگر اس کے پیش نظر کوئی سماجی' تعلیمی' تصنیفی' تحقیقی یا تبلیغی مقصد ہے تو وہ جماعت اقامت دین کی جدوجہد

نہیں کر سکتی۔ چنانچہ مطلوبہ جماعت کا مقصد اقامت دین ہونا چاہئے کہ موجودہ نظام کو بدلنا ہے اور اللہ کے دین کو ایک مکمل سیاسی' سماجی اور معاشرتی وحدت کی حیثیت سے قائم کرنا ہے۔ یعنی وہ نظامِ عدل و قسط جو اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دین حق کی شکل میں عطا کیا اس کو بتمام و کمال قائم کرنا' ورنہ نیکی کے کام تو بہت سے ہیں' جو آدمی پارٹ ٹائم کرتا رہتا ہے۔ وہ گویا ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر پاؤں ہلاتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں چل رہا ہوں۔

(۲) وہ جماعت منظم (disciplined) ہونی چاہئے' یعنی سمع و طاعت والی — البتہ اس ڈسپلن کی عملاً دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت جو دوسری سے کم از کم تین درجے افضل ہے وہ بیعت شخصی ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا کہ ہمیں آپ پر اعتماد ہے اور ہم آپ کے ساتھ ہیں' ہم آپ کو مشورے دیتے رہیں گے' لیکن فیصلے کا اختیار آپ کو ہوگا۔ ہم آپ کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کریں گے اور آپ کا ہر حکم مانیں گے' بشرطیکہ آپ شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلیں۔ یہ ہے شخصی بیعت۔ یہ تین درجے افضل کیوں ہے؟ اس لئے کہ قرآن میں اسی کا ذکر ہے' جو ہم سورۃ الفتح میں پڑھ چکے ہیں۔ سورۃ الممتحنہ میں خواتین کے لئے بھی بیعت کا ذکر آیا ہے۔ پھر حدیث میں اس کا ذکر ہے' سیرت میں اس کا ذکر ہے۔ کم سے کم ۱۳ سو برس تک تو اُمت کے اندر اجتماعیت کے لئے کوئی بنیاد سوائے بیعت کے موجود ہی نہیں رہی۔ یعنی یہ منصوص' ماثور اور مسنون طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی' خلفاء راشدین نے بیعت لی' خلافت راشدہ کے بعد بھی بیعت کا ہی نظام رہا۔ خلافت میں بگاڑ آیا اور اس کو درست کرنے کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ میدان میں آئے تو آپؓ نے بیعت لی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی اپنی بیعت پر قائم نہیں رہے' لیکن جو بھی کوششیں ہوئیں وہ بیعت ہی کی بنیاد پر ہوئیں۔ یہاں تک کہ تزکیۂ نفس کا نظام بنا تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر۔ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا' جس کے بعد ان کا انگریزوں کے خلاف جہاد کا پروگرام تھا' تو انہوں نے بیعت کی بنیاد پر جماعت بنائی۔ پچھلی صدی میں نو آبادیاتی استعمار کے خلاف جتنے بھی جہاد ہوئے ہیں وہ بیعت ہی کی بنیاد پر ہوئے۔ مثلاً سوڈان میں مہدی سوڈانی نے اور لیبیا میں سنوسی نے اطالویوں کے خلاف بیعت کی بنیاد پر تحریک منظم کر کے جہاد کیا۔ امام

شامل' جنہوں نے روس کی فوجوں کو تیس برس تک پریشان کیے رکھا' ان کی جدوجہد بھی بیعت کی بنیاد پر تھی۔ چنانچہ بیعت کا طریقہ منصوص' ماثور اور مسنون طریقہ ہے۔

جماعتی نظم کی دوسری صورت دستوری تنظیم کی ہے۔ یعنی جماعت کا کوئی دستور ہے' جیسے جماعت اسلامی میں ہے' تو اس دستور کی اطاعت کرنی ہوتی ہے۔ اس جماعت میں جو شخص بھی شامل ہوتا ہے وہ دستور کی اطاعت کا حلف اٹھاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ بھی جائز اور مباح ہے' حرام نہیں ہے۔

(۳) اس جماعت کے بارے میں یہ دیکھا جائے کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ اس کا "منہج انقلاب" کیا ہے؟ آیا یہ سیرتِ نبوی ﷺ سے ماخوذ اور مستنبط ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے انقلاب کا منہاج سیرت نبویؐ سے اخذ کیا ہے تو اس سے استفسار کیا جائے کہ آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ سے کیسے اخذ کیا ہے؟ آپ کا استدلال کیا ہے؟ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حالات کی تبدیلی اتنی بنیادی ہے کہ اس ضمن میں اجتہاد کی ضرورت ہے تو معین طور پر بتایئے کہ کہاں تبدیلی واقع ہوئی ہے اور آپ اس میں معین طور پر کیا اجتہادات کرنا چاہتے ہیں؟ یہ استفسار اس لئے ضروری ہے کہ جو نبی ہوتے تھے ان کے تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر آدمی مطمئن ہو تا تھا کہ وہ جدھر موڑ دیں مڑ جاؤ۔ شمال کی طرف رُخ کر دیں تو شمال کی طرف رخ کر لو۔ جنوب کی طرف رخ کریں تو جنوب کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔ نبی تو الحق ہے' اپنی ذات میں حق ہے' اس کے ساتھ منسلک ہو گئے تو جدھر وہ جا رہا ہے اس طرف چلو۔ نبی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کہاں جائیں گے' کس راستے سے جائیں گے' کس وادی میں سے گزریں گے۔ لیکن اب کوئی نبی تو نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص کام کرنا چاہتا ہے اسے اپنا طریقہ کار واضح کرنا ہو گا کہ یہ طریقہ کار اس نے کہاں ۔ ۔ ۔ اور کیسے نکالا ہے۔

(۴) اس تنظیم کی قیادت کے قریب ہو کر دیکھئے کہ یہ لوگ بہروپیے تو نہیں ہیں؟ ان کے کردار اور قول و عمل میں کوئی بہت بڑا فرق و تفاوت تو نہیں ہے؟ کوئی بڑی خلیج تو حائل نہیں ہے؟ جماعت کے کارکنوں میں تو ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' بعض ابھی ناپختہ ہوتے ہیں' بعض مفاد پرست ہوتے ہیں' اس لئے جماعت سے وابستہ ہو گئے ہوتے ہیں' جیسے رسول اللہ ﷺ کی جماعت میں منافقین بھی موجود تھے' لیکن جماعت کی قیادت کا

مخلص ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا آپ جماعت کے امیر کو ضرور اچھی طرح دیکھ لیجئے جس کے ہاتھ میں آپ ہاتھ دے رہے ہیں اور اس کے قریبی ساتھیوں کو بھی۔

یہ چار خصوصیات ایسی ہیں جن کو ضرور سامنے رکھیے۔ اب جو شخص غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کی فرضیت کا قائل ہو گیا ہے' وہ جان گیا ہے کہ یہ فرضِ عین ہے اور اس کے لئے التزامِ جماعت اسی طرح ضروری ہے جیسے نماز کے لئے وضو ضروری ہے' تو اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ جماعت تلاش کرے اور جو جماعت اسے کم سے کم شرائط پر قابل قبول نظر آئے اس میں شریک ہو جائے۔ مزید دیکھتا رہے' ہو سکتا ہے کہ کوئی اس سے بہتر مل جائے۔ اگر بہتر سامنے آجائے تو پہلی کو چھوڑ کر اس میں شامل ہو جائے۔ یہ کوئی نبی کی جماعت نہیں ہے کہ جس سے نکلنا کفر میں جانے کے مترادف ہو۔ بلکہ ؎

"ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!"

کے مصداق ہمیں pragmatic اور عملی ہونا چاہئے۔ انسان اگر پوری سنجیدگی سے ایسی جماعت کی تلاش میں سرگرداں رہے اور اس کے لئے بھرپور کوشش اور جدوجہد میں معروف رہے تو جب تک اسے مطلوب جماعت نہیں ملتی وہ ایک درجے میں جماعتی زندگی ہی گزار رہا ہے۔ گویا اس نے ابھی وضو تو نہیں کیا البتہ "تیمم" کر لیا ہے' جس کے معنی ارادہ کے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ یعنی اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا ارادہ کرو' قصد کرو۔ چنانچہ جو شخص بھی اقامت دین کی جدوجہد کے ارادے سے کسی جماعت کی تلاش میں کوشاں ہے' وہ شخص تیمم کے درجے میں کم سے کم تقاضا پورا کر رہا ہے۔

فریضۂ اقامتِ دین کی جدّوجہد اور تنظیم اسلامی

جہاں تک تنظیم اسلامی کا تعلق ہے' میں چاہتا ہوں کہ اس کا طریق کار مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ "تنظیم اسلامی کا تعارف اور اسلام کا انقلابی منشور" نامی کتابچے میں سے یہ عبارت ملاحظہ کیجئے:

"اسلامی انقلاب یعنی قیامِ نظامِ خلافت کے لئے

تنظیم اسلامی کے پیش نظر طریق کار

یہ ہے کہ.... جو لوگ اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے حصول کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہوں' وہ

☆ سب سے پہلے خود پوری طرح مسلمان اور حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے بندے بنیں اور اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت اسلامی نافذ کریں اور اس کے لئے اپنے نفس کے خلاف بھی جہاد کریں اور بگڑے ہوئے ماحول سے بھی مردانہ وار کشاکش کریں اور دوسروں کو بھی مقدور بھر اس کی دعوت دیں۔

☆ باہم دینی اخوت اور ایمانی رشتوں میں بندھ کر آپس میں نہایت رحیم و شفیق اور دین کے باغیوں اور مخالفوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

☆ کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر ہجرت و جہاد اور سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت کر کے ایک جماعتی نظام میں منسلک ہو جائیں جس کی رائے کی پختگی اور خلوص و اخلاص پر انہیں پورا اعتماد ہو۔

اور اس طرح جو اجتماعی قوت وجود میں آئے وہ :

☆ جب تک یہ قوت مناسب مقدار میں جمع نہ ہو جائے تن من دھن کے ساتھ اسی دعوت و تربیت اور تنظیم کی توسیع اور مضبوطی کی کوشش میں لگے رہیں اور سب سے زیادہ توجہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی اصلاح اور تزکیہ پر مرکوز رکھیں۔

☆ اس دوران میں تحریر و تقریر کے ذریعے بھلائی کی دعوت دیتے رہیں اور برے کاموں سے روکتے رہیں لیکن نہ ملکی انتخابات میں حصہ لیں اور نہ ہی کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بنیں۔

☆ اس پورے عرصے میں کسی نکتہ چینی اور تمسخر سے بددل نہ ہوں' نہ کسی جبر و تشدد سے خوف کھائیں بلکہ کامل صبر و تحمل سے کام لیں اور ہرگز کوئی جوابی کارروائی نہ کریں۔

☆ اور جب مناسب قوت فراہم ہو جائے تو راست اقدام کے طور پر

☆ اسلام نے جن برائیوں کی نشاندہی کی ہے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے کمر کس لیں۔

☆ اس کے لئے جلسوں' مظاہروں اور ناکہ بندیوں کی شکل میں اپنی طاقت کے مظاہرے

کے لئے تمام جدید ذرائع استعمال کریں۔ اس شرط کے ساتھ کہ یہ سب کچھ پُرامن ہو اور اس میں ان کی جانب سے کوئی تشدد نہ ہو۔

☆ اور اگر ان پر تشدد کیا جائے تو کمال صبر و استقلال کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اس راہ میں جان دینے کو سب سے بڑی کامیابی سمجھیں۔

☆ اس پیہم کشمکش اور راہِ جہاد فی سبیل اللہ میں

یا حق کا بول بالا ہو جائے یا شہادت کی موت نصیب ہو جائے!"

مندرجہ بالا تحریر میں سے بعض نکات ذرا وضاحت طلب ہیں :

○ "اس دوران میں تحریر و تقریر کے ذریعے بھلائی کی دعوت دیتے رہیں اور برے کاموں سے روکتے رہیں لیکن نہ ملکی انتخابات میں حصہ لیں اور نہ ہی کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بنیں" ــــــ اس لئے کہ آپ کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بن گئے تو آپ جس کے خلاف ہیں اس کے کان آپ کی دعوت کے لئے بند ہو جائیں گے۔ مزید یہ کہ اقامت دین کا یہ کام الیکشن کے ذریعے ممکن بھی نہیں ہے۔ اب تو اس پر اتفاق رائے ہو گیا ہے کہ یہ کام الیکشن سے ہونے والا نہیں ہے ؎

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابی بسیار!

اب تو تمام دینی جماعتیں یہ تسلیم کر چکی ہیں کہ الیکشن میں حصہ لے کر یہاں اسلام نہیں آ سکتا۔ یہی میرا وہ پوائنٹ تھا جس کی وجہ سے میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا۔ میں نے جماعت کے ساتھ اپنی زندگی کے دس سال لگائے ہیں ؎

یہ اور بات کہ تم پر نثار کر دی ہے
عزیز اپنی جوانی کسے نہیں ہوتی!

یہ دس سال میں نے پوری طرح یکسو ہو کر لگائے ہیں اور اسے میں اپنی زندگی کا عہدِ زریں سمجھتا ہوں۔ اس عرصے میں مَیں نے جو صلاحیتیں حاصل کیں اور مجھے جو تجربے حاصل ہوئے وہ میرے لیے بہت قیمتی اثاثہ اور سرمایہ ہیں۔ لہٰذا مجھے ان دس سال میں سے ایک منٹ کا بھی کوئی افسوس نہیں ہے کہ وہ ضائع ہوا ہے (معاذ اللہ)۔ لیکن مولانا مودودی مرحوم سے اسی ایک نکتے پر اصولی اختلاف ہوا تھا۔ میرا موقف تھا کہ الیکشن میں حصہ لے

ر جماعت ایک غلط موڑ مڑ گئی ہے' ایک غلط راستے پر پڑ گئی ہے' للذا ہمیں یہ راستہ ترک کر دینا چاہیئے۔ مولانا مودودی اُس وقت تک بہت ہی پُر اُمید تھے کہ ہم اس ذریعے سے کامیاب ہو جائیں گے' مگر ۱۹۷۱ء میں وہ بھی مایوس ہو گئے۔ لیکن جب مولانا اس راستے سے مایوس ہوئے تو صورت یہ تھی کہ ؎

جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!

اب جماعت اس راستے پر بہت آگے نکل گئی تھی' لوگوں کے مزاج پختہ ہو گئے تھے اور وہ سیاست اور الیکشن کے خوگر ہو چکے تھے۔ چنانچہ کارکن اب واپس آنے کو تیار نہیں تھے۔

○ "اس پورے عرصے میں کسی نکتہ چینی اور تمسخر سے بددل نہ ہوں' نہ کسی جبر و تشدد سے خوف کھائیں بلکہ کامل صبر و تحمل سے کام لیں اور ہرگز کوئی جوابی کارروائی نہ کریں" ـــــ یہ اس جدوجہد کی دوسری سٹیج ہے۔ یوں سمجھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے جو بارہ برس تھے' اس دوران آپ ﷺ کی جدوجہد کو آج ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

○ "لیکن جب مناسب قوت فراہم ہو جائے تو راست اقدام کے طور پر....."

○ یہ ہے اقدام کا مرحلہ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ کم از کم دو لاکھ ایسے افراد مہیا ہو جائیں جو دعوت' تنظیم اور تربیت کے مراحل سے گزر کر آ چکے ہوں تو اقدام کا یہ مرحلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔

○ "اسلام نے جن برائیوں کی نشاندہی کی ہے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے کمر کس لیں" ـــــ یعنی نہی عن المنکر بالید کے لئے میدان میں آجائیں کہ اب ہم یہ کام نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے لیے وہ منکرات کے مراکز کا گھیراؤ کریں اور picketing کریں۔ بینکوں کے آگے دھرنا دیں کہ ہم حرام خوری اور حرام کاری کے یہ اڈے نہیں چلنے دیں گے۔ درحقیقت حرام کاری کا سب سے بڑا اڈا بینک ہے۔ اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں' جن میں سب سے ہلکا اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔"

○ "اس کے لئے جلسوں' جلوسوں' مظاہروں اور ناکہ بندیوں کی شکل میں اپنی طاقت کے مظاہرے کے لیے تمام جدید ذرائع استعمال کریں۔ اس شرط کے ساتھ کہ یہ

سب کچھ پُرامن ہو اور اس میں ان کی جانب سے کوئی تشدد نہ ہو" ـــــ یعنی خود جانیں دینے کو تیار ہوں، کسی کی جان لینے کے درپے نہ ہوں، کسی کی جائیداد کو نقصان نہ پہنچائیں، کوئی بس نہ جلائیں، کوئی سٹریٹ لائٹ نہ توڑیں، کوئی ٹریفک سگنل اور سائن بورڈ نہ توڑیں، بلکہ سیدھے اپنے مقصد کی طرف رُخ رکھیں۔

○ "اور اگر ان پر تشدد کیا جائے تو کمال صبر و استقلال کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اس راہ میں جان دے دینے کو سب سے بڑی کامیابی سمجھیں۔ اس پیہم کشاکش اور جہاد فی سبیل اللہ میں یا حق کا بول بالا ہو جائے یا شہادت کی موت نصیب ہو جائے!"

فھو المطلوب۔ یہی تو ہمارا مطلوب اور مقصود ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

احکامِ ستر و حجاب و شرعی پردہ

تحریر و ترتیب : انجینئر شاہد حفیظ چوہدری

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بنیاد کتاب و سنّت ہے۔ پردہ کوئی اختراعی چیز نہیں جسے کسی خاندان، معاشرے، قبیلے یا قوم نے کسی ہنگامی مصلحت کے تحت تجویز کیا ہو اور مسلمانوں نے خواہ مخواہ اسے شرعی حیثیت دے دی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور ستر و حجاب کا معاملہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔ مگر ایک عرصہ سے اس کے ساتھ عملی طور پر جو افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جا رہا اس سے عوام الناس کی نظر میں پردے کی شرعی حیثیت اور ستر و حجاب کی بنیادی حقیقت مشتبہ ہو کر مختلف شکوک و شبہات کا نشانہ بن کر رہ گئی ہے۔ اہلِ مغرب کے زیر اثر مغربی تہذیب اور ثقافت کی یلغار نے پردہ کے بارے میں نقطۂ نظر میں بھی فرق اور ہیجان پیدا کر دیا ہے جس سے پردے کے اصول اور حدود دونوں اس حد تک مشتبہ ہو گئے ہیں کہ شرعی پردہ کو علماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا ہے اور کھلی بے ہودگی کو وقت کی ضرورت کے طور پر عام کیا جا رہا ہے۔

مختلف علماء اور اہلِ بصیرت و فضل و کمال نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور سیر حاصل بحثیں کیں اور پردے کی شرعی حیثیت کو نکھار کر دنیا کے سامنے رکھا۔ ضرورت تو نہ تھی کہ اس پر مزید کوشش و کاوش کی جاتی مگر اجتماعی اور انفرادی اصلاح کے لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس اہم مسئلہ پر اختصار اور جامعیت کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں چند گزارشات مرتب کر دی جائیں جو ہم سب کے لئے آسان اور قابل فہم ہوں تاکہ ہم انہیں اپنی زندگیوں میں عملی طور پر نافذ کر سکیں۔

ستر و حجاب کا فرق

ستر جسم کا وہ حصہ ہے جس کا ہر حال میں دوسروں سے چھپانا فرض ہے ماسوائے زوجین کے، یعنی خاوند اور بیوی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز بحالتِ مجبوری، بغرضِ علاج

ڈاکٹر یا حکیم کے سامنے ستر کھولنے کی اجازت ہے۔ اس معاملے میں اس قدر سختی ہے کہ لڑکی کا ستر حقیقی والد اور بھائی کے سامنے اور مرد کا ستر اپنی حقیقی ماں اور بہن کے سامنے بھی ظاہر نہیں ہونا چاہیئے۔ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر ہاتھ پاؤں اور چہرے کی ٹکیہ کے علاوہ پورا جسم ہے۔ یعنی کسی جوان لڑکی کا اپنے والد کے سامنے ننگے سر آنا بھی عریانی کے زمرے میں آتا ہے۔ کتنی بدنصیبی کی بات ہے کہ بحیثیتِ مجموعی اُمّتِ مسلمہ قرآن کریم کو ہر زمانے بلکہ قیامت تک اور ہر معاشرے کے لئے قابلِ عمل، کامل اور سچی کتاب ماننے کے باوجود اولاً تو ستر و حجاب کی قائل نہیں، ثانیاً چہرے کے پردے کے تو بڑے بڑے دیندار گھرانے بھی منکر ہیں۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی ضرورت

واقعہ یہ ہے کہ پردہ خود مقصود نہیں، اس کی بنیادی حقیقت مقصود ہے۔ اصولی طور پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تمام شرعی احکامات خصوصاً معاشرتی احکامات میں ہر شرعی حکم کی کوئی نہ کوئی بنیادی ضرورت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء ہوتی ہے اور اسی ضرورت کی بنیاد پر وہ حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے، خواہ اس ضرورت کو عام آدمی دیکھ سکے یا یہ معنی و معرفت میں لپٹا ہوا ہو جس تک مفکرین، محدّثین اور اہلِ علم کی نگاہ ہی پہنچ سکتی ہو اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ عورت کا حجاب بلاشبہ ایک دینی اور شرعی حکم ہے لیکن بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ ان خطرناک متعدی معاشرتی بیماریوں اور مسائل سے بچنے کا طریقہ ہے جو انسانیت کے لئے زہرِ قاتل ہیں اور ان کے متعدّی اثرات سے کسی بھی وقت اقوامِ عالم تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ مسلمان معاشرے کے لئے مہلک ترین متعدی بیماری کو قرآن کریم نے فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دوسرا نام بے حیائی، بے غیرتی، عریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشبہ اقوام کی زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

فحاشی

فحاشی حیاء و عفت کی ضد ہے۔ حیاء عقل کا حاصل ہے جبکہ فحاشی اور بے عقلی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جانوروں میں نر اپنی مادّہ پر جست لگاتا ہے تو اسے عجیب اور اس

حیوان کے لئے مہلک نہیں سمجھا جاتا' اس لئے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ لیکن انسان ایسی حرکت کرے تو بد سے بد تر آدمی بھی اسے بری نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس برائی کا چرچا کرتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر بے حیائی آئے تو انسانیت غائب ہو جاتی ہے۔

آج اگر ہم مغربی معاشرے کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ عقل و خرد کے زوال کے سبب اور ان وقتی لذات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر وہ اس مہلک بیماری (فحاشی) کا شکار ہو گئے ہیں۔ فحاشی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ طبعی طور پر اس سے رشتہ زوجیت اور سلسلہ مناکحت کمزور ہو کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے' کیونکہ عورت کو ایک وقفِ عام اور پبلک پراپرٹی کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی پاکیزہ اور خصوصی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ نکاح رخصت ہو جاتا ہے اور زنا طاعون کے مرض کی طرح پھیل جاتا ہے اور پھر عورت پر مرد بلا روک ٹوک جست لگائے یا دونوں باہمی رضامندی سے جو دل میں آئے کریں' یا پھر فن و ثقافت کے نام پر جس طرح چاہیں غلاظت پھیلائیں' انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

انہی عوامل کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں خاندانی نظام بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اولاً تو وہاں پچاس فیصد لوگ شادی جیسے بکھیڑوں میں پڑتے ہی نہیں اور جو یہ "غلطی" کر لیتے ہیں وہ اس مادر پدر آزادی کی وجہ سے نباہ نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ان ممالک میں طلاق کی شرح ۸۰ سے ۹۰ فیصد تک ہے۔ اس متعدی مرض کو جدید تہذیب کے متوالے ہمارے ملک میں متعارف کرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور خاصی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں' حالانکہ بے پردگی کے نتائج بار بار سامنے آ رہے ہیں۔ ہر روز اغوا اور گینگ ریپ کی خبریں اخبارات کی زینت ہوتی ہیں اور الیکٹرانک میڈیا اور اخبارات' ڈرامے' تفریح اور ثقافت کی آڑ میں عریانی و فحاشی کی ترویج و ترقی پر ہمہ وقت اپنی صلاحیتوں کو صرف کر رہے ہیں۔ آج ماحول کچھ اس طرح ہے کہ نکاح کرنے میں مسائل اور مشکلات زیادہ ہیں اور زنا آسان اور سہل ہے۔ عورتیں تو ناقص العقل ہیں' انہیں مرد جو باور کراتا ہے کر لیتی ہیں' تعجب تو ان مردوں پر ہے جو اپنی بہو بیٹیوں کی شرم و حیاء کی غارت گری کس بے حمیتی سے برداشت کرتے ہیں' بقولِ اکبر الہ آبادی :

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

احکام حجاب

احکام حجاب سب سے پہلے ۵ھ میں حضور اکرم ﷺ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں نازل ہوئے۔ اس آیت کو آیت الحجاب بھی کہا جاتا ہے :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھر میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو اور نہ کھانے کے وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ' مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ' باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکت نبی کو تکلیف دیتی ہے مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ اور جب تمہیں نبیؐ کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو' یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو' یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔"

اس آیت سے واضح ہوا کہ بغیر اجازت کوئی کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ کہیں دعوت میں جانا ہو تو پہلے سے جا کر مت بیٹھ جاؤ بلکہ عین وقت پر پہنچو اور کھانا کھا کر چل دو' خواہ مخواہ بیٹھے نہ رہو۔ اور ازواجِ مطہرات ؓ سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ تصور کیجئے کہ یہ حکم اُمّت کی ماؤں کے لئے ہے' جن کے ساتھ ایک مؤمن اور مسلمان کا رشتہ اپنی حقیقی ماں سے بھی زیادہ پاکیزہ اور متبرک ہے تو عام مسلم خواتین کے ساتھ بغیر پردے کے بات چیت یا کوئی لین دین کرنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ مزید برآں سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۲ اور ۳۳ میں حکم دیا گیا :

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ ﴾

"نبی ؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے' بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابقہ دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پاک کر دے۔"

جس طرح مندرجہ بالا آیات میں نبی اکرم ﷺ کی بیویوں کو عام مسلمان خواتین سے الگ کر دیا گیا ہے' اسی طرح مسلمان خواتین کو بھی غیر مسلم خواتین اور مسلمان فاسق و فاجر خواتین پر فضیلت حاصل ہے۔ ظاہراً پروردگار نے نبی ﷺ کی بیویوں کو مخاطب کیا ہے مگر عملاً یہ خطاب تمام مؤمن خواتین سے ہے۔ سر سید احمد خان سے وائسرائے ہند نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے اہل خانہ سر سید کے اہل خانہ سے ملنا چاہتے ہیں' لیکن سر سید نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہماری خواتین غیر مسلم خواتین سے پردہ کرتی ہیں۔ کافر اور فاسق و فاجر عورتیں مسلمان عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں ہی کی طرح ہیں' خواہ وہ

مسلمان خواتین کی قریبی رشتہ داری کیوں نہ ہوں۔

حرمت کے رشتے

حرمت محرم سے نکلا ہے۔ فیروز اللغات میں محرم کے معنی ایسا قریبی رشتہ دار ہے جس کے ساتھ کسی صورت میں بھی نکاح جائز نہ ہو۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۲۲ اور ۲۳ میں فرمایا گیا :

﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ ﴾

"اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو (سوتیلی ماں)، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ یہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت برا چلن ہے۔ حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (ساس) اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے (یعنی بیوی کی لڑکی جو پچھلے خاوند سے ہو) جن بیویوں سے تم صحبت کر چکے ہو۔ اگر تم نے صحبت نہیں کی تو پھر تمہیں گناہ نہیں کہ تم (اس کی لڑکی) سے نکاح کرو۔ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے صُلب سے ہوں۔ اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ نکاح میں (بیک وقت)

دو بہنوں کو جمع کرو' مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ عورتیں بھی تم حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں (محصنات)' البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جو (جنگ میں) تمہارے ہاتھ آئیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے (جس کی پابندی تم پر لازم کردی گئی ہے)۔"

سورۃ النور آیت ۳۱ میں ربّ العزّت نے حرمت کے رشتوں کو واضح کیا ہے (یعنی جن کے سامنے عورت بغیر حجاب کے جاسکتی ہے) فرمایا :

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

"(اے نبیؐ!) مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں' اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور بناؤ سنگھار نہ دکھائیں' بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے : شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' بہنوں کے بیٹے' اپنے میل جول کی عورتیں' اپنے لونڈی غلام' وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مؤمنو! تم سب مل کر اللہ کی جناب میں توبہ کرو' توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔"

اس آیت میں عورتوں کو پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی

حفاظت کریں' اور یہی حکم مردوں کو سورۃ النور کی آیت ۳۰ میں دیا گیا ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

"(اے نبیؐ!) مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے' جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔"

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نظروں کی حفاظت مردوں اور عورتوں دونوں پر فرض ہے اور یہ پاکیزگی کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے جو خواتین پردے کا اہتمام کرتی ہیں ان میں بھی بالعموم حفاظت نظر کا اہتمام نہیں۔ واضح رہنا چاہیئے کہ بد نظری' بد کاری کی پہلی سیڑھی ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کے حجرۂ مبارک میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ نے فرمایا: ((احتجبا منه)) "ان سے پردہ کریں!" قالتا أليس هو اعمٰى؟ قال: ((افعمياوان انتما؟)) وہ کہنے لگیں: "یہ تو نابینا ہیں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "مگر تم تو نابینا نہیں ہو"۔ کتنی فکر کی بات ہے کہ ہمارے معاملات کس نہج پر پہنچ چکے ہیں' نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو مخلوط تعلیم کے نام پر کس طرح شانہ بشانہ غیر محرموں کے ساتھ میل جول کی اجازت ہے اور ساتھ ساتھ یہ تکرار بھی کی جاتی ہے کہ ہمیں اپنی بچی پر اعتماد ہے۔ کیا حضور اکرم ﷺ کو (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اعتماد نہیں تھا جن کی پاکیزگی کی گواہی خود ربّ العزت نے سورۃ النّور (رکوع نمبر ۲) میں دی ہے۔ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک مہلک تیر ہے جو آنکھ کے راستے سے دل میں اتر جاتا ہے' پھر دونوں فریق ہمکلام ہوتے ہیں' یوں بات آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بد نظری بد کاری کا راستہ کھولتی ہے' اسی وجہ سے نظروں کی حفاظت کے حکم کو حفاظت فرج کے حکم پر مقدم رکھا گیا ہے۔

اگر ہم تدبّر کریں تو ٹیلی ویژن' تصاویر والے اخبارات و رسائل اور غیر محرم کی تصاویر کو بھی بد نظری ہی میں شمار کیا جائے گا۔ ہمارے نام نہاد دانشور بے حیائی' فیشن' ڈش انٹینا اور رسائل و جرائد کو جدید دور کی اہم ضرورت قرار دے رہے ہیں' جبکہ ڈش

انٹینا' فیشن اور بے ہودہ رسائل سے پورا معاشرہ اخلاقی طور پر تباہ ہو کر رہ گیا ہے اور یہ چیزیں وبائی امراض کی طرح معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔ کسی فلسفی کا قول ہے کہ آج جو چیز دیکھو گے کل اپنی زندگیوں میں اپناؤ گے۔ ایک اور قول ہے کہ جس چیز کے تذکرے تمہاری روزمرہ کی زندگی میں ہوں گے وہی چیزیں عملی طور پر تمہارے معاشرے میں جنم لیں گی۔ آج ہمارے ساتھ بعینہٖ یہ واقعہ پیش آرہا ہے جس سے رفتہ رفتہ غیرت' عزت' شرم و حیاء حتیٰ کہ اخلاقی اور معاشرتی اقدار بھی رخصت ہو رہی ہیں۔

سورۃ النور کی مذکورہ بالا آیت میں اپنی نگاہوں اور عفت و عصمت کی حفاظت کے حکم کے بعد فرمایا کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو مسلمان عورتوں نے موٹی موٹی چادریں کاٹ کر اپنے دوپٹے اور اوڑھنیاں بنالیں۔ واضح رہے کہ باریک کپڑے سے سینہ اور بدن کا پردہ نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الاحزاب آیت ۵۹ میں یہ حکم اور بھی وضاحت کے ساتھ نازل ہوا :

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ ﴾

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکالیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اور اللہ غفور ور حیم ہے"

آج کل کی عورتیں سر چھپانے کو عیب سمجھتی ہیں اور کوئی خاتون دوپٹہ اوڑھتی بھی ہے تو وہ اس قدر باریک ہوتا ہے کہ سر کے بال اور مواقع حسن و جمال واضح نظر آتے ہیں۔ اکثر دوپٹہ ایسے کپڑے کا ہوتا ہے کہ وہ سر پر ٹھہرتا ہی نہیں' بار بار سرک کر نیچے آجاتا ہے۔ حضرت وحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصر کے باریک کپڑے آئے تو آپؐ نے اس میں سے ایک کپڑا مجھے عنایت فرمایا کہ اس سے ایک اپنا کرتا بنالو اور دوسرا اپنی بیوی کو دینا جس کا وہ دوپٹہ بنالے۔ اور آپؐ نے مزید تاکید کی کہ بیوی کو حکم دینا کہ نیچے کوئی موٹا کپڑا لگالے جس سے اس کی باریکی کی تلافی ہو

جائے اور اعضاء ظاہر نہ ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے' اُس وقت حضرت حفصہؓ نے باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے وہ دوپٹہ لے کر پھاڑ ڈالا اور اپنے پاس سے ان کو موٹے کپڑے کا دوپٹہ دیا۔

دوپٹے کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے محرموں کا ذکر فرمایا کہ محرموں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زینت میں چہرہ' ہاتھ' بازو' سر اور کان ہیں' کیونکہ انہی جگہوں پر ہار' چوڑی' بالی اور جھومر وغیرہ ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ محرم وہ ہے جس سے کبھی بھی کسی حال میں نکاح نہ ہو سکے۔ یعنی جس مرد سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے محرم ہیں۔ محرموں میں اللہ رب العزت نے آٹھ رشتے گنوائے ہیں' کہ عورت ان کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے۔ یعنی زینت صرف محرم کے لئے ہے اور غیر محرم سے زینت اور مواضع زینت چھپانا فرض ہے۔ اگر غور کریں تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غیر محرموں سے چہرے کا یقیناً پردہ ہے۔ ممانی اور چچی اگر کسی اور رشتہ سے محرم نہ ہوں تو محض چچی اور ممانی ہونے سے محرم نہیں ہوں گی۔ یہی معاملہ بھابھی' سالی' بیوی کی بھانجی اور بیوی کی بھتیجی کے ساتھ ہوگا۔ دیور' جیٹھ اور نندوئی بھی اسی حکم کی حدود میں آتے ہیں ماسوائے اس کے کہ وہ کسی اور رشتہ سے محرم ہوں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "نامحرم عورتوں کے پاس مت جایا کرو"۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! عورت کے سسرالی رشتہ داروں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "سسرالی رشتہ دار تو موت ہیں"۔ اس حدیث میں سب سے زیادہ قابل توجہ چیز یہ ہے کہ سسرالی غیر محرم رشتہ داروں کو حضور اکرم ﷺ نے موت سے تشبیہہ دی۔ یعنی دیور' جیٹھ' نندوئی اور دوسرے تمام غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا لازم اور فرض ہے' مگر دیور' جیٹھ اور سسرالی رشتہ داروں سے تو اس طرح بچنا چاہیئے جس طرح ہم موت سے بچنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مسلمان عورت اپنی زینت کا اظہار ایسے مردوں کے سامنے بھی کر سکتی

ہیں جو کھانے پینے کے لئے طفیلیوں کی طرح گھر میں رہتے ہوں اور کسی بھی طرح عورتوں کی طرف میلان نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کا اس سے وہ شخص مراد ہے جس کی عقل اس قدر بے ٹھکانا ہو اور اس کی خواہش نفس مردہ ہو چکی ہو۔ اس درجہ بندی میں وہ شخص شمار نہ ہو گا جو پاگل ہونے کے ساتھ ساتھ جوان بھی ہو اور اسے دیکھ کر عورت کو میلان ہو۔

مزید فرمایا کہ "عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے سنبھال یا چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں علم ہو جائے"۔ اس سے مراد زیورات کی آواز ہے۔ جن زیورات سے آواز پیدا ہو وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک جو خود بخود بجتا ہو' یعنی گھنگرو وغیرہ' یہ تو بالکل ممنوع ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہر بجنے والی چیز کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ دوسرے زیورات وہ ہیں جو خود تو نہیں بجتے مگر ان کے آپس میں ٹکرانے سے آواز پیدا ہوتی ہے' جیسے چوڑیاں اور کڑے وغیرہ۔ آیت بالا میں اسی قسم کے زیورات کے متعلق ذکر ہے۔ مطلب یہ کہ اس قسم کا زیور پہننا تو درست ہے مگر پاؤں مار کر چلنا اور دوسروں کو اس کی آواز سنانا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔ اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب زیورات کی آواز کو پوشیدہ رکھنے کا ایسا اہتمام ہے تو زیور پہننے والی کی آواز اور صورت کا غیر محرموں سے اخفا کرنا کتنا ضروری اور لازم ہے۔ کیونکہ آواز بھی ایک فتنہ ہے۔ گانے اور غزلیں اس کی سب سے بڑی مثال ہیں۔

سورۃ النور کی مندرجہ بالا آیات کے ترجمہ اور تشریح سے احکامِ پردہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ جدید دور کے دانشوروں اور قرآن سے پردہ اور احکامِ پردہ کا ثبوت مانگنے والوں کو اپنی کم علمی اور ہٹ دھرمی پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔ احکامِ قرآن کو اپنی عقل و دانش اور جدید دور کی ضروریات سے متصادم قرار دینا فکر کا مقام نہیں تو اور کیا ہے؟ جہاں عورتوں کو زینت اور مواضع زینت کو چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے وہاں غیر محرموں کو دیکھنا بھی سخت گناہ اور وبال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بد نظری عمل شر کا نقطۂ آغاز ہے۔ جب ایک خالی الذہن انسان کسی غیر محرم کو دیکھتا ہے تو شیطانی وسوسے اس کے ذہن و قلب پر خواہشات پیدا کرتے ہیں۔ پھر بری خواہشات بری نیت اور ارادے میں تبدیل ہوتی ہیں' پھر بار بار دیکھنے سے اس کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے اور ارادہ عزمِ مصمم بن

جاتا ہے اور آخری مرحلہ اور شر کی چوٹی اس برائی پر عمل ہے۔ ربّ العزت چاہتے ہیں کہ جس مقام سے برائی کی ابتدا ہو رہی ہے اسی مقام پر شر کا آغاز ہی میں قلع قمع کر دیا جائے۔ اگر کوئی اس پر پھر بھی عمل کرنے کو تیار نہ ہو اور اللہ کی حدود کو بلا روک ٹوک توڑے تو اصلاحِ معاشرہ اور پاکیزگی کی غرض سے سخت سے سخت ترین سزاؤں کا حکم ہے۔

سورۃ النور آیت ۶۰ میں بعض خواتین کے لئے پردہ میں تھوڑی سی نرمی کا حکم دیا گیا ہے' مگر یہ نرمی کچھ مشروط ہے۔ فرمایا :

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ﴾

"اور جو عورتیں جوانی سے گزری بیٹھی ہوں' نکاح کی امیدوار نہ ہوں وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں' بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم وہ بھی حیاداری ہی برتیں تو ان کے حق میں اچھا ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

جوانی سے گزر کر بیٹھی ہونے سے مراد وہ خواتین ہیں جو عمر کے اس حصہ میں ہوں جس میں وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں' ان کی جنسی خواہشات بھی مر چکی ہوں اور ان کو دیکھ کر مَردوں میں بھی کوئی صنفی جذبہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ چادر اتار دینے سے عورت کی نیت مَردوں کے سامنے اپنے حسن اور آرائش کو ظاہر کرنا نہ ہو' بلکہ ان ضعیف خواتین کو اجازت دی جا رہی ہے جن کے اندر بن ٹھن کے رہنے کا شوق باقی نہ رہا ہو اور جن کی جنسی خواہشات سرد ہو چکی ہوں۔ اگر کہیں آگ میں کوئی چنگاری بھی باقی ہو تو نرمی کا حکم نہیں۔ یہ ہم سب کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ جب بوڑھی عورت کی نیت میں بال برابر فتور کی صورت میں پردہ کا حکم ہے اور نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں تو نوجوان اور پُرکشش خواتین کے لئے چہرہ کھولنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اسی لئے عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ میں پردہ کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ افسوس کہ اس ترقی یافتہ اور جدید دور میں جہاں قرآنی آیات کی سائنسی تحقیق سے تصدیق ہو رہی ہے اور حضورِ اقدس ﷺ کے تمام احکامات سچ ثابت ہو رہے ہیں' وہاں بہت سی مسلمان بہنوں نے اللہ

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

فکر عجم

علامہ اقبال اور شعرِ فارسی

ایران کے حال و مستقبل کے آئینہ میں

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۶)

ڈاکٹر ابو معاذ

حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے زمانے کے متدیّن مسلمان گھرانوں کے دستور کے مطابق بچپن میں عربی اور فارسی کا وسیع مطالعہ کیا اور آہستہ آہستہ آپ کی ذات میں پوشیدہ عجمیت کی روح آپ پر غالب آنے لگی۔ آپ اسلام کی حقانیت سے پوری طرح متاثر ہوئے اور فکر اسلامی کے زبردست مبلغ بن کر شعر اور نثر کے ذریعہ پیغام حق کی اشاعت میں منہمک ہو گئے اور اسے اپنی زندگی کا اہم ترین مشن بنالیا۔ آپ کو اپنے کشمیری اور برہمن زادہ ہونے کا بھرپور احساس تھا اور آپ کی سوچوں پر مولانا رومؒ کا فلسفۂ ایمانی اور فارسی گو شعراء، متصوّفین اور مفکرین کی گہری چھاپ نظر آنے لگی اور آپ نے فرمایا ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ ای رمز آشنائے روم و تبریز است

(مجھے اچھی طرح دیکھ لو کہ ہندوستان میں پھر ایسا کوئی اور شخص آپ کو کبھی نظر نہیں آئے گا جو برہمنوں کی اولاد سے ہو کر روم اور تبریز کے فکری خزانوں کا راز دان ہو۔)

یہاں روم سے مولانا جلال الدین رومیؒ کے اشعار اور تبریز سے مُراد حضرت شمس الدین تبریزیؒ کی فکری اور رُوحانی قوت ہے۔ شمس تبریزی مولانا روم کے پیرو مرشد بھی تھے اور مولانا رومؒ کا دیوان بھی دیوان شمس تبریزی کہلاتا ہے۔

آہستہ آہستہ ریگزارِ عرب کی فطری سادگی آپ کے دل کو بھاتی چلی گئی اور مکہ و مدینہ میں حرمین شریفین کی موجودگی کے باعث آپ کو سرزمینِ حجاز سے ایک خاص محبت ہو گئی

تھی۔ آپ اپنے دل کو حرم کی رُوحانیت سے وابستہ قرار دیتے ہیں۔ ایران میں شیراز کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مزید برآں یہ شہر وہاں کے قدیم ثقافتی اور اخلاقی و رُوحانی مرکز فارس کے صوبہ کا دارالحکومت ہے اور وہاں کی فارسی زبان ٹکسالی زبان سمجھی جاتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں ؎

تنم گُلے ز خیابانِ جنّتِ کشمیر
دل از حریمِ حجاز و نوا ز شیراز است

(میرا جسم کشمیر کی جنت نظیر وادی کے باغ کا ایک پھول ہے۔ میرا دل حجاز کے حرم سے وابستہ ہے اور میری آواز شیراز کی ہے۔)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اشعار کے لئے فارسی زبان کا انتخاب کیوں کر کیا؟ آپ خود فرماتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں فارسی ابھی تک برِّصغیر کے دانشور اور سنجیدہ طبقہ (intellectuals) کی معنوی اور ثقافتی زبان ہے اور میں اپنا پیغام صرف دانشوروں کے اسی طبقہ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ عامّۃ الناس چونکہ اس کو سمجھ نہیں پائیں گے اس لئے قصداً میں نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اس زبان کا انتخاب کیا ہے۔ اپنے اشعار میں آپ نے اس کی اور توجیہ بھی کی ہے اور فرمایا ہے کہ ؎

ہندیم از پارسی بیگانہ ام ماہِ نو باشم تہی پیمانہ ام
حسنِ اندازِ بیان از من مجو خوانسار و اصفہان از من مجو
گرچہ ہندی در عذوبت شکر است طرزِ گفتارِ دری شیرین تر است

(میں ہندوستانی ہوں اور فارسی کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ ننھے چاند کی طرح میرا پیانہ ابھی تک خالی ہے۔ اس لئے اندازِ بیان کی ممکنہ خوبیاں اور شعری محاسن میرے کلام سے مت تلاش کرنا اور جو خوبیاں اہل زبان یعنی ایران کے مشہور مقامات اصفہان اور خوانسار کے شعراء کے کلام میں پائی جاتی ہیں وہ میرے ہاں تو نہیں ملیں گی۔ اگرچہ ہندی یعنی اردو زبان میں بھی شیرینی شامل ہے مگر فارسی میں بات کرنے کا اور ہی مزا ہے۔)

پھر آپ فرماتے ہیں ؎

پارسی از رفعتِ اندیشہ ام
در خورد با فطرتِ اندیشہ ام

(میرے افکار اس قدر بلند ہیں کہ فارسی ہی وہ واحد زبان ہے جو ان کو اپنے وسیع دامن میں سمو سکتی ہے۔)

درحقیقت یوں لگتا ہے کہ یہ بھی مشیتِ ایزدی تھی کہ آپ فارسی میں شاعری کریں تاکہ بالآخر آپ کا کلام اردو بولنے والے علاقوں کی حدود و قیود سے نکل کر فارسی گو ممالک مثلاً ایران' افغانستان' تاجکستان اور ازبکستان کے علاوہ ان ممالک میں بھی پہنچ جائے جہاں رابطہ کی زبان فارسی ہے۔ مثلاً ترکمانستان' آذربائیجان' قفقاز کے کچھ علاقے اور چینی صوبہ زنجیانگ۔ شاید یہ مشیتِ ایزدی تھی کہ کبھی نہ کبھی یہ ممالکِ عجم احیائے اسلام کے مراکز بن جائیں۔

آپ کی نگاہیں دور دور تک دیکھ رہی تھیں اور آپ آنے والے زمانے کا چشم حال سے مشاہدہ فرماتے ہوئے محسوس کر رہے تھے کہ ایک نہ ایک دن آپ کا پیغام ان خطوں کے عوام تک پہنچنے والا ہے اور کئی ایک فکری اور معنوی انقلابات کا محرک بننے والا ہے۔ آپ کو علم تھا کہ اسلام کی رُوح کی بیداری کا وقت اب قریب آن پہنچا ہے اور صدیوں سے خوابِ گراں کے مزوں میں مدہوش اہل مشرق بالآخر بیدار ہونے والے ہیں ؎

انتظارِ صبحِ خیزاں می کشم   ای خوشا زرتشتیانِ آتشم
نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم   من نوائے شاعرِ فرداستم
عصرِ من دانندۂ اسرار نیست   یوسفِ من بہرِ این بازار نیست
اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد   چشمِ خود بر بست و چشمِ ما کشاد
رخت باز از نیستی بیروں کشید   چوں گل از خاکِ مزارِ خود دمید

(میں اس رات کے اندھیروں میں صبح صبح بیدار ہونے والوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ کتنے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جو میرے سینے میں جلنے والی آگ کے زرتشتی ہوں گے۔ میں تو ایک نغمہ ہوں جسے ساز کی کوئی پروا نہیں ہے کیونکہ میں تو مستقبل کے شاعر کی آواز ہوں۔ میرا دور رازہائے ہستی سے بے خبر ہے اور میری قیمتی متاع یعنی یوسف اس مصر کے بازار کے لئے نہیں ہے۔ کئی بار ایسا بھی تو ہوا ہے کہ شاعر اپنی موت کے بعد پیدا ہو گیا ہو' جس نے اپنی آنکھیں موندتے ہی سب کی آنکھیں کھول دی ہوں' جس نے ایک بار پھر عدم سے اپنے ساز و سامان کے ہمراہ ظاہر ہونے کی سعادت حاصل کر لی ہو اور اپنی قبر کی مٹی سے پھول کی

طرح دوبارہ ظاہر ہو گیا ہو۔)

دراصل یورپ میں اپنے قیام کے دوران آپ کو ایرانِ قدیم کے فلسفہ اور افکار کے وسیع مطالعہ کا ایک نادر موقع فراہم ہوا اور آپ نے فارسی ادب اور فلسفہ کا اس قدر مطالعہ فرمایا کہ اس کے بعد آپ نے فارسی زبان ہی میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس طرح آپ کی سوچ پر عجمی اثرات گہرے ہونا شروع ہو گئے۔ آپ کے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان بھی "فارس میں افکار کا ارتقاء" تھا اور آپ نے جس عالمانہ اور ناقدانہ انداز میں اپنے تحقیقی مطالب اور دلی احساسات کو قلمبند فرمایا اس پر ڈاکٹر حسین نصر (جو تہران یونیورسٹی کے چانسلر اور ایران کی مجلس فلسفہ کے سربراہ رہے ہیں) اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ ایران" میں لکھتے ہیں کہ "علامہ اقبال کے علاوہ عصر حاضر میں کسی بھی شخص کو ایران کے فلسفہ کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کرنے کا خیال نہیں آیا۔ آپ نے اپنے مقالہ سے عجم کی آنکھیں کھول کر رکھ دی ہیں"۔

اس مطالعہ نے آپ کو ایک مستقل اضطراب اور کرب سے روشناس کروا دیا اور آپ کی ذات میں ایک تڑپ اور لگن پیدا ہو گئی جس کے دامن سے ایک ایسی ناتمام آرزو نے جنم لیا جو ایک نہ ایک دن اس بے بس جہان کو تہہ و بالا کر کے ایک عظیم فکری و سماجی انقلاب برپا کرنے والی تھی جس کی اساس اسلام کا ابدی پیغام تھی ؎

فقر بخشی؟ باشکوہِ خسروِ پرویز بخش　　　یا عطا فرما خرد با فطرتِ روح الامیں
یا چناں کن یا چنیں!

یا بکش در سینۂ من آرزوے انقلاب　　　یا دگرگوں کن نہادِ ایں زمان و ایں زمیں
یا چناں کن یا چنیں!

(اے خدا! اگر تو نے مجھے فقر عطا کرنا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ مجھے خسرو پرویز جیسے بادشاہ کی شان و شوکت بھی عطا کر۔ اگر یہ ممکن نہیں تو مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی فطرت عطا کر کے عقل و دانش سے مالا مال کر دے۔ یا یہ عطا کر دے یا وہ عطا کر دے۔ یا تو میرے سینے میں سے انقلاب کی آرزو کو کچل دے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو اس زمانے اور اس سرزمین کی فطرت بدل کے رکھ دے۔ یا تو یہ کر دے یا وہ کر دے۔)

علامہ اقبال کے ذہن میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ آپ ایک فارسی گو شاعر ہیں۔

اگرچہ آپ نے اپنے اشعار و نغماتؔ میں اپنے دلی احساسات کو سمو کر دین اسلام سے گہری وابستگی کا نہ صرف ثبوت فراہم کیا بلکہ اپنے احساسات کو ممالکِ عجم میں اس طرح عام کر دیا ہے کہ آج ان کی بازگشت تمام فارسی گو ممالک میں سنائی دے رہی ہے۔ بعض اوقات آپ کا جی چاہتا تھا کہ آپ عربی کی لے میں بھی گیت گائیں تا کہ آپ کا مافی الضمیر سرزمین عرب میں بھی عام ہو سکے۔ مگر آپ نے حریمِ حجاز سے جس دلی تعلق کی جانب اشارہ فرمایا اس کے بارے میں کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گہے شعرِ عراقی را بخوانم   گہے جامے زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگِ عرب را   شریکِ نغمہ ہائے ساربانم

(کبھی تو میں حضرت فخرالدین عراقی" کی غزلیات گا رہا ہوں اور کبھی مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی" کی نعتیں اور دوسرے اشعار میری جان میں آگ لگا رہے ہیں۔ اگرچہ میں عرب کی زبان اور آہنگ سے ناواقف ہوں لیکن پھر بھی صحرائے عرب کے ساربانوں کے نغمات میں شریک ہوں۔)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ آپ صحرائے عرب سے ہوتے ہوئے حضورِ رسالت مآب ﷺ میں پہنچتے ہیں تو حضورِ رسالتؐ میں یہ پوچھا جاتا ہے ؎

امیرِ کارواں آں اعجمی کیست؟   سرودِ او بآہنگِ عرب نیست
زند آں نغمہ کز سیرابیؑ او   خنک دل در بیابانے تواں زیست

(اے امیر کاروان! وہ عجمی یعنی علامہ اقبال کون شخص ہے جس کے نغمات کی آہنگ عربی آہنگ سے مختلف ہے، پھر بھی اس کے نغمات میں وہ چاشنی ہے کہ اگر وہ بیابان میں بھی گائے جائیں تو وہاں پر بھی جینے کا لطف آجائے)

ان اشعار میں علامہ اقبال کا خیال یہ ہے کہ آپ کے فارسی اشعار اس قدر بلند پایہ ہیں کہ ان میں تمام مشکل مضامین و مطالب بیان ہو سکتے ہیں اور وہ دین کے رموز اور کنایات کی صحیح ترجمانی کر سکتے ہیں جن کے باعث ویرانوں میں یعنی دینی فکر سے بے بہرہ خطوں میں بھی وہی ماضی کی رونق واپس آ سکتی ہے۔ آپ اس عہد میں عرب و عجم میں ذہنی زوال اور فکری ابتری سے پریشان تھے اور آپ کو محسوس ہو رہا تھا کہ انگریزوں نے جو نام نہاد جدید تہذیب کا شوشہ مسلمانوں میں چھوڑا ہوا تھا وہ مسلمانوں کی رُوحانی بنیاد کو کمزور کر رہا تھا۔ آپ پریشانی کے عالم میں آنحضور ﷺ کے حضور عرض کرتے ہیں ؎

در عجم گردیدم و ہم در عرب مصطفیٰ نایاب و ارزاں بو لہب
(عرب و عجم میں ہر جگہ میں نے گھوم پھر کر یہی دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دین کے اثرات اب نایاب ہیں' جبکہ شیطانی اثرات یعنی ابولہب کے آثار ہر جگہ موجود ہیں۔)

ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ
(عصرِ حاضر کے روشن دماغ مسلمان زادہ کے ضمیر کی تاریکیوں میں ایک بھی ہدایت کا دیا جلتا ہوا نظر نہیں آرہا۔)

ایں غلام ابنِ غلام ابنِ غلام حُرّیت ز اندیشۂ أو شد تمام
(یہ پشتوں سے غلامی کی زندگی گزار رہا ہے اور صدیوں کی غلامی نے اس کی سوچوں سے آزادی کو ختم کر دیا ہے۔)

آتشِ افرنگیاں بگداختش یعنی ایں دوزخ دگرگوں ساختش
(اہلِ مغرب کی مسلط کردہ سوچوں کی دوزخ میں جلتے جلتے یہ تباہ و برباد ہو چکا ہے اور اپنے تشخص کو مکمل طور پر کھو چکا ہے۔)

اُس دور میں آپ کے نزدیک ملّتِ اسلامیہ قطعاً غیر منظم اور پریشان حال تھی' نہ تو اس کا کوئی رہنما (امام) موجود تھا جو سامنے آکر اس کی بدبختیوں کا ازالہ کر کے اسے صحیح راہ دکھا سکے اور نہ ہی اس ملت کی کوئی واضح منزل متعین تھی۔ انگریزوں کے کٹھ پتلی اور بے اختیار بادشاہ اس پر چھائے ہوئے تھے اور کچھ علاقوں میں تو براہ راست انگریز بادشاہ کا حکم چلتا تھا۔ ایران پر ان دنوں ایسی بے جان اور دقیانوسی طرز کی بادشاہت مسلط تھی جو پوری طرح انگریزوں اور روسیوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس قدیم اور ظلم و استبداد پر مبنی نظام نے انسانیت کو اس کے حقیقی جوہر سے محروم کر رکھا تھا۔

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است ہنوز ایں کارواں دُور از مقام است
زکارِ بے نظامِ أو چہ گویم تو می دانی کہ ملّت بے امام است
(ابھی تک نیلے آسمان کی گردش ہمارے موافق نہیں ہوئی۔ ابھی بھی ہماری قوم کا کارواں اپنی منزل سے بہت دُور بیابانوں میں بھٹک رہا ہے۔ اس قوم کی بدانتظامی کا رونا کیا کیا رووں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ یہ قوم اس وقت اپنے امام کی تلاش میں ہے۔)

پھر آپ انہی الفاظ کو کچھ اس طرح دہراتے ہوئے ہمیں اپنے صحیح ضابطہ حیات سے آگاہ کرتے ہیں ؂

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است　　نظامش خام و کارش ناتمام است
غلامِ فقرِ آن گیتی پناہم　　کہ در دینش ملوکیت حرام است

(ابھی تک دنیا میں آدمی غلامی کے شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کا نظام برائے نام ہے اور اس کی کوئی منزل متعین نہیں ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم شخصیت کا غلام ہوں جنہوں نے اس جہاں کو امن عطا کیا اور ایسا دین دیا جس میں بادشاہت کا کوئی وجود نہیں۔)

آپ اس ملوکیت کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ درس دیتے ہیں کہ اگر جذبۂ صادق ہو تو ایک فقیر بھی اپنی ہمت سے کام لے کر بادشاہت کو ختم کر سکتا ہے اور یہ بات بعد کے زمانے میں بالکل سچ ثابت ہوئی۔

در افتد با ملوکیت کلیمے　　فقیری ' بے کلاہے ' بے گلیمے
گہے باشد کہ بازی ہائے تقدیر　　بگیرد کارِ صرصر از نسیمے

(شہنشاہِ وقت سے ایک کلیم ٹکرا سکتا ہے۔ شہنشاہت کے مقابلہ میں ایک ننگے سر اور بغیر کمبل کے فقیر بھی آ سکتا ہے۔ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ تقدیر کے کھیل نے بادِ نسیم کے نرم نرم جھونکوں کو طوفانوں کا روپ دے دیا ہے۔)

آپ جن فقیروں کا ذکر کرتے ہیں انہیں اپنے اصل کی جانب لوٹنے کا اشارہ فرماتے ہیں

فقیراں تا بمسجد صف کشیدند　　گریبانِ شہنشاہاں دریدند
چو آں آتش درونِ سینہ افسرد　　مسلماناں بدرگاہاں خزیدند!

(جب فقیروں نے مسجدوں میں صفیں باندھی تھیں تو انہوں نے دین مبین کے صحیح جذبہ سے سرشار ہو کر شہنشاہوں کے گریبان پھاڑ کے رکھ دیئے تھے، لیکن جب دینی حمیت کی یہ آگ سینوں میں بجھنے لگی تو وہ آہستہ آہستہ خانقاہوں میں دبک کر گوشہ نشین ہو گئے۔)

یعنی یہ لوگ حالات و واقعات سے لاتعلق ہو گئے اور شہنشاہیت کو عوام پر مسلط ہونے کا موقع مل گیا۔

ایک بار پھر آپ کو اسی روایتی فقر و مستی اور جذب و حال میں سرشار درویش ایک

نئے دور کے تقاضوں کے خلاف نظر آ رہے تھے۔ آپ مراقبہ ہائے خلوت اور گردشِ غار و کوہ کی بجائے ان فقیروں اور درویشوں کو استغناء اور تقویٰ کا درس دے رہے تھے جن کا عمل' جرأت اور ہمت کی خوبیوں سے مالا مال فقرِ غیور اسلام کے ابتدائی ایام کی یاد تازہ کر دے جب مسلمان آئین جہانداری و جہانبانی کے امین بن کر قیصر و کسریٰ سے ٹکرا گئے تھے۔

چوں بکمال می رسد فقرِ دلیلِ خسروی است   مسندِ کیقباد را در تہِ بوریا طلب

(جب فقر پختہ ہو کر اپنے کمال تک پہنچ جاتا ہے تو یہی فقر ایران کی حکومت یعنی خسرو نوشیروان یا خسرو پرویز جیسی سلطنت کی دلیل بن جاتا ہے۔ کیقباد جیسے عظیم اساطیری دور کے ایرانی بادشاہ کا اگر تخت تلاش کرنا ہو تو ایسے ہی اہل فقر کے بوریے کے نیچے سے مل سکتا ہے۔)

یہاں آپ کی مراد یہی ہے کہ اگر خود کو صفائے قلب و رُوح کے مراحل سے گزارتے ہوئے خدا کی رضا حاصل کر لی جائے تو پھر جبر و استبداد کے بند آنکھوں میں جچتے ہی نہیں۔ انسان غیرت و حمیت کی دولت سے مالا مال ہو کر ان سے ٹکرا جاتا ہے اور پھر ایک وہ وقت آ جاتا ہے جب یہ تخت و تاج حقیر پتھروں کی طرح اس کے قدموں میں لڑھکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت آپ نے بادشاہت کے خلاف تحریک اور عظیم انقلاب کی پیش بینی فرماتے ہوئے اس کے صحیح راستے کا تعین فرما دیا تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ ایسا انقلاب برپا کرنے والے لوگ درویش طبع اور راسخ العقیدہ مسلمان ہوں گے جنہیں مال و متاع کے حصول کی بجائے خدا کی خوشنودی عزیز ہو گی۔ آپ نے علمِ دین اور علمِ عصرِ حاضر کے حصول کو ابتدائی شرط تو قرار دیا ہی تھا مگر اس کے بعد آپ نے مستی و سوز اور جذبِ دروں کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس امر کی جانب اشارہ فرمایا کہ زندگی صرف کتابی معلومات کے سہارے نہیں گزر سکتی بلکہ علمِ قرآن اور علمِ عصرِ حاضر سے گوہرہائے یکتا کو جمع کر کے انہیں دل میں سمو لینے سے ہی انسان کندن بن سکتا ہے۔ امام فخرالدین رازی کی تفاسیر پڑھ لینا ہی کافی نہیں اور ان کے استدلال پر اکتفا کر لینا بھی خامی کی علامت ہے۔ یہ سب کچھ سیکھ کر انسان قرآن کے رموز و آیات کو اپنے اوپر طاری کر لے اور پھر صاحب قرآن بن کر' خدا کے احکامات کا مجسم بن کر عصرِ حاضر کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی سکت حاصل کرے۔

ز رازی حکمتِ قرآں بیاموز　　چراغے از چراغِ او بر افروز
ولی ایں نکتہ را از من فراگیر　　کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز

(امام فخرالدین رازی سے قرآن پاک کی حکمت و دانائی کو سیکھ لے اور ان کے چراغ سے اپنا چراغ جلاتے ہوئے ان کی روشنی اور نور کا امین بن جا۔ لیکن یہ نکتہ مجھ سے سیکھ لے کہ مستی اور سوز کے بغیر بھی جینا ناممکن ہے۔)

جہاں حکمت و دانائی اور فلسفیانہ موشگافیاں رازی پر ختم ہیں وہاں جوش و مستی آپ کو مولانا جلال الدین رومی کے ہاں ملتی ہے۔ جلال الدین رومی ایران معاصر میں مولوی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کے ہاں فقرِ غیور اور جذبہ ایمانی کی فراوانی ملتی ہے۔ علامہ اقبال نے ہر قدم پر مولانا روم کی پیروی کو شعار بنایا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر تو شاید اس جگہ ممکن نہ ہو، ہم صرف ایک رباعی پر اکتفا کرتے ہیں جس میں اقبال فرماتے ہیں ؎

چو رومی در حرم دادم اذاں من　　ازو آموختم اسرارِ جاں من
بدورِ فتنۂ عصرِ کہن او　　بدورِ فتنۂ عصرِ رواں من

(رومیؒ کی طرح مَیں نے حرم میں اذان دی ہے اور میں نے وہ راز جن کا رُوح کی گہرائیوں سے تعلق ہے مولانا رومی ہی سے سیکھے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ گزشتہ دور کے فتنہ و فساد کے عینی شاہد ہیں اور میں اس عہد کے فتنہ کا چشم دید گواہ ہوں۔)

یہاں یہ یاد رہے کہ مولانا روم کا دور چنگیز خان کے استیلاء سے ذرا بعد کا اور ہلاکو کے فتنہ اور قتل و غارت کا دور تھا۔ مولانا رومؒ (۶۰۴ھ تا ۶۷۲ھ) نے شمالی خراسان (موجودہ افغانستان) کے شہر بلخ سے اُٹھ کر ایران سے گزرتے ہوئے فتنہ و فساد کے مراکز سے بہت دُور ترکی کے شہر قونیہ میں زندگی گزار دی تھی اور آپ نے اپنے ابتدائی دور میں اور دورانِ سفر ملت اسلامیہ کی مایوسی اور تباہ حالی کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ آپ نے یہ دیکھا تھا کہ اسلامی سلطنت کے انقراض کے بعد مسلمانوں میں یاس و الم کے سبب ایک سکوت سا طاری ہو گیا تھا اور مسلمان جہد و ہمت کی بجائے خانقاہوں کے کونوں کھدروں سے سکون تلاش کر رہے تھے۔ آپ نے اپنے دور میں مسلمانوں میں حریت کی رُوح بیدار کرنے کی کوشش فرمائی تھی اور اس بات کا درس دیا تھا ؎

مصلحت در دینِ عیسیٰؑ غار و کوہ　　مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی مصلحت دنیا کے ہنگاموں سے دور پہاڑوں اور غاروں میں چلّے کاٹنے میں ہو سکتی ہے لیکن ہمارے دین کی مصلحت لڑ کر شان و شوکت اور جلال کے حصول میں ہے۔)

علامہ اقبال کے ہاں ہمیں اسی شعر کی بازگشت یوں ملتی ہے ؎

زندگی او را فرارِ غار و کوہ   زندگی ما را ز مرگِ با شکوہ

(اس کے ہاں زندگی دنیا کے ہنگاموں سے فرار ہو کر پہاڑوں اور غاروں میں گھس جانے میں تھی، لیکن ہمارے ہاں زندگی سے مُراد جدوجہد اور جہاد کرتے ہوئے شان و شوکت کے ساتھ مرجانے یعنی شہید ہونے میں ہے۔)

یہی وجہ ہے کہ آپ کو ٹیپو سلطان سے خاص محبت ہے۔ المختصر یہ کہ علامہ نے ہمیں رومی کے مطالعہ اور ان کا جوش درون اپنی رُوح میں سمیٹنے کا درس دیا ہے۔ ؎

بکامِ خود دگر آں کہنہ می ریز   کہ با جامش تیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رومی   بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز

(اس شرابِ کہن یعنی سوز و مستی کے چند گھونٹ پی لو جس کے ایک جام کی قیمت خسرو پرویز جیسے شہنشاہ کی تمام بادشاہی سے بڑھ کر ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کے اشعار کی برکت سے آپ دل کی دنیا کی متاعِ پنہاں حاصل کر کے خود دل یعنی رُوح کو حرم کی دیوار کے ساتھ لٹکالیں)۔

یاد رہے کہ خسرو پرویز حضرت رسول اللہ ﷺ کا معاصر وہی مشہور ایرانی بادشاہ تھا جس کو آپؐ نے ایک تاریخی خط کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی تھی۔ اور یہی وہ بادشاہ تھا جس نے سلطنت روم کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی اور اس کی فتح ہی کے موقع پر سورۂ روم نازل ہوئی تھی۔ یہاں ایک بار پھر علامہ اقبال نے جوش و مستی کے حصول کو بادشاہت سے ٹکرانے کی پہلی ضرورت قرار دیا ہے۔ اسی نکتے کی جانب آپ نے ایک بار پھر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

بیا ساقی بگرداں جامِ مَے را   ز می سوزندہ تر کن سوزِ نَے را
دگر آں دل بنہ در سینۂ من   کہ تھمّم پنجۂ کاؤس و کَے را!

(اے ساقی آ اور جامِ مے یعنی سوز و مستی کی کیفیت کو حرکت میں لا۔ اس کیفیت کے سوز کو شراب کے سوز سے زیادہ پُر سوز اور پُر جوش کر دے۔ اس کے باعث

میرے سینے میں وہ دل رکھ دے کہ جس کی طاقت سے میں قدیم ایران کے
اساطیری عہد کے شہنشاہوں کیاؤس' کیقباد' کیخسرو اور کیانی عہد کے
دوسرے بادشاہوں سے پنجہ آزما ہو جاؤں۔)

یہاں بادشاہوں سے مُراد ہر عہد کے وہ فرعون اور صاحب جاہ و چشم بادشاہ مُراد ہیں جو اپنے جلال اور ہیبت کا نفسیاتی تاثر پیدا کر کے لوگوں کے دلوں میں غلامی کا رعب طاری کر دیں۔ علامہ اقبال نے اسی تاثر اور خوف کو زائل کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے کو کہا ہے کہ وہ ایک سجدہ تمہیں ان ہزار سجدوں سے نجات دلا دے گا جو تم بادشاہوں کے درباروں اور غیر اللہ کے حضور کرتے ہو۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی (شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے اسی سجدے کے زیر اثر دربار جہانگیری میں سجدے سے انکار کر دیا تھا۔ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ خدا کے حضور سر جھکانے کے بعد انسان کو دنیا کے بادشاہوں کی قدر و منزلت کا پتہ چل جاتا ہے اور پھر یہ تخت و تاج اس کی نظر میں بے مایہ ہو جاتے ہیں ؎

مسلمانیم و آزاد مکانیم بروں از حلقۂ نُہ آسمانیم
بما آموختند آن سجدہ کز وے بہای ہر خداوندی بدانیم

(ہم مسلمان ہیں اور ہر مکان یعنی غلامی اور استبداد کے تمام تر مظاہر اور نشانات کے اثرات آزاد ہیں اور ہماری آزادی تمام دنیاوی حدود و قیود سے بالاتر ہے اور نو آسمان بھی ہمیں اپنی حدود و قیود میں بند نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں خدا کے حضور وہ سجدہ کرنا سکھا دیا گیا ہے جس کی لذت نے ہماری آنکھوں کے سامنے تمام بادشاہوں کی حقیقت واضح کر دی ہے۔)

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی کے لئے ضروری ہے کہ جب ایران کا آخری بادشاہ محمد رضا شاہ پہلوی ۱۹۵۰ء میں لاہور آیا تو اس نے حضرت علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دی اور دعا مانگی۔ مزار کی عمارت کی چھت پر آپ کی ایک مشہور فارسی غزل تحریر ہے جس کے آخری شعر پر جب شاہ کی نگاہ پڑی تو اس کے چہرے پر اضمحلال اور رنج و ملال کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس واقعے کے عینی شاہد ایران کے اس وقت کے ملک الشعراء جناب صادق سرمد تھے جنہوں نے یہ واقعہ بعد میں میرے استاد جناب ڈاکٹر عرفانی مرحوم کو بتایا۔ وہ شعر یوں ہے کہ ؎

در آ بسجدہ و یاری ز خسرواں مطلب که روزِ فقر نیاگانِ ما چنیں کردند

(خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ اور بادشاہوں سے خیر کی توقع مت کرو کیونکہ ہمارے اسلاف نے اپنے فقر و مستی میں صرف خدا کو ہی سجدہ کیا ہے۔)

اس شعر نے شاہ کے دل میں وہ کیفیت پیدا کر دی جس نے اسے تیغ پا کر کے رکھ دیا۔ شاہ کو اُس وقت کیا علم تھا کہ اقبال کے دیگر افکار و اشعار ایک دن اس کے خلاف اٹھنے والی فیصلہ کن تحریک کا محرک بن کر جوانوں کے دلوں میں ان کے اسلاف کی آگ روشن کر رہے ہوں گے۔ آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا تھا۔ ؎

دل بحق بند و کشادی ز سلاطین مطلب که جبیں بر درِ ایں بتکدہ سودن نتوان

(خدا سے اپنے دل کو وابستہ کر لو اور سلطانوں سے رزق اور مراعات کی توقع مت رکھو۔ ان کے دربار بت خانے ہیں اور ان پر اپنی پیشانیوں کو مت رگڑو۔)

اقبال تو بادشاہت کو بھی شرک قرار دیتے تھے ؏ "لاسلاطیں' لاملوک ولاالہٰ" کا پیغام دیتے ہوئے آپ ان بتانِ عصر سے ٹکرانے کی تلقین کرتے تھے۔ آپ کے ہاں "الملک لِلّٰہ" کے مصداق بادشاہت بھی خداوند تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اس طرح فرعون اور نمرود کی طرح جو انسان خود کو اس صفت سے متصف کرتے تھے وہ اور ان کی بادشاہت کو تسلیم کرنے والے لوگ شرک کے مرتکب ہوتے تھے۔ آپ نے ارمغانِ حجاز میں حضورِ رسالتؐ میں عرض کرتے ہوئے کہا ہے ؎

گہے افتم ' گہے مستانہ خیزم چہ خوں بے تیغ و شمشیرے بریزم
نگاہِ التفاتے بر سرِ بام کہ من با عصرِ خویش اندر ستیزم!

(کبھی میں گرتا ہوں اور کبھی مستانوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔ میں بغیر کسی تلوار اور خنجر کے ایک خونیں جنگ لڑ رہا ہوں۔ آنحضور ﷺ کی نظرالتفات کا امیدوار ہوں کیونکہ میں آپ کی سُنت کی پیروی میں اپنے دَور کے تمام ہنگاموں کے خلاف جہاد کر رہا ہوں۔)

علامہ اقبال آہستہ آہستہ فقیروں' درمندوں' غلاموں اور ظلم و استبداد کے شکار اہل مشرق کو فقر و استغناء کا درس دیتے ہوئے جوش و مستی سے روشناس کروا رہے تھے اور مستقبل میں اسلام کے غلبہ کے لئے آپ کی نگاہیں اہل عجم اور خصوصاً اہل ایران پر لگی ہوئی تھیں۔ آپ اس سرزمین سے اسلام کے احیاء' شہنشاہیت کے خاتمے اور ایک

عظیم انقلاب کی راہ دیکھ رہے تھے۔ آپ کو اپنی صدا اہلِ ایران کی صدا محسوس ہو رہی تھی۔ آپ تہران کو اقوامِ مشرق کے مرکز یعنی جنیوا کے طور پر دیکھ رہے تھے۔ آپ آب و گلِ ایران اور تبریز سے کسی رومی کے اُٹھنے کے منتظر تھے۔ آپ فرما رہے تھے ؎

تنم گلے ز خیابانِ جنّتِ کشمیر　　دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است

(میرا جسم کشمیر کے جنت جیسے باغ کی کیاری کا ایک پھول ہے۔ میرا دل حجاز کے حرم سے ہے تو میری آواز شیراز سے ہے۔)

یہاں آپ حرم کے سوز و مستی کو شیراز کی آواز میں بیان فرما رہے تھے ؎

رہ عراق و خراسان زن اے مقام شناس　　بہ بزمِ اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی

(اے منزل پر رکے ہوئے مسافر! عراق اور خراسان کی جانب چل پڑ۔ یعنی سبک عراقی اور سبک خراسانی میں شعر کہتے ہوئے ایرانیوں کی محفل میں غزل چھیڑ دے۔)

ظلم و استبداد پر مبنی سامراجی نظام جو اُن دنوں روسی اور فرنگی غلبے کے باعث ایران پر مسلط تھا اس نے ایرانیوں کے ملی، روحانی اور مذہبی تشخص کا خاتمہ کر دیا تھا۔ جہاں بدترین شخصی شاہی نظام عوام کی رگوں سے خون کے آخری قطرے کو نچوڑ رہا تھا، جہاں عام انسان کی زندگی جانوروں سے بدتر تھی، جہاں مذہب کے مقدس نام پر مخصوص قسم کی کلیسائی ظلم و بربریت کا دَور دورہ تھا اور بقول حضرت آیت اللہ طالقانی مذہب کا جو رُخ عوام کو دکھایا جا رہا تھا اس کے باعث نوجوانوں کے دلوں میں مذہب کی کشش آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ اقبال کو اس پر شدید رنج و ملال تھا۔ آپ نے ایک بار واضح انداز میں اس انحطاط کا ذکر کرتے ہوئے ایک راہِ عمل کا تعین کیا جس کی رہنمائی کے لئے آپ نے قرآن پاک کی اصل تعلیمات کی جانب رجوع کرنے کو کہا۔ آپ نے فقر کا ذکر کرتے ہوئے کہا ؎

فقرِ خیبر گیر با نانِ شعیر　　بستۂ فتراکِ اُو سلطان و میر

(جو کی روٹی کھا کر حضرت علی علیہ السلام فقر کی بدولت قلعہ خیبر فتح کر لیتے ہیں۔ فقر کے پھندے میں سلطان اور امیر آجاتے ہیں۔)

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست　　ما امینیم ایں متاعِ مصطفیٰ است

(فقر ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ ہم اس کے امانت دار ہیں اور

در حقیقت یہ آنحضور ﷺ کا سرمایہ ہے۔)

با سلاطین در فتد مردِ فقیر از شکوہِ بوریا لرزد سریر

(ایک فقیر آدمی سلطانوں سے ٹکرا جاتا ہے اور فقیروں کے بوریا کی ہیبت تخت شاہی پہ لرزہ طاری کر دیتی ہے۔)

قلبِ او را قوت از جذب و سلوک پیشِ سلطان نعرۂ اُو لا ملوک

(اس کے دل کی طاقت جذب اور سلوک ہے اور بادشاہوں کے دربار میں وہ توحید کا پیغام دیتے ہوئے لاملوک یعنی "خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے" کا نعرہ لگا دیتا ہے۔)

فقر را تا ذوقِ عریانی نماند آن جلال اندر مسلمانی نماند

(جب سے فقر میں اپنے اظہار کا جذبہ باقی نہیں رہا مسلمانوں کا جاہ و جلال مٹ کر رہ گیا ہے۔)

فقرِ عریاں گرمیٔ بدر و حنین فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسینؓ

(فقر کا اظہار غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین کی گرمی کی شکل میں ہوتا ہے یا پھر حضرت امام حسینؓ کے سرزمینِ کربلا میں بلند ہونے والے نعرۂ تکبیر سے۔)

از سہ قرن این امتِ خوار و زبوں زندہ بے سوز و سرورِ اندروں

(گزشتہ تین صدیوں سے اُمّتِ محمدیؐ ذلیل و خوار ہو رہی ہے اور اندرونی سوز و سرور کے بغیر جی رہی ہے۔)

پست فکر و دُوں نہاد و کور ذوق مکتب و مُلاّئے او محرومِ شوق

(اس کی سوچ پست ہو چکی ہے' فطرت کمینگی کی طرف مائل ہے اور ذوق اندھا ہو چکا ہے۔ اس کے تعلیمی ادارے اور مذہبی رہنما یعنی ملا شوق سے محروم ہیں۔)

طبعِ اُو بے صحبتِ مردِ خبیر خستہ و افسردہ و حق نا پذیر

(اس کی طبیعت کا میلان کسی باخبر انسان کی صحبت کی جانب مائل نہیں ہوتا۔ یہ امت تھک چکی ہے' پریشان حال ہے اور حق بات کو قبول کرنے سے اجتناب کر رہی ہے۔)

من نہ مُلاّ نے فقیہِ نکتہ ور نے مرا از فقر و درویشی خبر

(میں نہ تو ملا ہوں اور نہ ہی نکتہ ور قسم کا فقیہ ہوں اور نہ ہی مجھے فقر اور درویشی کا چنداں علم ہے۔)

در رہ دیں تیز بین و سست گام پختہ من خام و کارم ناتمام

(میں دین کے معاملات کو آسانی اور تیزی سے سمجھ تو لیتا ہوں مگر اس کی راہ پر اپنی سستی کے باعث آہستہ آہستہ چل رہا ہوں۔ میں جسے پختہ سمجھتا ہوں میری وہ فکر بھی خام ہے اور میں اپنے افکار کے جو نقوش آپ کو پیش کرتا ہوں وہ بھی ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔)

لیکن اس کے باوجود ؎

تا دلِ پُر اضطرابم دادہ اند یک گرہ از صد گرہ بکشادہ اند

(چونکہ مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے اضطراب اور بے چینی سے مالا مال ایک دل نصیب ہوا ہے اس لئے میرے سو عقدوں میں سے ایک عقدہ کھل گیا ہے۔)

اور مجھ پر کچھ نہ کچھ اسلام کی حقانیت اور ابدی سچائی کی حقیقت واضح ہو چکی ہے ؎

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر بعد ازیں ناید چو من مرد فقیر

(میری تب و تاب سے فیض حاصل کر لو' کیونکہ ممکن ہے کوئی میرے جیسا فقیر شخص شاید پھر کبھی بھی پیدا نہ ہو سکے)

پھر آپ نے عصر حاضر کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ظلم و استبداد کے اس نظام کو (جو اُس دور میں مسلمانوں پر مسلط تھا) پوری شدت سے رد کرتے ہوئے صحیح اسلامی افکار کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا کہ اب آپ خانقاہوں اور پناہ گاہوں سے باہر نکل آئیں اور قرآن پاک کے رموز کو فاش کرتے ہوا ایک نئے اور دیرپا اسلامی انقلاب کی تیاری کریں۔ ایران اور برصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ؎

از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است از تنِ شاں جاں ربودن حکمت است

(کمزوروں یعنی مستضعفین سے روٹی کے نوالے تک چھین لینے کو آج کی دنیا میں دانائی کا نام دیا جا رہا ہے۔ ان کے جسموں سے خون کے آخری قطرے نچوڑ کر انہیں زندگی سے محروم کر دینے کو حکمت کہا جا رہا ہے۔)

شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری است پردۂ آدم دری سوداگری است

(نئی تہذیب کا شیوہ تو قوموں کا قتل عام ہے اور انسانیت کے قتل عام کے پردے میں سوداگری ہو رہی ہے۔)

تا تہ و بالا نگردد ایں نظام دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

(جب تک یہ استبدادی نظام تہ و بالا نہیں ہو جاتا اُس وقت تک تہذیب' دانش اور دین کی جو صورت مذہبی رہنما پیش کر رہے ہیں وہ سب ایک واہمے سے زیادہ نہیں ہے۔)

تختِ جم پوشیدہ زیر بوریاست فقر و شاہی از مقاماتِ رضاست

(اللہ کی رضا حاصل کرنے سے ہی فقیری ملتی ہے اور وہی فقیری بادشاہت سے برتر ہے۔ دراصل اہل فقر کے بوریے کے نیچے ایران کے اساطیری عہد کے عظیم بادشاہ جمشید کا تخت بھی چھپا ہوا ہے۔)

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم

(اے کہ تجھے قرآن پاک پر ناز ہے' تُو کب تک خانقاہوں اور حجروں میں مقید ہو کر اپنے حال میں مست پڑا رہے گا؟)

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن نکتہ ء شرعِ مبیں را فاش کن

(اس دنیا میں دین کے تمام پوشیدہ رازوں کو فاش کر دے اور شرعِ مبین کے باریک نکتوں کو دنیا پر روشن کر دے۔)

مکتب و مُلّا سخن ہا ساختند مؤمناں ایں نکتہ را نشناختند

(آج تک دینی مدرسوں اور علماء کی محفلوں میں بے شمار عالمانہ باتیں ہوتی رہی ہیں لیکن ان تمام علمی مباحث کے باوجود مومنوں کی نظر سے یہ اصلی نکتہ چھپا رہا ہے۔)

اگر مندرجہ بالا اشعار پر غور فرمایا جائے تو ایران کے اسلامی انقلاب کی تمام تر تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے خود بخود گھوم جاتی ہے۔ اسی لئے تو آیت اللہ علی خامنائی نے فرمایا ہے کہ ایران کا انقلاب اقبال کے اسلامی افکار کا ہی مرہون منت ہے۔ آپ کے انہی افکار کی روشنی میں ڈاکٹر علی شریعتی اور آیت اللہ طالقانی کے دیئے جانے والے وہ لیکچر ہیں جنہوں نے ایران میں انقلاب کی رُوح بیدار کر دی اور علمائے حق حجروں سے نکل کر میدانِ عمل میں اُتر آئے۔

علامہ اقبال کے دور ہی میں انگریز برِّصغیر پر اپنا اقتدار مستحکم کرنے کے بعد جنوبی اور مغربی ایران میں بن بلائے مہمان کی طرح گھس بیٹھے تھے اور انگریزی تہذیب و ثقافت ایران میں شاہی سرپرستی میں مقبول ہوتی جا رہی تھی۔ اہل ایران کا خود اپنے اوپر اعتماد

اٹھ چکا تھا اور وہ اپنے تئیں مجبورِ محض تصور کرنے لگ گئے تھے۔ کامیابی اور ترقی کا راز اہل مغرب کی اندھی تقلید میں مضمر سمجھا جا رہا تھا۔ ایسے میں آپ نے فرمایا ؎

اے اسیرِ رنگ پاک از رنگ شو مؤمنِ خود کافرِ افرنگ شو

(اے رنگ و نسل کے اسیر! ان چکروں سے باہر نکل آ۔ افرنگی تہذیب کا انکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو پہچان لے۔)

رشتۂ سود و زیاں در دست نیست آبروئے خاوراں در دست نیست

(تمہارے ہاتھوں سے سود و زیاں کا کنٹرول چھن چکا ہے اور خاوراں یعنی مشرق کی آبرو چھن چکی ہے۔)

یہ نکتہ یہاں اہم ہے کہ خاوران کبھی کبھی ماضیٔ قدیم میں خراسان کو بھی کہا جاتا تھا اور فارسی گو خطہ خراسان وہی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے احیائے اسلام کے ابتدائی مرکز ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تھی ؎

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند رایتِ صدق و صفا را کن بلند

(ان قدیم اقوام کو ایک اتحاد میں جمع کرنے والے اے مشرقی انسان تو آخر کار سچائی اور صفا کے علم کو بلند کر دے۔)

اہلِ حق را زندگی از قوت است قوتِ ہر ملّت از جمعیت است

(حق والوں کی زندگی دینی' روحانی اور سیاسی غلبے اور بین الاقوامی قوت میں موجود ہے اور ہر قوم کی قوت کا دارومدار اس کے عوام کے باہمی اتحاد میں مضمر ہے۔)

رای بے قوت ہمہ مکر و فسوں قوتِ بے رای جہل است و جنوں

(وہ رائے جس کے ساتھ قوت شامل نہ ہو یعنی وہ فقہی اصول یا قوانین جن پر عمل درآمد نہ کرایا جا سکے وہ صرف مکر و فسوں یعنی نظروں کا دھوکا بن کے رہ جاتے ہیں اور اگر ایسی قوت حاصل ہو جائے جس کے ساتھ قوانین اور اصولوں کی پاسداری کے دساتیر نہ ہوں وہ بھی اندھی جہالت اور دیوانگی کو جنم دیتی ہے۔)

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں آن یدِ بیضا برآر از آستیں

(اے تہذیب اور دین کی دولت کے امانت دار! اپنی آستین سے یدِ بیضا نکال کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آج تو عصرِ حاضر کے فرعون کے دربار کی تاریکیوں میں

روشنی کا اظہار کر دے یعنی حق کا اعلان کر دے۔)

خیز و از کارِ امم بکشا گرہ   نشۂ افرنگ را از سر بنہ

(اٹھو اور قوموں کی مشکلات کا ایک واضح حل پیش کرو اور انگریزوں کی تہذیب کا نشہ اپنے دماغ سے اُتار دو۔)

نقشے از جمعیتِ خاور فگن   واستاں خود را زدستِ اہرمن

(ایک دفعہ پھر مشرقی اقوام یعنی ایشیائی مسلمانوں کے عزم و ہمت کے نشانات جہان پر واضح کر دو اور خود کو اہرمن یعنی شیطان کے پنجے سے رہا کروالو۔)

دراصل قبل از اسلام کے ایران میں خدائے بدی کو "اہرمن" کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد فارسی ادب میں اہرمن کی اصطلاح باقی رہ گئی اور یہ ابلیس کے لئے استعمال ہونے لگی۔ ابلیس تو راندۂ درگاہ ہے مگر اہرمن کو تمام تر برائیوں کے مظہر کے طور پر ایک انتہائی جاندار شخصیت کے روپ میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ مشرقی مفکرین خصوصاً علامہ اقبال کے افکار میں اہرمن کا تصور بہت واضح نظر آتا ہے اور اس کی تمام تر قوتوں سے ٹکرانے کی تلقین کی جاتی ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ : احکامِ ستر و حجاب

کے رسول ﷺ کی بیویوں اور بیٹیوں کی تقلید چھوڑ کر گوروں کی بے حیاء لیڈیز کی تقلید اپنا رکھی ہے اور بے پردہ ہو کر بے حیائی کے ساتھ بازاروں میں گھومنے پھرنے میں فخر سمجھتی ہیں اور شرعی پردے پر عمل کرنے والی خواتین کو فرسودہ خیالات کی حامل سمجھ کر ان پر جہالت کی پھبتی چست کرتی ہیں۔ بلکہ سازش کے تحت ٹی وی پر پڑھی لکھی خواتین کو ننگے سر اور مخلوط معاشرے کا حصہ اور اَن پڑھ جاہل خواتین کو دوپٹہ اور چادر میں لپٹا ہوا دکھایا جاتا ہے۔

گوشہ خواتین

اسلام میں عورت کا مقام

بیگم صغریٰ خاکوانی' ملتان

قرآن کریم میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا ہے :

﴿ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○ ﴾ (الضحیٰ ۱۱)

"اور تمہارے رب نے تم پر جو انعام و اکرام کئے ہیں ان کا تذکرہ کرو!"

اس آیت کے پیش نظر مجھ عورت ذات پر مالک کائنات نے انعام و احسان کی جو بارش کی ہے اس کے شکر کے لئے تو اک عمر تھوڑی ہے' البتہ اس کے ذکر کے لئے عالمِ نسواں کے نمائندے کے طور پر تحدیثِ نعمت کر رہی ہوں۔

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کئے ہیں ان کی فہرست گو بہت طویل ہے تاہم ان میں سے سب سے پہلا اور اہم ترین حق جو عورت کو ملا وہ زندہ رہنے کا حق تھا۔ اسلام نے عورت کے وجود کو نہ صرف خود تسلیم کیا' بلکہ ساری دنیا سے تسلیم کرایا۔ اسلام سے پہلے صرف عرب کی صورتحال کیا تھی' قرآن مجید میں اس کا نقشہ بایں الفاظ کھینچا گیا ہے :

﴿ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ○ ﴾ (النحل : ۵۸'۵۹)

"جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی تو اس کا چہرہ غصے سے سیاہ پڑ جاتا اور وہ غصے کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ اس خوشخبری کے رنج سے وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا (نہ سمجھ پاتا) آیا ذلت اٹھا کر اس کو اپنے پاس رہنے دے یا پھر اس کو مٹی میں دبا آئے۔ سنو' کتنا بُرا فیصلہ کرتے تھے وہ!"

گویا عورت ذات ذِلّت و پستی کے اس مقام پر تھی جہاں والد جیسا شفیق سہارا بھی اس کی جان کا دشمن بن جاتا اور اسے صحرا کی وسعتوں میں زندہ گاڑ آتا۔ اللہ ربّ العزت کو عورت کے ساتھ روا رکھی گئی ان زیادتیوں کا پورا پورا احساس ہے۔ چنانچہ قرآن مجید

میں فرمایا :

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ○ ﴾ (التکویر ۸'۹)

"اور جب (قیامت کے دن) زندہ دفن کی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس گناہ کی پاداش میں اسے قتل کیا گیا"۔

ہادیِ اسلام ﷺ کے سامنے جب ایک صحابیؓ نے زمانہ جاہلیت میں اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دینے کا واقعہ بیان کیا تو صرف واقعہ سن کر اُس ذاتِ رحمت ﷺ پر اس قدر رِقّت طاری ہوئی کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ نہ جانے وہ کیسے درندہ صفت لوگ تھے جو یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں کر گزرتے۔ حدیث کی کتابوں میں یہ فرمانِ نبوی موجود ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلا مقدمہ زندہ درگور کی جانے والی بچی کا پیش ہو گا۔

جو بدنصیب بچیاں زندہ درگور ہونے سے بچ نکلتیں پھر ان کی زندگی عذابِ مسلسل کا نمونہ ہوتی۔ اہمیت تو بڑی بات ہے' عورت کی کوئی عزت اور وقعت نہ تھی۔ اسلام نے عورت ذات کو نہ صرف زندگی بخشی بلکہ معاشرے میں عزت و وقار دے کر زندگی کا لطف دوبالا کر دیا۔ ہادیِ اسلام ﷺ نے اپنے عمل سے یہ بتایا کہ بیٹی کس قدر پیاری اور معصوم مخلوق ہوتی ہے۔ آپؐ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے از حد محبت فرماتے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آتا دیکھ کر کھڑے ہو جاتے' سر پر دستِ شفقت پھیر کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے :

((مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ))

"جو شخص بیٹیاں دے کر آزمایا گیا' اس نے ان بچیوں سے محبت کا سلوک کیا تو وہ بچیاں جہنم کی آگ اور اس شخص کے درمیان پردہ (آڑ) بن جائیں گی"۔

اسلام یوں تو تمام دنیا والوں کے لئے امن اور سلامتی کا پیغام تھا لیکن انسانیت کے مجبور و کمزور طبقوں کے لئے خاص طور پر باعثِ رحمت ثابت ہوا۔ یہ مجبور لوگ غلام اور کمزور مخلوق عورت کی ذات تھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے جو خطبہ دیا وہ پوری انسانیت کے لئے منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں غلاموں کے تذکرہ کے بعد عورتوں کے متعلق آپؐ نے انتہائی دلسوزی سے فرمایا تھا :

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا))

"میں تم لوگوں کو عورتوں کے بارے میں نیکی اور بھلائی کی وصیت کرتا ہوں"۔

ماں، بہن اور بیٹی کے علاوہ عورت کی ایک اہم حیثیت بیوی کی ہے۔ اسلام سے پہلے شوہر کی صورت میں مَرد اس قدر غالب تھا کہ بیوی محض اس کی باندی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ اس سے ہر خدمت لینے کا مجاز تھا۔ اسے نہ صرف بیوی کو مارنے پیٹنے کا اختیار حاصل تھا، بلکہ وہ اسے جان تک سے مار ڈالنے کا حق دار تھا۔ اسلام نے شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی بیڑیاں پہنا کر اس کے وسیع اختیارات کو جائز حد تک محدود فرمادیا۔ چنانچہ شوہروں کو حکم دیا:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾

"اور ان (بیویوں) کے ساتھ حسن اخلاق سے زندگی گزارو"۔

خود حضور نبی کریم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ ہمارے سامنے مثال ہے۔ آپؐ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ انتہائی خوش خلقی اور محبت کا برتاؤ فرماتے اور آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی بھلائی کا معیار یہی رکھا۔ ارشاد مبارک ہے:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ))

"تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے سب سے اچھا سلوک کرتا ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں سے اچھا ہوں"۔

اسلام نے عورت کو نکاح کا تحفظ دیا۔ یہ ایک ایسا قلعہ ہے جس کے اندر آنے کے بعد عورت کلی طور پر محفوظ ہو گئی، نگاہِ بد سے، خیالِ بد سے، خوفِ تنہائی اور تنگیٔ معاش سے۔ نکاح تو پہلے بھی ہوتا تھا، لیکن اسلام سے پہلے عورت کی بے حیثیتی کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ شوہر کے مرنے پر قریب کھڑا جو سسرالی رشتہ دار اس کے سر پر پہلے چادر ڈال دیتا وہ اس کا مالک ٹھہرتا خواہ وہ اس کا سوتیلا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تو عربوں کا حال تھا، ایرانیوں نے عورت کی بے وقعتی کی اس سے بڑھ کر مثال قائم کی تھی کہ کسریٰ ایران نے اپنی بیٹی سے شادی کر رکھی تھی۔ اسلام نے عورت کو مقام تحفظ دیا، اس کے جذبات و احساسات کی قدر کی اور اسے ان رشتے داروں کے لئے محرماتِ ابدیہ کی فہرست میں شامل کیا جن کے لئے عورت کے دل میں ہمیشہ عزت و شفقت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔

مَردانہ تفوق کے اس معاشرے میں مَرد کو اپنی رفیقہ حیات کے انتخاب کا ہمیشہ پورا

حق اور موقع ملا ہے' جب کہ عورت کے لئے شریکِ حیات کا انتخاب تو بڑی بات ہے انتخاب کی سوچ بھی موجبِ گناہ و سزا ٹھہرتی ہے۔ حضور ﷺ نے عورت کو بھی شریکِ حیات کے انتخاب یا انکار کا پورا پورا حق دیا ہے۔ یہاں تک کہ نکاح کی قبولیت کا تمام تر انحصار و اختیار عورت کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ البتہ عورت کے لئے ولی کی رضامندی کی محدود شرط عائد کی ہے تو وہ بھی لڑکی کے شرم و حیا اور ناتجربہ کاری کے پیش نظر محض اس کے تحفظ و تقویت کے لئے ہے' ورنہ زندگی کا ساتھی چننے میں عورت ہی کی رائے حتمی اور آخری ہے۔ مہر عورت کی قیمت ہرگز نہیں' بلکہ یہ مَرد کی جانب سے عورت کی خدمت میں خیرسگالی کے جذبات اور حسن معاشرت کے ثبوت کا پہلا تحفہ ہے۔ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مَردوں کی شکایت پر دس ہزار درہم کی کثیر رقم تک مہر محدود رکھنے کا اعلان کیا تو اسی وقت ایک بوڑھی عورت نے اُٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر ٹوک دیا کہ "ہمارے جس حق کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے محدود نہ کیا' تم سے بہتر شخص آیا (مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے) اس نے یہ نہ سوچا' تم کون ہو ہمارے اس حق کو محدود کرنے والے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اُٹھ کر تصحیح کی کہ "یہ بڑی بی ٹھیک کہتی ہے اور عمر غلطی پر ہے' ہمیشہ کی طرح عورت کے مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں"۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مہر جو عورت کے لئے مالی استحکام اور ذہنی تحفظ کا بہترین ذریعہ تھا اسے صرف ۳۲ روپوؤں تک محدود کرکے احکامِ شریعت کا مذاق اڑایا جاتا ہے یا لاکھوں روپوؤں تک مقرر کرنے کے باوجود کبھی ادا نہ کرکے حکمتِ خداوندی کو بے اثر کیا جاتا ہے۔ افراط و تفریط کی اس سے بدتر مثال شاید اور کہیں نہ ملے۔ حالانکہ مہر کی ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص مقروض مرے تو اس کے ترکے سے پہلے مہر وصول کیا جائے گا' اس کے بعد قرضوں کی ادائیگی ہوگی۔ پاکستانی مَرد غالباً اس لئے بھی مہر کی ادائیگی کے بارے میں بے فکر ہو گیا ہے کہ مرنے کے بعد تو عورت وصول کر ہی لے گی' لہٰذا ابھی اتنی بھی کیا جلدی۔

مہر کے علاوہ اسلام میں عورت کو اپنے میاں سے تاحیات نان و نفقہ حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ نان و نفقہ میں خوراک' لباس اور رہائش شامل ہیں۔ یہ نان و نفقہ عورت کس حساب سے وصول کرے گی' ذاتِ باری تعالیٰ نے خود فیصلہ فرما دیا کہ

﴿ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ﴾
"صاحبِ حیثیت پر اس کی حیثیت کے پیش نظر دینا ہوگا اور غریب اپنی اوقات کے مطابق ادا کرے گا"۔

اس طرح اسلام نے عورت کو معاشی ذمہ داریوں اور معاشرتی الجھنوں سے پناہ دے کر قابل اطمینان اور باعث تسکین ازدواجی زندگی عطا کی۔

اتنے مالی تحفظ اور اس قدر حسن معاشرت کے احکامات کے باوجود بھی اگر طبیعتوں کی عدم موافقت اور خاندانی مناقشت کی وجہ سے خدانخواستہ میاں بیوی میں نباہ نہ ہو تو.. ...ایک صورت تو یہ تھی کہ دونوں چاہے ایک دوسرے کی شکل سے بے زار ہوں یا زندگی جہنم ہو جائے پھر بھی نبھائے چلے جاؤ۔ کسی بھی صاحب عقل و ہوش کے لئے یہ صورتحال ناقابل برداشت تھی۔ اسلام جو ہوشمندوں کا دین ہے' نے ناچاقی اور بدمزگی کے خاتمے کے لئے ایک دروازہ کھلا رکھا اور وہ ہے طلاق کا راستہ۔

طلاق اگرچہ اَبغضُ الحَلال ہے' مالک کی نظر میں سب سے ناپسندیدہ چیز' پھر بھی یہ وہ نشتر ہے جو گھریلو ناچاقی کا آخری علاج ہے اور بسا اوقات انتہائی مفید بھی۔ اگرچہ طلاق کا حق تمام تر مَرد کے اختیار میں ہے لیکن خلع کا اختیار عورت ذات کو دے کر اس پر بہت بڑا احسان کیا گیا کہ وہ چاہے تو ظالم شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عدالت کی طرف رجوع کر سکتی ہے۔ اب رہی یہ شکایت کہ عورت کو طلاق کا حق کیوں نہ ملا تو یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ساتھ ساتھ احسان بھی ہے' ورنہ عورت کی جلد بازی اور کم قوتِ برداشت کی وجہ سے نہ جانے ایک دن میں کتنی بار یہ حق استعمال ہو چکا ہوتا۔

طلاق کے بعد مطلقہ کو دوسرا نکاح کرنے کی پوری پوری آزادی دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اب ولی کی قید بھی اُٹھا دی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا تھا کہ "تین باتوں میں کبھی تاخیر نہ کرنا۔ ایک نماز میں کہ وقت ہو جائے' جنازہ پڑھانے میں جب میت آ جائے اور بیوہ یا مطلقہ کے نکاح میں جب رشتہ موجود ہو"۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ دو باتیں عورت کی اپنی دانست میں سبکی کا باعث بنتی چلی آ رہی ہیں۔ عورتوں کو یہ گلہ ہے کہ مَردوں کو ہم سے برتر کیوں بنایا گیا؟ باہر سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت کو جائیداد میں مَرد سے نصف دلا کر عورت کا درجہ گھٹا دیا گیا ہے۔ آیئے'

اس الجھاؤ کو بھی آج ہی سلجھالیتے ہیں۔ یوں تو حقوق و فرائض کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو ایک ہی درجے پر رکھا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

"اور عورتوں کے لئے بھی اسی قدر حقوق ہیں جس قدر ان پر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں"۔

البتہ ساتھ ہی فرمادیا :

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرۃ . ۲۲۸)

"تاہم مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ برتری حاصل ہے"۔

دیکھا جائے تو مردوں کا یہ تفوق اور ایک درجہ برتری عین حق و انصاف کے مطابق ہے۔ کیونکہ مرد ایک تو اپنی جسمانی قوت کے لحاظ سے افضل ہے۔ دوسرا وہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرکے اپنے خلوص اور جذبہ ایثار سے برتری حاصل کرلیتا ہے۔ سورۃ النساء میں مرد کی فوقیت کی یہی دو وجوہات بتائی گئی ہیں۔ فرمایا :

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ ﴾ (آیت ۳۴)

"مردوں کو عورتوں کا نگران مقرر کیا جارہا ہے' ایک تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو دوسروں پر فوقیت دے دی ہے اور دوسرا یہ بھی تو ہے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں"۔

اب آتے ہیں عورت کے مرد کی نسبت نصف حصے کی طرف' تو اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جس معاشرے میں عورت کی سرے سے کوئی حیثیت نہ تھی وہاں اسے ورثے اور ترکے میں شامل کرلینا ہی بڑی بات تھی' قطع نظر اس کے کہ اسے کیا مل رہا ہے ــــــ دوسرا جواز یہ ہے کہ مرد کی قوّامیت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے تسلیم کروایا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔ اب مرد پر تو یہ فرض ہو کہ پہلے وہ اپنی شادی کا خرچہ اُٹھائے' مہر کی رقم ادا کرے' تاحیات بیوی کا اپنی حیثیت کے مطابق نان و نفقہ برداشت کرے' اپنے بچوں' رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرے اور ان سب پر خرچ کرتا چلا جائے۔ ادھر عورت ذات پر کوئی مالی ذمہ داری نہ ہو' بلکہ مہر کی رقم' تحفے تحائف

اور نان و نفقہ کا تسلسل اس کی آمدنی میں مزید اضافے کا باعث بن رہا ہو۔ کیا یہ قرین انصاف ہوتا کہ عورت اور مَرد کا حصّہ جائیداد میں برابر رکھا جاتا؟

کیا مَرد خدا کی مخلوق نہ تھا یا نعوذ باللہ ذاتِ باری تعالیٰ حکمت و بصیرت سے عاری تھی۔ چونکہ یہ دونوں باتیں نہیں تھیں اس لئے عورت کا مَرد سے نصف حصّہ رکھنا ہی قرین قیاس اور قریب انصاف ہے۔ اس میں شکوہ و شکایت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی' بلکہ جتنا جتنا سوچتے جائیں دل تشکر و اطمینان کے جذبات سے بھر جاتا ہے کہ وہ عورت جو صرف مملوک تھی اسلام نے اسے حقِ ملکیت دیا' وہ جو کبھی جائیداد کا حصہ سمجھی جاتی تھی اسے ﴿ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾ کہہ کر جائیداد میں حصے دار بنایا۔ اسلام نے عورت کے لئے معاش کی راہیں کھول دیں۔ اب اسے اختیار ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر جو کاروبار چاہے اختیار کر سکتی ہے' جائز طور پر جتنا چاہے کما سکتی ہے۔ وہ اپنے لئے جائیداد خرید سکتی ہے اور اپنی ملکیت کو فروخت کرنے کا پورا پورا حق رکھتی ہے۔ زندگی کی آسودگی کے تمام دروازے اس کے لئے کھلے ہیں۔

یہ تمام تو تھے دنیاوی حقوق جو اس سخی ذات نے پوری فیاضی سے عورت ذات کو عنایت کئے۔ آخرت میں جنت کا حصول بھی یہ کہہ کر عورت کے لئے آسان کر دیا کہ :

﴿ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○ ﴾

"اور جس مَرد یا عورت نے عمل صالح کئے' بشرطیکہ ایمان والا ہو' تو ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہو گا"۔

بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق عورت ذات کے لئے جنت کا حصول مَرد کی نسبت' اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْءَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ))

(مسند احمد)

"جب عورت روزانہ پانچ وقت کی نماز پڑھے' رمضان بھر کے روزے رکھے' اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس

دروازے سے چاہے داخل ہو جائے"۔

اسلام کا عورت ذات پر ایک اور احسان یاد آرہا ہے۔ روم و یونان کی علم دوست قوموں نے جب عورتوں پر علم کے دروازے بند کر رکھے تھے اسلام نے اُس وقت اپنے مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو نہ صرف علم حاصل کرنے کی اجازت دی بلکہ اسے علم کے حصول کا پابند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)) (ابن ماجه)

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے '(خواہ وہ مرد ہو یا عورت)"۔

میں سمجھتی ہوں کہ اگر اور کوئی احسان نہ بھی ہوتا تو یہی احسان عورت کی زندگی کو حسن و حکمت دینے کے لئے کافی تھا۔

اللہ مہربان ذات ہے' جب نوازنے پر آتا ہے تو نوازتا ہی چلا جاتا ہے۔ عورت کی عظمت کی انتہا اس وقت ہوئی جب اسے ماں کا مقامِ بلند ملا۔ وہ بلند مقام جس کے سامنے انسانیت تو کیا جنت تک جھکتی چلی گئی۔ مَرد بہت کچھ ہونے کے باوجود اس مقامِ بلند تک نہ پہنچ سکا۔ قرآن کریم میں بارہ مقامات پر اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ والدین سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا اور والدہ کی تکالیف کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ حدیث میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ((عُقُوقُ الْاُمَّهَاتِ وَ وَاْدُ الْبَنَاتِ)) فرمایا گیا۔ یعنی ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑ دینا۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے انسان کو ماں کی ہستی کے بارے میں یہ مشورہ دیا :

((اَلْزِمْ رِجْلَيْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِهَا))

"اس کے قدموں سے چمٹا رہ۔ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔"

حضور پاک ﷺ نے عورت کو نازک آبگینہ کہہ کر اس کی حساس فطرت کی صحیح عکاسی کی۔ فی الواقع اسلام نے عورت کے لئے دنیا کو جنت بنا دیا۔

دراصل طبقۂ اِناث پر اللہ کی جانب سے جو مہربانیاں ہوئی ہیں عورت کو اس کا اندازہ نہیں ـــ وہ عورت جو دنیا کی نظر میں مکر و فریب کا مجسمہ تھی 'گناہ کی پوٹ تھی' انجیل کی زبان میں جسے موت سے کڑوی تعبیر کیا گیا تھا' آدم کو ورغلانے والی تنہا قصوروار ٹھہرائی گئی تھی۔ قرآن نے ﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ ﴾ کہہ کر کہ شیطان نے دونوں کو ورغلایا

تھا' عورت کو اس ناکردہ گناہ سے نجات دی۔

اسلام نے عورت کو تقدس بخشا' اس کی معصومیت کو مانا اور اس کی شفقت کی مثال دی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے۔ ذرا اندازہ لگائیں اس کی عظمت کا ـــــ مالکِ کائنات سے صرف ایک اور ستر کی نسبت ـــــ ہے کوئی حد ہے اس کے عروج کی!

الغرض اسلام نے معاشی' معاشرتی' سماجی' علمی اور روحانی لحاظ سے عورت کو مَردوں کے برابر عزت دے کر شرف و احترام کا وہ مقام عطا کیا جو آج تک اسے کہیں سے نصیب نہ ہوا تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی عورت کو بہت کچھ حقوق اور آزادی حاصل ہے' پھر بھی وہ عزت اور مرتبے میں اس مقام سے کہیں پیچھے ہے جو اسلامی معاشرے میں عورت کو آج سے چودہ سو سال پہلے مل گیا تھا۔ آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی پاکستانی عورت باقی دنیا کی عورتوں سے کہیں زیادہ پُر سکون' کہیں زیادہ باوقار اور باعزت نظر آتی ہے۔ محرومی تو اب بھی نہیں' تاہم اکثر یہ خیال آتا ہے کہ اگر صحیح اسلامی معاشرہ ہوتا تو کس قدر سرشاری ہوتی....!

"اور یقیناً ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان بنایا ہے' تو ہے کوئی سمجھنے والا
(کہ جو سمجھنا چاہے)؟؟" - (القمر)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں" (صحیح بخاری)

آپ کے لئے لمحۂ فکریہ

① کیا آپ قرآن مجید (صحیح تلفظ کے ساتھ) پڑھ سکتے ہیں؟
② کیا آپ قرآن مجید تلاوت کرتے وقت سمجھتے ہیں کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟
③ کیا آپ دورانِ نماز تلاوتِ قرآن کا مفہوم سمجھ رہے ہوتے ہیں؟
④ کیا آپ نے اپنے اہل خانہ کے لئے قرآن کی تعلیم کا بندوبست کر رکھا ہے؟
⑤ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ قرآن حکیم میں کیا لکھا ہے؟ کس لئے لکھا ہے؟
⑥ کیا آپ قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟
⑦ کیا آپ قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی میں تبدیلی محسوس کر رہے ہیں؟
⑧ کیا آپ نے قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جواب کی تیاری کر رکھی ہے؟
⑨ کیا آپ یومِ محشر میں ہونے والے سوالات کے جوابات کے لئے تیار ہیں؟
⑩ کیا آپ جہنم کی آگ سے خود بچنے اور اپنے گھر والوں کو بچانے کا بندوبست کر رہے ہیں؟

اگر نہیں' تو آج ہی

قرآن مجید کو صحیح تلفظ سے پڑھنے' اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر کے اس پر عمل درآمد کی کوشش شروع کر دیں۔ کیا عجب کہ آپ کا یہ مصمم ارادہ ہی آپ کے لئے نجات کا باعث بن جائے۔

قرآن فہمی کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروسِ قرآن اور خطابات (کتابچے' آڈیو / ویڈیو کیسٹ اور CD) سے استفادہ کیجئے' جو مکتبہ انجمن خدام القرآن سے مل سکتے ہیں۔ عربی گرامر اور ترجمہ قرآن سیکھنے کے لئے شعبہ خط و کتابت کورس سے رجوع کریں ——— مکتبہ اور شعبہ خط و کتابت کورس کا پتہ :

مرکزی انجمن خدام القرآن' 36 K ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

عطیہ اشتہار : ایک بندۂ خدا

"مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کا مفہوم

مولانا احتشام الحق تھانویؒ

خطاب خاص برائے مؤمنین مع حکم شکر اور ماکولات میں سے حرام اشیاء کا بیان :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (البقرۃ ۱۷۲-۱۷۳)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم خالص اس کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے مُردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور اس جانور کو جو بولا گیا ہو غیر اللہ کے لئے۔ پھر جو شخص بے تاب ہو جائے، نہ طالب لذت ہو اور نہ حد سے آگے نکلنے والا ہو تو اس شخص پر (بقدرِ سدِّ رمق کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے"۔

مُردہ جانور، خونِ سائل اور خنزیر کے گوشت کے بعد چوتھی چیز جو اس آیت میں ذکر کی گئی وہ ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ ہے اور اس کا عطف بلحاظ قرب "لحم الخنزیر" پر ہے۔ ما موصولہ ہے۔ اس سے مراد ہے کوئی حلال جانور۔ اُهِلَّ ماضی مجہول ہے جو اھلال سے بنا ہے اور اھلال ھلال سے ماخوذ ہے۔ ھلال لغوی طور پر آغاز ماہ کی پہلی اور دوسری شب کے چاند کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو ہلال نہیں کہتے بلکہ قمر کہا جاتا ہے۔ اھل الھلال کے معنی ہیں چاند ہو گیا اور استھلال کے معنی چاند دیکھنے کے ہیں۔ پھر اھلال بھی چاند دیکھنے کے معنی میں آنے لگا جیسے اجابة اور استجابة دونوں کے معنی جواب دینے اور قبول کر لینے کے آتے ہیں۔ اس کے بعد عرف میں اھلال کے معنی چاند دیکھتے وقت آواز نکالنے اور بولنے کے آنے لگے۔ پھر اس میں اور وسعت پیدا ہو گئی اور مطلقاً آواز نکالنے کے معنی میں لفظ اھلال کا استعمال ہونے لگا۔ استھلال اس رونے اور آواز

نکالنے کو بھی کہا جاتا ہے جو پیدائش کے وقت بچہ روتا اور آواز نکالتا ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لغتِ عرب کے مشہور اور ماہر عالم اصمعی کا قول نقل کیا ہے کہ اھلال کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں۔ پس ہر آواز بلند کرنے والے کو مُھِل کہا جاتا ہے۔

اصطلاحِ فقہ میں اھلال کے معنی حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بھی اسی مناسبت سے آتے ہیں کہ احرام باندھ کر بآوازِ بلند تلبیہ پڑھا جاتا ہے۔ پس اھلال کے معنی ذبح کے نہ لغت میں آتے ہیں اور نہ عرف اور اصطلاح میں۔ لہٰذا جن مفسرین نے ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کی تفسیر "ماذُبِحَ علیٰ اسمِ غیرِ اللّٰہ" (یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو) سے بیان کی ہے' وہ درحقیقت لغوی یا اصطلاحی معنی کا بیان نہیں ہے بلکہ مشرکینِ عرب کے رواج اور طریقہ کا بیان ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کے بعد لکھا ہے :اَیْ ذُبِحَ علی اسمِ غیرِہٖ والاھلالُ رفعُ الصَّوتِ وکانوا یرفعونہٗ عند الذبح لاٰلھتھم "یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا اور اھلال کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں اور وہ (مشرکین غیر اللہ کے نام کے ساتھ) اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرتے وقت آواز کو بلند کیا کرتے تھے"۔

اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے : لان العرب کانوا یُسمون الاوثان عند الذبح ویرفعون اصواتھم بذکرھا "کیونکہ مشرکین عرب ذبح کے وقت بتوں کا نام لیا کرتے تھے اور ان کے ذکر کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کیا کرتے تھے"۔

یہ بحث چونکہ بہت اہم ہے' جس میں بعض لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے اور بہت سے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے سخت قسم کے گناہ میں مبتلا ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "فتح العزیز" میں اس موقع پر بڑی تفصیل کے ساتھ محققانہ بحث کی ہے۔ شاہ صاحب کی اصل تفسیر فارسی میں ہے' اس لئے سطورِ ذیل میں اس کا خلاصہ' جو تقریباً ترجمہ ہو گا' پیش کیا جاتا ہے : ﴿ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ ﴾ یعنی وہ جانور جس کے حق میں آواز نکالی گئی اور شہرت دی گئی کہ ﴿ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ یعنی غیر خدا کے لئے ہے' خواہ وہ غیر' بُت ہو یا کوئی خبیث روح کہ بھوک کے طریقہ سے اس کے نام پر

دیں' خواہ کوئی جن جو گھر یا کسی سرائے پر مسلط ہو گیا ہو اور کوئی جانور (کی بھینٹ) دیئے بغیر وہاں کے رہنے والوں کی ایذاء رسانی سے باز نہ آتا ہو یا توپ کو روانہ کرنے نہ دیتا ہو' خواہ کسی پیر یا پیغمبر کو اس طریقہ پر زندہ جانور مقرر کر کے دے دیں' کیونکہ یہ سب حرام ہیں اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ((ملعونٌ مَن ذبح لغیر اللہ)) یعنی "جو شخص غیر خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے"۔ خواہ ذبح کے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے۔ اس لئے کہ اس شخص نے جب یہ شہرت دے دی کہ یہ جانور فلاں کے لئے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ وہ جانور اس غیر اللہ کی طرف منسوب ہو گیا اور اس میں ایسا خبث پیدا ہو گیا جو مُردار کے خبث سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مُردار نے خدا کے نام کے بغیر جان دی ہے جبکہ اس جانور کی جان کو اس غیر اللہ کی قرار دے دیا اور یہ عین شرک ہے اور جب اس جانور میں خبث سرایت کر گیا تو پھر خدا کا نام ذکر کرنے سے حلال نہیں ہو گا۔ کتے اور خنزیر کی طرح کہ اگر خدا کے نام کے ساتھ بھی ذبح کئے جائیں تب بھی حلال نہیں ہوتے۔

اس مسئلہ کی کنہ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جان کی نیاز دینا جان آفریں کے سوا کسی کے لئے درست نہیں ہے (اور ماکولات و مشروبات اور دوسرے اموال کی نیاز بھی غیر اللہ کے لئے درست نہیں ہے۔ البتہ صدقہ خیرات یا کوئی نیک عمل جو اللہ کے لئے کیا جائے' اس کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچانا جائز ہے۔ جیسے اپنا مملوکہ مال کسی بھی شخص کو دے دینا جائز ہے) آگے چل کر شاہ صاحب فرماتے ہیں : انسان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخش دے' جیسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنا مال غیر کو دے دے اور جانور کی جان' مملوک نہیں کہ اسے کسی کو بخش سکے۔ نیز یہ کہ مال کسی کو دینا اس لئے موجبِ ثواب ہے کہ آدمی اس سے منتفع ہوتے ہیں اور اس دنیا سے جانے کے بعد مُردے چونکہ مال سے انتفاع کے قابل نہیں رہتے ہیں لہٰذا ان کو نفع پہنچانے کا طریقہ شریعت میں یہ قرار پایا کہ ان اموال کا ثواب جو مستحقوں پر خرچ کئے جائیں وہ ان کو پہنچا دیں۔ لیکن جانوروں کی جان تو زندگی میں بھی آدمی کے انتفاع کے قابل نہیں تھی تو مرنے کے بعد اس کے کیا کام آسکے گی؟ البتہ فوت شدہ شخص کی طرف سے اضحیہ یعنی قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے نام پر جانور کی جان کی

قربانی دینے کا جو اجر و ثواب ہے وہ کسی فوت شدہ شخص کو بخشا جائے' نہ یہ کہ جانور کسی مردے کے لئے ذبح کیا جائے۔ بعض جاہل مسلمان اس بارے میں کج روی و کج فہمی سے یہ کہتے ہیں کہ گوشت پکا کر مُردہ کے نام سے دینا بلاشبہ جائز ہے اور ہمارا مقصد بھی کسی مردے کے نام سے جانور ذبح کرنے کا اسی قدر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک ہی نکتہ کافی ہے۔ ان سے کہا جائے کہ تم غیراللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے کی نذر کرتے ہو (جیسے شیخ سدو کے نام کا یا گیارھویں کا بکرا یا رجب کے کونڈے وغیرہ) اگر اس جانور (وغیرہ) کے بدلے اسی مقدار میں گوشت خرید کر او رپکا کر فقیروں کو کھلاؤ تو تمہارے ذہن میں وہ صدقہ کرکے (ثواب رسانی کی) نذر ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتی ہے تو تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ تمہارا مقصد جانور کو ذبح کرنے سے کسی شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے گوشت کھلانے کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور اگر جانور کی قربانی دینے سے ہی تمہاری وہ نذر و نیاز ادا ہوتی ہے تو اس سے کھلا شرک لازم آتا ہے۔

پھر یہ کہ آیت کا جملہ ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ﴾ یا ﴿ مَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ چار جگہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ اس میں ذرا غور کرنا چاہئے کہ ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ﴾ یا ﴿ مَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ فرمایا گیا ہے "ماذُبِحَ بِاسْمِ غَیرِ اللّٰهِ" (جو غیراللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو) نہیں فرمایا گیا۔ پس یہ لفظ یا آواز نکال دینے اور یہ شہرت کر دینے کے بعد' کہ یہ گائے فلاں کے نام کی ہے اور یہ بکری یا بکرا فلاں کے نام کا ہے' اللہ کے نام کے ساتھ اس کو ذبح کرنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا اور اس جانور کا گوشت حلال نہیں ہو گا (کیونکہ غیراللہ کے لئے نامزد ہو جانے کی وجہ سے اس پورے جانور میں شرک کا خبث اور پلیدی پیدا ہو چکی ہے) اس کے علاوہ یہ کہ اُهِلَّ کو ذُبِحَ کے معنی پر محمول کرنا لغت اور عرف دونوں کے قطعاً خلاف ہے۔ نہ عربی زبان کی کسی لغت میں اِهلال کے معنی ذبح کرنے کے آئے ہیں نہ اُس وقت اور اُن دیار کے عرف میں اِهلال کے معنی ذبح کے کبھی رہے ہیں اور نہ کسی شعر یا کسی عربی عبارت میں لفظ اهلال ذبح کے معنی میں آیا ہے۔ بلکہ اهلال کے معنی لغت عرب میں آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے ہیں۔ چنانچہ اهلال چاند دیکھنے کے معنی میں آتا ہے کیونکہ چاند دیکھتے وقت ایک دوسرے کو چاند کی نشاندہی کرنے اور بتانے کے لئے آواز بلند کی جاتی ہے۔۔ اهلال بچہ کے ولادت کے وقت رونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اس لئے کہ پیدائش کے وقت بچہ روتا اور چلاتا ہے۔ اسی طرح اھلال احرام باندھنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ احرام باندھ کر بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جاتا ہے۔ بہرحال اھلال کے معنی ذبح کے نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص "اَھْلَلْتُ لِلّٰہِ" کہے تو اس کے معنی "ذَبحتُ لِلّٰہِ" ہرگز نہیں سمجھے جائیں گے۔ نیز یہ کہ اُھِلَّ کو بالفرض اگر ذُبِحَ کے معنی میں لیا جائے تو ﴿ مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ﴾ کے معنی "مَاذُبِحَ بِہٖ لِغَیرِ اللّٰہِ" (وہ چیز جو غیراللہ کے لئے ذبح کی جائے) مُراد ہوں گے۔ "مَاذُبِحَ بِاسْمِ غَیرِ اللّٰہِ" کے معنی اس کے کیسے ہو جائیں گے کہ ان حضرات کا مدعا حاصل ہو سکے؟ لہٰذا اس جملہ میں اُھِلَّ کو ذُبِحَ کے معنی میں لینا اور پھر ﴿ لِغَیْرِ اللّٰہِ ﴾ کو "بِاسمِ غَیْرِ اللّٰہِ" کے معنی میں لینا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کلامِ الٰہی میں تحریف کے قریب قریب ہے۔ تفسیر نیشاپوری کے حوالے سے شاہ صاحب نے لکھا ہے: اجمع العلماء لو ان مسلمًا ذبَح ذبیحته و قصَد بذبحها التقرب الی غیر اللّٰہ صار مرتدًّا و ذبیحته ذبیحة مرتد "علماء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیراللہ کے تقرب کے ارادہ سے کوئی جانور ذبح کرے تو مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہو گا"۔

بہرحال یہ مسئلہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیراللہ کے لئے ذبح کرنے اور غیراللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے ذبح کرنے کا واضح طریقہ پر فرق بیان فرمایا ہے۔ غیراللہ کے لئے ذبح کرنا قریب بہ شرک ہے۔ خواہ وہ جانور کسی ولی اور پیر کے نام پر بولا اور ذبح کیا جائے یا کسی نبی اور رسول کے نام پر اور خواہ ایسے کو اللہ کا نام لے کر اور تسمیہ پڑھ کر ہی ذبح کیا جائے، کیونکہ جانور کی جان کو جان آفریں کے علاوہ غیراللہ کی نذر کیا گیا تو یہ اللہ کے ساتھ شرک قرار پاتا ہے اور یہ رسم شرک چونکہ جانور کی جان کے ساتھ ادا کی گئی لہٰذا اس کی روح اور جسم سب میں شرک کا خبث و پلیدی سرایت کر گئی اور نجس العین سے بھی بڑھ کر وہ جانور نجس العین ہو گیا اور نجس العین کو تسمیہ پڑھ کر ذبح کرنا بھی پاک اور حلال نہیں کرتا۔ البتہ یہ نجس العین چونکہ خلقتًا نجس العین نہیں تھا بلکہ بندہ کے عمل کی وجہ سے اس میں خبث و ناپاکی پیدا ہوتی ہے اس لئے اگر بندہ اپنے عمل اور اس نیت سے جانور کو ذبح کرنے سے قبل توبہ کر لے تو یہ نجاست زائل ہو جاتی ہے اور پھر تسمیہ کے ساتھ ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور ایصالِ ثواب اگر کسی بزرگ

کو مقصود ہو تو جانور کی جان اللہ کے لئے اور اس کے تقرب کے جذبہ سے نکالی جاتی ہے اور پھر گوشت وغیرہ بھی اسی (اللہ) کے نام پر صدقہ کیا جاتا ہے۔ اس عمل خیر پر جو اجر و ثواب قربانی کرنے والے اور عمل خیر کرنے والے کو رب العزت کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس کو کسی دوسرے کو بخشتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں کسی قباحت کی آمیزش تک نہیں' بلکہ یہ امر نہایت مستحسن ہے۔

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دار السلام باغ جناح کے خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز

—————— (۱) ——————

غوری ۲ اور شاہین میزائلوں کے تجربات قومی حمیت کا ناگزیر تقاضا تھے

سود سے پاک معاشی نظام کی جانب فی الفور پیش رفت کی جائے

۱۶۔ اپریل = بھارت کے اگنی II میزائل کے تجربے کا بھرپور جواب دینا قومی حمیت کا ناگزیر تقاضا تھا جسے غوری II اور شاہین میزائلوں کے کامیاب تجربات سے نہلے پر دہلا مارنے کے انداز میں پورا کر دیا گیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے جارحانہ طرز عمل کا احسان مند ہونا چاہئے جس کی وجہ سے پاکستان کو ایٹمی دھماکوں اور میزائلوں کے کامیاب تجربات کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ملک کے دفاعی استحکام ہی کی طرح نظریاتی تشخص کا تحفظ بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے' مگر نصف صدی کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود قیام پاکستان کا اصل مقصد ہنوز شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ ہی سے ملک کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنایا اور بھارت کو مدافعانہ طرز عمل پر مجبور کیا جا سکتا ہے' مگر ملک کے حکمرانوں نے ہمیشہ نفاذ اسلام کے عملی تقاضے پورا کرنے سے دانستہ گریز کیا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ صوبہ پرستی کی لعنت کا خاتمہ بھی اسلام کی جانب حقیقی پیش رفت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ صوبوں کی درمیانی لکیر کو وحی آسمانی کی طرح مقدس سمجھنے کی بجائے ضروری ہے کہ موجودہ صوبوں کی بجائے چھوٹے صوبے تشکیل دے کر انہیں زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں تاکہ چھوٹے صوبوں کے احساس محرومی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکے۔

انہوں نے کہا کہ سودی نظام کے خاتمے کے ضمن میں حکومت کے تاخیری حربے نہایت قابل مذمت اور منافقانہ طرز عمل کے غماز ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل اور راجہ ظفر الحق کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں سودی نظام ختم کر کے سود سے پاک معاشی نظام کی جانب پیش رفت کا فی الفور آغاز کیا جانا چاہئے' تاکہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سود کا متبادل نظام فراہم کرنا وفاقی شرعی عدالت یا شریعت اپیلیٹ بینچ کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ وفاقی حکومت کی

آئینی ذمہ داری ہے' مگر موجودہ حکومت اس اہم ذمہ داری کو ادا کرنے کی بجائے انعامی سکیموں کی آڑ میں سود کے ساتھ جوئے کو فروغ دینے میں مصروف ہے۔ انہوں نے کہا کہ بینکوں اور تجارتی کمپنیوں کی طرف سے متعارف کرائی جانے والی اکثر انعامی سکیمیں جوئے کی مختلف شکلیں ہیں جو در حقیقت شیطانی دھندہ ہے' جس سے مسلمانوں کو بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پرائز بانڈ کی لعنت کو برقرار رکھنا مگر پرائز بانڈز کی پرچیوں کی فروخت پر پابندی عائد کرنا در حقیقت "گڑ کھانا اور گلگلوں سے پرہیز" کے مترادف ہے۔

بے نظیر بھٹو کے بارے میں لاہور ہائی کورٹ کے احتساب بینچ کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ بڑے لوگوں کا احتساب خوش آئند روایت کا آغاز ہے۔ لیکن بد قسمتی سے احتساب کا موجودہ عمل چونکہ یک طرفہ ہے لہٰذا بے نظیر بھٹو کے عدالتی پھندے میں پھنس جانے سے چھوٹے صوبوں میں احساس محرومی مزید بڑھ جائے گا۔

———— (۲) ————

سابقہ حکمرانوں کا احتساب خوش آئند ہے' مگر یہ معاملہ یکطرفہ نہیں ہونا چاہئے

وزیر اعظم کا دورۂ روس خطے میں پائیدار امن کے قیام کے لئے اہمیت کا حامل ہے

۲۳/اپریل = اپوزیشن لیڈر بے نظیر بھٹو اور انکے شوہر مسٹر آصف زرداری کی اعلیٰ عدالت کی جانب سے نااہلی اور سزا کا فیصلہ اگرچہ ایک لحاظ سے خوش آئند ہے مگر اس معاملہ کا یکطرفہ ہونا اور چیف احتساب کمشنر کو غیر مؤثر بنا کر ایک متنازعہ شخصیت کو احتساب کمیشن کا چیئرمین بنا دینا احتساب کے عمل کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ احتساب کا یہ عمل دو طرفہ ہونا چاہئے اور حکومت یا اپوزیشن کی تفریق سے بالاتر ہو کر دونوں طرف کے قصوروار افراد پر مقدمات قائم ہونے چاہئیں' بصورت دیگر پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا اشتعال اور احتجاج شدت اختیار کر کے سندھی اور پنجابی مسئلے کے دوبارہ سر اٹھانے کا موجب بن سکتا ہے' جو بظاہر دبا ہوا نظر آتا ہے لیکن "آگ بجھی ہوئی نہ جان' آگ دبی ہوئی سمجھ" کے مصداق پیپلز پارٹی کی کال پر اندرون سندھ ہونے والے احتجاجی مظاہروں اور ہڑتالوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے ۲۶/ مارچ ۹۹ء کے خطابِ جمعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں پاور پالیٹکس کا مروجہ معنوں میں کوئی تصور موجود نہیں' البتہ تمام انبیاء کرام کی دینی جدوجہد میں دین کے قیام کے لئے پاور سٹرگل ضرور مضمر رہی ہے' کیونکہ دین کے قیام کے لئے قوت واقتدار کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن قرآن کی رو سے کسی نبی یا رسول

نے کہیں یہ مطالبہ نہیں کیا کہ اس مقصد کے لئے اقتدار اس کے حوالے کیا جائے۔ جہاں تک حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ مصر سے ایک خاص عہدہ طلب کرنے کا معاملہ ہے وہ اس خوفناک قحط سالی کے باعث تھا جو ایک بڑی آفت کی صورت میں ایک طویل عرصے تک پورے علاقے پر مسلط ہونے والی تھی' چنانچہ حضرت یوسف کی حیثیت مصر میں ایک اہم سرکاری عہدیدار کی تھی' بادشاہ کی ہرگز نہیں تھی بلکہ حضرت یوسف کے دور میں بھی وہاں بادشاہ کے رائج کردہ قوانین نافذ رہے۔ لہٰذا اقامت دین کے لئے موجودہ معروف طریقہ ہائے تبدیلی اقتدار کے بجائے منہاج محمدیؐ کے مطابق جدوجہد کرنا ہی کامیابی کا ضامن ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف کے حالیہ دورۂ روس کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ دورہ "دیر آید درست آید" کی کہاوت کے مطابق پاک روس تعلقات میں نئے دروازے کھولنے کا موجب ہوگا جو نہ صرف پاکستان اور روس کے حق میں بلکہ اس خطے میں پائیدار امن کے قیام کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح مسئلہ کشمیر میں روس کی طرف سے ثالثی کی پیشکش کرنا خوش آئند ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ اب ان شاء اللہ اس تنازعہ کے حل کی بھی کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آئے گی۔

بقیہ : استعفاء (عرضِ احوال)

ضمن میں تحریک جعفریہ کے نمائندگان مطمئن نہیں تھے' تاہم انہوں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں مہلت دی جائے کہ ہم ان مسودات پر اپنے اہل الرائے حضرات سے مشورہ کر لیں اور وعدہ کیا کہ وہ خود اس کی مخالفت نہیں کریں گے ــــــ چنانچہ طے کر لیا گیا کہ آئندہ اجلاس یکم مئی کو لاہور ہی میں ہوگا جس میں حتمی فیصلہ کر لیا جائے گا جس کے بعد دعائے خیر پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اس کے بعد اولاً تو ایک اخباری رپورٹر نے ۱۸ سال قبل کے ایک واقعے کی یاد تازہ کر کے فضا کو مکدر کر دیا۔ (اس ضمن میں وضاحتی بیان کی نقل منسلک کر رہا ہوں)

پھر علامہ سید ساجد علی نقوی کے بیانات اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہو گئے کہ اس کمیٹی کو توڑ دیا جائے۔

اور کل کے اخبارات میں جماعت اہل سنت کی جانب سے بھی یہی مطالبہ آگیا ــــــ اور جس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا اس میں دو معزز اراکین کمیٹی بھی شامل تھے یعنی صاحبزادہ فضل کریم صاحب' وزیر اوقاف پنجاب اور ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی صاحب۔

مزید برآں ڈاکٹر نعیمی صاحب کا ایک علیحدہ بیان بھی شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ ڈاکٹر

اسرار کی شخصیت کے متنازعہ ہونے کے باعث کمیٹی کی حیثیت مشکوک ہو گئی ہے۔

آج کے اخبارات میں نہ صرف یہ کہ متذکرہ بالا بیانات میں سے کسی کی تردید شائع نہیں ہوئی' بلکہ علامہ ساجد نقوی صاحب کا یہ بے بنیاد الزام شائع ہوا ہے کہ میں نے مجوزہ قوانین کے مسودے اخبارات کے نمائندوں کو تقسیم کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کی' حالانکہ میں نے یہ مسودے کسی کو نہیں دیئے!

ان حالات میں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کمیٹی کے اعلیٰ مقاصد کے پیش نظر میں اس کی چیئرمین شپ سے مستعفی ہو جاؤں۔ تاکہ میری ذات ان مقاصد کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے! بنابریں میں کمیٹی کی سربراہی سے بھی مستعفی ہوتا ہوں اور چونکہ میری اس علماء کمیٹی میں شرکت صرف اسی حیثیت میں تھی' ورنہ میرا شمار معروف معنی میں علماء میں نہیں ہوتا' لہٰذا میں اس کمیٹی کی بنیادی رکنیت سے بھی مستعفی ہوتا ہوں۔

البتہ میرا مشورہ یہ ہے کہ :

① اس کمیٹی کو قائم رکھا جائے۔ اور اس نے جو کام شروع کیا ہے اسے حتی الامکان تکمیل تک پہنچایا جائے'

② اس کی سربراہی ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی صاحب کے حوالے کر دی جائے' اور

③ اس کمیٹی میں سپاہ محمدؐ پاکستان کے دو نمائندوں کو بھی شامل کیا جائے۔ (ان کی جانب سے موصول شدہ خط کی نقل بھی منسلک ہے!) میں نے ان کا مسئلہ کمیٹی کے سامنے بھی رکھا تھا۔ چنانچہ تحریک جعفریہ کے نمائندوں کو تو ان کی شمولیت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ البتہ باقی بہت سے حضرات کا کہنا تھا کہ اس صورت میں لشکر جھنگوی کے نمائندوں کو بھی شریک کرنا ہو گا۔ لیکن مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔ اس لئے کہ لشکر جھنگوی کی کل تنظیم زیر زمین ہے' جبکہ سپاہ محمدؐ کی تنظیم بر سرِ عام موجود ہے۔

فقط والسلام مع الاکرام
ڈاکٹر اسرار احمد

ہمارا مطالبہ ہماری اپیل
دستورِ خلافت کی تکمیل

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۸
شمارہ : ۶
صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
جون ۱۹۹۹ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زر تعاون ۱۰۰/-

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت : 36- کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700- فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67- اے- گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد انگلینڈ' سکاٹ لینڈ اور ناروے کے ۱۸ دن پر محیط مختصر دعوتی دورے کے بعد پاکستان واپس تشریف لا چکے ہیں۔ اس دورے کا پروگرام چھ ماہ قبل ترتیب دیا گیا تھا۔ لندن میں مرد حضرات کے مقابلے میں حلقہ خواتین زیادہ فعال ہے۔ امیر تنظیم کی اہلیہ محترمہ کے علاوہ کہ جو تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی ناظمہ علیا بھی ہیں' اس سفر میں ناظم بیرون پاکستان ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب بھی امیر محترم کے ہمرکاب تھے۔ امید ہے کہ یہ دورہ برطانیہ اور ناروے میں قرآن کی انقلابی دعوت کے فروغ اور تنظیم اسلامی کے وسیع تر تعارف کا ذریعہ ثابت ہو گا۔

بیرون پاکستان سفر سے واپسی کے بعد جمعہ ۲۸ مئی کو مسجد دارالسلام میں امیر محترم نے "یومِ تکبیر کے حقیقی تقاضے" کے موضوع پر خطاب ارشاد فرمایا۔ اس خطاب میں ملکی سیاسی صورتحال پر تبصرہ بھی شامل تھا۔ اس خطاب کا خلاصہ بصورت پریس ریلیز ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے :

"قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء بنا کر اور ملکی معیشت کو سود کی نجاست سے پاک کر کے ہی "یومِ تکبیر" کے حقیقی تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ بہتر ہوتا اگر ہم ۲۸ مئی کو یومِ تکبیر کی بجائے اسے یومِ تشکر کے طور پر مناتے۔ "یوم تکبیر" کو اپنی "بڑائی" اور ذاتی تشہیر کے لئے استعمال کرنا سنگین نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ اسے "یومِ تکبر" بنانے کی بجائے "یومِ تکبیر رب" کے طور پر منایا جائے اور ملک میں اسلامی نظام نافذ کر کے اللہ کی کبریائی کو عملاً تسلیم کروایا جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ تجویز پیش کی کہ "یومِ تکبیر رب" ۲۸/ مئی کی بجائے ۱۲/ مارچ کو منایا جانا چاہئے کہ جس دن قرارداد مقاصد کی منظوری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو ریاستی سطح پر تسلیم کیا گیا تھا۔ انہوں نے "تکبیر رب" کے تقاضوں کے طور پر میاں نواز شریف سے دو اقدامات کا مطالبہ کیا۔ ایک یہ کہ وہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کو مضبوط کرنے کے لئے فی الفور قرآن و سنت کی بالادستی کے قیام کے لئے پندرھویں ترمیم میں متنازعہ ذیلی دفعہ (۲) میں ترمیم کر کے سینٹ سے منظور کرائیں۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار پر عائد تمام پابندیاں ختم

کی جائیں اور علماء ججوں کی تعداد میں اضافہ کر کے شرعی عدالت کے ججوں کی شرائط ملازمت کو اعلیٰ عدلیہ کے مساوی کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ بند کرنے میں نواز شریف مخلص ہیں تو ملک سے سودی نظام کے خاتمے کے لئے اولین قدم کے طور پر راجہ ظفرالحق کمیشن کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے میں تاخیر سے کام نہ لیں۔

امیر تنظیم اسلامی نے پاکستان اور بھارت کے مابین کنٹرول لائن پر حالیہ کشیدگی اور بھارتی فضائی حملے کے جواب میں پاکستانی فوج کی جوابی کارروائی کو جرأت مندانہ اور باوقار طرز عمل کا مظہر قرار دیا۔ انہوں نے سپریم کورٹ پر حملہ کے مشہور مقدمہ میں "ملزمان" کو بری کرنے کے فیصلے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ عدلیہ کی بے بسی اور عدالتی نظام کی فرسودگی کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے جماعت اسلامی کی آل پارٹیز کانفرنس کے اس تجزیہ سے اتفاق کرتے ہوئے اسے مبنی بر حقیقت قرار دیا کہ ملک کو رفتہ رفتہ فاشزم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے عادلانہ نظام کو نافذ کئے بغیر ملک کے مسائل حل نہیں ہو سکتے! انہوں نے اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کیا کہ الیکٹرانک میڈیا کو تعلیم کے فروغ اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے اسے عوام کی توجہ ملک کو درپیش تلخ حقائق سے ہٹانے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ٹی وی کو حکمرانوں کے کارناموں کی تشہیر' اپوزیشن کی کردار کشی کے علاوہ عوام کو ڈراموں اور کھیلوں کی طرف راغب کر کے حقائق سے چشم پوشی کی جو روش اپنائی جا رہی ہے وہ ہرگز ملک و قوم کے مفاد میں نہیں ہے"۔

"اسلام، جمہوریت اور پاکستان"

معروف صحافی ارشاد احمد حقانی کی جانب سے اظہارِ خیال کی دعوت پر
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا نقطۂ نظر

جو روزنامہ "جنگ" کو ارسال کیا گیا

محترمی برادرم ارشاد احمد حقانی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"اسلام، جمہوریت اور پاکستان" کے عنوان سے آپ کی جو تحریر روزنامہ جنگ میں ۱۹ تا ۲۳/ مارچ ۹۹ء چار اقساط میں شائع ہوئی تھی اس کی تین قسطوں تک تو میرا یہ ارادہ پختہ ہوتا چلا گیا تھا کہ اس موضوع پر میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کروں گا، لیکن جب چوتھی قسط شائع ہوئی اور اس کے آخر میں آپ نے قارئین کو بھی اظہارِ خیال کی دعوت دی تو چونکہ اس کے ضمن میں آپ نے نہایت کڑی شرائط عائد کر دی تھیں لہٰذا قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے کہ اس سلسلے میں اس "گزارش" کی حد تک تو معاملہ غنیمت تھا کہ "ان مسائل پر سطحی اور غیر علمی تحریریں سپردِ قلم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں!" لیکن جب بات یہاں تک پہنچی کہ صرف "ایسے اصحاب قلم اٹھائیں جو زیر نظر موضوعات پر عبور رکھتے ہوں" تو چونکہ اب قلم اٹھانے کے معنی ان موضوعات پر "عبور" رکھنے کے دعویدار ہونے کے ہو گئے، لہٰذا ہمت بالکل جواب دے گئی ـــــ اس کے بعد آپ کی تحریر پر جو تبصرے شائع ہوتے رہے ان سب کو تو میں التزاماً نہیں پڑھ سکا البتہ کل (اتوار ۲۶/ اپریل) کی اشاعت میں جناب ایس ایم ظفر کا نام دیکھ کر نہ رہا گیا۔ چنانچہ میں نے نہ صرف یہ کہ ان کی تحریر کو غور سے پڑھا بلکہ ریکارڈ سے نکلوا کر آپ کی چاروں قسطیں بھی از سرِ نو نظر سے گزار لیں ـــــ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وضاحت کے ساتھ کہ میں ہرگز کسی بھی معاملے میں "عبور" کا مدعی نہیں ہوں، کچھ گزارشات پیش کرنے کی جرأت

کر رہا ہوں۔

مجھے ایس ایم ظفر صاحب کے برعکس آپ کی ان دو آراء سے مکمل اتفاق ہے کہ :

(۱) "اگر ہم پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک جدید اسلامی' روشن خیال' معاصر تقاضوں سے ہم آہنگ' جمہوری فلاحی مملکت بنانے میں ماضی کی طرح حال اور مستقبل میں بھی ناکام رہتے ہیں تو لوگوں کے لئے قیامِ پاکستان کا جواز سمجھنا روز بروز مشکل تر ہوتا چلا جائے گا" ـــــ اور

(۲) "ہم جس صورتحال سے دوچار ہیں وہ ایک بہت بڑا مخمصہ (DILEMMA) ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہیں!" ـــــ چنانچہ اِسی حقیقت کو میں نے اپنے حالیہ بیانات میں ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ اگر پاکستان نے اپنے نظریاتی تشخص کو مضبوط اور مستحکم بنائے بغیر ہی بھارت کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائیں تو یہ اس کے لئے "خودکشی" کے مترادف ہو گا۔

محترم ایس ایم ظفر کی "رجائیت" خواہ کتنی ہی قابل داد ہو' اور ان کے "نفس مطمئنہ" کو چاہے جتنا خراج تحسین ادا کر دیا جائے' انہوں نے زیر بحث موضوع کے ضمن میں انڈے کے خول سے نکلنے والے پرندے' اور میزائل کے ذریعے خلا میں پہنچائے جانے والے سیارے کی مثالوں کو جس انداز سے کسی ملک اور قوم اور اس کے ماضی کے باہمی تعلق پر منطبق کیا ہے وہ یا تو "قیاس مع الفارق" کے ذیل میں آئے گا یا "فرار عن الحقیقت" کے!! چنانچہ اُس قاعدہ کلیہ پر مستزاد کہ دنیا کی کوئی بھی قوم اور کوئی بھی ملک اپنے ماضی سے یکسر منقطع نہیں ہو سکتا' پاکستان کا معاملہ تو یہ ہے کہ اس جغرافیائی' نسلی اور لسانی ہر اعتبار سے "خالص مصنوعی" ملک کے معاملات کو اس کے وجود میں آنے کے عمل یعنی "GENESIS" کے پس منظر سے جدا کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔

رہا یہ سوال کہ تحریک پاکستان کے اصل عوامل کیا تھے' اور ان میں مذہب کو بھی کوئی مؤثر حیثیت حاصل تھی یا نہیں تو یہ بہت تفصیلی بحث کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اب سے لگ بھگ پندرہ سال قبل بھی میں اپنی ایک تالیف ("استحکام پاکستان") میں اس پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ اور پھر اب سے چار پانچ سال قبل بھی میرے کچھ مضامین سلسلہ وار پاکستان کے ایک اہم قومی روزنامہ میں شائع ہوئے تھے جن میں میں نے ایک مختلف زاویئے سے

اس مسئلے پر بحث کی تھی (یا دش بخیر' میں نے ان مضامین میں سے ایک میں اپنی یہ کڑوی اور پاکستان کے معروضی حالات میں "ناگفتنی" رائے بھی پیش کر دی تھی کہ قائداعظم اصلاً سیکولر مزاج کے حامل تھے' جس کو نظریہ پاکستان کے اس عظیم ترین علمبردار اخبار نے شائع تو کر دیا تھا' البتہ اس پر ایک اختلافی نوٹ درج کر دیا تھا!) ـــــ تاہم اس وقت میں قیام پاکستان کے ضمن میں اپنی دو آراء کو اجمالاً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

(۱) ایک یہ کہ پاکستان کا باپ تو (حضرت سلمان فارسیؓ کے قول کے مصداق) اسلام ہے' لیکن اس کی ماں جمہوریت ہے! اس لئے کہ بالفعل پاکستان کی ولادت ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے بطن سے ہوئی تھی ـــــ لیکن ان انتخابات کے نتیجے میں مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی حیثیت اس نعرے کی بنیاد پر حاصل ہوئی تھی کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لاَاِلٰہَ اِلاَّ اللہ!"

(۲) تحریک پاکستان کے اصل عوامل دو تھے ـــــ ایک سلبی یا منفی یعنی ہندو کے غلبے اور اس کے استبدادی' استحصالی اور انتقامی طرز عمل کا "خوف" اور دوسرا مثبت اور ایجابی یعنی احیاءِ اسلام کی آرزو اور غلبۂ دینِ حق کی تمنا! چنانچہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۳۰ء تک ربع صدی کے دوران تو مسلم لیگ کی ساری سوچ بچار اور تگ و دو صرف مقدم الذکر عامل ہی کے محور کے گرد گھومتی رہی تھی جس کا نقطۂ عروج تھے قائداعظم کے چودہ نکات ـــــ لیکن ۱۹۳۰ء کے تاریخی خطبہ الٰہ آباد کے ذریعے علامہ اقبال نے مسلم لیگ کی تحریک میں اس مثبت احیائی جذبے کا انجکشن بھی لگا دیا! چنانچہ اس کے بعد سے مسلسل سولہ سترہ سال تک تحریک مسلم لیگ کی رگوں میں یہ دونوں جذبے ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ ﴾ کی سی شان کے ساتھ بہتے رہے ـــــ اگرچہ ان دونوں کے مابین تاثیر کے اعتبار سے نسبت و تناسب کا معاملہ یہ رہا کہ اصل قوتِ محرکہ تو منفی ہی تھی یعنی اپنے قومی تشخص اور اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کے تحفظ کا جذبہ ـــــ تاہم پبلک اپیل کے لئے جس جذبے کو زیادہ INVOKE کیا گیا وہ تھا احیاءِ ملت اور غلبۂ اسلام کی آرزو کا مثبت اور مبارک جذبہ! جس کا صور علامہ اقبال نے تو اپنی رُبع صدی پر محیط ملی شاعری کے ذریعے زور و شور کے ساتھ پھونکا ہی تھا' اس میں ایک اضافی جوش و خروش ایک خاص دَور میں یعنی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک مولانا ابوالکلام آزاد کے

"الہلال" اور "البلاغ" کے "حکومتِ الٰہیہ" کے نعرے سے پیدا ہو گیا تھا' جس کی صدائے بازگشت بعد میں دیر تک تحریک خلافت کی صورت میں سنی جاتی رہی! ـــــ بہرحال ان سب کا حاصل یہ کہ مسلم قومیت کا جذبہ ملت اسلامیہ ہند کے رگ و پے میں سرایت کر گیا' اور دو قومی نظریئے کو گویا مسلمانانِ ہند کے ایمان اور عقیدے کی حیثیت حاصل ہو گئی!

اس پس منظر میں آپ کا یہ فرمانا کہ "قیامِ پاکستان کے وقت ریاست اور مذہب کے تعلق کے حوالے سے ہمارے سامنے نظری طور پر تین راستے تھے" بہت محل نظر ہے۔ اس لئے کہ پاکستان ایک عظیم عوامی تحریک کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا اور یہ اس تحریک کی قوتِ متحرکہ (MOMENTUM) کے زیر اثر ایک خاص سمت میں حرکت پر مجبور تھا۔ اب اسے خواہ مشیت ایزدی سے تعبیر کر لیا جائے خواہ تاریخ کے جبر سے' بہرحال پاکستان صرف اسی سمت میں پیش قدمی کر سکتا تھا جسے آپ نے "تھرڈ آپشن" شمار کیا ہے ـــــ یعنی میری تعبیر کے اعتبار سے پاکستان کے باپ اور ماں' یعنی اسلام اور جمہوریت دونوں کے تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کرنے والے نظام کی جانب پیش قدمی! ـــــ جس کا آغاز بھی اس نے "قراردادِ مقاصد" کی صورت میں کر دیا تھا! جس میں خود آپ کے بقول اسلام اور جمہوریت کا حسین امتزاج موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ـ "کچھ تو ہوتے بھی ہیں الفت میں جنوں کے آثار۔ اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں!" کے مصداق کچھ اپنوں کی غلطی' اور کچھ اغیار و اعداء کی ریشہ دوانیوں کے باعث پاکستان اس راہ پر آگے نہیں بڑھ سکا! تاہم اس موضوع پر گفتگو بعد میں ہو گی!!

سردست صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے تین راستوں میں سے جسے اولین' اور غالباً اپنا پسندیدہ ترین راستہ قرار دیا ہے اس کا عالم واقعہ میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اور وہ قابل ذکر اور لائق التفات و اعتناء بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ قائداعظم کی ۱۱/ اگست ۷ ۴ء والی تقریر میں بیان ہوا تھا جس کا بہت مفصل اقتباس آپ نے دیا ہے۔ ورنہ پاکستان کے معروضی حالات میں اس سے زیادہ غیر منطقی اور "اَنہونی" بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی! اس لئے کہ آپ کو جو معروضی حقائق آج کے پاکستان میں نظر آ رہے ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ گھمبیر صورت میں قیامِ پاکستان کے وقت بھی موجود تھے ـــــ

آج اگر آپ کو پاکستان کے مذہبی عناصر کی ایک "پریشر گروپ" کی حیثیت سے قوت و طاقت کا اعتراف ہے' تو اُس وقت بھی وہ نہایت مؤثر و فعال مذہبی عناصر موجود تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کے آخری اور فیصلہ کن ایام میں بھرپور اور حد درجہ فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ بلکہ آج کے حالات کے بارے میں تو آپ کا یہ مشاہدہ درست ہے کہ عوام میں مذہبی اُمنگ اور ولولہ بہت کم ہو گیا ہے اُس وقت تو عوام کی عظیم اکثریت بھی مذہبی ولولوں اور امنگوں سے سرشار تھی! اندریں حالات قائد اعظم کے یہ "ناگہانی" خیالات و فرمودات بالکل انگریزی محاورے "BOLT FROM THE BLUE" کے سے انداز میں صادر ہوئے تھے ـــــ اور مولانا مودودی کا جو تاریخی جملہ آپ نے قراردادِ مقاصد کے متعلق نقل فرمایا ہے وہ بالکل اسی انداز میں قائد اعظم کے ان فرمودات پر بھی منطبق ہوتا ہے۔

قائد اعظم کے ان فرمودات کی توجیہہ و تاویل میں' اس سے قطع نظر کہ ان کو جماعت اسلامی اور اس کے ہم خیال لوگوں نے بقول آپ کے کس طرح توڑا مروڑا' خود قائد اعظم کے مخلص ترین ساتھیوں اور گہری عقیدت و محبت کے حامل لوگوں کو بھی بہت دقت پیش آئی ہے۔ یہاں تک کہ چوہدری غلام احمد پرویز' جو آخری دم تک کٹر مسلم لیگی اور علامہ اقبال اور قائد اعظم دونوں کے عاشق و شیدائی رہے' یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کے حالات کی سنگینی یعنی وسائل کے فقدان اور مہاجرین کے طوفان کے باعث قائد اعظم کے اعصاب متاثر ہو گئے تھے ـــــ اور اسی اعصابی دباؤ کے عالم میں یہ الفاظ نادانستہ طور پر قائد اعظم کی زبان یا قلم سے صادر ہو گئے ـــــ تاہم میری رائے یہ ہرگز نہیں ہے ـــــ میرے نزدیک یہ قائد اعظم کی سوچی سمجھی رائے تھی اور میرے پاس ان کے ان فرمودات کی ان کی عظیم شخصیت کے شایانِ شان تاویل بھی موجود ہے ـــــ تاہم یہ بات تھی بالکل اَنہونی اور قطعاً ناقابلِ عمل!

قائد اعظم کے ان فرمودات کا یہ مفہوم لینا تو قطعاً غلط ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے اعلانات اور وعدوں سے منحرف ہو گئے تھے۔ میرے نزدیک قائد اعظم اگرچہ کوئی "مذہبی" انسان تو نہ تھے لیکن نہایت سچے اور کھرے اور ہر اعتبار سے مضبوط کردار کے حامل شخص تھے' لہٰذا ان کے بارے میں "گندم نمائی اور جو فروشی کا گمان بھی

ہرگز نہیں کیا جا سکتا ـــــ البتہ یہ صحیح ہے کہ ان کے نزدیک نظامِ اسلامی کے قیام سے اصل مراد اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام تھا (جہاں تک عقائد و عبادات کا تعلق ہے ان کے ضمن میں تو نہ برٹش انڈیا میں کوئی قدغنیں تھیں نہ آج کے بھارت میں ہیں' اور نہ ہی پوری مغربی دنیا میں کہیں پائی جاتی ہیں!) اور ان کی رائے یہ تھی کہ اب جبکہ ایک ایسا ملک قائم ہو گیا ہے جس میں مسلمان عظیم اکثریت میں ہیں تو اس میں اسلامی نظام کا قیام ان خالص سیکولر اصولوں کے مطابق بھی ممکن ہے جو اس وقت پوری دنیا میں مروج ہیں' یعنی عوام کی اکثریت کی منشا اور مرضی کے مطابق فیصلہ اور قانون سازی! (جبکہ ظاہر ہے کہ اگر بھارت "اکھنڈ" رہتا تو ایسا امکان کبھی بھی قرین قیاس نہیں ہو سکتا تھا!) اندریں حالات اس کی کیا ضرورت ہے کہ آغاز ہی میں اسلام کا نقارہ بجا کر پوری دنیا کو خبردار کر دیا جائے اور اس طرح ابلیسی قوتوں کے ایوانوں میں کھلبلی مچا دی جائے۔

البتہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ قائداعظم کے ان فرمودات سے دو قومی نظریئے' اور مسلم قومیت کے تصور کی نفی ضرور ہو گئی تھی ـــــ جس کی سادہ ترین تعبیر جناب ایس ایم ظفر نے اپنے اس جملے میں کر دی ہے کہ: "میرے نزدیک دو قومی نظریہ ۱۴/اگست ۴۷ء کو دفن ہو گیا تھا!" (یا دش بخیر' کاش کہ آج جناب زیڈ اے سلہری زندہ ہوتے اور ظفر صاحب کی بھرپور سرزنش اپنی پوری بزرگانہ شان سے کرتے!) ـــــ اور یہی میرے نزدیک حضرت قائداعظم کے ان فرمودات کے ناممکن العمل ہونے کی اصل وجہ ہے۔ اس لئے کہ کسی فرد کے لئے تو یہ آسان ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنے نظریئے اور عمل کے رُخ کو بدل لے' لیکن تحریکوں اور جماعتوں' اور ان سے بھی بڑھ کر قوموں اور ملکوں کے لئے ایسا کرنا ہرگز آسان نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو بات آپ نے مولانا مودودی کے بارے میں لکھی ہے وہ خود قائداعظم پر بھی صدفی صد راست آتی ہے ـــــ یعنی جس طرح مولانا مودودی پر ۵۰ء سے ۷۰ء تک پورے بیس برس جماعت اسلامی کو ملکی انتخابات میں حصہ لینے کی پالیسی پر بالفعل چلانے اور کارکنوں کو دلائل و براہین سے مطمئن رکھنے کے بعد ۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں دفعتاً یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اس راہ سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے' اور انہوں نے جماعت کا رُخ بدلنا چاہا تو جماعت کی قیادت کی صف دوم نے بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور ایک روایت کے مطابق مولانا مرحوم

بھنا کر یہ کہتے ہوئے شوریٰ کے اجلاس سے روانہ ہو گئے کہ: "آج جو دلیلیں آپ لوگ میرے سامنے پیش کر رہے ہیں یہ سب میں نے ہی آپ لوگوں کو بھائی تھیں' لیکن اب میری رائے وہ ہے جو میں نے پیش کر دی' آگے آپ جانیں اور آپ کا کام!" ____ اسی طرح غور فرمایئے کہ نصف صدی تک مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا راگ الاپتے رہنے' ____ اور بالخصوص ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۷ء دس سال کے دوران تو دو قومی نظریئے اور مسلم قومیت کے اصول پر ایک عظیم عوامی تحریک چلانے اور اسی اصول کے مطابق ہندوستان کی تقسیم کرا کے پاکستان قائم کرا لینے کے بعد یہ کیسے ممکن تھا کہ راتوں رات اس نئے ملک اور قوم کے رُخ کو متحدہ وطنی قومیت کی جانب موڑ دیا جاتا! ____ یہاں جی چاہتا ہے کہ حضرت قائداعظم کے اس خیال پر وہی تبصرہ کروں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک اقدام پر کیا تھا ____ یعنی: ﴿ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضٰهَا ﴾ یعنی جس طرح حضرت یعقوبؑ اپنی اس تدبیر کے ذریعے اپنے بیٹوں کو اللہ کی کسی تقدیر سے بچا نہیں سکتے تھے' مگر بس ایک خیال تھا جو ان کے جی میں آیا اور انہوں نے اسے پورا کر لیا' اسی طرح قائداعظم کے لئے بھی دو قومی نظریئے کے طاقتور MOMENTUM کے رُخ کو دفعتاً بدلنا تو ممکن نہ تھا' البتہ یہ ایک خیال تھا جو ان کے ذہن میں آیا جسے انہوں نے پیش فرما دیا ____ اور بس!!!

رہا یہ خیال کہ اگر قدرت قائداعظم کو مہلت دیتی اور ان کی زندگی کچھ مزید وفا کرتی تو عین ممکن تھا کہ وہ اپنی پوری شخصیت کے وزن کو استعمال کرتے ہوئے اس نئے رُخ پر سلطنت کی گاڑی کو بالفعل چلا کر ایک نیا MOMENTUM پیدا کر دیتے ____ تو اگرچہ واقعتاً اس کا پورا امکان موجود ہے ____ تاہم اس امکان کی بھی مطلق نفی ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ اس صورت میں خود قائداعظم کی شخصیت "متنازعہ" بن جاتی! واللہ اعلم!!

رہا "قراردادِ مقاصد" کے بارے میں جسٹس منیر صاحب کا بچگانہ بلکہ احمقانہ قول کہ خان لیاقت علی خان نے اس قرارداد کو قائداعظم کے انتقال کے انتظار میں اپنے نہاں خانۂ قلب میں چھپائے رکھا ____ تو حیرت اس پر ہوئی کہ آپ نے اس کا حوالہ ایک ثقہ رائے کی حیثیت سے کیسے دے دیا۔ جبکہ واقعہ تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ خود خان لیاقت علی خان بھی قائداعظم ہی کی طرح ایک خالص لبرل اور سیکولر مزاج کے حامل

انسان تھے' اور قراردادِ مقاصد ان کے اپنے دل کی آواز تھی ہی نہیں ـــــ یہ تو ان پر تحریک پاکستان کے اس MOMENTUM کے حوالے سے ٹھونسی گئی تھی ـــــ جس کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی سکت اُس وقت کسی میں نہیں تھی۔ ذرا غور فرمائیں کہ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ اس کے باوجود کہ مولانا مودودی نے قراردادِ پاکستان کے منظور ہونے کے فوراً بعد اپنا راستہ مسلم لیگ سے علیحدہ کر لیا تھا اور تحریک پاکستان کے آخری ایام میں تو مسلم لیگ اور اس کی قیادت پر شدید تنقیدیں بھی کی تھیں' لیکن قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جب وہ دستورِ اسلامی کا مطالبہ لے کر سامنے آئے تو پوری قوم نے ان کی تائید کی۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کے ان عناصر نے جو کسی قدر مذہبی مزاج کے حامل اور کم از کم صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور جن میں زیادہ بڑی تعداد مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ارکانِ دستور ساز اسمبلی کی تھی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں قراردادِ مقاصد کی منظوری میں فیصلہ کن رول ادا کیا ـــــ اس ضمن میں آپ نے مسلم لیگی قیادت کی اس نااہلی کا ذکر تو کئی بار کیا ہے کہ وہ مذہبی حلقوں کے استدلال کا مؤثر جواب نہ دے سکی لیکن اس کا سبب بیان نہیں کیا۔ جو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ "خود کردہ را علاجے نیست!" کے مصداق آخر وہ اس عوامی جوش و خروش کا مواجہہ کس منہ سے کرتی جسے خود اس نے شدید محنت و مشقت سے پیدا کیا تھا! ـــــ مسلم لیگ کے کچھ دانشور قسم کے قائدین نے آئیں بائیں شائیں کے انداز میں "کونسا اسلام؟" اور "کس فرقے کا اسلام؟" قسم کے سوالات سے اس عوامی رو کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی بھی تو ۵۰ء میں (قراردادِ مقاصد کی منظوری کے ایک ہی سال بعد) تمام مکاتب فکر اور جملہ مسالک کے ۳۱ علماء نے دستور کے ضمن میں ۲۲ متفق علیہ نکات پیش کر کے اس غبارے سے بھی ہوا نکال دی!

الغرض' ع "خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ" کے مصداق ﴿ اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ﴾ نے ﴿ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ کے مطابق تحریک پاکستان میں جو اجزائے ترکیبی ودیعت کر دیئے تھے ان کا واحد منطقی اور قطعی طور پر لازمی و لابدی نتیجہ وہی تھا جسے آپ نے "تھرڈ آپشن" قرار دیا ہے' یعنی اسلام اور جمہوریت کا امتزاج! جس کے مظہرِ اول کی حیثیت تھی قراردادِ مقاصد کو اور مظہرِ ثانی تھا ۵۶ء کا دستور! ـــــ اس لئے کہ سیکولر ڈیماکریسی پاکستان میں اس لئے ناقابلِ عمل تھی کہ یہ اس کے "باپ" یعنی

اسلام کے منافی تھی' تو کسی بھی قسم کی تھیاکریسی بھی یہاں ناقابل تصور تھی' اس لئے بھی کہ یہ اس کی "ماں" یعنی جمہوریت کی نفی کرتی ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں کوئی مذہبی پیشوائیت (RELIGIOUS HIERARCHY) بھی کسی منظم اور مربوط صورت میں موجود نہیں تھی!!

اب ذرا اس مسئلے پر بھی مختصر گفتگو ہو جائے کہ پاکستان اسلام اور جمہوریت کے اس حسین امتزاج کے رُخ پر فیصلہ کن انداز میں کیوں پیش قدمی نہ کر سکا جس کا آغاز قرارداد مقاصد سے ہوا تھا۔ تو جیسے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اس کے دو اسباب تھے' ایک اپنی یا اپنوں کی غلطی' اور دوسرے اغیار و اعداء کی سازش۔ چنانچہ اپنی یا اپنوں کی غلطی تو یہ تھی کہ مولانا مودودی "انقلابِ قیادت" کا نعرہ لگا کر مسلم لیگی قیادت کے مدمقابل بن کر سامنے آ گئے اور اس حیثیت سے انہوں نے ۵۱ء کے انتخاباتِ پنجاب کے میدان میں چھلانگ لگا دی —— جس کے نتیجے میں اسلام اب پوری قوم کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ ایک سیاسی جماعت کا پارٹی ایشو بلکہ انتخابی نعرہ بن کر رہ گیا۔ اور اگرچہ اس پہلے معرکے میں جماعت اسلامی چاروں شانے چت آئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے طریق کار کے ضمن میں ترمیم در ترمیم پر عمل کرتے ہوئے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہی' خواہ نتیجہ' سوائے ایک خاص دور میں کراچی کے بلدیاتی الیکشن کے' ہمیشہ ڈھاک کے تین پات ہی کے مصداق رہا —— لیکن کچھ عرصہ بعد دوسری مذہبی جماعتیں بھی اس خیال سے اس میدان میں داخل ہوتی چلی گئیں کہ ؎ "کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب۔ آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی!" جس کے نتیجے میں متعدد اسلام ایک دوسرے کے مقابل میں آ گئے جس کے نتیجے میں فرقہ واریت میں شدت اور تلخی بڑھتی چلی گئی! —— گویا جتنا بڑا صحیح اقدام یہ تھا کہ عوامی دباؤ کے تحت اس ملک کی گاڑی کو اسلام کی سمت میں دھکیلا جائے' اتنی ہی بڑی ہمالیہ ایسی غلطی یہ تھی کہ اسلام کے علمبردار اور نام لیوا خود طالب اقتدار بن کر پاور پالیٹکس یعنی کشاکش اقتدار کے اکھاڑے میں اتر گئے!

اس سب کے علی الرغم جب ۱۹۵۶ء کے دستور میں قابل لحاظ اسلامی دفعات شامل ہو گئیں تو اب مرئی اور غیر مرئی ابلیسی قوتوں نے سازش کا جال پھیلایا' اس لئے کہ شیطان لعین نے اپنی صلبی اور معنوی اولاد کے ذریعے صدیوں کی منصوبہ بندی اور سر توڑ

جدّوجہد کے ذریعے لادین اور بے خدا سیاست' سود اور جوئے پر مبنی معیشت' اور مخلوط اور حیا سوز معاشرت کی جو بساط بچھائی تھی' پاکستان کی اسلامی ریاست کی جانب پیش قدمی اس کے خلاف بہت بڑے چیلنج بلکہ ایک حالیہ اصطلاح کے مطابق "پہلے بڑے پتھر" کی حیثیت رکھتی تھی ـــــ چنانچہ عالمی صیہونی تحریک کے آلۂ کار WASP یعنی "WHITE ANGLO-SAXON PROTESTANTS" کے سرخیل امریکہ بہادر نے افواجِ پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان کو امریکہ بلا کر ان کی پشت پر کوئی ایسا ہاتھ پھیرا کہ انہوں نے دستور کے ساتھ ساتھ دستوریہ کی بساط بھی لپیٹ کر رکھ دی اور مارشل لاء نافذ کر دیا۔ (یاد ہو گا کہ اسی کا ایک ایکشن ری پلے حال ہی میں پاکستان میں ہوتے ہوتے رہ گیا' جب سابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل کرامت صاحب کو خصوصی دعوت پر امریکہ بلایا گیا اور انہیں وہاں نہایت غیر معمولی پروٹوکول دیا گیا ـــــ جس کا نتیجہ نیشنل ڈیفنس کونسل کی تجویز کی صورت میں سامنے آیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جنرل ایوب خان کے زمانے میں ملک میں سیاسی ابتری کی کیفیت تھی اور اِس وقت ملک پر ایک ایسے شخص کی حکومت ہے جو بالکل ﴿ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾ کے سے انداز میں اپنے اقتدار و اختیار میں کسی کو بھی ساجھی بنانے پر آمادہ نہیں' حتیٰ کہ اس نے خود اپنے بھاری مینڈیٹ کے جن کو بھی آہنی زنجیروں میں خوب جکڑ کر رکھا ہوا ہے!) ـــــ بہرحال ۵۸ء کے بعد کے چالیس سالوں کے دوران پاکستانی سیاست میں جو اتار چڑھاؤ آتے رہے ان کے بین السطور یہ کشاکش بھی مسلسل چلتی رہی یا بالفاظ دیگر یہ "معرکۂ روح و بدن" پیہم برپا رہا کہ ؎ "ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر۔ کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!" کے مصداق ایک جانب عالمی بے خدا تہذیب کا دباؤ اور پاکستان کے مقتدر (ELITE) طبقات جو اس تہذیب کے مریدانِ باصفا تھے اس ملک کو سیکولرزم کی جانب کھینچتے رہے' تو دوسری جانب تحریک پاکستان کی بچی کھچی اندرونی قوتِ متحرکہ اور مذہبی جماعتوں کا مجموعی اثر و رسوخ مزاحمت کرتے رہے ـــــ جس کا نتیجہ ایک جمود (STALEMATE) کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جس کے مضر اثرات لامحالہ طور پر ہماری اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر مترتب ہوئے!

ان حالات میں آپ کا یہ انتباہ بہت بروقت ہے کہ "اگر ہم پاکستان کو صحیح معنوں میں

ایک جدید اسلامی' روشن خیال' معاصر تقاضوں سے ہم آہنگ' جمہوری فلاحی مملکت بنانے میں ماضی کی طرح حال اور مستقبل میں بھی ناکام رہتے ہیں تو لوگوں کے لئے قیامِ پاکستان کا جواز سمجھنا روز بروز مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جائے گا!" ـــــ لیکن اس ضمن میں سب سے اہم اور عملی اعتبار سے مشکل ترین سوال تو یہ ہے کہ اس کے لئے کون اور کس طریق پر جدوجہد کرے؟۔ لیکن اس سے پہلے بھی اور غالباً اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل سوال یہ ہے کہ اسلام کی سرمدی اور ابدی تعلیمات کے ساتھ جمہوریت کی جدید ترین اور بلند ترین اقدار ـــــ اور قدیم اصولوں کے ساتھ جدید اداروں کی پیوند کاری کس طریقے اور کس نسبت و تناسب سے ہو؟۔

اس سلسلے میں آپ نے اپنی اس تحریر میں جو STRAY اشارات کئے ہیں ان سے کوئی مکمل نقشہ تو نہیں بنتا تاہم سوچ کا ایک رُخ ضرور سامنے آیا ہے۔ اسی رُخ پر قدرے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اور کسی قدر "فاش تر" انداز میں ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب بھی لکھتے رہے ہیں۔ مستقبل کی اسلامی ریاست کے ضمن میں اس سے بالکل مختلف بلکہ برعکس ہے وہ نقشہ جو اکثر و بیشتر مذہبی لوگوں کے ذہنوں میں پایا جاتا ہے' یعنی ازمنۂ وسطٰی کی کوئی حکومت جس میں اختیار و اقتدار کلی طور پر کسی "سلطان" کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور دائرۂ مشاورت کی وسعت زیادہ سے زیادہ "اربابِ حل و عقد" تک محدود ہوتی تھی۔

اس موضوع پر میں نے اپنے خیالات نہایت اختصار کے ساتھ اب سے لگ بھگ دو اڑھائی سال قبل لاہور کے امریکن قونصلیٹ کے پولیٹیکل آفیسر مسٹر جیمس ایف کول کے سامنے جن الفاظ میں بیان کئے تھے' جو خاص اس موضوع پر گفتگو کے لئے تشریف لائے تھے' وہ آپ کے سامنے رکھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

مسٹر کول نے جب مجھ سے سوال کیا کہ آپ پاکستان میں خلافت کا جو نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اس کا دستوری اور آئینی ڈھانچہ کیا ہو گا ـــــ تو میں نے عرض کیا کہ آپ اپنا امریکی دستور لے لیں اور اس میں صرف تین چیزیں شامل کر لیں تو اس طرح عہد حاضر کے بہترین نظامِ خلافت کا دستورِ اساسی وجود میں آ جائے گا۔ اس پر ابتداء میں تو انہوں نے شک آمیز حیرت کا اظہار کیا' لیکن میری وضاحت کے بعد وہ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے

اعتراف کیا کہ آپ کی بات بالکل واضح ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ میں نے امریکی دستور کی بات صرف اس لئے نہیں کی تھی کہ میں ایک امریکی سے گفتگو کر رہا تھا بلکہ اصلاً اس لئے کی تھی کہ میرے نزدیک جدید جمہوری ریاست کے دستوری و آئینی ارتقاء ـــــ اور اس کے لئے بنیادی اداروں کی تعیین و تشکیل کا جو عمل مغرب میں انقلابِ فرانس سے شروع ہوا تھا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ریاستی ڈھانچہ اس کے بلند ترین مقام (CLIMAX) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں جہاں ایک جانب ریاست کے تینوں اساسی اداروں میں سے ہر ایک کو "بے ہمہ" بھی قرار دیا گیا ہے، یعنی دوسرے دونوں سے آزاد اور مستقل بالذات، اور اس جہت سے "باہمہ" بھی کہ وہ بقیہ دونوں کے ساتھ مربوط ہے ـــــ مزید برآں ان تینوں کے مابین حد درجہ توازن بھی پیدا کر دیا گیا ہے ـــــ اور دوسری جانب اختیارات کو کسی ایک جگہ مرکوز کرنے کی بجائے رُوحِ عصر کے عین مطابق کاؤنٹی کی سطح تک پہنچا دیا گیا ہے ـــــ!

امریکی دستور میں مَیں نے جن تین چیزوں کے شامل کئے جانے کا ذکر کیا ان میں سے پہلی تو وہ تھی جو ہمارے یہاں، بحمد اللہ، ۱۹۴۹ء سے طے ہے ـــــ یعنی یہ کہ "سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے۔ حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری!" کے مصداق اس امر کا صریح اعلان کہ یہاں حاکمیت مطلقہ عوام کی نہیں خدا کی ہے ـــــ یہ چیز چونکہ ہمارے مابین متفق علیہ ہے لہٰذا اس پر مزید گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں ہے!

دوسری بات جو میں نے عرض کی تھی وہ یہ کہ یہ طے کر دیا جائے کہ یہاں کسی بھی سطح پر کوئی بھی قانون سازی خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سُنّت کے خلاف نہیں کی جا سکے گی۔ یہ معاملہ بھی ہمارے دستور میں دفعہ ۲۲۷ کے تحت موجود تو بہت عرصہ سے ہے لیکن یہ دفعہ بالکل غیر مؤثر اور کسی قوتِ نافذہ (SANCTION) کے بغیر تھی، تا آنکہ ۱۹۸۰ء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اسے فیڈرل شریعت کورٹ کے ذریعے متحرک اور مؤثر کیا تھا۔ لیکن کلی طور پر نہیں بلکہ جزوی طور پر بہت سے استثناءات کے ساتھ ـــــ لیکن اگر یہ دفعہ واقعی مؤثر بن جائے تو بھی اس کے ضمن میں دو مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں ہماری قوم اور معاشرے میں بہت مختلف آراء موجود ہیں، یعنی

ایک یہ کہ قرآن اور سُنّت کی قانونی حیثیت کیا ہے' اور دوسرے یہ کہ یہ فیصلہ کرنے کا اختیار کس کو ہو گا کہ کسی معاملے میں قرآن اور سُنّت سے تجاوز ہو گیا ہے یا نہیں۔

ان میں سے مقدم الذکر مسئلے کے بارے میں تو مَیں اِس وقت کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے بھی کہ یہ ایک بہت مفصل بحث کا متقاضی ہے' —— اور اس لئے بھی کہ اُمت کی عظیم ترین اکثریت اس پر قطعی طور پر متفق ہے کہ قرآن حکیم تو کُل کا کُل یعنی نہ صرف عمومی اُصول بلکہ جملہ معیّن احکامات سمیت واجب التنفیذ ہے ہی 'سُنّت رسولؐ' بھی قانون اسلامی کا قرآن پر مستزاد' اور مستقل بالذات ماخذ ہے —— چنانچہ بحمد اللہ پاکستان کے دستور میں بھی یہ حقیقت دفعہ ۲۔ الف اور دفعہ ۲۲۷ میں واضح طور پر ثبت ہے۔ (اس مسئلے کے ضمن میں چونکہ آپ نے بھی اپنی بعض آراء کا' خواہ بر سبیل تذکرہ ہی سہی' ذکر کیا ہے لہٰذا اگر آپ کے نزدیک میرے یہ خیالات قابل توجہ اور لائق اشاعت ہوئے تو' ان شاء اللہ' جلد ہی اس موضوع پر بھی تفصیلی گزارشات پیش کروں گا۔)

البتہ مؤخر الذکر معاملے میں یہ گزارش ضروری ہے کہ یہ خالص فنی معاملہ کہ کسی مسئلے میں قرآن اور سُنّت کی حدود سے تجاوز ہو گیا ہے یا نہیں موجودہ دنیا کے معروف اور مسلمہ طریقے کے مطابق اعلیٰ عدلیہ کے حوالے ہونا چاہئے' جہاں علماء کرام بھی پیش ہو کر اپنی آراء اور ان کے ضمن میں دلائل پیش کر سکیں گے۔ اور عوام میں سے بھی جو بھی اپنے آپ کو رائے دینے کا اہل گردانے اسے حق حاصل ہو گا کہ اپنی بات کہہ سکے —— اس ضمن میں اس سے تو ہرگز اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ اگر یہ اختیار علماء کے کسی بورڈ کے حوالے کر دیا جائے تو اس سے ایک نوع کی تھیا کریسی وجود میں آئے گی۔ (جیسی کہ اس وقت ایران میں ہے!) —— لیکن واقعہ یہ ہے کہ اتنی ہی غلط بات یہ ہو گی کہ یہ فیصلہ کلی طور پر پارلیمنٹ پر چھوڑ دیا جائے —— خواہ اس کے ارکان کی اکثریت قرآن اور سُنّت کے علم سے نابلد محض ہو۔ نظری اعتبار سے یہ اختیار پارلیمنٹ کے حوالے صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے عالم دین ہونے کی شرط عائد کر دی جائے —— جس سے ریاست کا جمہوری قاعدہ (BASE) سکڑ کر بہت محدود ہو جائے گا۔ صحیح تر راہ یہی ہے کہ پارلیمنٹ کی نمائندہ حیثیت وسیع سے وسیع تر ہو' اور قانون سازی کا اختیار بھی اصلاً اسی کے ہاتھ میں ہو' البتہ چونکہ یہ دستور میں درج ہو گا کہ یہاں

کوئی قانون سازی کتاب و سُنّت کے منافی نہیں کی جاسکتی اور دستور کی محافظ و امین (CUSTODIAN) اعلیٰ عدلیہ (HIGHER JUDICIARY) ہی ہوتی ہے لہٰذا ہر شہری کو یہ حق دیتے ہوئے کہ اگر اس کی رائے میں کسی موجود الوقت قانون' یا نئے پاس ہونے والے یا زیرِ تجویز قانون میں کوئی بات کتاب و سُنّت کے منافی ہے تو وہ عدالت کے در پر دستک دے سکے' آخری فیصلہ عدالت پر چھوڑ دیا جائے۔

اس ضمن میں میرے نزدیک پاکستان میں اولاً علماء بورڈ ـــــ پھر اسلامی نظریاتی کونسل اور آخر میں فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام صحیح رُخ پر ارتقاء کی منزلیں ہیں ـــــ جس کی آخری منزل یہ ہوگی کہ جب ہمارے سارے لاء کالج "کلیۃ الشریعہ" بن جائیں گے اور سارے ہی جج ماہرین کتاب و سُنّت ہوں گے تو اس کام کے لئے کسی علیحدہ فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ کام ریگولر عدالت ہائے عالیہ اور عدالت عظمیٰ ہی کے ذریعے ہوگا!

امریکہ کے ریاستی ڈھانچے کو نظامِ خلافت میں تبدیل (CONVERT) کرنے کے لئے جو تیسری چیز میں نے مسٹر کول کے سامنے رکھی تھی' اس کا موجود الوقت ظروف و احوال اور ذہنی و نفسیاتی فضا میں ہضم ہونا تو درکنار نگلنا بھی بہت مشکل ہے' تاہم اس کے باوجود کہ پاکستان کے معروضی حالات میں اس کی کوئی عملی اہمیت نہیں ہے اور اس کے ضمن میں کامل سکوت اختیار کیا جاسکتا ہے' دیانت کا تقاضا ہے کہ اسے بیان کر دیا جائے ـــــ یعنی یہ کہ اسلامی ریاست میں کامل شہریت صرف مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے' غیر مسلموں کی حیثیت محفوظ و مصئون اقلیت (PROTECTED MINORITY) کی ہوتی ہے! ـــــ چنانچہ جہاں تک جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت' عقیدے اور عبادت کی آزادی اور مقدس مقامات کی حفاظت' پرسنل لاء یعنی اکل و شرب کے معمولات' شادی بیاہ کے قوانین اور رسومات' اور وراثت کے قواعد و ضوابط' وغیرہ کا تعلق ہے ان کے ضمن میں تو غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کے بالکل برابر حقوق حاصل ہوں گے ـــــ اسی طرح تجارت اور صنعت و حرفت کے علاوہ مختلف پیشوں' اور سول اور فوجی ملازمتوں کے دروازے بھی ان پر مسلمانوں ہی کی طرح کھلے ہوں گے ـــــ لیکن دو امور میں انہیں شریک نہیں کیا جاسکتا' یعنی ایک عام انتظامی قواعد و ضوابط سے قطع نظر بلند ترین سطح

کی قانون سازی میں جس میں تحلیل و تحریم یعنی کسی شے کی حلت و حرمت اور حدود کا معاملہ INVOLVED ہو' اس لئے کہ ان کا منبع قرآن و سنت ہیں جنہیں غیر مسلم تسلیم ہی نہیں کرتے' اور دوسرے ریاست کی اعلیٰ ترین سطح کی پالیسی سازی میں' اس لئے کہ اسلامی ریاست کی اولین اور بلند ترین ترجیح (PRIORITY) یہ ہو گی کہ اللہ کے دین کا پوری دنیا میں بول بالا ہو اور پورا عالم انسانیت رحمۃٌ لِلعالمین کے سایۂ رحمت میں آ جائے۔ جبکہ کسی غیر مسلم سے اس کی خواہش یا آرزو کی توقع نہیں کی جا سکتی!

اس رائے پر آپ نے اپنی تحریر میں خود بھی "ہوالعجبی" کی پھبتی چست کی ہے' اور پھر بھارتی مسلمانوں کے مسئلے اور اس کے ضمن میں منیر کمیشن رپورٹ کے حوالوں کو "برہانِ قاطع" کے طور پر پیش کیا ہے' تاہم ان مسائل پر گفتگو کا اس وقت موقع نہیں ہے۔ چند سال قبل امریکہ کے سفر کے دوران کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر اقبال احمد صاحب کے ساتھ ہم سفری اور گفتگو کا موقع ملا۔ تو جب انہوں نے بالکل اسی انداز سے بھارتی مسلمانوں کا مسئلہ اٹھایا تو اس پر جو کچھ میں نے عرض کیا تھا اس پر ان کا تبصرہ یہ تھا کہ "آپ کی باتیں قابلِ غور ہیں' اور آپ سے مزید گفتگو ہونی چاہئے!" ——— بہرحال اس وقت تو میں ایک بیرونی سفر کے لئے پابہ رکاب ہوں' ان شاء اللہ واپسی پر اس موضوع پر تفصیلاً لکھوں گا!

سردست کہنا صرف یہ ہے کہ عہد حاضر میں اسلامی ریاست کا بہترین دستوری اور آئینی ڈھانچہ' جس میں اسلام کے ساتھ جمہوریت کی اعلیٰ ترین اقدار کو سمو دیا جائے اس طرح وجود میں آ سکتا ہے کہ انسان نے گزشتہ دو اڑھائی سو سالوں کے دوران جمہوری ریاست کے دستوری اور آئینی ارتقاء کے جو ثمرات حاصل کئے ہیں' اور جن اداروں کی تشکیل کی ہے' ان میں سے بہترین کو اختیار کر کے صرف متذکرہ بالا تین چیزیں شامل کر دی جائیں!

البتہ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ میں مغرب کی جس یافت کو قابل قدر اور وقیع قرار دے رہا ہوں' وہ اس کا پورا سماجی' اقتصادی اور سیاسی نظام نہیں ہے' بلکہ صرف جمہوری ریاستی ڈھانچہ یا اگر ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت ہو تو "STATE-CRAFT" ہے ——— ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے بارے میں

جو پیشنگوئی علامہ اقبال نے ستراَسّی سال قبل کی تھی وہ کبھی کی پوری ہو چکی' اور وہاں کا خاندانی نظام اور جملہ سماجی اقدار عرصہ ہوا کہ "اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی" کر چکیں۔ اسی طرح مغرب کا اقتصادی نظام بھی بد ترین استحصالی نظام کا مظہر ہے —— اور واقعہ یہ ہے کہ فوکویاما نے سوویت یونین کا شیرازہ بکھرنے پر مغربی نظام کے بارے میں جو بڑ کیں ماری ہیں' ان کے بالکل برعکس حقیقتاً یہ نظام بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے' اور اب اگر قائم ہے تو صرف ہائی ٹیکنالوجی کی بنیاد پر جو ایک جانب اسے ناقابل تسخیر فوجی طاقت بنائے ہوئے ہے' اور دوسری جانب پوری تیسری دنیا کے عوام کا خون کھینچ کر وہاں پہنچا دیتی ہے!

بہرحال پاکستان اگر حقیقی معنی میں اسلامی' جمہوری' فلاحی سلطنت بنتا ہے تو علامہ اقبال اور قائد اعظم کے خوابوں کی تعبیر بن کر پورے عالم انسانیت کے لئے ایک منارۂ نور کا کام دے گا —— ورنہ اپنی معنویت تو تقریباً کھو ہی چکا ہے' حقیقی اندیشہ موجود ہے کہ اپنا وجود بھی کھو بیٹھے! (معاذ اللہ!)

انقلاب کا نبوی منہاج

تحریر: محمد رشید عمر، فیصل آباد

اقامت دین کا طریق کار کیا ہونا چاہئے؟ یہ وہ سوال ہے جس کے لئے امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ملک بھر میں منہاجِ محمدی کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعے تمام دینی جماعتوں کے قائدین کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے اور سیرتِ نبویؐ سے ماخوذ کسی ایک منہاج پر متفق ہو کر اس طریق کار کے مطابق جدوجہد کا آغاز کرنے کی دعوت دی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی کے پاس بھی ایک انقلابی پروگرام ہے جس سے معاصرین واقف ہیں۔ چنانچہ ان کانفرنسوں میں کسی نے تنظیم کے انقلابی پروگرام کی تائید کی، کسی نے اپنے رنگ میں بات کی اور کچھ نے ایسے طریقوں کی نشاندہی کی جو سوال کو اور پیچیدہ بنا گئے۔ ان حالات میں یہ سوال اور زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ملک میں دینی خطوط پر دو بڑی جماعتیں کام کر رہی ہیں ـــــ ایک جماعت اسلامی، جس نے مروجہ سیاسی راستہ یعنی انتخابات کو غلبۂ دین کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے اور دوسری تبلیغی جماعت، جس نے دعوتِ ایمان اور اصلاحِ کلمہ و نماز کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے۔ اقامت دین کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ جب سب لوگ ایمان و یقین والے ہو جائیں گے، سب لوگ اپنے اپنے اعمال درست کر لیں گے تو اللہ کا دین خود بخود غالب ہو جائے گا۔

جہاں تک انتخابی طریق کار کا تعلق ہے، پچاس سالہ ملکی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مختلف دینی جماعتوں کا الیکشن میں حصہ لینا عوام میں دینی بیزاری اور تفرقے کا سبب ہی بنا ہے۔ مزید یہ کہ اس میں کامیابی کے ہتھیار دھکا، دھونس، دھاندلی، دولت اور برادری ازم ہیں۔ چنانچہ اس راستہ کو اختیار کر کے ایک دین دار شخص اپنے اخلاق و کردار کو آلودگی سے کیسے بچا سکتا ہے؟ نیز اس طریق پر چل کر دین کی خدمت ہو گی یا نقصان؟ ان سوالات کا جواب انتخابی راہ اختیار کرنے والوں کے موجودہ طرزِ عمل سے مل جاتا ہے کہ فی الحال انہوں نے اس راہ سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔ دوسری بڑی جماعت کی

جدّوجہد دعوتِ ایمان اور اصلاحِ اعمال پر منحصر ہے۔ وہ اس کو نبیوں کا کام کہتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے مکلّف ہیں یا آپؐ سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء کے؟ اگر تمام انبیاء کی زندگیوں کا نچوڑ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں رکھ دیا گیا ہو' آپ خاتم النبیّین' رحمۃٌ لِلعالمین اور رسول الی کافّۃ الناس ہوں تو کیا آپؐ نے مجرد دعوت سے اسلام کو جزیرہ نمائے عرب پر غالب کر دیا؟ جب سے یہ تحریک برپا ہے اس طرح کے سوالوں کے ساتھ جب بھی ان سے رجوع کیا گیا تو جواب یہی ملتا ہے کہ بزرگوں سے پوچھئے۔ اور بزرگوں کی خدمت میں حاضری سے پتہ چلتا ہے کہ چلہ لگائے بغیر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ جبکہ چلہ لگا کر فارغ ہونے والوں کی کثیر تعداد ملک کے طول و عرض میں بلکہ پوری دنیا میں ہر وقت گھوم پھر رہی ہے۔ اس کے باوجود اقامت دین کی راہ واضح نہیں ہو رہی اور اقامت دین کے لئے کوئی واضح پروگرام اس جماعت سے وابستہ لوگوں کے ذہنوں میں نظر نہیں آتا۔

جیسے عرض کیا جا چکا ہے کہ تنظیم اسلامی بھی اقامت دین کے لئے ایک پروگرام رکھتی ہے۔ چنانچہ تنظیم کے انقلابی طریق کار کے بارے میں امیر تنظیم فرماتے ہیں :

"ہمارا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ ہی اس عظیم انقلاب کے طریق کار اور لائحہ عمل کا واحد منبع اور سرچشمہ ہے۔ لہٰذا ہم اس کی جانب اس مجبوری کے تحت رجوع کر رہے ہیں کہ ؎

جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ
ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں!

نیز ہمیں علیٰ وجہ البصیرت یہ معلوم ہے کہ جا ایں جا است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

کے مطابق سیرت النبیؐ کے راستے کے سوا سارے راستے کسی نہ کسی دوسری منزل کی جانب لے جانے والے ہیں' اللہ کے عطا کردہ نظامِ عدل و قسط کی جانب نہیں"۔

دینِ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے' اس پر جزوی عمل پیرا ہونا اللہ تعالیٰ کو قابل قبول

نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو غالب کرنے کا طریق کار بھی اللہ کا عطا کردہ ہے' جو رسول اللہ ﷺ کی عملی جدوجہد کی شکل میں ہمیں دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے :

((تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ ' لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا ' كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهِ))

"میں تمہارے مابین دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں' تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے' جب تک ان دو چیزوں سے چمٹے رہو' یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾

"وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو بھیجا' الہدیٰ اور دین حق دے کر' تاکہ وہ اسے تمام دین (کل نظامِ زندگی) پر غالب کر دے...."

قرآن پاک میں تین مقامات پر وارد ہونے والی اس آیۂ مبارکہ میں غلبہ دین اسلام کی پیشین گوئی موجود ہے۔ وہ دین جس کے شارع کے ذمہ طہارت تک کے احکام کو بھی واضح کر دینا تھا' کیا وہ غلبۂ دین جیسے اہم کام کے لئے کوئی طریق کار نہیں دے گئے تھے' جبکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾

"ہم نے تم میں سے ہر ایک (اُمت) کیلئے ایک شریعت اور منہاج مقرر کیا ہے"۔

نبی اکرم ﷺ نے نبوت سے پہلے بھی شرک نہیں کیا تھا۔ آپؐ بعثت سے پہلے بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھے۔ گویا انسانیت کبھی بھی اخلاقی اصولوں سے ناواقف نہیں رہی۔ اسے اگر واقفیت نہیں تھی تو ان قوانین سے نہیں تھی جو اخلاقی کی حدود کا تعین کرتی ہیں۔ اگر واقفیت نہیں تھی تو اس طریق کار سے نہیں تھی جس پر چل کر قوتِ نافذہ حاصل ہو سکتی۔ نبوت سے پہلے غارِ حرا میں نبی اکرم ﷺ کا ہفتوں عشروں پر محیط غور و فکر کیا اسی مقصد کے لئے نہ تھا کہ کس طرح انسانوں کو عادلانہ قوانین کے شکنجہ میں جکڑ کر ایک اللہ کے حضور پیش کر دوں؟ بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ : اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلب مبارک کو اصلاحِ

آدمیت کے جذبہ سے معمور پایا تو اپنی نعمت کا احسان ان الفاظ میں جتلایا :

﴿ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى ﴾

"اس نے آپؐ کو راہِ حق کی تلاش میں سرگرداں پایا تو ہدایت دے دی"۔

جس ہستی نے انسانیت کی ہدایت کے لئے آپؐ کو دینِ حق دیا اس نے وہ منہاج بھی عطا کیا جس پر چل کر دینِ حق کے غلبے کے ذریعے معاشرہ کو عدل و انصاف پر قائم رکھا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں' اس راستے کی منزلیں بھی اپنی نگرانی میں طے کروائی گئیں۔ چنانچہ اس جدوجہد کے کٹھن مراحل طے کرتے ہوئے جب آپؐ کی طبیعت میں پریشانی یا بے چینی پیدا ہوئی تو ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا . . ﴾

"(اے نبیؐ!) اپنے رب کا حکم آنے تک خود کو تھام کر رکھئے' بے شک آپ ہماری نگاہوں میں ہیں...."

چنانچہ آپؐ کی تیئس سالہ نبوی زندگی واقعات کا بے ترتیب مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مربوط اور منظم تحریک تھی' جس کی ابتدا بھی اپنے مقصد کے اعتبار سے اتنی ہی روشن اور واضح تھی جس طرح اس کا انجام۔ کسی مرحلہ پر بھی نتائج دھندلائے نہیں۔ کسی مرحلہ پر بھی اس تحریک سے وابستہ امیدیں ختم نہیں ہوئیں۔ اپنے نتائج سے دنیا کو روشن کر دینے کا ایمان اور یقین ہر ہر قدم پر اس تحریک کے کارکنوں کا خاصہ رہا ہے' کیونکہ یہ ایک مکمل تحریک تھی اور اس تحریک کو لے کر چلنے والی ہستی مکمل ترین ہستی تھی ــــ رسولِ کامل ــــ دُنیا کے مکمل ترین انقلاب کے رہبر۔

کائنات کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرے میں خالق کائنات نے وہ ترتیب اور نظم رکھا ہے کہ حکماء جب ان پر غور کرتے ہیں تو وہاں سے کلئے اور اصول اخذ کر لیتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول کامل ﷺ کی جدوجہد سے طریق کار اخذ نہ کیا جا سکتا ہو' کہ جن کا بھیجنے والا کہہ رہا ہو ﴿ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ﴾ "آپؐ ہماری نگاہوں میں ہیں"۔ گویا اس جدوجہد کا ایک ایک قدم دینِ حق عطا کرنے والے کی راہنمائی میں پڑ رہا ہے۔ اس حال میں آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات کو اتفاقی تصور کر لینا اور اس سے انقلابی جدوجہد کا کلیہ یا اصول وضع نہ کر سکنا دورِ حاضر کے انسان کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے؟

عملی اور فکری انحطاط کے اس دور میں، جو کہ ایک انقلابی جدوجہد کا متقاضی ہے، میدانِ عمل میں نمایاں جماعتوں کے خود ساختہ طریقوں نے دین کی جدوجہد کو لوگوں کی نظروں میں بے وقعت بنا کر رکھ دیا ہے جب کہ مروجہ سیاست کا راستہ ذلت و رسوائی، دین بیزاری اور فرقہ پرستی کے علاوہ کسی چیز کو فروغ نہیں دے رہا۔ اسی طرح موجودہ صدی میں دعوت و تبلیغ کے جاری طریقے نے لوگوں کے مزاج سے دینی غیرت و حمیت کو اکھاڑ کر انہیں درویشی اور مسکنت کا ماحول دیا ہے۔ انتہائی خطرناک صورت حال یہ ہے کہ اس مزاج کو "نبیوں کے کام" کے نام پر بڑے جزم کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، جب کہ کسی دوسرے کی بات سننے کے لئے کان بند، آنکھ بند والا معاملہ کیا ہوا ہے۔ آج اس ایمان و یقین اور دینی تربیت کی ضرورت ہے اور فرائض دینی کا وہ جامع تصور درکار ہے جس کے نتیجے میں ایسی شخصیتیں پیدا ہوں جو دین اسلام کے شایانِ شان ہوں، جو باطل کے مقابلے میں سر اٹھا کر چل سکیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکیں، جو قرآن و سنت پر نہ صرف عمل کرنے والے ہوں بلکہ دلائل کے ساتھ باطل نظریات کا توڑ کر سکیں۔ یہ ایک خلا تھا جسے پُر کرنے کی ضرورت تھی۔

راقم الحروف نے اپنے گاؤں میں جب دین کی تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا تو جن لوگوں کے ہاتھ میں منبر و مصلّٰی کے معاملات تھے انہوں نے یہ کہہ کر بات سننے سے انکار کر دیا کہ جس دین کی باتیں تم کرتے ہو گاؤں میں اس کی ضرورت نہیں، ہم جہاں تک عمل پیرا ہیں ہمارے لئے اتنا ہی دین کافی ہے، اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ دعوت و تبلیغ اور صوم و صلوٰۃ کی اصلاح کرنے والے حضرات سے جب بھی بات ہوئی ہے تو کچھ اسی طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس مزاج کی خطرناکی کو اجاگر کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ دینی تعلیمات کا نقشہ جو یہ پیش کر رہے ہیں وہ مکمل نہیں، ادھورا ہے۔ کیونکہ جو خطہ ارضی اللہ نے ہمیں دیا ہے وہاں دین کو عملاً نافذ کئے بغیر دعوت میں کوئی وزن پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ جبکہ دین صرف اور صرف حضور ﷺ کے منہاج پر چل کر ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ گویا منہج انقلاب نبویؐ کے بغیر ایک خطرناک خلا ہے کہ جس کو اگر بروقت پورا نہ کیا گیا تو شاید یہ منزل ہمارے ہاتھوں کبھی سر نہ ہو۔

مذکورہ بالا دونوں تحریکوں کی ابتدا تقسیم ہند سے پہلے انگریزی دور میں ہوئی۔

جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں مسلمانوں کو اپنی شناخت سے روشناس کرایا اور مسلمانوں کو متحدہ ہندوستانی قومیت میں تحلیل ہونے سے بچایا۔ مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کے لئے دلائل پر مبنی فکری مواد فراہم کیا۔ اس طرح جماعت اسلامی نے مسلم لیگ کے اس موقف کو تقویت دی جس کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔ جماعت اسلامی نے ہی حکومت الٰہیہ کے خدوخال سے عوام کو آگاہ کیا اور یہ کام اتنا جاندار تھا کہ دوسرے ممالک میں اسلام کے احیاء کے لئے اٹھنے والی تحریکوں کو بھی فکری اور عملی بنیادیں فراہم کرنے کا ذریعہ بنا۔ اس کے علاوہ اعلانِ آزادی کے ساتھ ہی قتل و غارت گری اور نقل مکانی کا سلسلہ شروع ہوا تو اس جماعت کے اکابرین انسانیت کی مدد کیلئے کھلے آسمان تلے خیمے لگا کر ہمہ تن اس کام میں مشغول ہو گئے۔ بقول میاں طفیل محمد :

"مولانا نے ملک بھر میں پھیلے ہوئے جماعت اسلامی کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ فی الفور لاہور پہنچیں۔ یہ کارکنان جیسے جیسے لاہور پہنچتے گئے' ان میں سے کچھ کو لاہور کی صفائی پر لگا دیا اور کچھ کو مہاجر کیمپوں میں مہاجرین کی دیکھ بھال کیلئے متعین کر دیا۔ دوسری طرف انہوں نے کوششیں کیں کہ اہل خیر کی مدد سے مہاجرین کی خورد و نوش کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے دیگیں پکا کر مہاجر کیمپوں میں بھیجنا شروع کیں"۔

(ہفت روزہ تکبیر ۲۱/اگست ۱۹۹۷ء' جماعت اسلامی اور اسلامی دستور کی جدوجہد)

قیام پاکستان کے بعد احتجاجی سیاست کے ذریعے قرارداد مقاصد پاس کروانے کا ذریعہ بھی یہی جماعت بنی۔ قوم کو تجدید و احیائے دین کی فکر نو اور الجہاد فی الاسلام کا ولولہ دیا۔ لیکن بقول ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

"یہ جماعت راہِ یسیر یعنی شارٹ کٹ کی بھول بھلیوں میں گم اور ملکی سیاست کی دلدل میں پھنس اور دھنس کر رہ گئی"۔

دوسری طرف دعوت و تبلیغ والی جماعت کا اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے کی کشمکش یا تقسیم ملک کے دوران انسانیت کی خدمت میں کوئی رول نظر نہیں آتا۔ وجہ صرف یہی ہے کہ برائی کے خلاف کوئی اقدام کرنے کو یہ حضرات فساد فی الارض سمجھتے ہیں اور عوام کی بہت بڑی تعداد جن کے پاس وسائل بھی ہیں اور کام کا جذبہ بھی ہے' ان کی ساری توانائیاں ملک گردی میں کھپا رہے ہیں۔ نماز' روزے اور کلمے کی اصلاح کے کام سے

انکار نہیں ہے، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی تو دینی فریضہ ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصل ہدف دین کے نظامِ عدل و قسط کا قیام ہے۔ کلمے کا وِرد، نماز، روزہ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مجاہدین کے اوصاف اور روزانہ کے معمولات ہیں۔ چنانچہ ان حالات میں اس کام کی اہمیت کا درجہ صرف اتنا ہی ہے جیسے ہم اپنے خاندان کے بچوں کو بنیادی دینی باتیں سکھانے کا کام کریں۔ گویا یہ لوگ قوم کو کلمہ اور نماز روزہ سکھانے کا کام کر رہے ہیں لیکن اس کام سے کسی انقلابی تبدیلی کا ہدف پورا ہونے کی توقع رکھنا غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

یہ وہ حالات ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس میں اسلامی انقلاب کے بارے میں مایوسی کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اور اسلامی انقلاب کو ناممکن الوقوع معاملہ سمجھا جا رہا ہے۔ نیز امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہم ذمہ داری سے گریز کی وجہ سے لا اِلٰہ اِلاّ اللہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والے ملک میں معاشرے کی حالت یہ ہے کہ اقامت دین کے دعوے دار، دعوت و تبلیغ والے، مجاہدین اسلام، سنتوں کا احیاء کرنے والے، سود خور، سرمایہ دار اور جاگیردار، حکومت کے راشی اور حرام خور کارندے، نظامِ باطل کے محافظ اور ظالمانہ نظام میں پسنے والے عوام —— یہ تمام طبقات امن سے ایک ملک میں رہ رہے ہیں۔ یعنی اہل اللہ اور غلط کاروں کے درمیان کوئی نمایاں چپقلش معاشرے میں نظر نہیں آتی۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے ڈاکٹر اسرار احمد کو توفیق بخشی کہ انہوں نے نہ صرف نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے غلبۂ دین حق کے طریق کار کا اصول اور فارمولا اخذ کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیا بلکہ پچیس برس قبل ایک اسلامی انقلابی جماعت "تنظیم اسلامی" قائم کر کے سیرتِ نبویؐ سے ماخوذ منہج انقلابِ نبویؐ کے مطابق جدوجہد کا آغاز بھی کر دیا۔ انقلابِ نبویؐ کا منہاج مختصراً پیش خدمت ہے:

۱) دعوت و تبلیغ کے ذریعے انسانوں کی افرادی قوت کی فراہمی

۲) ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت کے مسنون طریقے پر منظم کر کے اجتماعی طاقت اور بنیانِ مرصوص بنانا۔

۳) تعلیم و تزکیہ کے ذریعے ان میں مطلوبہ اوصاف اور صلاحیت پیدا کرنا۔

۴) صبر محض (جس طرح مکی زندگی میں ایذائیں برداشت کرتے ہوئے دعوت کو جاری رکھا گیا اور کوئی جوابی کارروائی نہیں کی گئی)۔

۵) اقدام (جس طرح ہجرت کے بعد قریش مکہ کی دُکھتی رَگ یعنی تجارتی راستوں پر دستے بھیج کر ان راستوں پر ان کی آمدورفت کو مخدوش بنایا گیا)۔

۶) مسلح تصادم (جیسے جنگ بدر' اُحد' احزاب' فتح مکہ اور پھر پورے عرب پر غلبہ دین)

مسلح تصادم چونکا دینے والی اصطلاح ہے' لیکن ہمیں جان لینا چاہئے کہ دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں تمدنی ارتقاء کے باعث درج ذیل اعتبارات سے فرق واقع ہو چکے ہیں :

۱) نبی کریم ﷺ کی جدوجہد ایک خالص مشرکانہ اور کافرانہ معاشرے میں تھی' جبکہ ہماری جدوجہد مسلمانوں میں ہے۔ انتظامیہ' عدلیہ اور مقننہ کے تمام اراکین اسلام کے دعوے دار ہیں۔

۲) آنحضور ﷺ کے زمانے میں عرب میں کوئی منظم حکومت قائم نہیں تھی اور مسلح تصادم کے آغاز کے وقت بھی اسلام اور کفر کی طاقت میں نسبت وتناسب (تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے) ایک اور دس سے زیادہ کا نہیں تھا۔ جبکہ آج باقاعدہ پولیٹیکو' سوشیو' اکنامک سسٹم قائم ہیں۔ ان کی پشت پر بے پناہ قوتوں سے مسلح مقامی حکومتیں ہی نہیں عظیم عالمی قوتیں بھی ہیں جن کے ساتھ عوام کے مسلح تصادم کا معاملہ تقریباً محال کے درجہ میں آ چکا ہے۔

۳) ریاست اور حکومت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں تسلیم کی جاتی ہیں۔ ریاست ایک بالکل علیحدہ شے ہے اور حکومت صرف ریاست کے معاملات چلانے والا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ حکومت آج کسی کی ہے تو کل کسی اور پارٹی کی ہو سکتی ہے' یہ آنی جانی شے ہے' مستقل حیثیت صرف ریاست کو حاصل ہے۔

۴) پوری دنیا میں یہ بات مسلّم سمجھی جاتی ہے کہ کسی حکومت کو بدلنے کا حق اس ملک کے رہنے والوں کو حاصل ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ سیاسی جماعتیں بنا سکتے ہیں اور ہر پارٹی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ موجود الوقت حکومت کو ہٹانے کی مہم چلائے' اس پر

دل کھول کر تلخ و تند تنقیدیں کرے اور رائے عامہ کو اپنی پارٹی کے حق میں ہموار کرے' تا کہ اس پارٹی کی حکومت قائم ہو سکے۔ اس طرح کسی بھی ملک کے باشندوں کو آئینی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکومت کو بدل دیں۔

موجودہ دور میں ان پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی جماعت پہلے مذکورہ بالا چار مراحل دعوت' تنظیم' تربیت اور صبر محض پر عمل پیرا ہو اور رائج الوقت نظام اور اس کو چلانے والے انتظامی ادارے یعنی حکومت کے مقابلے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے کمر کس لے۔ پھر جان ہتھیلی پر رکھ کھڑی ہو جائے اور صرف زبانی کلامی بات کرنے کی بجائے علی الاعلان یہ کہے کہ اب فلاں فلاں منکر کام ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے اور اب یہ کام ہماری لاشوں پر ہو گا۔ پھر اس پر ڈٹ جائے' اور ہر نوع کی مالی اور جانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرے۔ البتہ یہ احتیاط سختی سے کی جائے کہ اپنی طرف سے ہاتھ نہ اٹھایا جائے' کسی قسم کی توڑ پھوڑ نہ ہو' جماعت میں ایسا ڈسپلن ہو کہ ہر نوع کی بدامنی کو قابو میں رکھ سکے' یعنی حکومت گرفتار کرے تو مظاہرین مزاحمت نہ کریں۔ لاٹھی چارج کرے تو اسے جھیلیں' آنسو گیس کے شیل برسائے تو برداشت کریں۔ حتیٰ کہ گولیاں برسائے تو اپنے سینے پیش کریں' لیکن پیچھے نہ ہٹیں اور نہ اپنے موقف کو چھوڑیں۔ یہ جدوجہد اپنے مقصد کے حصول تک جاری رہے۔ ایسی تحریک یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب ہو گی۔ لیکن پہلے چار مراحل پر عمل پیرا ہونا اس جماعت کا اصل سرمایہ ہو گا۔

جب یہ لوگ نظامِ باطل کے راستے کی رکاوٹ بنیں گے تو حکومت کی طرف سے تعذیب خاموش اکثریت کو ان کی پشت پر کھڑا کرا دے گی اور تعذیب کا سلسلہ زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکے گا۔ اس لئے کہ ڈنڈے برسانے والی حکومتی مشینری اندھی' بہری نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ ان سرکاری اہلکاروں کے چچا' تایا' بھانجے اور بھتیجے ہوں گے' اس لیے وہ کب تک گولی اور ڈنڈے سے کام لیں گے۔ پھر جب یہ لوگ دیکھیں گے کہ اس تحریک کا مطالبہ شر پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ تو خود قومی اور انسانی بھلائی کے طالب ہیں' عادلانہ نظام چاہتے ہیں' معاشرے کو بے حیائی اور بے شرمی سے پاک کرنا چاہتے ہیں تو یقیناً یہی لاٹھی اور گولی چلانے والے لوگ بالآخر ہاتھ کھڑے کر دیں گے اور انتظامیہ کو

مجبور کردیں گے کہ ہمارے ان بھائیوں کے مطالبے سنو اور مانو۔ یہی وہ وقت ہو گا کہ ہم نظامِ باطل کو بتدریج اسلام کے نظامِ عدل و قسط میں بدلنے کی پوزیشن میں ہونگے۔ ان سارے مراحل سے گزرتے ہوئے جان جاتی ہے تو "هو المطلوب" اور اگر کامیابی ہوتی ہے تو دوہری خوشی اور دوہرا اجر۔

بات مکمل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ تنظیم اسلامی کی جانب سے کی گئی آج تک کی مساعی کا تعارف کرا دیا جائے۔ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے کارکنوں کو ایک مربوط نظام میں جوڑا گیا ہے۔ مختلف شہروں میں ذیلی مراکز اور دفاتر قائم کئے گئے ہیں جہاں سے نشر و اشاعت کا کام جاری ہے۔ ماہانہ 'پندرہ روزہ' ہفت روزہ دروسِ قرآن اور رمضان المبارک میں دورانِ تراویح دورہ ہائے ترجمہ قرآن کا بندوبست انہی مراکز کے ذریعے ہوتا ہے۔ عربی زبان سیکھنے اور قرآن پاک کی فکری و عملی راہنمائی کیلئے قرآن پاک کے منتخب حصوں پر مشتمل دروس سے بذریعہ ڈاک استفادے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ذیلی مراکز میں بھی وقتاً فوقتاً کلاسز اور کورسز منعقد کئے جاتے ہیں۔ علومِ قرآنیہ کی اشاعت' باطل نظریات پر کڑی نظر اور ان کا رد' حالاتِ حاضرہ پر نظر اور برائیوں اور خرابیوں کی مذمت کیلئے ہفت روزہ ندائے خلافت' ماہنامہ میثاق اور حکمت قرآن اور انگریزی زبان میں سہ ماہی قرآنک ہورائزنز شائع کئے جاتے ہیں۔

ذیلی مراکز کے تحت دو روزہ' سہ روزہ' ہفت روزہ دعوتی پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں جن میں رفقائے کار گلی گلی' شہر شہر دین متین کی دعوت لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کارنر میٹنگز اور تفہیم دین کورس منعقد کئے جاتے ہیں تاکہ عوام الناس کی ذہنی تربیت کا مقصد حاصل ہو۔ ذیلی مراکز اور بالخصوص مرکزی سطح پر وقت کی ضرورت کے مطابق قومی معاملات پر سیمینار منعقد کروائے جاتے ہیں۔ متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی تشکیل کے لئے حالیہ جدوجہد کے علاوہ تنظیم اسلامی نے پہلے بھی متعدد بار جماعتوں کے اتحاد کی کوششیں کی ہیں جن کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی کے طور پر موجود الوقت نظام کی خرابیوں پر تنقید اور کھل کر مذمت کی جاتی ہے۔ اس کے لئے موقع کی مناسبت سے پُرامن مظاہرے ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے "تکمیل دستورِ اسلامی" کے عنوان سے دستورِ پاکستان میں نفاذِ اسلام کی راہ میں

موجود رکاوٹیں دور کرنے کے لئے کچھ دستوری ترامیم تجویز کی گئیں جس کے لئے ملکی سطح پر پوسٹ کارڈ مہم چلائی گئی اور اعلیٰ ترین حکومتی شخصیتوں سے مل کر انہیں اسلامی دستور کے نفاذ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

تنظیم اسلامی کے کارکنوں کے لئے قرآن و سُنت پر عمل اور ان کی تربیت کیلئے ترغیب و تشویق اور اس پر محاسبہ کا داخلی نظام بھی موجود ہے' جس کے تحت ہر کارکن کی دینی کیفیت اور اخلاق و کردار پر نظر رکھی جاتی ہے اور ان کی راہنمائی کی جاتی ہے۔ دین کے جامع فرائض کو سمجھنے کیلئے مرکزی سطح پر مسلسل ہفت روزہ تربیت گاہیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں رفقائے تنظیم شرکت کرتے ہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد میں شرکت کرنے والے ہر رفیق کو کم از کم ایسی دو تربیت گاہوں میں شامل ہونا لازمی ہوتا ہے۔

دعوت' تنظیم اور تربیت کے ان مراحل کے نتیجہ میں جونہی ایک خاص تعداد تربیت یافتہ کارکنوں کی میسر آگئی تو اس سے اگلا مرحلہ اقدام یعنی نظامِ باطل کی دکھتی رگ کو چھیڑنے کے لئے پُرامن مزاحمتی اور عدم تعاون کی تحریک شروع کی جائے تاکہ حکومت وقت کو دین اسلام کے مطابق نظام چلانے پر مجبور کیا جاسکے۔ اس وقت تک نظام باطل کی خرابیوں اور برائیوں کو ابلاغ کی تمام سطحوں پر اجاگر کرنے اور نظام اسلامی کی برکات سے عوام کو آگاہ کرنے کا کام جاری رہے گا۔

اس کے علاوہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے' جن کو اللہ نے وقت کی نبض دیکھنے کی صلاحیت بھی عطا کی ہے' پاکستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر یہ تجویز کیا ہے کہ تمام دینی جماعتیں اقتدار کی کشمکش اور انتخابی سیاست سے علیحدہ ہو کر ایک متحدہ اسلامی انقلابی محاذ قائم کریں' جس کا واحد ایجنڈا ملک میں اسلامی نظام کا قیام ہو اور یہ اتحاد سیرت النبیؐ سے ماخوذ کسی ایک منہاج پر متفق ہو کر اس طریقہ کار کے مطابق جدوجہد کا آغاز کرسکے۔ اس ضمن میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام اب تک ملک بھر میں منعقد ہونے والی کانفرنسیں اگرچہ دینی جماعتوں کے قائدین کی بھرپور شمولیت اور شرکاء کی تعداد کے اعتبار سے کامیاب رہی ہیں اور سب جماعتوں نے ایسے اتحاد کی تشکیل کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا ہے تاہم اس جدوجہد کے لئے سیرت النبیؐ سے ماخوذ کسی متفقہ انقلابی منہاج کی طرف تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی ہے۔ چنانچہ ہماری دینی جماعتوں

کے قائدین اور ارکان سے گذارش ہے کہ وہ اوپر بیان کیے گئے اسلامی انقلاب کے نبوی طریق کار پر مزید غور و فکر کرکے وقت کی اِس پکار پر لبیک کہیں اور کسی متفقہ طریق کار کی تشکیل میں ہرگز دیر نہ کریں' کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کل ہمیں اس کام کے لئے مہلت بھی ملتی ہے یا نہیں ۔

اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی!
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!!

فتنۂ ارتداد کی سرکوبی میں

محسنِ اُمّت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کا تاریخی کردار

(مرتب : حافظ محبوب احمد خان)

اقوام کی تاریخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیثیت ہمیشہ گلِ سرسبد کی رہی ہے۔ انسانیت کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کو بھیجا جنہوں نے انسانوں کو گمراہی و ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت پر لگایا۔ مذاہب کی تاریخ میں ایک سنگ میل اس وقت آتا ہے جب نبیؑ کی وفات ہوتی ہے۔ اس موقع پر یا تو قوم منتشر ہو جاتی ہے یا پھر انبیاءؑ کی تعلیمات کو بھلا کر شرک و گمراہی کی راہ پر چل پڑتی ہے۔ دوسری صورت میں اگر نبیؑ کا کوئی پیرو کار اپنی ایمانی قوت کے ساتھ اس موقع پر اپنی قوم کی رہنمائی کرے تو یہ قوم صدیوں تک شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں زندہ رہتی ہے۔ بیشتر انبیاءؑ کو ایسے جانشین میسر نہیں آئے جو ان کے بعد ان کی اُمت کو راہِ ہدایت پر لاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انبیاء میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کی اُمت ان کی زندگی میں گمراہ ہوئی اور اسی گمراہی کے دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی، مگر یہ فضیلت بھی انہی کو حاصل ہے کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے مدتوں تک دنیوی نعمتوں اور بادشاہت و اقتدار سے نوازا۔

اُمت مسلمہ کو اس حیثیت سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر پُرعزم شخصیت اُمتِ مسلمہ کو ملی جس نے اپنی عظمت و ہمت سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کیا اور آپ کا باحوصلہ اور جرأت مندانہ کردار اُمت مسلمہ کے لئے ایک نئی زندگی ثابت ہوا۔ تاریخ میں ایسا دورِ امتحان بھی کسی اُمت پر نہیں آیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُمت مسلمہ کو درپیش ہوا (کہ قریش و قبیلہ ثقیف کے علاوہ تمام عرب نے ارتداد اختیار کر لیا) اور تاریخ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا بے مثال کردار بھی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ موجودہ دور میں بھی اُمت مسلمہ ایسے ہی مسائل سے دوچار ہے، ایک جانب قادیانی ہیں تو دوسری جانب

لاہوری گروپ۔ ہم آج بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیمات اور کردار سے رہنمائی حاصل کر کے اسلام کو درپیش فتنۂ ارتداد کا خاتمہ اور قلع قمع کر سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے مرتدین کو ذرہ بھر رعایت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ مرتدین کی جانب سے اپنے قاصدین کے ذریعے یہ پیغام بھیجا گیا کہ ہم صرف نماز پڑھیں گے اور زکوۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ان کی طرف ایک عقال (وہ رسی جو اونٹ اور گھوڑے کے پاؤں میں باندھی جاتی ہے) بھی نکلے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی سرکوبی کے لئے گیارہ لشکر ترتیب دیئے۔

۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو طلیحہ بن خویلد اور اس کی سرکوبی کے بعد بطاح میں مالک بن نویرہ کی جانب ۲) عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں ۳) مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو اسود عنسی کی جانب اور اس کے بعد انبار (جہاں قیس بن کشوح اور اہل یمن نے ارتداد اختیار کیا تھا) کی اسلامی فوج کی اعانت' اور یہاں سے فراغت کے بعد کندہ میں حضر موت کی جانب ۴) خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو حمقتین شام کے ابتدائی حصہ پر ۵) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قضاعہ' ودیعہ اور حارث ۶) حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو اہل دبا ۷) عرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ عنہ کو مہرہ کی جانب ۸) شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کی امداد کو بھیجا اور یمامہ کی مہم سے فراغت کے بعد قضاعہ کے مرتدین کی جانب ۹) طریفہ بن حاجز رضی اللہ عنہ کو بنی سُلیم اور ہوازن ۱۰) سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو بتالۂ یمن ۱۱) علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین' بصرہ اور عمان کے مابین ساحل سمندر پر واقع شہروں' جہاں مرتدین محصور ہو گئے تھے' کی جانب بھیجا گیا۔ (زاد المعاد صفحہ ۶۷ جلد دوم)

اس موقع پر جو خط حضرت ابو بکر صدیق نے مرتدین کے نام لکھا اس کو ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ طبری (جلد سوم) میں اس طرح بیان کیا ہے:

مرتدین کے نام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملک کے عام و خاص افراد کے نام خواہ وہ مسلمان ہوں یا مرتد ہو گئے ہوں۔

سلام اس شخص پر جو ہدایت اسلام کی پیروی کرے اور اسلام قبول کرنے کے بعد گمراہی و ضلالت کی طرف نہ جائے۔ پہلے میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ حضور جو شریعت لائے ہم اس کو مانتے ہیں اور اسلام کے سوا کُل مذاہب کو تسلیم نہیں کرتے اور جو اسلام قبول کرنے سے انکار کرے اس سے جہاد کرتے ہیں۔

امابعد۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو دین حق کے ساتھ اپنی کل مخلوقات کی طرف بھیجا

﴿ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا   لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴾

"(مسلمانوں کو جنت کی) بشارت سنانے والا اور (کافروں کو عذاب خدا سے) ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا چراغ بنا کر بھیجا..... تاکہ محمد ﷺ زندوں کو عذاب خدا سے ڈرائیں اور کافروں پر اتمامِ حجت ہو جائے (کہ دنیا میں ان کو متنبہ کرنے والا آیا تھا)"۔

جس نے اسلام قبول کیا اللہ نے اس کو ہدایت دی' اور جس نے اسلام سے منہ پھیرا رسول اللہ ﷺ نے اس کو مارا حتیٰ کہ چاروں طرف طوعاً و کرہاً اسلام ہی اسلام پھیل گیا۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں احکام اسلام کو نافذ کر دیا' اپنی امت کو نصیحت کی اور جو کام آپ کے ذمہ تھا پورا کر کے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو اپنی کتاب قرآن مجید میں کھول کر بیان کر دیا۔ فرمایا :

﴿ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴾

"(اے نبی!) تم بھی مرنے والے ہو اور یہ بھی مرنے والے ہیں"۔

دوسری جگہ فرمایا :

﴿ وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴾

"(اے نبی!) تم سے پہلے ہم نے کسی بشر کو یہاں ہمیشہ نہیں رہنے دیا۔ اگر تمہیں موت آجائے تو کیا یہ ہمیشہ دنیا میں زندہ رہیں گے؟"۔

صالح مسلمانوں سے خطاب کیا :

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ ' قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ' اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ' وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ' وَّسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾

"محمد (ﷺ) صرف اللہ کے رسول ہیں' ان سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم (اے مسلمانو!) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص الٹے پاؤں پھرے گا (اسلام چھوڑ دے گا) وہ اللہ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا' اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا"۔

جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں' اور جو شخص اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرتا تھا بیشک وہ (اللہ) زندہ ہے۔

﴿ لاَ تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ ﴾ "اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند"۔

وہ اپنے کام کا نگہبان' اپنے دشمن سے انتقام لینے والا ہے۔ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اپنا حصہ اور نصیب اللہ سے لو اور جو شریعت محمد ﷺ لائے اس کو مضبوط پکڑو۔ اس کی ہدایت پر چلو' اللہ کا دین مضبوط پکڑو' اس لئے کہ جس شخص کو اللہ ہدایت نہ دے وہ گمراہ ہوتا ہے اور جسے اللہ اپنے عذاب سے نہ بچائے وہ بلاؤں میں پھنستا ہے۔ جس کی اللہ مدد نہ کرے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ پس جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے وہی گمراہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا○ ﴾

"جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے تو تم اس کا کوئی دوست نہ پاؤ گے جو اسے راستہ بتائے"۔

دنیا میں ایسے گمراہ (کافر) سے کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور نہ آخرت میں اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا۔ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم سے بعض افراد نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔ پہلے وہ مسلمان تھا اب مرتد ہو گیا ہے۔ اس نے اللہ سے دھوکہ کیا اور اپنے نفس کی جہالت کا اظہار اور شیطان کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلاَّ اِبْلِيْسَ ' كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ' اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِىْ وَهُمْ

لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ ﴾

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کے آگے سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سبھی نے سجدہ کیا۔ یہ ابلیس چونکہ جنات کی قسم میں سے تھا سو اپنے پروردگار کے حکم سے نکل بھاگا۔ تو لوگو کیا ہم کو چھوڑ کر ابلیس کو اور اس کی نسل کو اپنا دوست بناتے ہو' حالانکہ وہ تمہارے قدیمی دشمن ہیں۔ ظالموں (نے جو اللہ کے بدلے شیطان کو اختیار کیا ہے ان) کے حق میں یہ بدلہ بہت ہی بڑا ہے"۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۚ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ ﴾

"کچھ شک نہیں کہ شیطان تمہارا جانی دشمن ہے' پس تم بھی اس کو اپنا دشمن ہی سمجھتے رہو۔ وہ تو اپنے لوگوں کو اپنی طرف صرف اس غرض سے بلاتا ہے کہ وہ لوگ آخر کار دوزخیوں میں شامل ہو جائیں"۔

میں فلاں افسر کے ماتحت تمہاری طرف فوج بھیج رہا ہوں۔ میں نے اس کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ لڑائی سے پہلے تم کو اسلام کی طرف بلائے' جو شخص از سر نو اسلام قبول کرے اس کو چھوڑ دے اور اس کی اعانت کرے اور جو شخص بدستور اپنے ارتداد پر قائم رہے اس کو قتل کر دے اور ان کی بستیوں کو نذرِ آتش کر دے' ان کا قتل عام کرے' ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لے۔ صرف اسلام ہی ان سے قبول کیا جائے گا' دوسری کوئی بات قبول نہ کی جائے گی۔ جو شخص سر تسلیم خم کر دے گا اس کے حق میں بہتر ہو گا اور جو شخص اپنا ارتداد نہ چھوڑے وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے قاصد کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ میرا یہ فرمان عام مجمع میں کھڑا ہو کر سنائے۔ اس کا جواب اذان ہو گا۔ اگر وہ اذان دیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے اور اگر وہ اذان نہ دیں تو پھر میری فوجوں کو کھلی اجازت ہے کہ وہ دفعتاً ان پر حملہ کر دیں اور ان کا قتل عام کریں"۔

یہ فرمان لے کر سرکاری قاصد فوج سے آگے روانہ ہوئے اور ہر افسر کو علیحدہ علیحدہ فرمان بھی دیا گیا جس میں مرتدین کو دوبارہ اسلام کی دعوت پیش کرنے کا حکم دیا گیا

اور قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کو قتل کرنے اور آگ میں جلا ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان سے احتیاط سے رہنے کا حکم دیا گیا تا کہ اگر انہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تو مسلمانوں کو باہم میل جول میں نقصان نہ پہنچا سکیں۔ افسران کے لئے اپنے سپاہیوں کے ساتھ میانہ روی، خوش اخلاقی اور نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اس فرمان میں درج تھا :

مرتدین کو قتلِ عام یا نذرِ آتش کرنے کا حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلیفۂ رسول ﷺ کی طرف سے فلاں فوج کے افسر کے نام جس کو میں فلاں قبیلہ کی سرکوبی کے لئے بھیج رہا ہوں، جو اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے کھلی بغاوت کا اعلان کیا ہے۔

تم ہر امر میں حتی الوسع اللہ سے ڈرو، اللہ کے احکام نافذ کرنے میں پوری سرگرمی سے کام لو۔ جو لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں ان سے خوب جہاد کرو۔ پہلے ان کو سمجھاؤ اور اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ قبول کر لیں تو فبہا، اپنا ہاتھ روک لو اور جنگ بند کر دو اور اگر وہ ارتداد پر اصرار کریں اور از سر نو اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو دفعتاً ان پر ٹوٹ پڑو اور ان پر غارت ڈالو۔ اتنا تنگ کرو کہ وہ بالآخر ہتھیار ڈالنے پر راضی ہو جائیں۔ پھر ان کو بتاؤ کہ اسلام ان سے کیا چاہتا ہے۔ ان سے باقاعدہ زکوٰۃ وصول کرو۔ دشمنانِ اسلام پر حملہ کرنے سے اسلامی فوج کو مت ہٹاؤ۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے اور اسلام قبول کر لے اس سے ہاتھ روک لو اور اس پر حملہ نہ کرو بلکہ اس کی اعانت کرو۔ لیکن جو شخص کفر پھیلانے پر اصرار کرے اور علانیہ اسلام کی بیخ کنی کرے اس کو ضرور قتل کرو۔ مگر جو شخص ہتھیار ڈال دے پھر اس پر حملہ کرنا جائز نہیں۔ اب اللہ اس سے حساب لے گا کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا نہیں۔ جو شخص دعوتِ اسلام قبول کرنے سے انکار کرے اس کو ضرور قتل کرو، جہاں بھی ملے اس کو نہ چھوڑو اور سوائے اسلام کے اس کی کوئی بات نہ سنو اور نہ مانو۔ اس کو اسلحہ سے قتل کرو اور آگ میں اس کو جلا دو۔ جو مالِ غنیمت حاصل ہو اس کا خمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی کل وہیں فوج میں تقسیم کر دو، وہ

خمس ہم کو پہنچا دو۔ اپنے ہر سپاہی کو سختی سے منع کر دو کہ وہ جلدی نہ کریں اور فساد کا نام نہ لیں۔ اور سنو! ہتھیار ڈالنے والوں میں بے فکری سے نہ ملو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جاسوس ہوں اور دھوکہ سے مسلمانوں پر حملہ کر دیں' ان کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لو۔ اسلامی سپاہیوں سے میانہ روی اختیار کرو' خوش اخلاقی سے پیش آؤ اور نرمی سے بات کرو۔ راستہ طے کرتے وقت تیز رفتار نہ ہونا تاکہ کوئی سپاہی پیچھے نہ رہ جائے"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے متعلق جو ہدایات اپنے کمانڈروں کو دی تھیں اسی کے مطابق خود بھی مرتدین سے یہی سلوک کیا۔ فجاءۃ بن عبد یالیل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے اسلحہ دیجئے میں مرتدین سے جہاد کروں گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا مدعا پورا کیا۔ یہ روانہ ہوا' آگے جا کر مرتد ہو گیا اور نجبہ بن ابی المیثاء کو مسلمانوں پر شب خون مارنے کا حکم دیا۔ اس نے سُلیم' عامر' ہوازن کے مسلمانوں پر شدید حملے کئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے طریفہ بن حاجز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اللہ کا دشمن فجاءۃ میرے پاس آیا تھا اور مجھ سے کہا کہ وہ مسلمان ہے اور اسلحہ دیجئے کہ وہ مرتدین سے جہاد کرے۔ مجھے معتمد علیہ ذریعہ سے یقین کے ساتھ خبر ملی ہے کہ اس نے یہاں سے جا کر فتنہ برپا کر رکھا ہے اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچا رہا ہے۔ تم مسلمانوں کو ساتھ لے جا کر اس پر حملہ کرو' اس کو قتل کر دو یا اس کو گرفتار کر کے میرے سامنے لاؤ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قیس جاسی کو حضرت طریفہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں اس کی طرف روانہ ہوئے اور راس سے کتراتے ہوئے منزل طے کر رہے تھے' حتیٰ کہ مقام جواء میں تصادم ہوا' نجبہ مارا گیا اور فجاءۃ بھاگ گیا۔ طریفہ نے اس کا تعاقب کیا اور زندہ گرفتار کر لیا۔ جب فجاءۃ نے مسلمانوں کی سرگرمی دیکھی تو حضرت طریفہ رضی اللہ عنہ سے کہا تم مجھ سے زیادہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے تابعدار نہیں' تم ان کے امیر ہو' میں بھی ان کی طرف سے امیر مقرر ہوں۔ حضرت طریفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو سچا ہے تو ہتھیار ڈال دے اور میرے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس چل۔ اُس نے ہتھیار ڈال دیئے اور حضرت طریفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو گرفتار کر لیا۔ جب یہ دونوں مدینہ پہنچے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ بقیع میں عید گاہ کے پاس آگ روشن کرو اور فجاءۃ کو اس میں زندہ جلا دو۔ حسب الحکم فجاءۃ کو آگ میں جھونک دیا

گیا۔ (تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۳۲-۲۳۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک ہدایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مرتدین کو اسلام میں واپس لوٹنے کے بعد جہاد میں شامل نہ کرنے کا حکم دیا مگر فرمایا کہ ان کو دوسرے معاشرتی اُمور میں شریک کرو۔

موجودہ فتنۂ ارتداد اور اسلام کے عالمی غلبہ میں ایک بڑی رکاوٹ سے نمٹنے کے لئے ہمارے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل بہترین راہِ عمل ہے۔ اُمت مسلمہ جس طرح دورِ صدیقؓ میں آزمائش سے گزر کر دُنیا کی راہبر بنی کیا خبر کہ ایک بار پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیمات پر عمل ہی غلبۂ اسلام کی نوید ہو؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مدبر و منتظم

بیگم صغریٰ خاکوانی' ملتان

سیرۃ النبی ﷺ کے کسی بھی پہلو پر لکھنے کے لئے میرے جیسی بے علم و عمل انسان کا قلم اُٹھانا یقیناً بہت بڑی جسارت ہے۔ بے بضاعتی کے شدید احساس کے ساتھ میں حیاتِ طیبہ پر کچھ تحریر کرنے سے دنوں لرزیدہ رہی کہ وہ ایسی ادب گاہِ عظیم ہے جہاں قلم و ذہن کی ذرا سی لغزش انسان کو قعرِ مذلت میں پہنچانے کو کافی ہوتی ہے۔ اس بارگاہ میں اپنی رائے کے اظہار میں کس قدر حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں بصد احتیاط و احترام اور بہ ہزار عجز و انکسار حیاتِ مبارکہ کے محض دو پہلوؤں پر اپنی بساط و بضاعت کے مطابق روشنی ڈالوں گی' یعنی حضور ﷺ بحیثیت مدبر و منتظم کے۔

جنابِ رسالت مآب ﷺ نے مکہ میں جو انفرادی اور ازدواجی زندگی گزاری وہ انتہائی پُرکشش اور مثالی تھی۔ آپؐ اپنی شرافت و دیانت' صداقت و متانت' فہم و فراست اور حسنِ اخلاق جیسی خوبیوں کی بدولت نہ صرف اپنے قبیلے والوں کے دلوں میں مقام و احترام حاصل کر چکے تھے' بلکہ پورے شہر مکہ میں آپؐ صادق و امین کے لقب سے پہچانے جاتے تھے۔ اس بات کے ثبوت میں نبوت سے ۵ برس قبل کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے' جس سے نہ صرف نبی کریم ﷺ کی ذہانت و دانش مندی ظاہر ہوتی ہے بلکہ مکہ والوں کا آپؐ پر حد درجہ اعتبار و اعتماد بھی واضح ہوتا ہے۔ ہوا یہ کہ شدید بارشوں کی وجہ سے کعبۃ اللہ کی دیواریں منہدم ہو گئیں۔ تعمیرِ نو کے موقعہ پر معززین قریش کا ہر فرد شدت سے متمنی تھا کہ حجرِ اسود کی تنصیب کی سعادت اس کے حصے میں آئے۔ جھگڑا جب حد سے بڑھا اور قریب تھا کہ قبائلی خانہ جنگی شروع ہو جائے تو قریش کے معمر ترین شخص ابو اُمیہ بن مغیرہ نے تجویز پیش کی کہ کل بیت اللہ شریف میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کا فیصلہ سب کے لئے قابلِ قبول ہوگا۔ دوسرے دن سب آنحضور ﷺ کو داخل ہوتے دیکھ کر بیک زبان پکار اُٹھے "ھٰذَا الْاَمِیْنُ' رَضِیْنَا' ھٰذَا مُحَمَّدٌ" یعنی "یہ امین ہے۔ اس کے فیصلے پر ہم سب راضی ہیں۔ یہ تو اپنا محمد ہے"۔ حضور اکرم ﷺ نے

اپنی چادر بچھا کر اس پر حجر اسود رکھا' پھر تمام اکابرین سے مطلوبہ بلندی تک اُٹھوا کر اپنے دست مبارک سے اسے نصب فرمادیا اور یوں اپنے تدبر و فراست سے قوم کو باہمی تصادم سے بچالیا۔ آپؐ کی اسی معاملہ فہمی اور تدبر کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ رطب اللسان تھا اور آپؐ کی اسی فراست و حکمت نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی رئیسہ کو آپؐ سے نکاح پر آمادہ کیا۔

نبوت کے بعد مکی زندگی میں مخالفتوں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہم قبیلہ اور ہم رتبہ لوگ آقاؤں کی طرح سلوک روا رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو غلاموں کی طرح دبایا جاتا ہے' جبکہ مسلمانوں میں اپنے حق پر ہونے کے باعث ایک احساس برتری اور جوش و جذبہ موجود ہے۔ اس صورتحال میں مسلمانوں کو اپنی قوم سے متصادم نہ ہونے دینا اور جوشیلے مسلمانوں کو سنبھالے اور سمیٹے رکھنا یقیناً آپؐ کے حسن تدبر کا منہ بولتا ثبوت اور بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی قلیل تعداد کا کفار کے ہاتھوں صفحہ ہستی سے مٹ جانا یقینی تھا۔ اس صورتحال کو واضح کرنے کے لئے یہاں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔ نبوت کے ڈھائی تین برس بعد کی بات ہے کہ ایک روز مشرکین کے کچھ نوجوانوں نے مسلمانوں کو مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھا تو مرنے مارنے پر تل گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو بھی غصہ آ گیا' انہوں نے ایک شخص کے سر میں اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تاخیر دارِ ارقم کو مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز مقرر فرمایا۔

اسلام کی دعوت کو پھیلانے کا حکم ملا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدبر و منتظم ہستی نے نہایت نظم و ترتیب کے ساتھ اس سلسلے کو چلایا۔ سب سے پہلے اپنی ذات پر اسلام لاگو کیا' پھر اپنے گھر سے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر کے اسے قریبی دوستوں' خاندانِ قریش اور دوسرے بستی والوں تک پہنچایا۔ بعد میں آپؐ کی توجہ باہر سے آنے والے حجاج اور قبائل عرب کی طرف مبذول ہوئی۔ یوں یہ چشمۂ فیض آگے بڑھتا اور قلوب کو سیراب کرتا چلا گیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغ کا انداز بھی نہایت باوقار' پُر حکمت اور حیرت انگیز اثرات کا حامل ہوتا۔

دعوتِ اسلام کی راہ میں جب مخالفت' مصائب اور مشکلات کی حد ہو گئی تو نبوت کی

مردم شناس اور دور رس نگاہ نے مکہ کے دو "عمروں" میں سے ایک کی طاقت و حمایت کی ضرورت محسوس کی' ایک عمرو بن ہشام اور دوسرا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ خوش بختی عمر بن خطاب کا راستہ دیکھ رہی تھی' اس لئے دعائے نبوی' ان کے حق میں پوری ہوئی۔ بعد میں وقت نے ثابت کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ ﷺ کا قیافہ کس قدر صحیح تھا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس اسلام کے لئے کس قدر ناگزیر تھے۔ گاندھی جیسا متعصب ہندو کہا کرتا تھا کہ اسلام کی تاریخ میں عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہِ حق بین نے جب دیکھا کہ اللہ کی بندگی کے لئے مکہ شہر تنگ پڑ گیا ہے تو سازگار فضا کی طرف مراجعت اختیار کی۔ ہجرت کا یہ حکیمانہ فیصلہ تاریخ اسلام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں علمائے مغرب نے ہجرتِ نبوی' کو "فرار" سے تعبیر کیا ہے وہاں برناڈ شا جیسے مشہور دانشور نے اسے حضور اکرم ﷺ کا مدبرانہ فعل گردانا ہے۔

جہاں تک نبی کریم ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کا تعلق ہے' مکہ میں تو ان کے اظہار کا موقعہ نہ ملا' البتہ ہجرت کے بعد ان کا خوب ظہور ہوا۔ حضور ﷺ کی مدینہ میں آمد کے وقت مدینہ کی آبادی اوس اور خزرج کے علاوہ دیگر یہودی قبائل پر مشتمل تھی۔ یہ قبائل عرصہ دراز سے باہم برسرپیکار چلے آرہے تھے۔ اوس اور خزرج کی باہمی آویزش کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہجرت سے قبل مدینہ کے مسلمانوں کے لئے مکہ سے امام بھیجنا پڑا تھا' کیونکہ یہ دونوں قبائل ایک دوسرے کی امامت و سیادت پر رضامند نہ تھے۔

ان حالات میں ان دو مخالف دھڑوں کو قابو میں رکھنا اور مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کا قائم کرنا کس قدر مشکل امر ہو گا' لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذہانت و فطانت سے اس مشکل پر یوں قابو پایا کہ مدینہ کی آبادی کے مختلف عناصر کے نمائندوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے ایک مملکت کے قیام کی تجویز رکھی اور اکثریت کی آمادگی پر ایک تحریری معاہدہ طے پا گیا جو میثاق مدینہ کہلاتا ہے۔ دُنیا کے اس سب سے پہلے تحریری معاہدے کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایک اُمی کے ہاتھوں وجود میں آیا۔ اس دستور کی ایک ایک شق آپ کی فراست و ذہانت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس معاہدے میں یہ بات احاطۂ تحریر میں

لائی گئی کہ ① مدینہ ایک آزاد و خود مختار مملکت ہو گی ② "للمسلمین دینھم و للیھود دینھم" کا فقرہ ظاہر کرتا تھا کہ ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی ③ بیرونی دشمنوں سے یکجا اور متحد ہو کر مقابلہ کیا جائے گا ④ اجتماعی دفاع ہو یا داخلی مقدمات' آخری فیصلہ حضور نبی کریم ﷺ کا تسلیم کیا جائے گا۔ گویا جناب رسالت مآب ﷺ اس خود مختار مملکت یا قبائلی تنظیم کے اجتماعی طور پر سربراہ تسلیم کر لئے گئے۔

اس انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ نے مدینہ کے نواح کی طرف توجہ فرمائی اور دَوروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ پہلا دَورہ شمالی علاقوں کا کیا۔ تین دن کی مسافت پر قبیلہ جُہینہ آباد تھا۔ ان کے ساتھ ایک فوجی معاہدہ عمل میں لایا گیا جس میں اس عزم کا بصراحت اظہار تھا کہ بیرونی دشمنوں سے یکجا ہو کر نمٹیں گے۔ اسی قسم کے معاہدے مدینہ کے مشرقی اور جنوبی قبائل کے ساتھ بھی طے پائے۔ گویا مدینہ کی چھوٹی سی سلطنت کی حفاظت کے لئے ایک مدافعتی حصار قائم کر لیا گیا کہ دشمن اگر حملہ آور ہو بھی تو وہ بے روک ٹوک مدینہ تک نہ آ پہنچے' بلکہ اسے جا بجا رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے۔ جنگی نقطہ نظر سے یہ تدبیریں نہایت اہمیت کی حامل تھیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ نفسیاتی طور پر قریش کو مرعوب کرنے کے لئے ان کے تجارتی قافلوں پر اِکا دُکا حملے بھی شروع کئے گئے اور یوں ان کی خوشحالی' جو شمالی اور جنوبی علاقوں سے تجارت پر منحصر تھی' مخدوش کر ڈالی۔ دفاعی امور کا طویل باب چند لفظوں میں نہیں سمیٹا جا سکتا۔ تاہم اب آتے ہیں تدبیر مملکت اور انتظامِ سلطنت کی طرف۔

کسی نوزائیدہ مملکت کے لئے مہاجرین کی بحالی اور معاشی خوشحالی کا مسئلہ کس قدر اہمیت کا حامل ہوتا ہے' پاکستانی اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس قدر اہم اور سنگین مسئلے کا جس قدر آسان حل ڈھونڈا' اور جس تیزی سے اس پر عمل ہوا' اس پر ایک دُنیا انگشت بدنداں ہے۔ مؤاخات یعنی مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا۔ ہر انصاری صحابیؓ کے ذمے ایک ایک مہاجر بھائی کا تعلق قائم کر دیا گیا۔ پھر انصار نے ایثار و اخوت کی لازوال مثالیں قائم کیں۔ یوں مہاجرین کی بے وطنی اور تہی دستی کا باعزت علاج ہوا۔ مہاجرین کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی' اور نتیجتاً مہاجرین اور انصار کے درمیان اشتراک و تعاون کی

فضا پیدا ہوئی۔

مسجد و مکتب کو اسلام کی معاشرتی زندگی میں کس قدر اہمیت حاصل ہے' اس کا عملی مظاہرہ قبا اور مدینہ میں مساجد کی تعمیر سے کیا جا سکتا ہے۔ مسجد نبویؐ کے صحن میں صُفہ کا مدرسہ مسلمانوں کی پہلی اقامتی یونیورسٹی قرار پایا۔ صُفہ کی اسی درسگاہ سے فیوضِ نبویؐ سے براہِ راست مستفید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کھیپ تیار ہو کر نکلی اور ہر شعبۂ حیات کو بے شمار نامور شخصیتیں ملیں' کبھی قحط الرجال محسوس نہ ہوا۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ عظیم و قد آور شخصیتوں کے قریبی لوگ ابھر نہیں پاتے جیسے تناور درخت کے زیر سایہ پودے قد نہیں نکال سکتے۔ لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ نظر تھا کہ جو قریب گیا وہ جوہر قابل بنا۔ پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مردم شناس اور دوررس نظر نے ہر فرد کی اہلیت و قابلیت کو صحیح صحیح پرکھا۔ جس میں سیادت و قیادت کی صلاحیت دیکھی اسے فوج کی سپہ سالاری یا علاقے کی گورنری سے نوازا۔ کسی کو رشد و ہدایت میں آگے دیکھا تو اسے دعوت و تبلیغ کے کام پر لگایا۔ انصاف پسند شخصیتیں قاضی اور جج بنا کر بھیجی گئیں۔ غرضیکہ جو جس کام کا اہل نظر آیا اسی کام پر لگایا گیا۔ ہر شخص اپنے مقام پر یوں فٹ تھا جس طرح انگشتری میں نگینہ۔ دُنیا میں کسی قائد و مدبر کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہوتی ہے کہ اسے دو چار ساتھی ایسے مل جائیں جو اس کے فکر و فلسفے کو آگے چلائیں۔ اس معاملے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہیں جنہیں بے شمار مخلص اور جاں نثار ساتھی میسر آئے۔

کسی دانشور کا قول ہے کہ منتشر انسانوں کو یکجا کرنا اور انسانی ذہنوں کو بدلنا دُنیا کے دو سب سے مشکل کام ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولوالعزمی' مستقل مزاجی اور تدبیر و تربیت سے یہ دونوں مشکل کام بآسانی کر دکھائے۔ ۲۰ سال کے قلیل عرصے میں یہ منتشر لوگ بنیانِ مرصوص بن چکے تھے اور ۴۰ سال کے عرصے میں دُنیا کے تین براعظموں پر چھا چکے تھے۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و توجہ کے طفیل تھا۔

مدینہ کی مملکت شروع میں صرف مدینہ کے شہر تک محدود تھی' بعد میں اس کی حدود میں اس تیزی سے توسیع ہوئی کہ صرف دس سال میں مدینہ ایک وسیع و عریض اسلامی مملکت کا دارالخلافہ بن گیا۔ امورِ سلطنت کی تکمیل کے لئے پڑھے لکھے اور تجربہ کار صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک محکمۂ دیوان قائم کیا گیا جسے آج کی زبان میں سیکرٹیریٹ کہہ سکتے ہیں۔ ان کاتبوں کے ذمے کتابتِ وحی سے لے کر بیت المال کا حساب' مالِ غنیمت کا اندراج' مستحقین زکوٰۃ اور صاحب نصاب لوگوں کی فہرستیں' بالغ اور قابل جنگ مَردوں کے نام و پتے' سب معاملات کا ریکارڈ رکھنا تھا۔ انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذمے عرب و عجم کے سلاطین کے نام خطوط کی کتابت اور ترسیل کی اہم ذمہ داری بھی تھی۔

اب ان خطوط کا بھی ذرا تفصیل سے ذکر ہو جائے' جن کا رواج سے ہٹا طرزِ تحریر' معمول سے مختلف اندازِ تخاطب اور مضمون کا لب و لہجہ' سب کچھ مکتوب الیہ کو چونکا دینے کے لئے کافی تھا۔ پہلے زمانے میں بادشاہوں کے نام و القاب سے خطوط شروع اور مبالغہ و خوشامد پر ختم ہوتے تھے' خط بھیجنے والے کا نام آخر میں درج ہوتا تھا' جبکہ خطوطِ نبوی ؐ میں ''اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ مقوقس یا شاہ نجاشی کے نام'' سے خط کی ابتداء ہوتی۔ یہ طرز تحریر ہی نفسیاتی طور پر پہلی کامیابی کا پیش خیمہ بنتا۔ بادشاہ اور والیانِ ریاست سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ جو شخص اس بیباکی سے شہنشاہوں کو مخاطب کر رہا ہے وہ کس قدر طاقت و قوت کا مالک ہو گا۔ حیرت ہے آپ ؐ کیسے اُمی تھے کہ ماہرین تعلیم سے بڑھ کر قابل اور ماہرین نفسیات سے زیادہ انسانی نفسیات کو جاننے والے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور فہم و فراست کی معراج صلح حدیبیہ ہے۔ چھ ہجری میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قربانی کے جانوروں سمیت عمرہ کرنے کی غرض سے مکّہ روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر مکّہ والے مزاحم ہوئے۔ اس موقع پر ایک صلح نامہ لکھا گیا۔ بظاہریوں محسوس ہوتا تھا کہ معاہدہ دب کر کیا گیا ہے اور توہین آمیز شرائط طے ہوئی ہیں' لیکن بعد میں وقت نے ثابت کیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے لئے فتح مبین تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ مسلمان دو دشمنوں کے درمیان پھنسے ہوئے ہیں' ایک طرف قریش مکّہ اور دوسری طرف یہودِ مدینہ۔ ایک عقلمند حکمران دو دشمنوں سے نمٹنے اور انہیں متحد ہونے سے روکنے کے لئے ایک دشمن سے معاہدہ کر لیتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا۔ پھر دو دشمنوں میں سے صلح کے لئے کسے منتخب کیا جائے؟ قریش مکّہ کا انتخاب ہر حال میں درست تھا کہ جانے بوجھے اپنے ہم قوم اور ہم زبان تو تھے۔ معاہدہ کی ایک شق بظاہر ہتک آمیز تھی کہ جو شخص مدینہ سے مکّہ جائے گا

واپس نہیں کیا جائے گا۔ دیکھا جائے تو مدینہ سے کوئی مرتد ہی واپس مکہ جا سکتا تھا اور مرتد و بے دین ہمارے کس کام کے؟ بلکہ ایسے لوگوں کا مدینہ میں رہنا خطرناک تھا۔ پھر یہ شرط کہ فریقین عرب قبائل سے معاہدہ کرنے میں آزاد ہوں گے' اس میں تو مسلمانوں کا سراسر فائدہ مضمر تھا۔ گویا مشرکین مکہ نے لاشعوری طور پر مسلمانوں کی سیاسی قیادت اور طاقت کو پہلی بار تسلیم کرلیا اور اپنے برابر کا فریق مانا۔ چنانچہ اس کے بعد بنو خزاعہ جیسے طاقتور قبیلہ کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کی سیاسی قوت اور شہرت میں اضافہ ہوا۔ پھر یہ صلح فی الحقیقت فتح مبین تھی۔ ایک سال بعد مسلمانوں کو طواف و زیارتِ کعبہ کا شرف حاصل ہوا اور مشرکین مکہ سے بے فکر ہو کر یہودِ مدینہ کی سرکوبی کا موقع ملا۔ خیبر کا قلعہ فتح ہوا اور سب سے بڑی بات یہ کہ امن و امان کی فضا میسر آئی تو تبلیغ دین کا موقع ملا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں والیانِ ممالک کو خطوط بھجوائے گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جس قدر لوگ مسلمان ہوئے' پچھلے اٹھارہ برسوں میں نہ ہوئے تھے۔ حضرات خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما جیسے بہادر سپہ سالار بھی صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن باتوں کی گہرائی کو نہ پہنچے حضور والا صفات لمحوں میں کیسے پہنچ گئے' یقیناً اس کے پیچھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ بصیرت اور مدبرانہ فراست کا ہاتھ تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فوجی حکمت عملی کی تفصیلات بتانے کی یہاں گنجائش نہیں' بس ایک خاص بات قابل توجہ ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ دشمن کو حیران و بے بس کیا' خواہ بدر میں صفوں کی ترتیب ہو یا اُحد میں میدانِ جنگ کا انتخاب' احزاب میں خندق کا کھودنا ہو یا فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان' ہمیشہ اپنی صفت اختراع سے دشمن کو چونکا دیا۔ پھر ہر غزوہ اور معرکہ کی اپنی ایک خصوصیت قائم رکھی' جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی بصیرت اور مدبرانہ فراست کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً غزوہ بدر میں بدر کے کنوئیں پر پڑاؤ' اُحد میں شکست خوردہ فوج کو ہزیمت کے برے اثرات اور ڈیمورالائز ہونے سے بچالینا' غزوہ خندق میں جنگ کو طول دے کر دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کر دینا اور مکہ میں داخلہ کے وقت فاتح فوج پر مکمل کنٹرول۔

جنگ کے موقعوں پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جزئیات پر بھی نظر رہتی تھی۔ فوج

کی تیاری سے لے کر اسلحہ کی فراہمی تک' سامانِ خورد و نوش ہو یا سواری کے جانور' ہر بات پیش نظر رہتی' یہاں تک کہ اس بات کا بھی خیال فرماتے کہ مسلمان فوج کا رُخ ایسا ہو کہ آفتاب آنکھوں کے سامنے نہ آئے' ہوا پیچھے چل رہی ہو سامنے کی نہ ہو' میدان کی بلندی کی طرف کھڑے ہوں' ڈھلوان کی جانب نہ ہوں۔

ایک اور بات جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں' جناب رسالت مآب ﷺ کی وہ عادتِ مبارکہ ہے کہ کسی مہم پر روانگی کا وقت اور مقام ہمیشہ پوشیدہ رکھتے' یہاں تک کہ میدانِ جنگ تک جا پہنچتے تب صحابہؓ آگاہ ہوتے۔ یہ احتیاط اور چوکسی عظیم قائدانہ صلاحیت کی دلیل ہے۔ غزوۂ احزاب کے دوران کے ایک واقعے کا بیان یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ دورانِ محاصرہ اطلاع پہنچی کہ بنو نضیر کے بہکانے پر یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ' جو ابھی تک مدینہ میں موجود تھا' قریش مکہ سے مل گیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرات سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو خبر کی تصدیق کیلئے بنو قریظہ کے ہاں بھیجا۔ اب یہ خبر چونکہ انتہائی ہمت شکن تھی لہٰذا حضرات سعدین کو تاکید فرمائی کہ اگر خبر غلط ہو تو سب کے سامنے آ کر بتانا' اور بالفرض بنو قریظہ نے واقعتاً عہد شکنی کی ہو تو چپکے سے مجھے آ کر اطلاع دینا' باقی مسلمان آگاہ نہ ہونے پائیں۔ صاحب تدبر اور فریس سپہ سالار کو اندازہ تھا کہ حالتِ جنگ میں اس قسم کی افواہیں کس قدر دلدوز و حوصلہ شکن ہوتی ہیں اور فوج کا مورال اونچا کرنے کیلئے اچھی اور خوش آئند خبریں کتنا اثر رکھتی ہیں۔

جناب رسالت مآب ﷺ کی ان جزئیات پر توجہ صرف جنگ کے دوران ہی نہ رہتی بلکہ عام زندگی میں روزمرہ کے مسائل پر بھی ایسی ہی نظر رکھتے۔ مثلاً مکانوں کے بارے میں کہ اتنے اونچے نہ بناؤ کہ ہمسایوں کی ہوا اور روشنی رُکے' یا سڑکوں کے بارے میں کہ مکانوں کے درمیان گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دو لدے ہوئے جانور باآسانی گزر سکیں۔

فتح مکہ کے موقع پر تاریخ انسانیت ایک عجیب و غریب تجربے سے دوچار ہوئی ہے۔ اس عظیم انقلاب کی ہر بات نرالی تھی۔ ایک شخص' جو رات کی تاریکی میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ چھپ کر بستی چھوڑتا ہے' بلکہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے' وہ

فاتحانہ شان کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد ساتھیوں کے ہمراہ دن کے وقت علی الاعلان واپس آتا ہے۔ فی الحقیقت دنیا میں حضور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی کامیاب فاتح نہیں گزرا۔ دوست' دشمن حیران رہ گئے جب آپ نے ابو سفیان جیسے دشمن کے گھر کو جائے امن و پناہ قرار دیدیا۔ اور " لا تثریب علیکم الیوم " فرما کر عام معافی کا اعلان کیا۔ حضور اکرم ﷺ کی شجاعانہ فطرت اور نبوی فراست کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ بہادر لوگ طاقت سے نہیں احسان سے تسخیر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مکہ والوں کے دلوں کو تسخیر کرنے میں بدر' اُحد اور احزاب کے معرکوں نے وہ کام نہ کیا جو اس عام معافی کے اعلان نے کر دکھایا۔

دنیا میں چھوٹے سے چھوٹا انقلاب آئے یا نظریاتی تصادم ہو' ہزاروں بلکہ لاکھوں جانیں ضائع ہوتی ہیں' مال و منال کا تو تذکرہ ہی کیا' لیکن جو انقلاب حضور ﷺ کے ہاتھوں برپا ہوا اس میں کل مسلمان شہداء اور تمام غزوات میں دشمن مقتولین کی تعداد چند سو سے زائد نہیں بنتی۔ یقیناً یہ جناب رسالت مآب ﷺ کی مدبرانہ سیاست کا عظیم کارنامہ ہے۔ آج ہماری دنیا میں سیاست مکاری اور چالاکی کا دوسرا نام ہے۔ آج کامیاب سیاستدان وہ ہے جو جس قدر ہو سکے جھوٹ اور پروپیگنڈے سے سیاہ کو سفید منوالے۔ حضور نبی کریم ﷺ دنیا کے واحد مدبر سیاستدان تھے جنہیں کوئی مصلحت و حکمت جھوٹ پر آمادہ نہ کر سکی۔ سیاست میں عبادت کی سی دیانت اختیار کی اور کامیاب رہے۔ کم ذرائع و اسباب کے ساتھ قلیل مدت میں کثیر کامیابی حاصل کی۔ اس سے بڑھ کر اور تدبر کیا ہو گا۔ فی الحقیقت حضور اکرم ﷺ ایسے عظیم مدبر اور منتظم تھے کہ تاریخ انسانی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

نماز میں خشوع

حقیقت، اہمیت اور اسباب

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد حفظہ اللہ

ترجمہ و تفہیم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور عفی اللہ عنہ

الحمد للہ ربّ العالمین الّذی قال فی کتابہ المبین ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ وقال عن الصلاۃ ﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ والصّلاۃ والسّلام علٰی امام المتقین و سید الخاشعین محمد رسول اللّٰہ وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین —— وبعد

دین کے عملی ارکان میں سب سے اہم رکن نماز ہے اور نماز میں خشوع اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے۔ اُدھر شیطانِ لعین نے پہلے روز سے عہد کر رکھا ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کر کے چھوڑے گا' قرآن حکیم نے شیطان کے چیلنج کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ﴾ (الاعراف : ۱۷)

"پھر میں آگے اور پیچھے' دائیں اور بائیں' ہر طرف سے ان کو گھیروں گا"۔

مختلف وسائل اور ذرائع کے ذریعے شیطان کی سب سے بڑی کوشش یہی رہی ہے کہ لوگوں کو باخشوع نماز سے دور کر دے تاکہ لوگ ایک طرف اس عبادت کی لذت سے محروم ہو جائیں اور دوسری طرف اجر و ثواب سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ چونکہ بہت سارے لوگ شیطان کی یہ بات مان چکے ہیں —— اور چونکہ سب سے پہلے زمین سے خشوع ہی کو اُٹھایا جائے گا اور ہم تو آخری زمانے میں آئے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہم پر سچا ثابت ہو رہا ہے کہ :

"سب سے پہلے دین میں خشوع رخصت ہو گا اور سب سے آخر میں نماز' ایسا نمازی بھی ہو گا جس میں کوئی بھلائی نظر نہ آئے گی۔ اور وہ وقت دور نہیں کہ تم

مسجد میں جاؤ اور ایک آدمی بھی خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہ ملے"۔[1]
انسان خود اپنے بارے میں بھی محسوس کرتا ہے اور گردوپیش کے لوگ بھی شکایت کرتے ہیں کہ نماز میں وسوسے بہت آتے ہیں اور خشوع کی کمی ہے' چنانچہ اس موضوع پر قلم اُٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

سب سے پہلے میں اس کتابچے کے ذریعے اپنے آپ کو یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد اپنے مسلمان بھائیوں کو حقیقت خشوع بتلانا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ میری اس کوشش کو فائدہ مند بنا دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ ﴾

(المومنون ۱-۲)

"ایسے اہل ایمان یقیناً کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں"۔

خشوع کا اصطلاحی مفہوم

"خشوع نام ہے سکون و اطمینان اور وقار و تواضع کے ساتھ (نماز کی) ادائیگی کا اور خشوع کا سبب اللہ کا خوف اور اس کی نگرانی کا خطرہ ہو"۔[2]

خلاصہ یہ ہوا کہ "خشوع ایسی کیفیت کا نام ہے کہ دل عاجزی و انکساری کے احساس کے ساتھ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑا ہو"۔[3]

﴿ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ (البقرة : ۲۳۸) "اللہ کے حضور عاجزی سے کھڑے رہو"۔ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ "قنوت" کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں : "قنوت یہ ہے کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے جسم پرسکون ہو' دل ڈر رہا ہو' آنکھیں جھکی ہوئی ہوں اور پہلو نرم پڑ چکے ہوں"۔[4]

اگرچہ خشوع کی اصل جگہ تو دل ہے لیکن اس کے اثرات اعضاء و جوارح پر ہوتے ہیں کیونکہ : مانی اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں۔ جب غفلت یا وسوسے کی وجہ سے دل کا خشوع ختم ہو جائے تو اعضاء و جوارح کی کیفیت عبادت بھی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ دل کی حیثیت بادشاہ کی ہے اور اعضاء لشکر کی حیثیت رکھتے ہیں' یہ دل کی بات

مانتے ہیں اور اس کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ جب دل احساسِ بندگی سے محروم ہو گیا تو گویا کہ بادشاہ معزول کر دیا گیا ہے لہٰذا اس بادشاہ کی رعایا بھی ضائع ہو جائے گی۔ البتہ بناوٹی اور مصنوعی خشوع کا مظاہرہ کرنا تو سخت ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ نفاق کی علامتوں میں سے ہے۔

خشوع کو پوشیدہ رکھنا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "منافقانہ خشوع سے بچ کر رہو" کسی نے دریافت کیا: "منافقانہ خشوع کیا ہوتا ہے؟" فرمایا: "جسم پر تو خشوع نظر آئے اور دل خشوع سے فارغ ہو"۔ حضرت الفضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ بات مکروہ ہے کہ آدمی اتنے خشوع کا مظاہرہ کرے جتنا کہ دل میں نہ ہو"۔ ایک صاحب علم نے کسی کو کندھے جھکائے دیکھا تو سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اے فلاں! خشوع یہاں ہوتا ہے، نہ کہ کندھوں میں۔"(۵)

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے ایمان بھرے خشوع اور منافقانہ خشوع میں فرق ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ایمان بھرا خشوع وہ ہے جس میں دل اللہ کے حضور ڈر رہا ہو اس کی عظمت اور جلال کی وجہ سے، وقار، ہیبت اور حیا کے ساتھ۔ چنانچہ دل خوف، شرمندگی، محبت اور حیا کے ساتھ ٹوٹا جا رہا ہو، اللہ کی نعمتیں یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں کا بھی اعتراف ہو۔ نتیجتاً دل میں لازماً خشوع پیدا ہو جائے گا اور دل میں خشوع کے نتیجے میں اعضاء و جوارح پر بھی خشوع طاری ہو جائے گا۔ اس کے برعکس منافقانہ خشوع یہ ہوتا ہے کہ جسمانی اعضاء پر تو بناوٹی اور منافقانہ خشوع نظر آتا ہے اور دل میں خشوع کی کیفیت نہیں ہوتی۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ جملہ ثابت ہے: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ" (میں منافقانہ خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) پوچھا گیا منافقانہ خشوع سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا: "کہ جسم پر خشوع کی شکل نظر آئے اور دل خشوع سے خالی ہو"۔ چنانچہ صحیح معنیٰ میں اللہ کا خشوع رکھنے والا بندہ تو وہ ہے جس کی شہوات کی آگ ٹھنڈی ہو چکی ہو، دل سے اس کا دھواں بھی بجھ چکا ہو، عظمت خداوندی کا نور اس کے سینے میں جگمگا اٹھا ہو،

اللہ کا خوف اور وقار اس کے سینے میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہو جس کی وجہ سے اس کی نفسیاتی خواہشات مر چکی ہوں' جسمانی اعضاء کی اکڑ نکل چکی ہو' دل وقار سے بھر گیا ہو' اللہ سے لو لگا کر اسے اطمینانِ قلب نصیب ہو تا ہو' جو سکون و اطمینان اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہو اس کی چھاؤں میں وہ اللہ کو یاد رکھتا ہو اور اس حال پر راضی و خوش ہو۔ اس کیفیت کی نشانی یہ ہے کہ اللہ کے جلال و عظمت کی خاطر وہ سجدہ ریز ہو تا ہو اور اپنے آپ کو بہت حد تک جھکا کر اور کمزور سمجھ کر اللہ کے حضور سجدہ میں گر تا ہو اور اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اُٹھاتا ہو جب تک رب سے ملاقات کا لطف نہ لے لیتا ہو۔ ایمان بھرے خشوع کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ البتہ متکبر دل کا حال کچھ اور ہی ہو تا ہے۔ متکبر اپنے تکبر اور گھمنڈ میں ہی اترا تا رہتا ہے۔ اس کی مثال اس سخت اور ترچھی زمین کی ہے جس پر پانی ٹکتا ہی نہیں۔

اس کے برعکس منافقانہ خشوع میں تصنع او دکھلاوے کے سکون کا مظاہرہ ہو تا ہے۔ دل اندر سے برائی کے لئے تیار اور شہوتوں کا طلبگار ہو تا ہے۔ اس کے برعکس ظاہر میں خشوع نظر آتا ہے اور اندرون خانہ وادی کے سانپ یا جنگل کے شیر کی طرح موقع کی تاک میں ہو تا ہے کہ جونہی شکار ہاتھ لگا اس پر حملہ کر دیا۔

نماز میں خشوع صرف اس آدمی کو نصیب ہو سکتا ہے جس نے اپنے دل کو نماز کے لئے فارغ کر لیا ہو اور دوسرے سارے کام چھوڑ کر اس میں لگ گیا ہو اور ہر کام کے مقابلے میں نماز اسے عزیز تر ہو۔ صرف اسی صورت میں نماز اس کے دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((جعلتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلاةِ)) (۹)

" میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے"۔

اللہ تعالٰی نے سورۃ الاحزاب آیت ۳۵ میں فرمایا کہ خشوع اختیار کرنا میرے نیک بندوں کی نشانی ہے اور اسی میں لوگوں کے لئے مغفرت کا وعدہ اور اجر عظیم کی بشارت ہے۔

خشوع کے متعدد فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نماز کی ادائیگی بندے کے لئے آسان ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ۔

﴿ واسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ۴۵)

"اور (مصائب جھیلنے کے لئے) صبر اور نماز سے مدد لو۔ اور یہ یقیناً کٹھن کام ہے البتہ خشوع اختیار کرنے والوں کے لئے مشکل نہیں ہے"۔

معلوم ہوا کہ خشوع کا مقام بہت نادر ہے کیونکہ بہت جلد یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے اور خاص طور پر اس زمانے میں خشوع عنقا ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اَوَّلُ شَیْءٍ یُرْفَعُ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الْخُشُوْعُ حَتّٰی لَا تَرٰی فِیْھَا خَاشِعًا)) (۷)

"اِس اُمت میں سب سے پہلے خشوع ختم ہو گا' وہ زمانہ بھی آئے گا کہ تمہیں ایک بھی خشوع والا آدمی نظر نہ آئے گا"۔

سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے : نماز کی مثال لونڈی یا باندی کی ہے جو شہنشاہوں کے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ تمہارا اُس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو فالج کی ماری یا ایک آنکھ سے معذور یا بالکل اندھی یا ہاتھ یا پاؤں کٹی یا مریضہ یا بد شکل یا مُردہ لونڈی شہنشاہِ عالم کے حضور پیش کرے؟ لہٰذا ایسی لونڈی کی مانند نماز کا کیا فائدہ جسے تقرب الٰہی کی خاطر ایک بندہ اللہ کے حضور پیش کرے؟ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس تو طیب ہے اور وہ صرف طیب چیز ہی قبول فرماتا ہے' اور یہ کوئی طیب کام نہیں ہے کہ نماز تو ہو لیکن اس میں روح نہ ہو۔ اسی لئے مردہ غلام کو آزاد کرنے کو صحیح معنی میں کسی کو آزاد کرنا نہیں کہا جا سکتا۔ (مدارج السالکین ۱/۵۲۶)

خشوع کا حکم

راجح بات یہی ہے کہ خشوع واجب ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۴۵) "اور صبر و نماز کے ذریعے تم مدد طلب کرو اور یہ نماز کی ادائیگی بھاری ہے سوائے خشوع کرنے والوں کے"۔ جو لوگ خشوع نہیں کرتے اس آیت میں ان کی مذمت ہے اور مذمت اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی فرض یا واجب ترک کرے یا حرام کام کا ارتکاب کرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خشوع واجب ہے۔

خشوع کے واجب ہونے کی دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ ﴾

(المومنون ۱-۲)

"یقیناً فلاح پائی ان اہل ایمان نے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں"۔

آگے چل کر فرمایا :

﴿ اُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾ (المومنون ۱۰-۱۱)

"یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے' اس میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتایا ہے کہ صرف ان صفات کے حامل لوگ ہی فردوس میں جائیں گے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ ان صفات کے مالک نہیں ہوں گے وہ فردوس میں نہیں جاسکیں گے۔ اور جب یہ طے ہو گیا کہ خشوع نماز میں واجب ہے اور خشوع سکون و انکساری کا نام ہے تو جس نے کوے کی طرح ٹھونگے مارے وہ سجدوں میں خشوع اختیار نہ کر سکا۔ اسی طرح جس نے پوری طرح رکوع سے سر نہ اٹھایا بلکہ سیدھا نیچے چلا گیا اس نے بھی سکون سے کام نہیں لیا کیونکہ سکون اطمینان ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ جس نے اطمینان سے کام نہیں لیا اس نے سکون اختیار نہیں کیا اور جس نے پر سکون طریقے سے کام نہیں کیا اس نے رکوع اور سجدے میں خشوع کو نہیں اپنایا اور جس نے خشوع اختیار نہیں کیا وہ گنہگار اور نافرمان ٹھہرا۔ نماز میں خشوع کا وجوب رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ اور وعید سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا حالت خشوع کے منافی ہے۔ جب آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے والے کو وعید سنائی ہے تو معلوم ہوا کہ خشوع واجب ہے۔ (۸)

خشوع کی فضیلت اور عدم خشوع پر وعید' دونوں صورتیں مندرجہ ذیل حدیث سے واضح ہو جاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

((خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی' مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ

أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ إِن شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ ›› (۹)

"اللہ تعالیٰ نے (بندوں پر) پانچ نمازوں کو فرض کیا ہے' جو آدمی اچھی طرح ان نمازوں کا وضو کرے اور انہیں وقت پر پڑھے' رکوع اور خشوع کا پورا طرح خیال رکھے' اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا ہے کہ اسے بخش دے گا اور جو آدمی یہ نہ کرے اس کا اللہ پر کوئی ذمہ نہیں' چاہے اسے بخش دے اور چاہے سزا دے"۔

خشوع کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ نے یوں بھی فرمایا ۔

‹‹مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يُقْبِلُ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ›› (۱۰)

"جس کسی نے اچھی طرح سے وضو کیا' پھر دو رکعت نماز ادا کی' اپنے دل اور چہرے کو نماز پر متوجہ رکھا تو اس کے سابقہ سارے گناہ معاف کر دیے گئے"۔

اسبابِ خشوع

جب ہم نے نماز میں خشوع کے اسباب جمع کرنے شروع کئے تو معلوم ہوا کہ یہ اسباب دو طرح کے ہیں :

(۱) ایسے اسباب کا حصول جو خشوع پیدا کرتے ہیں اور اسے مضبوط بناتے ہیں۔

(۲) ایسے اسباب سے بچنا جو خشوع کو ختم کرتے ہیں یا اسے کمزور کرتے ہیں۔

جو کام خشوع کے لئے معاون بنتے ہیں ان کو بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا :

دو قسم کے کام خشوع کے لئے معاون ہیں: (۱) خشوع پیدا کرنے والے اسباب طاقتور ہوں۔(۲) اور خشوع سے دور کرنے والے اسباب کمزور ہوں۔

(۱) <u>خشوع پیدا کرنے والے اسباب کا طاقتور ہونا :</u> خشوع پیدا کرنے والے اسباب کے طاقتور ہونے سے مراد ہے کہ بندہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے کوشش کرکے سمجھے اور جو کچھ کر رہا ہے اس کی بھی اسے خبر ہو۔ قراءت' ذکر اور دعا کے الفاظ و معانی پر غور

کرے اور اس کے ذہن میں یہ بات ہردم تازہ ہو کہ وہ اللہ رب العالمین سے گفتگو کر رہا ہے کیونکہ نمازی جب کھڑا نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اپنے رب سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔

"احسان" کی کیفیت آپ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی :

((ان تعبُد اللّٰہ کانك تراہُ فان لمْ تکُنْ تَرَاہُ فاِنّہُ یَراك))[11]

"تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم سے کم یہ خیال ضرور رہے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے"۔

پھر بندہ جس قدر نماز کی لذت کو محسوس کرلے گا تو اسی نسبت سے وہ نماز کی طرف کھنچتا چلا جائے گا۔ اس بات کا دارومدار ایمان کی طاقت پر ہے اور ایمان کو مضبوط کرنے والے کام بہت زیادہ ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کرتے تھے :

((حُبِبَ الیَّ منْ دُنیاکُمْ النّساءُ والطِّیبُ وجُعلتْ قُرّۃُ عینِی فی الصّلاۃ))[12]

"تمہاری دنیا سے مجھے عورتیں اور خوشبو زیادہ پسندیدہ ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

نیز فرمایا:

((ارحنا بالصّلاۃ یا بلال))[13]

"اے بلال! ہمارے لئے نماز کے ذریعے راحت کا سامان کرو"۔

(۲) <u>خشوع کے آڑے آنے والے کاموں کو ختم کرنا</u> : جن غیر ضروری چیزوں کے بارے میں انسان سوچتا رہتا ہے پوری کوشش کر کے ایسی چیزوں کی یاد کو دل سے دور کرنا۔ لہٰذا جو کام انسان کو مقصد نماز سے ہٹا دیتے ہیں ان پر غور کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں ہر انسان کا معاملہ الگ ہوتا ہے۔ کثرت سے وسوسے اسی انسان کو ہوتے ہیں جس میں شبہات کی کثرت ہو، شہوات میں گھرا ہوا ہو اور دل ایسی محبوب چیزوں میں اٹکا ہوا ہو جن کو پانے کے لئے دل بے چین ہو یا دل ایسی ناپسندیدہ چیزوں میں پھنس گیا ہو جن سے جان چھڑانا ضروری ہو"۔[14]

مذکورہ بالا تقسیم کی روشنی میں ہم نماز میں خشوع پیدا کرنے والے چند اسباب بیان کرتے ہیں :

ل) خشوع پیدا کرنے یا مضبوط کرنے والے کاموں کا اہتمام کرنا

① نماز کی تیاری : نماز کے لئے تیاری کے ضمن میں کئی کام آتے ہیں' مثلاً :

- مؤذن کے ساتھ ساتھ کلماتِ اذان کو دہرانا۔
- اذان کے بعد کی مسنون دُعا پڑھنا' جو کہ یہ ہے :

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَهُ)) (۱۵)

- اذان و اقامت کے درمیان دُعا کرنا۔ عمدہ طریقے سے وضو کرنا کہ شروع میں "بِسْمِ اللّٰهِ" پڑھی جائے اور بعد میں مسنون اذکار پڑھے جائیں' مثلاً ((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ)) (۱۶) دوسری دعا یہ ہے : ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ)) (۱۷)
- مسواک کا اہتمام کرنا۔ اس طرح سے منہ صاف ستھرا ہو جائے گا' کیونکہ تھوڑی دیر بعد قرآن کریم کی تلاوت کرنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے : ((طَهِّرُوْا اَفْوَاهَكُمْ لِلْقُرْآنِ)) (۱۸) "اپنے منہ کو قرآن کی خاطر پاکیزہ بناؤ"۔
- صاف ستھرے کپڑے پہن کر اپنی زینت کا اہتمام کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے .

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (الاعراف : ۳۱) "اے اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت اپنی زینت کا اہتمام کرو"۔ اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ حق بنتا ہے کہ اس کی خاطر زینت کا اہتمام کیا جائے۔ علاوہ ازیں اچھا صاف ستھرا کپڑا پہننا ذہنی سکون کا موجب ہوتا ہے' جبکہ کام کاج یا سونے کے کپڑے الجھن پیدا کرتے ہیں۔

- لباس ساتر ہو' جگہ پاک ہو' بروقت گھر سے نکلا جائے' مسجد کی طرف آرام اور وقار سے جایا جائے' انگلیاں نہ چٹخائی جائیں اور نماز کا انتظار کیا جائے۔ یہ سارے کام نماز کی تیاری میں شامل ہیں۔
- صفیں سیدھی بنائی جائیں اور مل کر کھڑے ہوں' کیونکہ صفوں کے درمیان خالی جگہوں میں شیطان گھس آتے ہیں۔

(۲) نماز میں اطمینان و سکون : رسول اللہ ﷺ نماز میں پُر سکون طریقے سے کھڑے ہوتے تھے' یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی طبعی جگہ پر آ جاتی تھی[۱۹] نماز میں کوتاہی کرنے والے کو بھی آپؐ نے اطمینان و سکون کا حکم دیا اور فرمایا :

((لاَ تَتِمُّ صَلاَۃُ احَدِکُمْ حَتّٰی یفْعَلَ ذٰلِکَ))[۲۰]

"تم میں سے کسی کی نماز اُس وقت تک پوری نہیں ہوگی جب تک وہ اس طرح نماز ادا نہ کرے"۔ (یعنی پُر سکون اور اطمینان سے نماز ادا کرے)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَۃً الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صلاَتِہٖ)) قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کَیْفَ یَسْرِقُ صَلاَتَہ؟ قال ((لا یُتِمُّ رُکُوعَھَا وَلاَ سُجُودَھَا))[۲۱]

"سب سے بڑا چور نماز کا چور ہے"۔ کسی نے پوچھا: وہ کس طرح نماز کی چوری کرتا ہے؟ فرمایا: "نہ اس کا رکوع صحیح طریقے سے کرتا ہے اور نہ سجدہ"۔

حضرت ابو عبد اللہ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَثَلُ الَّذِیْ لاَ یُتِمُّ رَکُوْعَہٗ وَیَنْقُرُ فِیْ سُجُوْدِہٖ مَثَلُ الْجَائِعِ یَاکُلُ التَمَرَۃِ وَالتَّمرَتَیْن لاَ یُغْنِیَان عَنْہُ شَیْئًا))[۲۲]

"جو آدمی نہ صحیح طریقے سے رکوع کرے اور سجدے میں بھی ٹھونگے ہی مارے اِس کی مثال اس بھوکے شخص کی سی ہے جو ایک یا دو کھجوریں کھاتا ہے اور یہ دو کھجوریں اسے کچھ فائدہ نہیں دیتیں"۔

جو آدمی اطمینان سے نماز ادا نہیں کرتا اس میں خشوع آ ہی نہیں سکتا' اس لئے کہ جلد بازی خشوع کو ختم کر دیتی ہے اور کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے تو ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ (جاری ہے)

حواشی

۱) مدارج السالکین '۵۲۱/۱

۲) تفسیر ابن کثیر' سورۃ المومنون

۳) مدارج السالکین '۵۲۰/۱

۴) تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی '۱۸۸/۱۔ تحقیق د/الفریوائی

۵) مدارج السالکین '۵۲۱/۱

۶) مسند احمد ۴/۱۲۸۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر ح ۳۴۴
۷) المعجم الکبیر للطبرانی کے حوالے سے امام الہیثمی نے مجمع الزوائد ۲/۳۲۶ ح ۲۸۱۳ میں بیان کی ہے اور حسن کہا ہے۔ علامہ الالبانی نے صحیح الترغیب میں اسے صحیح کہا ہے' ح ۵۳۰
۸) مجموع الفتاوی ۲۲/ ۵۵۳۔۵۵۸
۹) سنن ابی داؤد 'کتاب الصلاۃ' باب المحافظة علی وقت الصلوات' ح ۴۲۵۔ یہی حدیث متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔
۱۰) صحیح البخاری 'کتاب الوضوء' باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً' ح ۱۵۸' و صحیح مسلم کتاب الطهارة' باب صفة الوضوء و کماله' ح ۲۲۶۔
۱۱) صحیح البخاری 'کتاب الایمان' باب سوال جبریل النبی ﷺ' ح ۵۰' و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الایمان و الاسلام و الاحسان' ح ۹ و ۱۰
۱۲) مسند احمد ۳/۱۲۸' ۱۹۹' ۲۸۵ و سنن النسائی 'کتاب عشرة النساء' باب حب النساء' ح ۳۹۴۹' والمستدرک للحاکم ۲/۱۶۰۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے' صحیح الجامع ۳۱۲۴۔
۱۳) سنن ابی دائود 'کتاب الادب' باب فی صلاۃ العتمة' ح ۴۹۸۵' ۴۹۸۶
۱۴) مجموع الفتاوی ۲۲/ ۶۰۶۔۶۰۷
۱۵) صحیح البخاری 'کتاب الاذان' باب الدعاء عند النداء' ح ۵۸۹
۱۶) صحیح مسلم 'کتاب الطهارة' باب الذکر المستحب عقب الوضوء' ح ۲۳۴
۱۷) سنن الترمذی 'ابواب الطهارة' باب ما یقال بعد الوضوء' ح ۵۵
۱۸) کشف الاستار ۱/ ۲۴۲ ح ۴۹۱' علامہ الالبانی نے حدیث کو عمدہ قرار دیا ہے السلسلة الصحیحة ح ۱۲۱۳۔
۱۹) سنن ابی داؤد 'کتاب الصلاۃ' باب افتتاح الصلاۃ' ح ۷۳۰
۲۰) حوالہ سابقہ' باب صلاۃ من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود' ح ۸۵۸
۲۱) المستدرک ۱/۲۲۹ و مسند احمد ۵/۳۱۰ و الاحسان د/۲۰۹' ح ۱۸۸۸۔ حدیث صحیح ہے۔
۲۲) صحیح ابن خزیمہ ۱/۳۳۲' ح ۶۶۵ و المعجم الکبیر للطبرانی ۳/۱۱۵' ح ۳۸۳۰

علّامہ اقبال اور شعرِ فارسی

ایران کے حال و مستقبل کے آئینہ میں (۲)

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۷)

ڈاکٹر ابو معاذ

اس تناظر میں اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کو اپنے عہد کے ایران کے حالات و واقعات اور ملت ایران کی زبوں حالی کی بابت کس طرح کی معلومات حاصل تھیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ نے کبھی بھی اپنی زندگی میں ایران کا سفر نہیں فرمایا۔ آپ کے مشہور ایرانی اسکالر جناب سعید نفیسی کے نام تحریر شدہ خطوط سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں ایران کے سفر کی آرزو ضرور تھی۔ آپ اس سرزمین کے تیزی سے مٹتے ہوئے نقوشِ کہن کا ذاتی طور پر مشاہدہ کرنا چاہتے تھے اور اس قوم کے زعماء سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، مگر جو آہنی پردہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں دونوں اقوام (ایران اور ہند اسلامی) کے درمیان حائل تھا اس کے باعث آپ اس سفر سے محروم رہے۔ تاہم کسی نہ کسی صورت میں آپ کا رابطہ ایرانیوں سے قائم ضرور تھا اور آپ وہاں کی سیاسی اور فکری تحریکوں کے جوش و خروش سے باخبر تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں جاوید نامہ کے ان اشعار سے ملتا ہے جو آپ نے آسمانوں پر ایرانی بادشاہ نادر شاہ افشار سے ایک تصوراتی ملاقات کے ضمن میں کہے ہیں۔ ان اشعار سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ علامہ اقبال ایران کے حالات و واقعات سے مکمل طور پر واقف تھے، بلکہ آپ فکری اعتبار سے وہیں کے باسی اور مفکر دکھائی دیتے ہیں۔ نادر شاہ افشار آپ کا استقبال کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

خوش بیا اے نکتہ سنجِ خاوری　　　اے کہ می زیبد ترا حرفِ دری

(اے مشرق کی سرزمیں کے رازدان خوش آمدید۔ اے کہ تیری زبان پر فارسی گفتگو کس قدر دلکش محسوس ہو رہی ہے۔)

محرمِ رازیم! با ما راز گو آنکہ می دانی ز ایران باز گو!

(ہم ایک دوسرے کے رازدان ہیں' ہمارے ساتھ کوئی راز کی بات کر۔ جو کچھ تمہیں ایران کے بارے میں معلوم ہے کھل کر بیان کرو۔)

اس کے جواب میں علامہ اقبال "زندہ رود" کے نام سے اپنا پیغام دیتے ہیں۔ زندہ رود دراصل اس دریا کا نام ہے جو ایران کے تاریخی شہر اصفہان کے بیچوں بیچ سے گزرتا ہے اور اس عظیم شہر اور قدیم ایرانی دارالحکومت کی شان دوبالا کرنے کے علاوہ اسے زندگی (کیونکہ خدا نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا ہے) عطا کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؂

بعد مدت چشمِ خود بر خود کشاد لیکن اندر حلقۂ دامے فتاد

(ایک طویل عرصہ کے بعد اس نے اپنی نگاہ اپنے آپ پر ڈالی تو ضرور تھی اور خود آگاہی و خود بینی کی لذت پائی تھی' لیکن بہت جلد ایک اور جال کے تانے بانے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔)

یہ واقعات دراصل تحریک مشروطیت (پارلیمانی جمہوریت کی تحریک) کے بعد کے اور رضاخاں کے دوبارہ بادشاہت کی بحالی اور مغربی اقدار کے بزور فروغ سے متعلق ہیں۔ جن کی جانب آپ نے ایک دقیق اور نازک اشارہ فرمایا ہے ؂

کشتۂ نازِ بتانِ شوخ و شنگ خالقِ تہذیب و تقلیدِ فرنگ!

(آج کا ایران مغربی استعمار کے زیر اثر انگریزوں کی اندھی پیروی میں مبتلا ہے اور مغربی تہذیب کی تمام برائیاں اپنے دامن میں سمیٹنے میں کوشاں ہے اور عصر حاضر کے پُر فریب بتوں (بتانِ رنگ و خوں) کی فریب کاری کا شکار ہے۔ افسوس کہ وہ ایران جو کبھی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا آج خود فراموشی کے عالم میں مغرب کی تہذیب پر والہ و شیفتہ ہو رہا ہے۔)

کارِ آں وارفتۂ ملک و نسب ذکرِ شاپور است و تحقیرِ عرب!

(آج کے ایران میں قبل از اسلام کے عہد کی روایات سے وابستگی کے آثار و شواہد مل رہے ہیں اور وہ اپنے ملک کی قدیم تاریخ اور نسل آریائی کی برتری پر فخر کر رہا ہے۔ آج وہ عظیم ساسانی فاتح شاہ پور کا ذکر کر رہا ہے اور عربوں کی تحقیر اور تذلیل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کر رہا۔)

آنحضور ﷺ سے تقریباً تین سو برس پہلے ایرانی بادشاہ شاہ پور ساسانی نے عرب کے علاقوں فتح کرنے کے بعد عربوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے۔ عربوں کی قدیم تاریخی کتب میں اسے "شاھور ذوالاکتاف" کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں "شاہ پور کندھوں والا"۔ اور یہ اصطلاح اس لئے رائج ہوئی تھی کہ اس نے عرب اسیروں کے کندھوں میں سوراخ کر کے ان میں رسے ڈال کر انہیں انتہائی بیدردی سے ہانکا تھا اور ذلیل و خوار کیا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر ایک ضعیف العمر عرب خاتون نے بادشاہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اے فاتح بادشاہ اپنی قوت کا اس قدر گھمنڈ مت کر۔ ایک وہ وقت بھی آئے گا جب عرب سے ایک عظیم انسان کا ظہور ہو گا جو ایران کی بادشاہت کا خاتمہ کر دے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری قوم کو تیرے ان تمام گناہوں کی مکافات بھگتنی پڑ جائے۔ مؤرخین اس بات کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے لئے ایک پیشین گوئی بھی سمجھتے ہیں۔ خیر اس شعر میں ایران میں نسلی تفاخر کے احیاء کی تحریک کی جانب اشارہ ہے جو پہلوی دور میں آخر تک زوروں پر رہی۔

روزگارِ اُو تہی از واردات　　از قبورِ کہنہ می جوید حیات!

(ایران کے موجودہ عہد میں قدامت پرستی، شہنشاہیت کا فروغ اور ماضی کے ساسانی و ھخامنشی عہد کے آثار پر فخر و مباہات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس میں ابھی جدید عہد کے تقاضوں کے مطابق ڈھلنے کی گنجائش کم ہی ہے۔ افسوس اس امر کا ہے کہ وہ اپنی قدیم غیر اسلامی تاریخ پر فخر کرتے ہوئے پرانی قبروں یعنی ماضی کے کھنڈرات سے زندگی تلاش کرنے کی فضول کوشش میں لگا ہے۔)

بعد کے دور میں علامہ اقبال کا خیال سچ ثابت ہوا کیونکہ ۱۹۶۷ء میں منایا جانے والا ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن ایرانی بادشاہت کے ابدی زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ علامہ اقبال نے بہت عرصہ پہلے اس کی جانب اشارہ فرما دیا تھا ؎

با وطن پیوست و از خود درگذشت　　دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت

(ایرانیوں نے اپنے وطن کو بُت بنا کے پوجنا شروع کر دیا ہے اور اپنی مخفی توانائیوں اور خصوصیات سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ انہوں نے رستم جیسے قبل از اسلام کے کرداروں سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے اپنا قلبی

تعلق توڑ لیا ہے۔)

پہلوی دور میں کوشش یہ کی جا رہی تھی کہ ما قبل اسلام کے عہد کے ہیرو دوبارہ قابلِ تکریم قرار دے جائیں اور آہستہ آہستہ مذہب سے دوری اختیار کر لی جائے۔ علامہ اقبال کے ہاں ایرانی افراد دنیا کے ذہین ترین اور قابل ترین لوگ تھے جنہوں نے قبول اسلام کے بعد اپنی خوبیوں اور جوہر ذاتی کا لوہا منوایا تھا۔ وہ اپنے وطن پر فخر کرنے کی بجائے اگر اسلام کے سپاہی بن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کو ایک بار پھر سے اپنا شعار بنا لیں تو وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دیرینہ کو بحال کر سکتے ہیں ؎

نقشِ باطل می پذیرد از فرنگ　　سرگزشتِ خود بگیرد از فرنگ!

(آج کا ایران اہل مغرب کے غلط نظریات کو اپنا رہا ہے اور خود کو مغربی رنگ میں رنگنے میں کوشاں نظر آ رہا ہے۔)

یہ سب کچھ واضح انداز میں بیان فرمانے کے بعد علامہ اقبال ایرانیوں کو ان کی اصلیت یاد دلاتے ہیں۔ ایک وہ وقت تھا جب ساسانی عہد میں ایران کی بادشاہت شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہو چکی تھی اور اس کی صدیوں کی عظمت کی کشتی ڈگمگاتی ہوئی ہچکولے کھا رہی تھی تو مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں عرب سے اُٹھ کر اس کے عروقِ مردہ میں جان دوڑا دی تھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد ایک بار پھر ایرانیوں کی جملہ خوبیاں دنیا میں نئے پہلوؤں کے ساتھ روشناس ہوئی تھیں۔ اگر اسلام کی قوت اس وقت ایرانیوں کی خوبیوں کا سرچشمہ نہ بنتی تو ممکن تھا کہ سلطنت روما (Roman Empire) کی طرح ایران کا وجود بھی مکمل طور پر مٹ جاتا۔ آپ فرماتے ہیں ؎

پیریٔ ایران زمانِ یزدجرد　　چہرۂ اُو بے فروغ از خونِ سرد!

(یزدگرد سوم ساسانی بادشاہ کی نوبت آتے آتے ایران کی قدیم بادشاہت پر بڑھاپا طاری ہو چکا تھا۔ امتداد زمانہ کے باعث اس کی رگوں میں خون جم چکا تھا اور اس کے چہرے پر کوئی سرخی اور چمک باقی نہیں رہی تھی۔)

یزدگرد سوم وہ بادشاہ تھا جس کی فوجوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں

کی کئی فیصلہ کن جنگیں ہوئیں اور بالآخر مسلمانوں نے تمام ایرانی مقبوضات پر قبضہ کر لیا اور یہ بادشاہ قبل از اسلام ایران کا آخری تاجدار ثابت ہوا۔

دین و آئین و نظامِ او کہن شید و تارِ صبح و شامِ او کہن!

(اس کا دین زرتشت' اس کی قدیم شہنشاہیت کا استبدادی آئین اور اس کا ظالمانہ نظام حکومت سب کے سب بوسیدہ ہو چکے تھے' حتیٰ کہ اس کی صبح کا سورج اور رات کی تاریکی بھی پرانی ہو چکی تھی۔)

موجِ مے در شیشۂ تاکش نبود یک شرر در تودۂ خاکش نبود!

(اس کے انگور کی بیل کی رگوں میں شراب کی کوئی لہر باقی نہیں تھی اور ایران ایک مٹی کا تودہ بن چکا تھا' جس میں ایک چنگاری بھی باقی نہیں بچی تھی۔)

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا قدیم جوش و جذبہ اور حرارت ختم ہو چکی تھی۔

تا ز صحرائے رسیدش محشرے آن کہ داد او را حیاتِ دیگرے!

(حتیٰ کہ صحرائے عرب سے ایک محشر برپا ہوا' جو ایران پر قیامت بن کر نازل ہوا اور اس قیامت کے باعث ایران کو ایک نئی زندگی مل گئی۔)

جس طرح مسلمانوں کا ایمان ہے کہ قیامت کے باعث مُردے اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے اسی طرح ایرانی قوم بھی اپنی موت کے بعد زندہ ہو گی۔

ایں چنیں حشر از عنایاتِ خداست پارس باقی! رومۃ الکبریٰ کجاست؟

(ایسی قیامت بھی دراصل اللہ کی عنایت ہی ہوتی ہے کیونکہ آج رومۃ الکبریٰ کی بادشاہت کے آثار تو مٹ چکے ہیں لیکن سلطنت فارس کی حدود اور سرزمین اب بھی موجود ہے۔)

آں کہ رفت از پیکرِ او جانِ پاک بے قیامت بر نمی آید زخاک!

(ایک بار اگر کسی کے جسم سے رُوح نکل آئے تو پھر اس کا جسم قیامت کے بغیر تو مٹی سے دوبارہ نہیں اُٹھ سکتا۔)

مردِ صحرائی بہ ایراں جاں دمید باز سوئے ریگزارِ خود رمید!

(ان صحرائی مجاہدین نے ایران میں پھر سے زندگی کی رُوح پھونک دی اور اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد دوبارہ اپنے صحرائے حجاز کو پلٹ گئے۔)

کہنہ را از لوحِ ما بسترد و رفت برگ و سازِ عصرِ نو آورد و رفت!

(تمام فرسودہ نقوش اور روایات کو وہ صحرائی مجاہد ہماری لوح سے مٹا کے چلے گئے اور ایک نئے عظیم دور کا آغاز کر کے چلے گئے۔)

یہاں علامہ اقبال نے خود کو ایران کے ساتھ شامل کرتے ہوئے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ آپ اکثر رُوحانی اور لسانی اعتبار سے خود کو ایرانی ہی تصور فرماتے تھے (جیسے آپ نے اردو میں بھی کہا تھا ع "تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے"۔

دراصل آپ کی نظر میں تمام قدیم ایرانی مقبوضات (قبل از اسلام) کی اقوام ایک ہی مزاج اور ایک ہی سوچ کی حامل ہیں۔

آہ احسانِ عرب نشناختند از تشِ افرنگیاں بگداختند!

(آہ ایرانیوں نے عربوں کا احسان بھلا دیا اور افرنگیوں کی آگ کی گرمی میں پگھل کر اپنا وجود کھو بیٹھے' کیونکہ ایک بار پگھل کر کوئی چیز کسی بھی نئے سانچے میں ڈھل سکتی ہے۔)

ان اشعار سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ کو ایران کے مایوس کن حالات و واقعات پر نہ صرف گہرا دلی دکھ تھا بلکہ آپ وہاں سے مغربی استعمار کے آثار کا مکمل خاتمہ کی خواہش کرتے ہوئے اس قوم کی اسلام کی جانب رجعت کی آرزو اپنے دل میں بسائے ہوئے تھے۔ آپ نے جب ایرانیوں کے ساتھ "ہم" کا صیغہ استعمال کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس احیائے اسلام کے نئے دور میں اپنی قوم کو بھی ایرانی ملت کے ساتھ بطور شریک و سہیم تصور فرما رہے تھے۔ جب مغربی تہذیب پر مبنی علم ایران و ہند کو اس کے اصل جواہر سے محروم کر کے اہل عجم کو مخمور کر رہا تھا اور جہد و عمل کی سکت چھن رہی تھی تو آپ ایک بار پھر ان اقوام کو خوابِ گراں سے بیداری کی تلقین فرما رہے تھے۔ جہاں آپ ایران کے عظیم مفسر قرآن حضرت امام فخرالدین رازیؒ کی تفسیر اور استدلال و فلسفہ کا ذکر فرماتے ہیں وہاں ساتھ ہی جوش و ولولہ کے حصول کیلئے حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی فرماتے ہیں جن کی تعظیم اہل ایران کے دل و جان میں موجود رہی ہے ؎

من آن علمِ فراست با پرِ کاہے نمی گیرم — کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را!

بھر نرخے کہ این کالا بگیری سود مند افتد — بزورِ بازوے حیدر بدہ ادراکِ رازی را

(میری نظر میں اس علم و فراست کی قیمت گھاس کے تنکے کے برابر بھی نہیں ہے جو

مردانِ غازی کو تلوار اور ڈھال سے محروم کر دے۔ تمہیں جس قیمت پر بھی یہ مل
ملے اسے خرید لو جس میں رازی کا تدبر حضرت علیؓ کے قوتِ بازو پر ڈال دیا گیا ہے۔)
اب آپ اصل ایران کو قدیم بادشاہت کے بچے کھچے آثار سے بیزاری کا درس
دینے لگے اور آپ کی نظر میں ماضی کے مزاروں میں چونکہ زندگی کی رمق باقی نہیں رہی
تھی اس لئے لازمی تھا کہ انقلاب کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا جائے۔

مدّتے در آتشِ نمرود می سوزد خلیلؑ — تا تہی گردد حرمِ عشق از خداوندانِ پیر
دورِ پرویزی گذشت اے کشتۂ پرویز خیز — نعمتِ گم گشتہ خود را ز خسرو باز گیر

(ایک طویل عرصہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں جلنا پڑتا
ہے پھر کہیں اس کا حریم دل ماضی کے خداؤں اور بتوں سے پاک ہوتا ہے۔ اے
خسرو پرویز کی شہنشاہیت پر مٹنے والے بے خبر انسان! اپنی طویل نیند سے بیدار ہو جا
کیونکہ اب بادشاہت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اپنی آزادی اور مذہبی حمیت سمیت تمام
نعمتوں کو، جو شہنشاہوں نے تم سے سلب کر رکھیں، اب اٹھ کے واپس لے لو۔)

ایک بار پھر علامہ اقبال کو ایران کی خوابِ گراں میں سوئی ہوئی قوم پر ترس آتا تھا جو
کبھی کبھی خواب گراں سے اپنی آنکھ کھولتی تھی اور پھر کسی اور فلاکت و بربادی کے چکر
میں پڑ جاتی تھی۔ آپ کی نگاہ میں نہ صرف شاہی نظام کے استبداد کا مسئلہ تھا بلکہ علماء کے
ایک منظم گروہ کی حمایت بھی شاہی نظام ہی کو حاصل تھی۔ آپ نے اس پر اظہارِ افسوس
کرتے ہوئے کہا ۔

آسیا آن مرز و بومِ آفتاب — غیر بین از خویشتن اندر حجاب
صیدِ ملّایان و نخچیرِ ملوک — آہوے اندیشۂ او لنگ و لوک

(ایشیاء جو سورج کی سرزمین ہے وہ اب غیروں کی ہمدردی کی امید لگائے بیٹھی ہے اور
اپنے ملی اور فکری تشخص سے محروم ہے۔ یہ آج کل ملاؤں کا شکار ہے اور
بادشاہوں کے پھیلائے ہوئے جال میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے اور اس کی سوچوں
کا آزاد ہرن اب لنگڑا لولا ہو چکا ہے۔)

اب یہاں یہ بات بہت اہم ہے کہ ایشیا سے مراد علامہ اقبال کے ہاں اسلامی ایشیاء ہے
کیونکہ یہاں پر ملاؤں کا ذکر ہے اور اس برِاعظم میں پھر ملّاؤں کا منظم نظام ہمیں صرف

ایران ہی میں نظر آتا تھا اور بادشاہت بھی وہیں تھی۔ ایران ہی کو مرزوبوم آفتاب کہا جاتا رہا ہے اور رضا شاہ پہلوی کے دور تک ایران کے جھنڈے پر آفتاب کی علامت بنی ہوئی تھی۔ اس طرح ایشیاء کے براعظم میں بھی جس قوم سے خطاب کیا گیا ہے وہ بھی ایرانی قوم ہی ہے۔ یہ حقیقت مندرجہ ذیل اشعار میں بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

بگذر از کاؤس و کے اے زندہ مرد طوفِ خود کن گرد ایوانے مگرد
از مقامِ خویش دور افتادہ ای کر گسی کم کن کہ شاہین زادہ ای

(اے زندہ انسان ایران کے اساطیری بادشاہوں کیکاؤس اور کیقباد کے چکروں سے باہر نکل آ۔ شاہی محلات کے ارد گرد طواف کرنے کی بجائے تو اپنی ذات کا ادراک کر۔ تو اپنے اصلی مقام سے کہیں بہت دور گرا پڑا ہے۔ تو شاہینوں کی اولاد ہے' تو نے پھر گدھوں کی فطرت کیوں اپنا رکھی ہے؟)

یہاں پر کیکاؤس اور کیقباد کا تذکرہ اور شاہی محلات کا طواف اسی جانب اشارہ ہے۔ پھر آپ نے شاہینی اوصاف اپنانے اور اپنی خودی کو پہچاننے کی جانب زور دیا ہے۔ وہ جوہر ذاتی جو ایران و ہند کے جوانوں میں تھے وہ کھو چکے تھے اور اہل ایران تو مکمل مایوسی اور ذہنی جمود کا شکار تھے۔ وہ خود کو فراموش کر چکے تھے اور مغربی تعلیم اور تہذیب سے دل و نظر کی روشنیاں تلاش کرنے میں منہمک تھے۔ آپ نے "گلشن رازِ جدید" میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منصور حلاج کی زبانی کہلوایا ہے کہ

ہر کجا پیدا و ناپیدا خودی بر نمی تابد نگاہِ ما خودی
نار ہا پوشیدہ اندر نورِ اوست جلوہ ہائے کائنات از طورِ اوست
ہند و ہم ایراں زنورش محرم است آنکہ نارش ہم شناسد آن کم است

(ہر جگہ خودی ظاہر بھی ہے اور غائب بھی ہے' لیکن ہماری نظروں سے وہ اوجھل ہی رہتی ہے۔ اس کی روشنی میں حرارت یعنی آگ بھی ہے اور کائنات کے تمام تر جلووں کا مرکز اسی کا کوہ طور ہے۔ ہندوستان اور ایران کو اس کی روشنی کا ادراک تو ہے مگر اس کی گرمی اور حرارت سے مستفید ہونے والے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔)

اب کم از کم ایران و ہند میں آپ کو خودی کے ایک پہلو سے باخبر کچھ نہ کچھ لوگ تو مل گئے

تھے۔ اب خودی کی آگ ان کے دلوں میں روشن کرنا مقصود تھی۔ اسی طرح آپ نے پیامِ مشرق میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ ایرانی قوم میں جو فقر و درویشی اور استغناء کے عناصر تھے وہ امتدادِ زمانہ کے باعث باقی نہیں بچے۔ اس طرح کسی بھی ملک کی سرزمین کے وجود کی اُس وقت تک کوئی اہمیت نہیں جب تک اس کے باسیوں میں بھی اس کی قوم سے وابستہ اصلی خوبیاں اور خصائل عود نہ کر آئیں۔

عشق را آئین سلمانی نماند   خاکِ ایران ماند و ایرانی نماند!
سوز و سازِ زندگی رفت از گلش   آن کہن آتش فسرد اندر دلش!

(عشق میں حضرت سلمان فارسی رضؓ کے درویشانہ خصائل باقی نہیں رہے۔ ایران کی سرزمین تو اپنی جگہ قائم و دائم رہ گئی ہے مگر اس میں بسنے والے ایرانی لوگ باقی نہیں رہے۔ ایرانیوں کے ضمیر سے زندگی کا سوز و ساز ختم ہو چکا ہے۔ ان کی قدیم ایرانی آگ ان کے دلوں سے بجھ چکی ہے۔)

یہ آگ کیا تھی؟ یہ آگ ہرچند کہ روایتی طور پر قدیم قبل از اسلام ایران کی آتش مقدس ہی سمجھی جاتی رہی ہے مگر اقبال کی نظر میں یہ ایرانیوں کا مخفی جذبہ 'حرارتِ ایقانی' حرکیت اور جوش و جنون کا جذبہ تھا جس نے اسلام کے لبادے میں آنے کے بعد عظمتوں کے آثار اور مظاہر جنم دیئے تھے۔ اقبال اسی آگ کو اپنے سینے میں روشن سمجھتے تھے اور اسی آگ کے گرد ایرانیوں کو جمع ہونے کا درس دیتے تھے' جیسے کہ آپ نے اسرارِ خودی میں فرمایا تھا ۔

انتظارِ صبحِ خیزاں می کشم   اے خوشا زرتشتیانِ آتشم

(میں اذانِ حق دینے کے بعد صبح صبح جلد بیدار ہونے والے لوگوں کا منتظر ہوں۔ میرے سینے میں روشن آگ کے زرتشتی یعنی پجاری کس قدر عظیم ہوں گے۔)

ہم یہاں تلمیحات اور شاعرانہ موشگافیوں میں نہیں الجھنا چاہتے ورنہ اکثر فارسی شعراء نے آگ کا ذکر پورے طمطراق سے کیا ہے اور نظیری نیشاپوری کے بقول انسان کے دل میں خامی (یعنی کچا ہونے) کی بو آتی ہے اور اس کو پکنے کے لئے آگ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نادر شاہ کے جواب میں علامہ کے اشعار میں ہم نے ایران کے مٹی کے تودہ میں چنگاری نہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اب مزید تفصیل میں جانے کی بجائے علامہ اقبال کی اس تاریخی غزل کی جانب آتے ہیں جو ایرانی انقلاب سے قبل ایران میں بہت مقبول ہوئی تھی اور اس میں آپ نے ایرانی قوم کی نوجوان نسل کو خطاب کرتے ہوئے نہ صرف اپنے ذوق و شوق کی واردات کی خبر دی ہے بلکہ اسلامی انقلاب کے خدوخال واضح فرماتے ہوئے آپ نے ممکنہ واقعات کی اس انداز سے پیشین گوئی فرمائی ہے گویا آپ مستقبل کے واقعات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما رہے تھے' کیونکہ یہ تمام پیشین گوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ یہ غزل زبورِ عجم میں موجود ہے اور آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے ۔

چوں چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ شما   اے جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما!

(اے ایران کے جوانو! میں آپ کے ہمراہ آپ سے یکجا ہو کر آپ ہی کے باغ کی کیاری میں سرخ لالے کے پھول کا دیا بن کر جل رہا ہوں۔)

غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ اَم   تا بدست آوردہ ام افکارِ پنہانِ شما!

(میری بے چین سوچیں زندگی کے ضمیر میں غوطوں پر غوطے لگاتی رہی ہیں اور بڑی مشکل سے میری رسائی آپ کے ان افکار تک ہوئی ہے جو سب کی نگاہوں سے ابھی تک مکمل طور پر اوجھل رہے ہیں۔)

مہر و مہ دیدم نگاہم برتر از پرویں گذشت   ریختم طرحِ حرم در کافرستانِ شما!

(میری بلند نگاہیں چاند اور سورج کی فضاؤں سے گزرتے ہوئے ستاروں کے جھرمٹ پروین سے بھی کہیں بلندی پر جا پہنچی ہیں اور میں نے چپکے سے تمہارے کافرستان میں حرم کی بنیاد رکھ دی ہے۔)

تا سنانش تیز تر گردد فرو پیچید مش   شعلہ ء آشفتہ بود اندر بیابانِ شما

(تمہارے بیابان میں ایک شعلہ سا جل رہا تھا اسی کی مشعل یا نیزے کو میں نے پکڑ کر اور تیزی سے گھما گھما کر اس کا رخ اتنی سرعت سے بدلا ہے کہ وہ تیز سے تیز ہو کر بھڑک سکے اور تمہارے خاموش شعلوں کی روشنی اور حرارت سب پہ آشکار ہو جائے۔)

فکر رنگینم کند نذرِ تہی دستانِ شرق   پارہٗ لعلی کہ دارم از بدخشانِ شما

(آپ کے بدخشان سے میرے ہاتھ جو لعل کا ٹکڑا لگا تھا اسی کو میری رنگین سوچیں مشرق میں بسنے والے خالی ہاتھ بے مایہ لوگوں میں حیرت کی صورت میں بانٹ

رہی ہیں!

می رسد مردے کہ زنجیرِ غلامان بشکند ‏ ‏ دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

(میں نے تمہارے قید خانے کی دراڑ سے اس آدمی کا چہرہ بھی دیکھ لیا ہے جو اچانک آزاد فضاؤں میں آکر تمام غلاموں کی زنجیروں کو توڑ کر رکھ دے گا۔)

حلقہ گرد من زنید ای پیکرانِ آب و گِل ‏ ‏ آتشے در سینہ دارم از نیاگانِ شما!

(اے کچی مٹی کے بنے ہوئے مجسموں جیسے بے جان جسمو! میرے اردگرد جمع ہو جاؤ اور میری قلبی حرارت کے باعث پک جاؤ کیونکہ میرے سینے میں تمہارے ہی اسلاف کی آگ روشن ہے۔)

اب اس قدر واضح الفاظ میں جہد و عمل کا پیغام اور روشن مستقبل کی خوشخبری دیتے ہوئے آپ نے شہنشاہیت کے اس مذموم پراپیگنڈے کا توڑ پیش کیا کہ شہنشاہیت کے مٹ جانے سے ایران اور ایرانی قوم ختم ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا ؎

سکندر رفت و شمشیر و علم رفت ‏ ‏ خراجِ شہر و گنج کان و یم رفت

امم را از شہان پائندہ تر دان ‏ ‏ نمی بینی کہ ایران ماند و جم رفت

(سکندر کا زمانہ بھی بیت گیا ہے اور جدید اسلحے کی ایجاد اور جنگی فنون میں ترقی کے باعث شمشیر اور علم بھی اپنی اہمیت و افادیت کھو بیٹھے ہیں۔ مفتوحہ شہروں سے خراج وصول کرنے کا عہد بھی گزر گیا ہے اور کانوں اور سمندروں سے نکلنے والے خزانوں کے نشانات بھی مٹ گئے ہیں۔ قومیں بادشاہوں کی نسبت زیادہ طویل عرصہ تک قائم و دائم رہتی ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جمشید جیسے بادشاہ کے خاتمے کے باوجود بھی ایران اپنی جگہ پر قائم و دائم رہ گیا ہے۔ اس لئے بادشاہت کے خاتمے سے اقوام مٹ نہیں جایا کرتیں۔)

ہر چند کہ آپ کے اپنے زمانے میں آپ کے اشعار و افکار کو وہ فروغ حاصل نہیں ہو رہا تھا جس کا مستحق آپ کا کلام تھا۔ برصغیر کے لوگ اکثر فارسی سے نابلد ہونے کی وجہ سے (ماسوائے چند لوگوں کے) آپ کے افکار کو سمجھنے سے ویسے ہی قاصر تھے اور ان دنوں روابط کے فقدان کے باعث ایران تک آپ کے کلام کو پہنچنے میں تاخیر ہو رہی تھی اور بہت کم لوگوں تک آپ کا کلام پہنچ پایا تھا اور وہ بھی تاحال رائج الوقت محاورے کے فرق

کے باعث اس کی تہہ تک پہنچنے میں کسی حد تک دشواری کا احساس کر رہے تھے۔ آپ نے اس بارے میں فرمایا ؎

مسنج معنیٔ من در عیارِ ہند و عجم — کہ اصل ایں گہراز گریہ ہائے نیم شبی است

(میرے افکار کو ہندوستان اور ایران میں مروج پیمانوں سے مت ناپو اور ان کی کسوٹی پر مت پرکھو کیونکہ اس ہیرے کا سرچشمہ میری آدھی رات کی عبادات اور گڑگڑا کر مانگی ہوئی دعائیں ہیں۔)

اس کے باوجود آپ اپنے نغمات اور افکار عام کرنے کی جدّوجہد جاری رکھے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے ؎

ز جانِ بے قرار آتش کشادم — دلے در سینہ ٔ مشرق نہادم
گلِ اُو شعلہ زار از نالۂ من — چو برق اندر نہادِ اُو فتادم

(میں نے اپنی بے قرار جان سے آگ روشن کر کے اسی آگ کا دل بنا کر مشرق کے سینے میں رکھ دیا۔ اب وہاں کی مٹی میرے نالہ کے باعث شعلوں کو جنم دے رہی ہے اور اس کی فطرت میں آسمانی بجلی بن کے میں گر پڑا ہوں۔)

یہ سب کچھ مستقبل کی طرف اشارے تھے۔ اسی لئے آپ فرما رہے ہیں ؎

پس از من شعرِ من خوانند و دریا بندومی گویند
جہانے را دگر گوں کرد یک مردِ خود آگاہی

(میرے بعد لوگ میرے اشعار پڑھیں گے اور جب ان پر ان کے معانی واضح ہوں گے تو یہ کہا کریں گے کہ ایک خود شناس انسان نے دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔)

اب آپ کو ایک انقلاب کا عہد نظر آ رہا تھا اور قدیم نظام کے تار و پود بکھرتے ہوئے نظر آ رہے تھے ان کی جوانانِ عجم سے جو امیدیں وابستہ تھیں ان کے بارے میں ہرچند زمانہ بے خبر تھا مگر ہم علامہ اقبال کے تصورات کی ایک جھلک انہی کی زبان سے پیش کرتے ہیں تا کہ جو کچھ آپ کی دوربین نگاہوں کے سامنے تھا اس کی ایک تصویر کھنچ سکے اور مستقبل کے آئینے میں اس کا ادراک کیا جا سکے۔

من درین خاکِ کہن گوہرِ جان می بینم — چشمِ ہر ذرہ چو انجم نگران می بینم

(مجھے اس قدیم سرزمین میں جان کا گرانقدر موتی نظر آ رہا ہے اور اس کی مٹی کے ہر ایک ذرے کی آنکھ ستاروں کی طرح بے چین اور دیدہ ور نظر آ رہی ہے۔)

دانہ ای را کہ بہ آغوشِ زمین است ہنوز   شاخ در شاخ و برومند و جوان می بینم

(وہ دانہ جو زمین کی آغوش میں ابھی پڑا ہوا ہے مجھے اس دانے سے پیدا ہونے والا درخت نظر آ رہا ہے جس کا پھیلاؤ اور شاخیں میری نظر میں ایک سایہ دار درخت کا منظر پیش کر رہی ہیں۔)

کوہ را مثلِ پرِ کاہ سبک می یابم   پرِ کاہی صفتِ کوہِ گران می بینم

(آج جو پہاڑوں کی طرح عظیم اور بوجھل نظر آنے والے اجسام ہیں وہ مجھے گھاس کے تنکے کی طرح ہلکے نظر آ رہے ہیں اور مستقبل کی آنکھ سے گھاس کے تنکوں کو میں پہاڑوں کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔)

اس سے مراد یہ ہے کہ آج کے مضبوط اور با اثر لوگ کل خوار و رسوا ہونے والے ہیں اور کمزور لوگوں کو اختیار و اقتدار ملنے والا ہے۔

انقلابے کہ نگنجد بہ ضمیرِ افلاک   بینم و ہیچ ندانم کہ چسان می بینم

(ایک ایسا انقلاب جو آسمانوں کی وسعتوں میں بھی سما نہیں رہا اسے میں دیکھ بھی رہا ہوں اور مجھے یہ بھی سجھائی نہیں دے رہا کہ کیسے دیکھ رہا ہوں۔)

خرم آن کس کہ دریں گرد سوارے بیند   جوہر نغمہ ز لرزیدن تارے بیند

(آپ اس شخص کی خوشی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو اس گرد و غبار ایام میں ایک سوار کے آثار و نقوش واضح طور پر دیکھ رہا ہو اور آلہ موسیقی کے تار کے ہلنے سے ہی اس میں پوشیدہ نغمات کا جوہر محسوس کرنے لگ جائے۔)

اس انقلاب کے نتیجہ میں جو کچھ سامنے آنے والا تھا وہ کچھ یوں تھا، جسے علامہ اقبال نے ایک اور مقام پر زبورِ عجم میں بیان کیا ہے ؎

سطوت از کوہ ستانند و بکاہے بخشند   کلۂ جم بہ گدائے سرِ راہے بخشند

(پہاڑ سے اس کی عظمت و ہیبت چھین کر ایک گھاس کے تنکے کو عطا کر دی جائے گی اور جمشید بادشاہ کا تاج ایک سرراہ بیٹھے ہوئے فقیر کی نذر ہو جائے گا۔)

گاہ شاہی بہ جگر گوشۂ سلطان ندہند   گاہ باشد کہ بزندانیِ چاہے بخشند

(کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاہ کا ولی عہد تخت و تاج سے محروم رہ جائے اور اقتدار اس

شخص کو مل جائے جسے کنویں میں پھینک کر قید رکھا گیا ہو۔)

اسی اسلوب میں ایک اور مقام پر آپ نے ماضی سے استناد فرماتے ہوئے یہ یاد دلایا کہ پہلے بھی ایسے کئی ادوار آئے جب عظیم بادشاہ اُٹھے' آناً فاناً دنیا پر چھا گئے اور پھر چند ہی برسوں میں ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔

چوں رہ گزر باد افتاد رفت اِسکندر و دارا و قباد و خسرو

(اس گھاس کے تنکے کی طرح جو تیز ہوا کے جھونکوں کے مدمقابل گرا پڑا ہو' اسکندر اعظم مقدونی' داریوش ہخامنشی یا دارا' قباد ساسانی اور خسرو نوشیروان یا خسرو پرویز جیسے شہنشاہ اپنا نام و نشان کھو بیٹھے۔)

علامہ اقبال کو دکھ اس امر کا تھا کہ بیسیویں صدی عیسوی کے آغاز میں بھی لوگ غلامانہ ذہنیت اور بادشاہوں کے استبدادی نظام کے جال سے باہر نہیں نکل سکے تھے۔

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد گوہرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد

(انسان نے بصیرت کے فقدان کے باعث انسانوں کی غلامی اور پرستش کو اپنا شعار بنا لیا۔ اپنے جوہر ذاتی اور آزادی کے قیمتی ہیرے کو قباد ساسانی اور جمشید جیسے شہنشاہوں کے حضور نذرانے کی صورت میں پیش کر دیا۔)

یعنی از خوے غلامی زسگان خوار تراست من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سر خم کرد

(درحقیقت غلامی سے خوگری کے باعث آج کا انسان کتوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ آج تک میں نے کسی کتے کو دوسرے کتے کے سامنے سر جھکاتے ہوئے نہیں دیکھا۔)

اس تمام کشمکش میں آپ خود فارسی گو خطوں یعنی ایران' افغانستان اور سمرقند و بخارا کی سرزمین کی جانب دیکھ رہے تھے آپ کو مستقبل کی امیدیں اسی خطے سے تھیں۔

اگرچہ زادۂ ہندم فروغ چشمِ من است زخاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

(اگرچہ میں ہندوستان میں پیدا ہوا ہوں مگر میری آنکھوں کی روشنی بخارا' کابل اور تبریز کی پاک مٹی کی وجہ سے ہے۔)

آپ کو اہل تبریز (یعنی ایرانیوں) سے خاص قسم کی امیدیں وابستہ تھیں۔ آپ یہاں کے لوگوں کی مخفی توانائیوں اور خصائل کے معترف تھے۔ آپ نے کس خوبصورت انداز میں اپنے اردو اشعار میں فرمایا ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے — وہی آب و گِلِ ایراں' وہی تبریز ہے ساقی
نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے — ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

شروع شروع میں آپ کو خاک عرب اور اہل عرب سے بھی توقعات وابستہ رہی ہیں۔

عرب از سرشکِ خونم ہمہ لالہ زار بادا — عجم رمیدہ بو را نفسم بہار بادا

(میرے خون کے آنسوؤں کے باعث سرزمین عرب لالہ زار بن جائے اور وہ عجم جس کی خوشبو اُڑ چکی ہے اس کے لئے میری سانسیں بہار کے جھونکوں میں بدل جائیں۔)

لیکن مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ آپ کی توقعات عجم سے وابستہ ہوتی چلی گئیں اور آپ اہل عرب سے مایوس ہوتے چلے گئے۔

نوائے من بہ عجم آتشِ کہن برافروخت — عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

(میری نواؤں کے باعث ایران کی قدیم آگ دوبارہ روشن ہو کر وہاں کے لوگوں کی روح کو گرما رہی ہے مگر عرب میرے شوق کے نغموں سے ابھی تک بے خبر ہے۔)

پھر آپ نے عجم کو اپنے اشعار و افکار (چشم حال) سے جس طرح متاثر پایا' اس کا اظہار یوں فرمایا ؎

عجم از نغمۂ شوقم آتش بجان است — صدائے من درائے کاروان است

(میرے شوق کے نغموں کے باعث عجم کی جان میں آگ لگ گئی ہے اور میری آواز قافلے کے آگے آگے بجنے والی گھنٹی یعنی درا کا کام کر رہی ہے۔)

اور

حدی را تیز تر خوانم چو عرفی — کہ رہ خوابیدہ و محمل گران است

(میں عرفی شیرازی کی طرح حدی یعنی قافلے کے ساتھ ساتھ گائے جانے والے مخصوص گیت کو تیز تیز انداز میں گا رہا ہوں کیونکہ راستے بھر میں لوگ سوئے ہوئے ہیں اور محمل کافی بھاری محسوس ہو رہی ہے۔)

آپ کی صدائیں جب عجم میں روح پھونک رہی تھیں تو آپ کو اپنی محنت بار آور ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھی اور آپ ایک صبح تاباں کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپ نے کس خوش اسلوبی سے فرمایا ؎

عجم از نغمہ ہائے من جواں شد — ز سودایم متاعِ او گراں شد

نغمے بود رہ گم کردہ در دشت　　ز آوازِ درایم کارواں شد

(بالآخر ایران میرے مسلسل گائے جانے والے نغمات کی بدولت جوان ہو گیا اور اس میں زندگی کا جوش واپس لوٹ آیا۔ یہ میرا جوش جنون تھا جس نے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا۔ ایران کیا تھا' کسی صحرا میں بھٹکے ہوئے لوگوں کا قافلہ تھا' جو میری بانگ درا یعنی قافلے کو مجتمع کرنے والی گھنٹی کی آواز سے ایک کارواں بن گیا۔)

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا　　ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

(اس کاروان کے راستے میں مشکلات تھیں اور پریشانیاں تھیں۔ نہ کوئی منزل متعین تھی اور نہ راستے کے نقوش واضح تھے۔ علامہ اقبال کی آرزو تھی کہ وہ ایک منزل پا لے۔)

شبِ تاریک و راہِ پیچ پیچ و بے یقین راہی　　دلیلِ کارواں را مشکل اندر مشکل افتاد است

(رات اندھیری ہے راستہ بل کھاتا ہوا اور پیچا پیچ ہے مسافر بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہیں ایسے کارواں کی منزل مقصود کی جانب سفر میں مشکلات ہی مشکلات درپیش ہیں۔)

ان تمام واقعات اور حالات کے ادراک کے باوجود آپ کبھی محبت سے اور کبھی تشویق سے کارواں کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہے تھے ؎

زندہ کن باز آن محبت را کہ از نیروے او　　بوریاے رہ نشینے در فتد با تخت کے

(ایسی محبت کو زندہ کر دو یعنی وطن اور دین کی محبت میں سرشار ہو جاؤ اور موت کی پروا نہ کرو۔ آپ کے اس جذبہ کے باعث ایک رہ نشین درویش کا بوریا کیقباد کے تخت سے ٹکرا جائے گا۔)

آپ کی نگاہوں میں جو قوم مشرق کے دینی اور فکری احیاء کے باعث مستقبل کی موہوم تصویر تھی' وہ شاید کچھ اس طرح کی تھی ؎

دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب　　ممکن ہے کہ اِس دَور میں تعبیر بدل جائے
تہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا　　شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ دوسرے شعر کا ترجمہ جناب عرفانی مرحوم نے فارسی میں یوں کیا ؎

گر شود تہراں جنیوا از براے اہلِ شرق　　بو کہ تغیرے کند تقدیرِ شومِ روزگار

یہ ترجمہ ایران میں اس قدر مقبول ہوا کہ اکثر لوگوں نے اسے شعری ترجمہ کی بجائے حضرت علامہ اقبال کا اصلی شعر ہی سمجھ لیا۔

یہاں ہم نے علامہ اقبال کے بیان کردہ دیگر موضوعات سے پہلو تہی کی ہے جن کا فکری اور معنوی احاطہ آپ نے اپنے اشعار میں فرمایا ہے اور جس سے ایرانی قوم متاثر ہوئی ہے یا جن کا غلغلہ آج دوسرے فارسی گو علاقوں میں سنا جا رہا ہے۔ یہاں صرف انقلابِ ایران کے بارے میں بیان کردہ اشعار اور وہ بھی دانستہ طور پر فارسی اشعار ترجمے کے ہمراہ پیش کیے گئے ہیں۔ یہ تمام اشعار و افکار آہستہ آہستہ ایران میں ترویج پاتے چلے گئے اور ان کے باعث دیگر ایرانی شعراء و متکلمین نے آپ کی پیروی میں آپ ہی کے انداز و اسلوب میں شعر کہنا شروع کر دیئے اور مضامین لکھے۔ اگلے صفحات میں ہم بہت مختصر انداز میں چیدہ چیدہ ان شعراء اور مفکرین کے بارے میں کچھ لکھنے کی کوشش کریں گے جنھوں نے ایران میں علامہ اقبال کے کلام کی اشاعت اور آپ کے افکار کی تبلیغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں جناب محیط طباطبائی، ملک الشعراء محمد تقی بہار، جناب صادق سرمد، رضا زادہ شفق، جناب سعید نفیسی اور جناب علی شریعتی کے علاوہ ممتاز عالم دین علامہ آیت اللہ فیض، مجتبیٰ مینوی اور احمد سروش کی علامہ اقبال کے کلام کی ترویج کے لئے کاوشوں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ مجھے فخر ہے کہ میرے استاد جناب خواجہ ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی مرحوم نے اقبال کو ایرانیوں میں روشناس کروانے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے بے شمار مقالات کے علاوہ اقبال ایرانیوں کی نظر میں، گفتہ ہائے رومی و اقبال، رومی عصر، اقبال، عرفانی اور اقبالِ ایران جیسی کتب اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جن میں سے کچھ تو ایران میں بے حد مقبول ہوئیں۔ آپ فکر اقبال کے مبلغ کے طور پر ایران میں پہچانے گئے اور راقم الحروف نے اس کا مشاہدہ خود اپنے ایران کے سفروں کے دوران کیا۔

(جاری ہے)

سُودی معیشت سے چھٹکارا
وقت کی اہم ترین ضرورت

تحریر : حافظ عاکف سعید

سپریم کورٹ کے شریعت ایپلٹ بنچ میں سود کے مسئلہ پر بحث گزشتہ تین ماہ سے جاری ہے۔ بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دینے کا وفاقی شرعی عدالت کا تاریخ ساز فیصلہ حکومت کی مخالفانہ اپیل کے باعث گزشتہ دس برسوں سے تعطل کا شکار تھا۔ خدا خدا کرکے اس کی سماعت کی نوبت آئی تھی لیکن دو ماہ قبل جب یہ بحث اپنے پورے زوروں پر تھی اور عوام و خواص کی نظریں اس مسئلے کے حوالے سے سپریم کورٹ پر مرتکز تھیں تو اچانک ایک ماہ کے لئے اسکی سماعت معطل کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ چنانچہ کچھ عرصے کے لئے پاکستان کی ملی زندگی' ملکی معیشت اور مستقبل کے معاشی ڈھانچے کے اعتبار سے اہم ترین بحث ایک بار پھر پس پردہ چلی گئی۔ اوائل مئی ہی سے اگرچہ اس کی سماعت دوبارہ شروع ہو چکی ہے لیکن حکومت کا رویہ اس امر کی چغلی کھاتا ہے کہ وہ اس معاملے کو مزید طول دینے اور تاخیر و تعویق میں ڈالنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے ـــــ دوران سماعت فاضل جج حضرات کی جانب سے جو امید افزا کمنٹس آتے رہے ہیں ان کی بنیاد پر بجا طور پر یہ قیاس کیا جا رہا تھا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھا جائے گا اور حکومتی اپیل مسترد کر دی جائے گی۔ اس قیاس کی بنیاد اس گہرے اعتماد پر قائم تھی جو پاکستان کے عوام کو یہاں کی اعلیٰ عدالتوں پر تھا لیکن گزشتہ چند ماہ کے دوران اعلیٰ عدالتوں کے بعض یکطرفہ فیصلوں نے اس اعتماد کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے اور یہ تاثر عام ہو چکا ہے کہ اب ہماری اعلیٰ عدالتیں بھی حکومتی دباؤ کو نظر انداز کر کے آزادانہ فیصلے کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہیں ـــــ بہرکیف ہماری دعا ہے کہ یہ تاثر غلط ثابت ہو جائے اور سپریم کورٹ کا شریعت ایپلٹ بنچ سود کے مسئلہ میں حکومتی دباؤ سے آزاد ہو کر عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق حق بات کہنے اور درست فیصلہ کرنے کی ہمت و جرأت کر سکے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کی معیشت کو کھوکھلا کرنے اور ملک کو معاشی ہی نہیں اخلاقی دیوالیہ پن کی بھی آخری حدوں تک پہنچانے میں سُودی معیشت نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ سُودی معیشت پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے بدترین استحصالی نظام ہے جو "چہرہ روشن' اندروں چنگیز سے تاریک تر!" کا کامل مصداق ہے ـــــ معاشی عدل سے یکسر محروم اس نظام میں تمام ملکی و قومی وسائل اور دولت پر ایک مخصوص طبقہ قابض ہو جاتا ہے جسے قرآن نے "مترفین" کا نام دیا ہے' جبکہ ملک کی ایک عظیم اکثریت فقروافلاس کا شکار ہو کر "محرومین" کی فہرست میں شامل ہو جاتی ہے ـــــ تقسیمِ دولت کا یہ انتہائی غیر منصفانہ نظام محض طبقاتی تفریق ہی کو جنم نہیں دیتا بلکہ بدترین سماجی بگاڑ اور شدید اخلاقی گراوٹ کا موجب بھی بنتا ہے ـــــ مترفین اور محرومین اگرچہ ایک ہی قوم کے افراد اور ایک ہی معاشرہ کا حصہ ہوتے ہیں لیکن ان کے درمیان نہ صرف یہ کہ اخوت و بھائی چارے کی فضا پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوتا بلکہ بیگانگی اور غیریت ہی نہیں شدید نفرت و عداوت کی خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ ایسے استحصالی معاشرے میں محروم طبقات کو اگر موقع مل جائے تو وہ "طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی" کے مصداق اپنے "آقاؤں" کا گلا کاٹنے اور ان کی عزت و ناموس کی دھجیاں بکھیرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ایک جانب مترفین کی ہوسِ دولت انہیں "آدمی دَرّندہ' بے دندان و چنگ" کے مصداق خونخوار بھیڑیا اور ناؤنوش کا عادی بنا کر انسانیت کے شرف سے محروم کر دیتی ہے تو دوسری طرف "کاد الفقر ان یکون کفرًا" کے مصداق فقروافلاس کی انتہائی کیفیت "طبقہ محرومین" کو کفر کے دہانے تک لا پہنچاتی ہے۔ وہ محض ایک معاشی حیوان بن کر رہ جاتا ہے اور ایک غم روزگار کے سوا ہر دوسرا خیال اور بلند تر تصور یا نصب العین اس کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎

دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اس کی حیثیت ایک کولہو کے بیل یا باربرداری کے جانور کی ہوتی ہے' چنانچہ نہ اللہ اور آخرت کا خیال اُسے کبھی آتا ہے' نہ دین اور مذہب اور ان کے تقاضوں کی جانب اس کا دھیان جاتا ہے اور نہ ہی اخلاقی و معاشرتی اقدار اور اصولوں کی اس کی نگاہ میں کوئی

وقعت ہوتی ہے۔ گویا فی الواقع یہ طبقہ بھی "شرفِ انسانیت" سے محروم ہو کر حیوانات کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے میں کرپشن فروغ پاتی اور خیانت پھلتی پھولتی ہے۔ فقر و افلاس سے مجبور ہو کر ایک گروہ لوٹ مار کرتا اور ڈاکے ڈالتا ہے اور دوسرا گروہ جو نسبتاً "کم ہمت اور بزدل" ہوتا ہے' خودکشی اور خودسوزی کی راہ اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ آج کا پاکستانی معاشرہ اس ہولناک صورتحال کی عملی تصویر نہیں تو اور کیا ہے!!

انسانوں کو شرفِ انسانیت سے محروم کر دینے والا یہ ابلیسی نظام سُودی معیشت کے بل پر استوار ہوا ہے۔ یہ نظام اللہ کے ساتھ کھلی بغاوت پر مبنی ہے' یہی سبب ہے کہ قرآن و حدیث میں سُود کی حرمت کے ذکر میں سخت ترین الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ "اگر سُود سے باز نہیں آتے تو سن لو کہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے!!"

اہل پاکستان اور بالخصوص حکمران طبقے کو جان لینا چاہئے کہ سُودی معیشت سے جان چھڑائے بغیر اور اس منحوس استحصالی نظام سے رستگاری حاصل کئے بغیر نہ تو پاکستان کے معاشی و اقتصادی حالات میں کوئی مستقل و پائیدار تبدیلی لائی جا سکتی ہے' نہ ملک سے بددیانتی اور کرپشن کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی بدامنی اور خوف و ہراس کی موجودہ فضا کو امن و امان میں بدلا جا سکتا ہے ــــــ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ جاری رکھ کر ہم پاکستان کی حالت کو سدھارنا چاہتے ہیں؟

ایں خیال است و محال است و جنوں!

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۸
شمارہ : ۷
ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
جولائی ۱۹۹۹ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زر تعاون -/۱۰۰

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700- فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ملکی افق پر جنگ کے سائے دبیز سے دبیز تر ہو رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ کارگل سیکٹر سے شروع ہونے والی جھڑپیں ایک بڑی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ بڑی جنگ چھڑنے کے نتائج وعواقب کس درجے سنگین ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ ہر باشعور پاکستانی بخوبی کر سکتا ہے۔ ہمیں بحیثیت قوم جہاں ایک جانب ہر طرح کی صورتحال سے نمٹنے کے لئے پوری طور پر تیار اور چوکس رہنا ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ متوقع جنگ کو ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اس لئے کہ بدقسمتی سے ہم بحیثیت قوم اللہ کی رحمت و نصرت کے امیدوار بننے کی کم از کم شرائط کو بھی پورا نہیں کرتے۔ اس موضوع پر امیر تنظیم اسلامی کے اہم خطاب کی تلخیص بطور تذکرہ و تبصرہ زیر نظر شمارے میں شائع کی جا رہی ہے۔ ذیل میں موجودہ سنگین صورتحال کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی کا اخبارات کے لئے جاری کردہ تازہ ترین بیان ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے:

"پاکستان اور بھارت کے افق پر چوتھی جنگ کے بادل روز بروز زیادہ گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ آج ہی کے اخبارات میں سابق وزیر خارجہ پاکستان جناب آغا شاہی کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ ہم اس وقت "پل صراط" پر کھڑے ہیں۔

کارگل سیکٹر میں کشمیر کے مجاہدین حریت اور ان کے دیگر اعوان و انصار نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے اس سے فطری طور پر پاکستان کے مسلمان عوام کے سر بھی فخر سے بلند ہو گئے ہیں! —— اور اکثر محب قوم و وطن حلقوں کی جانب سے دینی و قومی غیرت و حمیت کے حوالے سے حکومت پاکستان پر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کسی اقدام سے کمزوری کا اظہار نہ ہونے دے اور کسی بھی طرح کے "کچھ لو اور کچھ دو" کے انداز کے معاہدے سے مجاہدین کی قربانیوں اور شہداء کے خون سے غداری کی مرتکب نہ ہو' خواہ بھارت اور پاکستان کے مابین بھرپور جنگ واقع ہو جائے' حتیٰ کہ ایٹمی اسلحہ تک کے استعمال کی نوبت آ جائے۔ اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ 'جیسے کہ اس طرح کے مواقع پر عام طور پر ہوتا ہے' جوش کی شدت میں ہوش کا دامن ہاتھ سے بالکل چھوٹ رہا ہے!

پاکستان اور بھارت کے مابین کھلی اور بھرپور جنگ کس قدر تباہی اور بربادی پر منتج ہو سکتی ہے —— اور خاص طور پر اگر خدانخواستہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال تک کی نوبت آ گئی تو اس کے کس قدر ناقابل تصور اور ہولناک نتائج نکلیں گے —— اس سے قطع نظر کچھ توجہ اس بات کی جانب بھی دینا ضروری ہے کہ کہیں ہم کسی عظیم عالمی سازش کا شکار تو نہیں ہو رہے! اس ضمن میں یاد ہو گا کہ سب سے پہلے عراق کے صدر صدام حسین نے کہا تھا کہ یہ جنگ امریکہ کی سازش کا مظہر ہے —— پھر لندن سے شائع ہونے والے ماہنامہ "امپیکٹ" کے سیاسی تجزیہ نگار نے لکھا کہ کشمیر میں موجودہ پاک بھارت کشیدگی اور لائن آف کنٹرول کے دونوں جانب

سے ایک دوسرے پر گولہ باری عالمی قوتوں کی شہ پر ہو رہی ہے تاکہ ایک بڑے تصادم کے نتیجے میں پاکستان کو کمزور کر کے اس سے جبراً ایٹمی پروگرام بھی ختم کرا لیا جائے اور کشمیر پر بھی کوئی کیمپ ڈیوڈ کی قسم کا معاہدہ کرا دیا جائے —— لیکن ان سب سے بڑھ کر پاکستان کے ایک انگریزی روزنامے نے اپنی ۲۱/جون کی اشاعت میں اس رپورٹ کا جو خلاصہ شائع کیا ہے جو امریکہ کے نیم سرکاری ادارے "رینڈ کارپوریشن" نے اب سے ایک سال قبل پینٹاگون کے لئے تیار کی تھی وہ تو بہت ہی چشم کشا اور قابل توجہ ہے۔ اسے پڑھ کر تو یاد آیا کہ جس طرح ۱۹۷۹ء میں ایرانی شہنشاہیت کے خاتمہ کا ایک نقشہ ایک سال قبل شائع ہونے والے ناول "کریش آف ۷۹ء" میں کر دیا گیا تھا' بالکل اسی طرح رینڈ کارپوریشن نے جو سینار یو آج سے ایک سال قبل تیار کیا تھا حالات حیرتناک حد تک بعینہٖ اسی رخ پر بڑھتے چلے جا رہے ہیں —— اور اگر خدانخواستہ اسی طرح بڑھتے چلے گئے تو رینڈ کارپوریشن کے تیار کردہ سینار یو کے مطابق آخری ڈراپ سین یہ ہو گا کہ ایٹمی اسلحہ کے استعمال کے "جرم عظیم" کی پاداش میں تمام عالمی قوتیں ہمارے خلاف مجتمع ہو جائیں گی اور امریکی افواج برصغیر میں اپنے پنجے جما لیں گی —— رینڈ کارپوریشن نے تو اس آخری ڈراپ سین میں بھارت اور پاکستان دونوں کو برابر کا شریک قرار دیا ہے' لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ایسی کسی صورتحال میں اصل نزلہ پاکستان ہی پر گرے گا اس لئے بھی کہ وہ عضو ضعیف کی حیثیت رکھتا ہے —— اور اس لئے بھی کہ اس کے عوام میں اسلامی فنڈامنٹلزم کے جراثیم پائے جاتے ہیں جو نیو ورلڈ آرڈر کے لئے سب سے بڑھ کر قابل حذر ہیں!

اندریں حالات پاکستان کے لئے اس وقت بہترین پالیسی یہ ہو گی کہ موجودہ کشیدگی کو ختم کرنے کے لئے بھارت سے اس اصول پر سمجھوتہ کر لے کہ جو کام اس نے دس بارہ سال قبل سیاچین میں کیا تھا' خود اس کے بقول وہی کام پاکستان نے کارگل میں کر لیا ہے۔ لہٰذا عوض معاوضہ گلہ ندارد کے اصول کے مطابق اب بھارت اپنی فوجیں سیاچین سے اتار لے تو پاکستان بھی مجاہدین سے کہے گا کہ وہ کارگل کی چوٹیاں خالی کر دیں —— اور پھر دونوں ممالک دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کا کوئی حل نکالیں۔ بصورت دیگر شدید اندیشہ ہے کہ ہم اپنی اس خداداد ایٹمی صلاحیت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں جو صیہونیت اور اس کی آلہ کار قوتوں کی آنکھوں اور دلوں میں خار کی طرح کھٹک رہی ہے —— العیاذ باللہ!

☆ ☆ ☆

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ —— پیش رفت

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے ضمن میں اب تک کی پیش رفت یہ ہے کہ حسب اعلان ۶/جون

کو محاذ کی مجلس شوریٰ کا پہلا باضابطہ اجلاس ہوا جس میں طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق محاذ میں شامل چاروں جماعتوں کے تین تین نمائندوں نے شرکت کی' جبکہ پاکستان شریعت کونسل جس کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی صاحب ہیں' کی جانب سے بھی دو نمائندے بطور مبصر اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ دستور کمیٹی نے محاذ کے دستور کا جو خاکہ مرتب کیا تھا اسے اجلاس میں پیش کیا گیا جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔

اس اجلاس میں عہدیداروں کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کو واضح اکثریت سے محاذ کا صدر منتخب کیا گیا۔ نائب صدر کے طور پر تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان کا انتخاب عمل میں آیا' جبکہ ناظم مالیات کے طور پر مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ناظم تعلیمات جناب مولانا محمد مبشر مدنی کا تقرر ہوا۔ بعد ازاں محاذ کے دستور کے مطابق معتمد اور ناظم نشر و اشاعت کا تقرر محاذ کے صدر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مجلس شوریٰ کے مشورہ سے کیا۔ ڈاکٹر عبدالخالق (تنظیم اسلامی) کو معتمد اور پروفیسر حفیظ الرحمٰن احسن (تحریک اسلامی) کو ناظم نشر و اشاعت مقرر کیا گیا۔

اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ فوری طور پر لاہور میں ایک بڑا سیمینار منعقد کیا جائے جس میں چاروں جماعتوں کا اکابرین شریک ہوں اور عوام الناس کو محاذ کے متفق علیہ نکات سے آگاہ کریں۔ تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ اس فیصلے پر عمل در آمد کرتے ہوئے ۴ جولائی کو بعد دوپہر الحمرا ہال نمبر ایک میں جلسۂ عام کا پروگرام طے کر لیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ایک بھرپور جلسہ ہو گا جس کے ذریعے اس محاذ کا تعارف وسیع تر حلقے میں ہو سکے گا۔

محاذ کا دستور جسے ۶ جون کے اجلاس میں اتفاق رائے سے منظور کیا گیا' سطور ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

دستور متحدہ اسلامی انقلابی محاذ

دفعہ نمبر ۱ : نام

نام : اس کا نام متحدہ اسلامی انقلابی محاذ ہو گا۔

دفعہ نمبر ۲ : مقصد

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کشاکش اقتدار سے کنارہ کش رہتے ہوئے قرآن حکیم کی ابدی ہدایت "اور تم سے ایک ایسی جماعت وجود میں آنی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے' نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے"۔ (آل عمران : ۱۰۴) کے بموجب -- اور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ اور منہاج اقدس کے مطابق دعوت و تبلیغ

کے ذریعے لوگوں کے نظریات و خیالات کو دین کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ بنانے' اور تعلیم و تزکیہ کے ذریعے ان کے اخلاق و اعمال کو دین کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی و جہد کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ الحاد و زندقہ' فواحش و منکرات' معاشرے کے کمزور طبقات یعنی خواتین اور بچوں پر ظلم و تشدد اور ان پر مستزاد عمومی سیاسی جبر و استبداد اور معاشی ظلم و استحصال کے خلاف باصطلاح حدیث نبویؐ زبان سے جہاد کا آغاز توفی الفور کر دے گا' اور کوشش کرے گا کہ اتنی معتدبہ قوت فراہم ہو جائے کہ ہاتھ یعنی طاقت کے ساتھ بھی جہاد کیا جاسکے۔ تاآنکہ سلطنت خداداد پاکستان میں دین حق کا نظام عدل اجتماعی قائم اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے' یا اللہ ہمیں اسی راہ میں شہادت کی موت عطا فرمادے!

دفعہ نمبر ۳ : شرائط شمولیت

(i) اس محاذ میں سیکولر نظریات یا مزاج کی حامل کوئی سیاسی جماعت شامل نہیں ہو سکے گی۔
(ii) خالص دینی و مذہبی جماعتیں خواہ کسی بھی مسلک کی حامل ہوں' اس میں شامل ہو سکیں گی۔
(iii) اس میں صرف وہ دینی جماعتیں شامل ہو سکیں گی جن کی تنظیم پورے ملک میں معروف ہو۔
(iv) محاذ میں کسی نئی جماعت کی شمولیت پہلے سے شامل جماعتوں کے اتفاق رائے سے ہو گی۔
(v) محاذ اصلاً جماعتوں پر مشتمل ہو گا۔ البتہ اہم افراد معاونین کی حیثیت سے شامل ہو سکیں گے' جو مشورے تو دے سکیں گے لیکن فیصلوں میں شریک نہیں ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۴ : عہدیداران اور ان کا تقرر

ابتداءً پانچ عہدیداران ہوں گے۔ البتہ بعد میں ضرورت داعی ہوئی تو مزید عہدیداروں کا تقرر ہو سکے گا۔

(ا) ۱۔ صدر : صدر کا انتخاب بذریعہ خفیہ رائے دہی عمل میں آئے گا اور وہ شوریٰ کے کل ارکان کی اکثریت سے منتخب ہو گا۔

۲۔ نائب صدر : نائب صدر کا انتخاب بذریعہ خفیہ رائے دہی عمل میں آئے گا اور وہ شوریٰ کے کل ارکان کی اکثریت سے منتخب ہو گا۔

۳۔ معتمد : اس کا تقرر صدر محاذ شوریٰ کے مشورے سے کرے گا۔

۴۔ ناظم مالیات : اس کا انتخاب بھی بذریعہ خفیہ رائے دہی سے ہو گا اسے شوریٰ کی اکثریت منتخب کرے گی۔

(نوٹ صدر اور ناظم بیت المال دو مختلف جماعتوں سے ہوں گے)۔

۵۔ ناظم نشرو اشاعت : اس کا تقرر صدر محاذ شوریٰ کے مشورے سے کرے گا۔

(ب) محاذ کے عہدیداران کا تقرر سالانہ ہو گا۔ تاہم کسی عہدیدار کی غیر اطمینان بخش کارکردگی (وہ عہدیدران جن کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوا ہو گا) کی صورت میں مجلس شوریٰ کی دو تہائی اکثریت کی رائے کی بنا پر دوران سال بھی کیا جاسکے گا۔

دفعہ نمبر ۵ : لائحہ عمل

محاذ کے طے شدہ مقاصد کے حصول کی خاطر مشترکہ جلسے۔ نہی عن المنکر کے حوالے سے پرامن اور منظم مشترکہ مظاہرے' نیز دعوتی پمفلٹ و پوسٹرز استعمال کئے جائیں گے۔ ☆

دفعہ نمبر ۶ : اختلاف کے حقوق و آداب

۱۔ محاذ میں شامل کوئی تنظیم کسی دوسری رکن تنظیم پر تنقید کے لئے ذرائع ابلاغ یا پبلک پلیٹ فارم کو ذریعہ نہیں بنائے گی۔

۲۔ محاذ کے کسی فیصلے سے پہلے کوئی شریک تنظیم محاذ کے حوالے سے کوئی بیان نہیں دے گی۔

۳۔ محاذ کی پالیسی نیز رکن تنظیموں کے مابین اختلافات (اگر کوئی ہوں تو) اجلاس شوریٰ میں زیر بحث آسکیں گے تاہم اجلاس شوریٰ میں بھی مسلکی اختلافات زیر بحث نہیں آئیں گے۔

دفعہ نمبر ۷ : نظام مشاورت : شوریٰ

۱۔ ہر رکن تنظیم کے تین تین افراد (جن کو رکن تنظیم از خود نامزد کرے گی) شوریٰ میں شامل ہوں گے۔ ہر تنظیم اپنے ارکان شوریٰ کو تبدیل کرنے کی مجاز ہوگی تاہم اس کی تحریری اطلاع محاذ کے معتمد کو دینے کی پابند ہوگی۔

۲۔ سوائے انتخاب / معزولی کے تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوں گے۔

۳۔ ہر اہم موقع پر کوئی بھی شریک تنظیم محاذ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانے کی فرمائش کر سکے گی۔ جس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے اندر مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانا محاذ کے معتمد کی ذمہ داری ہوگی۔

دفعہ نمبر ۸ : نظام مالیات

۱۔ معمول کے اخراجات کے لئے ہر جماعت کم از کم دو ہزار روپے ماہانہ زر تعاون پیش کرے گی۔

۲۔ محاذ کا بینک اکاؤنٹ صدر' ناظم بیت المال اور معتمد کی مشترکہ تحویل میں ہوگا۔ ان میں سے کسی دو حضرات کے دستخطوں سے رقوم نکالی جا سکیں گی۔

۳۔ ہنگامی ضروریات کے لئے رکن تنظیموں سے مزید تعاون کی اپیل کی جائے گی نیز ضرورت متقاضی ہوئی تو عمومی چندے کی اپیل بھی کی جا سکے گی۔

☆ ۱۔ محاذ میں شریک تنظیمیں اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے اپنے طریق کار کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہوں گی۔ البتہ کوشش کی جائے گی کہ مختلف دعوتی اور تربیتی پروگراموں میں بھی اشتراک عمل ہو تاکہ کارکنوں کے مزاجوں میں زیادہ سے زیادہ قرب اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔

۲۔ اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ کسی رکن تنظیم کا کوئی عملی قدم محاذ کی مجموعی پالیسی سے متصادم نہ ہو۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

تذکرہ و تبصرہ

بھارتی جارحیت کے مقابلہ کے ضمن میں
اللہ کی نصرت کے حصول کی اوّلین شرط

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

برّ ِعظیم پاک و ہند کے افق پر پاکستان اور بھارت کے درمیان چوتھی جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں اور اس وقت بھارت کو مقبوضہ کشمیر کے کارگل سیکٹر میں انتہائی خفّت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بھارت نے طاقت کے زعم میں پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی جس کے جواب میں پاکستان نے اس کے دو مگ طیارے مار گرائے۔ یہ بات اپنی جگہ پر ایک حقیقت واقعہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مابین کسی محدود خطے میں ہونے والی جنگ میں ہمیشہ پاکستان کا پلہ بھاری ہوتا ہے۔ اس کی اوّلین مثال ۴۸ء کی غیر اعلانیہ جنگ تھی' جس کی وجہ سے بھارت کو گھبراہٹ کے عالم میں اقوامِ متحدہ کے پاس جانا پڑا اور کشمیر میں استصوابِ رائے کا وعدہ کر کے وہ بمشکل اپنی جان بچا سکا۔ اسی طرح رن آف کچھ کے میدان میں بھی بھارت کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ محدود جنگ میں بھارت کی عسکری میدان میں عددی برتری بروئے کار نہیں آ سکتی' جبکہ اس کے مقابلے میں پاک فوج کے سپاہیوں اور درمیانے درجے کے افسروں میں جہاد کا جذبہ بھی ہے اور ذوقِ شہادت بھی۔ چنانچہ اگر جذبے کا جذبہ سے موازنہ و مقابلہ ہو تو بھارت کے مقابلے میں پاکستان کو واضح برتری حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدود پیمانے پر پاکستان کے ساتھ جنگ میں لازماً بھارت کو ہزیمت' خفت اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اس صورتحال میں بھارت کے پاس واحد لائحہ عمل یہ رہ جاتا ہے کہ وہ اس محدود جنگ کو پورے علاقے تک پھیلا دے کیونکہ اس صورت میں بھارت کی عددی برتری اس کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی غالب آبادی بھی بھارت کے خلاف مزاحمت کر رہی ہے۔ ان حالات میں اس بات کا شدید اندیشہ موجود ہے کہ بھارت پاکستان پر حملہ

آور ہو جائے۔ چنانچہ اب اگر بھارت اور پاکستان کے مابین بھرپور جنگ برپا ہو جاتی ہے تو پاکستان تین اعتبارات سے بھارت کے مقابلے میں کم تر ہے۔ ایک یہ کہ بھارت کے ساتھ ہماری دفاعی سرحد چونکہ بہت طویل ہے' لہٰذا یہاں مناسب تعداد میں فوج کو دفاعی مقاصد کے لئے ہمہ وقت چوکس رکھنا ہماری موجودہ دفاعی قوت کو نہ صرف منتشر کرنے کا باعث ہوگا بلکہ اتنی طویل سرحد پر سپلائی لائن کو برقرار رکھنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جغرافیائی اعتبار سے ہماری گہرائی (depth) بہت کم ہے جو دفاعی نقطۂ نگاہ سے تشویش کا باعث ہے۔ پاکستان کی کل چوڑائی شمال مشرق سے جنوب مشرق تک قریباً دو سو میل چوڑی پٹی کی مانند ہے اور ہماری پوری کی پوری لائف لائن بھی سرحد کے ساتھ ساتھ ہی گزرتی ہے۔ سندھ کا بالائی علاقہ جسے دفاعی اعتبار سے "پاکستان کا سافٹ بیلی" کہا جاتا ہے' وہاں خیرپور اور بہاولپور کے علاقوں میں ہماری ریلوے لائن اور دیگر تنصیبات پاک بھارت سرحد سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اگر بھارت معمولی سی پیش قدمی کرکے اس علاقے پر قابض ہو جائے تو پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا رابطہ ملک میں ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا دونوں ممالک میں محدود جنگ کے نتائج پاکستان کے حق میں ہوں گے جبکہ پورے خطے میں جنگ پھیل جانے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ بھارت کا پلڑا بھاری ہوگا۔

بھارتی وزیراعظم مسٹر واجپائی نے حالیہ خطاب میں یہ کہا ہے کہ "ہمیں قوی اُمید ہے کہ پاکستان ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کی حماقت نہیں کرے گا"۔ بھارتی وزیراعظم کے اس بیان کے پس پردہ یہ حقیقت جھلکتی ہے کہ بھارت جنگ کو پورے خطے تک وسیع کرنے کے لئے پر تول رہا ہے۔ لہٰذا موجودہ صورتحال میں اس بات کا قوی اندیشہ موجود ہے کہ پاکستان اور بھارت میں جنگ کا میدان گرم ہو جائے ؂

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دُعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

اقبال کے اس شعر کے مصداق میری دعا تو یہی ہے کہ دونوں ممالک کے مابین جنگ نہ ہو کیونکہ یہ جنگ بڑی تباہ کن اور خوفناک ہوگی۔ تاہم تلخ حقائق کو نظرانداز کرنے کا رویّہ بھی درست نہیں ہے ؂

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ!

بہر حال ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر دونوں ممالک کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو اس ضمن میں کیا ہمیں اللہ کی مدد حاصل ہو گی؟ میں قطعی یقین کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اِس وقت بحیثیتِ قوم ہم اللہ کی مدد و نصرت کے مستحق نہیں ہیں۔ وہ اس لئے کہ یہ ملک ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا' نصف صدی کا عرصہ گزر جانے کے باوجود یہاں سودی نظام نافذ العمل ہے اور یوں ہم اللہ اور رسولؐ کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔ حال ہی میں سود پر جوئے کی لعنت کا اضافہ کر کے ﴿ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ﴾ کا طرزِ عمل اختیار کیا گیا ہے۔ جس قوم نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو اس درجہ اپنے رگ وپے میں سرایت اور پیوست کر رکھا ہو وہ اللہ کی مدد کی کیونکر مستحق ہو سکتی ہے! اسی طرح قرآن و سُنّت کی بالادستی کا معاملہ ابھی تک معلق ہے' نتیجتاً پاکستان کا دستور منافقت کا بہت بڑا پلندہ بن چکا ہے کہ دستور میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار بھی موجود ہے مگر بالفعل طاغوت کی حکمرانی ہے اور پرنالہ وہیں کا وہیں بہہ رہا ہے اور اسلام کا معاملہ "ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے" کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی ہزاروں سفارشات ردی کی ٹوکری کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی تو اس پر کئی طرح کی قدغنیں لگا دی گئیں' اس کے علماء ججوں کا دیگر ججوں کے مقابلے میں رتبہ بھی کم رکھا گیا۔ لہٰذا اِن وجوہ کی بناء پر قراردادِ مقاصد' اسلامی نظریاتی کونسل' وفاقی شرعی عدالت' اور دفعہ ۲۲۷ سمیت سب کچھ عملاً غیر مؤثر ہے۔ اب خدا خدا کر کے قرآن و سُنّت کی بالادستی کے لئے ۱۵ ویں ترمیم تو لائی گئی ہے مگر اس کی ساتھ "فاشزم" کے جراثیم بھی ملحق کر دیئے گئے ہیں۔ ان حالات میں ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے ہرگز مستحق نہیں رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف سے مہلت عطا فرما دے۔ بقول شاعر ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا — پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر — لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا!

اگر بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کا اظہار ہو سکتا ہے تو اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اچانک اپنی رسی کو کھینچ بھی لیتا ہے۔ بنی اسرائیل کو بھی اسی

طرح کا زُعم تھا کہ وہ خود کو اللہ کے چہیتے اور لاڈلے سمجھتے تھے مگر انہیں بار بار اللہ کی پکڑ سے دوچار ہونا پڑا۔ بالکل یہودی کی طرح امت مسلمہ بھی کئی مرتبہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں آ چکی ہے۔ سپین کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ بوسنیا کے بعد کوسوو میں مسلمانوں کی نسل کشی کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ یہ علاقہ یورپ کا جنوب مغربی کنارہ ہے جبکہ سپین یورپ کا شمال مشرقی کونا تھا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴾ "اے انسان تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے تیرے رب کی شانِ کریمی کے حوالے سے"۔ اللہ تعالیٰ جہاں غفور اور رحیم ہے وہیں وہ شدید انتقام لینے والا بھی ہے' لہٰذا اس کی مصلحت میں ابھی ہمارے لئے کچھ اور مہلت باقی ہو اور وہ ہم پر کرم فرمائی کر کے ہمیں ماضی کی طرح بچالے تو کچھ عجب نہیں' مگر ہم اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے قطعاً اللہ کی مدد کے مستحق نہیں ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے کہ اس وقت مقبوضہ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں پاکستانی حکومت کا اخلاقی اور سفارتی مدد کے سوا کوئی اور کردار نہیں اور اس جدوجہد آزادی میں اگر کچھ پاکستانی شریک بھی ہیں تو وہ اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت میں سورۃ النساء کی آیت ۷۵ کے حوالے سے وہاں جدوجہد کر رہے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے "اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ مسلمانوں کے بوڑھے مرد' عورتیں اور بچے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ پروردگار ہمیں ظالموں کی اس بستی سے نکال لے اور ہماری اپنے خصوصی فضل سے غیبی مدد فرما" تو یہ بالکل علیحدہ معاملہ ہے۔ ایسی صورتحال میں پاکستان کو بھارت پر واضح اخلاقی برتری حاصل ہے لیکن اگر حکومتی موقف کے برعکس پاکستان کی افواج یا حکومتی ایجنسیوں کا مقبوضہ کشمیر میں باقاعدہ عمل دخل موجود ہو اور یہ ادارے مجاہدین کشمیر کو اسلحہ بھی فراہم کرتے ہوں' اور ان کو تربیت دے رہے ہوں تو پھر ہمارے پاس اخلاقی قوت کیونکر ہو سکتی ہے؟ باقی جہاں تک مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے جہاد کا تعلق ہے' اپنی جگہ یہ یقیناً ایک بہت بڑا کارِ خیر ہے' لیکن ہمارے لئے جہاد کا اصل اور اوّلین ہدف ہمارا اپنا ملک ہے کہ اسے اسلام کا گہوارہ بنائیں' کیونکہ جب تک پاکستان میں باطل نظام کا غلبہ ہے' سودی نظام کی

حکمرانی ہے اور ہم دنیا کے طاغوتِ اعظم کے چاکرِ اعظم بنے ہوئے ہیں، تاہم سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کے مخاطب نہیں ہو سکتے، ہم جو لوگ خود کو اس آیت کا مصداق سمجھ کر وہاں جہاد کر رہے ہیں اپنی نیت کے مطابق اس کا پھل پالیں گے۔

اگر ہم قومی و ملکی سطح پر فی الواقع اہل کشمیر کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو پھر سورۃ الانفال کی ہدایت کے مطابق ہمیں بھارت کے ساتھ اپنے سفارتی، تجارتی اور ثقافتی تعلقات کو ختم کر کے ببانگ دہل اعلان جنگ کرنا چاہئے!

میری رائے میں اس وقت حکومت پاکستان کی طرف سے بھارت کے ساتھ اختیار کردہ رویّہ کمزوری کا مظہر ہے۔ ہماری حکومت کا یہ رویہ اخلاقی قوت کے فقدان کا سبب ہے۔ بھارت کی جانب سے فضائی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے طیاروں کو گرا لینا آبرومندانہ اور جرأت مندانہ اقدام تھا۔ لیکن اب بھارتی حکومت کے بار بار انکار کے باوجود وزیر خارجہ سرتاج عزیز کو مذاکرات کے لئے بھارت بھجوانے کی "عاجزانہ" پیش کش حکومت کی واقع کمزوری کا اظہار ہے ؎

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ مرے فرش پر نہ رینگ!

اسی طرح کا معاملہ بھارت کے گرفتار پائلٹ کی واپسی کا ہے۔ بھارت کی طرف سے پائلٹ کی واپسی کے مطالبہ کے جواب میں حکومت پاکستان کے واضح انکار کے چند ہی دنوں بعد اس بھارتی پائلٹ کو غیر مشروط طور پر ریڈ کراس کے حوالے کر دینا شکست خوردہ ذہنیت کا مظہر ہے جبکہ بھارتی سفارت خانہ اپنے پائلٹ کو واپس لینے کے لئے تیار بھی نہ تھا۔

ان حالات میں میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اب بھی موقع ہے کہ ہم خلوص نیت کے ساتھ توبہ کریں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ قومِ یونس کی طرح ہماری بھی اجتماعی توبہ کو قبول فرمالے۔ کیونکہ ملک و قوم کو درپیش مشکل کی اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل کرنا ہمارے لئے لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے حصول کی اولین شرط یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم اجتماعی توبہ کریں، جس کی عملی صورت کے طور پر حکومت کو فوری طور پر چار اقدامات کرنے ہوں گے :

۱) حکومت فی الفور بینکوں کی طرف سے جاری کردہ انعامی سکیموں پر پابندی کا

اعلان کرے۔

۲) سودی نظام کے خاتمے کے ابتدائی قدم کے طور پر راجہ ظفرالحق کی سفارشات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

۳) قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کی راہ میں حائل رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے شریعت بل کی دفعہ ۲ کی ذیلی شق ۲ کو حذف کر کے شریعت بل کو غیر متنازعہ بنا کر موجودہ سینٹ سے منظور کرایا جائے اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار پر عائد ہر قسم کی پابندیاں ختم کر کے عالم ججوں کی تعداد بڑھا کر ان کی شرائطِ ملازمت کو اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کے مساوی کیا جائے۔

۴) الیکٹرانک میڈیا پر بے حیا ثقافت کا فوری سدباب کیا جائے' ڈش انٹینا پر پابندی عائد کی جائے اور ٹی وی پر بھارتی اور مغربی ثقافت کی نمائش کو بند کرنے کا حکم جاری کیا جائے۔ ان اقدامات کے بعد ہی ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت کے امیدوار بن سکتے ہیں۔

توبہ کے حوالے سے قومِ یونسؑ کے علاوہ تاریخ میں خود ہندوستان کے دو عظیم رہنماؤں کی توبہ کا ذکر ملتا ہے' ایک محمود غزنوی کا کہ جب اسے سومنات کی فتح کے وقت بڑا سخت مرحلہ درپیش آ گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے سچے دل کے ساتھ اللہ کی جناب میں توبہ کی۔ اللہ نے اس کی یہ توبہ قبول فرمالی اور جبکہ سومنات کو بچانے کیلئے ہندوستان کا پورا کفرستان محمود غزنوی کے مقابلہ پر صف آراء تھا اسے فتح و نصرت سے نوازا۔ دوسرا موقع اس سے بھی سخت تر تھا' جب ظہیرالدین بابر کا مقابلہ رانا سانگا سے ہوا اور بابر کے مقابلے میں ہندوستان کی پوری راجپوت قوت جمع ہو گئی تھی۔ اس وقت بابر نے مخلصانہ توبہ کی اور شراب کے تمام برتن توڑ ڈالے اور اللہ کو مدد کے لئے پکارا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ظہیرالدین بابر کو رانا سانگا کے مقابلے میں فتح عطا فرمائی۔ انہی واقعات کی روشنی میں پاکستان کے موجودہ حکمرانوں کو حقِ نصیحت ادا کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ وہ بھی اگر محمود غزنوی اور ظہیرالدین بابر کا انداز توبہ اختیار کریں گے تو بچاؤ کی صورت ہے۔ نیز اس مشکل گھڑی میں حکمران طبقہ' عسکری قیادت اور پوری قوم کو سورۃ الانفال کی آیات ۱۵'۱۶ اور ۴۵'۴۶'۴۷ میں دی گئی ہدایات کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اور ان آیات میں دی گئی رہنمائی کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کا وسیع پیمانے پر پرچار کیا جانا چاہئے۔ ان

آیات کا ترجمہ یہ ہے :

"اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہو گا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ (الانفال ۱۵'۱۶)

"اے ایمان والو! جب تم جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

(الانفال ۴۵'۴۶)

بقیہ : عرضِ احوال

عمومی چندے کی اپیل میں سنجیدگی اور متانت کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہو گا۔ (قربانی کی کھالیں ہرگز اکٹھی نہیں کی جائیں گی)

دفعہ نمبر ۹ : علیحدگی یا اخراج

۱۔ علیحدگی اختیار کرنا ہر رکن تنظیم کی آزاد مرضی پر منحصر ہو گا۔ تاہم ایک مرتبہ علیحدگی اختیار کرنے والی تنظیم کو دوبارہ محاذ میں شامل ہونے کے لئے تحریری درخواست دینا ہو گی۔ جس کو منظور یا رد کرنے کا فیصلہ محاذ کی شوریٰ اتفاق رائے سے کرے گی۔

۲۔ محاذ کے مقاصد سے عدم دلچسپی' محاذ کے مقاصد کے خلاف کام کرنے یا محاذ کی ساکھ کو مجروح کرنے کی صورت میں شوریٰ کی دو تہائی اکثریت سے کسی رکن تنظیم کو محاذ سے خارج کیا جا سکے گا۔

۳۔ خارج کی گئی تنظیم اگر اپنے طرز عمل کی اصلاح پر آمادہ ہو اور اپنے گزشتہ طرز عمل پر تحریری معذرت پیش کرے تو شوریٰ کے اتفاق رائے سے اسے دوبارہ محاذ میں شامل کیا جا سکے گا۔

"متاعِ غرور"

دُنیا کی زندگی کی حقیقت' قرآن و حدیث کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

خطبہ مسنونہ' تلاوتِ آیات اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا:

آج کی گفتگو کا عنوان ہے "متاع الغرور" - یہ مرکب اضافی ہے' یعنی "دھوکے کا سامان"- قرآن مجید میں یہ ترکیب دو جگہ وارد ہوئی ہے- ایک تو سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸۵ میں اور دوسرے سورۃ الحدید کی آیت ۲۰ میں- یعنی قرآن مجید میں دو جگہ اس حیاتِ دُنیوی کو "متاعُ الغرور" (دھوکے کا سامان) قرار دیا گیا ہے : ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ ﴾ "یہ دُنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ نہیں-" سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۴ میں بیان ہوا ہے کہ یہ دھوکے کا سامان کس حوالے سے ہے؟ دراصل اس آیت مبارکہ کے بغیریات واضح نہیں ہوتی ﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ یعنی "یہ دُنیا کی زندگی تو سوائے کھیل اور تماشے کے اور کچھ نہیں' اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' کاش انہیں معلوم ہوتا-" قرآن مجید میں چار مقامات پر اس دُنیا کی زندگی کو "لہو و لعب" یا "لعب و لہو" سے تعبیر کیا گیا ہے اور دو جگہ "متاع الغرور" کے الفاظ سے- اس اعتبار سے غور طلب بات یہ ہے کہ یہ دُنیا کی زندگی اللہ نے ہمیں دی ہے' یہ کائنات اس نے بنائی ہے' اس نے خود ہمیں اس دُنیا میں بھیجا ہے- ظاہر بات ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے ﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ اللہ نے اسے بے کار و بے مقصد نہیں بنایا- یہ کوئی وہم نہیں ہے' یہ ایک حقیقت ہے' اللہ کی خلاقی کا مظہر ہے- پھر اس نے ہمیں خلافت کا مقام عطا فرمایا ہے- ان تمام حقائق کی موجودگی میں یہ حیاتِ دُنیوی بہت بڑی حقیقت بن کر سامنے آتی ہے- بعض فلسفیوں کے خیال کے برعکس یہ وہم ہے نہ گمان ہے بلکہ یہ ایک حقیقت واقعہ ہے- یہ دُنیا محسوس ہوتی ہے' اس کا درد' دکھ اور کرب بھی محسوس ہوتا ہے اور اس کی مسرت اور خوشی بھی

محسوس ہوتی ہے۔ اور پھر یہ ایسی شے ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خلیفہ پیدا فرمایا : ﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ خلافت ارضی کا تاج حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی نسل کے سر پر رکھا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اتنا سب کچھ کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو دھوکے کا سامان کس اعتبار سے کہا؟

اس سوال کا درست جواب یہ ہے کہ اگر حقیقت زندگی کا درست تصور ہمارے سامنے واضح رہے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے زندگی کے بارے میں بڑی خوبصورت بات کہی ہے ؎

تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی

یہ جو اللہ تعالیٰ کی خلاقی کا نقطۂ عروج ہے ـــــ انسان ـــــ قرآن مجید میں اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ﴿ خَلَقْتُهٗ بِیَدَیَّ ﴾ یعنی میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ اسی انسان کا مزید اکرام بایں الفاظ فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝ ﴾

(بنی اسرائیل ۰ ۷۰)

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

حتیٰ کہ اسے فرشتوں سے بھی برتر مقام عطا فرمایا اور اس کے بارے میں فرشتوں سے فرمایا:

﴿ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ ﴾

(الحجر ۰ ۲۹)

"پھر جب میں اس کی نوک پلک سنوار دوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔"

"رُوْحِیْ" مرکب اضافی ہے۔ اللہ تعالیٰ خاص طور پر روح کو اپنی جانب منسوب کر

رہا ہے جو حضرت آدم میں پھونکی گئی۔ "جب میں اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔" قرآن مجید میں کس شدومد سے اور تکرار کے ساتھ یہ بات واضح کی گئی ہے کہ آدم علیہ السلام کے سامنے 'بلا استثناء' تمام ملائکہ سجدے میں گر پڑے۔ ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴾ اس آیت میں تین الفاظ قابل غور ہیں۔ "الملائکۃ" میں "ال" لام حصر ہے کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا' کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو جائے کہ شاید اس میں بڑے فرشتے نہ ہوں' اس لیے فرمایا "كُلُّهُمْ" (سب کے سب) پھر مزید کوئی شبہ نہ رہ جائے' ارشاد فرمایا: "اَجْمَعُوْنَ" کہ سب نے سجدہ کیا۔

حیاتِ انسانی کے سفر کا آغاز

اب آیئے انسانی زندگی کے سفر کی طرف کہ یہ کب اور کہاں سے شروع ہوا' تاکہ انسانی حیات کی اہمیت سے آگاہی ہو۔ دُنیا میں تو انسان کی زندگی بالعموم پچاس' ساٹھ یا ستر برس ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس کی زندگی بہت طویل ہے۔ حیاتِ انسانی کے دو پہلو تو وہ ہیں جو اکثر لوگوں کے علم میں ہیں : حیاتِ دُنیوی 'یعنی دُنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک۔ یہ ایک وقفہ ہے۔ پھر اس کے بعد حیاتِ اُخروی ہے' جس کا آغاز موت واقع ہونے کے بعد عالم برزخ سے ہو گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دُنیا میں آنے سے پہلے بھی ہم ایک زندگی گزار آئے ہیں اور بدقسمتی سے اس کا تصور بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔ اور عہد حاضر کے جو عقلیت گزیدہ یا عقلیت زدہ لوگ ہیں وہ ان چیزوں سے دور بھاگتے ہیں۔

ہماری پہلی تخلیق عالمِ ارواح میں ہوئی تھی جہاں حضرت آدمؑ سے لے کر اس دُنیا میں قیامت تک پیدا ہونے والے آخری انسان تک کی ارواح پیدا کر دی گئی تھیں اور "اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ" کا عالم تھا۔ وہاں عہد لیا گیا کہ ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ "کیا میں تمہارا رب' تمہارا مالک نہیں ہوں؟" ہم سب نے عہد کیا تھا ﴿ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ﴾ کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ عہد جو ہوتا ہے اور اس کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں ہوتی جب تک انسان کو خود شعوری حاصل نہ ہو' اپنی ذات کا شعور نہ ہو۔ جب آپ دُنیا میں کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں "بقائمی ہوش و حواس یہ عہد کر رہا ہوں" تو ظاہر بات ہے کہ اُس وقت ہم ہوش و حواس کے ساتھ تھے' البتہ اُس وقت

صرف ارواح تھیں' ان کے ساتھ جسد نہیں تھے۔ اسی مقام کی طرف اس واقعہ میں اشارہ ہے جب حضور ﷺ سے پوچھا گیا "مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" یعنی "اے اللہ کے رسول آپ کو نبوت کب ملی؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ)) یعنی ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں ((وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ)) یعنی آدمؑ ابھی پانی اور گارے کے درمیان ہی تھے' ان کے جسد خاکی کی تخلیق کے لئے گارا گوندھا جا رہا تھا' میں اُس وقت بھی نبی تھا۔ گویا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا تھا' تب بھی عالم ارواح میں تمام ارواح اپنی امتیازی شان کے ساتھ موجود تھیں ـــــ ارواح کی ہیئت ترکیبی کیا ہے؟ روح کا مادۂ تخلیق نور ہے' فرشتوں کا مادہ تخلیق بھی نور ہی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول روایت موجود ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا۔" فرشتے ارواح ہیں' جیسے ہم کہتے ہیں روح القدس' روح الامین' بہرحال تخلیق آدم سے پہلے ہم صرف ارواح کی شکل میں پیدا کئے گئے۔ ہم سے عہد لیا گیا اور پھر ہمیں سلا دیا گیا۔ اس دُنیا میں آنے سے پہلے یہ پہلی موت تھی جو ہم پر وارد ہوئی۔ سورۃ المومن کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جہنم میں لوگ فریاد کریں گے : ﴿ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴾ "اے اللہ تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا' دو مرتبہ زندہ کیا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے' تو کیا اب یہاں سے بھی نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے یا نہیں؟"

اس آیت مبارکہ میں مذکور یہ دو موتیں کونسی ہیں؟ پہلی موت وہ تھی جب ارواح کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ پھر عالم خلق کی تخلیق ہوئی جسے آج سائنس دان "Big Bang" کا نام دیتے ہیں۔ عالم ارواح اس سے پہلے کا عالم ہے۔ سائنس وہاں تک نہیں پہنچ سکتی' کیونکہ وہ دُنیا سائنس سے ماوراء ہے۔ تاہم جب عالم خلق کا آغاز ہوا تو ارتقاء کے بہت سے مراحل طے کر کے آدم تیار ہوا۔ حضرت بیدلؒ نے بہت خوبصورت شعر کہا ہے ؎

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی
اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہوشیار باش!

جب یہ کائنات وجود میں آئی تو اس وقت یہ سیارے بہت بڑے بڑے ناری کرے تھے جن کا درجہ حرارت' سائنس دانوں کے اندازوں کے مطابق' کروڑوں فارن ہائیٹ تھا۔ یہ کرے آہستہ آہستہ ٹھنڈے ہوئے۔ ان میں زمین کا کرہ بھی شامل تھا۔ زمین ٹھنڈی ہوئی تو اس کی بیرونی سطح پر راکھ کی تہہ جم گئی' جس نے مٹی کی شکل اختیار کی۔ پھر یہاں برسوں بارش ہوتی رہی۔ مٹی اور پانی کے ملاپ سے زندگی وجود میں آئی۔ زندگی نے ارتقائی مراحل طے کئے اور اب آدم کا ہیولا تیار ہوا۔ پھر آدم کی روح جو "کولڈ سٹوریج" میں تھی لا کر اس میں پھونکی گئی ہے۔ جسد آدم مسجود نہیں تھا' مسجود تو تب بنا ہے جب اس میں روح آدم لا کر ڈالی گئی۔ ﴿ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ○ ﴾ یہاں سے حیاتِ دُنیوی کا آغاز ہو گیا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ روایت ہے۔ اس کے آغاز میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا' جو کہ "الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ" ہیں۔ یعنی جو خود سچے ہیں اور جن کی سچائی کی گواہی دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: "رحم مادر میں چالیس دن تم نطفے کی شکل میں ہوتے ہو' پھر چالیس دن علقہ کی شکل میں ہوتے ہو' پھر چالیس دن تم "مضغہ" کی شکل میں ہوتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ یعنی وہی عمل جو حضرت آدمؑ کے جسد کے ساتھ ہوا تھا ہر ابن آدم اور بنت آدم کے لئے رحم مادر میں چار مہینے کے بعد دہرایا جاتا ہے۔ یہ حیاتِ دُنیوی کا آغاز ہے۔ اس حیات کے بعد جو موت ہے وہ انسان کی دوسری موت ہے۔ یہاں separation ہو جاتی ہے۔ جو تخلیقی مادہ زمین سے آیا تھا وہ گل سڑ کر زمین میں ختم ہو جاتا ہے' لیکن عالم بالا سے آئی ہوئی روح اس زمینی وجود کے لب لباب یعنی جان یا نفس کو لے کر عالم بالا میں چلی جاتی ہے۔ پھر ایک وقفہ ہے جس کے بعد قیامت کے روز بعث بعد الموت ہے۔ اس طرح احیاء بھی دو ہو گئے' ایک عالم ارواح میں جب پہلی موت کے بعد زندہ کیا گیا اور اس عالم میں ہماری آنکھ کھلی' یہ پہلا احیاء تھا۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ "تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کر رہے ہو' حالانکہ تم مردہ تھے' پھر اس نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں دوبارہ موت دے گا' پھر وہ تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا' پھر اسی کی طرف تم لوٹائے

جاؤ گے۔" دوسرا احیاء قیامت کے دن "بعث بعد الموت" کے مرحلہ کی صورت میں ہوگا اور پھر اس کے بعد ابدی' ہمیشہ کی زندگی شروع ہو گی۔

دنیوی زندگی کا مقصد

یہ تصور سامنے رکھئے کہ دُنیوی زندگی اس لئے ہے کہ انسان کو آزمایا جا سکے۔ جیسا کہ سورۃ الملک میں آیا ہے: ﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ﴾ "اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔" اس روح کے ساتھ اس جسم کا اتصال دراصل دُنیوی پچاس' ساٹھ سال کی عمر تک ہے یعنی ایک امتحانی وقفہ ہے جس میں جانچا اور پرکھا جا رہا ہے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔ گویا ؂

قلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانند حباب
اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اب یہ دو چیزیں انسان پر واضح اور اسے مستحضر ہونی چاہئیں۔ ایک یہ کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے جیسا کہ قرآن میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ (الاعلیٰ: ۱۶' ۱۷) "لیکن تم دُنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو' جبکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔" ﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ ﴾ (القیامۃ: ۲۰' ۲۱) "ہرگز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دُنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔" سورۃ العنکبوت میں دُنیوی اور اُخروی زندگی کا فرق بتایا گیا ہے: ﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَّاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ یعنی "یہ دُنیوی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے' اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' کاش یہ لوگ جانتے!" بہرحال ایک تو یہ حقیقت مستحضر رہے کہ اصل زندگی آخرت کی ہے اور دوسری حقیقت یہ کہ یہ دُنیا کی زندگی امتحانی وقفہ ہے۔

اگر یہ دونوں حقیقتیں مستحضر رہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان دُنیا پرست نہیں بنے گا اور اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ دُنیا متاع ہے' برتنے کی چیز ہے۔ ﴿ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ﴾ (المومن: ۳۹) یعنی دُنیا برتنے کی چیز ہے' اسے برتو' لیکن

اس کو مقصود نہ بناؤ۔ بلکہ آخرت کی زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے اس دُنیا سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہاں کچھ حدیثیں بھی دیکھ لیجئے جن میں دُنیا کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے عجیب نقشہ کھینچا ہے: ((مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا' مَا أَنَا وَالدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تحت شجرةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا)) (رواہ الترمذی) "مجھے اس دُنیا سے کیا سروکار' میری اور دُنیا کی مثال تو اس سوار کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے سائے میں ستانے کے لئے رک جاتا ہے' پھر وہ چل پڑتا ہے اور اسے چھوڑ جاتا ہے۔" وہ درخت کو اپنی منزل نہیں سمجھتا' اس جگہ کو اپنا گھر نہیں سمجھتا' تھوڑی دیر ستاتا ہے' پھر وہ درخت کو خیرباد کہہ کر اپنا راستہ لیتا ہے اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس دُنیا سے بس اتنا تعلق رہے اور منزل یاد رہے۔

ایک دوسری بڑی پیاری مختصر حدیث ہے ((إِنَّمَا الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ)) "دیکھو! یہ دُنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے لیکن تمہیں آخرت کے لئے بنایا گیا ہے۔" قرآن مجید کہتا ہے ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرۃ : ۲۹) "یعنی زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔"

چونکہ انسان کو خلافت دی جانی تھی اس لئے سب کچھ انسان کے لئے بنایا گیا۔ یعنی یہ محفل ہمارے لئے سجائی گئی ہے۔ یہ سب ہمارے لئے بنایا گیا ہے۔ چاند' سورج اور پورے عالم کو ہمارے لئے مسخر کیا گیا ہے۔ بس انسان کو یہ یاد رہے کہ اس کی منزل آخرت ہے' اس کا ٹھکانہ' اس کا گھر وہ ہے۔ یہ دُنیا تو صرف راہ گزر ہے' ایک امتحانی وقفہ ہے۔

اب تیسری حدیث نوٹ کیجئے: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ((اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ)) "دُنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ حدیث بالا کے مطابق اس دُنیا میں جو بوؤ گے وہی آخرت میں کاٹو گے۔ اگر یہاں کچھ بوؤ گے نہیں تو وہاں کیا کاٹو گے؟ اس اعتبار سے غور کیجئے تو اس دُنیا کا ایک ایک لمحہ بڑی قیمتی پونجی اور متاع بن کر سامنے آئے گا' کیونکہ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ ابدی نتائج کا حامل ہے' یہاں جو کچھ ہم کما رہے ہیں اس کے نتائج ابدی زندگی پر پھیلے ہوئے ہیں۔ گویا کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہء محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

اسلام میں رہبانیت کی نفی

اب دیکھئے' قرآن کا یہ جو انداز ہے ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ یہی ہماری گفتگو کا عنوان ہے "یہ دُنیا کی زندگی' دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں"۔ اس کے عملاً دو نتیجے نکلتے ہیں۔ ایک نتیجہ جو قرآن نکالنا چاہتا ہے اور جس کی طرف اسلام راہنمائی کرتا ہے ـــــ اور ایک ہے بالکل منفی نتیجہ جس کی اسلام نفی کرتا ہے۔ وہ منفی نتیجہ یہ ہے کہ دُنیا دھوکے کی جگہ ہے' لہٰذا اس سے کنارہ کش رہو' اگر رب سے لو لگانی ہے تو شادی کر کے گھر گرہستی کا کھکیڑ کیوں مول لیں' کہاں ایک پیٹ کا پالنا' کہاں دس پیٹ بن جائیں تو آدمی اسی میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا گھر گرہستی کو چھوڑ کر تجرد کی زندگی گزارو۔ پھر یہ ہر شے سے بیگانہ کر دینے والا تمدن ہے' اس کے علاوہ یہ کہ چاروں طرف شر اور برائی ہے' فریب اور جھوٹ ہے۔ اسے چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر' غاروں اور جنگلوں میں زندگی گزارو اور نفس کشی کرو۔ یہ ہے دُنیا کی بے رغبتی کا منطقی نتیجہ جو تقریباً تمام مذاہب عالم میں رہبانیت کی صورت میں نکلا ہے۔ اس رہبانیت کی حضور ﷺ نے انتہائی شد و مد کے ساتھ نفی کی ہے' فرمایا ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ)) "اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں" یعنی اسلام میں رہبانیت کی مکمل نفی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ)) "نکاح میری سنت ہے" گھر گرہستی کی زندگی اختیار کرنا میرا طریقہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر مزاج کے لوگ تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو عقل کے حوالے سے بات سمجھنے والے تھے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے سرخیل تھے' جبکہ ان میں درویش منش لوگ بھی تھے۔ کچھ پر اس درویشی اور تقویٰ کا زیادہ غلبہ ہو گیا تھا' ہم انہیں مغلوب الحال کہہ سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور ان کے والد حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) دونوں باپ بیٹے کے مزاج میں عجیب تضاد نظر آتا ہے۔ عمروؓ بن العاص بہت بڑے سیاست دان اور مدبر تھے۔ عرب نے جو تین چوٹی کے مدبر' جنگجو' فاتح اور سیاست دان پیدا کئے ان میں ایک عمروؓ بن العاص تھے' جبکہ عبداللہ

بن عمرو بالکل درویش منش تھے۔ وہ روزانہ روزہ رکھتے اور پوری رات قیام کرتے' انہیں اپنی بیوی تک سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ نے انہیں بلا کر جواب طلبی کی: اے عبداللہ! مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ تم ساری رات کھڑے رہتے ہو اور روزانہ روزہ رکھتے ہو۔ حضرت عبداللہ نے تسلیم کیا کہ ایسا ہی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور ارشاد فرمایا:

((فَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))

"دیکھو! تم پر تمہارے اس جسم کا بھی حق ہے (اسے آرام بھی دو' اس کی ضروریات بھی پوری کرو' اس کی دیکھ بھال بھی کرو' یہ تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے)۔ پھر یہ کہ تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے۔"

کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی کو میلی کچیلی حالت میں دیکھ کر پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے دوست کو تو مجھ سے غرض ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے مسلمان بیوی تھی' وہ اور کس کے لئے سنگھار کرے گی جبکہ شوہر کو اس سے غرض ہی نہ ہو۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ رات کو سویا بھی کرو' مجھے دیکھو میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں' میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں۔ تم ہفتے میں دو دن روزے رکھ لیا کرو۔ عبداللہؓ نے عرض کیا: حضور مجھے اور تھوڑی سی اجازت دے دیجئے۔ فرمایا: اچھا تو پھر ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو' یعنی صوم داؤدؑ۔ اس سے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت نہیں دی۔

اسی طرح تین صحابہؓ پر بھی رہبانیت و ترکِ دُنیا کا غلبہ ہوا۔ انہوں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے معلوم کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رات نماز پڑھتے ہیں اور کتنا سوتے ہیں؟ مہینے میں آپ کتنے نفلی روزے رکھتے ہیں؟ وہاں تو سیرت محمدیؐ کی کھلی کتاب کی مانند تھی۔ ازواجِ مطہرات نے حضور ﷺ کے معمولات بیان کر دیے۔ ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوچا یہ تو ہمارے اندازے کے مطابق کم ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے کہا کہ حضور ﷺ اللہ کے نبی و رسول ہیں۔ آپؐ معصوم ہیں' آپؐ سے

کوئی گناہ یا خطا سرزد نہیں ہوئی۔ اس لئے آپ ؐ کو زیادہ عبادت و ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اتنی عبادت ہمارے لئے تو کافی نہیں ہے۔ ہم تو گنہگار ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے عہد کیا کہ میں رات کو کبھی نہیں سوؤں گا' رات بھر کھڑا رہ کر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا' کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ جبکہ تیسرے نے کہا کہ میں شادی بیاہ کے کھکیڑ میں نہیں پڑوں گا۔ اس کی اطلاع حضور ﷺ کو مل گئی۔ حضور ﷺ نے ان کو طلب فرما کر دریافت کیا کہ کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں ایسی ایسی باتیں کی ہیں؟ پھر فرمایا: خدا کی قسم! میں تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہوں۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں' (نفلی) روزے بھی رکھتا ہوں' ناغہ بھی کرتا ہوں۔ میں نے گھر گرہستی کی زندگی اختیار کی ہے۔ میری بھی بیویاں ہیں۔ اور فرمایا: ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) "جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"۔ یہ تو احادیث کے حوالے سے ترکِ دُنیا کے بارے میں منفی طرزِ عمل یعنی دُنیا سے تعلق منقطع کر لینا' پسپائی اختیار کر لینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر سلیم الفطرت اور نیک لوگ دُنیا سے الگ ہو گئے تو دُنیا تو پھر شریروں کے لئے رہ گئی کہ کھیلیں' کودیں' عیش کریں۔ پھر شریروں کو روک ٹوک کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ وہ جس طرح چاہیں ظلم کریں' شرارتیں کریں۔

حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار

سورۃ الحدید کی جس آیت میں حیاتِ دُنیوی کو متاعِ غرور قرار دیا گیا ہے وہ خاصی طویل آیت ہے اور اس میں یہ مضمون نہایت شاندار انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ اس آیت میں پانچ الفاظ کے حوالے سے اس حیاتِ دُنیوی کے کچھ حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ محاورتاً ﴿ لَعِبٌ وَلَهْوٌ ﴾ یا ﴿ لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ﴾ تو قرآن میں چار جگہ آیا ہے۔ یہاں تین الفاظ مزید آئے ہیں اور ترتیب یہ ہے کہ پہلے "لعب" ہے' پھر "لہو" ہے۔ اس آیۂ مبارکہ پر اگر آپ غور کریں تو ایک عجیب نقشہ سامنے آتا ہے۔ اس میں پانچ الفاظ کے حوالے سے حیاتِ دُنیوی کے پانچ ادوار سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے ہر دور میں ایک شے انتہائی اہم ہوتی ہے اور توجہ کا مرکز بھی۔ ابتدائی دور میں جب آدمی بالکل

بچہ ہوتا ہے۔ کھیل تماشے کے علاوہ اسے زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ زندگی کے تلخ حقائق اسے معلوم نہیں ہوتے۔ اسے جب بھوک لگتی ہے تو رو پڑتا ہے' ماں دودھ پلاتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔ یہ "لعب" ہے۔ اس سے آگے چلئے۔ بچپن کے بعد جب آدمی teen age میں داخل ہوتا ہے تو اب اس کا کھیل کو د صرف معصومانہ کھیل نہیں رہتا' اس میں تلذذ یعنی لذت پسندی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہ "لھو" ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھئے تو انسان پر سب سے زیادہ دھن بناؤ سنگھار کی طاری ہو جاتی ہے کہ میرا لباس فیشن کے مطابق ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ مذاق اڑے۔ بندہ اپنے لباس' آرائش و زیبائش اور بالوں کی کٹنگ کے بارے میں بڑا محتاط رہتا ہے' جسے "زینت" کہا گیا ہے۔ اس کے بعد جب انسان تقریباً تیس برس کا ہو جاتا ہے تو اس پر "تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ" کا عنصر غالب آجاتا ہے۔ اب دولت و نسبت پر فخر ہو گا یا اپنی کسی سیاسی حیثیت و چودھراہٹ پر فخر ہو گا۔ اس عمر میں جان میں توانائی و قوت ہوتی ہے۔ اس سٹیج میں تفاخر کی یہ صورت ہوتی ہے کہ مونچھ نیچی نہ ہو چاہے سب کچھ داؤ پر لگ جائے۔ لیکن جب عمر ڈھلتی ہے تو انسان بڑا حقیقت پسند ہو جاتا ہے۔ اس آخری سٹیج میں انسان کو "تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ" یعنی مال و اولاد کی کثرت کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ اس عمر میں اس کی حالت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ مونچھ نیچی تو کیا مونڈ بھی دی جائے لیکن مال آنا چاہیے۔ آخری پارے کی یہ آیت بھی اس کے ساتھ جوڑ لیجئے : ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ یہ "تکاثر" اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اگر اتنی دولت بھی ہو کہ انسان کی دس نسلیں کھا سکیں تو وہ پھر بھی صبر نہیں کرتا۔ ٹانگیں قبر میں لٹکی ہوتی ہیں لیکن تکاثر مال کی ہوس اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی' یہاں تک کہ قبروں میں اتار نہ لیا جائے۔

یہ ہماری حیاتِ دُنیوی کا ایک چکر (Cycle) ہے جو ساٹھ ستر برس پر محیط ہوتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ پھر لڑکپن (teen age) کی سٹیج آتی ہے' پھر جوانی' ادھیڑ عمر اور پھر بڑھاپا ہے۔ اس کے بعد قبر میں اتارا جاتا ہے۔ انسان کی حیاتِ دُنیوی کے اس لائف سائیکل کو قرآن پاک میں ایک تمثیل سے بھی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحدید کی اسی آیت کے اگلے الفاظ میں نباتاتی حیات کا سائیکل بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ﴾

گویا اس آیت میں چار stages بیان ہوئی ہیں۔ جیسے بارش برستی ہے تو سبزہ نمودار ہوتا ہے جو کاشتکار کو بڑا اچھا لگتا ہے' کیونکہ اس نے محنت کی تھی' ہل چلایا تھا ﴿ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ کسان کو وہ سبزہ بہت اچھا لگتا ہے' اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ہمارے ہاں جب بیٹا یا پوتا پیدا ہوتا ہے تو ہم خوشیاں مناتے ہیں۔ ﴿ ثُمَّ يَهِيْجُ ﴾ پھر وہ فصل اپنی پوری قوت کو پہنچ جاتی ہے۔ اب فصل لہلہا رہی ہے جیسے حیاتِ انسانی میں جوانی کا دور آتا ہے۔ ﴿ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ﴾ پھر فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے ﴿ ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ﴾ پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ فصل کاٹ لی جاتی ہے اور باقی رہ جانے والا حصہ چورا چورا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ کیونکہ فصل کٹنے کے بعد چورا ہی رہ جاتا ہے۔ یہ ایک فصل کا تین چار مہینے کا لائف سائیکل ہے۔

حیاتِ دُنیوی کا فیصلہ کن مرحلہ

اسی طرح انسانی زندگی کا بھی چکر ہے اور انسان ان مراحل سے گزر کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ چنانچہ حیاتِ انسانی کے پانچ ادوار گنوانے کے بعد اگلا یعنی چھٹا مرحلہ بھی بیان کیا گیا ہے : ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ﴾ یعنی دُنیا کی زندگی تو ان مراحل سے ہو کر گزر ہی جاتی ہے' جو پیدا ہوا ہے اس پر بڑھاپا بھی آئے گا' موت بھی آئے گی ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ (آل عمران: ۸۵) ہر انسان جو پیدا ہوا ہے اس کو موت آنی ہے۔ یہاں کی زندگی محل میں گزار لی یا کٹیا میں' کسی کی فٹ پاتھ پر گزر گئی۔ لیکن آخرت میں جا کر یہ تنصیف (Bifurcation) ہو کر رہنی ہے۔ یا تو شدید عذاب سے دوچار ہونا ہو گا یا اللہ کی مغفرت و رضا نصیب ہو گی۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے : ﴿ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾ یعنی فیصلہ تم خود کر لو۔ کیونکہ آخرت کی زندگی کا نتیجہ آج کی حیاتِ دُنیوی پر منحصر ہے کہ دُنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا یا اس دُنیا کو اس طور سے برتا تھا کہ آخرت مقدم رہے۔ جیسے کہ اقبال نے کہا ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

دُنیا میں رہو مگر طالبِ دُنیا نہ بنو' طالبِ آخرت بنو۔ دُنیا میں رہو' اسے برتو' استعمال کرو' کیونکہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے' یہ متاع ہے' برتنے کی شے ہے۔ ہاں

حلال و حرام کی پابندیاں سامنے رکھو! اسے مطلوب اور مقصود نہ بناؤ اور یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ((اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَ اَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَۃِ)) اسی طرح آخرت بطور منزل سامنے رہے اور خیال رہے کہ میں تو یہاں اجنبی ہوں' یہ میرا وطن نہیں ہے۔ ((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ)) "دُنیا مومن کے لیئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔" جس طرح کسی پرندے کو پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ اگر یہ کیفیت حاصل ہو گئی تو پھر ہمارا دل یہاں نہیں لگے گا۔

ایسی صورت میں جبکہ آخرت پیش نظر رہے تو اب یہ دُنیا دھوکے کا سامان قطعاً نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ مجھے تمہاری اس دُنیا میں سے فلاں فلاں چیزیں بہت محبوب ہیں۔ فرمایا: "مجھے اس دُنیا میں عورتیں بہت پسند ہیں" حضور ﷺ نے کوئی تصنع اور تکلف سے کام نہیں لیا اور کوئی بات خلافِ فطرت نہیں کی' بلکہ حقیقت پسندانہ انداز سے امر واقعہ بیان کیا۔ فرمایا: "اور مجھے خوشبو پسند ہے' اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔" اس سب کے باوجود حضور ﷺ کا اسوہ یہ ہے کہ دُنیا میں اس طرح رہو جیسے راہ چلتا مسافر۔ یعنی دُنیا پر سوار رہو' دُنیا کو اپنے اوپر سوار نہ ہونے دو۔ کیونکہ دُنیا کی یہ سب چیزیں آزمائش کے لئے رکھی گئی ہیں۔ یہاں انسان کا طرز عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ع

"بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں!"

سورۂ کہف کے پہلے رکوع میں یہ مضمون آیا ہے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ "ہم نے اس زمین پر جو کچھ ہے اسے اس کی زینت و زیبائش اور آرائش بنا دیا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل صالح کی روش اختیار کرتا ہے' گویا ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے!

دُنیا کی حقیقت کے بارے میں دو نظریئے

سورۃ الحدید میں دُنیا کی حقیقت کو اس طرح بیان کر کے اس سے جو دو نتیجے نکلتے ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا۔ ایک نظریہ رہبانیت اور ترکِ دُنیا کا ہے۔ اس کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحاً وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَّكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ○ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ط وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ... ﴾

(الحدید:۲٦)

”ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو بھیجا اور ان ہی کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ پھر ان کی اولاد میں سے کسی نے ہدایت اختیار کی اور بہت سے فاسق ہو گئے۔ ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو مبعوث کیا اور انہیں انجیل عطا کی، اور جن لوگوں نے ان کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے رحمت و رأفت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں انسانی ہمدردی بدرجۂ اتم موجود تھی، ظاہر بات ہے آپؑ کے حواریین اور آپؑ پر ایمان لانے والوں میں اسی کا ایک عکس پیدا ہونا تھا۔) لیکن ایک چیز ”رہبانیت“ انہوں نے بدعت کے طور پر ایجاد کرلی، جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔“

رہبانیت یہ ہے کہ اللہ سے لو لگانی ہے تو خانقاہوں میں جا کر بیٹھ جاؤ، تجرد کی زندگی گزارو۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خانقاہوں کے حجروں میں بظاہر راہب اور راہبائیں رہ رہی ہیں لیکن اندر حرام کاری کے بازار چل رہے ہیں اور تہہ خانوں کے اندر حرامی بچوں کے قبرستان بنے ہوئے ہیں۔ عیسائیت کی تاریخ پر کتابیں پڑھ لیجئے، انہوں نے خود اپنے سارے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے واضح فرمادیا ہے کہ رہبانیت والا راستہ اسلام کا راستہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہمارے ہاں بھی کسی نہ کسی درجے میں یہ رسم در آئی۔ اگرچہ الحمد للہ اس درجے میں نہیں آئی جس درجے میں عیسائیت میں ہے، لیکن یہ کیوں اور کیسے آئی ہے؟ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

”رہبانیت“ نہیں ”جہاد“

اس مقام پر یہ دیکھئے کہ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ کا دوسرا منطقی نتیجہ کیا ہے؟ پہلا نتیجہ تو گریز، پسپائی، فرار اور معاشرے سے نکل بھاگنے کا ہے، تاکہ

معاشرے میں اشرار کھل کھیلیں اور جو چاہیں کریں۔ دوسرا نتیجہ 'جو مقصود ہے' وہ یہ کہ رہبانیت کے انداز میں ترکِ دُنیا نہیں' بلکہ ترکِ لذاتِ دُنیوی' یعنی اللہ کی راہ میں نکل کر دُنیوی آسائشوں کو ترک کر دینا اور سختیاں جھیلنا' تاکہ دُنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو' باطل کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔ ظاہر بات ہے ظالم آسانی سے ظلم نہیں چھوڑے گا۔ استحصال کرنے والا محض وعظ و نصیحت کے ذریعے اپنی ظلم سے باز نہیں آئے گا۔ اس طبقے کے اندر شاذ ہی کچھ لوگ سلیم الفطرت ہوتے ہیں' جیسے طبقہ اشرافیہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سلیم الفطرت انسان تھے۔ آپؓ غرباء و مساکین کے طبقے میں سے نہیں تھے۔ عشرہ مبشرہ کی اکثریت اسی طبقے سے تھی۔ لیکن اکثر و بیشتر یہ وہ طبقہ ہوتا ہے جو جبر و استبداد کا تخت جما کر لوگوں کی گردنوں پر بیٹھا ہوتا ہے' جو سیاسی جبر یا معاشی استحصال کے ذریعے لوگوں کی محنت پر عیش کرتا ہے۔ سیاسی جبر اور معاشرتی استحصال کے علاوہ ظلم کی ایک قسم معاشرتی اونچ نیچ ہے کہ یہ شودر ہے' یہ برہمن ہے۔ ان تینوں قسم کے مظالم کا خاتمہ کرنے کے لئے جدوجہد یعنی جہاد و قتال کی ضرورت ہے۔ اور آپ اُس وقت تک جہاد و قتال نہیں کر سکتے جب تک کہ لذاتِ دُنیوی سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں' جب تک کہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو کم نہ کریں۔ ضروریاتِ زندگی کم کریں گے تو آپ کا وقت بھی فارغ ہو گا۔ چنانچہ جدوجہد' محنت اور جہاد و قتال کے لئے آپ کے پاس وقت ہو گا' اس کو آپ صرف کر سکیں گے۔ پھر اس راہ میں سخت سے سخت منزلیں بھی آئیں گی' میدان میں مقابلہ بھی ہو گا' جان کی بازی بھی کھیلنی پڑے گی' اس میں قید و بند کی صعوبتیں بھی آ سکتی ہیں۔ جیسے حضور ﷺ نے پورے خاندان بنی ہاشم کے ساتھ شعب بنی ہاشم میں بدترین اسیری کے تین برس گزارے ہیں۔ آج اسیروں کو راشن اور کھانا تو ملتا ہے' وہاں تو دونوں طرف سے گھاٹی کا منہ بند کر دیا گیا تھا' اسے پوری طرح سیل کر دیا گیا تھا کہ کوئی چیز جانے نہ پائے۔ چنانچہ وہ وقت بھی آیا ہے کہ سوکھے ہوئے چمڑے کے ٹکڑے ابال ابال کر پھول جیسے بچوں کے حلق میں وہ پانی ٹپکایا گیا ہے۔ حکیم بن حزامؓ جیسے کچھ لوگ تھے' جو بعد میں ایمان بھی لے آئے اور یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریبی عزیز تھے' وہ پہاڑ کو عبور کر کے چوٹی سے پار اتر کر کبھی کبھی کھانے کی کوئی چیز پہنچا دیتے تھے۔ بہرحال اعراض عن الدنیا کا یہ مثبت طریقہ ہے' یعنی دُنیا کی آسائشوں سے اپنے آپ کو پیچھے ہٹانا تاکہ اپنا وقت و مال اور اپنی صلاحیتیں

ظلم کے خاتمہ کے لئے صرف کی جا سکیں۔

رسولوں کی بعثت کا مقصد

اس کے لئے سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ ملاحظہ کیجئے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ "ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب و میزان اُتاری تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔" کتاب و میزان اتارنے کا مقصد یہ نہیں کہ ختم قرآن کر لیا اور دُعائیں مانگ لیں' بلکہ اس کتاب میں موجود نظام قائم کرو اور میزانِ عدل نصب کرو تاکہ ہر ایک کو وہی تل کر ملے جو اس کا حق ہے اور ہر ایک سے وہی لیا جائے جو اس پر واجب ہے۔ ع گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!

نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ اسی لئے تو فرض کئے گئے ہیں کہ اس نظام کو قائم کرنے کے لئے قوت حاصل ہو۔ گویا نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام کارِ رسالت کا منتہائے مقصود ہے' قرآن مجید میں حضور ﷺ سے کہلوایا گیا: ﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ "اے نبی! ان سے کہہ دیجئے: اے کتاب والو! تمہاری کوئی حیثیت ہی نہیں (ہماری نگاہوں میں تمہارا کوئی مقام ہی نہیں) جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہیں کرتے اور جو کچھ کہ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔" اس کو قائم کرنے کے بعد آؤ اور ہم سے بات کرو' دعا کرو' ورنہ دفع ہو جاؤ۔ اب مختلف اُمتوں کے لئے قانون خداوندی تو نہیں بدلتا ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اور ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا۝﴾ اللہ کی سنت تو ایک ہے۔ چنانچہ متذکرہ بالا آیت میں اگر "تورات" کی جگہ "قرآن" فٹ کر لیا جائے تو عبارت یوں ہو گی: يٰاَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا الْقُرْاٰنَ.... "اے قرآن والو! تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک کہ تم قرآن کو قائم نہ کرو۔" اسے دن رات پڑھنا' قراءت کے مقابلے منعقد کرانا' سونے کے تاروں سے اسے لکھنا' جو چاہو کر لو لیکن اس کی کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ اس قرآن کے قانون اور نظام کو قائم نہ کرو' جس نظام میں امیر و غریب سب برابر ہوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت کے بعد خطبے میں فرمایا تھا "تم میں سے ہر قوی میرے نزدیک ضعیف ہو گا جب تک

کہ اس سے حق وصول نہ کرلوں اور ہر ضعیف قوی ہوگا جب تک کہ اس کا حق دلوا نہ دوں۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی

سورۃ الشوریٰ میں حضور ﷺ کا فرضِ منصبی بیان کرتے ہوئے خود حضور ﷺ سے کہلوایا گیا ہے : ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ "مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے مابین عدل قائم کروں۔" یعنی میں واعظ بن کر نہیں آیا' میں بدھ مت کے بھکشو بنانے کے لئے نہیں آیا۔ اگرچہ انقلابی مراحل کے دوران تیاری کا ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ کچھ عرصے کے لئے بھکشو بننا پڑتا ہے۔ لیکن یہ مستقل تعلیم نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ بدمعاش جس طرح چاہیں کھل کھیلیں' ظالم جس طرح چاہیں لوگوں پر ظلم کرتے رہیں' تشدد اور جبر کا جس طرح سے چاہیں معاملہ کریں' استحصالی نظام چلتا رہے اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں انسانوں کی عظیم اکثریت ڈھور ڈنگر بن جائے' یعنی صبح سے شام تک کمر توڑ دینے والی مشقت کے بعد جسے بمشکل دو وقت کی روٹی ملتی ہو اسے کس طرح اللہ کا خیال آئے گا؟ وہ کبھی اللہ سے لو نہیں لگا سکے گا ؎

دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ((کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا)) یہ فقر انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا حکم دیا گیا کہ عدل قائم کرو۔ دیکھئے سورۃ الحدید کی یہ آیت قرآن مجید کی انتہائی گمبھیر اور جامع آیت ہے : ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ میرے علم کی حد تک دُنیا کی کوئی انقلابی کتاب ایسی نہیں جس نے اس قدر عریاں طور پر کھل کر یہ کہا ہو کہ ظالموں کی سرکوبی کرو' ان کے سر کچلنے کے لئے لوہے کی طاقت کا استعمال کرو۔ فرمایا : ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ...﴾ "ہم نے لوہا بھی اتارا ہے' اس میں جنگ کی صلاحیت ہے اور لوگوں کے لئے کچھ اور منفعتیں بھی ہیں"۔ ایک وقت آتا ہے کہ ظلم اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کہ لوہے کی طاقت حاصل نہ ہو۔ ٹھیک ہے' لوہے میں کچھ اور منفعتیں بھی ہیں' اس سے توا' پرات وغیرہ بھی بنتے ہیں' لیکن اصلاً یہ اسلحہ ہے۔ اسی "حدید" کی مناسبت

سے اس سورہ کا نام "سورۃ الحدید" ہے۔

آگے فرمایا: ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون (اس کے وفادار بندے) ہیں جو غیب میں ہونے کے باوجود (اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر) اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں' بے شک اللہ قوی اور عزیز ہے"۔ وہ چاہے تو آنِ واحد میں کفر کو یکبارگی ختم کر دے' آنِ واحد میں ظالموں کا ظلم ختم کر دے۔ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے' لیکن پھر تمہاری آزمائش کیسے ہو گی؟ کیسے معلوم ہو گا کہ کون اللہ کا بندہ ہے اور کس کا کیا مقام ہے؟ کس کے پاس کتنا یقین کا سرمایہ ہے؟ کس کے ایمان کی گہرائی اور گیرائی کا کیا عالم ہے؟ کس نے ہمارے دین کے لئے قربانیاں دیں اور کون صرف اسی دُنیا میں گم ہو کر رہ گیا!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

یہ ہے وہ ترکِ دُنیا جو نتیجہ خیز ہے۔ خیر کو وجود میں لانے کے لئے' صحابہ کرامؓ نے اس آیت کے مصداق حضور ﷺ کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ کھپا دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ ایامِ جاہلیت میں ان کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ دُنیا کے مہنگے ترین عطر میں بسے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ جہاں سے بھی گزرتے پورا راستہ مہک اٹھتا۔ معلوم ہو جاتا تھا کہ یہاں سے مصعبؓ گزرے ہیں۔ آپؓ جب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تو باپ فوت ہو چکا تھا' اس کی چھوڑی ہوئی دولت تھی' ماں تھی یا چچا جو ان کا سرپرست تھا اور بدترین کافر تھا۔ اس نے پہلے سمجھایا ہو گا' سو طریقے اپنائے ہوں گے۔ آخری وار اس نے آزمایا کہ صاف صاف کہہ دیا کہ جس دولت کے بل پر عیش کر رہے ہو یہ تمہارے مشرک باپ کی دولت ہے' اس پر اب تمہارا کوئی حق نہیں۔ اگر ماں باپ کا دین چھوڑا ہے تو ان کے گھر سے بھی نکل جاؤ۔ اس نے سوچا کہ جب یہ عیش و عشرت کی زندگی ہاتھ سے نکلتی نظر آئے گی تو یہ نشہ ہرن ہو جائے گا' دن میں تارے نظر آ جائیں گے اور یہ توحید ہوا ہو جائے گی۔ لیکن حضرت مصعب بن عمیرؓ نے یہ سب کچھ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہ اُٹھ کر چلنے لگے تو چچا نے کہا کہ اچھا یہ کپڑے بھی اسی باپ کے ہیں' ان کو ابھی اتار دو۔ آپؓ نے کپڑے بھی وہیں چھوڑ دیئے اور مادر زاد برہنہ ہو کر گھر سے نکلے ہیں۔ پھر وہی مصعب رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب

بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی اور مدینہ کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں کوئی قرآن پڑھانے والا دیجئے جو ہمیں قرآن پڑھائے' تو قرعہ فال حضرت مصعبؓ کے نام نکلا' حضور ﷺ نے کہا کہ جاؤ یثرب میں قرآن پڑھاؤ۔ حضرت مصعبؓ وہاں جا کر "المقری" بن گئے۔ ایک سال کی محنت' دعوت و تبلیغ اور قرآن پڑھانے کے نتیجے میں اگلے سال ۷۵ افراد لا کر حضور ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ ہجرت کے بعد کا ایک واقعہ ہے کہ حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے' سامنے سے حضرت مصعبؓ گزرے' ایک پھٹا ہوا کمبل جسم سے لپٹا ہوا تھا' انہیں اس حالت میں دیکھ کر حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اللہ اور رسول کا دیوانہ کہاں سے کہاں پہنچا ہے۔ حضرت مصعبؓ کی شہادت غزوۂ اُحد میں ہوئی۔ علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ جس ہاتھ میں علم تھا اس پر وار پڑا تو کٹ گیا' دوسرے سے پکڑا تو کافروں نے دوسرا بھی کاٹ دیا۔ پھر دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے علم سنبھالا۔ کفار نے تیر برسائے اور آپؓ شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس سے ستر ڈھانپا ہوا تھا۔ دفن کرنے لگے تو یہ مسئلہ درپیش آ گیا کہ مصعبؓ کی چادر تو اتنی چھوٹی ہے کہ سر ڈھانپتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں' پیر ڈھانپتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے' کیونکہ شہید کو تو اس کے اسی لباس ہی میں دفن کیا جاتا ہے جو اس نے شہادت کے وقت پہنا ہو۔ حضور ﷺ سے کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "سر چادر سے ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس لا کر ڈال دو"۔ یہ حضرت مصعبؓ کا آخری لباس ہے جو انہیں نصیب ہوا۔ یہ ہے ترکِ دُنیا کا مثبت تصور' یعنی جہاد و قتال اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کے لئے اپنے معاشی معاملے کو پیچھے رکھ کر کم سے کم تر کرتے چلے جانا اور زیادہ سے زیادہ وقت' مال اور صلاحیت دین کی جدوجہد کے لئے نکالتے چلے جانا۔ یہ ترکِ دُنیا ظلم کے استیصال کے لئے' حق کا بول بالا کرنے کے لئے' عدل کے نظام کو برپا کرنے کے لئے profound اور نتیجہ خیز ہے۔ قرآن ہمیں اس طرف لانا چاہتا ہے۔ ورنہ آج بقول اقبال ؎

اسی قرآن میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیں

خانقاہی نظام کی آمد ——— کیوں اور کیسے؟

ہمارے ہاں بھی وہ خانقاہی نظام آیا ہے' اگرچہ اس درجے میں نہیں آیا جو اس نظام

نے Christian Monasticism میں شکلیں اختیار کیں' لیکن بہرحال آیا ضرور ہے۔ مثلاً مراقبے' ذکر' اشغال' لطائف۔ اور ہر لطیفے کی ایک الگ روشنی ہے' کوئی نیلی ہے' کوئی پیلی ہے۔ میں ان کی نفی نہیں کرتا لیکن حضور ﷺ نے یہ سب نہیں سکھایا۔ علم نجوم وغیرہ کی بھی اپنی جگہ حقیقت ہے لیکن ہمیں اس سے روک دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ چیزیں ہمارے ہاں کیوں اور کیسے آئیں؟ کچھ لوگ تو تصوف کے پورے سلسلے کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں کہ یہ غلط ہے' یہ نیا دین ہے' حالانکہ یہ بات نہیں۔ ہمیں پوری ہمدردی کے ساتھ سمجھنا چاہئے کہ یہ آیا کیسے؟ دیکھئے تصوفِ محمدی ﷺ یا سلوکِ محمدی ﷺ تو یہ تھا کہ دعوت' جہاد' دین کا غلبہ' اور اس کیلئے تن من دھن لگا دینا۔ اسی میں ترکِ دُنیا بھی آ گیا۔ اس لئے فرمایا کہ اسلام کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ آخر جہاد کیلئے لذتیں چھوڑنی پڑتی ہیں' گھروں کی آسائشیں چھوڑ کر ہی میدان میں آئیں گے۔

اس حوالے سے جب خلافت راشدہ کا نظام ختم ہوا اور ملوکیت کے دور کا آغاز ہو گیا تو جہاد و قتال کا راستہ بند ہو گیا۔ اگرچہ تین چار کوششیں اس خرابی کو ٹھیک کرنے کیلئے ہوئی ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما میدان میں آئے اور شہید ہو گئے اور دُنیاوی اعتبار سے ناکام ہو گئے۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما میدان میں آئے' انہیں تھوڑی سی کامیابی ہوئی لیکن اسے زیادہ دیر برقرار نہ رکھ سکے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر حضرت نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ آئے' لیکن کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ چنانچہ مسلمان اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ حکومت کی اس چھت کو تو ہم نہیں ہٹا سکتے' نتیجتاً جہاد و قتال کا راستہ بند ہو گیا۔ حکمران کیسے بھی ہیں' مسلمان تو ہیں' کلمہ گو ہیں' چاہے ان میں کچھ فاسق و فاجر بھی ہوں' لیکن شریعت کے احکام نافذ کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے عوام کے ہاتھ بندھ گئے۔ اُس وقت جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے متبادل کے طور پر تزکیۂ نفس کے لئے کچھ طریقے اختیار کئے گئے۔ چنانچہ نوافل اور راز کار پر زیادہ زور ہو گیا۔ یوں سمجھئے کہ آپ کسی چھت کے نیچے اگر کوئی درخت اُگائیں تو وہ چھت تک تو جائے گا لیکن چھت کو پھاڑ تو نہیں سکتا لہٰذا وہ ایک طرف مڑ جائے گا۔ بالکل اسی طرح ہمارے ہاں یہ deflection ہوئی ہے جس سے خانقاہی نظام وجود میں آیا کہ لوگوں کو کچھ خیر سکھاتے رہو' کچھ تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے رہو۔ اس نظام میں پھر مشرق و مغرب سے آنے والے نظریات اور طریقے بھی شامل ہو گئے۔ کچھ

ہندوستانی اور کچھ یونانی تصوف کے معاملات اور کچھ نوفلاطونی نظریات وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے خانقاہی نظام میں شامل ہو گئے۔

دورِ حاضر میں سلوکِ محمدی ﷺ کی ضرورت

آج کا دور دو اعتبارات سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔ آج ہمیں پھر سلوکِ محمدی ﷺ کی ضرورت ہے' کیونکہ حکومت مسلمانوں کی ہی' لیکن قانون اسلامی نافذ نہیں ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی مسلمانوں کی آئیڈیل حکومت موجود نہیں تھی' نہ ہی حاکم وقت "اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ" کے حکم کے مطابق' مسلمانوں کے مشورہ سے منتخب ہوتا تھا' بلکہ ایک موروثی نظام چل پڑا تھا اور ایک قبیلے کی عصبیت اس کی پشت پناہ بن گئی تھی' لیکن اسلام کا قانون نافذ تھا' قاضی و مفتی شریعت اسلامی کے مطابق آج جو ایک بنیادی فرق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ حکومت مسلمانوں کی ہے' لیکن قانون قرآن کا نافذ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ آج انسان کا اجتماعی شعور ترقی کر کے اس سطح تک پہنچ چکا ہے کہ ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ نظام کو بدلنے کی کوشش کرے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر آپ نظام کی اصلاح کیلئے کھڑے ہوئے تو سمجھا جاتا تھا کہ حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور یہ باغی ہیں۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی کہا گیا اور باغی واجب القتل ہوتا ہے۔ وہ کلمہ گو ہی تھے جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اُس وقت یہ تصور ہی نہیں تھا کہ حکومت الگ شے ہے اور ریاست الگ شے ہے۔ آج یہ تصور بالکل واضح ہو گیا ہے کہ ہم ریاست پاکستان کے وفادار ہیں' حکومت پاکستان کے نہیں' حکومت کو بدلنا ہمارا حق ہے البتہ آج حکومت بدلنے کے دو مروجہ طریقے ہیں۔ ایک انتخابات کا طریقہ ہے اور دوسرا احتجاج کا طریقہ' بشرطیکہ احتجاج پُرامن ہو' توڑ پھوڑ نہ کی جائے' کسی کی جان و مال اور جائیداد کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ لوگ خود مرنے کو تیار ہو جائیں' گولیاں کھائیں' جیلوں میں جائیں۔ ایک وقت آئے گا جب جیلیں بھر جائیں گی یا ایک وقت ایسا ہو گا جب فوج گولیاں چلانے سے انکار کر دے گی۔ جیسے کہ بھٹو کے زمانے میں قومی اتحاد کی تحریک چلی تھی اور بریگیڈیئر محمد اشرف گوندل کے ساتھ تین بریگیڈیئروں نے حکومت سے کہہ دیا تھا کہ اب ہم اپنی قوم پر مزید گولیاں نہیں چلائیں گے' یہ ہمارے اپنے ہی تو ہیں۔ ہماری فوج کوئی غیر ملکی قابض فوج تو نہیں تھی' جیسے جلیانوالہ باغ میں اگر ہزاروں افراد مر گئے تو جنرل ڈائر

کو اس سے کیا تعلق' کیونکہ مرنے والے ہندو' مسلمان یا سکھ تھے' جو سب ہندوستانی تھے۔ لیکن یہاں حکومت کے حکم پر جب فوج احتجاج کرنے والوں کو مارے گی تو ہو سکتا ہے جو گولی چلا رہا ہے اس کا بھانجا یا بھتیجا سامنے ہو۔ مختصراً یہ کہ یہ دونوں راستے اس وقت تبدیلیٔ حکومت کیلئے کھلے ہیں۔ البتہ جو لوگ سمجھتے ہیں یا سمجھتے رہے ہیں کہ الیکشن کے ذریعے سے حکومت حاصل کر کے نظام بدلا جا سکتا ہے تو اب ان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بات پر آج تقریباً اتفاقِ رائے ہو چکا ہے کہ الیکشن کے ذریعے سے نظام نہیں بدلا جا سکتا' چہرے اور ہاتھ ضرور بدل جائیں گے' اس لئے کہ یہاں جو بھی سیاسی' معاشی' معاشرتی سسٹم موجود ہے اس میں بہتر سے بہتر الیکشن بھی ہو جائے تو نتیجہ وہی رہے گا کہ اگر جاگیردار ہیں تو ۸۰ فیصد جاگیردار ہی اسمبلی میں بیٹھے ہوں گے۔ جاگیرداری اور زمینداری نظام اس سے ختم نہیں ہو گا۔ صرف احتجاج کا راستہ ہے جس سے نظام بدلا جا سکتا ہے' لیکن احتجاج کرنے کے لئے اور دین کو قائم کرنے کے لئے میدان میں وہ لوگ آئیں جو پہلے اپنی ذات اور اپنے گھروں میں دین نافذ کر چکے ہوں' اپنی معاش کو حرام سے پاک کر چکے ہوں' اپنی معاشرت کو درست کر چکے ہوں۔ یہ دو کام اگر نہیں کئے تو بہتر ہے کہ گھر میں بیٹھے رہیں باہر نہ نکلیں اور دین کا نام لے کر دین کو بدنام نہ کریں۔ لیکن اگر یہ مرحلہ طے کر لیں تو پھر ایک بنیانِ مرصوص بن کر پہلے نہی عن المنکر باللسان کریں اور جب تک کافی طاقت مہیا نہ ہو اس وقت تک دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ "تم میں ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی دعوت دے' نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔"

ابتدا میں یہ سب زبان سے ہو گا' تحریر و تقریر اور ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع استعمال کئے جائیں گے لیکن جب کافی طاقت مہیا ہو جائے گی تب "نہی عن المنکر بالید" ہو گا کہ اب ہم یہ کام نہیں ہونے دیں گے' اب یہ سودی بینک نہیں چلیں گے' انکا گھیراؤ کریں گے۔ اخبارات میں فحاشی پر مبنی رنگین صفحات نہیں شائع ہونے دیں گے' کراچی میں ایم کیو ایم نے صرف اس بات پر روزنامہ جنگ کا گھیراؤ کیا تھا کہ یہ اخبار ہماری خبریں صحیح طور پر شائع

نہیں کر رہا' پھر صورت یہ ہوئی کہ الطاف صاحب کو چھینک بھی آتی تھی تو پہلے صفحے پر خبر لگتی تھی۔ کچھ کرنے کے لئے ہمیں میدان میں آنا پڑے گا۔

یہ ہے وہ اصل ترکِ دُنیا یا سلوکِ محمدیؐ جس کے ضمن میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اور دُنیا کی مثال تو راہ چلتے مسافر کی ہے جو کچھ دیر ستانے کے لئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے' پھر وہ اسے چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ سے بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

"اے نبی! ان سے کہہ دیجئے' اگر تمہیں اپنے باپ' اپنے بیٹے' اپنے بھائی' اپنی بیویاں' اپنے رشتہ دار' اپنے وہ مال جو تم نے بڑی محنت سے جمع کئے ہیں' وہ کاروبار جن کے خسارے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے' اور وہ گھر (کوٹھیاں اور حویلیاں) جو تمہیں بہت پسند ہیں (جو تم نے بہت چاہت سے بنائی اور سجائی ہیں) اگر (یہ آٹھ چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو جاؤ انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

یہ ہے ترکِ دُنیا کا قرآنی تصور کہ ساری محبتیں اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کے تابع ہو جائیں۔ بقولِ اقبال ؎

یہ مال و دولت دُنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گمان لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

گویا دُنیا کو اس معنی میں متاعِ غرور کہا گیا ہے کہ دُنیا کی کوئی شے اور اس کی محبت دعوت و اقامت دین کی جدوجہد کے راستے میں بیڑی بن کر ہمارے پاؤں میں نہ پڑ جائے۔ اگر یہ اس راہ کی رکاوٹ ہے تو یہ دُنیا متاعِ غرور ہے' دھوکا ہے' فریب ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ آپ اس راستے پر چل رہے ہیں جس پر حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم چلے تو

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

نماز میں خشوع

حقیقت واہمیت اور اسباب (۲)

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد حفظہ اللہ
ترجمہ و تفہیم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور عفی اللہ عنہ

○

ا) خشوع پیدا کرنے یا مضبوط کرنے والے کاموں کا اہتمام کرنا

③ نماز میں موت کو یاد کرنا : اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((أُذْكُرِ الْمَوْتَ فِيْ صَلاَتِكَ ' فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا ذَكَرَ الْمَوْتَ فِي صَلاَتِهِ لَحَرِيٌّ أَنْ يُحْسِنَ صَلاَتَهُ ' وَصَلِّ صَلاَةَ رَجُلٍ لاَ يَظُنُّ أَنَّهُ يُصَلِّي غَيْرَهَا)) (۲۳)

"دورانِ نماز موت کو یاد رکھو' جب انسان دورانِ نماز موت کو یاد کرلے تو یقیناً وہ نماز کو عمدہ اسلوب سے ادا کرے گا۔ اور اُس آدمی کی طرح نماز پڑھو جس کو یقین نہ ہو کہ اگلی نماز پڑھ سکے گا"۔

حضرت ابوایوب الانصاری ؓ کو اسی معنی میں وصیت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا قُمْتَ فِيْ صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ)) (۲۴)

"جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اسے الوداعی نماز سمجھ کر ادا کیا کرو"۔

یعنی اس یقین کے ساتھ نماز ادا کیا کرو کہ مجھے اگلی نماز نہیں ملے گی۔ اور جب ہر نمازی کو بالآخر مرنا ہی ہے اور یقیناً آخری نماز کا مرحلہ بھی آنا ہے تو جو نماز وہ ادا کر رہا ہے اس میں مکمل خشوع کا اہتمام کرلے' اسے کیا خبر کہ شاید یہ اس کی آخری نماز ہی ہو۔

④ قرآنی آیات اوراذکارِ نماز پر غور و فکر اور حسب حال ان کا جواب دینا :

قرآن حکیم غور و فکر کے لئے نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾

(صٓ : ۲۹)

"بابرکت کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور تاکہ عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں"۔

اور قرآن پر غور و فکر اسی وقت ہو سکے گا جب پڑھنے والے کو اس کے معانی آتے ہوں گے۔ اس کے نتیجہ میں وہ سوچ بچار کر سکے گا اور بالآخر اس سے اثر قبول کرلے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ ﴾

(الفرقان : ۷۳)

"اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو ان کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ اس پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے"۔

اس موقع پر تفسیر [۲۵] کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں کہ "مجھے اس آدمی کے بارے میں بڑی حیرانی ہوتی ہے جو بلا سمجھے قرآن پڑھتا ہے' آخر اسے قرآن کی لذت کیسے ملتی ہوگی؟" [۲۶]

آیاتِ قرآنیہ کو بار بار دہرانا اور معنی پر بار بار غور کرنا تدبر کے لئے بہت زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے' اور یہ نبی اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ ایک رات (نماز تہجد کے لئے) کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک ہی آیت کو دہراتے رہے۔ وہ آیت یہ تھی :

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ [۲۷] (المائدۃ : ۱۱۸)

"(اے اللہ!) اگر آپ انہیں عذاب دیں تو بھی یہ آپ کے بندے ہیں' اور اگر آپ انہیں معاف کردیں تو یقیناً آپ غالب اور حکمت والے ہیں"۔

اسی طرح جو دوسری چیز تدبر آیات کے لئے معاون ہوتی ہے وہ ہے حسب حال اثر قبول کرتے ہوئے آیات کا جواب دینا۔ حضرت حذیفہ بنؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپؐ الفاظ کو لمبا کر کے پڑھ رہے تھے۔ جب تسبیح والی آیت سے گزر ہوتا تو آپؐ تسبیح کرتے اور جب سوال کے قابل آیت سے گزر ہوتا تو آپؐ سوال کرتے اور جب تعوذ کے قابل آیت سے گزر ہوتا تو آپؐ اللہ سے پناہ کی درخواست کرتے"۔(۲۸)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کی تو جب رحمت پر مشتمل آیت سے گزر ہوا تو رحمت کا سوال کیا اور جب عذاب والی آیت سے گزر ہوا تو اللہ سے پناہ کی درخواست کی اور جب ایسی آیت آئی جس میں اللہ کی عظمت بیان ہوئی ہے تو تسبیح بیان کی۔"(۲۹)

یہ اندازِ قیام و قراءت تہجد کی نماز میں بیان ہوا ہے۔

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں' ساری رات ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ہی پڑھتے رہے' اور کچھ نہیں پڑھا۔(۳۰)

جناب سعید بن عبید الطائی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان میں امامت کروا رہے تھے' میں نے سنا کہ وہ بار بار صرف یہی آیت دہرا رہے تھے:

﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ط يُسْحَبُوْنَ○ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ○ ﴾

(المومن/غافر: ۷۰-۷۲)

"عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں' جن سے پکڑ کر وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف کھینچے جائیں گے اور پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے"۔

اور جناب القاسم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نماز میں کھڑے ہوئے اور بیس سے زیادہ مرتبہ ایک ہی آیت دہراتے رہے:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ...... ﴾ (البقرة: ۲۸۱)

"اس دن (کی رسوائی و مصیبت) سے بچو جبکہ تم اللہ کی طرف واپس لوٹائے جاؤ گے' پھر وہاں ہر شخص کو اس (کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی) کا پورا پورا بدلہ مل

جائے گا۔"

ابو عبداللہ القیسی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم نے حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس قیام کیا تو آپ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور فجر کی اذان تک ایک ہی آیت دہراتے رہے :

﴿ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا ﴾ (ابراھیم : ۳۴)

"اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے"۔

ہم نے صبح کو آپ سے دریافت کیا : اے ابو سعید! (حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی کنیت ہے) ساری رات آپ ایک ہی آیت پڑھتے رہے' آخر کیا ماجرا ہے؟ فرمایا: "اس میں عبرت کا سامان ہے۔ ایک دفعہ آنکھ بند کرنے اور ایک دفعہ کھولنے میں بھی نعمت ہے اور جن نعمتوں کو ہم پہچانتے ہی نہیں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے"۔ (۳۱)

جناب ہارون بن رباب الاسیدی رحمہ اللہ رات کو تہجد کے لئے کھڑے ہوتے اور کبھی کبھی یہی آیت صبح تک دہراتے رہتے اور روتے رہتے :

﴿ فَقَالُوا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

(الانعام : ۲۷)

"اس وقت وہ کہیں گے : کاش کوئی صورت ایسی ہو کہ ہم دنیا میں پھر واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوں"۔

قرآن حکیم کو زیادہ سے زیادہ زبانی یاد کرنا اور اسی طرح مختلف قسم کے اذکار جو نماز کے مختلف حصوں میں پڑھے جاتے ہیں ان کو یاد کرنا' تدبر کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے' تاکہ آدمی مختلف اوقات میں ان کو پڑھتا رہے' انہیں یاد رکھے اور ان میں غور کرتا رہے۔ تدبر و تفکر' بار بار دہرانا اور آیات کا جواب دینا بلاشبہ خشوع کو زیادہ کرنے میں عظیم کردار رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ ﴾ (الاسراء : ۱۰۹)

"اور وہ روتے ہوئے منہ کے بل گر جاتے ہیں اور اسے سن کر ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے"۔

ایک انتہائی پُر تاثیر واقعہ ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود قرآنی آیات پر کس قدر غور فرماتے تھے اور آپ پر خشوع کی کیفیت کس انداز

سے طاری ہوتی تھی۔ حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور عبید بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب عبید بن عمیر نے درخواست کی کہ رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے ہمیں کوئی ایسا واقعہ بتائیں جو آپ ؐ کو سب سے زیادہ بھلا لگا ہو۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اور فرمایا :

"ایک رات رسول اللہ ﷺ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اے عائشہ! آج مجھے اپنے رب کی عبادت کرنے دو"۔ میں نے کہا: "اللہ کی قسم مجھے آپ کا قرب پسند ہے اور جو چیز آپ کو خوش کرے وہ بھی پسند ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں : "آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور وضو فرمایا' پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی گیلی ہو گئی' پھر آپ روتے رہے یہاں تک کہ قمیض کا اگلا حصہ گیلا ہو گیا اور پھر روتے رہے حتیٰ کہ زمین بھی نمدار ہو گئی۔ اس دوران حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کا کہنے آ گئے۔ دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا :

((اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا؟ لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَ آيَاتٌ ' وَيْلٌ لِمَنْ قَرَءَ هَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ مَا فِيهَا : اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ....)) (۳۲)

"کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ آج رات مجھ پر کچھ آیات نازل ہوئی ہیں۔ اس آدمی کی تباہی و بربادی ہے جو ان کو پڑھے اور ان میں غور نہ کرے اور یہ آیات ہیں ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰) "زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ہوشمند لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں"۔

سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا بھی آیات کے جواب میں شامل ہے اور اس کا بہت بڑا اجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (۳۳)

"جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو' کیونکہ جس آدمی کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔

اسی طرح جب امام "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہے تو مقتدی "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہے' اس کا بھی بڑا اجر ہے۔ حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کہا: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ"۔ ایک آدمی نے پیچھے سے جواب میں کہا: "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حمدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ" آپ نے نماز سے فراغت کے بعد دریافت کیا: "کس نے جواب دیا تھا؟" ایک آدمی نے کہا "مَیں نے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((رَاَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّل)) (۳۴)

"میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا' ہر ایک اس جواب کو پہلے لکھنے کے لئے لپک رہا تھا"۔

⑤ ہر آیت پر رُکنا : یہ اسلوب معنی کو سمجھنے اور غور کرنے کے لئے بہت زیادہ مفید ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھ کر رُک جاتے' پھر ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ پڑھ کر رُک جاتے' پھر ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ پڑھتے۔ اسی طرح ہر آیت پر رُکتے جاتے"۔ (۳۵)

آیات پر رُکنا سُنّتِ نبویؐ ہے چاہے اس آیت کا معنوی تعلق اگلی آیت سے باقی ہو۔

⑥ قرآن حکیم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور آواز کو خوبصورت بنانا : اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴾ (المزّمل : ۴) "اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک حرف کو بنا سنوار کر پڑھتے تھے (۳۶) اور آپ ﷺ ایک سورت اس ترتیل کے ساتھ پڑھتے کہ وہ اپنے حجم سے بڑی سورت سے بھی بڑی محسوس ہوتی۔ (۳۷) جلدی جلدی پڑھنے کے مقابلے میں آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں غور و فکر اور خشوع کا زیادہ موقع مل جاتا ہے۔

اچھی اور خوبصورت آواز کے ساتھ تلاوت بھی خشوع کے لئے معاون ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا :

((زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يزيدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا))
"قرآن کو خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھا کرو کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن میں اور اضافہ کر دیتی ہے"۔ (۳۸)

اچھی آواز میں پڑھنے سے مُراد قرآن کو غیر ضروری لمبا کر کے پڑھنا نہیں ہے اور نہ ہی گانے والوں کے انداز میں پڑھنا مُراد ہے' بلکہ اللہ کے خوف کے ساتھ ساتھ آواز میں خوبی پیدا کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اِنَّ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ صَوتًا بِالْقُرْاٰنِ الَّذِیْ اِذَا سَمِعْتُمُوْهُ يَقْرَءُ حَسِبْتُمُوْهُ يَخْشَى اللّٰهَ)) (۳۹)

"سب سے اچھا قرآن وہ آدمی پڑھتا ہے جس کو تم قرآن پڑھتے ہوئے سنو تو تم کو یقین ہو کہ یہ آدمی اللہ سے ڈر رہا ہے"۔

⑦ نمازی کو معلوم رہے کہ اللہ اسکی نماز کا جواب دے رہا ہے : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر رکھا ہے اور میرے بندے کا ہے جو وہ مانگ لے۔ پس جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "میرے بندے نے میری تعریف کی ہے"۔ اور جب بندہ ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے" اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے "یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے نے جو مانگ لیا وہ اس کا ہے"۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے "یہ میرے بندے کا حق ہے اور جو میرے بندے نے مانگ لیا وہ اس کا ہوا"۔ (۴۰)

یہ حدیث بہت عظیم ہے۔ اگر ہر نمازی کے دھیان میں رہے تو اس میں خود بخود ہی بے انتہا خشوع پیدا ہو جائے اور اس پر سورۂ فاتحہ کا عظیم اثر مرتب ہو۔ اس طرح اس کو احساس ہو جائے گا کہ اس کا رب اس سے گفتگو کر رہا ہے اور اس کی مُرادیں پوری کر رہا ہے لہٰذا نمازی کو اس گفتگو کی قدر کرنی چاہیئے اور اس کو احترام دینا چاہیئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

"جب تم میں سے کوئی کھڑا نماز پڑھ رہا ہو درحقیقت وہ اپنے رب سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ اسے خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کس انداز سے باتیں کر رہا ہے"۔(۴۱)

⑧ اوٹ کے قریب نماز پڑھنا : نماز میں جن کاموں کے ذریعے خشوع حاصل ہوتا ہے ان میں سے ایک سُترے (اوٹ) کا اہتمام کرنا اور اس کے قریب ہو کر نماز پڑھنا ہے۔ اس سے نمازی کی نگاہ محدود علاقے میں رہتی ہے' شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور لوگ بھی اس کے سامنے سے نہیں گزرتے' کیونکہ لوگوں کا سامنے سے گزرنا نمازی کو ذہنی طور پر پریشان کرتا ہے۔ اس طرح اجر کم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیُصَلِّ اِلٰی سُتْرَۃٍ فَلْیَدْنُ مِنْھَا)) (۴۲)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سامنے سُترہ (اوٹ) رکھ لے اور اس کے قریب ہو کر کھڑا ہو"۔

سُترے کے قریب کھڑے ہونے کا بہت فائدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی سُتْرَۃٍ فَلْیدنُ مِنْھَا لَا یَقْطَعُ الشَّیطَانُ عَلَیْہِ صَلَاتَہٗ)) (۴۳)

"جب تم نماز میں سُترہ بناؤ تو اس کے قریب کھڑے ہو۔ اس طرح شیطان اس کی نماز نہیں توڑ سکتا"۔

سُترے اور نمازی کے درمیان تین ہاتھ (ساڑھے چار فٹ) کا فاصلہ ہونا چاہیئے' سجدہ گاہ اور سُترے کے درمیان اتنی جگہ ہو کہ بکری گزر سکے۔ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔(۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے نمازی کو تاکید کی ہے کہ کسی کو اپنے اور سُترے کے درمیان سے نہ گزرنے دے۔ فرمایا :

((اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ یُصَلِّی فلا یَدَعْ اَحداً یَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلیَدْرَأْہُ مَا اسْتَطَاعَ ' فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَاتِلْہُ فَاِنَّ مَعَہُ القَرِینُ)) (۴۵)

"تم میں سے جب کوئی نماز ادا کر رہا ہو تو کسی کو سامنے سے نہ گزرنے دے' جس حد تک ہو سکتا ہو گزرنے والے کو روکے' اور اگر وہ زبردستی کرے تو اس کے

ساتھ جھگڑا کرے کیونکہ گزرنے والے کے ساتھ شیطان ہے"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "سُترے کی حکمت یہ ہے کہ نظر اس کے پار جانے سے رک جاتی ہے اور قریب سے گزرنے والا بھی رک جاتا ہے، اور سُترہ شیطان کو بھی روکتا ہے جس کے گزرنے سے نماز ضائع ہو جاتی ہے"۔ (۴۶)

⑨ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر سینے پر باندھنا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے (۴۷) اور ان دونوں کو سینے پر رکھتے۔ (۴۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ہم انبیاء کی جماعت کو حکم ملا ہے کہ ہم نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھیں"۔ (۴۹)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں قیام کے دوران دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ آپؒ نے جواب دیا کہ غالب و عزیز ذات کے سامنے یہ عاجزی کی شکل ہے۔ (۵۰) امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ علماء نے بتایا ہے کہ نماز میں اس ہیئت میں کھڑے ہونے کی حکمت یہ ہے کہ :

۱) یہ ایک بے بس سوالی کا سا انداز ہے۔

۲) اس طرح کھڑے ہونا بے کار اور فضول کاموں سے روک دیتا ہے۔

۳) اور خشوع کے قریب تر شکل ہے۔ (۵۱)

⑩ سجدہ گاہ پر نظر لگائے رکھنا : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو سر کو جھکا لیتے اور اپنی نگاہ کو زمین پر لگا دیتے۔ (۵۲) اور جب آپ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلنے تک اپنی نگاہ کو سجدے کی جگہ سے نہیں ہٹایا۔ (۵۳) البتہ نمازی جب تشہد کے لئے بیٹھے تو جس انگلی کو ہلا کر اشارہ کر رہا ہو اس کی طرف دیکھتا رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ "جب آپؐ تشہد کے لئے بیٹھتے تو انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے قبلہ کی طرف اشارہ کرتے اور اپنی نگاہ کو اُسی پر جمائے رکھتے"۔ (۵۴)

دوسری روایت میں ہے : "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا اور اپنی نگاہ کو اشارے پر لگائے رکھا"۔ (۵۵)

نماز میں آنکھیں بند کرنا

بعض نمازیوں کے ذہن میں یہ سوال گردش کرتا رہتا ہے کہ دورانِ نماز آنکھیں بند کرنے کا کیا حکم ہے؟ بالخصوص جبکہ نمازی اس طرح اضافی خشوع محسوس کرتا ہو۔

جواب : یہ کام رسول اللہ ﷺ کی سُنت کے خلاف ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ دورانِ نماز آنکھیں بند کرنے کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ اس طرح سجدے والی جگہ پر نظر لگانے والی سُنت رہ جاتی ہے اور تشہد میں شہادت کی انگلی کی طرف دیکھنے کی سُنت بھی رہ جاتی ہے۔ اس کے باوجود مسئلے کو تفصیل سے سمجھنا ضروری ہے۔ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ اس مسئلے کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں :

"دورانِ نماز آنکھیں بند کرنا نبی ﷺ کی سُنت و ہدایت کا حصہ نہیں ہے۔ اور یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آپ تشہد میں اپنی نگاہ کو شہادت والی انگلی پر جمائے رکھتے اور آپ کی نگاہ انگلی سے آگے نہ بڑھتی۔

دورانِ نماز آنکھیں کھلی رکھنے کے متعدد دلائل ہیں، مثلاً :

نمازِ کسوف کے دوران رسول اللہ ﷺ نے جنت کے انگور دیکھے تو انہیں لینے کے لئے ہاتھوں کو بڑھایا۔ اسی طرح آپ نے آگ دیکھی، بلی کو باندھنے والی عورت دیکھی اور وہ آدمی دیکھا جو اپنی کھونڈی (۵۶) سے حاجیوں کا مال اُچک لیتا تھا۔ نیز آپ نے اس جانور کو بھی روک دیا جو آپ کے سامنے سے گزرنا چاہتا تھا اور ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو بھی آپ نے منع کر کے دوسری لڑکیوں میں بٹھا دیا۔ دورانِ نماز آپ نے سلام کرنے والے کو بھی ہاتھ سے اشارہ کر کے جواب دیا۔ اس طرح کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ ایک حدیث میں تذکرہ ہے کہ (نماز کے دوران) شیطان آپ کے سامنے آ گیا تو آپ نے اسے پکڑ کر اس کا گلا دبا دیا اور آپ نے اسے کھلی آنکھ سے دیکھا تھا۔ مذکورہ بالا احادیث اور ان کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی یہ یقینی علم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں آنکھیں بند نہیں کرتے تھے۔

البتہ آنکھیں بند کر کے نماز کے مکروہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد اور دیگر ائمہ نے اسے مکروہ کہا ہے، انہوں نے کہا کہ دورانِ نماز آنکھیں بند کرنا یہودیوں کا طریقہ ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے آنکھیں بند کرنے کو مباح قرار دیا ہے اور مکروہ نہیں کہا۔
صحیح رائے یہ ہے کہ اگر آنکھیں کھول کر نماز پڑھنے سے خشوع میں خلل نہ پڑتا ہو تو آنکھیں کھولنا افضل ہے۔ اور اگر آنکھیں کھولنے سے خشوع ختم ہو جاتا ہو' یا اس میں کمی آجاتی ہو تو آنکھیں بند کرنا افضل ہے' مثلاً سامنے بیل بوٹے بنے ہوں یا کچھ اس طرح کے نقش و نگار کئے گئے ہوں جن کی وجہ سے دل اس طرف متوجہ ہوتا ہو۔ اگر اصولِ شریعت اور مقاصد کو سامنے رکھا جائے تو کراہت کی بجائے ان حالات میں آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے"۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا اصول یہ طے پایا کہ آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا اصل سُنّت ہے' ہاں اگر کسی وجہ سے خشوع میں فرق آرہا ہو تو آنکھیں بند کرنے کی بھی اجازت ہے۔

(جاری ہے)

حواشی

(۲۳) مسند الفردوس للدیلمی ۱/۴۳۱' ح ۱۷۵۵۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة' ح ۱۴۲۱۔

(۲۴) مسند احمد ۵/۴۲ و سنن ابن ماجه' کتاب الزھد' باب الحکمة' ح ۴۱۷۱۔ حدیث حسن ہے۔

(۲۵) قرآن حکیم کو باترجمہ پڑھنا خاصا مفید ہے لیکن اگر کسی مستند تفسیر کی روشنی میں پڑھا جائے تو فائدہ دوچند ہو جاتا ہے۔ اس دور میں احسن البیان اور تفہیم القرآن عام آدمی کے لئے مفید تفسیریں ہیں' دونوں کا انداز مختلف ہے اور اگر دونوں سے فائدہ اٹھایا جائے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

(۲۶) مقدمہ تفسیر الطبری از محمود شاکر ۱/۱۰۔

(۲۷) صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۷۱ و مسند احمد ۵/۱۴۹

(۲۸) صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین' باب استحباب تطویل القراءة فی صلاة اللیل' ح ۷۷۲

(۲۹) تعظیم قدر الصلاة ۱/۳۲۷

(۳۰) مسند احمد ۳/۴۳ و صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ' ح ۴۷۲۶

(۳۱) التذکار للقرطبی' ص ۲۵

(۳۲) صحیح ابن حبان الاحسان ۲/۳۸۶ ح ۷۳۰۔ شعیب الارناووط اور علامہ الالبانی نے حدیث کو

سلسلۃ الاحادیث' ح ۱۸۲ میں قوی اور جید قرار دیا ہے۔

۳۳) صحیح البخاری' کتاب صفۃ الصلاۃ' باب جہر الامام بالتامین' ح ۷۸۰ و صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب التسمیع والتحمید والتامین' ح ۴۱۰

۳۴) صحیح البخاری' کتاب صفۃ الصلاۃ' باب فضل اللّٰھم ربنا ولک الحمد' ح ۷۹۶

۳۵) سنن النسائی' ابواب القراءات' ح ۳۰۷ و سنن ابی داؤد' کتاب القراءات' ح ۴۰۰۱۔ حدیث صحیح ہے۔

۳۶) مسند احمد ۲۹۲/۶ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' ح ۱۴۶۶ و سنن النسائی ۵۲۳/۲' ح ۱۰۲۱

۳۷) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب جواز النافلۃ قائماً و قاعداً' ح ۷۳۳

۳۸) المستدرک للحاکم ۵۷۵/۱ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب ۳۵۵' ح ۱۴۶۸

۳۹) سنن ابن ماجہ' کتاب اقامۃ الصلاۃ' باب فی حسن الصوت بالقرآن' ح ۱۳۳۹۔ حدیث صحیح ہے۔

۴۰) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وجوب قراءۃ الفاتحہ' ح ۳۹۵

لے گویا بقول علامہ اقبال ؎

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اُٹھتے ہیں حجاب آخر' کرتے ہیں خطاب آخر

۴۱) المستدرک للحاکم ۳۳۶/۱۔ اور حدیث صحیح ہے۔

۴۲) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب الدنو من السترۃ' ح ۶۹۵

۴۳) حوالہ سابقہ

۴۴) صحیح البخاری' کتاب سترۃ المصلی' باب قدر کم ینبغی ان تکون بین المصلی والسترۃ' ح ۴۹۶ و فتح الباری ۶۸۳/۱ طالریان

۴۵) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' منع المار بین یدی المصلی' ح ۵۰۵

۴۶) شرح صحیح مسلم ۲۲۶/۴

۴۷) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری' ح ۴۰۱

۴۸) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلاۃ' ح ۷۵۹۔ حدیث صحیح ہے۔

۴۹) المعجم الکبیر للطبرانی ۱۵۰/۱۱' ح ۱۱۴۸۵۔ علامہ الہیثمی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مجمع الزوائد ۱۵۵/۳' ح ۲۸۸۰

۵۰) الخشوع فی الصلاۃ لابن رجب' ص ۲۳
۵۱) فتح الباری ۲/ ۲۳۲ ط الریان
۵۲) المستدرک للحاکم ۱/ ۲۷۰۔ علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ صفۃ الصلاۃ' ص ۸۹
۵۳) حوالہ سابقہ۔ علامہ الالبانی نے صحیح کہا ہے۔ ارواء الغلیل ۲/ ۴۷
۵۴) صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۵۵' حدیث ۷۱۹ و صفۃ صلاۃ النبی للالبانی ص ۱۸۵
۵۵) مسند احمد ۴/ ۳ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب الاشارۃ فی التشہد' ح ۹۹۰۔
علامہ الالبانی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔
۵۶) وہ لمبی چھڑی جسے بعض لوگ ضرورتاً یا عادتاً ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اس کا ایک کنارہ کافی حد تک گولائی میں مڑا ہوتا ہے۔

بقیہ : متاعِ غرور

یہ دُنیا برتنے کی چیز ہے' اسے استعمال کرو۔ دُنیا تو کھیتی ہے جس پر محنت کرو گے' کوشش و جہاد کرو گے' اسی دُنیا میں دعوت و تبلیغ کا کام کرو گے' تو اس کھیتی کی فصل تمہیں وہاں جا کر کاٹنی ہے۔ بس یہ دونوں پہلو ہمارے سامنے رہنے چاہئیں۔ اسی راہ میں دُنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے لئے ہمارے دلوں کو کھولے۔ اس لئے کہ دل کھلے ہوئے ہوں گے تو ہمارے اندر کوئی تبدیلی آئے گی۔ مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے کسی جگہ بہت پیارا جملہ لکھا ہے کہ اصل تبدیلی دل کی تبدیلی ہے' عقل تو کرائے کی وکیل ہے۔ دل جس طرف جانا چاہتا ہے دماغ اس سمت میں دلائل فراہم کر دیتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے' منزل نہیں ہے

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی ولکم و السائر المسلمین و المسلمات ○○

(مرتب : فرقان دانش خان)

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۸)

——— ڈاکٹر ابو معاذ ———

علامہ اقبال کی زندگی میں

لاہور میں رہتے ہوئے بھی علامہ اقبال اب خود کو روحانی طور پر سرزمین ایران میں مقیم محسوس کر رہے تھے۔ کبھی تو آپ اصفہان اور خوانسار کے شعراء کے ایجاز و حسن بیان کا ذکر فرماتے، کبھی خطۂ تبریز کی خاک کو اپنی آنکھوں کے سرمہ کا درجہ دے کر اسے نورِ نظر کا سرچشمہ قرار دیتے اور کبھی اہل شیراز سے ہم زبانی کا دعویٰ فرماتے۔ کبھی تبریز کی زرخیز مٹی کے لئے نمی کی آرزو فرماتے ہوئے کہتے کہ آپ اس کشت ویراں کے مستقبل سے ناامید نہیں ہیں اور کسی جلال الدین رومی کے اس خاکِ قدیم سے دوبارہ ظہور کے حسین خواب دیکھتے۔ کبھی آپ کو یہ نظر آتا کہ کسی نہ کسی دن تہران عالم مشرق کا جنیوا بننے والا ہے اور اس کی ممکنہ عالمی مرکزیت کے باعث زمانے کی تقدیر بدلنے والی ہے۔ آپ اپنے اشعار میں دماوند اور الوند کی چوٹیوں کا ذکر فرماتے اور قدیم ایران کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات سے ہم کلام ہو جاتے۔ اصفہان کے بیچوں بیچ گزرنے والے دریا یعنی زندہ رود کا نام اپنے تصوراتی آسمانی سفر میں اپنی ذات کے لئے منتخب فرماتے۔ قدیم ایرانی تاریخ میں زرتشت، مزدک اور مانی کے مذہبی نظریات اور مذہبی کتب اوستا اور ژند و پاژند کے خوبصورت پیرائے میں تذکرے فرماتے اور قدیم اساطیری عہد کے ایرانی بادشاہوں جمشید، کیکاؤس اور کیقباد کے عظیم ادوار کے واقعات کا ذکر شعری تلمیحات کے طور پر فرماتے ہوئے ان سے عبرت حاصل کرنے پر زور دیتے۔ ھخامنشی دور کے شہنشاہ داریوش (یا دارا) کی وسعت سلطنت اور سکندر

مقدونی کے ہاتھوں اس کے انقراض کا کئی مقامات پر تذکرہ فرماتے اور عہد ساسانی کے ایرانی بادشاہوں اردشیر' قباد' خسرو نوشیروان' خسرو پرویز اور یزدگرد کے ادوار میں بادشاہت کے عروج و زوال کے واضح انداز میں نقشے کھینچتے چلے جاتے' مگر ایران کے قوم پرست شاعر فردوسی کی طرح ان داستانوں پر نوحہ و ماتم کرنے کی بجائے اپنے قارئین کو درسِ عبرت دیتے اور ایران میں اسلام کی اشاعت کو تاریخ ایران کے لئے حیاتِ نو یا حیاتِ جاودان کا مظہر قرار دیتے۔ ایران کی بعد از اسلام تاریخ کا مکمل احاطہ فرماتے ہوئے آپ نادر شاہی اور پہلوی بادشاہت پر ایک انتہائی دلکش پیرائے میں شعر کہتے ہوئے ایران کے استبدادی' ظالمانہ اور عوام کو کچلنے والے فرسودہ شاہی اور مذہبی نظام (جو وہاں پر بدقسمتی سے اسلام کے مقدس نام پر رائج تھا) کا اکثر اوقات دردِ دل کے ساتھ ذکر فرماتے۔ اس طرح آپ ایران کو اسلام کی صحیح روح سے روشناس کروانے کی کوشش میں مگن ہو جاتے۔

یہ انتہائی افسوس ناک امر تھا کہ آپ اپنی زندگی میں ایران میں بطور شاعر اور مفکر کماحقہ مشہور نہ ہو پائے اور آپ کا کلام ماسوائے چند اہل دل افراد کے وہاں پر متعارف نہ ہو سکا۔ اُن دنوں ایران کے مخدوش داخلی حالات کی سنگینی' ایران کی برصغیر سے جبری لاتعلقی (انگریزوں کی وجہ سے) اور ممکنہ صعوباتِ سفر کی وجہ سے باہمی روابط کا عمومی فقدان آڑے آیا۔ پھر بھی افغانستان کے ذریعہ کسی نہ کسی طرح آپ کی کچھ نظمیں اور کتب ایران تک پہنچ گئیں۔ اپنی زندگی میں آپ کسی حد تک نہ صرف افغانستان میں متعارف ہو چکے تھے بلکہ آپ کے سفر افغانستان کے باعث آپ کو وہاں کے علماء' شعراء اور زعماء سے تعارف اور ملاقات کا موقع فراہم ہو چکا تھا اور آپ کی نظمیں اکثر اوقات وہاں کے فارسی ادبی مجلات کی زینت بنتی رہتی تھیں۔ آپ کی زندگی ہی میں ایران کے ممتاز علمی مجلہ "سخن" میں آپ کی ایک نظم شائع ہوئی تھی جو کابل کے کسی رسالے سے نقل کی گئی تھی اور غلطی سے آپ کو افغانستان ہی کا ایک شاعر سمجھا گیا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے شعبہ فارسی کے اساتذہ کے ایران کے اہل علم سے اُن دنوں واجبی سے تعلقات بھی کسی نہ کسی حد تک قائم تھے اور ایران سے

لاہور آنے والے اصحاب یا برصغیر سے زیارتوں کے لئے ایران جانے والے حضرات کی پروفیسر اقبال (جو علامہ کے ہم نام تھے) سے میل ملاقات بھی رہتی تھی۔ ان کے ذریعہ سے ہمیں علامہ اقبال کی خط و کتابت کا علم ایران کے اس دور کے کچھ ادباء اور شعراء کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان دانشوروں میں جناب محیط طباطبائی مرحوم اور جناب سعید نفیسی مرحوم کے نام بہت اہم ہیں۔ ان عظیم حضرات نے آپ کے کلام کے محاسن اور فکری بلندی کو سراہا تھا اور انہی کی خط و کتابت کے بعد آپ نے تحریر فرمایا تھا ؎

عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است ۔۔۔ نوائے من بہ عجم آتش کہن برافروخت

(میری درد بھری شاعری نے ایران میں وہ حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ وہاں کے آتش کدوں کی قدیم آگ کے شعلے دوبارہ بھڑک اٹھے ہیں۔ لیکن ابھی تک عرب کی سرزمین میرے شوق و جذبہ سے معمور نغمہ سے بے خبر ہے۔)

جناب محیط طباطبائی مرحوم

شاہی سرپرستی میں جب ۱۹۳۳ء میں ایران کے مشہور قومی شاعر ابوالقاسم فردوسی کا ہزار سالہ جشن ایران میں منعقد ہوا تو افغانستان سے ممتاز دانشور جناب سرور گویا بھی مدعو کئے گئے اور آپ اس غرض سے تہران تشریف لے گئے۔ سرور نے وہاں ایرانی ادباء اور شعراء کی محفل میں علامہ اقبال کے شعر و فکر کی تعریف کی۔ دوران گفتگو مجلس یعنی پارلیمنٹ کے ایک رکن (غالباً) ملک الشعراء بہار نے کہا کہ میں نے اقبال کے کلام کا ایک مجموعہ دیکھا تو ہے مگر ایران میں ان کے کلام کو ابھی تک چنداں پذیرائی حاصل نہیں ہو پائی۔ جناب محیط طباطبائی کو اس بات پر بے حد دکھ ہوا اور انہوں نے سرور گویا سے علیحدگی میں مل کر علامہ کے چار شعری مجموعوں کی بابت تفصیل سے بات کی اور کہا کہ جاوید نامہ (اشاعت کے دو برس بعد بھی) مجھ تک نہیں پہنچا' آپ کسی طرح میرے لئے اس کے ایک نسخہ کا بندوبست کر دیں۔ محیط طباطبائی نے علامہ اقبال سے متاثر ہو کر آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا مگر آپ اپنی شدید خواہش اور دلی آرزو کے باوجود (جس کا ذکر آپ نے بار بار کیا ہے) علامہ اقبال سے بالمشافہ طور پر مل نہ سکے۔ علامہ اقبال کی وفات کے چھ برس بعد آپ نے اپنے مجلّہ "محیط" کا ایک شمارہ "اقبال نمبر" کی

صورت میں شائع فرمایا۔ ۲۵/اپریل ۱۹۴۴ء کو شائع ہونے والے اس مجلہ کے تمام مضامین محیط کے اپنے ہی قلم سے ہیں۔

آپ نے لکھا کہ علامہ اقبال نے سلطنت عثمانیہ کے انقراض کے بعد اہل مغرب کو اپنی شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اقوام مشرق میں خودی کے جذبہ کو ابھارا ہے اور ایک نئے اور جاندار فلسفے کی بنیاد رکھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اقبال سب سے پہلے ایک مسلمان ہے' پھر ہندی اور پھر ایک ایرانی۔ علامہ کے کلام سے اسلامی ممالک کے لوگوں سے آپ کا عشق و محبت کا جذبہ واضح ہوتا ہے اور آپ خصوصاً افغانستان' ایران اور ہندوستان کے لوگوں کو ان مذموم سازشوں سے آگاہ کرتے ہیں جو اہل مغرب ان میں اسلامی وحدت اور دینی حمیت کو ختم کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ جنوں دور کی ترقی کے آڑ میں لائی جانے والی سماجی تبدیلیاں علامہ کے عرفانی مزاج سے متصادم ہیں اور آپ ایران کے موجودہ حالات پر تنقید فرماتے ہیں اور اہل مغرب کی اندھی تقلید کو انتہائی مایوسی کے عالم سے دیکھتے ہیں۔ لیکن رومی کی رہنمائی میں جو عشق علامہ اقبال کو ایرانی روحانیت سے ہے وہ کسی بھی ایرانی معاصر شاعراور مفکر کو بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ اگرچہ آپ ظاہری اعتبار سے تولاہور میں محو خواب ہیں مگر آپ کا مزار ان اہل دل کے سینوں میں ہے جو آپ کے سات فارسی شعری مجموعوں کے مطالعہ سے ان کی ابدی فکری اور ادبی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ آپ کے ہاں مضمون کی باریکی' معلومات کی وسعت و فراوانی اور بلند حقائق کا ادراک موجود ہے جن کی روشنی میں آپ عصر حاضر کے دگرگوں حالات کے متعلق اپنی اجتماعی اور فلسفیانہ معلومات کو فارسی کے قدیم اور روایتی اسلوب اور روایتی کے ذریعہ ہندو ایران کے اہل درد قارئین تک ایک دلکش پیرائے میں پہنچاتے رہے ہیں۔ میں (محیط طباطبائی) گزشتہ بیس برس سے علامہ کے کلام کا مطالعہ کرتا رہا ہوں اور میں نے مقدور بھر یہ کوشش کی ہے کہ میری تحریروں کے ذریعے ایران کے لوگ آپ کے کلام کو سمجھیں اور آپ کی عظمت کا اعتراف کریں۔ اب سے پانچ برس پہلے تک ایرانی لوگ علامہ اقبال کی بات تک بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے مگر تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی اور سماجی حالات کے تناظر میں لوگوں نے بالآخر آہستہ آہستہ آپ

کے افکار اور نظریات کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب ملت ایران نے بھی علامہ اقبال کی عظمت کا اعتراف کر کے ہندوستان کے مسلمانوں پر ثابت کر دیا ہے کہ مشترک تہذیب و ثقافت پر مبنی ہماری قدیم دوستی لازوال ہے اور اسے استعماری قوتوں کی سازشوں کا شکار نہیں بنایا جاسکا ہے۔

جناب محیط طباطبائی کے خیالات کے اس خلاصہ سے ایران میں اقبال شناسی کے اولین دور تک ہماری رسائی ہوتی ہے۔

جناب استاد سعید نفیسی مرحوم

آپ بیسویں صدی کے ایران کے عظیم علماء و فضلاء سے تھے۔ آپ کو عربی ٗ فارسی اور فرانسیسی کے علاوہ روسی زبان پر مکمل عبور تھا۔ آپ نے ۱۳۰ (ایک سو تیس) کے لگ بھگ کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت علامہ اقبال نے پروفیسر اقبال کے توسط سے آپ کو مثنوی اسرار خودی اور رموز بے خودی کے علاوہ زبور عجم کا شعری مجموعہ بھی بھجوایا تھا۔ اس کے بعد جناب پروفیسر نفیسی کی درخواست پر پیامِ مشرق کی بھی ایک جلد ارسال فرمائی تھی۔ آپ نے علامہ کی شاعری اور افکار سے متاثر ہو کر آپ کی خدمت میں ایک جذباتی خط بھی ارسال کیا تھا۔ علامہ اقبال نے آپ کو ۲۶/ اگست ۱۹۳۲ء کی تاریخ میں ایک خط لکھا تھا جس میں علامہ اقبال نے تحریر فرمایا کہ "میرے دل میں سالہا سال سے آپ کے ایران کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ میری فارسی شاعری ہے اور میرے لئے یہ ایک گونہ سعادت اور فخر کی بات ہے کہ آپ جیسے نامور عالم اور محقق نے اسے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔" اس خط کے ہمراہ پیام مشرق کی بھی ایک جلد بھجوائی گئی تھی جس پر سعید نفیسی مرحوم نے شکریے کا ایک اور خط تحریر فرمایا۔ اس کے جواب میں ہمیں علامہ اقبال کا نفیسی کے نام دوسرا خط ملتا ہے جس پر ۴/ نومبر ۱۹۳۲ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں یہ تحریر ہے کہ "جس طرح ایران کے ادباء اور فضلاء کو مجھ سے ملاقات کی آرزو ہے اسی طرح نیاز مند بھی ان سے ملنے اور ایران کو دیکھنے کا آرزومند ہے ٗ لیکن ممکن ہے کہ میری کمزوری اور علالت اس راہ میں رکاوٹ پیدا کر

دے۔ کچھ عرصہ بعد مجھے افغانستان کا سفر درپیش ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ کسی نہ کسی دن اپنی آنکھوں سے سرزمین ایران کو دیکھوں اور میری خدا سے دعا ہے کہ آپ جیسے شفیق اور مہربان دوست سے بھی ملاقات ہو سکے۔" جناب نفیسی اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں کہ "علامہ اقبال کو مشرق کے بہترین مستقبل پر بہت اعتماد ہے۔ آپ کے خیال میں مغرب کی برتری اور غلبے کا دور اپنے منطقی اختتام تک پہنچنے والا ہے اور اس کے بعد مشرق کے عروج اور اقتدار کی باری ہے۔"

ابتدائی دور میں علامہ اقبال پر ایران میں فارسی زبان میں لکھی جانے والی ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی کی اہم کتاب "رومی عصر" کا مقدمہ بھی جناب نفیسی نے ہی تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے علامہ اقبال کو برصغیر اور ایران کی نو سو سالہ فارسی شاعری کی عظیم روایات کا وارث قرار دیا اور آپ کی تصانیف کو برہان قاطع اور قاطع برہان قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ علامہ کا تصوف جدید معارف اور فلسفہ کے علاوہ مشرق و مغرب کے جدید علوم سے بہرہ اندوز ہے۔ آپ جس قدر سنائیؒ اور رومیؒ کے افکار سے باخبر ہیں اسی طرح ہیگل، کانٹ، شوپنہاور، نٹشے، گوتم بدھ اور کنفیوشس کے افکار سے بھی آگاہ ہیں۔ مزید برآں جس طرح پہلے بزرگوں نے مثنویٔ مولانا رومؒ کو قرآن پہلوی کا نام دیا ہے اسی طرح معاصر دانشور اقبال کی مثنوی کو مثنویٔ قرنِ حاضر سمجھ سکتے ہیں۔ آپ شاعری کے ایک نئے اسلوب کے بانی اور مجدد ہیں اور آپ کا نام تواریخ ادبیات میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ علاوہ بریں گزشتہ سات سو برسوں میں مختلف شاعروں نے مولانا رومؒ کے تتبع میں کئی مثنویاں لکھی ہیں مگر جس انداز سے اقبال نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آسکا۔ آپ نے کمزور اقوام کو غیروں کے نوآبادیاتی تسلط سے نجات حاصل کرنے اور اپنے گم شدہ مقام کے حصول کے لئے جوش دلایا ہے۔ آپ کا جاندار انقلابی پیغام مسلمانانِ عالم کے لئے ایک صحیفے یا وصیت نامے کی حیثیت کا حامل ہے۔

جناب استاد نفیسی ۱۹۵۶ء میں اقبال اکادمی کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے اور ۲۶/ فروری ۱۹۵۶ء کو کراچی میں دیئے گئے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اب اہل ایران اقبال کو رومیؒ اور حافظؒ کا ہم پلہ شاعر قرار دیتے ہیں۔ سات سو برس کے بعد قونیہ میں ملنے

والے رومیؒ کے افکار کا مظہر اس بار سیالکوٹ میں اقبال کی صورت میں رونما ہوا ہے اور ایسے افراد ہزار برس کی تاریخ میں بہت ہی کم تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ معاصر ایرانی دانشوروں کی نظر میں آپ کا وہی مقام ہے جو قدیم یونان میں افلاطون کا اور عالم اسلام میں ابن سینا اور رومی کا تھا۔ عظیم شعراء کے ہاں دستور رہا ہے کہ وہ معنی کو لفاظی اور موسیقیت پر قربان کر دیتے ہیں، لیکن اقبال کی توجہ ہمیشہ بلند و لطیف اور دقیق معانی کی طرف مبذول رہی ہے۔ آپ سنائی، عطار، مولانا روم اور عراقی کی عظیم صوفیانہ روایات کے خاتم ہیں اور آپ نے تمام تشنہ مطالب کی تکمیل فرماتے ہوئے لکھا ~

ذرہ ام مہر منیر آنِ من است   صد سحر اندر گریبانِ من است

(میں ایک ذرہ ہوں مگر چمکتا ہوا سورج میری ملکیت ہے اور میرے گریبان میں سینکڑوں صبحیں اپنے نمودار ہونے کی منتظر ہیں۔)

خاکِ من روشن تر از جامِ جم است   محرم نازا دہاے عالم است

(میری مٹی جامِ جمشید سے بھی زیادہ روشن اور شفاف ہے اور دنیا کے ان ہنگاموں کی بھی رازدان ہے جنھوں نے ابھی جنم لینا ہے۔)

۲۱/اپریل ۱۹۵۶ء کو کراچی میں ایک تقریب میں خطبہ صدارت کے دوران آپ نے فرمایا کہ زرتشتیوں کی مشہور مذہبی منظوم کتاب "ارتا ی ویراف برنامک" میں روح عالمِ سفلی سے اپنے سفر کا آغاز کر کے بتدریج بلندیوں سے ہوتی ہوئی اپنے عروج تک جا پہنچتی ہے۔ ایرانی صوفیاء نے اسے اپنانے کے بعد فلسفۂ ارتقاء یا معراجِ روح کا نام دیا ہے جس میں روح بالآخر ذاتِ خداوندی میں مدغم ہو جاتی ہے۔ عطار اسی تصور کو اپنی "مثنوئ منطق الطیر" میں بیان فرماتے ہیں۔ پندرھویں صدی عیسوی کے فارسی شاعر فضولی بغدادی نے اس تصور کو اپنی کتاب "مسافرتِ روح" میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح مشہور عرب نابینا مفکر ابو العلاء معری نے اپنی تصنیف "الغفران" میں اس پر مضمون آفرینی کی ہے۔ یورپ میں جرمن شاعر دانتے نے اپنی کتاب "طربیہ آسمانی" (Divine Comedy) میں انسانی معراج کے بیان کا اعلیٰ ترین نمونہ لطیف ترین معانی میں بیان کیا ہے:۔

علامہ اقبال کا جاوید نامہ اسی موضوع پر تحریر شدہ ایک عظیم شاہکار ہے جس میں آپ اپنے عالم بالا کے تصوراتی سفر کے دوران زرتشت' پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ مولانا رومیؒ' عارفِ ہندی' جہان دوست' سید جمال الدین افغانی' سعید حلیم پاشا' مہدی سوڈانی' حسین بن حلاج (منصور)' طاہرہ قرۃ العین' شاہ ہمدان' غنی کاشمیری' محمود غزنوی' ٹیپو سلطان' نادر شاہ افشار اور احمد شاہ درانی (ابدالی) اور حتیٰ کہ قدیم دیومالائی تصورات کے دیوتاؤں سے بھی ملتے ہیں۔ اس دوران آپ پیچیدہ' دقیق اور لطیف فلسفیانہ اور عارفانہ نکات کے علاوہ عصر حاضر کے سیاسی اور سماجی مسائل کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ اس طرح جاوید نامہ ہمیں تصوف کی آخری کتاب کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔

آپ کے کلام کے بغور مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے مثنوی مولانا روم' شیخ محمود شبستری کی گلشن راز' آثار سید علی ہمدانی' دیوانِ عراقی اور دیوان حافظ کا دقیق مطالعہ کیا ہے۔ آپ نے روایتی تصوف سے جمود کو ختم کر کے اس میں تحرک اجتماعیت اور انقلاب کے مفاہیم کو شامل کیا ہے۔ مملکت خداداد پاکستان کا وجود بھی بہت حد تک آپ کے فکر کے مرہون منت ہے۔ آپ کے پیغام کے مخاطب مسلمانان مشرق ہیں۔ آپ نے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کو خواب گراں سے بیدار کیا' پھر اہل ایران کے دلوں میں ایمان وایقان کا جوش وولولہ پیدا کیا۔ سیالکوٹ اور لاہور کے سفر کے دوران مجھے ان مقامات پر کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا جن کے ماحول میں علامہ اقبال کی زندگی بسر ہوئی تھی۔ اس تجربے نے مجھ پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔

اسی طرح جناب محمد ایوب کے فارسی دیوان "نوائے فردا" کے متعلق اظہارِ خیال فرماتے ہوئے موصوف کے نام خط میں پروفیسر نفیسی نے علامہ اقبال کو مسیحا نفس اور مسیحا دم قرار دیا اور کہا کہ آج برصغیر اور ایران کے متعدد شعراء اور مفکرین نے علامہ اقبال کی پیروی میں اظہار خیال کرنا اور شعر کہنا شروع کر دیا ہے۔ اقبال نے مشرقی فلسفہ کی جو نئی بنیاد رکھی ہے اس کے پیروؤں اور مداحوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ آپ نے ۱۹۵۶ء میں علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے یہ تاریخی قطعہ بھی کہا ؎

بخاکِ پاکِ تو آمد غبارے از ایران کشای چشم و سر از خاکِ یک زمان بردار

(آپ کی پاک سرزمین پر ایران سے مٹی کا ناچیز سا پتلا آیا ہے۔ اے کاش کہ آپ اپنی آنکھ کھول سکتے اور ایک لمحہ بھر کیلئے اپنی قبر کی مٹی سے سر اٹھا کر اسے دیکھ سکتے۔)

زخاکِ سعدی و فردوسی آمدم برخیز پیام حافظ آوردہ ام بشو بیدار

(میں شیخ سعدی شیرازیؒ اور ابوالقاسم فردوسیؒ طوسی کی سرزمین سے آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں حافظ شیرازیؒ کا پیغام بھی لایا ہوں۔ اے کاش آپ اٹھ کے دیکھ سکتے اور نیند سے بیدار ہو سکتے۔)

بدستِ من گلے ز بوستانِ مولانا ست بپاے خیز کہ تا بر سرت کنیم نثار

(میرے ہاتھ میں مولانا جلال الدین رومیؒ کے باغ سے حاصل کردہ پھول ہے۔ اے کاش آپ اپنے قدموں پہ کھڑے ہو سکتے تو میں یہ آپ کی نذر کر سکتا۔)

ہزار بار مرا آرزوے دیدن بود چہ می شود کہ بینم جمالِ تو یکبار

(ہزاروں مرتبہ میرے دل میں آپ کے دیدار کی آرزو پیدا ہوئی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں ایک بار آپ کا روشن چہرہ دیکھ سکتا۔)

برصغیر کے مسلمان سپاہی' ایران میں

گزشتہ صفحات میں مرزا کوچک کے جنگل کے انقلاب کا ذکر آچکا ہے۔ ان کی سرکوبی کے لئے جب برطانوی افواج کو رضا خان کی حمایت میں گیلان کے جنگلات میں بھجوایا گیا تو ان میں شامل لاتعداد مسلمان فوجی بھی تھے جن کا تعلق برصغیر سے تھا اور وہ مسلمان تھے' انہوں نے مرزا کوچک کے لٹریچر کا مطالعہ کیا اور فارسی سمجھنے کی وجہ سے سادہ مزاج انقلابی مسلمانوں سے متاثر ہو کر انہوں نے بھاگ کر مرزا کوچک کے ہمراہ مغربی استعمار کے خلاف جنگ لڑنا شروع کر دی۔ یہ لوگ بعد میں گرفتار ہوئے اور انہیں بغداد لے جا کر پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اس طرح ایرانی اسلامی احیاء کی تحریک میں ہمارا خون بھی شامل ہو گیا۔

دوسری جنگ عظیم میں اتحادی افواج جب ایران بھجوائی گئیں تو ان میں برطانوی افواج میں شامل برصغیر کے ایسے مسلمان فوجی بھی تھے جنہیں فارسی ادب سے کچھ نہ کچھ حد تک شغف تھا۔ ان میں جناب کرنل خواجہ رشید جیسے عظیم محقق اور فارسی کے اسکالر

اور کرنل حسنین بخاری جیسے فارسی کے شیدائی حضرات کو راقم الحروف ذاتی طور پر جانتا ہے۔ کرنل بخاری تو چند ماہ قبل تک زندہ تھے۔ آپ بتاتے ہیں کہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں آپ کی تعلیم کے دوران علامہ اقبال اکثر وہاں پر تشریف لایا کرتے تھے۔ موصوف دوسری جنگ عظیم کے دوران قصر شیرین کے مقام پر برطانوی ہسپتال کے سربراہ تھے (ان دونوں کرنل صاحبان کا تعلق میڈیکل کور سے تھا)۔ اپنی ایک اور تصنیف "اقبال عرفانی" میں ڈاکٹر عرفانی نے کرنل بخاری کے فارسی شعر و ادب سے ذوق کا ذکر بھی کیا ہے اور کرنل خواجہ رشید تو کئی کتب کے مصنف بھی تھے۔ یہ لوگ ایرانی ادب سے دلچسپی کے باعث اپنے قیام کے دوران ایران سے قریبی روابط کے حق میں تھے۔ مزید برآں سیاسی اور تجارتی مفادات کے مد نظر برطانوی حکومت نے بھی ایران اور ہندوستان کے مابین ثقافتی تعلقات کی تجدید کرنا چاہی۔ اسی مقصد سے ۱۹۴۳ء میں "انجمن فرہنگی ایران وہند" کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کی روح و رواں یہ لوگ تھے۔ ان لوگوں کی کوششوں سے ایران میں فارسی شعر و ادب کی نشستیں ہوتی رہیں اور علامہ اقبال ایران میں مزید متعارف ہوئے۔

ایرانی اسکالرز برصغیر میں

اسی دوران ایران کے شعراء اور ادیبوں کے دل میں برصغیر کو دیکھنے اور وہاں کے زعماء سے روابط کی تجدید کی تڑپ پیدا ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں ایران سے ایک ثقافتی وفد نے برصغیر کا مفصل دورہ کیا۔ اس میں ما قبل اسلام کے ایرانی ادب (اوستائی ادب) کے مشہور پروفیسر جناب پورِ داؤد بھی شامل تھے جنہیں بعد از اسلام کے شعر و ادب پر کوئی دسترس حاصل نہیں تھی۔ دہلی یا علی گڑھ میں قیام کے دوران آپ سے کسی صحافی نے علامہ اقبال کی شاعری کی بابت پوچھ لیا تو وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے کی بجائے کہنے لگے کہ اقبال ایک مقامی اور محدود علاقے کا شاعر ہے اور انہیں ایران میں کوئی نہیں جانتا۔ برصغیر میں قارئین کو تو دکھ پہنچا ہی ہو گا' مجلہ محیط (تہران) نے ۱۹۴۴ء میں اس واقعہ پر سخت تنقید کرتے ہوئے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ دیگر جرائد اور ایرانی عوام میں بھی غم

(باقی صفحہ ۷۳ پر)

تعارف کتب

اسرار احمد

(۱) سایۂ مصطفیٰ ﷺ تالیف قاضی عبدالدائم دائم

(۲) جی پی فنڈ پر زکوٰۃ' سود اور حج کی توضیح کے ضمن میں "التحقیق الصحیح" تالیف قاضی محمد صدر الدین

محترم قاضی عبدالدائم دائم مدظلہ' ایک متبحر عالم اور خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ' ہری پور ہزارہ کے مسند نشین ہونے کے ساتھ ایک جانب نہایت وسیع الظرف اور حد درجہ کھلے ذہن و قلب کے مالک بزرگ ہیں' اور دوسری جانب ذوقِ تحقیق و تفتیش سے بدرجۂ اتم سرشار "طالب علم" ہیں۔

آپ نے چند سال قبل جب ایک روز بغیر کسی پیشگی اطلاع کے اچانک نہایت بے تکلفی کے ساتھ قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن' لاہور میں وارد ہو کر راقم الحروف کو شرفِ ملاقات عطا فرمایا تو چونکہ راقم ان کے مرتبہ و مقام سے واقف تو کجا' شخصاً متعارف بھی نہ تھا' لہٰذا آنجناب کا کماحقہ' خیر مقدم اور اعزاز و اکرام نہ ہو سکا۔ جس کا بعد میں شدید قلق بھی رہا اور دل ہی دل میں شرمندگی بھی محسوس ہوتی رہی۔

بعد میں اس شرمندگی میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب' کچھ عرصہ قبل' ایک نوجوان نے' جن کا تعلق ویسے تو صوبہ سرحد ہی سے ہے لیکن وہ عرصۂ دراز سے متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں' ماہ رمضان المبارک کے آغاز سے ایک دن قبل آ کر بتایا کہ ـــــ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں نے تو قاضی عبدالدائم مدظلہ' کو لکھا تھا کہ رمضان المبارک کے دوران آپ کے پاس مقیم رہ کر کچھ فہم قرآن کے ضمن میں کسب فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں' لیکن قاضی صاحب نے ہدایت فرمائی کہ اگر فہم قرآن کے حصول کی طلب صادق ہے تو جا کر ڈاکٹر اسرار احمد کے دورۂ ترجمہ قرآن میں شمولیت اختیار کرو! ـــــ اللہ اکبر! علماء کرام کے حلقے میں یہ وسعتِ ظرف اور اپنے سے کہیں کمتر

لوگوں کی کسی خدمت یا صلاحیت کا اعتراف یا تو بہ تمام و کمال نظر آیا تھا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ میں' یا اپنے محدود علم کی حد تک اتنی آب و تاب کے ساتھ نظر آیا حضرت قاضی صاحب کی شخصیت میں!

قاضی صاحب مدظلہ' کا پہلا رسالہ ہمیں "سایۂ مصطفیٰ ﷺ" کے موضوع پر موصول ہوا تھا۔ عنوان کو دیکھ کر تو واقعہ یہ ہے کہ کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی اور گمان یہی تھا کہ خوش عقیدگی کا ایک اور مظہر' اور روایتی اور عوامی سطح پر عشقِ رسولؐ اور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر میں غلو کی ایک مثال ہو گی ـــــ لیکن پہلے ہی صفحے پر نظر ڈالنے سے معاملہ بالکل برعکس پایا ـــــ اور شدید حیرت ہوئی کہ خود خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ کے مسند نشین' اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے معتقد اور حلقہ بگوش ہونے کے باوجود قاضی صاحب مدظلہ' نے اپنے ذوقِ تحقیق کی بنا پر بہ کمال ادب و احترام حضرت مجدد الفِ ثانیؒ سے بھی اختلاف کی جرأت کی ہے اور اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی رائے پر بھی محاکمہ کی جسارت کی ہے۔ اور حتمی فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ خیال کہ آپؐ کا سایہ نہ تھا محض خوش عقیدگی ہے' جس کے لئے کوئی اصل نہ عقل میں ہے نہ نقل میں!

اس موضوع پر حضرت قاضی صاحب نے نقل و عقل کی اساس پر جو مدلل گفتگو کی ہے راقم الحروف کا یہ مرتبہ و مقام نہیں ہے کہ اس پر تنقید یا تبصرہ کرے۔ البتہ قارئین "میثاق" کی دلچسپی' اور اصل کتاب کے مطالعے کا شوق پیدا کرنے کے لئے ذیل میں حضرت قاضی صاحب کا وہ مکتوب درج کیا جا رہا ہے جو ذہن میں اس مسئلے پر اشکالات و سوالات پیدا ہونے پر آپ نے بہت سے علماء کرام کے نام استفسار اً ارسال کیا اور جس سے آپ کے تحقیقی اور "طالب علمانہ" مزاج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ـــــ اور جو اس رسالے کے آغاز میں درج ہے۔ وَھُوَ ھٰذَا :

علمائے اہل سنّت کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ سے ایک استفسار

مکرمی!   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

میں سیرت النبی ﷺ پر "سیّد الوریٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھ رہا ہوں'

جس کی پہلی جلد ان شاء اللہ عنقریب جنگ پبلشرز کے زیر اہتمام چھپ جائے گی۔ آج کل "مسند الوری" کی دوسری جلد پر کام کر رہا ہوں اور شمائل نبویہ کی تحقیق میں مصروف ہوں۔ اس سلسلہ میں سرور عالم ﷺ کے سایہ نہ ہونے میں چند الجھنیں واقع ہو گئی ہیں' جو میری کم علمی کی وجہ سے حل نہیں ہو پا رہی ہیں۔ اگر آپ رہنمائی فرماویں تو یہ عاجز از حد ممنون ہو گا' اور دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہو گا۔

محترم! اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ سایہ نہ ہونے پر علماء کرام کی عظیم اکثریت متفق ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس بارے میں کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں پائی جاتی۔ آپ کی ولادت باسعادت کے وقت متعدد معجزات ظاہر ہوئے جن کا کتب سیرت و تاریخ میں مفصل تذکرہ موجود ہے' مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ نومولود کا سایہ نہیں تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے دوران جو معجزات ظہور پذیر ہوئے' ان میں بھی سایہ نہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ سفر شام سے واپسی پر آپ کے ہم سفر نے جو معجزات بیان کئے' ان میں یہ تو مذکور ہے کہ آپ پر بادل سایہ کئے رہتے تھے' اور ایک درخت آپ پر سایہ کرنے کے لئے جھک پڑا تھا' مگر یہ کسی نے نہیں بتایا کہ آپ کا اپنا سایہ نہیں تھا۔ حالانکہ ایسے محیر العقول معجزے کا پورے عرب میں شور مچ جانا چاہئے تھا' اور سب سے زیادہ صحیح روایات اس بارے میں پائی جانی چاہئے تھیں' مگر حیرت ہے کہ زیادہ تو کجا ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

چلئے! اس کا تو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ عدم ذکر' عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے اور فضائل و مناقب میں ضعیف روایات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے' جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے۔ اس لئے علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کا یہ کہنا کہ سایہ نہ ہونے کی روایات محض بے اصل ہیں اور مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ دعویٰ کہ "بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالیؐ سایہ نداشتند" (امداد السلوک) دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ نہ تو عدم ظل تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور نہ ہی محض بے اصل ہے۔ کما حققہ الامام احمد رضا فی رسائلہ المتعلقۃ بنفی الفیئ بما لا مزید علیہ۔ یہ صورتحال تو نقل اور روایت کے لحاظ سے ہے' لیکن میری الجھنیں عقلی

ہیں جن کا جواب مطلوب ہے۔

گرامی قدر! یہ تو مسلّم ہے کہ سرکارِ دو جہاں ﷺ کا بدن مبارک کائنات میں سب سے زیادہ لطیف تھا اور جو علماء کرام سایہ نہ ہونے کے قائل ہیں' وہ زیادہ زور اسی نکتے پر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات کی تیسری جلد کے مکتوب نمبر ۱۰۰ میں ارشاد فرماتے ہیں :

"واُورا' صلی اللہ علیہ وسلم' سایہ نبود"۔

اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ :

"در عالم شہادت' سایہ ہر شخص' از شخص لطیف تر است' وچوں لطیف تر ازوے ﷺ چیزے نباشد' اُو را سایہ چہ صورت دارد"۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ نفی ظل میں اس لطافت سے متعدد جگہ استدلال کیا ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ لطافت سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ لطافت کی تو کئی صورتیں ہوتی ہیں :

① چیز جو غیر مرئی ہو' یعنی دکھائی نہ دے' جیسے ہوا کی لطافت۔

② دکھائی تو دے' مگر ٹھوس وجود نہ رکھتی ہو' جیسے شمع کی لو کی لطافت

③ ٹھوس وجود رکھتی ہو مگر شفاف ہو' یعنی اس کے آر پار دیکھا جا سکتا ہو' جیسے شیشے کی لطافت۔

④ آر پار نہ دیکھا جا سکتا ہو' مگر اس کا وجود بے حد نرم و نازک ہو' جیسے پھول کی کلیوں کی لطافت۔

لطافت کی پہلی دو صورتیں بدن نبوی میں بداہۃً ناممکن ہیں' کیونکہ آپ ﷺ کا جسم انور نہ صرف دکھائی دیتا تھا' بلکہ ٹھوس وجود رکھتا تھا' جس سے لوگ مصافحہ کرتے تھے' معانقے کرتے تھے' لپٹتے تھے اور چومتے تھے۔

تیسری صورت بھی محال ہے کیونکہ اس طرح لازم آئے گا کہ آپ کے اندرونی اعضاء مبارک معاذ اللہ نظر آنے لگیں یعنی دل اور جگر وغیرہ۔ مثلاً ــــ بلا تشبیہہ و تمثیل ــــ ایک گھڑی ہو' جس کا کیس شیشے کا ہو اور پرزے بھی شیشے کے ہوں' تو اس کا کیس اور پرزے سب کو نظر آئیں گے۔

ہاں' چوتھی صورت بلاشک و شبہ آپ کے لئے ثابت ہے کیونکہ آپ کا بدن اقدس برگِ گل سے زیادہ نازک اور حریر و پرنیاں سے زیادہ ملائم تھا' لیکن

اس معنی میں لطافت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا سایہ نہ ہو۔ کیونکہ پھول کی کلیاں اور ریشم کے لچھے نزاکت اور ملائمت کے باوجود سایہ دار ہیں۔

اگر کہا جائے کہ آپ کے جسم معطر سے جو انوار پھوٹتے تھے' ان کی وجہ سے آپ کا سایہ معدوم ہو جاتا تھا' تو اس صورت میں سوال یہ ہے کہ آپ جو لباس زیب تن فرماتے تھے' وہ شفاف ہو جاتا تھا' یا غیر شفاف رہتا تھا؟ اگر شفاف ہو جاتا تھا' تو پھر ساتر کیسے بنتا تھا؟ اور اگر غیر شفاف رہتا تھا' تو پھر بدن کا جو حصہ اس سے مستور ہو جاتا تھا' اس کا سایہ نظر آنا چاہئے۔ حدیث پاک میں آپ کا ایک وصف "نور المتجرد" بھی آیا ہے' جس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے نفی الفیئی میں یہ کیا ہے :

"کپڑوں سے باہر جو حصۂ جسم تھا' یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں وغیرہ' نہایت روشن و تابندہ تھا"۔ (مجموعہ رسائل مسئلہ نور و سایہ ص ۶۴)

اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدن اطہر کا جو حصہ کپڑوں کے اندر تھا' وہ اس طرح روشن و تابندہ دکھائی نہیں دیتا تھا' کیونکہ اس پر لباس کا پردہ پڑ جاتا تھا' تو جب لباس بدنِ اقدس کے انوار کے لئے حجاب بن جاتا تھا' تو شمس و قمر کے انوار کے لئے بھی لازماً حجاب بنتا چاہئے' کیونکہ سورج چاند کی تابانیاں نور نبوی ؐ کی تابانیوں سے بہرحال کم ہیں' لیکن اس صورت میں آپ کے سائے کی عجیب ہیئت بن جائے گی۔ یعنی کپڑوں کے باہر جو حصۂ جسم ہے' چہرہ گردن اور ہاتھ وغیرہ' اس کا سایہ تو نظر نہیں آئے گا' لیکن ملبوس حصے کا سایہ لباس کی وجہ سے دکھائی دے گا' کیا اس طرح معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ' آپ کا سایہ ایک تماشا سا نہیں بن جائے گا؟

امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ علم و معرفت میں ہماری جبین نیاز ہر دم خم رہتی ہے' مگر ہماری کوتاہ فہمی کی انتہا ہے کہ ہم ان کا یہ استدلال بالکل نہیں سمجھ پائے' کہ عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اُس شخص سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے لطیف تر کوئی چیز نہیں' اس لئے آپ کا سایہ نہیں ہو سکتا۔

نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کا استدلال کرتے ہوئے اگر کوئی کہے کہ

ہر شخص کے آنسو اس شخص سے لطیف تر ہوتے ہیں' کیونکہ مائع اور شفاف ہوتے ہیں' اور رسول اللہ ﷺ سے لطیف تر کوئی چیز نہیں ہو سکتی' اس لئے آپ کے آنسو بھی نہیں ہو سکتے' تو کیا یہ استدلال صحیح ہو گا؟ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے؟

علامہ ابن سبعؒ وغیرہ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ نور تھے' اس لئے آپ کا سایہ نہیں تھا' کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

سبحان اللہ! نور میں تو خون بھی نہیں ہوتا' کیا رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے خون کی بھی نفی کی جائے گی ــــــ؟ اگر آپ کے جسم میں خون کا رواں ہونا آپ کے نور ہونے کے معارض نہیں ہے' تو آپ کا سایہ ہونا' آپ کی نورانیت کے کیونکر منافی ہو سکتا ہے ــــــ؟

سایہ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے سائے پر کسی کا پاؤں نہ پڑے لیکن پاؤں تو سائے پر پڑتا ہی نہیں۔ بے شک تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ پاؤں پر سایہ پڑے گا' نہ کہ سائے پر پاؤں۔ سایہ تو پاؤں کے نیچے کسی صورت میں آ ہی نہیں سکتا۔

غرضیکہ یہ ہیں وہ الجھنیں جو اس فقیر کو اس سلسلہ میں درپیش ہیں۔ مقصد مجادلہ و مکابرہ نہیں' بلکہ حقیقت تک رسائی ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی اسی جذبے سے تشفی بخش عقلی جوابات عنایت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

واضح رہے کہ ان تمام سوالات کے جواب میں یہ کہہ دینا کہ جی! یہ تو معجزہ ہے' اور معجزہ تو نام ہی اس چیز کا ہے جو خلافِ عقل و خارقِ عادت ہو' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے' تو یہ درحقیقت جواب نہیں' بلکہ جان چھڑانے کا ایک بہانہ ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ "صلات الصفا" میں ایک جگہ فرماتے ہیں :

"اقول خرق العوائد لا کلام فیہ' والقدرۃ متسعۃ' ولکن وجود الصفۃ بدون الموصوف مما لا یعقل....

(مجموعہ رسائل نور و سایہ ص ۳۲)

یہ عاجز بھی یہی عرض گزار ہے کہ خرق عادت میں تو کوئی کلام نہیں' اور خدا کی قدرت بہت وسیع ہے' لیکن جس طرح صفت کا وجود بغیر موصوف کے

سمجھ نہیں آ سکتا اسی طرح غیر شفاف کا وجود بغیر سائے کے ہونا بھی سمجھ میں بھی نہیں آ سکتا۔ کیونکہ سایہ نہ ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں' ایک تو یہ کہ غیر شفاف وجود اتنا دور ہو جائے کہ اس کا سایہ چھوٹا ہوتے ہوتے معدوم ہو جائے' جیسے انتہائی بلندیوں پر اڑنے والے پرندے اور طیارے وغیرہ۔ دوسری یہ کہ سورج کی کرنیں اس پر ایسے زاویئے سے پڑیں' کہ سایہ نظر نہ آتا ہو جیسا کہ جسم مثلث میں ہوتا ہے یا استوائی خطوں میں دوپہر کے وقت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدن نبوی ﷺ میں یہ دونوں صورتیں موجود نہیں ہیں۔ اس لئے آپؐ کا سایہ نہ ہونے کی امکانی صورت کیا ہوگی؟

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

والسلام

قاضی عبد الدائم دائم

مدیر ماہنامہ جام عرفاں' سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ

مہتمم دار العلوم ربانیہ صدریہ ہری پور ہزارہ

فون : 0595/2959

(نوٹ : اس کتاب کے حصول کیلئے غالباً واحد جگہ حضرت قاضی صاحب کا مندرجہ بالا پتہ ہی ہے!)

---

(۲) دوسری کتاب جو ہمیں حال ہی میں موصول ہوئی ہے وہ "جی پی فنڈ پر زکوٰۃ' سود' اور حج کی توضیح" پر مشتمل "التحقیق الصحیح" ہے جو اصلاً تو تالیف ہے محترم قاضی عبد الدائم دائم صاحب کے والد بزرگوار "حضرت معظم قاضی محمد صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ" کی ـــــ البتہ اس کی ترتیب و تالیف حضرت قاضی عبد الدائم صاحب ہی نے کی ہے۔

اس مسئلہ سے راقم الحروف کی خصوصی دلچسپی اس سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ تنظیم اسلامی کے جملہ رفقاء اس سے واقف ہیں کہ آغاز کار ہی سے راقم اپنی اس رائے کا برملا اظہار کرتا رہا کہ پراویڈنٹ فنڈ پر اضافہ کیا جانے والا سود شرعی اعتبار سے "ربا" ہی ہے ـــــ اور لہٰذا حرام ہے ـــــ تاہم چونکہ اس موضوع پر مشہور و معلوم تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ برعکس ہے' لہٰذا راقم اپنے رفقاء سے کہتا رہا کہ میری

رائے تو یہی ہے کہ یہ سود ہی ہے' لیکن اگر کوئی رفیق تنظیم مولانا تھانویؒ کے فتویٰ پر عمل کرے تو مجھے اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔

"زیرِ تعارف" ("زیرِ تبصرہ" نہیں!) کتاب سے راقم کو ایک جانب تو انشراح بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی کہ ؏ "متفق گردید رائے بو علی با رائے من!" اس لئے کہ حضرت قاضی صدر الدینؒ کا حتمی فیصلہ یہی ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ پر جو اضافہ ہوتا ہے وہ سود یعنی ربا ہی ہے ـــــ اور دوسری جانب یہ بھی اندازہ ہوا کہ قاضی عبدالدائم صاحب کو ذوقِ تحقیق اپنے والد بزرگوارؒ سے وراثت میں ملا ہے۔ ("اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ") ـــــ اور مزید خوشی اس سے ہوئی کہ حضرت قاضی محمد صدر الدینؒ نے ایک مخلص طالب حق' اور عالم حقانی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی حتمی رائے کے اظہار سے قبل دوسرے کبار علماء سے گفتگو اور تبادلۂ خیالات کو ضروری سمجھا' حتیٰ کہ اس کے لئے کراچی تک کا سفر بذریعہ ہوائی جہاز اختیار کیا! ـــــ جس کے نتیجے میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے سلسلے کے "مجدد" ہی نہیں بقول بعض "جامع المجددین" کی رائے سے دستبرداری اختیار کر لی۔ اگرچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ' جو اس سلسلے کے زیادہ براہ راست "وارث" تھے اپنے شیخؒ ہی کی رائے پر جازم رہے ـــــ بعد ازاں جب یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہوا' تو بحمد اللہ اس نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ پراویڈنٹ پر دیا جانے والا سود' ربا ہی کے حکم میں ہے! اور اس ضمن میں حضرت معظم قاضی محمد صدر الدین صاحب کے دلائل ہی کو مبنی و مدار بنایا!

راقم الحروف نہ کبھی اسلامی فقہ کا باضابطہ طالب علم رہا ہے' نہ ہی اصول فقہ سے اس کی واقفیت "اِلاَّ مراءً ظاھرًا" سے بڑھ کر ہے لہٰذا اس موضوع پر بھی اس کی جانب سے کسی تنقید یا تبصرے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ کتاب کے تعارف کے لئے اس کا پیش لفظ محررہ قاضی عبدالدائم دائم مدظلہ درج ذیل ہے :

> "اس تحقیق کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت معظمؒ کے دامانِ عاطفت سے وابستہ بعض احباب نے آپ سے جی پی فنڈ سے متعلق سوال پوچھے۔ آپ نے اُس وقت تک جی پی فنڈ سے متعلقہ قوانین و ضوابط کا مطالعہ نہیں فرمایا تھا اور استفتاء کرنے والوں نے بھی وضاحت سے بیان نہیں کیا تھا۔ محض سرسری معلومات فراہم کی تھیں۔ اس لئے آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جی پی فنڈ میں جو رقم جمع

ہوتی ہے وہ چونکہ ملازم کے قبضہ اور ملکیت میں آنے سے پہلے ہی اس کی رضامندی کے بغیر جبراً کاٹ لی جاتی ہے اس لئے اس پر جو رقم حکومت بطور سود ادا کرتی ہے' وہ سود نہیں ہے اور اس کا لینا جائز ہے۔ اسی طرح اس فنڈ میں جمع شدہ رقم پر نہ زکوٰۃ فرض ہے' نہ اس سے حج فرض ہوتا ہے۔

چنانچہ آپ" گلزار خان صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

"روپیہ (جی پی فنڈ کے حساب کا) جو گورنمنٹ تنخواہ سے بلا اختیار کاٹ کر اس پر سود دیتی ہے' یہ سود نہیں ہے۔ سود تب ہوگا جب روپیہ آپ کے قبضہ میں دے کر پھر آپ کی رضا سے عقد کر کے سود پر لیا جائے"۔

(مکتوبات صدریہ' ج ۲' ص ۱۴۶)

اور حاجی گل حسن صاحب کے نام ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں :

"جی پی فنڈ کی جمع رقم پر نہ زکوٰۃ فرض ہے' نہ اس پر حج فرض ہے جب تک یہ رقم قبضہ میں نہ آجائے"۔ (مکتوبات صدریہ' ج ۲' ص ۱۴۶)

حضرت معظم" کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی مسئلہ پر فتویٰ دینے کے بعد بھی اس پر مسلسل غور و فکر کرتے رہتے تھے اور اگر کسی مرحلہ پر بھی آپ پر انکشاف ہوتا کہ سابقہ تحقیق صحیح نہیں تھی' تو اس سے بلا تامل رجوع فرمالیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد محض انانیت' ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کسی غلط بات پر اصرار کرتے رہنا اور لاَ نُسَلِّمُ کی رٹ لگائے رکھنا بہت بڑا جرم ہے۔

جی پی فنڈ کے سلسلہ میں بھی یہی معاملہ پیش آیا۔

آپ نے اپنے احباب کو مندرجہ بالا جوابات دینے کے بعد' حاجی گل حسن صاحب کو لکھا کہ جی پی فنڈ سے متعلقہ تمام قواعد و ضوابط ارسال کریں' تاکہ ان کو سامنے رکھ کر مکمل تحقیق کی جائے اور مفصل جواب لکھا جائے۔

جب حاجی صاحب نے جی پی فنڈ کے قوانین بھیجے اور آپ نے بغور مطالعہ کرنے کے بعد فقہی تحقیق شروع کی' تو آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ سابقہ رائے صحیح نہیں تھی۔ صحیح بات یہ ہے کہ جی پی فنڈ پر جو رقم حکومت بطور سود دیتی ہے' وہ بلاشبہ سود ہے اور اس کا لینا حرام ہے۔

اسی طرح جی پی فنڈ کی رقم پر زکوۃ بھی فرض ہے اور حج بھی۔

اسی دوران "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی" کی طرف سے ایک رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ و سود کا مسئلہ" کے نام سے شائع ہوا اور اس میں وہی فتویٰ دیا گیا' جو حضرت معظم" کی پہلی رائے تھی یعنی نہ سود' نہ زکوۃ' نہ حج۔

حضرت معظم" نے اس رسالے کا مطالعہ فرمایا' تو معلوم ہوا کہ ان علمائے کرام کو بھی صحیح صورتحال نہ سمجھنے کی وجہ سے فقہائے کرام کی چند عبارات سے غلط فہمی ہوئی ہے۔

آپ چونکہ طبعاً علماء کے اختلاف کو ناپسند فرماتے تھے اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" میں شامل دو بڑے علماء مولانا محمد یوسف بنوری" اور مولانا مفتی محمد شفیع" کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کی جائے اور ان پر صحیح صورتحال واضح کی جائے۔ نیز جن عبارات سے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے' ان کی بھی وضاحت کر دی جائے تاکہ وہ خود ہی اپنی رائے سے رجوع کر لیں' اور اختلاف کی صورت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ" مولانا محمد نعمان مرحوم (ساکن بیدڑہ ضلع مانسہرہ) کو ساتھ لے کر بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچے۔

مولانا بنوری" آپ کے واضح دلائل کو دیکھ کر قائل ہو گئے کہ ان دلائل کی موجودگی میں ہمارا فتویٰ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ میں مجلس میں شامل علماء کے سامنے آپ کے دلائل پیش کر کے ان سے رجوع کرنے کی گزارش کروں گا۔

اسی طرح حضرت معظم" نے مفتی صاحب سے بھی بات کی' مگر آپ" کے پاس چونکہ وسیع وقت نہیں تھا اس لئے مفتی صاحب سے تفصیلی گفتگو کے لئے محمد نعمان صاحب کو اپنے نمائندے کے طور پر وہاں چھوڑ کر واپس تشریف لے آئے۔ مولانا محمد نعمان صاحب نے مفتی صاحب سے گفتگو کی اور حضرت معظم" کے دلائل ان کے سامنے پیش کئے' کئی دن تک گفتگو ہوتی رہی مگر مفتی صاحب مرحوم نے اپنے فتویٰ کی صحت پر اصرار کیا اور رجوع مناسب نہ سمجھا۔

مولانا بنوری" کے داماد مولانا محمد طاسین" ناظم مجلس علمی کراچی (جو معاشیات اسلام کے ایک مسلم فاضل ہیں) بھی حضرت معظم سے متفق تھے' انہوں نے بھی

بہت کوشش کی کہ علماء کرام اپنے اس فتویٰ سے رجوع کرلیں مگر مجلس میں شامل اکثر علماء نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور تصحیح گوارا نہ کی۔

حضرت معظم ؒ کی اس آخری تحقیق سے پہلے مکتوبات صدریہ کی جلد دوم چھپ چکی تھی اور اس میں وہ دو مکتوبات بھی شامل تھے' جو آپ ؒ کی پہلی رائے کے مطابق تھے اس لئے آپ ؒ نے ایک طرف تو اپنی تحقیق کی تلخیص کرکے احباب کو بھیج دی کہ اسے مکتوبات صدریہ کے ضمیمہ کے طور پر چھپوا کر ساتھ لگا دیا جائے' تاکہ پہلے دو مکاتیب کو پڑھنے والے احباب غلطی میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں اور دوسری طرف مجھے ارشاد فرمایا کہ تم ان تحقیقات کو قلمبند کردو۔ ارشاد عالی کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے ان تحقیقات کو مرتب کرکے جب آپ ؒ کی خدمت میں پیش کیا' تو آپ ؒ بہت مسرور ہوئے اور مجھے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔ جزاہ اللہ عنی خیراً۔

اس دوران حضرت معظم ؒ کی مولانا محمد یوسف بنوری ؒ کے ساتھ خط و کتابت بھی جاری رہی' جس کی تفصیل پہلے ایڈیشن کی ابتدا میں مذکور ہے۔

۱۹۹۲ء میں پراویڈنٹ فنڈ پر سود کا مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہوا تو فاضل جج صاحبان نے طویل غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد حضرت معظم ؒ کے فتویٰ سے مکمل اتفاق کیا اور اپنے متفقہ فیصلے میں قرآن و سنت کی تصریحات کے ساتھ ساتھ حضرت معظم ؒ کی تحقیقات کو بھی بطور حوالہ پیش کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک!

اب جبکہ موجودہ حکومت نے قرآن و سنت کو سپریم لاء قرار دے کر اسلامی قوانین کے نفاذ کا بیڑا اٹھایا ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ اہل علم' خصوصاً قانون دان طبقے کو حضرت معظم ؒ کی اس غیر معمولی فاضلانہ کاوش سے آگاہ کرنے کے لئے حضرت معظم ؒ کے فتویٰ کے ساتھ شرعی عدالت کا فیصلہ بھی شائع کردیا جائے تاکہ قانون سے دلچسپی رکھنے کے والے محققین و فضلاء کے لئے رہنمائی کا کام دے اور اس مسئلے میں صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مددگار و معاون ثابت ہو۔

پہلے ایڈیشن میں اکثر عربی عبارات کا ترجمہ نہیں دیا گیا تھا' موجودہ ایڈیشن میں ان تمام عبارات کے ترجمے کا اضافہ کردیا گیا ہے تاکہ استفادے میں سہولت

رہے۔

علاوہ ازیں پہلے ایڈیشن میں مکتوبات صدریہ جلد دوم کا ضمیمہ اور حضرت معظم ؒ و مولانا بنوری کے دو خطوط بھی شامل تھے مگر ان کا چونکہ شرعی عدالت کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ان کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا۔

اس محققانہ اور عادلانہ فیصلے کے بعد حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ نہ صرف پراویڈنٹ فنڈ بلکہ تمام مالی معاملات کو اسلامی اصولوں کے عین مطابق سود کی لعنت سے پاک کرنے کا جلد از جلد اہتمام کرے اور ماہرین معاشیات فضلاء کے مشورے سے ایسی سکیمیں شروع کرے جن سے سرکاری ملازمین کی پس انداز کی گئی رقم پر انہیں منافع بھی ملتا رہے اور سود جیسی قبیح و غلیظ چیز سے ان کا دامن بھی آلودہ نہ ہو۔ واللّٰہ الموفق والھادی الی سواءِ الصِّراط

قاضی عبدالدائم دائم

(نوٹ : یہ کتاب "الفیصل" ناشران و تاجران کتب' اردو بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔ اور اس کا ہدیہ -/۶۵ روپے ہے!)

آخر میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس خواہش کا اظہار مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مسئلہ میں بھی' جس کا "مصالح مرسلہ" کے ساتھ گہرا تعلق ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تحقیق اور اس پر مبنی رائے نے مصلحت عوام کا راستہ مسدود کر دیا ہے جس کے ضمن میں جید اور محقق علماء کو توجہ کرنی چاہئے!

یہ معاملہ پاکستان کی زرعی اراضی کا ہے ____ کہ آیا وہ عشری ہیں یا خراجی؟ سلسلہ مجددیہ کے عظیم شیخ' اور عظیم مفسر و محدث و فقیہ' قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا تو دو ٹوک فیصلہ تھا کہ پورے ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی اراضی عشری نہیں ہیں' سب کی سب خراجی ہیں' حتیٰ کہ فقہی مسائل کے موضوع پر اپنی اساسی تالیف "مَالَا بُدَّ مِنْهُ" (جو تقریباً تمام مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہے) میں آپؒ فرماتے ہیں کہ "چونکہ ہند میں کوئی اراضی عشری ہیں ہی نہیں' لہٰذا میں یہاں عشر کے مسائل درج ہی نہیں کرتا!"
____ لیکن حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی تالیف "اسلام کا نظام اراضی" میں یہ فیصلہ دیا کہ پاکستان کی اراضی عشری ہیں ____ اور چونکہ عشری زمین ملکیتی ہوتی ہے لہٰذا اس

سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کسی بھی زمیندار یا جاگیردار سے سوائے اس کے کہ وہ خود اپنی رضامندی سے ہبہ یا فروخت کرے ایک انچ زمین بھی جبری طور پر نہیں لی جا سکتی —— جس سے پاکستان میں زرعی اصلاحات کا دروازہ بند ہو گیا ہے' اور جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کو سند دوام حاصل ہو گئی ہے —— چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند ارجمند محترم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج کی حیثیت سے یہ فیصلہ باضابطہ صادر بھی فرما دیا ہے —— اندریں حالات اس مسئلے پر بھی ایسے مجتہدانہ بصیرت کے حامل' اور تحقیق و احقاقِ حق کے جذبہ سے قاضی محمد صدر الدینؒ اور ان کے فرزند ارجمند قاضی عبدالدائم مدظلہ' کے مانند سرشار علماءِ حقانی کو توجہ دینی چاہئے —— تاکہ اس موضوع پر بھی کوئی "التحقیق الصحیح" منظر عام پر آ جائے۔ (خاکسار اسرار احمد عفی عنہ)

بقیہ : فکر عجم

و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ایرانی وفد بعد میں لاہور بھی گیا اور اس نے مزارِ اقبال پر حاضری بھی دی اور ایرانیوں کی جانب سے معذرت بھی کی۔ اور جب یہ وفد ایران واپس پہنچا تو مجلہ محیط کے مطابق اس کے اراکین مدتوں اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے رہے۔

گوشہ خواتین

اسلام اور فیشن

—— نفیسہ رحمٰن ——

اسلام ایک مکمل دین ہے، یعنی زندگی گزارنے کا ایک مربوط اور واضح راستہ۔ یہ صرف اسلامی تعلیمات ہی کا اعجاز ہے جنہوں نے انسانی زندگی کے کسی بھی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے پر مکمل روشنی ڈالی۔ چونکہ انسان فطرتاً حسن پرست ہے اور ہر خوبصورت شے اس کے لئے کشش رکھتی ہے اور اسی جذبے کے تحت انسان اپنی حسن و زیبائش پر بھی توجہ دیتا ہے لہٰذا اسی جذبے کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن و حدیث نے ان حدود کا واضح تعین کر دیا ہے جن کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کوئی بھی مسلمان اپنی حسن و زیبائش کا اہتمام کر سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اسلامی معاشرت کی بنیاد رکھی تو اسلامی تمدن کے تحت لباس و ثقافت کو بھی نیا ذوق عطا فرمایا۔ آپؐ کو جہاں اسلام کی سادگی کو برقرار رکھنا تھا وہاں ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ)) کے مصداق رہبانیت کا خاتمہ بھی فرمانا تھا۔ اسی اصول کے تحت آپؐ نے سرخ دھاری [1] کا خوبصورت لباس بھی پہنا اور پیوند لگا لباس بھی زیب تن فرمایا۔ آپؐ دوسرے تمدنوں کے اچھے اجزاء کو قبول فرماتے تھے۔ آپؐ نے اہل فارس کا مخصوص پاجامہ خریدا [2] اور پہنا۔ لیکن ساتھ ہی آپؐ نے دوسری قوموں خصوصاً مذہبی طبقوں کے مخصوص فیشنوں کی تقلید اور نقالی کو ممنوع قرار دیا۔ [3] آپؐ نے مسواک، سرمہ، مہندی و خوشبو کا استعمال فرمایا۔ اس طرح آپؐ کی تعلیمات انسانی فطری جذبات کو دباتی نہیں بلکہ ان کو ایک معتدل راہ دکھاتی ہیں، جس کے تحت نہ صرف انسان کے فطری تقاضے پورے ہو جاتے ہیں بلکہ انسان بے راہ روی کا شکار بھی نہیں ہوتا۔ آپؐ کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کبھی بھی خوش لباسی کو ناپسند نہیں فرمایا، جیسے کہ آپؐ کی حدیث مبارکہ ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت (رزق) کا اثر اس کے بندے سے عیاں ہو۔" [4]

نبی کریم ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی خوش پوشی کو بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میں نے مکہ بھر میں مصعب بن عمیرؓ سے بڑھ کر نعمتوں اور آسائشوں والا، حسین زلفوں والا اور عمدہ لباس والا نہیں دیکھا۔"(۵)

لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا:

"اور اللہ اس شخص کی طرف قیامت کے دن (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا جو شیخی کے جذبہ سے اپنا تہبند زمین پر گھسیٹے گا۔"(٦)

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی تمدن کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا لباس تجویز کیا جس میں موسمی تحفظ، ستر پوشی، سادگی، نفاست اور وقار جیسے تمام لوازمات موجود ہوں۔ آپؐ نے مرد و خواتین کو اچھا لباس پہننے کی اجازت دی۔ آپؐ خود بھی کبھی کبھار بیش قیمت لباس زیب تن فرمالیا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ایسے لباس و زیبائش جس سے تفاخر کا اظہار ہوتا ہو اور مقصود دوسروں کی توجہ حاصل کرنا ہو، سے سخت منع فرمایا۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، بشرطیکہ تمہارے اندر گھمنڈ اور اسراف نہ ہو۔"

اسی لئے آپ ﷺ نے مردوں کو بھڑکیلے اور ریشمی لباس پہننے سے منع فرمادیا(۷) اور خواتین کو خوبصورت لباس، زیبائش اور زیورات پہننے کی اجازت صرف اپنے شوہروں کے لئے دی۔ آپؐ نے عورتوں کو اس بات سے روکا کہ وہ بن ٹھن کر اپنا حسن غیروں کو دکھاتی پھریں، اور دوسری عورتوں کے سامنے اپنے زیورات اور لباس کی شیخی بگھارتی پھریں۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

"جنت میں مجھے عورتیں کم نظر آئیں۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان کو زیور اور رنگین کپڑوں نے مقید کیا ہوا ہے۔"(۸)

لباس کے معاملے میں عورتوں کے شوق کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے عورتوں کو باریک کپڑے کا لباس بنانے کی اجازت بھی دے دی لیکن استر لگا، کر اور ساتھ ہی حکم صادر فرمادیا کہ خواتین جب بھی گھر سے نکلیں تو چادریں اوڑھ کر اپنے حسن و زیبائش اور چہرے کو چھپالیں۔ اس طرح راہ چلتے مرد خواتین کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور معاشرہ بے راہ روی کا شکار نہیں ہوگا۔ اس طرح آپ ﷺ نے قرآنی آیت ﴿وَكَذٰلِكَ

جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا... ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳) "اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنادیا جو نہایت اعتدال پر ہے۔" کی روشنی میں ایک بہترین تمدن تشکیل فرمایا جس میں ظاہری خوبصورتی کے ساتھ ساتھ نفاست وصفائی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

لیکن آج اگر ہم اپنے ثقافت وتمدن کا موازنہ نبی کریم ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کے ساتھ کرتے ہیں تو کسی بھی طرح کی مماثلت نہیں پاتے۔ آج ہمارا معاشرہ فیشن کے عفریت کی گرفت میں آچکا ہے۔ فیشن کے نام پر ہم ہر غلط رسم کو اپنا رہے ہیں نتیجتاً ہمارا موجودہ مسلم معاشرہ یورپی فیشن زدہ معاشرے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے ہمارے دل ودماغ میں یہ سوال اٹھتے ہیں کہ فیشن جو کہ ہمارے معاشرے کی جڑوں میں عمیق گہرائیوں تک اتر چکا ہے' کا مفہوم کیا ہے؟ اور کب سے مغربی فیشن نے اسلامی تمدن پر حاوی ہونا شروع کردیا۔

آکسفورڈ ڈکشنری فیشن کا ایک یہ مفہوم بھی بتاتی ہے کہ

Conventional usages of upper class (۹)

اور انسائیکلو پیڈیا میں فیشن کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

Style changes take place with a high degree of frequency in womens' clothing (۱۰)

دونوں مفہوم ہی انسانی فطرت کے منفی پہلوؤں یعنی انسان کی متلون مزاجی ونقالی کو ظاہر کرتے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے سلسلہ بہ سلسلہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کا عکس کامل خلیفہ دوم کے دورِ حکومت تک تو نظر آتا ہے لیکن خلیفہ سوم کے عنان حکومت سنبھالتے ہی امراء کے بچوں نے رنگین زندگی اختیار کرلی (۱۱) اور اس کے بعد تاریخ بنو امیہ کے دورِ حکومت کی جو کہانی سناتی ہے اس کے مطابق بنو امیہ کی حکومت کا قیام محض ایک حکمران خاندان کی تبدیلی ہی نہیں تھا بلکہ اس دور میں ہونے والے عوامل نے مسلم قوم کے تمدن پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ بنو امیہ کے دور میں باقاعدہ غیر ملکی رسومات اختیار کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا (۱۲) اور وہ بھی ایسی رسومات جو کہ دین کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتی تھیں۔ اس کے بعد ۱۸ ویں صدی کا اختتام اور ۱۹ ویں صدی کا آغاز تاریخ کا وہ دور ہے جب اسلامی دنیا پر مغربی قوموں کی ہوسِ ملک

گیری کے سیلاب نے مغربی رسومات و فیشن کی یلغار مار کردی۔ ۱۹ویں صدی کے نصف آخر تک مسلمان قومیں یورپ کی غلام ہو چکی تھیں۔ (۱۳)

لیکن جب ۲۰ویں صدی کے آغاز میں مسلمان قوموں نے اپنی آزادی واپس لی تو مسلم قومیں علاقائی آزادی حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گئیں لیکن ذہنی طور پر وہ آج تک مغربی قوموں کی غلام ہیں اور موجودہ مسلم معاشرہ مولانا مودودیؒ کے ان الفاظ کی مکمل عکاسی کرتا ہے کہ

"........ مغربی تہذیب و تمدن کے مظاہر کا عکس اپنی زندگی میں اتار لیں اور اس آئینہ کی طرح بن جائیں جس کے اندر باغ و بہار کے مناظر تو سب کے سب موجود ہوں مگر در حقیقت نہ باغ ہو نہ بہار۔" (۱۴)

آج ہم نے فیشن اور ترقی کے الفاظ کو ہم آہنگ کر دیا ہے اور ہمارے معاشرے کے مسلمان حضرات و خواتین فیشن کو ہی ترقی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں' حالانکہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ اگر فیشن اور ترقی لازم و ملزوم ہوتے تو قرونِ اولیٰ کے مسلمان اکیسویں صدی کے مسلمانوں سے زیادہ ترقی یافتہ اور علوم پر عبور رکھنے والے کیونکر ہوتے؟

مصری مفکر سید محمد قطب موجودہ دور کو جدید جاہلیت کا نام دیتے ہیں اور فرماتے ہیں :

"جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی اور زیادہ سخت گیر ہے کیونکہ یہ ایک علمی' بحث و نظریات کی جاہلیت ہے۔" (۱۵)

جیسے کہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی آیت بھی اس جاہلیت پر دلیل دیتی ہے کہ:

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں' ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں' وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں۔" (الاعراف : ۱۷۹)

اور میرے خیال میں فیشن جاہلیت جدیدہ کی ایک اہم شاخ ہے جو کہ باوجود اس کے کہ بظاہر بہت روشن خیال معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت اُن اصولِ فطرت سے بہت دور ہے جو اخلاقِ عالیہ کی نشو و نما کرتے ہیں۔ آج ہم اپنی ماؤں' بہنوں' بیٹیوں کو فیشن کرنے کی اجازت دے کر اپنے آپ کو روشن خیال ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اس روشن خیالی کے

دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ فیشن کے نام پر پوری قوم تباہی کے راستے پر چل نکلی ہے اور یہ در حقیقت دشمنانِ اسلام کا منصوبہ ہے جس کو ہم بخوشی عملی جامہ پہنا رہے ہیں' جیسے کہ امریکی یہودی مصنف موربرجر اپنی کتاب "آج کی عربی دنیا" میں لکھتا ہے :

"معاشرے کو بے دین بنانے میں عورت زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔"(۱۶)

کیونکہ بچے کی تربیت کا آغاز گھر سے ہوتا ہے اور گھریلو امور کی سربراہ عورت ہے۔ اور آج کی عورتوں کی کثیر تعداد نے مغربی تعلیم تو حاصل کرلی لیکن مذہبی تعلیم سے وہ بہت دور ہیں۔ موربرجر اپنی کتاب میں مسلم عورت کی دین سے اس لاتعلقی کے فائدے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"تعلیم یافتہ مسلمان عورت مذہبی تعلیمات سے بہت دور ہے اور معاشرے کو بے دین بنانے میں حد درجہ مفید ہے۔"(۱۷)

آج کا پاکستانی معاشرہ فیشن کے مقابلے کی دوڑ میں شامل ہے۔ آج خوش لباسی کی جگہ دکھاوا اور فضول خرچی آگئی ہے۔ شادی بیاہ پر لاکھوں روپے عروسی ملبوسات پر خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔ اپنے ملبوسات کی تیاری میں ہم مغربی ممالک کی نقالی کرتے ہیں اور اس وجہ سے عریانیت ہمارے لباس کا حصہ بنتی جارہی ہے۔ اور خواتین اور مردوں کے لباس میں بہت کم تخصیص رہ گئی ہے' حالانکہ حدیث نبویؐ میں واضح کردیا گیا ہے کہ

"حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص پر جو عورتوں کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنے' لعنت فرمائی ہے۔" (ابوداؤد)

آج کا نام نہاد مسلمان اپنے ہر فعل پر یہ دلیل دیتا ہے کہ اگر نیت بُری نہ ہو تو ان کاموں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ آج ہمارے پاس ہر فیشن کے حق میں ڈھیروں دلائل موجود ہیں' جیسے کہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں کہ ﴿...وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ "اور خود کو ہدایت یافتہ خیال کر رہے ہیں"۔ حالانکہ جاہلیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

ہم اپنے لباس کے طور طریقے میں مسلم تمدن سے بہت دور ہٹتے جارہے ہیں اور کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ جن کی نقالی میں ہم ان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں ان سے آگے نکل کر تباہی کے گڑھے میں ان سے پہلے نہ گر جائیں۔ ہم' جنہوں نے اس وطن عظیم کو دین الٰہی کے قیام کے لئے حاصل کیا تھا اگر اپنے وعدے کو پورا کرنے میں کاہلی برتی تو دیکھیں گے کہ غیر

اقوام اللہ کے دین کو قائم کرنے لئے اٹھ رہی ہیں، جیسے کہ اللہ کی سنت بھی یہی ہے اور قرآنی آیات بھی اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۳۲، ۱۳۳)

"ہاں، اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور کارسازی کے لئے بس اللہ کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔"

ہمیں چاہئے کہ ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر اسلامی تمدن اور روایات کو اپنائیں۔ ورنہ کہیں یہ نہ ہو کہ ہم نام نہاد مسلمان دیکھتے رہ جائیں اور امریکہ و پیرس جہاں سے فیشن کا آغاز ہوتا ہے وہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

حواشی

۱) محسن انسانیت، نعیم صدیقی، ص ۹۱
۲) محسن انسانیت، نعیم صدیقی، ص ۹۰
۳) روایت ابن عمر بحوالہ احمد وابوداؤد
۴) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ (ترمذی) عن ابی الاحوص عن ابیہ (نسائی)
۵) اصحاب النبیؐ، ڈاکٹر ایم ایس ناز، ص ۸۰۵
۶) راہِ عمل، مولانا جلیل احسن ندوی، ص ۱۹۹
۷) سیرت محمد ﷺ، محمد فاروق کمال، ص ۵۸۶
۸) سیرت محمد رسول اللہ ﷺ، محمد فاروق کمال، ص ۴۳۸ (جیلانی)
۹) *Oxford Dictionary, Second Edition, Page : 431*
۱۰) *Merit Student Encyclopeadia, Volume Page 7, : 477*
۱۱) ترجمہ تاریخ اسلام، سید امیر علی، ص ۵۴-۵۵
۱۲) تاریخ اسلام، سید امیر علی، ص ۶۰، ترجمہ سید الطاف حسین گیلانی۔
۱۳) "پردہ" مولانا مودودی، ص ۳۲-۳۱
۱۴) "پردہ" مولانا مودودی، ص ۳۲
۱۵) جدید جاہلیت، از محمد قطب، ص ۱۵
۱۶) جدید جاہلیت، محمد قطب، ص ۲۹۵، ۲۹۶
۱۷) حوالہ سابقہ

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۸
ربیع الثانی	۱۴۲۰ھ
اگست	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زرِ تعاون	۱۰۰/-

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

"جو قوم مرنا نہیں جانتی ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے"۔ اور "اگر یہی کچھ کرنا تھا تو پھر کارگل میں یہ سارا کھکیڑ کیوں مول لیا گیا"۔ کارگل کے محاذ پر مجاہدین اور افواجِ پاکستان کی عظیم فتح کے بعد حکومت پاکستان کے اچانک سجدۂ سہو کرنے پر امیر تنظیم اسلامی کے یہ وہ بیانات ہیں جنہیں قومی اخبارات نے جلی انداز میں شائع کیا ـــــ یہ امر واقعہ ہے کہ کارگل کے حوالے سے حکومت پاکستان نے جس شرمناک طریقے سے اور شکست خوردہ انداز میں پسپائی اختیار کی اور سجدۂ سہو کیا اس نے پاکستان کی عزت خاک میں ملا دی اور اہل پاکستان کو دنیا اور بالخصوص بھارت کے سامنے نگاہیں نیچی کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ بات قطعی طور پر ناقابل فہم اور جواب طلب سوال کی صورت میں کارپردازانِ حکومت کے ذمے ہے کہ اگر آخر میں یہی کچھ کرنا تھا تو مہم جوئی کا یہ راستہ اختیار ہی کیوں کیا گیا؟ ـــــ ہم نے بھارت کے سامنے اس "شان" کے ساتھ گھٹنے ٹیکے کہ اس کا ہر مطالبہ ہمیں ماننا پڑا اور اپنی کوئی ایک بات بھی اس سے منوا نہ سکے۔ اور یہ سب کچھ اس عظیم فتح مبین کے بعد ہوا جو کارگل کے محاذ پر مجاہدین اور افواجِ پاکستان کی قربانیوں اور جرأت و عزیمت کی داستانیں رقم کرنے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئی تھی اور بھارت ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود کارگل میں پے در پے ناکامیوں کے داغ دیکھنے اور اپنے زخم چاٹنے پر مجبور تھا۔ اہل پاکستان کا مورال آسمانوں سے باتیں کرتا نظر آتا تھا اور بھارت کی بے بسی اور تلملاہٹ دیدنی تھی' کہ اچانک ہمارے وزیراعظم خدایانِ واشنگٹن کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گئے اور بھارت کے ہر مطالبے کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے غیر مشروط طور پر پسپائی کا اعلان کر دیا۔ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

اے شیخ و برہمن سنتے ہو' کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

ہم بحیثیت قوم بلندی کی جن چوٹیوں سے یکلخت قعرِ ذلت میں گرے ہیں وہ ایک عظیم سانحہ تو ہے ہی' ہمارے لئے عبرت کا تازیانہ بھی ہے۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے ۹ جولائی اور ۱۶ جولائی کے خطاباتِ جمعہ میں اس موضوع پر تفصیل سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے مسلمانانِ پاکستان کو دعوتِ فکر دی ہے کہ صحیح طرزِ عمل یہی ہے کہ ہم خود احتسابی کی نگاہ سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لیں' انفرادی اعتبار سے بھی اور اجتماعی سطح پر بھی' کہ ذلت و رسوائی کے داغ بار بار ہمیں ہی کیوں دیکھنے پڑ رہے ہیں ـــــ اور

ٹھنڈے دل کے ساتھ اس ذلت آمیز صورتحال سے نکلنے کا راستہ اور حل تلاش کریں اور پھر ایک نئے عزم کے ساتھ اصلاحِ احوال کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ امیر تنظیم نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کی ۵۲ سالہ تاریخ کے حوالے سے پاک بھارت کشیدگی کے اسباب اور برابری کی دوڑ میں اونچ نیچ کے ادوار کا ایک بھرپور جائزہ پیش کیا ہے بلکہ پچھلی ایک ہزار سالہ تاریخ کے حوالے سے ہندو مسلم دشمنی کے اصل سبب کی نشاندہی کرتے ہوئے ہندو کی مکروہ ذہنیت کی نقاب کشائی بھی کی ہے اور ہندو مسلم کشاکش کے حوالے سے مستقبل کے امکانات کا بھی بھرپور طور پر جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ دونوں خطابات "تذکرہ و تبصرہ" کے عنوان سے زیرِ نظر شمارہ میں ہدیۂ قارئین کر دیئے گئے ہیں۔

☆ ☆ ☆

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کا پہلا اجلاس عام پروگرام کے مطابق ۲۵ جولائی کو قرآن آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہوا جس میں حسب اعلان تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان، تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل اور تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابات ہوئے۔ تینوں زعماء نے محاذ کے مقاصد اور طریق کار پر اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈالی اور اس طرح پبلک میں اس محاذ کا تعارف ایک بہتر اور مؤثر انداز میں ہوا۔ جمعیت اہلحدیث کی جانب سے ان کے ناظم اعلیٰ مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب کو خطاب کرنا تھا لیکن وہ اچانک علالت کے باعث شریک اجلاس نہ ہو سکے۔ اس اجلاس کی مفصل رپورٹ ان شاء اللہ آئندہ "ندائے خلافت" میں شائع کی جائے گی۔ OO

پاکستان ــ بمقابلہ ــ بھارت
اُونچ نیچ کے ادوار اور حالیہ ذلت و مسکنت

ــــــ اور ــــــ

قعرِ مذلت سے نکلنے کا واحد راستہ

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دو خطبات جمعہ ۹/ جولائی و ۱۶/ جولائی ۹۹ء

پاک بھارت کشیدگی کا پس منظر

خطبہ مسنونہ کے بعد حسب ذیل آیات کی تلاوت کی :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ ﴾ (الشوریٰ : ۳۰،۳۱)

﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ○ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ○ ﴾ (السجدۃ : ۲۱۔۲۴)

اور پھر ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

حضرات! پوری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان کا قیام اور ہندوستان کی تقسیم کی پشت پر دو قومی نظریہ کار فرما تھا۔ یعنی یہ تصور کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور "اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" کے مصداق مسلمانوں کے علاوہ تمام غیر مسلم ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی جدا قوم ہیں۔ یہ دو قومی نظریہ ہی تھا جسے ہندوستان میں مسلم لیگ لے کر اٹھی۔ تقریباً دو دہائیوں یعنی بیس برس تک اس دو قومی نظریئے کا پوری شدت کے ساتھ پرچار ہوا۔ آخر کار اس نظریئے کی حقانیت و قوت و صلابت نے اپنے مخالفین کو شکست دی۔ حالانکہ مخالفین میں بہت بڑی بڑی طاقتیں تھیں۔ ہندو بہت بڑی طاقت تھا، کانگریس بہت بڑی جماعت تھی۔ خود مسلمانوں میں بعض قابلِ لحاظ مقبولیت رکھنے والی جماعتوں نے بھی اس نظریئے کی مخالفت کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ برطانیہ اس کا مخالف تھا۔ اس سب کے باوجود اس نظریئے میں اتنی طاقت تھی کہ اس نے سب کو شکست دی، ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان بن گیا۔

قیامِ پاکستان کے وقت ہندو مسلم تصادم اور اختلاف پورے عروج پر تھا اور مخاصمت اور عداوت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ تقسیمِ ہند کے وقت جس وحشت اور بربریت کا مظاہرہ ہوا ہے تاریخِ انسانی سے اس کی مثالیں بہت مشکل ہیں۔ تاریخ میں چھوٹے پیمانے پر تو اس قسم کی مثالیں موجود ہیں لیکن اتنے بڑے پیمانے پر جس طرح انسانوں کو قتل کیا گیا، بچوں کو اچھال کر نیزوں میں پرو لیا گیا، خواتین کی بے حرمتی ہوئی، پوری پوری بھری ہوئی ٹرینوں کو اس طرح کاٹ دیا گیا کہ بعض اوقات صرف ایک آدھ آدمی بچ کر پاکستان پہنچا، پورے پورے قافلے قتل کر دیئے گئے اور پھر یہ کہ اتنے بڑے پیمانے پر تبادلہ آبادی ہوا، تقریباً ایک کروڑ انسان اِدھر سے اُدھر گئے اور اُدھر سے اِدھر آئے، اس کی مثال بھی تاریخِ انسانی میں ملنی مشکل ہے۔ یہ ہیں حالات و واقعات جو قیامِ پاکستان کے وقت ظہور پذیر ہوئے۔

اس کے بعد سے اب تک جو باون سال گزرے ہیں ان میں جو حالات پیش آئے وہ گویا علامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر ہیں ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

ابتدا میں بھارت کو قوی امید تھی کہ پاکستان زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے گا۔ ماؤنٹ بیٹن جو اُس وقت کانگریس کا سرپرست اور برطانیہ کا نمائندہ تھا' کانگریس نے اس کے ذریعے تقسیمِ ہند کے موقع پر پاکستان کو کمزور کرنے کی کئی سازشیں کیں تاکہ پاکستان پیدا ہوتے ہی ختم ہو جائے۔ مزید برآں ایک بہت بڑی سازش ہوئی جس میں فیصلہ کن ہاتھ ماؤنٹ بیٹن کی بیوی "اڈوائنا" کا تھا جس کے پنڈت نہرو کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے (یہ حقیقت اب پوری طرح طشت ازبام ہو چکی ہے۔) چنانچہ اس کے ذریعے ماؤنٹ بیٹن کو استعمال کر کے باؤنڈری کمیشن سے فیصلہ کروایا گیا کہ پاکستان کی شہ رگ "کشمیر" بھارت کے ہاتھ میں دے دی جائے۔

یہ تو بھارت کا سب سے پہلا ردِّعمل تھا اور بھارت کا خیال یہ تھا کہ پاکستان قائم نہیں رہے گا۔ لیکن اسی پر بس نہیں' اس کے بعد بھی بھارت کی مسلسل کوشش یہ رہی ہے کہ ٹھیک ہے پاکستان قائم رہے لیکن کم از کم بھارت کے ساتھ برابری کا خنّاس اپنے ذہن سے نکال دے اور چھوٹا بن کر رہے۔ اس کی تعبیر قرآن مجید کے الفاظ میں کی جائے تو یوں ہو گی جیسا کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے کہ : ﴿ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ یعنی وہ (غیر مسلم) اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں اور چھوٹے بن کر رہیں۔ قرآن حکیم نے غیر مسلموں کے اسلامی ریاست میں رہنے کے لئے جو شکل تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلم یعنی ہندو' سکھ' عیسائی' پارسی' یہودی وغیرہ سب اسلامی ریاست میں رہ سکتے ہیں لیکن وہ چھوٹے بن کر رہیں گے' اسلام کی بالادستی کو قبول کریں گے' اسلامی ریاست میں لاء آف دی لینڈ (Law of the Land) کی پابندی کریں گے جو لامحالہ قرآن اور سُنّت پر مبنی ہو گا اور جزیہ ادا کریں گے۔ البتہ ان کو اپنے مذہبی معاملات اور پرسنل لاء میں مکمل آزادی ہو گی۔ چنانچہ جس طرح قرآن مجید نے اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی پوزیشن معیّن کی ہے ماضی میں بھارت کی بھی یہی کوشش رہی ہے کہ پاکستان اس پوزیشن کو بھارت کے مقابلے میں قبول کر لے۔

آج کی دنیا میں جزیہ کیا ہے؟ یہی کہ کوئی ملک کسی دوسرے ملک کی تجارتی منڈی بن جائے۔ بھارت بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کے مال کی یہاں کھپت ہو تاکہ اس کی صنعت کو

فروغ ہو۔ دوسری طرف پاکستان کا معاملہ یہ رہا کہ ہم برابری کی سطح پر باعزت اور پُروقار پڑوسیوں کی حیثیت سے بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے بھارت کے خلاف کوئی عزائم نہیں ہیں لیکن ہم اپنی عزت' وقار اور حمیت کا سودا کرنے کو تیار نہیں۔ ہم بھوٹان اور نیپال کی طرح کی طفیلی ریاستیں بننے کو تیار نہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک دونوں ممالک میں مسلسل کشمکش چلی آ رہی ہے۔

پاک بھارت اونچ نیچ کی تاریخ

اب میں اس برابری یا زبردستی کی تاریخ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ کشمیر میں آزادی کے لئے جہاد تو قیامِ پاکستان کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا۔ یہ جہاد وہیں کے لوگوں نے شروع کیا تھا۔ آغاز کرنے والوں میں سردار عبدالقیوم صاحب اور سید مظفر حسین ندوی صاحب جو تنظیم اسلامی آزاد کشمیر کے امیر ہیں' بہت سے لوگوں کے ساتھ شامل تھے' جس کے نتیجے میں کشمیر کا کچھ حصہ بھارت کے تسلط سے کٹ کر آزاد ہوا' ساتھ ہی شمالی علاقے یعنی گلگت' بلتستان وغیرہ بھی پاکستان میں شامل ہو گئے۔ کشمیریوں کے اس جہاد کے موقع پر پاکستانی افواج کا کمانڈر انچیف انگریز تھا۔ اسے قائداعظم نے کشمیر میں مجاہدین کی مدد اور کشمیر پر حملہ کا حکم بھی دیا تھا' لیکن اُس نے قائداعظم کا حکم ماننے سے انکار کیا ورنہ اُس وقت پاکستان کی طرف سے صرف ایک حملہ (thrust) کی ضرورت تھی' جس کے نتیجے میں بھارت کا کشمیر کے ساتھ زمینی رابطہ منقطع ہو جاتا اور بھارت بے بس ہو کر رہ جاتا۔ کچھ لوگ پاکستان سے انفرادی حیثیت میں کشمیر کے جہاد میں آزادانہ طور پر گئے تھے۔ بہرحال پاکستان کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہ ہونے کے باوجود بھی پاکستان کا پلڑا اتنا بھاری تھا کہ بھارت کو فریادی بن کر اقوامِ متحدہ میں جانا پڑا اور وہاں اس نے کشمیر میں رائے شماری کا وعدہ کر کے جان چھڑائی کہ ہم انہیں خود اختیاری کا موقع دیں گے۔ اس سے متصلاً بعد ایک موقع پر جب بھارت کی طرف سے پاکستان کے لئے کچھ عداوت کا اظہار ہوا تھا تو اسی شہر لاہور کے یونیورسٹی گراؤنڈ میں خان لیاقت علی خان نے بھارت کو وہ تاریخی مُکّا دکھایا تھا اور صرف مُکّا ہی نہیں دکھایا بلکہ بندر روڈ کراچی پر یوم پاکستان کی پریڈ کے موقع پر چودہ مسلمان ملکوں کے فوجی دستے بلا کر پریڈ میں شامل کر کے گویا بھارت کو دکھا دیا کہ پاکستان اکیلا نہیں ہے' پورا عالمِ اسلام اس کے

ساتھ ہے۔ اس طرح بھارت کو یہ پیغام دیا گیا کہ اس مغالطے میں نہ رہنا کہ پاکستان چھوٹا ملک ہے اور بھارت بڑا ملک ہے' ہمارے پیچھے پورا عالم اسلام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ چودہ مسلمان ملکوں کے فوجی دستے بندر روڈ پر سے پریڈ کرتے ہوئے گزرے تو اس کی دہشت پوری دنیا پر طاری ہوئی۔ یہ بھارت کے لئے بہت بڑا لمحہ فکریہ تھا کہ پاکستان تنہا نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ہم نے آغاز میں کچھ اپنے بل بوتے پر اور کچھ عالمِ اسلام کی حمایت کے بل پر بھارت کی ہمسری اور برابری کا تأثر قائم رکھا کہ ہم برابر کی چوٹ ہیں' تم ہمیں چھوٹا نہ سمجھو' ہم تمہارے سامنے جھکنے اور چھوٹا بن کر رہنے کو تیار نہیں۔

اس کے بعد اس صدی کی تاریخ کا وہ طویل دور شروع ہوا جسے سرد جنگ کا دور (Cold War Era) کہا جاتا ہے۔ امریکہ پر روس اور کمیونزم دونوں کا شدید خوف طاری تھا۔ اس وقت روس USSR کے عنوان سے اپنی فوجی و عسکری قوت کے اعتبار سے بہت بڑی طاقت تھا۔ خاص طور پر تسخیر خلاء میں وہ امریکہ سے بہت آگے نکل گیا تھا' اس کی وجہ سے USSR کا خوف امریکہ اور پورے یورپ پر مسلط تھا۔ ساتھ ہی یہ کہ روس کو ایک نظریئے کی دعوت کی برتری بھی حاصل تھی کہ دنیا کے پسے ہوئے' دبے ہوئے' مظلوم و مقہور' مستضعفین اور exploited لوگ اپنے حقوق کے لئے کھڑے ہو جائیں' اور جبارین' مستکبرین' مترفین' سرمایہ دار اور استحصال کرنے والوں کے خلاف انقلاب برپا کردیں۔ اس نظریئے میں اتنی جان تھی کہ یہ لاطینی امریکہ تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ اب بھی اگرچہ روس میں اس کیمونزم کا تیاپانچہ ہو چکا اور USSR کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے لیکن کیوبا کے اندر آج بھی ایک کیمونسٹ ریاست موجود ہے۔ اسی طرح بھارت کے صوبہ مغربی بنگال میں اب بھی کیمونسٹ پارٹی کی حکومت ہے۔ چنانچہ یہ نظریہ اب بھی مرا نہیں بلکہ اس نظریہ کے تحت جو نظام بنا اس کی کچھ خامیاں سامنے آئی ہیں' نظریہ تو اپنی جگہ موجود ہے۔ بہر حال اُس دور میں امریکہ کو شدت کے ساتھ کچھ اتحادیوں کی ضرورت تھی۔ دوسری طرف ہمیں بھی بھارت کے مقابلے میں تحفظ کی ضرورت تھی۔ ظاہر بات ہے کہ ہم تنہا تو بھارت کے مقابلے میں نہیں کھڑے ہو سکتے تھے۔ یہ گویا دونوں کی ضرورت تھی' جس کے نتیجے میں ہم امریکہ کے اتحادی بن گئے۔

مجھے اب بھی یاد ہے کہ ۱۹۵۳ء میں جب میں اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا' اُس

زمانے میں خواجہ ناظم الدین صاحب پاکستان کے وزیراعظم تھے اور دورے پر لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں گورنر ہاؤس لاہور میں جمعیت طلبہ کا ایک وفد لے کر ان کے پاس گیا تھا۔ اُس زمانے میں "MEDO" (مڈل ایسٹ ڈیفنس آرگنائزیشن) کی تجویز چل رہی تھی۔ ہم نے کہا کہ ہم اس سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں تو ناظم الدین صاحب نے کہا کہ یہ بچوں اور طالب علموں کا کام نہیں ہے۔ میرے ذہن میں یکدم ایک بات آئی جو کہہ بھی دی کہ جناب آپ تو یہ سب کچھ کر کے اور ملک کو طرح طرح کے بندھنوں میں باندھ کر چلتے بنیں گے' ملک تو کل ہمیں سنبھالنا ہے' اس لئے ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس پر خواجہ صاحب نے کہا : اچھا اچھا بتائیے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ وہاں سردار عبدالرب نشتر صاحب بھی موجود تھے' جنہوں نے ہمارا تعارف کروایا تھا۔ بہرحال اس موقع پر خواجہ ناظم الدین صاحب نے نہایت سادگی کے ساتھ کہا کہ دیکھیے! "پنڈت جی تو نہیں چاہتے ناں کہ پاکستان قائم رہے اور ہم اکیلے تو بھارت کا مقابلہ نہیں کر سکتے ناں' تو ہمیں بھی تو کسی کی مدد کا ہاتھ چاہیئے ناں"۔ ان تین جملوں میں انہوں نے نہایت سادگی کے ساتھ بات کر دی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نہایت سادہ انسان تھے۔ وزیراعظم کی حیثیت سے اس انداز سے بات کرنا جبکہ ڈپلومیٹک زبان مختلف ہوتی ہے' ان کی سادگی کا مظہر تھا۔ بہرحال اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ ہم جب امریکہ کے اتحادی بن گئے تو بھارت کے ساتھ برابر کی چوٹ ہو گئے۔ اب ہمیں دھڑا دھڑ امریکہ کی مالی امداد ملنا شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ اسلحہ بھی ملا۔ آپ کو یاد ہو گا ہم کو جب سیبر جیٹ ملے تھے جو بھارت کے پاس نہیں تھے' اور ان جہازوں نے ۶۵ء کی جنگ میں بڑی کارگزاری دکھائی تھی' اسی طرح ہمارا ٹینک ہلکا ہونے کے باعث جلدی سے حرکت کر سکتا تھا اور پوزیشن بدل سکتا تھا جبکہ بھارت کے پاس بڑے بھاری بھاری ٹینک تھے جن کو ہلنے جلنے میں بڑا وقت لگ جاتا تھا۔ یہ دونوں ہتھیار ہمارے پاس موجود تھے جو کہ بھارت کے پاس نہیں تھے۔ ان بنیادوں پر ہم بھارت کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر اور گردن اونچی کر کے کھڑے رہے کہ ہم اس کے برابر کے ہیں۔ اگرچہ جو امریکی مالی امداد اُس وقت شروع ہوئی وہ انجام کار کے اعتبار سے ٹی بی کے مرض سے کم نہ تھی' کیونکہ ہمیں اپنے وسائل پر اعتماد کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی بجائے امداد کے سہارے اپنی معیشت

استوار کرنے کی عادت پڑ گئی، جس کا خمیازہ ہم اب تک بھگت رہے ہیں۔ بہرحال امریکی امداد نے ہمیں بھارت کے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ چنانچہ ۶۵ء کی جنگ میں اگر ہم نے بھارت کا حملہ روک لیا تو اس میں جہاں یقیناً اللہ تعالیٰ کی معجزانہ مدد شامل تھی وہاں ہمیں بھارت پر اسلحہ کی برتری بھی حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ہم امریکہ کے اتحادی تھے اور ہمارے پاس جدید ہتھیار تھے جبکہ بھارت کے پاس پرانے ہتھیار تھے۔

لیکن اُسی زمانے میں بین الاقوامی سطح پر ایک تبدیلی آئی۔ امریکہ اور یو ایس ایس آر خلا اور ایٹمی ہتھیاروں کے معاملے میں تقریباً مساوی ہو گئے۔ اور دونوں کو یہ شدت کے ساتھ محسوس ہوا کہ اگر کہیں اتفاق سے بھی جنگ چھڑ گئی تو دونوں ملکوں میں بہت بڑی تباہی آ جائے گی، بلکہ شاید روئے ارضی پر حیاتِ انسانی کا خاتمہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر غلطی سے بھی ٹریگر دب جائے، کمپیوٹر سے غلطی ہو سکتی ہے، کمیونیکیشن کی غلطی ہو جائے یا شارٹ سرکٹ ہو جائے تو قیامت آ جائے گی۔ لہٰذا اس احساس کے ساتھ دونوں سپر پاورز میں اسلحہ کی تخفیف کے لئے گفت و شنید شروع ہوئی۔ چنانچہ کولڈ وار کی جو گرمی اور حدّت تھی وہ ختم ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں ہماری حیثیت بھی کم ہو گئی، کیونکہ امریکہ کیلئے ہماری اہمیت تو صرف روس کے ساتھ کولڈ وار کی وجہ سے تھی ورنہ اس کے ساتھ ہمارے رشتہ کی کوئی دوسری بنیاد اور کوئی جڑ نہیں تھی۔ دوسری طرف کچھ زمینی حقائق ابھر کر سامنے آ گئے۔ سب سے بڑی حقیقت تو یہ تھی کہ بھارت ہمارے مقابلے میں بہت بڑا ملک تھا۔ پھر اس نے اس واقعہ کے ردِّعمل میں کہ ہم امریکہ کی جھولی میں جا گرے تھے، اپنے آپ کو روس کے ساتھ نتھی کر لیا۔ لہٰذا اسے روس سے امداد اور اسلحہ ملا۔ بھارت سے اپنی اسی دوستی کے حوالے سے روس نے یو این او میں کشمیر کے معاملے میں اگر کبھی کوئی پیش رفت ہونے کا امکان پیدا ہوا تو سیکورٹی کونسل میں ویٹو کر دیا۔ اس پر امریکہ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ بھارت کا روس سے دودھ چھڑائے۔ چنانچہ امریکہ نے بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھانی شروع کیں۔ علاوہ ازیں امریکہ کو یہ بھی احساس تھا کہ اس خطّے میں چین کی شکل میں جو دوسری بڑی طاقت ابھر کر سامنے آ رہی ہے اس کا کوئی مدِّمقابل بن سکتا تو وہ بھارت ہے، پاکستان نہیں۔ ان جغرافیائی حقائق کے علاوہ امریکہ کی بھارت میں دلچسپی کی وجہ بھارت کی بہت بڑی تجارتی منڈی بھی بنی۔ کیونکہ آج کی دنیا میں

سب سے بڑی شے تجارت ہے۔ اور بھارت پاکستان کے مقابلے میں بہت بڑی منڈی ہے۔ ان تینوں حقائق کی بنا پر امریکہ نے بھارت کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانی شروع کیں۔

انہی حالات میں ۱۹۷۱ء کی جنگ ہوئی اور سقوطِ مشرقی پاکستان کا سانحہ ظہور پذیر ہوا۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کا پس منظر کیا تھا' حالات و اسباب کیا تھے' ہماری غلطیاں کیا تھیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بہرحال اس مشکل وقت میں امریکہ بھارت اور پاکستان کے بین بین آ گیا تھا' اور اُس وقت امریکہ پاکستان کو اپنا اتحادی نہیں سمجھتا تھا البتہ بھارت کے ساتھ وہ کچھ نہ کچھ محبت کی پینگیں بڑھا رہا تھا۔ لہٰذا مشرقی پاکستان کے بارے میں امریکہ سے ہماری یہ توقعات بالکل غلط ثابت ہوئیں کہ امریکہ ہماری مدد کرے گا۔ اس موقع پر امریکہ نے ہمیں دھوکے میں رکھا کہ اس کا بحری بیڑا آ رہا ہے جو بھارت کو روک لے گا اور پاکستان کی سالمیت قائم رہ جائے گی۔ ادھر چین نے بھی صاف کہہ دیا کہ جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہو رہا ہے یہ آپ کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہاں اندرونی طور پر اگر کوئی بغاوت پیدا ہوئی ہے تو یہ آپ کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے ہوئی ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کو آپ خود حل کریں۔ بہرحال اس معاملے میں امریکہ کی بے رخی کی وجہ بعد میں کسنجر نے یہ بتائی کہ ہماری اپنی پالیسی بھی یہی تھی کہ یہ دونوں خطّے علیحدہ ہو جائیں' کیونکہ امریکہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ یہ ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ لہٰذا اس نے ہمیں دھوکے میں رکھا کہ مدد کریں گے۔ ہمیں یہ خبریں بھی سنائی گئیں کہ فلاں بحری بیڑا چل رہا ہے' وہ اب بحرِ ہند میں داخل ہو گیا ہے جو آج آیا کہ کل آیا۔ بھارت نے اس صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پاکستان کو دولخت کر دیا۔ یہاں یہ ذہن میں رہنا چاہیئے کہ مغربی پاکستان کی حفاظت میں اگرچہ مشیتِ ایزدی کو فیصلہ کُن دخل حاصل تھا کیونکہ فاعلِ حقیقی تو وہی ہے "لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَةِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہُ" لیکن یہ کہ عالمِ اسباب میں امریکی صدر نکسن نے اگر روس کے سربراہ کوسیجن کو ہاٹ لائن پر فون نہ کیا ہوتا اور کوسیجن اندرا گاندھی کو یکطرفہ طور پر سیز فائز کا حکم نہ دیتا تو مغربی پاکستان زیادہ سے زیادہ چھ دن میں ختم ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہماری ایئر فورس تقریباً ناک آؤٹ ہو چکی تھی' روس نے انڈیا کو ایسے ہیلی کاپٹر دے دیئے تھے جن میں ایسے آلات فٹ تھے کہ وہ بھارت کی فضا میں پرواز کر

رہے ہوتے تھے' لیکن ہمارا کوئی جہاز جنبش بھی کرتا تو ان کو اطلاع ہو جاتی تھی۔ اسی طرح بھارت ہماری نیوی کو کیماڑی میں آکر ہٹ کر گیا تھا۔ ہمارا گراؤنڈ ڈیفنس بھی دو جگہ سے ٹوٹ چکا تھا۔ سندھ میں راجستھان سیکشن ختم ہو چکا تھا۔ شکرگڑھ میں بھارت کی پیش رفت تیزی کے ساتھ جاری تھی۔ صرف ٹکا خان صاحب ایک ٹاسک فورس لے کر سلیمانکی ہیڈ ورکس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس وقت ہماری پوزیشن یہ تھی۔

بہرحال سقوطِ مشرقی پاکستان کی شکل میں ہم پر عذابِ الٰہی کا پہلا کوڑا برسا ہے جیسا کہ سورۃ السجدہ کی آیت ۲۱ میں ارشادِ ربانی ہے : ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾ یعنی "ہم انہیں لازماً بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزا چکھائیں گے شاید کہ یہ رجوع کریں اور باز آجائیں"۔ اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے کہ وہ درگزر بھی کرتا ہے اور مہلت بھی دیتا ہے' لیکن سزا بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ۲۵ برس تک مہلت دیئے رکھی' لیکن ہم نے وعدہ خلافی کی۔ ہم نے قیامِ پاکستان کے وقت جو نعرے لگائے تھے کہ "پاکستان کا مطلب کیا' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" ان کے ضمن میں صرف "لَا إِلٰهَ" پر آکر بات رُک گئی "إِلَّا اللهُ" آیا ہی نہیں اور اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اسی طرح ہم نے سارے مظالم جاری رکھے۔ استحصال اور ظلم کی بدترین صورت یعنی جاگیرداری نظام کو ہم نے جوں کا توں رکھا جو کہ روئے ارضی پر بدترین ظلم ہے۔ کاشتکار کے خون پسینہ کی محنت پر جاگیردار بیٹھ کر عیش کرے' اس سے بڑا ظلم کوئی ہو ہی نہیں سکتا جسے ہم نے جاری رکھا۔ چنانچہ ہمیں یہ سزا ملی کہ مشرقی پاکستان الگ ہو گیا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری بھارت کے مدِمقابل ہونے والی حیثیت ختم ہو گئی اور ہمارے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

۱۹۸۰ء میں جب مَیں پہلی مرتبہ بھارت گیا تو علی گڑھ کے مسلمانوں سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ "ہم ۷۱ء تک یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان ہمارا محافظ ہے۔ ۷۱ء کے بعد اب ہمارا خیال ہے کہ پاکستان اپنی حفاظت ہی کر لے تو بہت بڑی بات ہے' وہ ہماری کیا حفاظت کرے گا"۔ اسی طرح اب تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ دہلی کے ائمہ مساجد نے کشمیر کے مسئلے میں وفد کی صورت میں جا کر حکومتِ ہند کو اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ جمعیت علماء ہند نے ایک جلوس نکالا' ان کا مطالبہ تھا "We want

"entire Kashmir" یعنی آزاد کشمیر بھی بھارت کے پاس آنا چاہیئے۔ اب وہاں کے مسلمانوں کی بنیادی ذہنیت میں تبدیلی آچکی ہے۔ ان کی سوچ اب اس طرح پاکستان کے ساتھ نہیں جیسے سقوطِ ڈھاکہ سے پہلے تھی۔ اس لئے کہ پاکستان نے اب تک کیا کیا ہے؟ کیا یہاں اسلامی نظام قائم ہوا؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ان کی ہمدردی اب ہمارے ساتھ کیسے ہوگی؟

بہرحال سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہماری بھارت سے برابری والی حیثیت ختم ہوگئی لیکن مغربی پاکستان کے مسلمانوں نے اس سانحہ کے صدمے اور اس کے نتیجے میں بھارت کے مقابلے میں اپنی کمتری کو ذہناً تسلیم نہیں کیا' اس لئے کہ مشرقی پاکستان کا سانحہ ہم سے ہزار میل کے فاصلے پر ہوا تھا۔ فوج نے جو بھی ہتھیار ڈالے وہاں ڈالے۔ ۹۳ ہزار قیدی وہاں ہوئے۔ اس لئے مغربی پاکستان کے لوگوں نے اس صدمے کو اس طرح محسوس نہیں کیا جیسا کہ کرنا چاہیئے تھا۔

اس دور میں ایک اور کام یہ ہوا کہ اب امریکہ کی امداد ختم ہوگئی' کیونکہ امریکہ کا اس خِطّے میں کوئی مفاد نہیں رہا تھا۔ چنانچہ ہمیں اپنی معیشت چلانے کے لئے سودی قرضوں پر انحصار کرنا پڑا۔ امریکی امداد سے جو ٹی بی کا مرض شروع ہوا تھا اس نے سودی قرضوں کی صورت میں بلڈ کینسر کے مرض کی شکل اختیار کرلی۔ پھر جو بھی قرضہ آیا اس کا بڑا حصّہ کرپشن کی نظر ہوگیا' اس سے محل بن گئے' کوٹھیاں اور بینک بیلنس بن گئے۔ تھوڑا بہت اگر کام ہوا بھی تو وہ بھی غیر معیاری' کیونکہ نچلے درجے میں بھی تو کرپشن ہوتی ہے۔ اگر ایک کروڑ کا منصوبہ ہے تو اس میں سے بیس پچیس لاکھ ہی لگے گا۔ کیونکہ نچلے درجے میں ایس ڈی او' ایکسیئن وغیرہ کا حصّہ بھی ہوتا ہے۔ نتیجتاً پاکستان معاشی اعتبار سے کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔

اگلا دور ۷۹ء سے ۸۹ء تک کا ہے جب روس نے اپنی افواج افغانستان میں داخل کرنے کی حماقت کا ارتکاب کیا اور اس کے خلاف جہادِ افغانستان سے دنیا میں بالکل ایک نئی صورت حال پیدا ہوئی۔ یہ امریکہ کے لئے سنہری موقع تھا کہ ویت نام میں روس کی وجہ سے ہونے والی اپنی شکست کا اس سے بدلہ لے۔ امریکہ نے دیکھا کہ مسلمان افغان مجاہدین مرنے کے لئے بڑی آسانی سے تیار ہیں' لہٰذا اس نے داؤ لگایا اور مجاہدین کو پیسہ' ہتھیار' گاڑیاں اور سٹنگر میزائل دیئے۔ چنانچہ اس نے اپنا مقصد حاصل کرلیا' نہ صرف یہ

کہ ویت نام کا بدلہ چکا لیا بلکہ USSR کے ٹکڑے ہو گئے اور روس تباہ و برباد ہو گیا۔ اس پوری امداد کا Conduit تو پاکستان تھا' لہٰذا پاکستان نے اس میں سے اپنا حصہ وصول کیا۔ کچھ دیانت دارانہ کمیشن لیا' کچھ بددیانتی کے ساتھ غبن کر کے۔ ہمارے بڑے بڑے جرنیل جو ارب پتی بنے' وہ آخر کہاں سے بنے؟ تاہم اس امریکی مالی و فوجی امداد کے بل بوتے پر اس عرصے کے دوران ہم پھر بھارت کے برابر آ گئے اور ہم نے گردن اکڑالی۔

پیش منظر

اس کے بعد کے دس سال ۸۹ء سے ۹۹ء تک کے حالات کا جائزہ لیں تو ہماری معیشت کا بیڑہ غرق ہو چکا ہے۔ امداد کے ذریعے جو ٹی بی شروع ہوئی اور سودی قرضوں کے ذریعے جو بلڈ کینسر ہوا تھا' اس سے ہماری اقتصادی موت واقع ہو چکی ہے۔ اب تو وہ صورت ہے جیسے کہ آج کل جب کوئی مریض عملی طور پر بالکل مر چکا ہوتا ہے تو اس کو مختلف نالیاں لگا کر' ہارٹ کو کرنٹ کے ذریعے چلا کر زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کو Human Vegetable کہتے ہیں۔ پاکستان کی معیشت کی حیثیت بھی اس سے زیادہ نہیں ہے۔ ہماری ساری تگ و دو بس یہاں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے کہ کسی طرح ڈیفالٹ سے بچ جائیں' اور یہ کہ قرضوں کی ری شیڈولنگ کروانے کے لئے عالمی مالیاتی اداروں کی منتیں' سماجتیں اور خوشامدیں کی جاتی ہیں۔ اس کے بدلے میں وہ اپنی من مانی شرائط منواتے ہیں۔

موجودہ صورتحال یہ ہے کہ اب امریکہ فیصلہ کُن طور پر بھارت کا ہمنوا ہے۔ اب وہ بین بین والی پالیسی بھی ختم ہو گئی ہے جو افغان جہاد سے پہلے تھی۔ اب واضح طور پر امریکہ کا جھکاؤ بھارت کی طرف ہے۔ چنانچہ اب ہم پر امریکہ کا دباؤ ہے کہ ہم بھارت کے مدِّمقابل ہونے کا خنّاس دماغ سے نکال دیں۔ اس کا موقف یہ ہے کہ تم کسی اعتبار سے بھارت کے مدمقابل نہیں ہو' یہ تمہارے دماغ میں خنّاس ہے' اسے نکال باہر کرو اور بھارت کے ساتھ کشمیر کا ذکر کئے بغیر اپنے تعلقات کو بحال کرو۔ مسئلہ کشمیر کو مؤخر کرو' اسے بعد میں دیکھا جائے گا۔ لیکن تجارت' ثقافت اور آمدورفت کے دروازے کھول دو۔

اسی دور میں خود امریکہ کی نیت بھی کشمیر کے بارے میں خراب ہو گئی۔ چنانچہ یہ

بات ایک بھارتی وزیر داخلہ نے انڈین پارلیمنٹ میں فلور آف دی ہاؤس پر بھی کہی تھی کہ کشمیر کے ضمن میں امریکہ کی اپنی نیت خراب ہو گئی ہے۔ دراصل امریکہ چاہتا ہے کہ مکمل کشمیر اور پاکستان کے شمالی علاقوں پر مشتمل ایک الگ آزاد ریاست قائم کی جائے۔ چنانچہ امریکہ کی نائب وزیر خارجہ رابن رافیل نے کہا تھا کہ ہم کشمیر کا وہ علاقہ بھی چین سے واپس لیں گے جو پاکستان نے اسے دے دیا تھا۔ یعنی بھارت کا کشمیر' پاکستانی کشمیر' گلگت' بلتستان اور جو پاکستان نے لداخ کا تھوڑا سا علاقہ چین کو دے دیا تھا' سب واپس لے کر ایک الگ ریاست بنائیں گے جو آزاد ہو گی۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو یہ گویا ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل ہو گا تاکہ یہاں قدم جما کر امریکہ چین' بھارت' پاکستان اور افغانستان کی نگرانی (monitor) کر سکے اور ان ملکوں کے ساتھ ساتھ ترکستانی مسلم ریاستوں کو کنٹرول کر سکے۔

بہرحال اس پس منظر میں ہماری بھارت سے برابری والی حیثیت ختم ہو چکی تھی' لیکن ہم نے ۲۸ مئی ۹۸ء کو جب ایٹمی دھماکے کئے تو اس سے وہ جذباتی و نفسیاتی فضا دوبارہ پیدا ہو گئی اور ہم دوبارہ بھارت کے مدِّمقابل آ گئے۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ امریکی صدر کلنٹن نے پانچ مرتبہ فون کیا تھا کہ ایٹمی دھماکے مت کرو لیکن نواز شریف نے ان سب کو نظرانداز کیا جس سے یہ ثبوت پیدا ہوا کہ ہم آزاد ہیں۔ اللہ نے نواز شریف کو ہمت دی یا انہوں نے کسی سیاسی مصلحت کے پیش نظر دھماکے کئے۔ تاہم ہمارے اس جرأت مندانہ اقدام سے یہ تاثر ملا کہ ہم امریکہ کی ڈکٹیشن لینے کے لئے تیار نہیں' ہم ایک آزاد قوم ہیں۔ چنانچہ ہم پھر خود کو بھارت کے برابر سمجھنے لگے اور ہمیں یہ زعم ہو گیا کہ ہم بھارت سے برابری کی سطح پر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں۔ اسی کیفیت میں جب اعلانِ لاہور ہوا' واجپائی صاحب خود پاکستان آئے' تو بھی ہم میں ایک برابری کا احساس تھا' کیونکہ برابری کی سطح پر بات ہو رہی تھی۔ یہ چیز اپنی انتہا کو اُس وقت پہنچی جب دو مہینے پہلے کارگل کا معاملہ شروع ہوا۔ اس میں بھارت کی بے بسی اور تلملاہٹ دیدنی تھی کہ اپنی پوری طاقت صرف کر کے کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ یہ جو کیفیت سامنے آئی اس سے یوں سمجھئے کہ ہمارے اندر مدِّمقابل اور برابر کی چوٹ ہونے اور ایک آزاد ملک ہونے کا جو احساس تھا وہ اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا۔ اسی کا مظہر ہے کہ ہم نے بڑے اعتماد کے ساتھ

بھارت کے دو مِگ طیارے مار گرائے اور فوج نے یہ ثابت کیا کہ ہم ایک باوقار قوم کی حیثیت سے اپنی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرنے والوں سے نمٹ سکتے ہیں۔

المناک ڈراپ سین

اب اس پس منظر میں نواز شریف صاحب کی جو امریکہ یاترا ہوئی اور وہاں سے جو اعلامیہ جاری ہوا اور جن حالات میں یہ سفر ہوا' اس نے گویا ایک دم اس غبارے کی ہوا نکال کر جوش و خروش ختم کر دیا اور پوری قوم انتہائی صدمے سے دوچار ہو گئی۔ بلکہ اس صدمے کو قوم نے اتنا محسوس کیا جتنا ۱۹۷۱ء کا صدمہ بھی محسوس نہ کیا تھا۔ اس لئے کہ وہ سانحہ ہم سے ایک ہزار میل دور ہوا تھا' جبکہ یہ بات تو گویا بالکل ہمارے سروں کے اوپر وقوع پذیر ہوئی ہے۔ اگرچہ ہمارے ذرائع ابلاغ اور سرکاری و درباری لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عوام کو کچھ نہیں ہوا صرف چند مذہبی لوگ اور جہادی تنظیمیں جذباتی باتیں کر رہی ہیں' اخبارات میں یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ باقی عوام میں کوئی بے چینی اور پریشانی نہیں ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ پوری قوم صدمے سے دوچار ہے۔ اس پر میں انگریزی میں یہ کہوں گا : "It is as if we have been cut to size."

حکومت کے اس طرزِ عمل سے ہماری وہ مدِّمقابل والی حیثیت ختم ہو گئی اور ایسا فرق و تفاوت سامنے آیا کہ صدرِ امریکہ بھارت کے وزیراعظم کو اپنے ہاں بلاتا ہے تو وہ رعونت کے ساتھ جانے سے انکار کرتا ہے۔ صدر امریکہ مسلسل وہ بولی بول رہا ہے جو بھارت بول رہا ہے اور اس حال میں ہمارے وزیراعظم بڑے ہی غیر معمولی حالات میں' جبکہ ان کے ہاں قومی چھٹی تھی' درخواست کر کے اور "شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی" کے مصداق التجائیں کر کے وہاں گئے اور وہاں جس اعلامیہ پر دستخط کئے اس کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ ہم امریکہ کی کالونی ہیں اور نواز شریف امریکہ کی طرف سے وائسرائے ہیں۔ اس لئے کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نواز شریف وہاں لینے کیا گئے تھے؟ ان کے جانے کا سبب کیا تھا؟ کس تیزی سے وہاں گئے کہ وہاں کے پاکستانی سفارت خانے کو بھی اطلاع نہ تھی کہ وہ کہاں پہنچ رہے ہیں' ان کا جہاز کہاں اترے گا؟ واشنگٹن اتریں گے یا نیویارک جائیں گے؟ جہاز کے لئے خصوصی اجازت لی گئی کہ پہلے انہیں لے کر واشنگٹن جائے گا اور وہاں سے واپس نیویارک آ کر مسافروں کو اتارے گا۔ یہ سارا کچھ کرنے کا

آخر مقصد کیا تھا؟ انہیں کیا مصیبت درپیش تھی؟

دیکھئے! میرا اپنا موقف یہی تھا اور میں نے ڈنکے کی چوٹ کہا تھا کہ ہمیں جنگ سے گریز کرنا چاہیئے۔ لیکن بعض دفعہ آراء ایک بھی ہوں تو ان کا پس منظر بہت مختلف ہو سکتا ہے۔ بلا تشبیہ مَیں یہ مثال دے رہا ہوں کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی رائے بھی وہی تھی جو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی کی رائے تھی۔ یعنی یہ کہ مدینے میں محصور ہو کر دفاع کیا جائے' جیسا کہ دو سال کے بعد غزوۂ خندق میں ہوا۔ حضور ﷺ کی ذاتی رائے تو یہی تھی لیکن کچھ نوجوان مجاہد صحابہ کرامؓ جو خاص طور پر معرکۂ بدر میں نہیں جا سکے تھے اور قتال فی سبیل اللہ کی سعادت سے محروم رہے تھے' کیونکہ اُس وقت کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ جنگ ہو جائے گی' ان نوجوانوں نے کہا کہ ہم کھل کر میدان میں جنگ لڑیں گے اور دُوبدُو مقابلہ کریں گے' ہم اس طرح محصور ہو کر دفاع کیوں کریں۔ ان میں جوشِ جہاد و جذبۂ شہادت تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی رائے کو نظرانداز کرتے ہوئے ان کی رائے کا لحاظ کیا۔ اس کے برعکس عبداللہ بن اُبَی کی رائے کی بنیاد اس کی منافقت تھی' اگرچہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن اُبَی کی رائے ایک ہی تھی۔ لہٰذا پس منظر سے رائے کا درست مدّعا سمجھا جا سکتا ہے۔ بہرحال میں بھی چاہتا تھا کہ یہ صورت حال de-escalate ہو' لیکن اس طرح نہیں جیسا کہ اب ہوا ہے ؏ آئیں وہ یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں!

یہ تو شروع ہی سے آثار نظر آنے لگے تھے کہ ہماری سیاسی قیادت مصالحت کی طرف آمادہ ہے۔ میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ کارگل کی صوَرتحال ان کی مرضی کے بغیر ہوئی' فوج نے ازخود یا مجاہدین کو سپورٹ کر کے یہ سب مہم جوئی کی۔ البتہ یہ بات معلوم ہے کہ ایک طرف فوج کا رویّہ تھا کہ انہوں نے بھارت کے دو جہاز مار گرائے۔ پھر یہ کہ ہندوستان کا جو پائلٹ پکڑ لیا گیا تھا جب اسے بھارت نے واپس طلب کیا تو فوج کی طرف سے انکار ہوا کہ ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔ حالانکہ بھارت کا کہنا یہ تھا کہ یہ جنگی قیدی (POW) نہیں ہے جسے آپ روک سکیں' کیونکہ بھارت اور پاکستان کے درمیان Declared War نہیں ہے۔ پھر بھی فوج کا موقف تھا کہ ہم اسے واپس نہیں کریں گے' لیکن حکومت نے اسے واپس کیا تاکہ کشیدگی میں اضافہ نہ ہو۔ ہماری سیاسی قیادت کا

رویہ مصالحت کا تھا۔ اسی طرح بھارت سرتاج عزیز کے دورے کو خوش آمدید کہنے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں تھا' لیکن ہم نے انہیں پھر بھی بھارت بھیجا اور ساری توہین کو برداشت کیا۔ یہ تو ایک روش تھی کہ مصالحت ہو جائے' صورتحال بگڑنے نہ پائے' چوتھی جنگ نہ ہو۔ پھر یہ بات بھی کھل گئی کہ پس پردہ کچھ بات چیت ہو رہی ہے اور ٹریک ٹو ڈپلومیسی چلی' ڈاکٹر مبشر حسن کیسے گئے اور کیوں؟ نیاز اے نائیک کیوں اور کیسے گئے؟ انہوں نے تو آکر یہ تک کہہ دیا تھا کہ کارگل سے واپسی کا ٹائم ٹیبل طے ہو رہا ہے' دونوں ممالک کے کمانڈر بیٹھ کر واپسی کا ٹائم ٹیبل طے کر لیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بات یہاں تک پہنچ گئی تھی پھر نواز شریف امریکہ کیا لینے گئے؟ یہ بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ فون پر ہی کلنٹن سے کہہ دیتے کہ ٹھیک ہے' ہم خود ہی آپ کی رائے کے مطابق معاملہ کر رہے ہیں اور پاکستان اور بھارت آپس میں گفتگو کر کے اس تنازعہ کو سلجھا لیں گے۔ اس سوال کا اب تک ایک ہی جواب سامنے آیا ہے (دوسرا کوئی جواب سرے سے سامنے آیا ہی نہیں) اور وہ واحد جواب یہ ہے کہ نواز شریف صاحب صرف اپنی نوکری پختہ کروانے کے لئے امریکہ گئے ہیں۔ واللہ اعلم!

ذلّت و رسوائی کا اصل سبب

بہرحال یہ تو سامنے کا سین ہے۔ اب behind the scene کے بارے میں سوچیں کہ یہ معاملہ ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟ ہمیں آخر یہ ذلت کیوں اٹھانا پڑی ہے؟

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند؟
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اس کا جواب ہمیں سورۃ الشوریٰ کی آیات ۳۰' ۳۱ میں ملتا ہے' جہاں فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴾ "تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آئی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے' اور بہت سے قصوروں سے تو وہ ویسے ہی درگزر کرتا رہتا ہے"۔ گویا اللہ تعالیٰ ہر بات پر گرفت نہیں کرتا' وہ ہر شے پر نہیں پکڑتا' لیکن وہ بڑی بڑی غلطیوں پر پکڑ لیتا ہے۔ اگر وہ ہر شے پر پکڑنے لگے تو قرآن مجید میں دوسرے مقام پر آیا ہے کہ کوئی بھی زندہ نہ رہے۔ چنانچہ بہت سی چیزوں سے وہ درگزر کرتا رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی حکمت متقاضی ہوتی ہے کہ تمہارے

کرتوتوں کی سزا تمھیں دے دی جائے۔ اگلی آیت میں فرمایا : ﴿ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ﴾ "اور جان لو! کہ تم اللہ کو زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور جان لو کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور حمایتی نہیں ہے"۔

گویا اگر تمہاری روش یہی رہی تو پھر بڑے عذاب کا کوڑا بھی تمہاری گردنوں پر اور تمہاری پیٹھ پر آ کر پڑے گا۔ اس لئے کہ ہماری سُنّت یہ ہے کہ : ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ "یعنی ہم لازماً بڑے عذاب سے پہلے (کسی نہ کسی) چھوٹے عذاب کا مزا انہیں چکھاتے رہیں گے' شاید کہ یہ (اپنی باغیانہ روش سے) باز آجائیں۔"

میرے نزدیک ہماری ذلّت و رسوائی کا سبب ہمارے تین بڑے بڑے جرائم ہیں' جن میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ! ہم تیرے عطا کردہ ملک میں تیرے دین کا بول بالا کریں گے' اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے' ہم نے اس وعدے سے انحراف کیا۔ وہ نمونہ کہاں ہے؟ کہاں ہے اسلامی معیشت کا نقشہ؟ کہاں ہے وہ اسلامی معاشرہ جو ہم نے پاکستان میں قائم کرنا تھا؟ یہ بے پردگی' فحاشی اور عریانی کیا اسلامی معاشرہ کی علامات ہیں؟ ہمارا دوسرا بڑا جرم یہ ہے کہ معاشی میدان میں سودی معیشت پر جوئے کا انبار لگا دیا گیا ہے' جو "ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کی عملی صورت ہے۔ تیسرا جرم یہ کہ یہاں جاگیرداری اور زمینداری نظام بدستور قائم ہے' جو ظلم کی بدترین شکل ہے۔ اس میں علماء کرام بھی مجرم ہیں اور وہ مذہبی دانشور بھی جنھوں نے مذہب کے نام پر اس کی حمایت کی۔ سودی قرضوں کی معیشت یعنی اللہ اور رسول سے جنگ پر مستزاد ہم نے اقتصادی غلامی بھی قبول کرلی ہے۔ یہ سب "فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ" کے مصداق ہمارے اپنے کرتوت ہیں۔

متذکرہ بالا پس منظر اور پیش منظر میں دو سوال از خود پیدا ہوتے ہیں کہ : ۱۔ اب کیا ہوگا؟ ۲۔ اور کیا کرنا چاہیے؟ یا کیا ہونا چاہیے؟

اب کیا ہو گا؟

مقدّم الذکر سوال کے حوالے سے تو جب میں نوٹس مرتب کر رہا تھا تو مجھے یہ شعر یاد آیا تھا ؎

تمہیں بتائیں کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا؟
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا!

بہرحال، تفنن برطرف، پہلے سوال کے ضمن میں اخباری خبروں کے علاوہ speculations اور افواہوں وغیرہ کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خبر جنگ اور نوائے وقت دونوں میں شائع ہوئی ہے کہ قاضی حسین احمد صاحب کو کسی اہم عسکری شخصیت کا پیغام پہنچایا گیا ہے، چنانچہ وہ اپنا بیرونی دورہ مختصر کر کے واپس آ رہے ہیں۔ روزنامہ "خبریں" میں خبر شائع ہوئی ہے کہ فاروق لغاری صاحب کی امریکی قونصل جنرل اور ایک بہت اہم ملکی شخصیت سے ملاقات ہوئی ہے، جس کے بعد انہوں نے فرمایا ہے کہ کوئی تحریک وغیرہ چلانے کی ضرورت بھی نہیں ہو گی اور میں بہت جلد آپ کو ایک بہت بڑی خوشخبری سناؤں گا، اگرچہ سنا ہے کہ اس کی تردید بھی کسی اخبار میں آ گئی ہے۔ آج لغاری صاحب کا بیان آیا ہے کہ نواز شریف صاحب خود مستعفی ہو جائیں یا انہیں کان پکڑ کر نکال دیا جائے۔ کان پکڑ کر کون نکالے گا؟ اس پر وہ خاموش ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ملک کے اندر ایک ہی قوت "فوج" ہے جو انہیں نکال سکتی ہے۔ پارلیمنٹ ان کی جیب میں ہے اور باقی قلعہ بندی بھی انہوں نے بڑی مضبوط کی ہوئی ہے۔ یکے بعد دیگرے اپنے تحفظ کے لئے دستوری ترامیم کی ہیں۔ اسی طرح سردار آصف احمد علی صاحب کا بیان آیا ہے کہ اس حکومت کا اخلاقی جواز ختم ہو گیا ہے، اسے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ لیکن "Last but not the least" والی بات "نیوز ویک" کے حوالے سے سامنے آئی ہے، جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا کہ :

چیز وہ ہے بنے جو یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیئر میں چھپے

روزنامہ "Pioneer" الٰہ آباد سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں جو خبر چھپتی اس میں کوئی شک و شبہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ نیوز ویک کی عبارت ملاحظہ کیجئے :

"Suspicion is growing that the generals may finally decide Shareef should let another civilian have his job."

یعنی "یہ شکوک و شبہات بڑھتے جا رہے ہیں کہ فوج کے جرنیل بالآخر فیصلہ کرلیں کہ نواز شریف صاحب کسی اور سویلین حکمران کے لئے اپنی کرسی خالی کر دیں"۔ وہ حکمران کیسے آئے گا' کس طور سے آئے گا' اللہ جانے۔ بہرحال یہ چیزیں تو وہ ہیں جن سے میں واللہ اعلم کہہ کر گزر جانا چاہتا ہوں۔ یہ باتیں وہ ہیں جو کہی جا رہی ہیں اور ان کی حیثیت حتمی نہیں۔

لیکن چند باتیں بہت بڑی اور سنگین حقیقت کے طور پر سامنے ہیں۔ پہلی بات جو اپنے سینے پر پتھر رکھ کر کہہ رہا ہوں وہ یہ کہ اب مسئلہ کشمیر کے کسی منصفانہ حل کی مستقبل قریب میں کوئی امید باقی نہیں رہی۔ بھارت انتہائی رعونت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ جب اس نے ایٹمی دھماکے کئے تھے اور ابھی ہم نے نہیں کئے تھے' اُس وقت اس کی جو کیفیت تھی بھارت کے قائدین کی اب دوبارہ وہی کیفیت ہے۔ اِدھر ہمارے تو غبارے سے ہوا نکل گئی' We have been cut to size ہماری جو بھی حیثیت تھی وہ "پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی" کے مصداق خاک میں مل گئی۔ ہمارے ہیوی مینڈیٹ والے وزیراعظم کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں رہی کہ وہ امریکہ کے ملازم ہیں۔ ادھر آپ نے جسونت سنگھ کا بیان پڑھ لیا ہو گا کہ "پاکستان کو اچھے ہمسایوں کی طرح رہنا سیکھنا چاہیئے"۔ اس کا انداز یہ ہے کہ "اچھے بچے بنو!"

اِس وقت صورت یہ ہے کہ اب بھارت امریکہ سمیت کسی دباؤ کو قبول نہیں کرے گا' وہ اڑا رہے گا۔ ایک زمانے میں بھارت کہا کرتا تھا کہ پاکستانیو' اس لائن آف کنٹرول یا جنگ بندی لائن کو مستقل سرحد مان لو' ورنہ ایک وقت آئے گا کہ تم روؤ گے اور تمہیں اپنے حصے کے کشمیر سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے! اللہ نہ کرے کہ کہیں وہ صورت ہو۔ لیکن اب زیادہ سے زیادہ آپ یہ توقع رکھئے کہ یہ معاملہ یہاں فریز (Freeze) ہو جائے۔ اس لئے کہ بھارت اب کسی درجے میں بھی کسی بات چیت کے لئے آمادہ نہیں۔ وہ امریکہ کا بھی کوئی دباؤ برداشت نہیں کرے گا۔ امریکہ تو خود ہی اس وقت بھارت کا پرستار ہے۔ دوسری بات جو یقینی ہے وہ یہ کہ ہمارے ہاں جو خالص سیاسی جماعتیں اور شخصیتیں

ہیں ان کے لئے تو گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹنے والی صورت پیدا ہو گئی ہے اور انہیں اس حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرے کرنے اور عوام کو بھڑکا کر میدان میں لا کر ہنگامہ کرانے کا بھرپور موقع مل گیا ہے۔ اگرچہ پیپلزپارٹی اس وقت مظاہروں کی پوزیشن میں نہیں ہے' لیکن عوام میں اس کے اثرات موجود ہیں۔ چونکہ موجودہ حکومت کاروباری لوگوں کی حکومت مشہور ہے اور ہمارے ہاں جو زمیندار اور جاگیردار طبقہ ہے وہ اب بھی کسی نہ کسی درجے میں پیپلزپارٹی کے ساتھ ہے اور چونکہ ان کی قیادت جاگیرداروں پر مشتمل ہے' لہٰذا وہ عوام کو باہر سے شہروں میں لا کر طاقت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور بڑے بڑے ہنگامے کرا سکتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ مذہبی جماعتوں' خاص طور پر جن کے ساتھ جہادی تنظیمیں وابستہ ہیں' ان کی طرف سے یقیناً شدید ردعمل سامنے آئے گا' اور امریکہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھا کر پاکستان میں جہادی اور بنیاد پرست تنظیموں کو نواز شریف کے ہاتھوں کرش کروانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کی ان جہادی قوتوں سے جان نکلتی ہے' وہ ان کے تصور ہی سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ اسامہ بن لادن افغانستان کی کسی غار میں بیٹھا ہو گا لیکن ان کی جان نیویارک اور واشنگٹن میں تھرتھر کانپتی رہتی ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ مسلمان مرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں' وہ جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہیئے !

اور اب چونکہ ان جہادی تنظیموں کی توجہات افغانستان کی بجائے کشمیر پر مرکوز ہیں لہٰذا اس حوالے سے اب امریکہ کو جہادی تحریکوں کے خلاف کارروائی کا بہانہ مل سکتا ہے۔ چنانچہ ان جہادی تنظیموں اور مذہبی جماعتوں کے لئے بڑی آزمائش کا مرحلہ ہے کہ آیا وہ میدان میں آ کر اپنی قوت کا مظاہرہ کریں یا نہیں۔

البتہ ایک بات یقینی ہے کہ اگر سیاسی جماعتیں' مذہبی تنظیمیں اور جہادی قوتیں جمع ہو جائیں تو انقلاب لازمی اور یقینی ہے۔ لیکن یہ انقلاب کس نوعیت کا ہو گا اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ انقلاب اس اعتبار سے تو آ جائے گا کہ موجودہ حکومت ختم

ہو جائے گی' لیکن اس کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ ملک میں مارشل لاء لگ جائے اور مزید خوفناک صورت حال یہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے ہاں سول وار کی شکل پیدا ہو جائے۔ (معاذ اللہ) خدانخواستہ اس طرح کی افراتفری پیدا ہو جائے تو بھارت یا امریکہ "پولیس ایکشن" کے نام پر ہم پر حملہ آور بھی ہو سکتا ہے۔ NATO نے کوسوو میں بڑا "اخلاقی موقف" اختیار کیا ہے اور بہت بڑی "اخلاقی کامیابی" حاصل کی ہے کہ یہ لوگ تو آپس میں لڑ کر مر جائیں گے' ایک دوسرے کو ختم کر دیں گے۔ لہٰذا اس طرح کا "اخلاقی موقف" اپنا کر ہم پر بھارت یا امریکہ پولیس ایکشن کر سکتا ہے۔

تیسرا امکان یہ بھی ہے کہ اسی اکھاڑ پچھاڑ سے اسلامی انقلاب کا راستہ نکل آئے' یہ صرف امکان ہی ہے' امیدِ واثق نہیں۔ اس لئے کہ اسلامی انقلاب کی جو شرائط اور لوازم (Pre-requisites) ہیں پہلے ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔ میں دو اور دو چار کی طرح جانتا ہوں کہ اگر انقلاب آئے گا تو محمدِ عربی ﷺ کے طریق پر آئے گا' ورنہ یہ تو ہو گا کہ کوئی حکومت ختم ہو جائے' "خر آمد و گاؤ رفت یا گاؤ آمد و خر رفت" والا معاملہ ہو جائے۔ جیسے ہمارے ہاں پہلے ہوتا چلا آیا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم ہوئی اور مارشل لاء آ گیا' پھر مارشل لاء ختم ہوا اور بے نظیر آ گئی' بے نظیر حکومت ختم ہوئی اور نواز شریف آ گئے' پھر نواز شریف اتر گئے اور بے نظیر دوبارہ آ گئی' پھر بے نظیر چلی گئی اور نواز شریف دوبارہ آ گئے! ــــــ یہ انقلاب نہیں ہے۔ اسلامی انقلاب تاریخ میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے۔ آپؐ سے پہلے یہ کسی اور نبی کے ذریعے بھی نہیں آیا۔ اس کی اگر واقعتاً کوئی توقع ہو سکتی ہے تو اسی نبویؐ منہاج کو اختیار کر کے ہو سکتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: لَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهٖ أَوَّلُهَا "اِس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو گی مگر صرف اسی طریقے پر جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی ہے۔"

کیا کرنا چاہیے؟

رہا یہ سوال کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے' تو ہماری تشخیص یہ ہے کہ پاکستان ایک معجزانہ انداز میں قائم ہوا۔ اس معجزے کے دو پہلو تھے۔ ایک یہ کہ مسلمانانِ ہند کا یک

زبان نعرہ لگاتا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!" دوسرے یہ کہ پاکستان کا قیام خود مشیتِ ایزدی تھی کہ جس کے تحت اس دنیا میں قیامت سے قبل نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو کر رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لمبی تدبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہزار برس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر میں قیامِ پاکستان کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

دوسرے یہ کہ پاکستان کا اسلام کے بغیر کوئی جواز نہیں۔ پاکستان کی بقاء واستحکام کی اسلام کے سوا کوئی اساس نہیں۔ صرف بھارت ہی نہیں' پوری دنیا کے مقابلے میں کھڑے ہونے کے لئے ہمارے پاس اگر کوئی قوت ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہ دو چیزیں ہیں جو قرآن حکیم میں تین بار دہرائے جانے والے الفاظِ مبارکہ یعنی ﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ﴾ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عطا فرمائیں' یعنی قرآن حکیم اور دین حق۔ جیسے کہ قرآن کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

یعنی اے امّتِ مسلمہ! تو اگر دنیا میں ذلیل و خوار ہوئی ہے تو قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ تو گردشِ زمانہ کا شکوہ کر رہی ہے اور امریکہ و بھارت کو الزام دے رہی ہے' لیکن ؏ "اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست!" کے مصداق تم نے اسلام اور قرآن کو پیٹھ دکھائی تو نتیجہ یہ ہے کہ تم زمین پر پڑی ہوئی شبنم کی مانند ہو گئے ہو جسے لوگ روند رہے ہیں۔ حالانکہ وہ کتابِ زندہ تو تمہارے پاس آج بھی موجود ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام وقتی طور پر خائف ہو گئے تھے جب جادوگروں نے اپنی رسّیاں اور چھڑیاں پھینکیں اور وہ بھی سانپ بن گئیں۔ آپؑ کو احساس ہوا کہ یہی معجزہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا' یہی ان جادوگروں نے کر کے دکھا دیا۔ اس پر اللہ نے فرمایا: ﴿ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ﴾ "اے موسیٰ گھبراؤ نہیں' یقیناً تم ہی برتر رہو گے اور جو تمہارے دائیں ہاتھ میں (عصا) ہے اسے ڈال دو یہ ابھی ان کی سب بناوٹی چیزوں کو نگل لے گا۔" چنانچہ دنیا کے سارے نظریئے چاہے وہ کفر و الحاد و شرک پر مبنی

ہوں' ان کو نگل جانے والی شے قرآن مجید ہے ـــــــ اس کے ساتھ دوسری چیز دینِ حق ہے جو کہ عدل و قسط کی بنیاد پر قائم نظام زندگی ہے۔

علامہ اقبال کا ایک اور شعر اردو میں ہے۔

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے!

یعنی اے مسلمان! تو اس پورے عالم کی تسخیر بغیر تیغ و تفنگ کے کر سکتا ہے' تیرے پاس وہ سامان ہے' یعنی اللہ کی کتاب اور اس کا دین۔ اسے قائم کر کے دیکھو تو سہی' اسے دنیا بھاگ کر قبول کرے گی۔ سارے نظام کانپیں گے' لرزیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔ حق سامنے آجائے گا تو باطل ختم ہو جائے گا۔ ﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾ روشنی ہو گی تو اندھیرا خود بخود دور ہو جائے گا۔

یہ میں اس حوالے سے نہیں کہہ رہا کہ ہمیں اپنا غلبہ چاہیئے۔ اور ہم دنیا پر اپنا غلبہ حاصل کرنے کے لئے قرآن اور دینِ حق کو استعمال کریں۔ نہیں' یہ تو رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ کیونکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پوری نوعِ انسانی کے لئے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ لہٰذا یہ آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کے سب سے بڑے دو مظہر ہیں۔

بہرحال اسے شکوہ کہیں یا حقیقت حال کی افسوسناک تعبیر' دیکھئے اس ملک میں ایک زبردست قرآنی تحریک اٹھی' میں نے اپنی زندگی کے چونتیس برس اس کام میں لگائے ہیں۔ بیسیوں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان' ڈاکٹرز اور انجینئرز اپنے پیشے چھوڑ کر اس کام میں ہمہ وقت طور پر لگے۔ دوسری بات جو سورۃ السجدۃ کی تلاوت شدہ آیات میں کہی گئی ہے وہ یہ ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے تورات عطا کی تھی جو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دی گئی۔ اور ان میں سے ہم نے ایسے لوگ امام الہدیٰ بنا کر کھڑے کر دیئے جو ہماری آیات کے ذریعے سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے خود صبر کیا۔ (اپنی زندگیوں کو دوسرے شاندار کیریئر اور خوشنما چیزوں سے روک کر اپنے آپ کو اس کام

کے لئے وقف کیا) اور انہیں ہماری آیات پر یقین حاصل تھا۔ چنانچہ بالکل اسی شان کے ساتھ جس عظیم پیمانہ پر یہ قرآنی تحریک ارضِ پاکستان میں شروع ہوئی اس کی دورِ حاضر میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ لیکن قوم نے بحیثیتِ مجموعی اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ اس سے بڑی بات کیا ہو گی کہ اس ملک میں ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" پر پابندی لگائی گئی کہ قرآن کا پیغام کہیں لوگوں تک نہ پہنچ جائے۔ ہاں اس بات کی اجازت ہے کہ قرآن کی قراءت کرو، حسنِ قراءت کی محفلیں منعقد کرو، انعامات دو، سب کچھ کرو، اس کا ترجمہ بھی کرو، لیکن قرآن کا مربوط اور مدلل پیغام لوگوں کے سامنے نہ آ جائے۔ ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں "الہدیٰ" پر پابندی لگائی گئی۔ اس کے بعد کتنی حکومتیں بنیں، کتنی ختم ہوئیں، لیکن آج تک وہ پابندی برقرار ہے کہ "الہدیٰ" اور ڈاکٹر اسرار کے ٹی وی پر آنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ بہرحال سورۃ السجدہ کی یہ آیت نوٹ کیجئے:

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝ ﴾

"اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جسے اس کے رب کی آیات کے حوالے سے یاددہانی کرائی جائے، پھر بھی وہ اعراض کرے۔ ان مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔"

یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ میں جب بھی یہ آیت پڑھتا یا سنتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ کہیں قانونِ الٰہی کی یہ دفعہ مسلمانانِ پاکستان پر نہ لگ جائے۔ بہرحال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عفو و کرم اور درگزر اور مغفرت کے دامن کا سایہ ہمارے سروں کے اوپر قائم رکھے۔

دوسرے یہ کہ کتنی جماعتیں یہاں نظامِ اسلام کے قائم کرنے کی دعوے دار ہیں اور ہماری طرف سے اس کیلئے منہاجِ محمدیؐ اختیار کرنے کی دعوت کیسے زور و شور کے ساتھ اور کتنے مدلل طور پر پیش کی گئی، مگر کوئی دینی قیادت متوجہ ہونے کو تیار نہیں۔ ﴿ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝ ﴾ کے مصداق ہم نے اپنی پوری کوشش کی مگر کوئی بڑی دینی جماعت "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" میں شامل نہیں ہوئی! بہرحال جہاں تک ہمارا اپنا معاملہ ہے، ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم یہی دو کام کرتے رہیں گے۔

دیکھئے' اس سے پہلے اس ملک میں بھٹو کے خلاف جو تحریک چلی تھی' جس کا عنوان بعد میں "نظامِ مصطفیٰ تحریک" بنا' حالانکہ شروع میں وہ پاکستان نیشنل الائنس (PNA) کی تحریک تھی' اس میں اسلام کا نام نہیں تھا' لیکن مسلمانوں کو جب میدان میں لانا تھا اور قربانیاں دینے کے لئے تیار کرنا تھا تو اسے "نظامِ مصطفیٰ تحریک" کا نام دیا گیا' وہ ایک خالص سیاسی تحریک تھی' ہم نے اس میں قطعاً حصّہ نہیں لیا۔ اس لئے نہیں کہ ہمیں بھٹو سے محبت تھی یا بھٹو سے کسی خیر کی توقع تھی' بلکہ اس لئے کہ ہم یہ جانتے تھے کہ اس تحریک سے کوئی خیر برآمد نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ یہ تحریک ان اصولوں پر تھی ہی نہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار ہے۔ اس کے اور اس طریقہ کار کے درمیان زمین و آسمان کا فرق تھا۔ نہ ہی اس کے مقدمات اور لوازم (Pre-requisites) پورے ہوئے تھے۔ کیا نظامِ مصطفیٰ ﷺ یوں ہی گھر بیٹھے آجاتا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ انبیاء کی پوری تاریخ میں صرف ایک مرتبہ اسلامی انقلاب برپا ہوا ہے۔ وہ تو ٹھیک اسی منہاج پر دوبارہ جدّوجُہد ہو گی تو دوبارہ آئے گا۔ اس کا مجھے یقین ہے۔ اسی طریقے سے اب اگر کوئی تحریک چلتی ہے تو ہم ہرگز اس میں شریک نہیں ہوں گے' یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہمیں نواز شریف سے محبت ہے یا اس کے خاندان سے میرا کوئی رشتہ و تعلق ہے۔ میں تو چھ ماہ قبل ۱۴ جنوری کو اسی مقام پر اپنے خطاب جمعہ میں اعلان کر چکا ہوں کہ مجھے کسی خیر کی توقع اس خاندان سے نہیں رہی۔ اس سے پہلے مجھے مغالطہ ہو گیا تھا۔ میں نے ضیاء الحق سے بھی کچھ عرصہ دھو کا کھایا تھا اور موجودہ حکمران خاندان سے تو میں نے کچھ زیادہ دھو کا کھایا۔ ۱۴ جنوری ۹۹ء کو آخری مایوسی کا اظہار کر دیا تھا کہ اس خاندان سے کسی خیر کی کوئی توقع نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم اس قسم کی کسی تحریک میں حصّہ نہیں لیں گے۔ ہم تو وہی دو کام کریں گے ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ یعنی "اسی طرح تم ان کو دعوت دیتے رہو' جو تمہیں حکم ہوا ہے اس کے اوپر جمے رہو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہ کرو"۔ ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ﴾ اور "(ڈنکے کی چوٹ) کہہ دو کہ میرا ایمان تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل کی"۔ لہٰذا ہمارا اوّلین کام تو دعوت اِلی القرآن ہے۔ اس لئے کہ ہمیں یقین ہے کہ خیر یہیں سے برآمد ہو گا' اسی کے تعلیم و تعلّم سے' اسی کو عام کرنے سے' اسی کو

ذہنوں میں اُتار کر اور اسی کو حرزِ جان بنا کر ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

اور دوسرا کام یہ ہے کہ ہم اپنے فہم کے مطابق منہاجِ محمدی ﷺ پر عمل پیرا رہتے ہوئے اسلامی انقلاب یعنی ﴿ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ کے مصداق دینِ حق کے نظامِ عدل و قسط کے قیام کی جدوجہد جاری رکھیں۔ خواہ اس کے کوئی محسوس اور مشہود نتائج سامنے آئیں یا نہ آئیں۔

باقی اور جو بھی مذہبی جماعتیں ہیں ان سے ہماری بات وہی ہے جو سورۃ الشوریٰ کی اسی پندرہویں آیت کے اختتام پر آئی ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ ﴾ "اللہ ہمارا بھی رب ہے آپ کا بھی رب ہے' اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہوں گے اور آپ کے لئے آپ کے اعمال ہوں گے۔ کسی حجت بازی کی آپس میں ضرورت نہیں' اللہ ہمیں جمع کر دے گا اور اس کی طرف لوٹنا ہے"۔ وہ چاہے گا تو حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ کل ہم جمع ہو جائیں گے' ورنہ قیامت کے دن تو میدانِ حشر میں جمع ہونا ہی ہے۔ وہاں پتہ چل جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا' کون حقیقت پر تھا۔ اللہ تو جانتا ہے ﴿ مَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ﴾ کون اس کے راستے سے بھٹک گیا ہے اور کون اس کے سیدھے راستے پر ہے : ﴿ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾

بہرحال ہمارا طریقہ کار یہی رہے گا' چاہے یہاں ہنگامے شروع ہوں' چاہے کوئی سیاسی تحریک چلے' لیکن ہم انہی دو کاموں میں لگے رہیں گے۔

اقول قولی ھذا و استغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمینَ و المُسلمات

(۲)

پاکستان کا مستقبل اور صحیح لائحہ عمل

خطبۂ مسنونہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کی :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم - بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۶۱)

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۱۲)

﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ ﴾

(بنی اسرائیل : ۸-۹)

بعد ازاں ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا :

گزشتہ جمعہ میری گفتگو کا عنوان تھا "بھارت بمقابلہ پاکستان" یعنی بھارت کے مقابلے میں پاکستان کی پوزیشن برابری کی ہے یا زیردستی کی؟ اس ضمن میں اونچ نیچ کے جو ادوار آئے اس کا تفصیلاً تذکرہ کر دیا گیا تھا۔ اس باون برس کے عرصے میں بھارت کی طرف سے ہمیں نیچا دکھانے کی جو انتہائی صورتیں پیدا ہوئیں وہ ایک سقوطِ ڈھاکہ کا موقع تھا اور دوسرا اب جسے سقوطِ کارگل سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اِس وقت ہم قومی سطح پر ذلت و مسکنت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ہم نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ ہم بھارت سے جنگ نہیں کر سکتے اور یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارا

ایٹمی ڈیٹرنٹ بھی ہمارے لئے کوئی ضمانت نہیں دے سکتا تو پھر ہمارے لئے دوسرا راستہ اس کے علاوہ کونسا ہے کہ بھارت کے سامنے گردن جھکا دی جائے اور اس کی بالادستی قبول کرلی جائے' کیونکہ جو قومیں مرنا نہیں جانتیں انہیں ابتداءً ذلت اور بالآخر تباہی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ع "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!"

بہرحال آج جو آیات تلاوت کی گئی ہیں ان میں دو لفظ بڑے اہم ہیں : ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ یعنی "بنی اسرائیل پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی۔" قرآن مجید میں اس کا دو مرتبہ تذکرہ آیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ کا نصفِ آخر اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ جو اس موضوع پر مکمل آیت بھی ہے اور قدرے مفصل بھی۔ یہ اصل میں کسی مسلمان قوم اور امت پر عذابِ الٰہی کی مختلف صورتوں میں سے ایک ہے کہ ان پر ذلت اور مسکنت مسلّط کردی جائے۔ عربی زبان میں ذلت کے معانی کمزوری اور ضعف کے ہیں' اگرچہ ہمارے ہاں اردو زبان میں اس میں توہین کا مفہوم بھی شامل ہے۔ چنانچہ جب ہم کسی کو ذلیل آدمی کہتے ہیں تو ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ شرافت و مروت سے خالی ہے اور کمینہ انسان ہے۔ عربی زبان میں اس کا یہ مفہوم نہیں ہے' بلکہ ذلت بمعنی ضعف' اور مسکنت بمعنی کم ہمتی ہے' یعنی انسان کی ہمت جواب دے دے۔ یہ گویا ایک باطنی کیفیت ہے۔ جیسے آج کل ایک مرض Neuraesthenia کہلاتا ہے کہ آدمی دیکھنے میں بھلا چنگا' ٹھیک ٹھاک ہے' کسی بیماری کی تشخیص نہیں ہورہی' لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اندر سے ایسی اعصابی کمزوری واقع ہوگئی ہے کہ ساری صحت مندی کے باوجود اس کی ہمت جواب دے گئی ہے اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ یہ مسکنت ہے۔ جس شخص پر یہ کیفیت طاری ہو وہ مسکین ہے۔ اسی لئے فقراء اور مساکین کی دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحات ہیں اور زکوٰۃ و صدقات کی مدات میں یہ دو مدیں مستقل طور پر علیحدہ بیان ہوتی ہیں۔

آج سے سات سال قبل میں نے اسی جگہ (مسجد دارالسلام باغ جناح میں) عیدالفطر کے موقع پر جلسہ عام سے "مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" کے موضوع پر مفصل خطاب کیا تھا۔ یہ خطاب بعدازاں کالموں کی شکل میں نوائے وقت میں چھپا تھا اور پھر کتابی شکل میں شائع ہوا تھا' جس کا پہلا ایڈیشن ۹۳ء میں آیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا "قانونِ عذاب"

اپنے اس خطاب میں مَیں نے اس ذِلّت و مسکنت مسلط کئے جانے کے ضمن میں بڑی تلخ بات کہی تھی' آج میں آپ کی توجہ دوبارہ اس کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں' لیکن پہلے یہ اصولی بات سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ قوانین کون سے ہیں جن کے تحت کسی قوم پر اس کا عذاب اور غضب نازل ہوتا ہے۔ اس کتاب میں "قرآن کا قانونِ عذاب" کے عنوان سے ایک مکمل باب موجود ہے۔ اس قانون کے بارے میں پہلی بات یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ دنیا بنیادی طور پر دار الجزاء نہیں' دار الامتحان ہے' دنیا کی زندگی تو دراصل ایک امتحانی وقفہ ہے' جبکہ دار الجزاء اصل میں آخرت ہے۔ لیکن آخرت میں جو محاسبہ ہے وہ ہر فرد کا انفرادی حیثیت میں ہوتا ہے جیسے سورۂ مریم میں فرمایا ﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ یعنی "قیامت کے روز ان میں سے ہر شخص انفرادی حیثیت میں اللہ کے سامنے پیش ہو گا۔" اس محاسبہ میں یہ تمام باتیں پیش نظر رکھی جائیں گی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کیا "شاکلہ" دیا تھا؟ کس ماحول میں پیدا کیا تھا؟ اس میں کیا صلاحیت ودیعت کی تھی؟ حق کی دعوت اس تک پہنچی تو کس حد تک پہنچی؟ اس کے دل نے اس کی گواہی دی تو کس حد تک دی؟ اور پھر اس کا طرزِ عمل کیا ہوا؟ یہ معاملہ ہر شخص کا انفرادی طور پر ہو گا۔ لیکن جہاں تک قوموں اور امتوں کا معاملہ ہے ان پر عذاب اسی دنیا میں آتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی جزاء و سزا میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے علامہ اقبال کے اس شعر میں کہ ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملّت کے گناہوں کو معاف!

البتہ اس دنیا میں کفار پر جو عذاب آتا ہے اس کا معاملہ عجیب ہے۔ واضح رہے کہ یہ دنیا اصلاً ان کے عذاب کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ دنیا تو ان کے لئے عیش گاہ ہے اور ان کو اصل عذاب آخرت میں ملے گا۔ جیسے کہ حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے ((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ)) "یہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔" آخرت کی ابدی زندگی میں کافروں کا جو حشر ہونا ہے وہ اپنی جگہ' اس دو چار روزہ دنیوی زندگی میں تو انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ جو عیش کرنا ہے کر لیں' جو کچھ کھانا پینا ہے کھا پی

لیں۔ سورۃ الزخرف میں تو یہاں تک فرمادیا گیا : ﴿ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ ﴾ یعنی "اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے کے سارے لوگ ایک ہی طریقے کے (یعنی کافر) ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں' اور ان کی سیڑھیاں جن کے ذریعے وہ اوپر (اپنے بالا خانوں پر) چڑھتے ہیں' سب چاندی کی بنا دیتے۔" بلکہ یہی نہیں ﴿ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ۗ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ "اور ہم تو ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے بنا دیتے اور ان کے لئے وہ مسہریاں بھی جن پر وہ آرام کرتے ہیں' چاندی بلکہ سونے کی بنا دیتے۔ تاہم یہ سب محض حیاتِ دنیا کی متاع ہے' اور آخرت تیرے رب کے ہاں صرف متقین کے لئے ہے۔"

معلوم ہوا کہ یہ دنیا اور اس کا یہ مال و متاع حقیر سا ہے۔ وہ کافر جن کا انجام ابدی جہنم ہے' اللہ تعالیٰ انہیں اس دنیا کی چار روزہ زندگی میں چرنے چگنے' کھانے پینے اور عیش کرنے کا بھرپور موقع دیتا ہے۔ البتہ یہ اللہ کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کافر اور مشرک قوم کی طرف اللہ نے اپنا کوئی رسول مبعوث کیا جو آیاتِ الٰہی اور معجزات لے کر آیا جس سے اس کی حقانیت مبرہن ہو گئی اور اس کی دعوت بھی فطرت کے عین مطابق تھی' لیکن قوم نے اس کا انکار کر دیا' اسے جھٹلایا اور اپنے کفر پر اَڑ گئی ﴿ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ "تو جیسے انسانی بدن کے گلے سڑے بازو یا ٹانگ کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح اس کافر قوم کے کفر اور تکذیب کے نتیجے میں اس قوم کا صفایا کر دیا گیا' جسے قرآن "عذاب اکبر" یعنی بڑا عذاب کہتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے عذابِ استیصال یعنی جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والا عذاب ہوتا ہے' جس کا نقشہ قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے : ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ "وہ ایسے ہو گئے جیسے وہاں کبھی آباد ہی نہیں تھے" اور ﴿ لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ﴾ "ان کے مسکنوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔" اور ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾۔ "پھر جڑ کاٹ دی گئی ظالم قوم کی"۔ وہ قوم واقعتاً ایسی ہو جاتی تھی جیسے کبھی وہاں تھی ہی نہیں۔ ان کے بنائے ہوئے مضبوط گھر اور عالیشان محلات تو نظر آتے تھے لیکن ان میں بسنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ ایسی کافر اور ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی تھی۔

قوموں کا یہ عذاب اِستیصال "عذابِ اکبر" ہے۔ اس کی شرط لازم یہ تھی کہ پہلے کوئی رسول آ کر قوم پر اتمامِ حجت کرتا' بمصداق ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ یعنی "اور ہم عذاب نہیں بھیجتے رہے جب تک کہ کسی رسول بھیج کو نہ دیں۔" رسول آ کر حق کو پیش کرتے اور اس کو مبرہن کرتے' اس کا حق ہونا ثابت کرتے اور اتمامِ حجت کرتے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اب ختم نبوت و رسالت کے بعد کافروں کے لئے اس نوعیت کے عذاب کا دروازہ بند ہے۔ کیونکہ اب کوئی رسول یا نبی نہیں آنا تو اتمامِ حجت نہیں ہونا' لہٰذا یہ عذابِ استیصال نہیں آنا۔ تاہم اس اصول میں ایک استثناء "بنی اسرائیل" کا ہے۔ اس لئے کہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا انکار کر کے اس عذابِ استیصال کے مستحق ہو چکے تھے' جنہیں ﴿ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ کے مصداق خاص طور پر بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا' لیکن بنی اسرائیل نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ ان کے خلاف بغض و عداوت کی حد کر دی۔ ویسے تو ہر کافر قوم نے کوشش کی تھی کہ اپنے رسول کے خلاف کچھ اقدام کریں' لیکن قومِ نوح' قومِ عاد' قومِ ثمود اور قومِ لوط میں سے کوئی قوم بھی اس حد تک نہ گئی جس حد تک بنی اسرائیل پہنچ گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے بس پڑتے اپنی طرف بھیجے جانے والے رسول کو سولی پر چڑھوا کر دم لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے ان کی تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا' اب وہ دوبارہ آئیں گے تو اس قوم کو آخری سزا دیں گے۔ یہ گویا کہ ماضی کا ایک قرض ہے جو ادا ہو کر رہنا ہے۔ جیسے کہ کسی مجرم کو پھانسی کی سزا ہو چکی ہو اور وہ سزا کسی وجہ سے تعطل کا شکار ہو' اس صورت میں بس اس کے پھانسی چڑھ جانے کی دیر ہے ورنہ تمام عدالتی کارروائی تو مکمل ہو چکی ہے۔ اسی طرح قومِ یہود اللہ تعالیٰ کی طرف سے مردود (Condemned) قوم ہے جس کا حشر اسی رسول کے ہاتھوں ہونا ہے جس کو انہوں نے اپنے خیال میں سولی پر چڑھوا دیا تھا۔ صرف یہ ایک استثناء ہے' ورنہ اب بالعموم کفار کے لئے اس قسم کے عذاب کا دروازہ بند ہے۔

بنی اسرائیل کی حیثیت سابقہ امت مسلمہ کی ہے جبکہ موجودہ امت مسلمہ ہم ہیں۔ مسلم امت کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر جزوی طور پر عذاب بھیجتا ہے تاکہ یہ ہوش میں آ جائیں۔ اس نوعیت کے عذاب کو قرآن حکیم میں عذاب ادنیٰ کہا گیا ہے۔

فرمایا ﴿ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (السجدة : ۲۱) "اور ہم انہیں لازماً چھوٹے عذاب کا مزا چکھاتے رہیں گے اُس بڑے عذاب سے پہلے' شاید کہ یہ باز آجائیں۔"

ظاہر بات ہے کہ جڑ سے اکھیڑ پھینکنے والا عذاب کہ اس قوم کا وجود ہی باقی نہ رہے' قوم نسیاً منسیا ہو جائے' اس قسم کا عذاب مسلمان امت پر کلی طور پر تو نہیں آئے گا لیکن جزوی طور پر ایسا عذاب آسکتا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل پر پہلے ۷۰۰ ق م کے لگ بھگ جزوی عذاب استیصال "اشوریوں" کے ہاتھوں آیا' پھر ۶۰۰ ق م کے قریب بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں آیا۔ اس میں یہ نہیں ہوا کہ پوری قوم ہلاک کر دی گئی ہو' لیکن یہودیوں کی بہت بڑی تعداد ہلاک ہوئی۔ اسی طرح مسلمانوں پر' بالخصوص عربوں پر جو مسلمانوں میں زیادہ فضیلت کی حامل ہیں' ایسا عذاب پہلے صلیبیوں کے ہاتھوں آیا کہ ۸۸ برس تک یروشلم ہمارے ہاتھ سے نکلا رہا' لاکھوں مسلمان صلیبیوں نے قتل کر دیئے۔ پھر تیرہویں صدی عیسویں میں کروڑوں مسلمان تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جب ۱۲۵۸ء میں سقوطِ بغداد ہوا۔ پھر پندرہویں صدی کے اختتام پر ہسپانیہ سے مسلمانوں کا صفایا کیا گیا۔ اس طرح کے عذاب تو آئے ہیں لیکن عذاب استیصال نہیں آیا کہ پوری امت ختم کر دی گئی ہو۔

البتہ اِس وقت مجموعی اعتبار سے پوری امت پر ذلت اور مسکنت کا وہ عذاب مسلط ہے جو اس سے قبل آج کی تلاوت شدہ آیات کے مطابق سابقہ امت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ چنانچہ آج پوری امت مسلمہ ذلت اور مسکنت میں مبتلا ہے۔ دنیا میں مسلمان تعداد میں کم نہیں ہیں۔ اِس وقت روئے ارضی پر سوا ارب سے ڈیڑھ ارب کے درمیان مسلمان موجود ہیں' دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے' جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ پھر ان کے قدموں تلے اللہ تعالیٰ نے زمین کا کتنا بڑا رقبہ دیا ہے' انہیں کیسے کیسے وسائل دیئے ہیں۔ اِس وقت کی سب سے قیمتی شے تیل کے سب سے بڑے ذخائر مسلمانوں کے قدموں کے نیچے ہیں۔ اس سب کے باوجود جس شے کا نام عزت و سربلندی ہے وہ پوری دنیا میں امت مسلمہ کے پاس کہیں نہیں ہے۔ دنیا کے بین الاقوامی معاملات میں کوئی ہم سے پوچھتا تک نہیں کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ کا کیا موقف ہے؟ وہ تو

G-7 اور G-15 ہیں جو تمام معاملات کے فیصلے کرتے ہیں' اور کوئی مسلمان ملک G-7 میں ہے نہ G-15 میں۔ گویا ہم نہ تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔ پھر یہ کہ سیکیورٹی کونسل میں ہمارا کوئی وجود نہیں۔ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر ممالک میں فقر و تنگ دستی ہے اور اس کے ساتھ خواندگی کی شرح بہت کم ہے۔ پھر کرپشن اور اس جیسی دوسری برائیاں اور گندگیاں سب سے بڑھ کر مسلمان ممالک میں نظر آتی ہیں۔ دوسری طرف جہاں دولت کے انبار ہیں وہاں عیاشیاں اور گلچھرے ہیں اور ان پر پوری دنیا ہنستی ہے۔ پھر ان کی دولت بھی ساری کی ساری ان کے اپنے پاس نہیں بلکہ مغربی ممالک کے بینکوں میں ہے یا ان کے ہاں invested ہے' وہ جب چاہیں گے اسے منجمد کرلیں گے۔ یہ ہے ذلت و مسکنت جو آج پوری امت مسلمہ پر مسلط ہے۔

میں اپنی مذکورہ بالا کتاب میں واضح کرچکا ہوں کہ اگر دنیا میں ۱۲۰ کروڑ مسلمان ہیں تو ان میں سے ۲۰ کروڑ کے قریب عرب ہیں جو کہ اس اعتبار سے سب سے بڑھ کر مجرم ہیں کہ آج بھی اللہ کی کتاب ان کی زبان میں موجود ہے' پھر بھی انہوں نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈال رکھا ہے جس طرح قرآن حکیم میں یہود کا حال بیان ہوا ہے: ﴿نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ انہوں نے اپنا قبلہ ماسکو یا واشنگٹن کو بنایا۔ ان پر ایک ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ مٹھی بھر قوم کے ہاتھوں شکستوں پر شکستیں آتی رہیں۔ اور پھر جس طریقے سے ذلیل و رسوا ہو کر خلیج کی جنگ کے بعد سب میڈرڈ (سپین) میں لائن حاضر ہوئے' وہ باعث عبرت ہے۔ میڈرڈ جو کہ عربوں کا قبرستان تھا' حکم ہوا کہ وہاں حاضر ہو جاؤ اور اسرائیل کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر گفتگو کرو اور صلح کرو۔ ۱۹۹۲ء میں ہونے والی یہ کانفرنس نہ جنیوا میں شروع ہوئی نہ واشنگٹن میں نہ نیویارک میں۔ اس لئے کہ ٹھیک ۵۰۰ سال پہلے ۱۴۹۲ء میں اس پورے جزیرہ نما سے مسلمانوں کا خاتمہ کیا گیا تھا۔ ہسپانیہ میں عربوں کے اقتدار کی آخری نشانی غرناطہ کی چھوٹی سی مملکت کا سقوط ۱۴۹۲ء میں ہوا تھا' جہاں آٹھ سو برس تک اسلام کا ڈنکا بجتا رہا تھا۔ اسی مملکت کا طفیلی ایک جزیرہ صقلیہ (سسلی) بھی تھا جہاں سے گزرتے ہوئے اقبال خون کے آنسو رویا تھا۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوں نابہ بار!
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

تھا یہاں ہنگامہ اُن صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی!

اس نظم کا آخری شعر دل کو لرزا دینے والا ہے

غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے؟

اللہ اکبر کی دلنشیں صداؤں سے کبھی پورا ہسپانیہ گونجتا تھا۔ کانوں کے اندر اس اللہ اکبر کی صدا کی مٹھاس اب تک محسوس ہو رہی ہے۔ کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی ہے؟

کسی مسلمان امت پر ذلت و رسوائی کا یہ عذاب کیوں آتا ہے؟ قرآن مجید نے دونوں مقامات پر یکساں الفاظ (صرف ایک لفظی فرق کے ساتھ) دو ہرا دیئے۔ فرمایا :
﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ﴾ دوسری جگہ ﴿ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ ﴾ کے الفاظ ہیں۔ "یہ اس لئے ہوا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدودِ شرع سے تجاوز کرتے تھے۔" یہ تو میں نے بارہا کہا ہے کہ قرآن مجید میں اہم مضامین دو جگہ ضرور آتے ہیں۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں وارد ہونے والے ان الفاظ میں آج کی امت مسلمہ کی صورت نظر آتی ہے۔ ایک کفر قولی ہوتا ہے اور ایک عملی۔ آج پوری امت اپنے عمل سے کفر کر رہی ہے۔ پوری امت کا صرف بینکنگ سسٹم ہی نہیں پوری معیشت سود پر استوار ہے۔ کیا یہ آیاتِ الٰہی کا کفر نہیں ہے؟ اللہ کی نافرمانی نہیں ہے؟ عصیان، معصیت اور اعتداء (حدودِ شریعت سے تجاوز) نہیں ہے؟

اب غور کیجئے کہ ﴿ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ ﴾ یا ﴿ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ ﴾ کس اعتبار سے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس امت مسلمہ کے ہاں محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی تو کوئی نہیں آنا تھا۔ سابقہ امت مسلمہ نے جو سلوک انبیاء کے ساتھ کیا اس امت مسلمہ نے وہی سلوک داعیانِ دین کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ وہ قتل بھی ہوئے اور ان کی کردار کشی (Character Assassination) بھی کی گئی۔ ایک جسمانی قتل ہے اور ایک

معنوی قتل ہے۔ معنوی قتل یہ کہ کسی کی شخصیت کو کچل کر رکھ دینا' اس کو بدنام کر کے رکھ دینا۔ اور آج کل یہ بالعموم ہو رہا ہے کہ جو کوئی بھی حق کی دعوت لے کر کھڑا ہو اس کی معنوی شخصیت کو قتل کر دینے کے لئے تمام حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں آج ہماری اِس وقت کی کیفیت وہی ہے : ﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ "ان پر ذلت اور کم ہمتی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے"۔ ظاہر ہے اللہ تو کفر' عصیان' اعتداء اور داعیانِ حق کے خلاف اقدامات سے ناراض ہوتا ہی ہے۔ اپنی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں' سارے مجددین جیلوں میں ٹھونسے گئے یا نہیں؟ کیا امام اعظم ابو حنیفہؒ نے جسمانی اذیتیں اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت نہیں کیں؟ کیا امام مالکؒ پر بے پناہ جسمانی تشدد نہیں کیا گیا؟ ان کے چہرے پر کالک مل کر انہیں مدینے میں پھرایا گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ کو وہ مار ماری گئی کہ اگر کسی ہاتھی کو ماری جاتی تو وہ بھی بلبلا اٹھتا۔ مجدد الف ثانیؒ بھی اسی امت اور انہی مسلمانوں کے ہاتھوں قید کئے گئے۔

بہرحال سوال یہ ہے کہ اس وقت ہماری ذلت و مسکنت کی جو کیفیت ہے اس کیفیت میں کیا کیا جائے؟ مرثیہ تو جتنا چاہیں کہہ لیں' کیونکہ اس وقت صدمے کی سی کیفیت ہے' جس میں مرثیہ گوئی وقت کا ایک تقاضا بن جاتا ہے۔ لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟ گزشتہ جمعہ میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ کسی عوامی' سیاسی تحریک کا امکان موجود ہے' لیکن یہ ایک ہفتہ ایسا گزرا ہے جس میں یہ امکان کم ہوتا نظر آیا ہے' تاہم وہ امکان ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ امکان کم کیوں ہوا ہے؟ ہمارے ایک رفیق نے اس کا بڑا عمدہ تجزیہ کیا ہے کہ ہماری قوم تین حصوں میں منقسم ہے۔ اس کی عظیم اکثریت تو وہ ہے جو شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں ڈھور ڈنگر بن چکی ہے' اس کے لئے اپنی دو وقت کی روٹی کے سوا کسی چیز کے بارے میں سوچنے تک کا موقع نہیں۔ ملکی و ملی سطح پر انہیں غیرت' عزت اور حمیت سے کیا سروکار؟ انہیں تو یہ معلوم ہے کہ کمرتوڑ دینے والی مشقت سے بمشکل اپنے جسم و جان کا تعلق برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ روزانہ اخبارات میں دیکھ رہے ہیں کتنے بڑے پیمانے پر خودکشی کے واقعات ہو رہے ہیں۔ یہ طبقہ کسی احتجاجی تحریک کا ساتھ کیونکر دے سکتا ہے؟ انہیں تو اس کی فکر ہی نہیں۔ درمیانہ طبقہ جو اصل میں تحریکوں کا ہراول دستہ

ہوتا ہے وہ مڈل کلاس ہے۔ لیکن مڈل کلاس میں سے بھی کچھ تو وہ ہیں جو آگے نکلنے کے چکر میں پڑ گئے ہیں اور باقی لوگ مایوسی کا شکار ہو چکے ہیں کہ اب تک کی تحریکوں میں مار کھا کر کیا حاصل ہوا ہے؟ ان سے کوئی خیر تو برآمد ہوا نہیں۔ خر آمدو گاؤ رفت یا گاؤ آمدو خر رفت سے فائدہ تو کوئی نہیں ہوا۔ اور ایک بددلی کی کیفیت ہے۔ تیسرا طبقہ اوپر کے لوگوں کا ہے جو مال مست ہے' جنہوں نے محل بنائے ہیں' بڑی بڑی حویلیاں بنائی ہیں' ان کے پاس دولت کے انبار ہیں۔ انہیں اپنی عیاشیوں اور عیش گاہوں سے غرض ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ تو ہر قیمت پر امن چاہیں گے۔ جنگ میں تو خطرات ہوتے ہیں کہ محل بھی منہدم ہو سکتے ہیں۔ آخر کابل پورے کا پورا کھنڈر بن گیا ہے یا نہیں؟ جنہوں نے بڑے چاؤ سے محل بنائے ہیں اور انہیں اس قدر اہتمام سے آراستہ کیا ہے کہ ٹائلٹ فٹنگ بھی فرانس سے آ رہی ہے' ان کی تو جنگ کے نام سے جان جاتی ہے۔ جنہوں نے دنیا کی محبت کو اس درجے اپنے اعصاب کے اوپر حاوی اور طاری کر لیا ہے وہ رِسک کیسے لے سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک مونچھ نیچی تو کیا سرے سے مونڈ بھی دی جائے تو کیا حرج ہے؟ ان کی خواہش ہے کہ Status quo برقرار رہنا چاہئے' ان کے عیش میں کوئی خلل نہیں ہونا چاہئے۔

امت مسلمہ کی اِس وقت دنیا میں جو کیفیت ہے اس کا نقشہ ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں کھینچا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((يُوشِكُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا)) قَالَ قَائِل : مِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟)) "مجھے اندیشہ ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ دنیا کی قومیں تم پر اے مسلمانو! ٹوٹ پڑیں گی اور جس طرح میزبان خاتون کھانا چننے کے بعد مہمانوں کو کھانے پر بلاتی ہے اس طرح یہ ایک دوسرے کو بلائیں گی کہ آؤ! یہ امت مسلمہ تر نوالہ ہے' ہم اِدھر سے تناول کرتے ہیں تم اُدھر سے تناول کرو۔ جب حضور ﷺ نے یہ فرمایا تو کسی کہنے والے نے حضور ﷺ سے پوچھ لیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا اُس زمانے میں ہماری تعداد کم ہو جائے گی اور ہم قلتِ تعداد کے باعث اقوامِ عالم کے لئے تر نوالہ بن جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا ((بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ' وَلَيَنْزِعَنَّ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِي قُلُوْبِكُمْ

الْوَهْنَ)) "نہیں' تمہاری تعداد تو اُس وقت بہت زیادہ ہوگی' لیکن تمہاری حالت ایسی ہو جائے گی جیسے سیلاب کے اوپر جھاگ آ جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال لے گا اور تمہارے دلوں میں "وہن" پیدا کر دے گا۔ اب غور کیجئے ہماری ہیبت کیا ہے! ہم نے سمجھا تھا کہ ہم نے ایٹم بم بنا لیا ہے جو کہ ڈیٹرنٹ ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم بھارت کی جنگی تیاریوں سے خائف ہو گئے۔ جس پیمانے پر بھارت نے وار ہسٹریا شروع کیا اور جس بڑے پیمانے پر انہوں نے تیاریاں کیں ان سے ہم مرعوب ہو گئے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ذلت و مسکنت کی انتہا ہے۔ نوائے وقت نے اپنے اداریئے میں ٹھیٹھ پنجابی کا لفظ بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے کہ اگر یہ حال تھا تو "پنگا" کاہے کو لیا گیا؟ ـــــ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کثرتِ تعداد کے باوجود تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت ختم کر دے گا اور تمہارے دلوں میں "وہن" پیدا کر دے گا تو سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ وہن کیا چیز ہے؟ یہ کونسی بیماری ہے؟ قال : ﴿ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ ﴾ آپ نے فرمایا : "دنیا کی محبت اور موت کی نفرت"

ظاہر بات ہے کہ ہمارا جو ایلیٹ طبقہ ہے' بڑے بڑے کاروباری اور ساہو کار لوگ ہیں یہ اسی دنیا کی محبت کا شکار ہیں اور موت سے متنفر اور خائف ہیں۔ انہوں نے ایسے بڑے بڑے محل بنائے ہوئے ہیں کہ آپ کو شاید پورے ہندوستان میں اس طرح کا کوئی محل نظر نہ آئے۔ وہاں تو فلیٹس کی آباد دنیا ملے گی' لیکن یہ محل جو ہم نے بنائے ہیں' یہ مصنوعی خوشحالی کی علامت ہیں۔ وہ جو کبھی غالب نے کہا تھا ؎

قرض کی پیتے تھے ے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن!

تو وہ فاقہ مستی آج رنگ لے آئی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم نے خود کہہ دیا ہے کہ ہمارا تو بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے' ہم جنگ کیسے کریں۔ صورت حال تو یہ ہے کہ ہماری تو جان I.M.F اور ورلڈ بینک کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ذرا سا سپلائی لائن کے اوپر پاؤں رکھ دیں تو ہماری جان پر بن آئے گی۔

بہرحال اس حوالے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو احتجاجی تحریک کا فوری خطرہ تھا

گزر گیا ہے۔ واشنگٹن اعلامئے کو بارہ دن گزر گئے ہیں' لیکن کوئی بڑی ریلی تاحال یہاں نظر نہیں آئی۔ تنظیم الاخوان یا خواتین نے جلوس نکال لیا۔ مظفر آباد میں کلنٹن کے پتلے کے ساتھ خود نواز شریف کا پتلا بھی جلایا گیا۔ واجپائی کے پتلے تو بہرحال جل رہے ہیں۔ اس طرح کے جلسے جلوس ہوتے رہیں تو کسی کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسے ہنگامے تو رونق کا باعث ہوا کرتے ہیں ع ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق! کسی جاندار تحریک کے آثار اگرچہ زیادہ قوی نہیں ہیں' تاہم سیاسی مخالفین کا اگر واقعی وجود ہے تو ان کے لئے یہ ایک سنہری موقع ضرور ہے۔ اپوزیشن اگر واقعتاً موجود ہے تو وہ اگر اس وقت اپنے آپ کو assert نہیں کر سکتی تو کب کرے گی؟ یہ تو جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں' "بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" والی بات ہے لیکن مجھے جو زیادہ فکر ہے وہ مذہبی سیاسی جماعتوں کے حوالے سے ہے۔ ہمارے ہاں کچھ مذہبی جماعتیں ہیں جن کا سیاسی میدان میں بھی کچھ مقام ہے۔ مثلاً جماعت اسلامی کے علاوہ طاہر القادری اور مولانا محمد اکرم اعوان کی جماعتیں۔ خاص طور پر جماعت اسلامی کے لئے تو یہ "Now or Never" والا معاملہ اور زندگی موت کا مسئلہ ہے۔ جماعت اگر اب بھی خاموش رہتی ہے تو پھر وہ جیسے برف پگھل جاتی ہے اس طرح پگھل جائے گی' اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی اور اگر سامنے آتی ہے تو اس سے جو اندیشہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اب یہ ایک Dilemma ہے اور مستقبل ہی بتائے گا کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی اگر میدان میں آتی ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ امریکہ بہادر شریف خاندان کے ہاتھوں پاکستان میں مسلم فنڈا منٹلزم کو کچلنے کے اس موقع کا بھرپور استعمال کرے گا۔ جس طرح ہمارے جنرل ضیاء الحق صاحب اردن میں فلسطینیوں کا قتل عام کروا کر آئے تھے۔ اسی طرح کا کوئی معاملہ پاکستان میں بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال کیا ہو گا' میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

تہذیبی تصادم یا قومی کشمکش

ارشاد احمد حقانی صاحب کا کل (۱۵ جولائی) جو کالم شائع ہوا ہے اور پھر آج بھی ... س کا کچھ ضمیمہ سا سامنے آیا ہے ان کا تجزیہ تقریباً وہی ہے جو میرا ہے۔ میں نے تاریخ ... لے سے اس چیز کو واضح کیا تھا کہ ہم جو بھارت سے برابری کے مدعی ہو کر کھڑے ہو... ہے

ہیں تو دو مرتبہ ہمارے برابری کے غبارے سے ہوا نکلی ہے اور اس مرتبہ تو بہت ہی فیصلہ کن انداز میں نکلی ہے۔ انہوں نے کچھ مزید عوامل کا تجزیہ بھی کیا ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ اب بھارت کا رویہ سخت سے سخت تر ہو گا۔ ان کی یہ بات صحیح ہے اور میں بھی یہ بات گزشتہ خطاب جمعہ میں کہہ چکا ہوں' تو دونوں اعتبارات سے میری پچھلے جمعے کی تقریر کا essence ان کے کل کے کالم میں موجود ہے۔ البتہ ان کی ایک بات سے مجھے اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں مسلم اور ہندو تہذیبوں کا تصادم تھا۔ میرے نزدیک یہ تہذیبوں کا تصادم نہیں تھا۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ ایک ہی عالمگیر مغربی تہذیب میں ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کا ایلیٹ طبقہ رنگا ہوا ہے۔ ان کے مابین کوئی تہذیبی تصادم نہیں ہے۔ وہی مغربی ثقافت' وہی اقدار' وہی رہن سہن' غرضیکہ سب کچھ وہی ہے۔ وہی انگریزی زبان ہے۔ چنانچہ تہذیب و ثقافت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اصل میں یہ قومی تصادم ہے اور چونکہ مسلمان کی قومیت کی بنیاد مذہب ہے لہٰذا اس شے کو ہندو ذہن کسی طرح بھی تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ سوچئے کہ قومی تصادم کتنا شدید تھا' اس کو علامت کے طور پر یاد کیجئے کہ ۷۱ء میں اندرا گاندھی نے کیا کہا تھا :

We have avenged our thousand year's defeat"

غور کیجئے کہ "We" کون ہیں؟ کن کی "Defeat" ہوئی تھی؟ کن سے ہوئی تھی؟ اور یہ کون کہہ رہی ہے؟ وہ خاتون کہ جس کے خاندان سے زیادہ لبرل اور سیکولر کوئی گھرانہ شاید پورے ہندوستان میں نہیں ہو سکتا تھا۔ موتی لعل نہرو سے جب پوچھا گیا کہ تمہارا مذہب کونسا ہے؟ اس نے کہا تھا : "میرے مذہب کی کیا پوچھتے ہو؟ میں نسلاً ہندو ہوں' میری معاشرت یورپین ہے' میری زبان اردو ہے' زبان کے اعتبار سے مسلمان ہوں۔ اور ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکانے کی بات موتی لعل کی پوتی' نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی کہہ رہی ہے۔ موتی لعل سوشلسٹ ڈیموکریٹ اور سو فیصد سیکولر تھا۔ اسے مسلمان اور ہندو تہذیب میں صرف یہی فرق نظر آیا تھا کہ مسلمان پاجامہ پہن لیتا ہے اور ہم لانگر والی دھوتی باندھتے ہیں یا مسلمان کا لوٹا ہوتا ہے جس میں ٹونٹی لگی ہوتی ہے اور ہماری لٹیا ہوتی ہے جس میں ٹونٹی نہیں ہوتی۔ یہی تو فرق ہے۔ یہ بہت بڑی علامت ہوتی تھی۔ جب کوئی ہندو سفر میں نکلتا تھا' اگر اس نے کوئی بستر ساتھ لیا ہوتا تھا تو اس کی لٹیا اس

کے ساتھ لٹکی ہوئی ہوتی تھی۔ ادھر مسلمان کے سامان سفر کے ساتھ لوٹا لٹکا ہوا ہوتا تھا' فرق صرف اتنا ہے کہ لوٹا ٹونٹی والا ہے جبکہ لٹیا بغیر ٹونٹی کے ہوتی ہے۔ بس تہذیب کا بھی اتنا سا فرق ہے۔ اور تو کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے جب مسلم لیگ نے نعرہ لگایا کہ ہماری تہذیب اور ہے اور ہمارا کلچر اور ہے تو کانگریس نے کہا تھا کہ کونسی تہذیب کی بات کرتے ہو۔ اتنا ہی تہذیب کا فرق ہے نا کہ تم ٹخنوں سے اوپر پاجامہ پہنتے ہو اور ہماری دھوتی ہے۔ تمہارا لوٹا ٹونٹی والا ہے' ہمارا لٹیا بغیر ٹونٹی کے ہے۔

ہندو کا مزاج

اصل میں یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ ہنّدو کا مزاج کیا رہا ہے۔ ہندو نے ہندو مت کے ساتھ اپنی وفاداری کا جو ثبوت دیا اس کی پوری تاریخ یہ ہے کہ کوئی اور مذہب خواہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوا یا باہر سے آیا وہ ہندو مت میں جذب ہو گیا' کیونکہ ہندو مت میں accomodate کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہے۔ ہندوؤں میں خدا کو ماننے والا بھی ہندو شمار ہوتا ہے' خدا کو نہ ماننے والا بھی ہندو سمجھا جاتا ہے۔ انتہائی موحد بھی ہندو ہے' بدترین بت پرست بھی ہندو ہے۔ اس کے ہاں cut and dried قسم کے عقائد نہیں ہیں۔ بس خاص قسم کا کلچر اور تہذیب ہے لیکن کسی دوسرے مستقل بالذات مذہب کو وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ بدھ مت ہندوستان (بہار) میں پیدا ہوا' اس نے ہندو مت سے الگ اپنا تشخص قائم کرنا چاہا تو اسے نکال کر باہر کر دیا گیا۔ اس کا ہندوستان میں اب وجود نہیں ہے (بدھ مت کا بانی گوتم بدھ کپل وستو کا شہزادہ تھا جو بہار کی ایک ریاست تھی)۔

اسلام جب یہاں آیا تو اس کو بھی ہندو مت کے اندر جذب کرنے کی زبردست کوشش کی گئی کہ اس کا تشخص ختم ہو جائے۔ چنانچہ پندرھویں اور سولھویں صدی میں زبردست "بھگتی تحریک" چلی جس کی نشانیوں میں سے سکھ مذہب اب بھی باقی ہے۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور ہندو مت کو جمع کر کے ایک ملغوبہ تیار کر لیا جائے اور اس میں اسلام کے وہ اصول جو دلوں کو فتح کرنے والے ہیں' شامل کر لئے جائیں۔ اس میں ذات پات کی تقسیم ختم ہو' توحید ہو' باقی ہندو اسی طرح ہندو رہے۔ اس تحریک کے زیر اثر ہمارے ہاں لوگوں کے ایسے نام رہے ہیں جن میں ہندو اور مسلمان ناموں کو جمع کر لیا گیا' مثلاً مادھو لال حسین اس دور کی پیداوار ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ "مسجد و مندر ہیکڑو

نور" یعنی مسجد اور مندر دونوں میں ایک ہی نور ہے ان میں کوئی فرق نہیں۔ رام کہہ لیا یا رحمٰن کہہ لیا اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس "بھگتی تحریک" کا کلائمکس اکبر کا "دین الٰہی" تھا۔ کیسی عظیم سیاسی قوت تھی جس کی پشت پناہی کے ساتھ "دین اکبری" یا "دین الٰہی" اس دعوے کے ساتھ سامنے آیا کہ دین محمدؐ ایک ہزار سال کے لئے تھا' اس کے ایک ہزار سال پورے ہو گئے' اب دوسرا ہزار سال شروع ہو گیا' لہٰذا اس کا دور ختم ہوا اور دین الٰہی یا دین اکبری کا دور شروع ہو گیا ہے۔ وہ تو اللہ کی اپنی مشیت ہے ﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ ﴾ "وہ (دشمن اسلام) تدبیریں کرتے ہیں' اللہ بھی ان کے مقابلے میں تدبیر کرتا ہے اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔" چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو اللہ تعالیٰ نے مقابلہ کرنے کی ہمت دی۔ اور ان کے ہاتھوں یہ فتنہ فرو ہوا۔ ان کے بارے میں اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

حاضر ہوا میں شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

مسلم قومیت کا تشخص مذہب سے تھا اور مذہب میں بھی بالخصوص اتباعِ سنتِ رسول ﷺ سے۔ اللہ کو تو ماننے والے وہ بھی ہیں' چلو اللہ تو سب کا مشترک ہو گیا۔ لیکن ملتِ اسلامیہ کا اصل تشخص رسالت کی بنیاد پر قائم ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

خدانخواستہ دین اکبری کی سازش کامیاب ہو جاتی تو ہندوستان میں مسلمانوں کا تشخص ختم ہو جاتا۔ بہرحال دین اکبری کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔

اس دور کے بعد انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں پھر ایک زبردست کوشش ہوئی برہمو سماج کے نام سے' راجہ رام موہن رائے نے جن کا ۱۸۳۳ء میں انتقال ہوا'

ایک تحریک شروع کی کہ سب مذاہب ایک ہیں۔ سب کو ایک کردو۔ اسی دین الٰہی کی طرز پر کہ ایک خدا کی بنیاد پر تمام ملتیں جمع رہیں باقی امتیازی خصائص ختم ہو جائیں۔ بیسویں صدی میں اس تحریک کا سب سے بڑا علمبردار گاندھی تھا۔ لہٰذا گاندھی کا طریق کار یہ تھا کہ اپنی پرارتھنا میں کچھ قرآن مجید کی تلاوت کروادی' کچھ گرنتھ صاحب سے پڑھوا دیا اور کچھ گیتا پڑھوادی۔ یہی وہی نظریہ تھا کہ ان سب کو جمع کرو' انہیں ہاون دستے میں ڈال کر کوٹ کوٹ کر ایک بنادو۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں سیتا بھائی پٹارامیا نے کانگریس کی تاریخ لکھی جس میں یہ الفاظ بڑے چشم کشا ہیں :

The ideal of Indian National Congress is to establish vedantic Idealism in India

اس نے کہا کہ بظاہر انڈین نیشنل کانگریس سیکولر جماعت ہے لیکن اس کا مقصد اور نصب العین یہ ہے کہ ہندوستان میں ویدانتی آئیڈیلزم کا نظام قائم ہو۔

ہندو مسلم کشاکش کے پس منظر میں جو شے سب سے نمایاں ہے وہ مسلمانوں کا ہندوستان میں ہزار سالہ اقتدار ہے۔ ہندو ایک ہزار برس تک مسلمانوں کے نیچے پسے ہوئے' دبے ہوئے اور مجبور و مقہور تھے' ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن ہندوؤں میں جو احیائی عمل جاری ہوا' وہ' انگریز کے آنے کے بعد ہوا۔ جب مسلمان حکمرانی سے گرا کر نیچے کر دیئے گئے تو اب گویا ہندو مسلم برابر ہو گئے۔ بلکہ ایک اعتبار سے ہندو بالاتر ہو گیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انگریز کو اندیشہ تھا کہ چونکہ ہم نے حکومت مسلمانوں سے چھینی ہے' لہٰذا ان میں بغاوت کے جراثیم لازماً ہوں گے۔ جبکہ ہندو کے تو صرف ماسٹرز بدلے ہیں' غلامی کے خوگر تو وہ پہلے ہی تھے' ہزار برس سے وہ مسلمان کے غلام تھے اب انگریز کے غلام ہو گئے' اس لئے انگریز نے انہیں ابھارا اور مسلمانوں کو دبایا۔ اس کی بنا پر ہندو کی بالادستی کا آغاز ہوا۔ اس مرحلے پر ہندو قوم کی بالادستی اور برہمو سماج تحریک کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت نے علامہ اقبال جیسے لیڈر کو سامنے لا کھڑا کیا۔ مسلم قومیت' ملت اسلامیہ کے تشخص کے لئے سب سے بڑا مفکر جو میدان میں آیا وہ تو علامہ اقبال ہی ہیں۔ بعد میں مولانا مودودی نے بھی کام کیا' انہوں نے کتابیں لکھیں اور بہت عمدگی کے ساتھ مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کو واضح اور نمایاں کیا۔ بہرحال اس پس منظر میں' اس کے بعد دونوں ملکوں میں برابری کی دوڑ اور تصادم کا آغاز ہو گیا۔

تقسیم کے وقت تو ایک طرح سے ہمارا پلڑا بھاری ہو گیا تھا' کانگریس چاروں شانے چت ہو چکی تھی حالانکہ گاندھی چند مہینے پہلے کہہ چکا تھا کہ پاکستان میری لاش پر ہی بنے گا اور پاکستان بن گیا۔ یہ ان کے لئے نہایت ذلت آمیز شکست تھی لیکن اس کے بعد بھارت سے جو ہماری کشاکش چلی ہے' اس کے پیچھے ہماری اس بدقسمتی کا سب سے بڑا اور اصل سبب اللہ سے وعدہ خلافی ہے۔ ویسے تو ہم اپنی بداعمالیاں گننے بیٹھ جائیں تو وہ بہت سی ہیں۔ ہمارے کردار کا بیڑا غرق ہو چکا ہے۔ ہماری مالی حیثیت دیوالیہ ہو چکی ہے' ہماری قومیت منقسم ہو چکی ہے۔ ان سب کی حیثیت محض علامات کی ہے جبکہ ان کا مرض ایک ہی ہے جو منافقت ہے۔ یہی منافقت ہمارے دستور کے اندر بھی سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن اصل سبب درحقیقت اللہ سے وعدہ خلافی ہے۔

اب اس کا جو نتیجہ نکل رہا ہے وہ نوٹ کر لیجئے : ستیارتھ پرکاش کا مصنف سوامی دیانند سرسوتی نے آریا سماج کو ایک Militant Hindu Movement کے طور پر منظم کیا جس کا ظہور (RSS) کی شکل میں ہوا اور آر ایس ایس ہی کا سیاسی ونگ بی جے پی ہے۔ اس بی جے پی کو آج ہندوستان میں جس سرعت کے ساتھ عروج حاصل ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان کے دلوں میں جو بات ہے وہ بہت خوفناک ہے۔ اگرچہ انہوں نے ڈپلومیسی میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے اور ان کے جو دل میں ہے اسے چھپا کر رکھا ہے۔ اس لئے کہ ابھی تک ان کو فیصلہ کن اکثریت حاصل نہیں ہے۔ دو مرتبہ وہ سیاسی اتحادوں (Coalitions) کی مدد سے حکومت میں آئے ہیں۔ چنانچہ جنہوں نے ان کے ساتھ Coalitions قائم کیا انہوں نے ان سے کچھ چیزیں منوا بھی لی تھیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابھی کامن سول کوڈ کا مسئلہ نہیں اٹھایا جائے گا اور یہ کہ فلاں فلاں باتیں نہیں ہوں گی جو مسلمانوں کو "ناراض" کرنے والی ہوں۔ لیکن اب یہ نظر آ رہا ہے کہ آئندہ الیکشن میں بی جے پی کی حکومت واضح اکثریت (absolute majority) کے ساتھ بنے گی' ان کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ پاکستان کو ختم کیا جائے۔ بھارت ماتا کے ٹکڑوں کو جوڑنا اور بھارت کی پوتر سرزمین کو اسلام اور مسلمانوں سے پاک کر دینا ان کا خفیہ ایجنڈا ہے۔ چنانچہ جب بابری مسجد کا انہدام ہوا اس وقت آر ایس ایس کا گرو دیورس تھا جس نے ایک سرکلر تیار کیا تھا۔

دیورس اسی مہاراشٹر کے علاقے سے ہے جہاں سے شیوا جی اٹھا تھا' وہیں سے آر ایس ایس اٹھی۔ یہ درحقیقت اسی مرہٹہ militancy کا تسلسل ہے' شیو سینا بھی اسی کا تسلسل ہے۔ اس نے ایودھیا کی بابری مسجد کے شہید کئے جانے کے بعد تمام ہندو جماعتوں کو سرکلر بھیجا تھا۔ چاہے وہ جماعتیں سیاسی تھیں یا' سماجی و تعلیمی کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم فیصلہ کن اقدام کریں اور ہندوستان کو مسلمانوں اور اسلام سے پاک کرنے کے لئے راست اقدام شروع کر دیں اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ پوری دنیا میں کہیں کوئی رد عمل نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ بابری مسجد کا جو ریہرسل ہوا ہے اس میں ہم نے دیکھ لیا ہے۔ پاکستان میں بس یہی ہوا کہ کچھ مندر گرا دیئے گئے (جو بعد میں زکوٰۃ کے پیسوں سے بنا بھی دیئے گئے)۔ بابری مسجد کے انہدام پر احتجاج کے معاملے میں مشرقی پاکستان بہتر رہا کہ کئی لاکھ آدمی مارچ کرتے ہوئے بھارت کے بارڈر پر پہنچ گئے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ بنگلہ دیش کی حکومت ان کو آگے کیسے جانے دے دیتی۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ باقی پوری دنیا میں کہیں پتا ہی نہیں چلا۔ امارات اور سعودی عرب کی حکومتیں اگر صرف اتنا ہی کہہ دیتیں کہ مسجد دوبارہ بناؤ ورنہ تم سے تجارتی تعلقات منقطع کر لیں گے۔ تو صرف اسی دھمکی سے ہی ہندو بنئے کو دن میں تارے نظر آ جاتے۔ جبکہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ لہٰذا اس نے کہا کہ صرف کچھ رد عمل بنگلہ دیش اور پاکستان میں ہو گا اس کی ہمیں پروا نہیں' باقی پوری دنیا میں کوئی رد عمل نہیں ہو گا۔ انہوں نے باقاعدہ کمیشن بھیجے کہ سپین میں جاؤ ان کی تاریخ کو کھودو اور کریدو کہ انہوں نے مسلمانوں کو کس طریقے سے ختم کیا تھا' اس لئے کہ سپین کی تاریخ ہم ہندوستان میں دہرانا چاہتے ہیں۔

بہرحال میں نے جو سات سال قبل "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" کے عنوان سے جو کتاب لکھی اس کا آخری باب "پاکستان کا مستقبل" تھا۔ اس میں میں نے تین senarios پیش کئے تھے۔ پہلا یہ کہ Hoping against hope یعنی جس کے کوئی آثار موجود نہیں ہیں' یہ ہے کہ قوم یونس علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توبہ کی توفیق دے دے۔ لیکن بظاہر اس کے کوئی آثار نہیں۔ تاہم اللہ کی قدرت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جدھر چاہے پھیر دے' کیا عجب ہے

کہ اللہ ہمارے دلوں کو پھیر دے' اس لئے ہمیں اپنی کوشش جاری رکھنی ہے۔ میں نے اپنی کتاب میں دوسری بات یہ لکھی تھی کہ کوئی ایسا جھٹکا پاکستان کو لگے کہ ہم ہوش میں آ جائیں۔ اےء کے جھٹکے کو مغربی پاکستان کے لوگوں نے محسوس نہیں کیا کیونکہ یہ واقعہ ہم سے ایک ہزار میل دور ہوا تھا۔ تیسری شکل یہ ہے کہ پاکستان پر کوئی دشمن فیصلہ کن طور پر غلبہ حاصل کر کے یہاں ہمارے لاکھوں یا کروڑوں افراد کو قتل کر دے اور پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھما دے۔ اگرچہ یہ بڑی سخت بات ہے۔ لیکن تاریخ میں ایسا پہلے ہو چکا ہے۔ تاتاریوں نے کروڑہا مسلمانوں کو قتل کیا تھا' اور ان کی کھوپڑیوں کے مینار بھی بنائے تھے۔ لیکن اس کے بعد اسلام کی قوت نے تاتاریوں کو فتح کر لیا۔ یہ جو قومی کشمکش ہے۔ ہندو میں غصہ بھرا ہوا ہے کہ ان "مسلوں" نے ہمیں ایک ہزار سال تک رگڑا ہے' انہوں نے ہم پر حکومت کی ہے۔ اب ہم ان سے بھرپور بدلہ لیں گے۔ اللہ نہ کرے' خاکم بدہن لیکن حالات ادھر ہی جا رہے ہیں کہ اللہ کسی غیر قوم سے ہماری پٹائی کرا دے۔

ذلّت و مسکنت سے نکلنے کا واحد راستہ

دیکھئے جو ذلت و مسکنت ہم پر طاری ہے اس صورتحال سے نکلنے کا راستہ اگر تلاش کرنا ہے تو پہلے قرآن سے رجوع کیجئے۔ وہی بنی اسرائیل جن کے بارے میں دو جگہ فرمایا ﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ﴾ کہ ان پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی' پھر انہی سے کہا گیا کہ ﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ﴾ "دیکھو اے بنی اسرائیل اب بھی تمہارا رب تم پر رحم کرنے کو تیار ہے لیکن اگر تم نے پھر وہی طرز عمل اختیار کیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے"۔ اب پاکستان کا ہر مسلمان ان آیات کو اپنے دل کے کانوں سے سنے کہ ﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ﴾ کے مصداق اس ذلت سے ہمیں اللہ نکال سکتا ہے' تمہارا رب اب بھی تم پر رحم فرمانے کے لئے تیار ہے۔ وہ رحمت کا سایہ کرنے کے لئے آمادہ ہے لیکن اگر تم نے یہی روش جاری رکھی جو اب تک اختیار کئے رکھی ہے تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے بلکہ پھر اگلے سے اگلا قدم آئے گا' پھر چھوٹے عذاب کے بعد بڑا عذاب آ جائے گا' تم نسیاً منسیاً بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی صدی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد گریٹ رومن امپائر سے مماثلت رکھنے والی' عظیم

سلطنتِ عثمانیہ ختم ہوئی اور اب نقشے میں اس کا کہیں وجود ہی نہیں ہے۔ پھر اسی صدی میں عظیم یو ایس ایس آر کا خاتمہ ہوا۔ اب یہ نقشے میں کہاں ہے۔ پاکستان تو رومن امپائر اور USSR کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں لیکن اللہ نہ کرے کہ وہ وقت آگیا ہو۔ چنانچہ ہمیں جو بھی مہلت ملی ہوئی ہے اسے غنیمت سمجھیں۔ فرمایا : ﴿....وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا۝﴾ اور جو کفر اور ناشکری کی روش پر اصرار کریں گے تو ان کے لئے جہنم تیار کی ہوئی ہے۔ لیکن ہماری رحمت کا ایک دروازہ ہے' ایک شاہ درہ (شاہدرہ) ہے' اگر ہماری رحمت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ "قرآن ہی وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے" وہ شاہ درہ قرآن ہے' جنت کی طرف لے جانے والا' دنیوی اور اخروی فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے والا ﴿.... وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا﴾ ان لوگوں کو جو ایمان اور عمل صالح کا تقاضا پورا کریں یہ قرآن انہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر کبیر ہے ﴿...وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۝﴾ اور جو لوگ دنیا ہی کے ہو کر رہ گئے آخرت کا انہیں خیال ہی نہیں ان کے لئے ہم نے بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح اس حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کیجئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ رونما ہو گا۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : "اے اللہ کے رسول ﷺ اس سے نکلنے کا راستہ کونسا ہو گا؟" فرمایا : "اللہ کی کتاب۔ اس میں تم سے پہلی اقوام کے حالات بھی درج ہیں' تمہارے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کی خبریں بھی درج ہیں اور تمہارے مابین جو بھی اختلافات ہوں گے ان سب کا حل بھی موجود ہے۔"

علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں جابجا اس طرف رہنمائی فرمائی ہے ؂

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

اسی طرح فرمایا ؀

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

قرآن میں ذہنوں اور دلوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ خدانخواستہ ہم کسی وقت اگر ہندوؤں کے ہاتھوں مسخر ہو گئے تو قرآن انہیں مسخر کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اصل میں اِس وقت وہ قرآن کی طرف رجوع نہیں کر رہے کیونکہ دشمنی کا پردہ ان کے ذہنوں پر پڑا ہوا ہے' ان کے اندر انتقام کے جذبات ہیں' قومی کشاکش ہے۔ اسلام نے ہندوستان میں جس طرح ایک لوہے کی چنے کی حیثیت سے اپنے تشخص کو برقرار رکھا ہے جس کا عروج قیام پاکستان کی شکل میں ہوا' آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہندو کے لئے یہ کتنا سوہانِ روح ہے کہ یہ مذہب باہر سے آیا ہے' اس نے اپنا تشخص برقرار رکھا بلکہ یہاں سے کروڑوں لوگوں کو جذب کر گیا۔ پھر یہی نہیں اس مذہب کی بنیاد پر بھارت ماتا کے بھی ٹکڑے ہوئے۔ یہ ہے ہندو ذہنی کیفیت کی حقیقت۔

گویا کہ ہمارے لئے راستہ ایک ہی ہے وہ رجوع الی القرآن ہے۔ اور ہم اگر قرآن کی طرف واقعتاً رجوع کریں گے اور اس کے ذریعے سے حقیقی ایمان سے اپنے دلوں کو منور کر لیں گے تو وہ جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ ہمارے ہاں تو جہاد فی سبیل الحریت ہو رہا ہے۔ نصف صدی پہلے الجزائر میں جہاد ہو رہا تھا۔ جسے ہم نے جہاد فی سبیل اللہ سمجھا تھا۔ یہ میں پچاس کی دہائی کی بات کر رہا ہوں اس وقت میں جماعت اسلامی منٹگمری کا امیر تھا۔ چندہ جمع کرنے کے لئے علامہ بشیر الابراہیمی الجزائری تشریف لائے تھے کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو رہا ہے مالی تعاون کرو۔ لیکن جب اس جہاد کا نتیجہ نکلا تو وہاں سوشلسٹ ریاست قائم ہو گئی۔ جہاد فی سبیل اللہ ہوتا تو اسلامی حکومت قائم ہوتی لیکن اسلام آج تک وہاں پر نہیں آیا۔ ایک دینی قوت ایف آئی ایس نے وہاں الیکشن میں کامیابی حاصل کی تو اس کا جو حشر ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔ اصل میں جہاد فی سبیل الحریت کچھ اور ہے' جو یقیناً جائز ہے' لیکن جہاد فی سبیل اللہ کچھ اور ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وہ لوگ درکار ہیں جن کا تزکیہ ہو چکا ہو' جو دین پر خود کاربند ہوں۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر گھروں میں بیٹھیں۔ جہاد کا نام نہ لیں جہاد کو بدنام نہ کریں' افغانستان میں وہی جہاد بعد میں فساد بنا

کیونکہ وہ مجموعی اعتبار سے جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا۔ جہاد کا تقاضا ہے کہ وہ لوگ سامنے آئیں جو اپنی انفرادی زندگی میں توبہ کا حق ادا کر چکے ہوں اور پھر یہ کہ ان میں للّٰہیت' خلوص اور اخلاص اتنا ہو کہ انہیں سوائے دین کی سربلندی کے اور کوئی سروکار نہ ہو۔ ان کے پیش نظر اپنا غلبہ نہ ہو۔ ﴿لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ اپنے غلبے کی کوشش ہوگی تو فساد ہوگا۔ اللہ کے دین کا غلبہ ہونا چاہئے اپنا نہیں' للّٰہیت ان میں ہو اور وہ پھر ایک شخص سے بیعت کریں' ایک امام کے پیچھے جہاد کریں تو وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ بہرحال قرآن پڑھیں گے تو وہ خود ان دو چیزوں کی طرف راہنمائی کرے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں تین مرتبہ آیا ہے ﴿هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ "اللہ نے اپنے رسول کو دین کے غلبے کے لئے دو چیزیں "قرآن اور دین حق" دے کر بھیجا۔ اس کے بعد فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾

بہرحال ہم انہی دو باتوں کی طرف دعوت دیتے رہیں گے۔ رجوع الی القرآن اور دین کے غلبے کی جدوجہد منہاج محمدی ﷺ پر چلتے ہوئے' مروجہ طریقوں سے نہیں' مستعار طریقوں سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ لہٰذا وہ منہاج جو محمدِ عربی ﷺ کو دیا گیا اور جس کے ذریعے سے آپؐ نے عظیم انقلاب برپا کیا اسی کی طرف ہم دینی جماعتوں کو دعوت دے رہے ہیں جبکہ عام لوگوں کو رجوع الی القرآن کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○﴾

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالایات والذکر الحکیم

نماز میں خشوع

حقیقت واہمیت اور اسباب (۳)

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد

ترجمہ و تفہیم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

○

ا) خشوع پیدا کرنے یا مضبوط کرنے والے کاموں کا اہتمام کرنا

(۱۱) انگلی کو ہلانا : اس معاملے میں اکثر نمازی سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں اس کے عظیم فائدے کی خبر نہیں اور نہ ہی انہیں یہ خبر ہے کہ اس کام کا خشوع پر کیا اثر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ)) [1] "اس طرح انگلی ہلانا شیطان پر لوہے سے زیادہ شدید اور ناگوار ہے"۔ کیونکہ اس طرح انگلی ہلانا بندے کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیتا ہے اور اشارہ کرتا ہے کہ عبادت خالص اللہ کے لئے ہے' لہٰذا شیطان اسے انتہائی ناپسند کرتا ہے۔

اسی عظیم فائدے کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو اس کی تاکید کرتے تھے اور خود اس کا اہتمام کرتے تھے۔ جن کاموں کو لوگوں نے اس دور میں کم اہم یا مہمل سمجھ رکھا ہے ایسے کاموں کو صحابہ بڑے التزام کے ساتھ کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں اس طرح کے واقعات بھی موجود ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے وعدہ لیتے تھے کہ اس کام میں سستی نہ ہو۔ شہادت کی انگلی ہلانے کے بارے میں سنت یہ ہے کہ جب تک نمازی تشہد کی حالت میں بیٹھا رہے' انگلی اٹھی رہے' حرکت کرتی رہے اور قبلہ کی طرف اشارہ کرتی رہے۔

⑫ قرآن حکیم کی سورتوں' آیتوں' اذکار اور دعاؤں کو ادل بدل کر پڑھنا :

اس طرح نمازی کو روزانہ نئے معانی کا احساس ہوتا ہے اور آیات و اذکار میں مذکور مختلف مضامین کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن جس کو چند ایک سورتیں اور مخصوص دعائیں یاد ہوں وہ اس لذت سے محروم رہتا ہے۔ آیات و اذکار کو ادل بدل کر پڑھنا سنت کا حصہ ہے اور اس طرح خشوع میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

جب نماز میں تلاوت اور ذکر کے معاملے میں ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت پر غور کریں تو ہمیں اس طرح کا تنوع نظر آتا ہے کہ نماز کے ابتداء میں "دعائے استفتاح" مندرجہ ذیل شکلوں میں ملتی ہے :

((اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ' اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ' اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ)) (۲)

دوسری دعاءِ استفتاح اس طرح ہے :

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ' اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ' لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ)) (۳)

تیسری دعا کے الفاظ یوں ثابت ہیں :

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ)) (۴)

ان کے علاوہ بھی دعائیں اور اذکار ثابت ہیں۔ نمازی کو چاہیئے کبھی پہلی دعا پڑھ لے' کبھی دوسری' کبھی تیسری' اس طرح ان سب کو ادل بدل کر پڑھتا رہے۔

نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ "طوال مفصل" سورتیں پڑھا کرتے تھے' مثلاً سورۃ الواقعہ' سورۃ الطور' سورۃ ق۔ ان کے علاوہ سورۃ الروم' سورۃ یٰسین' سورۃ الصافات' سورۃ الجمعہ' سورۃ السجدہ اور سورۃ الدہر بھی ثابت ہے۔ البتہ کبھی کبھی نسبتاً چھوٹی سورتیں پڑھ لیتے تھے' مثلاً سورۃ التکویر' سورۃ الزلزال' المعوذتین (آخری دونوں "قل")'

نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعت میں آپ ﷺ تیس تیس آیتیں پڑھتے تھے۔ اس طرح سورۃ الطارق' سورۃ البروج اور سورۃ اللیل بھی ثابت ہیں۔

نمازِ عصر کی پہلی دو رکعت میں پندرہ پندرہ آیتیں ثابت ہیں۔ علاوہ ازیں سورۃ البروج' سورۃ الطارق اور سورۃ اللیل بھی ثابت ہیں۔

نمازِ مغرب میں بالعموم "قصارِ مفصّل" (چھوٹی سورتیں) پڑھتے' مثلاً سورۃ التین یا اس سے ملتی جلتی' البتہ کبھی کبھی سورۂ محمد' سورۃ المرسلات اور سورۃ الطور بھی پڑھی ہیں۔

نماز عشاء میں "اوساط مفصل" (درمیانی سورتیں) پڑھتے' مثلاً سورۃ الشمس اور سورۃ الانشقاق وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ نماز عشاء میں سورۃ الاعلیٰ' سورۃ القلم اور سورۃ اللیل سے بڑی سورتیں نہ پڑھیں۔

البتہ نماز تہجد میں آپ ﷺ خوب لمبی لمبی قراءت فرماتے۔ کبھی ایک رکعت میں دو سو آیات پڑھتے' کبھی سو آیات پڑھتے اور کبھی پچاس پر اکتفا کرتے۔

رکوع کی دعائیں : رکوع کی دعائیں مختلف الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں' مثلاً :

۱) سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ

۲) سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ

۳) سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ

۴) اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ اَنْتَ رَبِّيْ خَشَعَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَدَمِيْ وَلَحْمِيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قومہ کی دعائیں : رکوع سے اٹھنے کے وقت آپ ﷺ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہتے' اس کے بعد مندرجہ ذیل دعاؤں سے کوئی ایک پڑھے :

۱) رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

۲) رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

۳) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

بسااوقات مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ دعا پڑھتے :

مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ

یا اس دعا کی بجائے یہ دوسری دعا ملائے :

اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

سجدے کی دعائیں : مندرجہ ذیل دعاؤں میں سے کوئی ایک پڑھنا ثابت ہے :

۱) سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى

۲) سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ

۳) سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلاَئِكَةِ وَالرُّوْحِ

۴) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ

۵) اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

تشہد کی دعائیں : تشہد بھی مختلف الفاظ کے ساتھ ثابت ہے، مثلاً :

۱) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

۲) اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

۳) اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

(اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کے بعد الفاظ یکساں ہیں جو کہ معروف ہیں، فرق صرف ابتدائی کلمات میں ہے)

نمازی کو چاہیے کبھی ایک طرح سے تشہد پڑھے اور کبھی دوسرے طریقے سے۔

درود شریف کے الفاظ :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ

دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَهْلِ بَيْتِهٖ وَعَلٰی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَهْلِ بَيْتِهٖ وَعَلٰی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ درود شریف بیان ہوا ہے :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اذکار اور دعاؤں کے مختلف الفاظ سنّت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ مسنون یہی ہے کہ ان ساری دعاؤں کو ادل بدل کر پڑھا جائے۔ اور اگر کسی ایک دعا کا صرف اس لئے التزام کرے کہ وہ کتب حدیث میں دوسری دعاؤں کے مقابلے میں زیادہ ثابت ہے یا کسی صحابی کے سوال پر آپؐ نے یہ ذکر یا دعا سکھائی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ مختلف دعاؤں کا التزام زیادہ بہتر ہے۔(۵)

⑭ سجدۂ تلاوت کرنا : آدابِ تلاوت میں یہ بات شامل ہے کہ جب سجدے والی آیت سے گزر ہو تو سجدہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انبیاء کرام اور نیک لوگوں کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے ' فرمایا : ﴿ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴾ (مریم : ۵۸) "جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔" امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :

"علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام اور صالحین کی اقتداء میں اور ان کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے یہاں سجدہ کرنا ضروری ہے۔"(۶)

نماز میں سجدۂ تلاوت کا عظیم مقام ہے اور اس سے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴾ (الاسراء : ۱۰۹) "اور وہ ٹھوڑیوں کے بل (منہ کے بل) گرتے ہیں ' روتے ہیں ' (نتیجتاً) اللہ ان کے خشوع میں اضافہ کر دیتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور دورانِ نماز سجدہ فرمایا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے عشاء کی نماز ادا کی' آپؓ نے سورۃ الانشقاق ﴿ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا' میں نے دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا :

"میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے' چنانچہ میں آپ سے ملاقات تک سجدہ کرتا ہی رہوں گا۔"(۷)

چنانچہ نماز میں سجدۂ تلاوت کا اہتمام رہنا چاہیئے بالخصوص جبکہ سجدۂ تلاوت شیطان کو ذلیل و رسوا کرتا ہے اور اسے رلاتا ہے۔ اس طرح نمازی کے خلاف شیطان کی چال کمزور پڑ جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((إِذَا قَرَءَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِيْ يَقُوْلُ : يَا وَيْلِيْ أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ)) (۸)

"جب کوئی آدمی سجدہ والی آیت پڑھ کر سجدہ کرلے تو شیطان روتے ہوئے دور ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے : میرا ستیاناس! آدمی کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کرلیا' اس کے لئے جنت ہے' اور مجھے بھی سجدے کا حکم ملا تھا لیکن میں نے انکار کردیا' میرے لئے جہنم ہے۔"

(۱۴) اللہ تعالیٰ سے <u>شیطان کی پناہ مانگنا</u> : شیطان ہمارا دشمن ہے۔ وہ اپنی دشمنی نکالنے کے لئے نمازی کو وسوسے میں مبتلا کردیتا ہے تاکہ اس کا خشوع ختم ہو جائے' یا وہ بھول ہی جائے کہ نماز میں ہے (خیالوں میں کہیں اور گھومتا رہے)۔ جو شخص بھی ذکر' تلاوت یا کسی عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو وسوسے گھیر لیتے ہیں۔ چنانچہ بندے کو چاہیئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور صبر کرتا رہے اور ذکر و نماز میں مشغول رہے اور دل چھوٹا نہ کرے۔ اگر وہ ڈٹا رہے گا تو شیطان کی ساری چالیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝ ﴾ (النساء : ٧٦)

"یقیناً شیطان کی چال بہت کمزور ہوتی ہے۔"

بندہ جب بھی دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے تو شیطان کئی طرح

کے خیالات لے کر پہنچ جاتا ہے۔ شیطان کی مثال ڈاکو کی سی ہے۔ جونہی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلتا ہے وہ راستے میں آکھڑا ہوتا ہے۔ کسی صاحب علم سے پوچھا گیا کہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ ہمیں وسوسہ نہیں ہوتا' کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے فرمایا : "وہ سچ کہتے ہیں' اُجڑے گھر میں آکر شیطان کیا کرے گا؟"

اسی بات کو ایک اور مثال سے سمجھیں : تین گھر ہیں' ایک بادشاہ کا گھر ہے جس میں خزانے ہیں' سونا ہے اور ہیرے جواہرات ہیں۔ دوسرا عام آدمی کا گھر ہے جس میں اس کی حیثیت کے مطابق کچھ جمع پونجی' سونا اور ہیرے جواہرات ہیں' البتہ بادشاہ کے خزانوں کے برابر نہیں۔ تیسرا گھر بالکل خالی ہے۔ اس شہر میں چور داخل ہوا' اسے کسی ایک گھر سے چوری کرنی ہے۔ ذرا غور کریں وہ کس گھر سے چوری کرے گا؟[۹]

جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے' کیونکہ بندہ عظمت و قربت والے مقام پر کھڑا ہے اور شیطان کو اس پر بہت غصہ آتا ہے اور اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ شیطان پورا زور لگاتا ہے کہ اسے (نمازی کو) اس حال پر نہ رہنے دے۔ وہ اس سے وعدے کرتا ہے' اس کو امیدیں دلاتا ہے اور اسے بھلانے کی کوشش کرتا ہے' اور شیطان اپنے سوار اور پیادہ دونوں قسم کے لشکروں کو لے کر اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے تاکہ اس کے دل سے نماز کی عظمت نکال دے۔ چنانچہ (شیطان چاہتا ہے کہ نمازی) پہلے نماز کے بارے میں سستی کرے' اور بالآخر کلیتاً اسے چھوڑ دے۔ اگر شیطان کا یہ وار خالی جائے' بندہ اس کی چالوں میں نہ آئے اور عملاً جا کر نماز شروع کر دے تو اللہ کا دشمن دوبارہ حملہ آور ہوتا ہے اور اس کی سوچ کو اِدھر اُدھر گھماتا ہے اور اس کے دل میں آکر ڈیرہ ڈال لیتا ہے۔ جو کام اس کے سان گمان میں بھی نہ تھے انہیں یاد دلاتا ہے' حتیٰ کہ جو کام نمازی بھول چکا تھا اور ان کے بارے میں مایوس ہو گیا تھا وہ بھی یاد دلا دیتا ہے' تاکہ اس کے دل کو نماز سے دور کر دے اور اسے اللہ کی رحمت سے بھی دور کر دے۔ چنانچہ وہ بظاہر نماز میں کھڑا ہوتا ہے لیکن دل نماز میں نہیں ہوتا' لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو توجہ' شفقت' قرب اور رحمت دل لگا کر نماز پڑھنے والے کو ملنی چاہیئے اس سے یہ شخص محروم رہتا ہے۔ نتیجتاً جس طرح اپنی لغزشوں اور گناہوں کے بوجھ لے کر نماز میں داخل ہوا تھا اسی طرح باہر نکل آتا ہے' کیونکہ نماز تو اس آدمی کے گناہوں کا کفارہ بنتی

ہے جو نماز کا حق ادا کرے' مکمل خشوع اختیار کرے' دل اور جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دے۔ (۱۰)

شیطانی وسوسے کا علاج :

شیطانی چالوں کا مقابلہ کرنے اور اس کے وسوسے کو ختم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل نسخہ تجویز فرمایا ہے :

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! شیطان میری نماز میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور مجھے قرآن بھلا دیتا ہے' اس کا علاج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا :

((ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خِنْزَبٌ فَإِذَا اَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلٰى يَسَارِكَ ثَلاَثًا)) (۱۱)

"اس قسم کے شیطان کو "خنزب" کہتے ہیں۔ جب تمہیں احساس ہو جائے تو اس کی چالوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آ جاؤ (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لو) اور تین دفعہ بائیں طرف تھوک دو۔"

ابو العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شیطان کے شر سے بچا لیا۔"

شیطان کی چالوں سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے نمازی آدمی کو ایک اور علاج بھی بتایا ہے' فرمایا :

((إِنَّ اَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَ الشَّيْطَانُ فَلَبَّسَ عَلَيْهِ حَتّٰى لاَ يُدْرِيْ كَمْ صَلّٰى' فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ)) (۱۲)

"کہ تم میں سے کوئی جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان پہنچ جاتا ہے' اس کو مغالطے میں مبتلا کر دیتا ہے' اسے خبر ہی نہیں رہتی کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔ چنانچہ جب تم میں سے کسی کو ایسی صورت درپیش ہو تو وہ بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لے۔"

شیطان کی ایک اور چال ہوتی ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَوَجَدَ حَرَكَةً فِيْ دُبُرِهِ اَحْدَثَ اَمْ لَمْ يُحْدِثْ فَاَشْكَلَ عَلَيْهِ فَلَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيحًا)) (۱۳)

"جب تم میں سے کوئی نماز میں ہو اور اپنی پیٹھ (پاخانے کی جگہ) میں کوئی تشویش محسوس کرے' اسے یقین نہیں ہو رہا کہ وضو ٹوٹ گیا ہے یا کہ نہیں ٹوٹا ہے تو اُس وقت تک نماز سے نہ ہٹے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔"

بلکہ شیطان کی چال تو بہت دور تک اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی کو نماز میں خیال گزرتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے حالانکہ فی الواقع اس کا وضو نہیں ٹوٹا ہوتا' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا :

((اِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْتِيْ اَحَدَكُمْ وَهُوَ فِيْ صَلَاتِهِ حَتّٰى يَفْتَحَ مَقْعَدَتَهُ فَيُخَيِّلُ اِلَيْهِ اَنَّهُ اَحْدَثَ وَلَمْ يُحْدِثْ فَاِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلَا يَنْصَرِفَنَّ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتَ ذٰلِكَ بِاُذُنِهِ اَوْ يَجِدَ رِيْحَ ذٰلِكَ بِاَنْفِهِ)) (۱۴)

"شیطان نمازی کے پاس دورانِ نماز آتا ہے تو اس کی سرین کھول دیتا ہے۔ نمازی کو وہم لگ جاتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے حالانکہ اس کا وضو نہیں ٹوٹا ہوتا۔ جب کسی کو ایسی صورتِ حال سے واسطہ پڑے تو جب تک اپنے کانوں سے آواز نہ سن لے یا اپنی ناک سے بدبو نہ محسوس کر لے اُس وقت تک ہرگز نماز توڑ کر نہ جائے۔"

⑮ سلف صالحین (۱۵) کی حالت نماز پر غور کرنا

سلف صالحین کی نماز پر غور کرنے سے خشوع میں اضافہ ہو گا اور ان کی پیروی کرنے کا جذبہ ابھرے گا۔ چشم تصور سے ذرا دیکھو کہ ان محترم ہستیوں میں سے جب کوئی جائے نماز پر کھڑا ہو جاتا اور اللہ کا کلام پڑھنا شروع کرتا تو اس کے دل میں یہ خیال گھر کر جاتا کہ

بلاشبہ اسی شکل میں لوگ ایک دن اللہ ربّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس تصور کے ساتھ ہی اس کا دل بے قرار ہو جاتا اور اس کی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں : "سلف صالحین میں سے جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا تو اللہ کے ڈر کی وجہ سے کسی چیز کی طرف نگاہ نہ اٹھاتا' نہ ہی منہ موڑتا' نہ ہی کنکریوں سے کھیلتا' نہ کسی اور چیز میں مشغول ہوتا اور نہ ہی دنیا کی باتوں سے دل کو بہلاتا۔ بس کہیں بھول چوک سے ایسا ہو گیا تو الگ بات ہے' وہ بالارادہ نماز میں ایسی حرکت نہ کرتا تھا۔"(۱۶)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا یہ حال تھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو خشوع کی وجہ سے ایسے معلوم ہوتے جیسے کسی نے لکڑی گاڑ دی ہے۔

حضرت سلمہ بن بشار رحمہ اللہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے' اچانک مسجد کا ایک حصہ گر گیا' لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور وہ نماز پڑھتے رہے' انہیں خبر ہی نہ ہوئی۔ بعض بزرگ اس طرح ہوتے جیسے پھینکا ہوا کپڑا ہوتا ہے۔ بعض حضرات پر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا اتنا اثر ہوتا کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوتے تو ان کا رنگ بدلا ہوا ہوتا۔ ایسے لوگ بھی تھے جنہیں نماز میں یہ خبر بھی نہ ہوتی کہ ان کے دائیں کون ہے اور بائیں کون؟

ایک صاحب جب نماز کے لئے وضو کرتے تو ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا' کسی نے پوچھا جب آپ نماز کے لئے وضو کرتے ہیں آپ کی حالت بگڑ جاتی ہے' کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا : "مجھے خوب خبر ہے کہ کس کے سامنے حاضری دینے جا رہا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی تو آپؓ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور قدم ڈگمگانے لگتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا : آپ کی یہ حالت کیوں ہو جاتی ہے؟ فرماتے : واللہ! اُس بھاری امانت کی ادائیگی کا وقت آپہنچا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھا تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے' البتہ میں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔"

حضرت سعید التنوخی رحمہ اللہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ کے آنسو رخساروں سے گزرتے ہوئے مسلسل داڑھی تک گرتے رہتے۔ ایک تابعی کے بارے میں یہ خبر ملی ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ان کا رنگ بدل جاتا اور کہا کرتے

تھے : کیا تمہیں خبر ہے کہ میں کس ذات کے سامنے کھڑا ہو کر باتیں کروں گا؟ تم میں سے کس کے دل میں اللہ کا خوف اس شکل میں موجود ہے؟

جناب عامر بن عبدالقیس رحمہ اللہ سے لوگوں نے پوچھا : کیا تم دورانِ نماز اپنے من سے باتیں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا : کیا کوئی چیز نماز سے بھی زیادہ محبوب ہو سکتی ہے کہ نماز کو چھوڑ کر اس کی باتیں کروں؟ لوگوں نے کہا : ہم تو نماز میں اپنے من سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا' کیا یہ باتیں جنت اور حوروں سے متعلق ہوتی ہیں؟ لوگوں نے کہا : ایسا تو نہیں بلکہ اہل خانہ کی باتیں کرتے ہیں' مال و جائیداد کی باتیں کرتے ہیں' تو آپ نے فرمایا : "میرے جسم میں نیزے پیوست ہو جائیں تو مجھے اچھا لگے' البتہ ایسی باتیں مجھ سے نہ ہوں گی۔"

حضرت سعید بن معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : تین موقعوں کی مناسبت سے مجھ میں تین خوبیاں ہیں' اگر ہر وقت کے اعتبار سے مجھ میں خوبیاں آ جائیں تو میں عظیم مقام پر پہنچ جاؤں' اور وہ خوبیاں یہ ہیں :

۱) جب میں نماز میں ہوتا ہوں تو اپنے من سے صرف نماز ہی کی باتیں کرتا ہوں۔

۲) جب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنتا ہوں تو اس کے حق ہونے میں ذرا سا بھی شک نہیں ہوتا۔

۳) جب میں جنازے کے ساتھ ہوتا ہوں تو اپنے دل میں یہی باتیں کرتا ہوں کہ اس جنازے سے کیا پوچھا جائے گا اور یہ کیا جواب دے گا؟

حضرت حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں : حکم کے مطابق میں عمل کرتا ہوں۔ ڈرتے ڈرتے چلتا ہوں۔ ثواب کی نیت سے کام شروع کرتا ہوں۔ اللہ کی عظمت کو ذہن میں رکھ کر "اللہ اکبر" کہتا ہوں۔ غور و فکر کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتا ہوں۔ خشوع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں' انکساری کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں' سلیقے سے تشہد کے لئے بیٹھتا ہوں اور ثواب کی نیت کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔ اس طرح اللہ کے لئے خالص کر کے نماز کو مکمل کرتا ہوں۔ اللہ کے خوف کے ساتھ اپنے نفس کا حساب کرتا رہتا ہوں۔ اس کے باوجود مجھے ڈر ستاتا رہتا ہے کہ کہیں میری عبادت اکارت نہ چلی جائے۔ لہٰذا پوری کوشش کر کے موت تک اپنے اعمال کی حفاظت کروں گا۔

ابو بکر الصبغی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو اماموں کا زمانہ پایا ہے لیکن ان سے حدیث نہیں سن سکا۔ (۱) امام ابو حاتم الرازی (۲) امام محمد بن نصر المروزیہ رحمہما اللہ امام محمد بن نصر سے زیادہ خوبصورت نماز پڑھنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بھڑ ان کی پیشانی پر بیٹھ گیا اور اس کے کاٹنے کی وجہ سے خون آپ کے چہرے پر بہنے لگا' اس کے باوجود انہوں نے حرکت نہیں کی۔

محمد بن یعقوب الاخرم کہتے ہیں کہ محمد بن نصر سے زیادہ خوبصورت نماز پڑھنے والا میں نے بھی نہیں دیکھا۔ مکھی ان کے کان پر بیٹھتی تو کبھی مکھی بھی نہ اڑاتے۔ ہمیں ان کی عمدہ نماز' نماز میں خشوع اور نماز کا ڈر دیکھ کر خوشی محسوس ہوتی۔ اپنی ٹھوڑی کو سینے پر رکھ لیتے اور معلوم ہو تا کہ زمین میں گڑی ہوئی لکڑی کھڑی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نماز میں یہ حال تھا کہ اعضا کانپ رہے ہوتے اور دائیں بائیں ڈولتے رہتے۔ (۱۷)

ایک طرف اہل اللہ کی نماز کا یہ حال ہے' دوسری طرف ہم لوگوں کی نمازیں ہیں کہ کوئی گھڑی میں وقت دیکھ رہا ہے' کوئی رومال ٹھیک کر رہا ہے' کوئی ناک سے کھیل رہا ہے' کوئی ذہنی طور پر خرید و فروخت میں مصروف ہے' کوئی جیب سے نوٹ نکال کر انہیں گن رہا ہے' کوئی درودیوار اور قالین کے نقش و نگار اور ڈیزائن پر غور کر رہا ہے یا ساتھ میں کھڑے نمازی کی حرکتیں نوٹ کر رہا ہے۔ ذرا غور کریں کہ ان میں سے اگر کوئی دنیا کے کسی بڑے آدمی کے سامنے کھڑا ہو تا تو ایسی حرکتیں کرتا؟ ہرگز نہیں' ہزار بار نہیں۔ پھر رب کریم کے سامنے ایسا کیوں؟

حواشی

۱) مسند احمد ۲/۱۱۹۔ حدیث حسن ہے۔ ملاحظہ الفتح الربانی ۴/۱۵

بعض لوگ انگلی ہلانے کو مہمل عمل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صحیح و ثابت سنت کا حصہ ہے۔ آپؐ کا زندگی بھر کا عمل اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے جبکہ احناف کے نزدیک انگلی کو اٹھانا اور ہلانا مسلسل نہیں بلکہ شہادت کے وقت ایک مرتبہ ہے۔ اس کا ثبوت سنت رسول اللہ میں تو نہیں ہے' کسی صحابی یا غیر صحابی کا عمل ہو تو اسے سنت رسول کے مقابلے میں لانا خاصی بڑی جرأت کی بات ہے' لہذا مسنون یہی ہے کہ دوران تشہد مسلسل انگلی کو قبلہ رخ

حرکت میں رکھا جائے۔ مزید تفصیل و دلیل کے لئے صفۃ صلاۃ النبی ص ۱۵۸' تالیف علامہ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (ابو عبدالرحمٰن غفراللہ لہ)

۲) صحیح البخاری' کتاب صفۃ الصلاۃ' باب مایقول بعد التکبیر ح ۷۱۱ و صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب مایقال بین تکبیرۃ الاحرام والقراءۃ ح ۵۹۸

۳) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا' باب الدعا فی صلاۃ اللیل ح ۷۷۱' و صحیح ابن حبان ۴۹/۵ ح ۱۷۷۱' ۱۷۷۲' ۱۷۷۳' ۱۷۷۴ و سنن ابی داود' کتاب الدعوات' باب ما تستفتح به الصلاۃ من ح ۷۶۱

۴) سنن ابی دائود' کتاب الصلاۃ' باب من رای الاستفتاح بسبحانك ح ۷۷۵ و ۷۷۶ والمستدرك للحاکم ۲۳۵/۱ و سنن الترمذی ۹/۲ ح ۲۴۲/۲۴۳ و سنن ابن ماجه' کتاب اقامۃ الصلاۃ' باب افتتاح الصلاۃ ح ۸۰۴ و ۸۰۶۔ حدیث صحیح ہے۔

۵) سب نمبر ۲ میں مختلف روایات و احادیث کی طرف اشارہ ہے۔ طوالت کے پیش نظر ہم نے تخریج نہیں کی۔ اصحاب علم تو متونِ کتب حدیث کی طرف رجوع کر لیں' دلیل مل جائے گی۔ البتہ عام آدمی علامہ محمد ناصر الدین الالبانی کی معرکۃ الاراء کتاب "صفۃ صلاۃ النبی" کا ترجمہ دیکھ لیں جو کہ پاکستان میں دستیاب ہے' تو بات بن جائے گی۔

علاوہ ازیں اذکار وغیرہ کا ہم نے عمداً ترجمہ نہیں کیا تا کہ بات لمبی نہ ہو جائے۔ ان اذکار کا ترجمہ بھی آپ کو حوالہ شدہ کتاب سے مل جائے گا۔

۶) تفسیر ابن کثیر ط ۲۳۸/۵ ط دار الشعب

۷) صحیح البخاری' کتاب صفۃ الصلاۃ' باب الجہر بالعشاء ح ۷۳۲ و صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب سجود التلاوۃ ح ۵۷۸

۸) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان اسم الکفر علی من ترك السجدۃ ح ۸۱ و مسند احمد ۴۴۳/۲

۹) الوابل الصیب ص ۴۳

۱۰) الوابل الصیب ص ۳۶

۱۱) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب التعوذ من وسوسۃ الشیطان فی الصلاۃ ح ۲۲۰۳ و مسند احمد ۲۱۶/۴

[بقیہ حواشی اگلی قسط کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں]

فکر عجم

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۹)

ڈاکٹر ابو معاذ

اقبال کی ایران میں مقبولیت کا ابتدائی دور

ڈاکٹر غلام سرور مرحوم (سابق صدر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی) کے بقول آپ نے اپنے ۱۹۳۳ء میں سفر ایران کے دوران یہ محسوس کیا تھا کہ علامہ اقبال کا نام کم از کم وہاں کے ادیبوں اور شاعروں کے حلقے میں جانا پہچانا جاتا تھا۔ علامہ اقبال کی نظم "شکوہ" کا ترجمہ "بدرگاہِ پروردگار" کے نام سے ۱۹۲۶ء میں ایران کے رسالہ "ندائے قدس" میں چھپ چکا تھا۔ لیکن ابتداء میں معدودے چند ایرانیوں کے علاوہ زیادہ تر علماء کا آپ کے بارے میں رویہ معاندانہ ہی تھا اور یہ لوگ قدرے تعصّب سے کام لیتے تھے۔ مَلِکُ الشعراء بہار نے اس کا برملا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ ایرانی ذہن یہ ماننے کو مشکل سے ہی تیار ہو سکتا ہے کہ ایران کے باہر بھی کسی دور میں سعدیؒ، فردوسیؒ، نظامیؒ، حافظؒ یا مولانا رومؒ کے پائے کا کوئی شاعر پیدا ہو سکتا ہے۔ ابتداء میں مجھے بھی یہی گمان تھا مگر جب علامہ اقبال کے کلام پر میں نے توجہ دی تو "پیام مشرق" کے مطالعہ ہی سے مجھے آپ کے وسعت مطالعہ اور غیر معمولی قدرتِ بیان کا احساس ہوا اور آپ کی مثنوی کے مطالعہ سے تو معلوم ہوا کہ مولانا رومؒ کے بعد ایسی مثنوی لکھنے کی سعادت تو کسی کو کم ہی نصیب ہوئی ہے۔ آپ کے کلام میں قدیم مطالب کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ طرز بیان کی جدت، ایجاز و اختصار اور شگفتگی بھی بے مثال حد تک موجود تھی۔ علامہ اقبال کے سفر فلسطین کے موقع پر آپ کی ملاقات وہاں پر ایک سابق ایرانی وزیر اعظم جناب ضیاء الدین طباطبائی سے بھی ہوئی تھی، جس کا ذکر انہوں نے ۱۹۵۰ء میں علامہ اقبال کی یاد میں ایک اجلاس کے موقع پر

بھی فرمایا تھا۔

ملک الشعراء استاد محمد تقی بہار

آپ کو مولانا جامیؒ کے بعد گزشتہ چار سو برس کی ایرانی تاریخ میں سب سے اہم فارسی شاعر تصور کیا جاتا ہے۔ آپ پارلیمنٹ کے نڈر رُکن' بادشاہت کے زبردست مخالف اور اسلامی روایات کے علمبردار تھے اور روایتی صفوی شیعیت اور جاہ پرست علماء کی مخالفت میں آپ نے جو کچھ کہا اور جس عملی جدّوجُہد کا ثبوت دیا تھا اس طرح آپ کے افکار اور اعمال آپ کو فطری طور پر علامہ اقبال کے بہت قریب لے آتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ۱۹۴۳ء میں برطانوی افواج میں شامل برِّصغیر کے مسلمان فوجیوں کی کوشش سے "انجمن فرہنگیٔ ایران و ہند" کا وجود عمل میں آیا۔ اس کے زیر اہتمام اسی برس استاد بہار نے دانش سرای عالی تہران میں اپنی مشہور نظم "خطاب بہ ہند" پڑھی جس میں برصغیر کی فارسی روایات اور شعراء کا ذکر کرتے ہوئے کہا ؎

ایزدی بود آشنائی ہائے ما   آشنا داند صدائے آشنا

(ہمارے تعلقات کی بنیاد خداوند تعالیٰ پر ایمان کی مشترکہ دولت تھی' اسی لئے ایک آشنا ہی اپنے آشنا کی آواز کو پہچان سکتا ہے۔)

ہند و ایراں آشنایانِ ہم اند   ہر دو از نسلِ فریدون و جم اند

(ہندوستان اور ایران ایک دوسرے سے آشنا ہیں اور آریائی نسل سے تعلق کے باعث دونوں قومیں فریدوں اور جمشید جیسے اساطیری عہد کے ایرانی بادشاہوں کی نسل سے ہیں۔)

پھر آپ ایک دم شعراء کا ذکر کرتے کرتے علامہ اقبال پر آن پہنچتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

عصرِ حاضر خاصّہ' اقبال گشت   واحدے کز صد ہزاراں برگذشت

(موجودہ دَور علامہ اقبال کا دور ہے اور وہ اکیلا عظیم انسان ہے جو لاکھوں اشخاص پر سبقت لے گیا۔)

آپ علامہ اقبال کی تجلیل و تمجید کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

نکتہ ای ۔ گویم سخن کوتاہ کنم   خاطرِ پاکِ ترا آگہ کنم

(میں ایک پتے کی بات کرتے ہوئے اپنی حکایت کو مختصر کرتا ہوں اور تیرے پاک ضمیر

کو اس بات کی خبر دیتا ہوں۔)

شمّہ ای در حال و استقبالِ تو ہان نہ من گویم کہ گفت اقبالِ تو

(مختصراً تیرے حال اور مستقبل کے بارے میں مَیں اپنے پاس سے تو کچھ نہیں کہہ رہا' یہ سب کچھ آپ کے اقبال ہی کا کہا ہوا ہے۔)

زندگی جہد است و استحقاق نیست جز بہ علمِ انفس و آفاق نیست

بقول اقبال (حقیقی زندگی جدوجہد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کسی کا استحقاق نہیں جو خود بخود مل جائے۔ زندگی تو انسانوں اور کائنات کے علوم سے وابستہ ہے۔)

گفت حکمت را خدا خیراً کثیر ہر کجا ایں خیر می بینی بگیر

(قرآن پاک میں خداوند کریم نے حکمت کو بہت زیادہ خیر کا نام دیا ہے اور حدیث مصطفیٰ ﷺ کے مصداق جہاں سے یہ خیر ملے اسے سمیٹ لو۔)

غافل از اندیشۂ اغیار شو قوتِ خوابیدۂ بیدار شو

(اغیار یعنی غیر ملکی حکمرانوں اور حکماء کا خیال دل سے نکال دو اور اے سوئی ہوئی قوت بیدار ہو جا۔)

پھر اپنے الفاظ میں آپ نے اتحاد کا پیغام دیتے ہوئے فرمایا ؎

جز براہِ یکدلی سالک مباش محوِ یکتائی شو و مشرک مباش

(ایک دل و جان اور متحد ہونے کے علاوہ کچھ مت سوچنا۔ توحید میں محو ہو جا اور کبھی بھی مشرک بننے کا مت سوچنا۔)

سوئے وحدت پوی و دست از شرک شوی متحد باش و بہ ترکِ کفر گوی

(وحدت کی جانب چل نکلو اور شرک کی راہ چھوڑ دو۔ متحد ہو جاؤ اور کفر سے اپنا دامن بچالو۔)

اس کے بعد ۱۹۵۰ء میں آپ نے تہران میں منعقدہ یوم اقبال کی تقریب کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ اب جبکہ پاکستان اور ایران کے درمیان حائل ڈیڑھ سو برس پرانا بوجھل اور بھاری آہنی پردہ جو ہم بھائیوں کے مابین استعماری حکومت نے حائل کر رکھا تھا اٹھ گیا ہے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے تمام شیطانی چالیں اس طویل عرصہ میں ہماری باہمی ہمدردی' ہم خونی' ہم مذہبی اور ہم زبانی کے تعلقات کو ذرہ برابر بھی کم نہیں کر سکیں۔ جس طرح فردوسی کی شاعری نے منتشر ایرانی قوم کو مجتمع کر دیا تھا اسی

طرح علامہ اقبال کے افکار کے نتیجہ میں ایک عظیم اسلامی ملک وجود میں آچکا ہے اور اب امید کی جاتی ہے کہ علامہ اقبال کے افکار و اشعار کے زیر اثر ایران اور پاکستان باہمی ہمدردی، حسن تفاہم، دلی دوستی، مضبوط اور مستحکم ایمان کے باعث وسطی ایشیا کے امن اور دوستی کو عظیم اور پائیدار اصولوں پر قائم رکھ سکیں گے۔

ڈاکٹر عرفانی مرحوم اکثر ذکر فرماتے تھے کہ جون ۱۹۴۹ء میں جب آپ کی بہار سے پہلی ملاقات ہوئی تو آپ نے پہلی جنگ عظیم سے پہلے (۱۲-۱۹۱۱ء) کے زمانے کے بہار کے اپنے اشعار ان کے دوبارہ گوش گزار کرتے ہوئے کہا کہ بہار اور اقبال کے اشعار و افکار میں ایک کمال ہم آہنگی موجود رہی ہے تو یہ امر خود استاد بہار کے لئے بھی ایک انکشاف سے کم نہیں تھا۔ یہ شعر ملاحظہ ہوں جو بہار نے ان دنوں عالم اسلام خصوصاً سلطنتِ ترکیہ کے ممکنہ انقراض کے بارے میں کہے تھے :-

اے مسلمانانِ عالم تازہ ترشد درد ایران — کوس عرّدے می نوازد دشمنِ نامرد ایران

(اے دُنیا کے مسلمانو! ایران کا درد ایک بار پھر تازہ ہو کر مزید شدت اختیار کر گیا ہے۔ کیونکہ اس کا بزدل دشمن پھر مردانگی کی بگل بجا رہا ہے۔)

مادرِ اسلام دارد زیں مصیبت آہ و زاری — اے مسلمانان بود امروز روزِ جان نثاری

(اس کی وجہ سے مادر اسلام دوبارہ آہ و زاری میں مبتلا ہے۔ اے مسلمانو! اب جان قربان کرنے کا دن آن پہنچا ہے۔)

ورنہ از ما روحِ ناموسِ شریعت خوار گردد — کیشِ اسلامی اسیرِ پنجہء کفّار گردد

(اگر ہم آگے نہ بڑھے تو یہ اندیشہ ہے کہ شریعتِ محمدیؐ کی آبرو ہماری کوتاہیوں کے باعث خاک میں نہ مل جائے اور اسلام کا دین اور مسلمان ملت کہیں کافروں کے پنجوں میں گرفتار ہو کے نہ رہ جائیں۔)

۱۹۵۰ء میں ایران کے بادشاہ محمد رضا شاہ نے دورۂ پاکستان کا پروگرام بنایا۔ ایران وہ پہلا ملک تھا جس نے پاکستان کو تسلیم کیا تھا۔ شاہ کا پاکستان میں انتظار کسی ایک فرد واحد یا شاہی استبدادی نظام کے مظہر کے طور پر نہیں بلکہ ملت ایران کے سربراہ کے طور پر تھا اور پاکستانی قوم کا فطری جوش و جذبہ دراصل پاکستانیوں کی اہل ایران سے محبت کا آئینہ دار تھا۔ ہرچند کہ بہار نے شاہی استبدادی نظام کے ہاتھوں قید و بند، جلاوطنی اور حتیٰ کہ ناکام

قاتلانہ حملے تک کے زخم سے تھے اور ان سے یہ امید نہیں کی جارہی تھی کہ اس موقع پر شاہ کا قصیدہ لکھیں گے مگر علامہ اقبال کی عقیدت میں آپ نے جناب عرفانی کے ایماء پر ایک قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

زِ رجسِ شرک بری شد بہ قوتِ توحید — ہمیں بس است بہ دہر افتخارِ پاکستان

(پاکستان کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ ہندوستان سے علیحدہ ہو کر اس جہانِ حاضر میں توحید کی قوت کے بل بوتے پر شرک کی غلاظت سے پاک ہو گیا۔)

درود باد بہ روحِ مطہرِ اقبال — کہ بود حکمتش آموز گارِ پاکستان

(حضرت علامہ اقبال کی پاک روح پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں جن کی دانائی سے پاکستانی قوم کو علم و دانش کا ایک عظیم سرچشمہ مل گیا۔)

"ہزار بادۂ ناخوردہ" وعدہ داد کہ ہست — ازان یکیش مئے بے خمارِ پاکستان

(آپ نے اپنے شعر میں جن ہزار باقی بچے ہوئے جاموں یعنی مئے معنی سے لبریز پیالوں کا وعدہ دیا ہے ان میں سے ایک پاکستان کی وہ مے ہے جس کا کوئی نشہ نہیں ہے۔)

جدا نبود و نباشند ملّتِ ایران — زطبع و خُوی و شعار و دثارِ پاکستان

(عادات و اطوار، افکار اور لباس کے اشتراک کے باعث ایران اور پاکستان ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔)

گمان مبر کہ بود بیشتر ز ایرانی — کسے بہ رُوے زمین دوستدارِ پاکستان

(یہ کبھی بھی نہ سوچنا کہ ایرانیوں سے بڑھ کر اس روئے زمین پر پاکستان کا کوئی بہتر دوست ہو سکتا ہے۔)

اور یہ علامہ اقبال کے عظیم افکار کے باعث ہے۔ انہی دنوں پاکستان کے وزیر خزانہ غلام محمد (جو بعد میں گورنر جنرل بنے) جناب عرفانی کے ہمراہ استاد بہار سے ملے تو بہار نے خاص طور پر زور دیتے ہوئے پاکستانی قیادت کو علامہ اقبال کے افکار پر عمل پیرا ہونے اور ان کا فکری مشن جاری رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اپنے آخری ایامِ زندگی میں تو بہار نے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی تمام جائیداد فروخت کر کے لاہور چلے جائیں اور اپنی زندگی کے آخری ایام اقبال کے شہر میں بسر کر دیں۔

استاد بہار کی علامہ اقبال سے عقیدت کی بنیادی وجہ بہار کی علامہ اقبال سے فکری ہم آہنگی تھی۔ آپ نے علامہ اقبال کے کلام تک رسائی سے بہت پہلے علامہ اقبال کے اسلوب کے عین مطابق اتحادِ عالم اسلامی اور مسلمانوں کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی' جدو عمل اور ظاہر پرست علماء کے استحصال' توہمات اور شیعیتِ صفوی کے استبدادی اثرات کے خلاف شعر کہے ہیں۔ آپ نے فرقہ وارانہ منافرت کے خلاف کہا تھا ؎

ثروت و مُلک و ناموس و مذہب چار چیز است در ما مرکب

(دولت' مُلک' ناموس اور مذہب ہماری ذات کے چار عناصر ہیں جن سے ہماری تکمیل ہوتی ہے۔)

ثروت و مُلک و ناموسِ ما را بُردہ این اختلافاتِ مذہب

(ہمارے فقہی اور فرقہ وارانہ اختلافات نے ہماری ناموس' مُلک اور دولت سب کو تباہ کر دیا ہے۔)

اختلافاتِ مذہب در اسلام روزِ ما سیہ کردہ چون شب

(اسلام کے دین مبین میں فقہی اختلافات کے باعث ہمارے دن بھی رات کی صورت تاریک ہو چکے ہیں۔)

عزتِ ما بہ دو چیز بستہ است اتحاد اوّل و بعد مکتب

(ہمارے اتحاد کی بنیاد دو چیزیں ہیں' سب سے پہلے مسلمانوں کا باہمی اتحاد اور بعد میں مکتبہ فکر کا خیال۔)

اس کے بعد آپ نے علامہ اقبال کی طرح مسلمانانِ عالم کو اتحاد اور یگانگت کا درس دیا ہے۔ آپ علامہ کے شعر ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

کے مصداق فرماتے ہیں ؎

ہند و ترکیہ و مصر و ایران تونس و قازق و قفقاز و افغان

در ہویت دو اما بہ دین یک مختلف تن و لے متحد جان

(اسلامی ہندوستان' ترکی' مصر' ایران' تیونس' قازقستان' قفقاز اور افغانستان' شناخت کے اعتبار سے تو مختلف ہو سکتے ہیں لیکن دینی اعتبار سے ایک ہیں۔ ان کے

جسم جدا جدا سہی لیکن جان ایک ہے۔)

جملگی پیرو دینِ احمدؐ جملگی پیرو نصِ قرآن
(سب کے سب محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے پیرو کار ہیں اور سب کے سب قرآن پاک کی حقانیت کے ماننے والے ہیں۔)

مسلمے گر بگرید بہ طنجہ مؤمنے نالد اندر بدخشان
(انتہائی مغرب میں یعنی مراکش کے شہر طنجہ میں اگر ایک مسلمان تکلیف کے باعث روئے تو انتہائی مشرق یعنی بدخشان میں مسلمان اس کے درد میں شریک ہوں گے اور اسی کرب میں مبتلا ہو جائیں گے۔)

آری این راہ و رسمِ عباد است روز یک رنگی و اتحاد است
(ہاں! نیک لوگوں کا یہی طریق کار ہے۔ آج کے دن پھر اتحاد اور اختلافات مٹانے کی ضرورت ہے۔)

اگر مندرجہ بالا اشعار کا مطالعہ کر کے علامہ اقبال کے رموز بے خودی کے مندرجہ ذیل اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے ان دونوں پیغاموں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے یہ آواز ایک ہی وقت میں دو مختلف شعراء (ہزاروں میلوں کی دوری کے باوجود) کی زبان سے جاری تھی۔

آنکہ نامِ تو مسلمان کردہ است از دوئی سوے یکی آوردہ است
(وہ خدا جس نے تمہیں مسلمان بنایا ہے اس نے اختلافات مٹا کر آپ کو ایک وحدت میں سمو دیا ہے۔)

خویشتن را ترک و افغان خواندہ ای وائے بر تو آنچہ بودی' ماندہ ای
(تو نے خود کو ترک اور افغان کہلانا نہیں چھوڑا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے تم جو کچھ تھے وہی رہے ہو!)

ای پرستارِ یکی گر تو توئی تا کجا باشی سبق خوانِ دوئی
(اگر تو وہ واقعی اتحاد اسلامی کا پرستار ہے تو کب تک نسلی و لسانی اختلافات کے راگ الاپتا رہے گا۔)

صد ملل از ملتے انگیختی برحصارِ خود شبیخون ریختی

(ایک ملت کی بجائے تو نے سیکڑوں قومیں بنا کر اپنے ہی مستحکم قلعے پر شبخون مار لیا ہے)

یک شو و توحید را مشہود کن غائبش را از عمل موجود کن!

(ایک ہو جا اور توحید پر کاربند ہو جا۔ توحید کے چھپے ہوئے راز دُنیا پر آشکار کر دے۔)

یعنی توحید ملی پر عمل کر۔ علاوہ بریں علامہ اقبال کے بے شمار اشعار اسی جانب اشارہ کرتے ہیں جن کا مفصل ذکر موضوع کی طوالت کا باعث بن سکتا ہے۔

استاد بہار کے اسی نظم کے آخری اشعار پڑھ کر تو بالکل آنکھیں کھل جاتی ہیں، جہاں وہ معاصر ایران کے مروجہ شیعہ نظریات کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے اعلان فرماتے ہیں ؎

حکمِ اسلام و حکمِ پیمبر ؐ بر تو و او و ما جملہ جاری ست

(اسلام کا حکم اور پیغمبر اسلام ﷺ کے فرمودات کا ماننا ہم سب مسلمانوں کے لئے قیامت تک لازمی ہے۔)

ما و اوئی نباشد در اسلام کاین سخن ہا ز دشمن شعاری ست

(اسلام میں ہم اور وہ کا کوئی تصور نہیں ہے اور ایسی بات بھی دشمنی کے جذبات کی عکاس ہے۔)

چار یارِ نبی ؐ صلح بودند زین سبب جنگ ماو تو خواری ست

(آنحضور ﷺ کے چاروں اصحاب یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ محبت اور صلح سے باہم متحد تھے۔ اس کے باوجود اگر ہم آپس میں جھگڑیں گے تو ذلیل و رسوا ہو جائیں گے۔)

تیشہ ریشہ دین عناد است روز یکرنگی و اتحاد است

(باہمی اختلافات اور عناد دین مبین اسلام کے اتحاد کے لئے تیشے کی طرح ہے۔ آج کے دن اتحاد اور اختلافات کو مٹانے کی ضرورت ہے۔)

استاد بہار کے منظومات قابل مطالعہ ہیں، ہم ان کو یہاں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ "جہنمیہ" میں آپ نے علماء کو ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا کر جہنم رسید کرنے کا منظر پیش کیا ہے کہ کس طرح بات بات پر علماء لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ "صاد او رضاد" کی نظم میں آپ نے غیر ضروری باتوں میں علماء کو الجھتے ہوئے دکھایا ہے۔ پھر آپ کی نظم "توپ

روس" ہے جس میں پہلی جنگ عظیم سے پہلے محمد علی قاچار کے باعث مشہد پر روسی بمباری پر زبردست دکھ کا اظہار کیا ہے، جس کے نتیجہ میں امام رضا علیہ السلام کے مقبرے کو نقصان پہنچا اور آٹھ سو زائرین مارے گئے۔ اسی کے آخر میں آپ فرماتے ہیں۔

ما اگر خانہ خرابیم ز کسان گلہ نیست کاین خرابی ہمہ از ماست در انجام نظر

(ہمارا اگر بیڑہ غرق ہوا ہے تو کسی سے شکایت نہیں، کیونکہ اس خرابی کے درحقیقت ہم خود ہی ذمہ دار ہیں۔)

اے مسلمانان تا چند بہ وہم و بہ خیال اے مسلمانان تا چند بہ بوک و بہ مگر

(اے مسلمانو! کب تک وہم و خیال اور توہمات میں مبتلا رہو گے اور کب تک شک و شبہ اور دودلی کا شکار رہو گے۔)

ہر کہ او از خود و از خانہ حفاظت نکند نبود حافظ او نیز خدائے اکبر

(جو کوئی بھی شخص اپنے آپ اور اپنے گھر کی حفاظت نہ کر سکے خدائے برتر بھی اس کی حفاظت نہیں کیا کرتا۔)

نیست انسان را جز آنکہ در او سعی نمود این چنیں گفت پیمبرؐ بہمایوں دفتر

(لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ کے مصداق انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے کیونکہ یہی بات آنحضورؐ کی زبان سے وحی کی صورت میں جاری ہو کر قرآن پاک کا حصہ بن گئی ہے)

ایک موقع یہ بھی آیا کہ تنگ نظر علماء نے بہار پر کفر کا فتویٰ لگایا اور خراسان کے عوام کو ان کے خلاف اکسایا۔ اس موقع پر بہار نے بالکل علامہ اقبال کے انداز کے مطابق یہ شعر کہے۔

ما پاسدارِ دین و کتابِ پیمبریم وینان عدوِ دین و کتابِ پیمبرند

(ہم دین اسلام اور اپنے نبی ﷺ پر نازل شدہ کتاب یعنی قرآن کے محافظ ہیں۔ جبکہ یہ لوگ آنحضور ﷺ کے دین اور قرآن کے دشمن ہیں۔)

دین نیست اینکہ بنی در دستِ این گروہ کاین مفسدہ است واین دینیاں مفسدت گرند

(ان لوگوں کے پاس جو کچھ پیش کرنے کو ہے وہ دین نہیں ہے بلکہ یہ لوگ فساد کو پھیلا رہے ہیں اور ان کے پاس اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔)

دین رسم پاک نیست کہ دارند این عوام کاین بدعت واین سفا بدعت آورند

(دین اسلام روایات کا وہ مجموعہ نہیں ہے جسے یہ لوگ لئے پھرتے ہیں۔ یہ سب کچھ
بدعت ہے اور یہ احمق دین کے ٹھیکیدار بن کر بدعت کو فروغ دے رہے ہیں۔)
بہار کے یہ الفاظ علامہ اقبال کے اس مصرعہ یعنی ؎ "دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد" کی
بازگشت ہے۔ علاوہ بریں ایک موقع پر بہار نے واشگاف الفاظ میں فرمایا ؎

آنچہ پیغمبر گفتہ است دژو نیست شکی   وحیِ منزل شمرند آنچہ شنیدند زِ مام
(جو کچھ بھی آنحضور ﷺ نے فرمایا وہ تو شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن ان لوگوں نے
جو کچھ اپنی ماں سے سن رکھا ہے اسے اپنے گھر کی وحی سمجھ بیٹھے ہیں۔)

اسلام کی روح اور اصل بنیاد پر توجہ دینے کی بجائے رسوم و روایات کو اسلام سمجھ کر چند مذہبی اجارہ داروں نے جس طرح عوام کو اپنے ہتھکنڈوں سے بے وقوف بنایا ہوا تھا استاد بہار اس پر سخت نالاں تھے۔ انہوں نے عہد قاچاریہ میں نام نہاد مذہبی رہنماؤں کا عوام کے مفادات اور آزادیوں کے خلاف رویہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ خود استاد بہار مرحوم اٹھارہ برس تک مسلسل شاہی اور خانقاہی جبر و استبداد کے خلاف برسرپیکار رہے تھے اور وہ اس امر کے خواہاں تھے کہ اسلام کی صحیح صورت سامنے آسکے جس میں نہ فرقہ پرستی کی گنجائش ہو اور نہ ہی مذہب کے نام پر جبر و استبداد کی، بلکہ اسلام کی عطا کردہ نعمتیں اور سماجی خوبیاں دُنیا کے سامنے آشکار ہوں۔ ظاہر پرستی کی مخالفت میں آپ کی بہترین نظم جو ہماری نظر سے گزری ہے وہ تہرانیوں کی ریا کارانہ عزاداری اور ماتم کے بارے میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ؎

در محرم اہلِ رے خود را دگرگوں می کنند   در زمین آہ و فغاں را زیب گردوں می کنند
(محرم کے مہینہ میں رے یعنی تہران کے لوگ اپنے آپ پر عجیب کیفیت طاری کر
لیتے ہیں اور زمین پر اس طرح آہ و فغان کرتے ہیں کہ ان کے شور سے آسمان لرز
اٹھتا ہے۔)

گاہ عریان گشتہ با زنجیر می کوبند پشت   گہ کفن پوشیدہ فرقِ خویش پُر خوں می کنند
(کبھی ننگے ہو کر کمر اور پیٹھ پر زنجیریں مارتے ہیں اور کبھی کفن پہن کر اپنی گردن کو
خون آلودہ کر دیتے ہیں۔)

گہ بیادِ تشنہ کامانِ زمینِ کربلا   جوئبارِ دیدہ را از گریہ جیحوں می کنند

(کبھی کربلا کے پیاسے اہل بیت کی یاد میں اپنی آنکھوں سے اشکوں کی ندیاں بہاتے ہوئے اپنے آنسوؤں سے دریائے سے جیحون کا منظر پیدا کر دیتے ہیں۔)

خادمِ شمرِ کنونی گشته وانگه نالها | با دو صد لعنت ز دستِ شمرِ ملعوں می کنند

(موجودہ دور کے شمر کے خدمت گزار ہونے کے باوجود روتے دھوتے دو سو لعنتیں ملعون شمر پر بھیجتے ہیں۔)

بر یزیدِ زنده می گویند هر دم صد مجیر | پس شماتت بر یزیدِ مردهٔ دوں می کنند

(موجودہ دور کے زندہ یزید کی ہر لمحہ خوشامد اور تعریف کرتے ہیں لیکن مرے ہوئے یزید کو برا بھلا کہتے ہیں۔)

اس کے بعد بہار مرحوم ان لوگوں کے صحیح جذبہ اسلامی کی ایک خوفناک تصویر کھینچتے ہیں۔ پہلے اشعار میں شیعیت صفوی کا پہلو سامنے آتا ہے مگر جب شیعیت علوی یعنی اسلام سے وفاداری کا جہاں تک تعلق ہے اس میں ان کے خلوص کا عالم کچھ اس طرح ہے۔

حق گواه است ار محمدؐ زنده گردد یا علیؑ | هر دو را تسلیمِ نوابِ همایوں می کنند

(خدا گواہ ہے کہ اگر آنحضور ﷺ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ ہو جائیں تو یہ لوگ ان دونوں کو پکڑ کر پولیس کے اعلیٰ افسر کے سپرد کر آئیں۔)

آید از دروازهٔ شمران اگر روزے حسینؑ | شامش از دروازهٔ دولاب بیروں می کنند

(اگر کسی دن تہران کے شمالی دروازہ یعنی "دروازۂ شمران" سے امام حسین رضی اللہ عنہ داخل ہو جائیں تو شام ہونے سے پہلے ہی آپؓ کو جنوبی دروازہ یعنی "دروازۂ دولاب" سے باہر نکال دیں۔)

حضرتِ عباسؓ اگر آید پئے یک جرعه آب | مشکِ اوزا در ته نظمیه واژوں می کنند

(اگر حضرت عباس علمدار رحمۃ اللہ علیہ پانی کا ایک گھونٹ مانگنے آ جائیں تو یہ لوگ ان کی مشکیں باندھ کر پولیس کے صدر دفتر کے نیچے الٹا لٹکا دیں)

قائمِ آلِ محمدؐ گر کند ناگه ظهور | کله اش داغون بضربِ چوبِ قانوں می کنند

(اگر اچانک حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو جائے تو آپ کے سر پر قانون کے ڈنڈے برساتے ہوئے کھوپڑی کو زخمی کر دیں۔)

گر یزیدِ مقتدر پا بر سرِ ایشان نهد | خاکِ پائش را بآبِ دیده معجوں می کنند

(اگر برسراقتدار یزید یعنی شاہ وقت حقارت سے ان کے سر پر اپنا پاؤں رکھ دے تو اس

کی خاکِ پا پر آنسو بہاتے ہوئے اسے معجون بنا کر استعمال کریں گے۔)

اپنی زندگی کے آخری ایام میں تو بہار 'علامہ اقبال' ہی کے ہو کے رہ گئے۔ اب آپ کی خواہش تھی کہ علامہ اقبال کے انداز پر ایک ضخیم کتاب لکھیں۔ آپ کو علامہ اقبال کی جنگجویانہ اور جہد مسلسل کے بارے میں کی گئی شاعری بہت پسند تھی۔ آپ ایک عظیم اسلامی انقلاب کی راہ دیکھ رہے تھے اور اقبال کو آنے والے دور کا نقیب سمجھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے جناب عرفانی مرحوم کو یہ شعر سناتے ہوئے علامہ اقبال کی شاعری کے رزمیہ اور انقلابی پہلو کی جانب توجہ دلائی' جس میں علامہ اقبال نے خطرات میں بے دھڑک کود جانے کی تلقین کی ہے۔

لالۂ این چمن آلودۂ رنگ است ہنوز　　　سپر از دست میانداز کہ جنگ است ہنوز

(اس چمن میں لالے کا پھول ابھی تک رنگ و نسل کی غلاظتوں سے آلودہ ہے۔ اپنے ہاتھوں سے ڈھال مت چھوڑنا کہ ابھی ہماری جنگ جاری ہے۔)

اے کہ آسودہ نشینی لبِ ساحل برخیز　　　کہ ترا کار بگرداب و نہنگ است ہنوز

(اے میرے مخاطب! تو ساحل کے کنارے آرام سے کیوں بیٹھ گیا ہے؟ تجھے تو ابھی بھنور اور مگرمچھوں سے پالا پڑنے والا ہے۔)

اس کے بعد بہار نے فرمایا کہ ہماری شاعری میں فرار 'گریز اور مستی' خود فراموشی اور عشرتِ دوام کی خواہش کے اظہار کے سوا کم ہی نظر آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ علامہ اقبال کے ان دو اشعار کی طرح کچھ سال قبل میں نے کچھ شعر کہے تھے جو اس طرح سے ہیں۔

مے فرو ہل زکف اے ترک و بیک سو نہ چنگ　　　جامۂ جنگ فرو پوش کہ شد نوبت جنگ

(اے میرے محبوب ترک زادے! شراب کے جام توڑ دے اور سارنگی کو ایک طرف پھینک دے' جنگ کا لباس پہن لے کہ اب جہاد کا وقت آگیا ہے۔)

از بر دوش تفنگ افگن و آسودہ گزار　　　لختی آن دو سرِ زلفِ سیہ غالیہ رنگ

(اپنے کاندھوں پر بندوق ڈال لے اور غالیہ رنگ کی سیاہ زلف کے دونوں سروں کو سکون دے دے۔)

اس سے واضح تھا کہ بہار نے اقبال کی تجلیل و تمجید کے علاوہ آپ کا تتبع بھی شروع کر دیا تھا اور آپ کی پیروی میں انقلابی پیغام کو ایران میں عام کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

حجاج کرام کی خدمت میں چند گزارشات

——— بنت الیقین، کراچی ———

محترم حاجی صاحبان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کے شکرو احسان کے ساتھ ہماری طرف سے بہت زیادہ مبارک باد۔ اللہ نے آپ کو وہ سعادت نصیب فرمائی جس کے لئے ہزاروں دل تڑپتے اور لاکھوں آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ محترم آپ کو یہ سعادت سفرِ حج بیت اللہ کے ساتھ حاصل ہو ہی چکی ہے، مگر اصل کام اب شروع ہوتا ہے اور وہ اس کی حفاظت کرنا ہے۔

دورانِ طواف و سعی و قیامِ حرم حجاج نے جو تکالیف اٹھائیں اللہ ہر ایک کو اس کا دنیا و آخرت میں بے حساب اجر دے۔ اور ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ ہم خود ہی اپنی محنت کو برباد کرنے والے نہ بن جائیں۔ اور اس کا خیال صرف اسی صورت میں رکھا جاسکتا ہے کہ ہم شعوری طور پر اپنے ارادے کی پختگی کا اندازہ کریں۔ ہم خود دیکھیں کہ ہمارا اب آگے کیا ارادہ ہے؟ واپسی کا سفر شروع کرتے ہی ذرا اپنا دل ٹٹول کر دیکھئے اور پھر بار بار اسے دیکھتے رہئے کہ اب وہ کس حال میں ہے؟

کیا آپ کے دل میں اس بات کا احساس پیدا ہو گیا ہے کہ خدا نے آپ کو ایک نئی زندگی، گناہوں سے پاک زندگی عطا کی ہے؟ یا یہ کہ آپ اپنی پرانی اور نئی زندگی دونوں کے بارے میں بے حس ہیں؟

کیا آپ کے دل میں یہ تڑپ موجود ہے کہ اب جو گناہوں سے پاک زندگی ملی ہے اسے گناہوں سے بچائے رکھوں؟ یا یہ کہ جن دنیاوی دھندوں کی طرف آپ واپس لوٹ رہے ہیں انہوں نے ابھی سے آپ کے ذہن کو اپنے آپ میں مصروف کر لیا ہے؟

کیا آپ کا دل مسرور و شکر گزار ہے کہ زندگی کا ایک بہت بڑا فرض ادا ہو گیا ہے؟ کیا آپ کے دل میں وہ رقت و نرمی موجود ہے جو حج / عمرہ کے دوران پیدا ہوئی تھی؟ یا یہ کہ اب اس نے سختی میں بدلنا شروع کر دیا ہے؟

کیا آپ کو ان مقامات کو چھوڑ آنے کا دکھ ہے جنہیں آپ ہمیشہ کے لئے چھوڑ آئے ہیں؟ یا یہ

کہ آپ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں ہیں کہ جو غیر ملکی اشیاء آپ نے وہاں خریدی تھیں وہ وطن پہنچنے پر کسی طرح کسٹم سے بچ جائیں؟

ان سوالوں کا دیانتدارانہ جواب طے کردے گا کہ آپ کے حج نے آپ کو صرف نئی زندگی ہی عطا کی ہے یا ساتھ اس قابل بھی بنادیا ہے کہ اس نئی زندگی کو اپنی پہلی اور پرانی زندگی کی نسبت زیادہ عقلمندانہ اور زیادہ دیانتدارانہ طریقہ سے گزاریں۔

عمر بھر ہم لوگ گناہوں کی گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھتے ہیں' اس خیال سے کہ حج کو جائیں گے تو یہ سب گٹھڑیاں وہاں پھینک آئیں گے۔ اب اگر تو خدا کی طرف سے وہاں پہنچنے کا موقع مل گیا تو پھر تو گٹھڑیاں وہاں پھینک ہی دی جاتی ہیں' لیکن اگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی خدا کا بلاوا آجائے تو پھر فرشتے ان گٹھڑیوں کو اٹھا کر ہماری قبروں میں رکھ دیتے ہیں کہ جاؤ کیا دھرا ساتھ لیتے جاؤ۔

لہٰذا حج / عمرہ کی سعادت کے بعد اپنی روزمرہ زندگی میں وقتاً فوقتاً اپنا محاسبہ کرتے رہنا نہایت ضروری ہے۔ ذرا غور تو کریں کہ ہماری زندگی میں کہاں تک تبدیلی پیدا ہوئی ہے؟

۱) کیا اب ہم شرائط نماز کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز پنجگانہ کے پابند ہیں؟

۲) کیا اب ہم رمضان کے روزے پوری پابندی سے رکھتے ہیں؟

۳) کیا اب ہم اپنے مالوں کی زکوٰۃ کے بارے میں "وہمی" ہونے کی حد تک فکرمند رہتے ہیں؟

۴) کیا اب ہمارے دل کو' جو خانۂ ویراں ہوا کرتا تھا' اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت نے آباد کر رکھا ہے؟

۵) کیا اب ہم کو اس دنیا کی زندگی کی اہمیت اور اختصار دونوں کا اتنا پتہ چل گیا ہے کہ ہم نے لایعنی کام اور لایعنی کلام چھوڑ دیئے ہیں؟

۶) کیا ہم نے ذاتوں' برادریوں' قبیلوں' علاقوں اور زبانوں کے تعصبات سے آزاد ہو کر خالص اسلام کی بنیاد پر لوگوں سے محبت کرنی شروع کردی ہے؟

۷) کیا ہماری "مَیں" میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے؟ کیا ہم اس پست سطح سے کچھ اوپر اُٹھے ہیں جہاں اپنی جھوٹی اَنا کا احساس ہمیں ذرا ذرا سی بات پر مشتعل کردیا کرتا تھا اور لوگوں سے اپنی "بڑائی" منوانے کی خاطر ہم نہایت چھوٹی حرکات کرنے پر تلے رہتے تھے؟

۸) کیا ہم میں اتنا حوصلہ 'اتنا حلم' اتنا جذبۂ عفو پیدا ہو گیا ہے کہ انسانوں کی زیادتیوں کو نظر انداز کر کے ان سے تعلقات قائم رکھنے ہی کو اپنی کامیابی سمجھیں؟

۹) کیا ہم نے اپنے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتے رہنے کے بجائے فرائض ادا کرنے کی طرف توجہ دینی شروع کر دی ہے؟

۱۰) کیا ہمیں یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ جو آمدنی گھر میں آ رہی ہے وہ پوری کی پوری حلال روزی ہو؟

۱۱) کیا یہ قینچی کی طرح چلتی رہنے والی زبان جو ہر وقت کچھ نہ کچھ کترتی ہی رہتی تھی' کچھ قابو میں آئی ہے؟

۱۲) کیا ہماری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ خود پسندی کے مقابلے میں انسان دوستی بہت ارفع چیز ہے اور جھگڑے مٹانے کیلئے جھک جانا شکست کھانا نہیں بلکہ فتح حاصل کرنا ہے؟

۱۳) کیا ہمارے دل سے عہدہ و جاہ اور شہرت و دولت کی حرص کم ہوئی ہے؟ اور ہمیں پتہ چلا ہے کہ چھوٹا اور گمنام بن کر رہنے میں عافیت ہے؟

۱۴) کیا ہمارے فخر و غرور میں کوئی کمی آئی ہے؟ ہم نے اپنی اصلیت پہچانی ہے؟ ہم میں وہ انکسار پیدا ہوا ہے جو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کو پسند ہے؟

۱۵) کیا ہمارے دلوں میں اپنے متعلقین کی زیادتیوں کے شکوے کم ہوئے ہیں؟ کیا ہم نے ان کی زیادتیوں کے ساتھ ساتھ اپنی زیادتیاں بھی دیکھنی شروع کر دی ہیں؟

اب اگر ہم میں یہ تبدیلیاں آگئی ہیں یا ان کا کچھ حصہ بھی نظر آ رہا ہے تو پھر اُس مالک کا کروڑ کروڑ بار شکر جس نے پہلی خطائیں بھی مٹائیں اور آگے بھی نیک توفیق عطا فرمائی!

اور اگر ہم ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے' تو پھر اے دل تجھ پر تف ہے کہ جس خانۂ پاک کی طرف لوگ دور سے منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہے مگر پھر بھی تجھ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی!

وہ جو تُو نے شیطان کو پوری ستر کنکریاں ماری تھیں اور بار بار عہد کیا تھا کہ اب اس کی بات نہیں مانوں گا' تیرا وہ عہد کیا ہوا؟

کیا تو نے اللہ پاک کے گھر کے گرد والہانہ چکر نہیں لگائے تھے؟ روضۂ رسول ﷺ کے آگے

کھڑے ہو کر درود و سلام نہیں پڑھا تھا؟ عرفات کے میدان میں تضرع و زاری نہیں کی تھی؟ "میں حاضر ہوں' اے اللہ میں حاضر ہوں" کی صدائیں نہیں لگائی تھیں؟

کیا تیرے رؤف و رحیم خالق نے تجھے مسجد نبویؐ کی ایک ایک نماز کے بدلے ایک ایک ہزار نماز اور مسجد حرام کی ایک ایک نماز کے بدلے ایک ایک لاکھ نماز کا ثواب عطا نہیں کیا تھا؟ ایسے پکے عہد کرنے کے بعد' ایسے متبرک مقامات کی زیارت سے سرفراز ہو چکنے کے بعد اور ایسے ایسے انعامات پالینے کے بعد آخر تو ویسے کا ویسا کیسے رہ گیا جیسا پہلے تھا؟ کیا تو صرف اس لئے گیا تھا کہ گزشتہ گناہوں کو معاف کروا لے؟ آئندہ کے لئے گناہوں کے آگے بند باندھنے کی توفیق اور طاقت حاصل کرنا تیرا مقصود نہ تھا؟

یاد رکھ کہ ایک عام متوسط درجے کی حیثیت کا مالک مسلمان زندگی میں صرف ایک دفعہ یہ سعادت حاصل کرتا ہے۔ اس بات کا امکان بہت کم ہوتا ہے کہ یہ سعادت اسے دوبارہ حاصل ہو۔ اس لئے اب دوبارہ یہ گٹھڑیاں نہ باندھ' اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ اس بار یہ گٹھڑیاں تیرے ساتھ ہی قبر میں رکھ دی جائیں گی۔

والسلام

بنت الیقین

نائب ناظمہ' حلقہ خواتین' کراچی

بقیہ : فکرِ عجم

علامہ اقبال کی مقبولیت اور ایران میں پذیرائی کا آغاز تھا کیونکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بہار مرحوم کے شاگردوں اور پیرو کاروں نے یہ رسم جاری رکھی اور ایران میں فارسی شعر و ادب میں انقلابی مضامین پختہ تر ہوتے چلے گئے اور ساتھ ساتھ اقبال لاہوری کا نامِ نامی ایرانی ذہنوں پر نقش ہوتا چلا گیا' بہار ۱۹۵۱ء میں وفات پا گئے اور پھر اگلے آٹھ دس برس یہ ذمہ داری ایران کے قومی شاعر صادق سرمد مرحوم نے سر انجام دی۔

(جاری ہے)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق

جلد : ۴۸
شمارہ : ۹
جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
ستمبر ۱۹۹۹ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرِ تعاون ۱۰۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقامِ اشاعت : 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیمِ اسلامی : 67۔ اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

سانحہ کارگل کے حوالے سے نواز شریف حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کا انعقاد مسلسل جاری ہے۔ مختلف سیاسی جماعتیں اور اتحاد اس حوالے سے اپنی اپنی سیاسی قوت اور عوامی حمایت کا مظاہرہ بھرپور طور پر کرنے کے لئے ہر ممکن سعی کر رہے ہیں اور ان ریلیوں کے باعث ملکی سیاسی فضا میں اچھی خاصی گرما گرمی پیدا ہو چکی ہے۔ حال ہی میں اسامہ بن لادن اور افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کے خلاف امریکہ کے دھمکی آمیز رویئے کے جواب میں امریکہ کے خلاف جے یو آئی کے مولانا فضل الرحمٰن کے جرأت مندانہ بیان نے فضا میں مزید ہلچل پیدا کر دی ہے اور ملک کے اکثر مذہبی طبقات نے ان کے بیان کو اپنے جذبات کی ترجمانی قرار دیتے ہوئے ان کی بھرپور تائید کی ہے۔ اس بیان کے نتیجے میں مولانا کا سیاسی گراف جو اس سے قبل تشویشناک حد تک نیچے گر چکا تھا اچانک بلندیوں کو چھونے لگا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی امریکہ کے خلاف احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کے بھرپور اور کامیاب انعقاد کا آغاز کر دیا ہے۔ جن میں مولانا اور دیگر مقررین کے تیز و تند خطابات کا اصل ہدف اگرچہ امریکہ ہی ہوتا ہے تاہم بالواسطہ طور پر نواز شریف حکومت کی مخالفت بھی بجا طور پر ان کے پیش نظر ہوتی ہے۔ جے یو آئی کے تحت ہونے والے مظاہروں اور ریلیوں میں شرکاء کی بڑی تعداد علماء کرام اور دینی مدارس کے طلبہ پر مشتمل ہوتی ہے ـــــ گویا اگر یہ کہا جائے کہ مسلم لیگ کی حکومتی پارٹی کو چھوڑ کر ملک کی دیگر تمام سیاسی جماعتیں اور پاکستان کے مذہبی طبقے کی ایک بڑی اکثریت اپنے اپنے رنگ میں "گو نواز گو" کا راگ الاپ رہی ہے تو یہ غلط نہ ہو گا۔

اس تمام سیاسی گرما گرمی کے باوجود حکومت مخالف احتجاجی ریلیاں تاحال ایک بڑے "ریلے" کی صورت اختیار نہیں کر سکیں اور بادی النظر میں نواز حکومت بدستور مضبوط اور مستحکم نظر آتی ہے۔ بعض سیاسی رہنماؤں کے بیانات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ابھی تک اس ضمن میں ان "نادیدہ قوتوں" کی طرف سے "گرین سگنل" نہیں مل سکا جو پاکستان میں بچھی ہوئی اقتدار کی بساط پر سجے ہوئے مہروں کو تبدیل کرنے میں فیصلہ کن رول پلے کرتی ہیں۔ ان نادیدہ قوتوں کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے باوجود ان کا نام زبان پر لانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ تاہم "جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے 'باغ تو سارا جانے ہے" کے مصداق سب جانتے ہیں کہ ان میں پاکستان کے واحد سب سے بڑے اور مضبوط ادارے کے ساتھ ساتھ چچا سام کا نام بھی آتا ہے جن کی خوشنودی حاصل کرنے اور جن کے ساتھ وفاداری کا دم بھرنے میں ملک کی دونوں بڑی سیکولر جماعتیں ایک

دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے بے چین اور مضطرب رہتی ہیں۔ ہماری ان سیاسی جماعتوں نے چچا سام کو "العروۃ الوثقیٰ" کی حیثیت دی ہوئی ہے ' چنانچہ جس حکمران پارٹی کا یہ کھونٹا مضبوط ہو وہ احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ چند روز قبل میاں نواز شریف کا ایک بیان قومی اخبارات نے شہ سرخی کے طور پر شائع کیا تھا "ہمیں کوئی گھر نہیں بھیج سکتا"۔ بعد میں ان کے ایک ترجمان کی طرف سے اس کی تردید بھی شائع ہوئی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اصل بات کیا تھی ' تاہم ان کی جانب سے تردید کا آنا یا اپنے بیان سے رجوع کر لینا یقیناً خوش آئند ہے۔

بہرکیف پاکستان میں اقتدار کے کھیل کے سابقہ تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر مذکورہ "گرین سگنل" ملنے کے بعد مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتون کی یہ ریلیاں مل جل کر ایک بڑے ریلے کی صورت اختیار کر لیں تو بڑی سے بڑی مضبوط حکومت بھی یہاں ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہے ــــــ تاہم محض کسی حکومت کو گرانا مسئلہ کا حل بہر طور نہیں ہے۔ حکومت کو گرانے کے بعد اگلا مرحلہ کیا ہو گا؟ ــــــ سیاسی دھینگا مشتی اور افراتفری کا کیا عالم ہو گا؟ اس کے بعد مارشل لاء آئے گا یا معین قریشی کی طرز پر کوئی وزیر اعظم ہمارے لئے امریکہ سے درآمد کیا جائے گا؟ ــــــ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس بارے میں نہ کوئی غور و فکر کیا گیا ہے ' نہ پیش بینی اور منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ سیکولر سیاسی جماعتوں کے معاملے کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہم دینی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے جن میں نمایاں ترین قاضی حسین احمد اور ڈاکٹر طاہر القادری ہیں ' یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ وہ کس بنیاد پر اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ حکومت کو گرانے کے بعد اقتدار دینی جماعتوں کے ہاتھ ہی میں آئے گا اور موجودہ دینی سیاسی طاقتوں کو اقتدار و اختیار ملتے ہی ملک کو درپیش تمام مسائل یکلخت حل ہو جائیں گے ــــــ پاکستان کی گزشتہ ۵۲ سالہ تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ سیکولر اور مذہبی جماعتوں نے مل جل کر تحریک چلا کر کسی حکومت کی ٹانگ گھسیٹی ' لیکن کیا کبھی ایسی کسی تحریک کے نتیجے میں مذہبی قوتوں کو آج تک اقتدار حاصل ہو سکا؟ ــــــ اور کیا اقتدار کا مطالبہ کرنے والی یہ دینی جماعتیں اور ان کے قائد جو پورے ملک میں اسلام کو غالب و نافذ کرنے کا عزم رکھتے ہیں ' اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کے ارکان اور پیرو کار خود اپنے وجود پر اور اپنے گھروں میں حقیقی اسلام کو نافذ و قائم کر چکے ہیں؟؟؟ ــــــ کون نہیں جانتا کہ اس اعتبار سے ہماری دینی جماعتوں کا معاملہ نہایت کمزور ہی نہیں تشویشناک اور انتہائی سنگین بھی ہے۔ جان لینا چاہئے کہ اسلامی انقلاب کے نبوی منہاج کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا اس میں وقت ' پیسے اور صلاحیتوں کے ضیاع کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا!○○

عظمتِ مُصطفیٰ ﷺ

- امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ایک فکر انگیز خطاب
بمقام فور سیزنز ہال' یکم جولائی ۹۹ء

خطبہ مسنونہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کی :

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ (التوبہ ۳۳' الفتح ۲۸' الصف ۹)

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ﴾ (سبا ۲۸)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا : معزز حاضرین! آپ کو معلوم ہے میرا آج کا موضوع "عظمتِ مصطفیٰ ﷺ" ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے مجھے یہ تمہیدی بات آپ کے گوش گزار کرنی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کی عظمت کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک تو آپؐ کا مقام و مرتبہ اور آپؐ کی عظمت بحیثیت نبی ہے اور ایک آپؐ کی عظمت اور آپؐ کا مقامِ رفیع و بلند بحیثیتِ انسان ہے۔ پھر انسان کی حیثیت سے بھی ایک پہلو روحانیات کا ہے' یعنی آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ روحانی اعتبار سے اور دوسرا پہلو عام انسانی معاملات کا ہے' جن میں سے انسان اپنی زندگی کے دوران لامحالہ گزرتا ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس دنیا میں کام کرتا ہے۔ عظمتِ محمدیؐ کے یہ جو مختلف پہلو ہیں' ان میں بعض پہلوؤں کے اعتبار سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آپ ﷺ کی عظمت کا بیان تو درکنار اس کا ادراک و شعور اور فہم بھی ہمارے لئے ناممکنات میں سے ہے۔ سادہ سی مثال ہے کہ ایک معالج' ڈاکٹر یا حکیم کا اپنے فن میں کیا مقام و مرتبہ ہے' ظاہر ہے اسے صرف کوئی ڈاکٹر' حکیم یا معالج ہی جان سکتا ہے۔ اسی طرح ایک انجینئر کا اپنے فن میں کیا مقام و مرتبہ ہے' ظاہر ہے اس سے کوئی انجینئر ہی واقف ہو سکتا ہے ـــــ لہٰذا ایک نبی کی حیثیت سے

نبی اکرم ﷺ کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ یہ صرف کسی نبی ہی کے لئے ممکن ہے کہ اس کا اندازہ کر سکے، کسی غیر نبی کے لئے یہ محالِ عقلی ہے۔ مزید بر آں کسی انسان کا کسی ادارے یا فرم میں کیا مقام و مرتبہ ہے اس کا صحیح تعین وہی شخص کر سکتا ہے جو اس ادارے میں اس سے بالاتر ہو، اس لئے کہ نیچے والا تو اُوپر کی طرف صرف دیکھے گا، اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے سے بلند تر مقام کے حامل شخص کا اصل مقام و مرتبہ معین کر سکے۔ ظاہر بات ہے نبی اکرم ﷺ سے بالاتر مقام کسی نبی کا نہیں، لہٰذا کسی نبی کے لئے بھی یہ محالِ عقلی ہے کہ حضورؐ کے اصل مقام و مرتبہ کو سمجھ سکے، کجا یہ کہ کوئی عام انسان اور غیر نبی حضورؐ کے مقام کا تعین کرے۔ اسی طرح روحانی اعتبار سے حضورؐ کا مقام کیا ہے؟ ظاہر بات ہے ہم جیسے لوگوں کے لئے اس کا ادراک و شعور ممکن نہیں۔

بعض اعتبارات سے خود حضور ﷺ نے اسے واضح کیا ہے کہ یہ تمہارے لئے ناممکن ہے کہ تم اِن مقامات کو سمجھ سکو!۔ مثال کے طور پر حضور ﷺ صومِ وصال رکھتے تھے۔ صومِ وصال یہ ہے کہ آج روزہ رکھا اور شام کو افطار نہیں کیا اور وہی روزہ رات سے گزر کر اگلے دن تک چلا، اور اگر اگلے دن شام کو افطار کیا گیا تو یہ دو دن کا صومِ وصال ہوا، اور اگر یہی روزہ تیسرے دن تک چلا تو وہ تین دن کا صومِ وصال ہو گا۔ نبی اکرم ﷺ خود صومِ وصال رکھتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو یہ روزہ رکھنے سے روکے رکھا۔ اس پر کسی صحابیؓ نے سوال کر لیا تو آپؐ نے فرمایا ((اَیُّکُمْ مِثْلِیْ)) "تم میں سے کون ہے جو میرے مانند ہو؟" ((اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ)) "میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں" ((ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِیْ)) "وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے"۔ ہمارے لئے کس طرح ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی اس شب بسری کا تصور کر سکیں جو اللہ کے ہاں ہوتی تھی، اس کی نوعیت اور اس کی کیفیت کیا تھی! وہ کھلانا اور پلانا کس نوعیت کا تھا! معلوم ہوا کہ یہ چیز ہمارے دائرے سے خارج ہے۔ میں سمجھتا ہوں بڑے سے بڑے صوفی اور بڑے سے بڑے ولی اللہ کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ حضورؐ کے روحانی مقام کا پورا پورا ادراک کر سکے۔

ان دونوں پہلوؤں سے جب ہماری عقلیں، ہمارا فہم اور شعور و ادراک عاجز ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اس کو بیان کرنے کی کوشش کرنا بھی بہت بڑی خطا ہے۔ یہ

بڑی خطا کس اعتبار سے ہے؟ ایک سادہ سی مثال سے بات سمجھ میں آجائے گی۔ کسی دیہاتی کی کوئی مشکل تھی جسے کسی شہری بابو نے حل کر دیا' وہ شہری شخص ڈپٹی کمشنر تھا' لیکن اس دیہاتی نے اسے دعا دی کہ خدا تجھے پٹواری بنائے۔ اس لئے کہ اس دیہاتی کے نزدیک تو سب سے بڑا عہدہ اور سب سے زیادہ صاحب اختیار ہستی پٹواری کی تھی' کیونکہ ان کی ذرا سی جنبشِ قلم سے زمین کسی اور کے نام ہو جاتی ہے اور اسی کی قلم کی جنبش سے مالیانہ معاف ہو جاتا ہے۔ اس کاشتکار اور دیہاتی سے متعلق سارے اختیارات تو پٹواری کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اسے کیا معلوم کہ پٹواری سے لے کر ڈپٹی کمشنر تک کتنے عہدے درمیان میں ہیں اور وہ شخص کس بلند مقام پر فائز ہے جسے وہ دیہاتی پٹواری بننے کی دعا دے رہا ہے۔ چنانچہ اگر ہم حضور ﷺ کے مقاماتِ عالیہ کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے تو شدید خطرہ ہے کہ ہم حضورؐ کی توہین کے مرتکب ہو جائیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کے مقام کا کماحقہ بیان ممکن نہیں۔ اور جب کماحقہ بیان ممکن نہیں ہے تو ہم اپنے تصور کے مطابق بیان کریں گے' جو حضور ﷺ کے اصل مقام و مرتبہ سے بہت کمتر ہو گا۔ اور اسی کا نام توہین ہے۔ شیخ سعدیؒ نے نہایت سادگی کے ساتھ اس ساری بحث کو دو اشعار میں سمو دیا ہے ؎

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سَيِّدَ البَشر
مِن وَجْهِكَ الْمُنِير لَقَدْ نُوِّرَ القَمر
لا يمكن الثّناء كما كان حَقُّه
بعد از خدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر

حضور ﷺ کی ثناء کا جتنا حق ہے وہ ہمارے لئے ممکن ہی نہیں ہے' لہٰذا "لا یمکن الثناء کما کان حقّہ" ہمیں بس یہ کہہ کر اس بات کے دامن میں پناہ لینی ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر"۔ اللہ کے بعد آپ ہی کی ہستی عظیم ترین و بلند ترین ہے' ہم اسے کس طرح اور کیا بیان کریں؟ ہمارا تصور بلکہ ہمارا تخیل بھی سرنگوں ہے کہ وہ اس بلند و رفیع مقام کا ادراک اور شعور کر سکے۔ اسی بات کو نہایت خوبصورت انداز میں غالب نے بایں طور پر بیان کیا ہے ؎

غالب ثنائے خواجہ بیزدان گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است!

کہ ہم نے آنحضور ﷺ کی ثنا و حمد کو خدا (یزداں) کے حوالے کر دیا ہے۔ ہم اس کی کوشش ہی نہیں کرتے' اسی لئے کہ وہی ذاتِ پاک ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اصل مقام و مرتبہ سے واقف ہے۔

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے قابلِ ادراک پہلو

میں نے دو اعتبارات سے آنحضور ﷺ کی عظمت اور آپؐ کے مقام و مرتبہ کو اپنے بیان کے دائرے سے بلند و بالا' برتر' اعلیٰ و ارفع اور اس اعتبار سے خارج قرار دیا ہے۔ البتہ ہماری سمجھ میں حضورؐ ﷺ کی عظمت کا جو پہلو آ سکتا ہے وہ ہے آپؐ کی عظمت بحیثیتِ "انسان"۔ لیکن اگر اس کا بھی تجزیہ کریں گے تو بحیثیتِ انسان بھی آپؐ کی عظمت کے بے شمار پہلو ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کی حیثیت اور آپؐ کا مرتبہ و مقام بحیثیت ایک سپہ سالار کیا تھا۔ بڑے بڑے فوجی جرنیلوں سے پوچھئے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے مختلف غزوات میں جو جنگی حکمت عملی اختیار فرمائی اس میں آپؐ نے کس مہارت کا ثبوت دیا' حالانکہ جنگِ بدر سے پہلے آپؐ نے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ جنگِ بدر سے پہلے آپ ﷺ نے صرف چند مہمات میں شرکت کی' باضابطہ جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی' لیکن دنیا دنگ ہے کہ جنگ کی مہارت اور اس کی حکمت عملی کو مرتب و معین کرنے میں آپؐ نے کس درجے صلاحیت و قابلیت کا ثبوت دیا۔ پھر کسی سے صلح کرنی ہوتی تو صلح کی گفت و شنید (negotiation) میں آپؐ نے کس مہارت' کیسی واقفیت اور کیسی اہلیت کا مظاہرہ فرمایا۔ صلح حدیبیہ ہو' میثاقِ مدینہ ہو' یا اس سے بھی پہلے یثرب کے مختلف طبقات کو آپس میں جمع کرنے کے لئے آپؐ نے جو معاہدہ فرمایا' اِن معاہدات کا مطالعہ کیجئے' عقلیں دنگ رہ جائیں گی۔

ایک قاضی القضاۃ کی حیثیت سے آپ ﷺ کا مقام کیا ہے؟ آج بھی اس دنیا میں "قضا" (Judiciary) کے سلسلے میں جس قدر اصول اختیار کئے گئے ہیں وہ سب کے سب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ ہیں' مثلاً کسی بھی مقدمے میں ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کیا جائے جب تک کہ فریق ثانی کو بھی سن نہ لیا جائے۔ یہ اصول آپؐ کا بیان کردہ ہے۔ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا' الزام لگانے والے کو نہیں۔ یہ فیصلہ محمدؐ رسول اللہ

ﷺ کا ہے۔ اسی طرح یہ اصول آپ ﷺ ہی نے بنایا ہے کہ سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن کسی بے گناہ کو سزا نہ ملے۔ عالمی سطح پر ہمارا پورا عدالتی نظام انہی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے ہاں کرپشن نے بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ ہماری خیانتیں' بدعنوانیاں' جانبداریاں' ہمارا بک جانا اور سیاسی لوگوں کا آلۂ کار بن جانا وغیرہ' یہ چیزیں ہیں جنہوں نے عدلیہ کا بیڑہ غرق کیا ہوا ہے' لیکن جہاں تک اصولوں کا تعلق ہے یہ اصول تو محمد عربی ﷺ کے عطا کردہ ہیں۔

اس سے ذرا نیچے اتریئے۔ حضور ﷺ کا بحیثیتِ باپ کردار کیا تھا؟ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھئے۔ حضور ﷺ کا بحیثیت شوہر کردار کیا تھا اور آپ کی کیا عظمت تھی؟ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا' حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھئے۔ پھر یہ کہ ایک داماد ہونے کے اعتبار سے آپ کا کیا کردار تھا؟ یہ حضرت عمر و ابوبکر رضی اللہ عنہما سے پوچھئے۔ گویا کہ جتنے انسانی علائق ہو سکتے ہیں اُن کے اعتبار سے آپ کی شخصیت کی عظمت اور کردار کی بلندی ہماری سمجھ میں آ سکتی ہے۔

عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعیٔ انقلاب

اسی طرح ایک داعی کی حیثیت سے آپ کا کیا مقام ہے؟ ایک مربّی کی حیثیت سے آپ کا کیا مقام ہے؟ ایک معلم کی حیثیت سے آپ کا کیا مقام ہے؟ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہماری سمجھ میں آ سکتی ہیں اور ہم ان کا کچھ نہ کچھ ادراک و شعور کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تمام حیثیتوں یعنی داعی' مربی' مزکی کو میں ایک لفظ میں جمع کرنا چاہتا ہوں' یعنی ایک انقلاب کے داعی اور انقلابِ عظیم کے برپا کرنے والے کی حیثیت سے آپ کا مقام کیا ہے؟۔ گویا کہ ہم جن پہلوؤں سے حضور ﷺ کی عظمت کو سمجھ سکتے ہیں ان میں سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے جو تبدیلی برپا کی یا اصطلاحاً جو عظیم انقلاب برپا کیا' اس انقلاب کا مطالعہ کیا جائے' اس کا حاصل اور اس کے نتائج مرتب کئے جائیں' اس کے لئے جو جِدّ و جُہد ہوئی اس کے بارے میں غور کیا جائے تو واقعتاً حضور ﷺ کی اصل عظمت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ چنانچہ یہ ہے آپ کی عظمت کا وہ پہلو جس کا اقرار پوری دنیا نے کیا اور جس کی گواہی پوری دنیا نے دی۔

غیر مسلموں کا اعتراف اور شہادت

واقعہ یہ ہے کہ بیسویں صدی اس اعتبار سے نمایاں ترین صدی ہے کہ سابقہ صدیوں کے دوران حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک سے جو تعصب غیر مسلموں کو تھا وہ رفتہ رفتہ اس صدی کے دوران ختم ہوا ہے اور اس صدی کے دوران آپؐ کی عظمت کا اس پہلو سے اعتراف اور اقرار تدریجاً پوری دنیا میں ہوا ہے۔ اس صدی کے بالکل آغاز میں اسی شہر لاہور میں ایم این رائے نے ۱۹۲۰ء میں "بریڈلا ہال" میں (جواب شاید کھنڈرات کی صورت اختیار کر گیا ہوگا یا وہاں کوئی اور چیز تعمیر ہو چکی ہوگی) ایک لیکچر دیا تھا جس کا موضوع "The Historical role of Islam" تھا۔ یہ کتاب اب بھی ہندوستان میں طبع ہوتی ہے، جسے بمبئی کا ایک ناشر شائع کرتا ہے، میں نے حیدر آباد دکن میں اس کا نسخہ دیکھا ہے، لیکن پاکستان میں کہیں دستیاب نہیں ہے۔ ایم این رائے کون تھا؟ یہ "کمیونسٹ انٹرنیشنل" کا ممبر تھا۔ روس میں ۱۹۱۷ء میں اشتراکی انقلاب آیا اور اس کے بعد پوری دنیا میں اس کا بڑا چرچا ہوا۔ اس کے بعد عالمی سطح پر کمیونزم کی جو تنظیم قائم ہوئی وہ "کمیونسٹ انٹرنیشنل" کہلاتی تھی۔ دنیا کے چوٹی کے انقلابی لوگ اس کے ممبر تھے۔ ایم این رائے ہندوستان کی جانب سے اس کا رکن تھا جو کہ بہت بڑا انقلابی تھا، لیکن وہ "Historical role of Islam" میں صاف صاف کہتا ہے اور بڑی تفصیل سے کہتا ہے کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ تھا جو محمد عربی (ﷺ) نے برپا کیا تھا۔ حضورؐ کے جانشینوں اور جاں نثاروں نے جس سرعت کے ساتھ فتوحات حاصل کیں اور عراق، شام، ایران، مصر جس تیزی کے ساتھ فتح کئے، اگرچہ اس تیزی کے ساتھ تاریخ انسانی میں فتوحات پہلے بھی ہوئی ہیں، ریکارڈ پر ہے کہ سکندرِ اعظم مقدونیہ سے چلا تھا اور دریائے بیاس تک پہنچا اور وہ جس تیزی کے ساتھ علاقے فتح کرتے ہوئے آیا وہ اپنی جگہ بہت بڑی مثال ہے۔ وہ تو مغرب سے مشرق کی طرف آیا تھا جبکہ اٹیلا مشرق سے مغرب کی طرف گیا تھا۔ چین کے شمال میں صحرائے گوبی سے نکل کر وہ ڈینوب کی وادی تک جا پہنچا تھا۔ لیکن ایم این رائے کہتا ہے کہ ان فاتحین کی فتوحات محض ہوسِ ملک گیری کا شاخسانہ تھیں۔ اس نے انہیں "brute military campaigns" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے نتیجے میں کوئی نئی تہذیب یا کوئی نیا تمدن وجود میں نہیں آیا، دنیا میں کوئی روشنی نہیں پھیلی،

کوئی علم کا فروغ نہیں ہوا۔ جبکہ محمد عربی ﷺ اور آپ کے جانشینوں کے ذریعے سے شرقاً غرباً جو فتوحات بڑی تیزی کے ساتھ ہوئیں ہیں ان کے نتیجے میں ایک نیا تمدن' نئی تہذیب' علم کی روشنی اور انسانی اقدار کا فروغ وجود میں آیا۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو ہر طرح کی زیادتیوں سے پاک تھا۔ اس میں سیاسی جبر نہیں تھا' اس میں معاشی استحصال نہیں تھا' اس میں کوئی سماجی فرق و تفاوت نہیں تھا۔ جیسے کہ علامہ اقبال نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا ہے ؎

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

دنیا میں اور بھی بڑے بڑے لوگ رہے ہیں جو سالہا سال تک پہاڑوں کی غاروں کے اندر تپسیائیں کرتے رہے ہیں' لیکن محمد عربی ﷺ نے غارِ حرا میں چند روز کے لئے جو خلوت گزینی اختیار کی تھی وہ اس قدر productive اور نتیجہ خیز تھی کہ اس سے ایک نئی قوم' نیا تمدن' نیا آئین اور حکومت وجود میں آگئی۔ یہ ہے آنحضور ﷺ کی وہ عظمت کہ جس کا اظہار ایم این رائے نے اس صدی کے رُبع اوّل کے آخری سالوں میں کیا' جو مسلمان نہیں' ہندو کمیونسٹ تھا۔

دوسری طرف اس صدی کے رُبع آخر کے ابتدائی سالوں میں امریکہ میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کی کتاب "The Hundred" ۱۹۸۰ء میں منظرِ عام پر آئی' جس میں اس نے پوری معلوم تاریخ انسانی کا جائزہ لیا ہے کہ تاریخ کے سفر کے دوران کن کن شخصیات نے اس تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا ہے۔ اس نے ایسے سو افراد کو چُن کر اُن پر کتاب لکھی ہے اور ان کے اندر بھی درجہ بندی (Gradation) کی ہے کہ کس شخصیت نے سب سے زیادہ تاریخ کے دھارے کو متاثر کیا ہے اور سب سے زیادہ گھمبیر انداز میں اسے موڑا ہے۔ چنانچہ اُس نے حضرت محمد ﷺ کو اس درجہ بندی میں سب سے اُوپر رکھا ہے۔ اس کتاب کا مصنف تاحال عیسائی ہے اور ابھی زندہ ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرے نمبر پر لایا ہے جبکہ نیوٹن کو دوسرے نمبر پر لایا ہے۔ نیوٹن کی فزکس نے جس طرح سے تاریخ انسانی کو متاثر کیا ہے اس میں واقعتاً کوئی شک نہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے پورے explosion کا نقطۂ آغاز نیوٹن ہے۔ شخصیات کے انتخاب اور

درجہ بندی میں مؤلف نے کوئی مذہبی پہلو مد نظر نہیں رکھا' نہ ہی اپنے عقائد کو پیش نظر رکھا ہے' بلکہ اس کا موضوع ہی یہ ہے کہ تاریخ انسانی کے دھارے کے رخ کو موڑنے والی کون کون سی شخصیات ہیں۔ ان شخصیات میں نمبر ایک پر محمدؐ رسول اللہ ﷺ' نمبر دو پر نیوٹن اور نمبر تین پر حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔ مسلمانوں میں سے اس نے ایک اور شخصیت کو اِن سو کی فہرست میں شمار کیا ہے اور وہ ہیں ٹھیک باون ویں نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے' بلکہ اس نے خود سوال اٹھایا ہے کہ میں ایک عیسائی ہوں اور عیسائی ہوتے ہوئے محمدؐ (ﷺ) کو میں نمبر ایک پر کس اعتبار سے رکھ رہا ہوں؟ اس کا جواب وہ خود دیتا ہے :

> *'This is because he is the only person supremely successful in both the religious and the secular fields'*

یہ بہت گمبھیر اور معانی خیز جملہ ہے۔ لیکن اسے سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ہو گا کہ اس وقت کی عالمی فضا میں انسانی زندگی کو دو جداگانہ گوشوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک مذہب کا گوشہ ہے' اس کا تعلق اجتماعیات سے نہیں ہے' بلکہ صرف افراد سے ہے کہ ہر فرد کو اجازت ہے کہ جس کو چاہے مانے' جس پر چاہے یقین رکھے' ایک خدا کو مانے' سو کو مانے' کسی کو نہ مانے' فرد کو اس کی پوری آزادی حاصل ہے' جسے چاہے پوجے' پتھروں کو پوجے' درختوں کو پوجے' ستاروں کو پوجے' چاند کو پوجے' یہاں تک کہ اعضاءِ تناسل کو پوجے' ٹھیک ہے اسے اجازت ہے۔ لیکن یہ معاملہ انفرادی ہے۔ اس میں مراسم عبودیت (rituals) کے علاوہ کچھ سماجی رسومات (Social customs) کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً بچے کی پیدائش ہوئی ہے تو اس کی خوشی کیسے منائیں' کوئی فوت ہو گیا ہے تو اس کی میت کو کیسے ٹھکانے لگائیں؟ جلائیں' دفن کریں یا کہیں رکھ دیں کہ چیل اور کوے کھا جائیں' وغیرہ۔ اس کی بھی ہر شخص کو آزادی ہے۔ لیکن یہ تینوں چیزیں عقیدہ (dogma)' مراسم عبودیت (rituals) اور سماجی رسوم (Social customs) انفرادی زندگی سے متعلق ہیں ـــــ دوسری طرف معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام کا تعلق زندگی کے سیکولر میدان سے سمجھا جاتا ہے جس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر تو لوگ خود غور کریں گے' ان کے نمائندے بیٹھیں گے اور طے کریں گے' اور وہ

بیٹھ کر اکثریت سے جو طے کریں وہی سماجی اقدار فروغ پا جائیں گی۔ جو بھی اکثریت سے طے کرلیں کہ یہ سماجی برائیاں ہیں ان کا وہ قلع قمع کریں گے۔ اگر وہ شراب کی اجازت دینا چاہیں تو دیں اور اگر شراب پر پابندی لگانا چاہیں تو پابندی لگائیں۔ زنا کو قابلِ دست اندازیٔ پولیس جرم قرار دینا چاہیں گے تو دے دیں گے' اگر زنا بالرضا ہے تو اس میں کوئی جرم والی بات ہی نہیں۔ اگر اس میں کسی شوہر کا حق مارا گیا ہو تو وہ جائے اور سِول مقدمہ دائر کردے۔ اسی طرح اگر چاہیں گے تو دو مردوں کی شادی کو بھی قانونی حیثیت دے دیں گے کہ ٹھیک ہے ایک شخص ملکی قانون میں شوہر کی حیثیت اور دوسرا شخص بیوی کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا سماجی' معاشی یا سیاسی معاملات میں سے کسی کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ secular field of life ہے۔

اب نوٹ کیجئے کہ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کا یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں جتنی عظیم شخصیات ہیں وہ اگر ایک پہلو سے بلندی کی حامل ہیں تو دوسری طرف ان کا سرے سے کوئی مقام نہیں' ممکن ہے وہ کسی معاملے میں صفر ہوں' بلکہ شاید ان کے لئے کوئی minus value معین کی جائے۔ مثلاً مشرق میں گوتم بدھ اور مغرب میں حضرت مسیح علیہ السلام' دونوں کی مذہب اور روحانیت کے میدان میں اور پیرو کاروں کی تعداد کے اعتبار سے کتنی عظمت ہے' لیکن ریاست' سیاست اور معاملاتِ ملکی میں ان کا کوئی مقام اور کوئی حصہ نہیں' اس میں وہ دونوں صفر تھے۔ اسی طرح دوسری طرف اٹیلا ہو' سکندر اعظم ہو یا اور بہت بڑے بڑے حکمران جو دنیا میں گزرے ہیں' یہ سیکولر میدان میں تو بہت بلندی پر ہیں لیکن مذہبی میدان میں اس درجے پستی کا شکار ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ صفر سے بھی کام نہ چلے بلکہ منفی (minus) ویلیو لانی پڑے۔ سکندر اعظم کے لئے لازماً کوئی نہ کوئی منفی (minus) ویلیو لانی پڑے گی۔ مائیکل ہارٹ کا کہنا یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف اور صرف ایک ہی انسان (The only person) ہے جو دونوں میدانوں میں انتہائی بلندی پر ہے۔

He is the only person supremely successful in both the religious and secular field.

یعنی اور کوئی ہے ہی نہیں' اس کا تقابل کیا ہو گا؟

یہ میں نے آپ کو صدی کے اُس سرے اور اِس سرے سے دو مثالیں دی ہیں۔

اب ذرا صدی کے درمیان سے بھی مثال دے دوں۔ H.G.Wells برطانوی سائنٹیفک فکشن رائٹر کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے بڑے اچھے اچھے ناول اور کہانیاں لکھیں جن میں اس نے یہ reflect کیا کہ سائنس کدھر جا رہی ہے۔ سائنس کی جو ایجادات اور جو اکتشافات ابھی ہونے تھے ان کو پہلے سے visualise کر کے ان پر اس نے اپنی کہانیوں اور ناول کے بنیادی خاکے اور پلاٹس کو مبنی کیا۔ لہٰذا وہ Scientific fiction کے اعتبار سے مشہور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے تاریخ عالم پر دو کتابیں "Short History of the World" اور "Concise History of the World" لکھیں۔ مؤخر الذکر کتاب زیادہ ضخیم ہے اور اس میں آنحضور ﷺ پر جو باب ہے اس میں اس نے (میں اپنے دل پر جبر کر کے آپ کو بتا رہا ہوں کہ) ابتداء میں حضور ﷺ کی ذاتی' نجی اور خانگی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں۔ یوں سمجھئے جیسے دو ملعون نام نہاد مسلمانوں' انگلینڈ میں سلمان رشدی اور بنگلہ دیش میں تسلیمہ نسرین نے' آنحضور ﷺ کی شخصیت پر جس قدر چھینٹے اڑائے ہیں اسی طرح کے چھینٹے H.G.Wells نے حضور ﷺ کی ذات مبارکہ پر خصوصاً خانگی زندگی کے حوالے سے اڑائے ہیں' لیکن جب وہ اس باب کے آخیر میں پہنچتا ہے اور خطبہ حجۃ الوداع کا ذکر کرتا ہے تو آنحضور ﷺ کی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر خراج تحسین ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ آپؐ کے الفاظ نقل کرتا ہے :

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَّلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى' كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ))

"لوگو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں! اسی طرح کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں! کسی سرخ و سفید رنگ والے شخص کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور اسی طرح کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں! فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے' تم سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے"۔

ان جملوں کا وہ باقاعدہ حوالہ دیتا ہے اور پھر لکھتا ہے :

"Although the sermons of human freedom, fraternity and equality were said before. We find a lot of these sermons in Jesus of Nazareth, but it must be admitted that it was Mohammad who for the first time in history established a society based on these principles"

"اگرچہ انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت سے کہے گئے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بارے میں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت سے مواعظ حسنہ ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ صرف محمدؐ عربی (ﷺ) تھے جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ بالفعل ایک باضابطہ معاشرہ انہی اصولوں پر قائم کر کے دکھایا"۔

آپ اندازہ کیجئے کہ یہ دشمن کا خراج تحسین ہے جو کہ معتقد نہیں ہے۔ میں نے اسی لئے جبر کر کے بتایا ہے کہ وہ شخص اتنی بڑی حماقت کا مظاہرہ کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ "سمجھ میں نہیں آتا کہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' نقل کفر کفر نباشد) محمدؐ جیسے گھٹیا آدمی کے گرد خدیجہ' ابو بکر' عثمان اور عمر جیسے عظیم انسان کیسے جمع ہو گئے"۔ حالانکہ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ اس سوال کا جواب تو تمہیں دینا چاہئے۔ درخت تو اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ تم مخمصے میں ہو جبکہ تمہیں حضرت خدیجہ' ابو بکر' عمر' عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی عظمت کا اعتراف و اقرار ہے پھر بھی تمہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی عظیم شخصیتیں محمدؐ (ﷺ) کے گرد کیسے جمع ہو گئیں۔ آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان لوگوں کے دل و دماغ کے اندر ذاتی طور پر کتنا عناد' بغض اور دشمنی ہے' لیکن اس کے باوجود وہ اس حقیقت کے اعلان و اعتراف پر مجبور ہے کہ محمدؐ عربی ﷺ کے ہاں انسانی حریت واخوت و مساوات کے صرف وعظ ہی نہیں ملتے بلکہ آپؐ نے ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ قائم کر کے دکھایا۔ سچ ہے کہ "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ" یعنی اصل فضیلت تو وہ ہے جس کا اعتراف و اقرار دشمن بھی کریں۔ گویا جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ ظاہر بات ہے جو دوست ہے' عقیدت مند ہے اور محبت کرنے والا ہے' اس کی نگاہ تو محبوب کی کسی خامی کو دیکھ ہی نہیں سکتی' اس کی طرف سے تو گویا وہ نابینا ہو جاتی ہے جبکہ دشمن میں کوئی خیر اور خوبی نظر نہیں آتی' لیکن اگر کوئی دشمن کسی کی فضیلت کا اعتراف کرے تو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہاں البتہ ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ آنحضور ﷺ کی مدح میں H.G.Wells نے

اپنی کتاب میں یہ جملے جو لکھ دیئے تھے انہیں کتاب کے موجودہ مرتبین اور نئے ایڈیٹرز نے حذف کر دیا ہے۔ یہ جملے ان کے حلق سے نیچے نہیں اُتر پائے۔ H.G.Wells کو تو فوت ہوئے بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ اب "Concise History of the World" کا جو نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں وہ جملے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ کڑوی گولی تھی جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر پائی۔ لیکن آپ کو پنجاب پبلک لائبریری یا کسی اور پرانی لائبریری سے یہ پرانے نسخے مل جائیں گے جس میں مذکورہ بالا الفاظ موجود ہیں۔

انقلابِ نبویؐ کا دیگر انقلابات سے تقابل

محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی اصل عظمت جس کو ہم بحیثیتِ انسان سمجھ سکتے ہیں، جس کا لوہا آج پوری دنیا مان رہی ہے اور جس کا انکشاف پورے عالمِ انسانی پر ہو چکا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے ایک عظیم ترین، گھمبیر ترین، جامع ترین اور ہمہ گیر ترین انقلاب برپا کیا اور یہ انقلاب کم از کم وقت میں برپا کیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ اس انقلابی جدوجہد کی ابتداء سے لے کر اختتام تک جتنے مراحل بھی آئے آنحضور ﷺ نے اس کے ہر مرحلے پر قیادت کی ذمہ داری خود ادا فرمائی۔ اس اعتبار سے تقابل کر لیجئے کہ تاریخ انسانی کے دو انقلابات بہت مشہور ہیں۔ انقلابِ فرانس یقیناً ایک بہت بڑا انقلاب تھا، دنیا سے بادشاہت کے خاتمے اور جمہوریت کے دَور کا آغاز اسی انقلابِ فرانس سے ہوا، جو سوا دو سو برس قبل کی بات ہے۔ انقلابِ روس یعنی بالشویک انقلاب بھی یقیناً ایک عظیم انقلاب تھا، جو ۱۹۱۷ء میں آیا۔ اگرچہ ستّر برس کے اندر اندر اس انقلاب کی موت واقع ہو گئی لیکن کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ وجود میں آیا تھا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ پھیلتے ہوئے روس سے لاطینی امریکہ تک جا پہنچا۔ کتنی عظیم توسیع بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ہوئی ہے۔ لیکن ان دونوں انقلابات کا جائزہ لیں تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں:

(۱) دونوں جزوی انقلاب ہیں۔ انقلابِ فرانس میں صرف سیاسی ڈھانچہ بدلا، باقی عقائد، رسومات، سماجی نظام، سماجی اقدار، معاشی نظام اور تمام معاشی ادارے اسی طرح قائم رہے۔ سیاسی نظام کے سوا باقی زندگی جوں کی توں رہی۔ دوسری طرف بالشویک انقلاب کے ذریعے معاشی ڈھانچہ بدل گیا، اس میں انفرادی ملکیت ختم ہو گئی، تمام وسائلِ

پیداوار قومی ملکیت میں آگئے' لیکن مکمل تبدیلی نہیں آئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہاں جیسے پہلے کرسچین موجود تھے اسی طرح بعد میں بھی رہے' جو عقائد پہلے تھے وہی بعد میں رہے۔ سماجی اقدار بھی وہی رہیں۔ سارا نقشہ جوں کا توں رہا' بس معاشی انقلاب آگیا۔ اس کو پس منظر میں رکھ کر دیکھئے محمدِ عربی ﷺ کا لایا ہوا انقلاب کس قدر جامع اور گھمبیر ترین تھا۔ یہاں آپ خوردبین لگا کر دیکھ لیجئے' کیا کوئی ایسی چیز ہے جو سابقہ حالت میں باقی رہ گئی ہو؟ جواب نفی میں ملے گا۔ عقائد و نظریات بدل گئے' شخصیتیں بدل گئیں' اخلاق بدل گئے' ان کے شب و روز کے انداز بدل گئے' صبح و شام بدل گئے' نشست و برخاست کے انداز بدل گئے' پھر یہ کہ سماجی نظام' سیاسی نظام اور معاشی نظام بدل گیا۔ وہ قوم جس میں پڑھے لکھے لوگ بمشکل انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے وہ علوم کے موجد ہو گئے' دنیا کے استاد بن گئے۔ انہوں نے مشرق و مغرب کے علوم ہند و یونان سے لئے اور انہیں ترقی دے کر پورے عالم میں پھیلا دیا۔ آپ ؐ کا انقلاب ہمہ گیر ترین' جامع ترین اور عظیم ترین انقلاب تھا۔ انقلابِ محمدی ؐ کے مقابلے میں انقلابِ روس اور انقلابِ فرانس کی کیا حیثیت ہے؟ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!

(۲) فرانس اور روس کے انقلابات بلکہ دنیا کے دوسرے تمام انقلابات کے اندر یہ چیز قدرِ مشترک ہے کہ فکر دینے والے اور دعوت کا آغاز کرنے والے کچھ اور لوگ تھے' لیکن وہ صرف قلم کار اور مصنفین تھے' وہ مردِ میدان نہیں تھے' چنانچہ وہ انقلاب کی عملی جِدّوجُہد میں سامنے نہیں آئے۔ نہ انہوں نے خود آگے بڑھ کر کوئی انقلابی جماعت بنائی اور نہ آگے بڑھ کر انقلابی جدّوجُہد کی قیادت کی۔ وہ تو صرف people of the desk تھے۔ انقلاب کچھ اور لوگوں کے زیرِ قیادت و زیرِ راہنمائی وجود میں آیا' کیونکہ انقلابی فکر فراہم کرنے والے میدان کے آدمی تھے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب فرانس بڑا خونی انقلاب کہلاتا ہے' کیونکہ قیادت کوئی نہیں تھی' وہ تو ایک فکر تھا جو پھیل گیا اور اس نے لوگوں میں جوش و خروش پیدا کر دیا' اور پھر اچانک وہ لاوا پھٹ پڑا۔ چونکہ کوئی تنظیم نہیں تھی اور کوئی قیادت نہیں تھی لہٰذا انتہائی خونی انقلاب آیا۔ روس میں بالشویک انقلاب کی بنیاد "Das Capital" نامی کتاب بنی' جو کارل مارکس اور اینجلز نے مشترکہ طور پر لکھی۔ اندازہ کیجئے کہ یہ کتاب کتنے ٹھوس دلائل پر مبنی

ہو گی کہ اس نے کس طرح انسانی ذہن کو اپنی گرفت میں لیا اور کس طرح ساری تعبیرات کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کتاب میں پوری حیاتِ انسانی کی خالصتاً مادی تعبیر کی گئی ہے اور مذہب و روحانیات کی بالکل نفی کی گئی ہے' لیکن اس کتاب کے دلائل نے لوگوں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے کر انہیں متحرک کیا کہ لوگ جانیں تک دینے کو تیار ہو گئے اور انقلاب برپا کر دیا۔ اقبال نے یونہی نہیں کہا کہ ؎

"نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب!

تو واقعتاً اس ایک کتاب نے یہ بالشویک انقلاب برپا کیا ہے' جس کے مصنف مارکس اور اینگلز تھے۔ ان دونوں نے اپنی یہ کتاب جرمنی اور لندن میں بیٹھ کر لکھی' لیکن جرمنی اور لندن میں کوئی انقلاب واقع نہیں ہوا۔ پھر یہ دونوں مصنف اپنی زندگی میں اپنی قیادت اور سرکردگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہیں کر سکے۔ انقلاب تو وہاں سے ہزاروں میل دور بالشویک پارٹی کے ذریعے روس میں آیا۔ اور جس طرح انقلابِ ایران سے پہلے خمینی صاحب فرانس میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے اور انہوں نے عین وقت پر آ کر ایران میں ہونے والے ہنگاموں کی قیادت سنبھال لی' اسی طرح عین وقت پر لینن نے آ کر اس تحریک کو ہائی جیک کیا اور انقلاب برپا کر دیا۔

اس تناظر میں دیکھئے کہ محمد عربی ﷺ نے ایک فردِ واحد کی حیثیت سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ آپ ﷺ ہی فکر دینے والے تھے' آپؐ ہی دعوت دینے والے تھے' آپؐ ہی مکے کی گلیوں میں گھوم پھر کر تبلیغ کر رہے تھے ((یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا)) "اے لوگو! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' کوئی الٰہ نہیں' کامیاب ہو جاؤ گے"۔ آپؐ ہی ہیں جو کبھی اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے ان کے سامنے دعوت پیش کر رہے ہیں اور کبھی کوہ صفا پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارتے ہوئے لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور دعوت پیش کرتے ہیں۔ آپؐ ایک فردِ واحد اور داعی کی حیثیت سے سامنے آئے اور کل بائیس برس میں پورے جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب کی تکمیل کر دی اور ہر ہر مرحلے پر اس کی قیادت خود فرمائی۔ وہی گلیوں میں تبلیغ کرنے والے غزوۂ بدر میں کمانڈر ہیں' غزوۂ احد میں وہی سپہ سالار ہیں۔ جیسے کہ میں نے مائیکل ہارٹ کی کتاب کا حوالہ دیا ہے' یہ نقشہ دنیا نے کبھی دیکھا ہی نہیں' اس کی کوئی نظیر یا مثال ہی نہیں۔ کیونکہ گلی کوچوں میں

تبلیغ کرنے والے تو یہی کام کرتے رہ جاتے ہیں' مربی اور مزکی کا اپنا ایک دائرہ ہوتا ہے' جو اُن کے پاس چل کر آئیں' ان کی خانقاہ میں طالب بن کر آئیں تو ان کا کچھ تزکیہ کر دیں گے' کچھ اصلاح ہو جائے گی۔ لیکن یہ منظر چشم فلک نے ایک ہی بار دیکھا ہے کہ ایک فرد واحد فکر دے رہا ہے' وہی دعوت دے رہا ہے اور اس مرحلے میں بظاہر کیسی کیسی ناکامیاں سامنے آتی ہیں۔

جب پہلی مرتبہ حکم ہوا ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء : ۲۱۴) "(اے نبی!) اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجئے" تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو کہ آپ کے زیرِ کفالت اور زیرِ تربیت تھے اور گھریلو سامان لانا اور اس کا بندوبست کرنا انہی کے ذمہ تھا' حکم دیا کہ ایک دعوتِ طعام کا انتظام کرو اور تمام بنو ہاشم کو بلاؤ۔ چنانچہ دعوت کا اہتمام ہوا اور تمام بنی ہاشم جمع ہو گئے۔ جب لوگوں نے کھانا کھالیا تو اب حضور ﷺ بات کرنے کے لئے کھڑے ہوئے' لیکن کچھ لوگوں نے ہوٹنگ کی' کچھ نے فقرے چست کئے اور کچھ نے شور مچایا اور سارا مجمع چلا گیا۔ حضورؐ اپنی بات کہہ بھی نہ سکے۔ یہ نہ سمجھئے کہ ادھر آپ نے اپنی جدّوجُہد کا آغاز کیا اور اُدھر کامیابیوں نے قدم چومنے شروع کر دیئے ہوں۔ آنحضور ﷺ کی انقلابی جِدّوجُہد کے اس اہم نکتے کو نوٹ کر لیجئے کہ یہ جِدّوجُہد خالص انسانی سطح پر ہوئی اور اس میں وہ سارے مراحل آئے جو کسی بھی انسانی جدّوجُہد میں آتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی طور پر ناکامیاں اور مایوسیاں بھی آئیں' بے پناہ محنت اور مشقت کا نتیجہ مرئی طور پر صفر دکھائی دیتا تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے چند دن کا وقفہ دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوبارہ فرمایا کہ پھر دعوت کا اہتمام کرو۔ میں کہا کرتا ہوں کہ شاید لوگوں کو شرم آگئی ہو' آخر اتنی شرافت تو ان لوگوں کے اندر بھی تھی کہ دو دفعہ ان کے دسترخوان پر کھانا کھالیا ہے' اب آخر ان کا حق بن گیا ہے کہ ان کی بات سن لیں۔ چنانچہ حضورؐ نے دعوت پیش کی۔ آپؐ نے نہایت عظیم' مختصر مگر جامع اور نہایت مؤثر خطبہ پیش کیا۔ بہرحال لوگوں نے سن لیا اور پورے مجمع کو سانپ سونگھ گیا کہ کوئی نہیں بولا۔ اس پر حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اگرچہ میں سب سے کم عمر ہوں' اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں' اگرچہ میری آنکھیں دکھتی ہیں' لیکن میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آشوبِ چشم کا عارضہ بچپن ہی سے تھا' معلوم ہوتا ہے ککروں کا مرض تھا جو بچپن ہی

سے شروع ہو رہا ہے۔ مختلف جنگوں کے مواقع پر حضرت علیؓ کی آنکھ دکھتی تو حضورؐ اپنا لعابِ دہن لگا دیتے جس سے انہیں کچھ سکون حاصل ہوتا اور پھر وہ جنگ میں حصہ لے سکتے۔) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سن کر پورا مجمع کھلکھلا کر ہنس پڑا کہ یہ دنیا کی تقدیر بدلنے چلے ہیں اور یہ ہیں ان کے ساتھی! ذرا غور کیجئے کہ یہاں سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی جِدّوجُہد کا آغاز ہو رہا ہے۔

اس کے بعد حکم آتا ہے کہ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ "(اے نبی!) ڈنکے کی چوٹ کہئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے"۔ شروع میں تین سال تک حضور اکرم ﷺ نے انفرادی طور پر ذاتی رابطے کے ذریعے دعوت کو پھیلایا۔ تاہم یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ حضورؐ کی ذاتی زندگی میں خفیہ دعوت کا کوئی دور نہیں آیا' آپؐ نے کوئی بات خفیہ طور پر نہیں کی' آپؐ کی کوئی زیرِ زمین سرگرمیاں نہیں تھیں۔ البتہ low profile میں ذاتی رابطوں کے ذریعے یہ بات پھیلائی' لیکن اب حکم آگیا "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" یعنی "(اے محمدؐ!) اب ڈنکے کی چوٹ کہو جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے" تو آپؐ کوہِ صفا پر چڑھے۔ اب تو کوہِ صفا کی بس علامت باقی رہ گئی ہے' حضورؐ کے زمانے میں وہ باقاعدہ پہاڑی تھی' ایسی پہاڑی کہ جس کے پیچھے کوئی لشکر بھی چھپ سکتا تھا۔ کوہِ صفا پر چڑھ کر آنحضور ﷺ نے عرب کے مروّجہ دستور کے مطابق قوم کو ندا دی۔ یہیں سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دعوت و ابلاغ کے لئے اپنے زمانے میں جو بھی مروجہ طریقے ہوں ان سب کو اختیار کیا جانا چاہئے۔ البتہ اگر حیا اور شرافت کے منافی کوئی شے ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔ اُس دَور میں غارت گری اور لوٹ مار کے لئے قبائل ایک دوسرے پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ یہ حملہ عام طور پر رات کو ہوتا' بلکہ رات کے بھی پچھلے پہر small hours of the morning میں' یعنی رات کے دو' تین' چار بجے' جبکہ نیند کا انتہائی غلبہ ہوتا ہے۔ اس وقت سوئے ہوؤں پر آ کر ٹوٹ پڑنا اور قتل و غارت گری اور لوٹ مار کر کے بھاگ جانا' یہ ان کا ایک عام رواج تھا۔ لہٰذا کسی قبیلے کے کسی فرد کو اگر یہ اطلاع مل جاتی کہ کوئی قبیلہ ان پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو وہ بلند مقام پر چڑھ کر کپڑے اتار کر مادر زاد برہنہ ہو کر نعرہ لگاتا تھا کہ "وَاصَبَاحَا" (ہائے وہ صبح جو آیا چاہتی ہے) یعنی جس میں غارت گری' لوٹ مار اور کشت و خون ہو گا۔ اب اس میں دونوں صورتیں یعنی

سمعی اور بصری جمع ہو جاتیں۔ اس لئے کہ جہاں تک تو اس کی آواز جاری ہوتی وہاں تک لوگ اس کی آواز کو سنتے اور دوڑے چلے آتے اور جہاں اس کی آواز نہیں جاری ہوتی تو وہ کھڑا ہوا عریاں نظر آتا۔ اسی لئے اسے "نذیر عریاں" کہا جاتا تھا' یعنی وہ خبردار کرنے والا' متنبہ کرنے والا جو بالکل ننگا ہو گیا ہو۔

حضور ﷺ نے بھی قوم کو آگاہ کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا اور کوہ صفا پر چڑھ گئے۔ آپؐ نے اس طریقے میں صرف یہ کمی کی کہ آپؐ نے کپڑے نہیں اُتارے' کیونکہ ظاہربات ہے یہ حیا و فطرت کے خلاف ہے اور آپؐ کے لئے ایسا کرنا ناممکن تھا' لیکن نعرہ وہی لگایا کہ "وَاصَبَاحَا"۔ اب لوگ آکر جمع ہو گئے اور انہوں نے آپؐ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آپؐ اونچائی پر کھڑے تھے' آپؐ نے قوم کو اپنی دعوت پیش کی۔ اس پر آپؐ کا چچا ابولہب کہنے لگا "تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟" تمہارے لئے ہلاکت و بربادی ہو' کیا تم نے ہمیں اس کام کے لئے جمع کیا ہے؟" ہم تو سمجھے تھے کہ تم واقعتاً کوئی خبر دینے والے ہو' کوئی بات بتانے والے ہو۔ نوٹ کیجئے کہ حضورؐ نے پہلے فرمایا کہ لوگو! میں اگر تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات مانو گے یا نہیں؟ یعنی وہ پہاڑی اتنی بڑی تھی کہ اس کے پیچھے کوئی لشکر چھپ سکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ضرور' اس لئے کہ آپؐ پہاڑ کی بلندی پر کھڑے ہیں اور پہاڑ کے دونوں جانب دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں' آپؐ تو الصادق اور الامین ہیں۔ آپؐ نے لوگوں سے پہلے یہ گواہی لے کر بات کی ہے کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں' آخرت کے محاسبے سے خبردار کرتا ہوں۔ جس پر آپؐ کے چچا نے کہا تھا کہ "تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟" اس پر پھر یہ سورۃ نازل ہوئی :

﴿ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَا اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○ ﴾

یہ میں نے آنحضور ﷺ کی دعوت کے دو مناظر آپ کو دکھائے ہیں' اندازہ کیجئے کہ دل کو توڑ دینے والا آغاز ہے' انسان کے لئے کس قدر ہمت شکن اور صبر آزما ہے یہ معاملہ جس سے کہ آغاز ہوا ہے۔

دس برس کی محنتِ شاقہ کا حاصل

الغرض حضور ﷺ کی پورے دس برس کی محنت و مشقت کو ذہن میں رکھئے کہ آپ جیسا مبلغ' آپ جیسا مربی' مزکی اور معلم نہ پہلے پیدا ہوا نہ کبھی ہو سکتا ہے' کیونکہ حضورؐ کی نظیر محالِ مطلق ہے۔ آپ کی نظیر کوئی ہوئی ہے نہ ہو گی۔ لیکن مکہ میں آپ کی دس برس کی شب و روز کی محنت شاقہ کا تصور کیجئے' جس میں دن کی مشقت کا یہ عالم ہے کہ ﴿ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴾ آپ دن کے اوقات میں گھوم رہے ہیں' گلی کوچوں میں تبلیغ کر رہے ہیں' گھر گھر جا کر دستک دے رہے ہیں اور رات کی یہ کیفیت ہے کہ ﴿ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ﴾ آپ دن میں لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں تو رات کو کھڑے ہو کر جھولی پھیلا کر اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ اے پروردگار! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کو میری جھولی میں ڈال دے۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی دس برس تک شب و روز کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سو سوا سو یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو افراد آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ ۶۱۰ عیسوی میں وحی کا آغاز ہوا تو لگ بھگ ۶۲۰ عیسوی کو حضورؐ نے عام الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا۔ کیونکہ اسی سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں دلجوئی کرنے والی ایک وفادار' وفا شعار اور محبت کرنے والی زوجہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ باہر سے آدمی تکدّر لے کر آتا ہے تو مونس و غم خوار شریکۂ حیات اسے زائل کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ کوئی پاگل کہتا ہے' کسی نے مجنون کہہ دیا ہے' کسی نے شاعر کہہ دیا ہے' کسی نے کہا کہ یہ ہم پر دھونس جماتے ہیں' انہوں نے ایک عجمی غلام کو اپنے گھر کے اندر بند کر رکھا ہے جو بڑا عالم فاضل ہے' تورات اور انجیل کا جاننے والا ہے' یہ اس سے ڈکٹیشن لیتے ہیں' اسے یاد کر کے پھر ہم پر آ کر دھونس جماتے ہیں۔ حضور ﷺ سب کچھ سنتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا قلب انتہائی حساس تھا' اور یہ باتیں سن کر آپ کو رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ یعنی "اے نبی! ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے" آپ کو تکدّر' غم' رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ یہی تو وہ لوگ تھے جو کبھی میری راہ میں اپنی آنکھیں بچھاتے تھے' یہی لوگ مجھے صادق اور امین کا خطاب

دیتے تھے' یہ مجھ سے انتہائیؑ محبت کرنے والے لوگ تھے' لیکن انہی میں سے آج کوئی مجنون کہہ رہا ہے' کوئی پاگل کہہ رہا ہے' کوئی شاعر' کوئی ساحر' کوئی مسحور اور کوئی کذاب کہہ رہا ہے (نقل کفر کفر نباشد) یہ سب کچھ سن کر آپ گھر آتے تھے تو گھر پر کوئی تسلی دینے والی تھی' لیکن اب وہ نہیں رہی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ واقعات بڑے اہم ہیں۔ جب پہلی وحی آئی تو حضور ﷺ پر ایک دہشت اور گھبراہٹ کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ عالم بشریت کا پہلا معاملہ تھا جو عالم ملکیت کے ساتھ ہوا تھا۔ غار حرا میں جبرائیل سے پہلی ملاقات ہوئی تھی' اس سے آپ ﷺ پر طبعاً گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ آپ گھر آئے تو کانپ رہے تھے' پھر بخار ہوا اور اس میں آپ نے کہا ہے کہ "خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ" یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ ایسے میں وہی غم خوار اور ہمت بندھانے والی زوجہ محترمہ تھیں جنہوں نے کہا کہ "اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا' آپ فکر مت کیجئے' آپ یتیموں کی سرپرستی کرتے ہیں' بیواؤں کی خبر گیری کرتے ہیں' آپ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں' غریبوں کی خدمت کرتے ہیں' اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا"۔

آنحضور ﷺ کی پچیس برس تک کی زندگی بڑی محنت و مشقت اور افلاس میں گزری ہے۔ عین بچپن میں آپ بھیڑ بکریاں چراتے رہے۔ حضور ﷺ کے اپنے الفاظ ہیں کہ میں چند ٹکوں کے معاوضے میں (عَلٰى قَرَارِيْطَ) میں بھیڑ بکریاں چراتا رہا۔ اس لئے کہ ابو طالب بہت ہی مفلس انسان تھے۔ حضورؐ کی سرپرستی تو وہ کر رہے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ خاندان ابو طالب کی پرورش رسول اللہ ﷺ نے اپنی محنت و مشقت اور مزدوری سے کی ہے۔ پھر آپ نے ملازمت کی شکل میں تجارت شروع کی۔ یہ مشقت اور افلاس کے دن تھے' جن کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلاً فَاَغْنٰى۝﴾ "اللہ نے آپ کو تنگ دست پایا تو آپ کو غنی کر دیا"۔ اللہ نے آپ کو غنی کس طرح سے کیا؟ پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی ہوئی جو عرب کی متمول ترین خاتون تھیں۔ یہ شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اپنی فرمائش پر ہوئی۔ آپؓ انتہائی محبت کرنے والی شریکۂ حیات تھیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضورؐ کے پچیس سال سے

لے کر پچاس سال کی عمر کے درمیان کہیں پیش آیا کہ حضورؐ ایک دفعہ کہیں مکّہ مکرمہ سے باہر نکل گئے۔ مکّہ کے باہر پہاڑوں کے درمیان مختلف وادیاں ہیں' ایک وادی میں آپؐ نے دیکھا کہ کوئی قبیلہ آ کر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جو انتہائی مفلوک الحال ہے' جن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے' تن پر کپڑے نہیں ہیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ گھر آئے اور انتہائی ملول اور غمگین ہو کر چادر لے کر لیٹ گئے۔ اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فلاں وادی میں گیا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہاں ایک قبیلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جس کا حال یہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس دولت نہیں ہے کہ میں ان کی مدد کروں۔ کیونکہ سرمایہ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذاتی دولت تو نہیں تھی۔ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپؐ جایئے اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو بلا لایئے۔ حضورؐ انہیں بلا کر لائے تو اتنی دیر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اشرفیوں کا اتنا بڑا ڈھیر لگا دیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ کر بیٹھے تو اس کے پیچھے چھپ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سردارانِ قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ سب گواہ رہیں' میں نے یہ ساری دولت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی ہے' وہ جیسے چاہیں اسے خرچ کریں۔ حضرت خدیجہؓ ایسی بیوی تھیں' انہوں نے ہر طرح آپؐ کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجہؓ کا کیا مقام تھا' ہم میں سے اکثر اس سے واقف نہیں۔ ہمارے ہاں تو بعض محترم شخصیات کے مابین افضلیت کا جھگڑا ہے ؏

اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش!

اہلِ سنّت کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اہل تشیع کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت مسلمہ ہے اور دونوں اسی میں گرفتار ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا جھگڑا ہے۔ ایک گروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اور دوسرا گروہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ بلند کرتا ہے' لیکن حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا ذکر اول تو کہیں ملتا نہیں' اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو بہت کم۔ دو تین سال پہلے جب میں ایران گیا تھا تو وہاں کے مشاہدات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے وہاں خواتین یونیورسٹی قائم کی ہے جس کا نام "جامعۃ الزہراء" رکھا ہے۔ انہوں نے اس یونیورسٹی کا نام حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام پر رکھا ہے۔ اس یونیورسٹی کے چوٹی کے سٹاف اور انتظامیہ

سے جب ایک ملاقات میں مَیں نے کہا کہ کاش کہ آپ نے اس کا نام جامعہ خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) رکھا ہوتا تو وہ چونکے۔ میں نے کہا کہ دیکھئے 'سُنّیوں اور شیعوں کے مابین یہ تفریق ہے کہ جب بھی کوئی سُنّی بچیوں کا مدرسہ بنائے گا تو اس نام "مدرسۃ العائشہ للبنات" رکھے گا' جبکہ شیعہ حضرت فاطمہؓ کے نام پر مدرسہ بنائے گا' لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو صدیقۃ الکبریٰ ہیں 'ان کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ جس طرح صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اسی طرح الصدیقۃ الکبریٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت مریم کے بارے میں قرآن حکیم میں "صدیقہ" کا لفظ آیا ہے ﴿وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ﴾۔ اس امت کی صدیقۃ الکبریٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اپنا ایک احساس بیان کر رہا ہوں جو میں نے پہلے کبھی پبلک پلیٹ فارم سے بیان نہیں کیا کہ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات میں حضور ﷺ کے لئے صرف بیوی کی وفاداری' وفاشعاری اور محبت ہی نہیں تھی' والدہ کی شفقت بھی تھی۔ حضور ﷺ بہت کم عمری ہی میں والد اور والدہ کی شفقت اور محبت سے محروم ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضورؐ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں۔ نکاح کے وقت حضورؐ پچیس سال کے تھے جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال کی تھیں۔ میری نانی میرے بڑے ماموں سے صرف تیرہ سال بڑی تھیں' یعنی تیرہ برس کی عمر میں میری نانی کے ہاں پہلی ولادت ہو گئی تھی۔ جبکہ عرب کا معاملہ تو مزید گرم ماحول کا تھا۔ تو کیا پندرہ برس کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی تھی؟ اگر ہوتی تو کیا وہ حضور ﷺ کے ہم عمر نہ ہوتے؟

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ مزید بیان کرتا چلوں۔ آغازِ وحی کے بعد جبکہ حضور ﷺ کو عالمِ بشریت اور عالمِ ملکیت کے درمیان اتصال کا نیا تجربہ ہوا تھا اور جس کی وجہ سے آپؐ پر خوف کی سی کیفیت تھی اور ایک تشویش کا سا انداز تھا تو ایک روز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ یا بدروح جو بھی ہے' آپؐ کے پاس آئے تو مجھے بتایئے گا۔ حضرت جبرائیلؑ آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ آ گئے ہیں۔ اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بال کھول لئے اور حضور ﷺ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور پوچھا کہ کیا اب بھی وہ نظر آ رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا یقیناً یہ بدروح نہیں ہے' فرشتہ ہے' جس نے حیا کی ہے' اگر کوئی بدروح ہوتی تو وہ

لذت لیتی اور غائب نہ ہوتی۔ اب آپ ان کی عظمت فکر' سوچ اور شعور کی بلندی کا اندازہ کیجئے۔

بہرحال سال ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اسی سال ابو طالب بھی انتقال فرما گئے۔ اس طرح قبائلی زندگی میں حضورؐ کو جو ایک تحفظ حاصل تھا وہ ختم ہو گیا۔ ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اوس' خزرج اور مہاجرین کے درمیان پہلا معاہدہ کرایا تھا تو اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ اگر کوئی ایک مسلمان بھی کسی کو پناہ دے دے گا تو وہ سب کی طرف سے شمار ہو گی۔ یہی معاملہ قبائل کا ہوتا تھا کہ اگر کوئی ایک شخص کسی کو پناہ دے دیتا تھا تو وہ پورے قبیلے کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس حوالے سے خاندان بنو ہاشم کی سرداری ابو طالب کے پاس تھی جو کہ آپؐ کو تحفظ دے رہے تھے۔ اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن ان کو آپؐ سے طبعی محبت تھی اور اس طبعی محبت کی بنیاد پر انہوں نے حضور ﷺ پر خاندان بنو ہاشم کا سایہ کیا ہوا تھا۔ اب ظاہر بات ہے کہ اگر دوسرے قبیلے اور ان کے سردار حضورؐ کے خلاف کوئی اقدام کرتے تو یہ گویا کہ بنو ہاشم کے خلاف اعلانِ جنگ ہو جاتا اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دس برس تک کسی کو حضورؐ پر اقدام کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ ابو طالب کے پاس سفارتیں لاتے رہے اور لالچ پیش کیا کہ آپ ان سے کہئے کہ اگر انہیں دولت چاہئے تو ہم سیم و زر کے انبار لگا دیتے ہیں' انہیں کوئی سیادت چاہئے تو انہیں ہم اپنا بادشاہ ماننے کو تیار ہیں' اگرچہ ہمارا مزاج ایسا نہیں ہے کہ ہم کسی کو بادشاہ مانیں' لیکن ان کو مان لیں گے' اور اگر کہیں شادی کرنا چاہیں تو اشارہ کر دیں' قریش کے جس بڑے سے بڑے گھرانے میں کہیں گے شادی کر دیں گے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ چچا جان! چاہے یہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنی اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ دعوت توحید سے باز آ جائیں' ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہیں۔

جب جناب ابو طالب بستر مرگ پر تھے اس وقت قریش کی جانب سے آخری سفارت آئی اور انہوں نے آخری چیلنج کیا کہ اے ابو طالب! اب بھی اگر تم اپنے بھتیجے کی پشت پناہی سے باز نہیں آتے تو ٹھیک ہے' ہمارا الٹی میٹم ہے کہ میدان میں آ کر مقابلہ کر لو یا اپنے بھتیجے کو روک لو۔ اس پر ابو طالب نے حضور ﷺ کو بلایا اور کہا: بھتیجے! "مجھ پر اتنا بوجھ نہ

ڈال جو میں برداشت نہ کر سکوں"۔ ظاہر بات ہے کہ اکیلا خاندان بنو ہاشم پورے قبیلہ قریش کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا؟ پھر خود ابو طالب نہایت ضعیف ہو گئے تھے اور تقریباً بسترِ مرگ پر تھے۔ ابو طالب کی اس بات پر حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ دنیا میں اسباب عالم کے اعتبار سے ایک ہی سہارا تھا وہ بھی آج جواب دے رہا ہے۔ تاہم آپؐ نے کہا: چچا جان! اب یا تو یہ بات پوری ہو کر رہے گی یا میں اپنے آپ کو اسی میں ہلاک کر دوں گا' میرے لئے پسپائی (retreat) کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بہرحال عام الحزن کے سال میں ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا اور بنو ہاشم کا سردار ابولہب بن گیا جو خود انتہائی زہریلا دشمن تھا اور جس نے آغازِ دعوت پر ہی حضور ﷺ سے کہہ دیا تھا کہ "تَبًّا لَکَ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا؟" یہ وہ بدبخت شخص تھا جس نے اپنے دونوں بیٹوں سے حضورؐ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دلوائی۔ آنحضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں کی نسبت ابولہب کے دو بیٹوں کے ساتھ طے تھی۔ اور وہاں تو نسبت کا طے ہو جانا ایک طرح سے نکاح ہی ہوتا تھا۔ ابولہب کے اکسانے پر ان دونوں نے نہایت گستاخانہ اور توہین آمیز انداز میں آ کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم تمہاری دونوں بیٹیوں کو طلاق دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ سارے صدمے جھیلے ہیں۔

یومِ طائف۔ حیاتِ طیبہ کا شدید ترین دن

ابو طالب کی وفات سے چونکہ حضور ﷺ کو حاصل وہ ظاہری تحفظ ختم ہو گیا تھا اور اب اندیشہ تھا کہ قریش دار الندوہ میں جو چاہیں گے فیصلہ کریں گے' لہٰذا آپؐ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا۔ یہ حضور ﷺ کی مکی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے آپؐ کا شعب بنی ہاشم کے اندر گھیراؤ اور مقاطعہ رہا اور کھانے پینے کی چیزیں روک دی گئیں۔ اس دوران پورے خاندان بنو ہاشم کو بدترین قسم کی فاقہ کشی جھیلنی پڑی' حالانکہ وہ سب کے سب ایمان تو نہیں لائے تھے' لیکن اس جرم کی پاداش میں کہ بنو ہاشم محمد ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑ رہے' اس پورے خاندان کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا' جس کے نتیجے میں خاندان بنی ہاشم تین سال تک شعب بنی ہاشم (جسے شعب ابی طالب بھی کہتے ہیں) میں محصور رہا۔ ان تین سالوں کے دوران کھانے پینے کی کوئی چیز اُن تک نہیں جانے دی گئی۔ وادی کے دونوں اطراف میں پہرے لگا دیئے گئے' چنانچہ کوئی وہاں جا ہی نہیں سکتا تھا۔ حکیم بن

حزام جیسا کوئی اللہ کا بندہ جو بنیادی طور پر نیک شخصیت تھی' وہ کہیں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اور دوسری طرف نیچے اتر کر کوئی چیز پہنچا دیتے' کیونکہ وہ حضرت خدیجہؓ کے بہت قریبی عزیز تھے' ورنہ تو وادی کے دونوں سروں پر پہرے تھے۔ وہ وقت بھی آیا کہ بنوہاشم کے پھول جیسے بچے بلک رہے ہیں اور ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں' سوائے اس کے کہ سوکھے ہوئے چمڑے ابال کر پانی ان کے حلق میں ٹپکایا گیا۔ لیکن حضور ﷺ کے لئے ذاتی طور پر جو سخت ترین مرحلہ آیا وہ یوم طائف تھا جس کی گواہی حضور ﷺ کے اپنے قول میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ پر یومِ اُحد سے بھی کوئی زیادہ سخت دن گزرا؟ ظاہر بات ہے کہ ان کے ہوش میں یومِ احد کے دوران حضور ﷺ زخمی ہوئے' آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے' خون کا فوارہ چھوٹا' آپ پر بے ہوشی طاری ہوئی' آپ کے زبان مبارک سے ایک بددعا بھی نکل گئی کہ ((كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ)) "اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کر دیا"۔ پھر یہ کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے جن میں اَسَدُ اللهِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِهٖ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے' جو آپ کے چچازاد' خالہ زاد' دودھ شریک بھائی اور ساتھ میں کھیلے ہوئے ہجولی بھی تھے۔ ان کی لاش آپ کے سامنے آئی تو دیکھا کہ ناک' کان کٹے ہوئے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک سخت ترین دن یومِ احد تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر سخت ترین دن یومِ طائف تھا۔

آپ مکے سے مایوس ہو کر طائف گئے۔ اور نوٹ کیجئے کہ یہ واحد موقع ہے جہاں نظر آتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضورؐ کے ساتھ نہیں ہیں' ورنہ وہ تو سائے کی طرح ساتھ رہنے والی شخصیت تھی۔ اس موقع پر صرف آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے' جو منہ بولے بیٹے بھی قرار دیئے گئے تھے۔ مکے سے طائف کے لئے دو راستے ہیں' ایک طریق الجبل کہلاتا ہے اور دوسرا طریق السھل۔ پہاڑی راستہ انتہائی دشوار گزار تھا۔ آج بھی آپ وہاں جائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کیسے پہاڑوں کو کاٹ کر سڑک بنائی ہو گی۔ آپ نے عام راستہ سے گریز کرتے ہوئے دشوار گزار پہاڑی راستہ اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ عام راستے پر تو خطرہ ہو سکتا تھا کہ کہیں حملہ

نہ ہو جائے۔ غالباً دارالندوہ میں حضورؐ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ طائف جا کر آپ ﷺ نے وہاں کے تین سرداروں کے سامنے اس امید پر اپنی دعوت پیش کی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دعوت قبول کر لے اور ایمان لے آئے تو میں یہاں منتقل ہو جاؤں اور یہ میرا دار الہجرت بن جائے۔ لیکن حکمتِ خداوندی اور مشیتِ الٰہی میں یہ شرف یثرب کے لئے طے تھا، طائف کے مقدر میں نہ تھا۔ لیکن حضور ﷺ اپنی سوچ بچار کے حوالے سے طائف پہنچے۔ تینوں سرداروں نے کلیجے سے پار ہونے والے جواب دیئے۔ ایک نے کہا یہاں سے فوراً روانہ ہو جاؤ، اگر تم واقعی رسول ہو اور میں نے کوئی توہین کر دی تو میں مارا جاؤں گا، اور اگر تم جھوٹے ہو تو جھوٹے کو میں منہ نہیں لگانا چاہتا۔ دوسرے نے کہا کہ مکہ اور طائف میں تمہارے سوا اللہ کو رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا تھا؟ قرآن حکیم میں ان کے یہ دل آزار الفاظ نقل کئے گئے ہیں ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝﴾ (الزخرف) یعنی ان دو بستیوں میں کوئی شخص بڑی عظمت والا ہوتا، اس کی جائیداد مکے میں بھی ہوتی اور طائف میں بھی، ایسا شخص اللہ کو نبی بنانے کے لئے نہیں ملا تھا؟ تم جیسا مفلوک الحال یتیم شخص جس کا اپنا کوئی ذاتی سرمایہ ہی نہیں تھا، کوئی سرمایہ تھا بھی تو وہ بیوی کا تھا، یہ شخص اللہ نے چنا ہے؟ بہرحال آپؐ ان سے مایوس ہو کر واپس روانہ ہونے لگے تو ان بدبختوں نے گلیوں کے آوارہ چھوکروں کو اشارہ کر دیا کہ ذرا ان کی خبر لو۔ چنانچہ انہوں نے پتھراؤ شروع کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے اس پتھراؤ کے آگے ڈھال بن جانے کی پوری کوشش کی، لیکن زید بن حارثہؓ اگر سامنے سے آ کر حضورؐ کے آگے ڈھال بنتے تو وہ پیچھے سے پتھراؤ شروع کر دیتے اور اگر وہ پیچھے جاتے تو سامنے سے پتھراؤ شروع کر دیتے۔ تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈی کو نشانہ بنایا گیا۔ آپ ﷺ کی پنڈلیاں بھی زخموں سے چور ہو گئیں۔ خون بہہ بہہ کر نعلین کے اندر جا کر جم گیا۔ وہاں سے آپؐ نکلے، ایک جگہ ٹھہرے تو حضور ﷺ کی زبان مبارک پر فریاد آ گئی :

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَااَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ! اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ! اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ اَمْرِيْ! اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ اَوْسَعُ لِيْ!

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ اَنْ يَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ تَحُلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ ' لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ!

"اے اللہ! میں تیری ہی جناب میں اپنی بے بسی' وسائل وذرائع کی کمی اور لوگوں میں میری جو رسوائی ہو رہی ہے' اس کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی! اے پروردگار! تو مجھے کن کے سپرد کر رہا ہے؟ وہ دور دراز کے لوگ جن کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں' کہ وہ مجھے تختۂ مشق بنالیں! یا تو نے میرے سارے معاملات کو دشمنوں کے قابو میں دے دیا؟ —— پھر بھی اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو مجھے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں ہے' لیکن کچھ بھی ہو' تیری عنایات تو مجھ پر بے پایاں ہیں۔

میں تیرے چہرۂ انور کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام اندھیارے دور ہو جائیں اور جس کے پرتو سے دنیا اور آخرت کا معاملہ درست ہو جائے' اس سے کہ مجھ پر تیرا غصّہ بھڑکے یا تیرا غضب ٹوٹے' منانا ہے' اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے۔ نہ قابو ہے نہ زور ہے' مگر اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہے"۔

گویا پہلے آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی' اس کے بعد آپ ﷺ نے مقامِ عبدیت والی بات کی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو "عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" والی دو نسبتیں حاصل ہیں' مقامِ عبدیت کا تقاضا کچھ اور ہے' یعنی سر تسلیم خم کر دینا کہ کوئی شکوہ شکایت زبان پر نہ آئے۔ چنانچہ عرض کیا : ((اِنْ لَّمْ يَكُنْ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ)) "اے اللہ! (اس سب کے باوجود) اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں!" گویا ؎

سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!

اندیشہ ہے کہ کہیں تو ناراض نہ ہو گیا ہو۔ جیسے ابتداء میں وحی کی آمد کا سلسلہ رُک گیا تھا تو آپؐ کو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں اللہ ناراض نہ ہو گیا ہو کہ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ پھر یہ آیات نازل ہوئیں :

﴿ وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى○﴾

اسی کو فارسی میں کہتے ہیں "عشق است ہزار بدگمانی" یعنی جہاں عشق و محبت کا معاملہ ہوتا ہے وہاں بڑی جلدی بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے کہ کہیں محبوب کسی وجہ سے ناراض تو نہیں ہو گیا' اسے میری کوئی بات ناگوار تو نہیں گزر گئی۔ بہرحال خواہ کچھ بھی ہو' اس سب کے باوجود اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے' تو ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔

سفر طائف ذاتی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ پر ابتلاء و آزمائش' امتحان اور سختی کا نقطۂ عروج ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی تصنیف "اَلنَّبِیُّ الْخَاتم" میں اسے سیرتِ طیبہ کا ایک اہم موڑ (Turning Point) قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ کو خصوصی حفاظت اور protection حاصل ہوئی۔ لیکن طائف سے فوری طور پر واپسی کے بعد عالمِ اسباب میں حضور ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ آپؐ مکے میں داخل نہیں ہو سکتے تھے' وہاں آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا' داخل ہوں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور جب دار الندوہ میں فیصلہ ہو چکا ہو تو ایسا اقدام کرنے والے پر کوئی جرم دالزام نہیں' اس پر کوئی مقدمہ نہیں بنے گا۔ حضورؐ طائف گئے تھے اور وہاں سے خالی ہاتھ لوٹے تھے۔ نوٹ کیجئے میں یہ نکتہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حضورؐ کی عالمِ اسباب میں ساری جِدّوجُہد قدم بقدم زمین پر چل کر ہوئی۔ چنانچہ عالم اسباب کو استعمال کرتے ہوئے آپؐ نے ایک مشرک اور کافر کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھے اپنی امان میں لے لو تو میں مکے میں آجاؤں۔ ابھی میں بتا چکا ہوں کہ قبائلی زندگی کا یہ اصول تھا کہ اگر ایک شخص نے امان دے دی تو سب کی طرف سے امان ہو جائے گی۔ لیکن اس کافر نے انکار کر دیا۔ پھر آپؐ نے زید بن حارثہ کو ایک دوسرے شخص کے پاس بھیجا' لیکن اس نے بھی انکار کر دیا' تیسرا شخص مطعم بن عدی شریف النفس تھا۔ اس کے پاس آپ ﷺ کا پیغام پہنچا تو اس نے کہا آپ میری امان میں ہیں' آ جائیں۔ آپؐ نے کہلا بھیجا کہ یوں نہیں' آؤ اور خود لے کر جاؤ۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ حضور ﷺ ایسے ہی مکّے میں داخل ہو جاتے اور کچھ لوگ آپ ﷺ پر فوری طور پر حملہ آور ہو جاتے تو وہ بعد میں کہہ سکتے تھے کہ ہمیں کیا علم کہ انہیں مطعم بن عدی نے امان دی ہے۔ آپ ﷺ نے اس درجے دنیوی اسباب اختیار کئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ عالم اسباب ہے اور یہاں جو جدوجہد کرنی ہے اس عالم اسباب کے

اندر رہتے ہوئے اور ان اسباب کو بروئے کار لا کر کرنی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایک مشرک و کافر کی امان لینا قبول کی۔ اور پھر مطعم بن عدی ہتھیار سجا کر اپنے چھ بیٹوں کو لایا اور یہ کہتا ہوا آیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو امان دی اور آج سے محمد (ﷺ) میری امان میں ہیں۔ تب حضورؐ مکے میں داخل ہوئے۔ حضور ﷺ کو اس کے احسان کا اتنا پاس تھا کہ غزوۂ بدر میں جو ستر قیدی حضورؐ کی قید میں آئے ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان کی سفارش کرتا تو میں ان ستر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیتا۔ لیکن مطعم بن عدی کا اس دوران انتقال ہو چکا تھا اور وہ اسی حالت کفر و شرک میں رہا۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد کے پہلے دس برس کی جھلک دکھائی ہے۔ حضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد کا عرصہ بیس برس ہے۔ عرب میں انقلاب کی تکمیل ۸ ہجری میں ہوئی جب مکہ اور طائف فتح ہو گیا اور غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کو فتح حاصل ہوئی۔ اس طرح عرب میں انقلاب برپا ہو گیا۔ لہٰذا مکے کے بارہ برس اور مدینے کے آٹھ برس شامل کر لیجئے تو یہ بیس برس ہوئے۔ اس عرصے کو دو حصوں میں تقسیم کریں' دس سال اِدھر اور دس اُدھر۔ پہلے دس سال کا حاصل میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے کہ کل ۱۲۵ یا ۱۵۰ افراد ایمان لائے اور طائف سے واپسی پر آپ ﷺ کی یہ حیثیت نہیں تھی کہ آپؐ مکے میں اپنے بل پر قیام کر سکتے۔ لہٰذا آپؐ ایک کافر و مشرک کی امان لے کر مکہ میں دوبارہ داخل ہوئے۔ یہ دس برس کی محنت شاقہ ہے۔ لیکن اگلے دس برس میں اسلامی انقلاب نہایت تیزی کے ساتھ مکمل ہوا ہے۔ (جاری ہے)

شہادتِ حق کے عملی تقاضے

—— محمد رشید عمر' فیصل آباد ——

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمّتِ وسط بنایا تاکہ تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں"۔

سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا :

﴿ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ج فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ط هُوَ مَوْلٰكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۵ ﴾ (الحج : ۷۸)

"جہاد کرو اللہ کی خاطر جیسے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تم کو پسند کر لیا ہے اور دین کے بارے میں تم پر کچھ مشکل نہیں رکھی۔ (یہ) دین تمہارے باپ ابراہیم کا (ہے) اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے سے اور اس قرآن میں تاکہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم گواہ (شہادت دینے والے) ہو جاؤ لوگوں پر۔ سو نماز قائم کرو' زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ (کی رسی) سے چمٹے رہو۔ وہی تمہارا آقا ہے۔ سو کیا خوب آقا ہے اور کیا خوب مددگار ہے"۔

قرآن حکیم کے ان دو عظیم مقامات پر اُمّتِ مسلمہ کے فرضِ منصبی کا اعلان کیا گیا ہے —— اور یہ فرضِ منصبی ہے "شہادت علی النّاس" —— لوگوں کے خلاف یا لوگوں پر

گواہی کا فرض۔ یعنی ایک طرف تمام بنی نوع انسان ہیں اور دوسری طرف امت مسلمہ ہے جو پکار پکار کر اپنے قول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے بھی لوگوں کے سامنے ایک شہادت پیش کر رہی ہے۔ یہ شہادت کس بات کی ہے؟ کون لوگ اس شہادت کے منصب کے اہل ہیں؟ ہم یہ ذمہ داری کس طرح ادا کرسکتے ہیں؟ آیئے دیکھیں قرآن حکیم' سیرت النبی ﷺ اور بزرگانِ دین کی زندگیوں سے ہمیں اس سلسلے میں کیا راہنمائی ملتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ ﴾ (آل عمران : ۱۸)

"اللہ نے خود گواہی دی ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے' اور (یہی شہادت) فرشتوں اور اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ عدل پر قائم ہے"

اس آیت مبارکہ میں اللہ مطلوب للشہادۃ اور وہ ہستیاں جو اس گواہی کے منصب کی اہل ہیں' ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اس بات کی گواہی مطلوب ہے کہ بندگی کے لائق صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔ کائنات میں عدل کا قیام اسی کی طرف سے ہے۔ بندوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انسانی معاشرہ کی تعمیر عدل پر کریں۔ یہی وہ حق ہے جس کے افشائے نور سے کفر سمٹا جاتا ہے اور عالم شرک کا پتہ اس بھاری بوجھ سے پانی ہوا جاتا ہے۔

اس بات کی گواہی اللہ کی ذات خود دے رہی ہے۔ فرشتے جنہیں معرفتِ حقیقی حاصل ہے وہ بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور وہ اہلِ علم جو خالق و مخلوق کے اسرار و رموز کا علم رکھتے ہیں وہ بھی اللہ کے اس مقامِ رفیع کے گواہ ہیں۔ اہلِ علم کے سرخیل حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا منصب قرآن پاک میں ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۴۵'۴۶)

"اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' خوش خبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا خود اس کے حکم سے اور چمکتا سورج (بنا کر بھیجا ہے)"۔

آپؐ نے اس منصب پر فائز ہوتے ہی اپنے خاندان اور قبیلے کو جمع کیا اور ان کے سامنے اس طرح گویا ہوئے :

"ساری حمد اللہ کے لئے ہے' میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں' اس پر ایمان رکھتا ہوں' اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں"۔

پھر آپؐ نے فرمایا :

"راہنما اپنے گھر والوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اُس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام انسانوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول ہوں۔ بخدا تم لوگ اس طرح موت سے دوچار ہوگے جیسے سو جاتے ہو۔ اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے سو کر جاگتے ہو۔ پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کیلئے جنت ہے یا ہمیشہ کیلئے جنہم"۔

اور جب آیت ﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اہلِ قریش کو آواز لگانا شروع کی : "اے بنی فہر! اے بنی عدی!" یہاں تک کہ سب اکٹھے ہو گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "تم لوگ یہ بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟" لوگوں نے کہا : ہاں' ہمیں آپ سے سچ ہی کا تجربہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا تو میں تمہیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔

اس واقعہ کا ایک اور ٹکڑا امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں آپؐ نے کہا "اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جنہم سے بچاؤ' اے بنی کعب! اپنے آپ کو جنہم سے بچاؤ' اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جنہم کی آگ سے بچاؤ کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ (کی گرفت) سے (بچانے کا) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم لوگوں سے نسبت و قرابت کے تعلقات ہیں جنہیں میں باقی اور تر و تازہ رکھنے کی کوشش کروں گا"۔

اس اعلان کے ساتھ ہی جو لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے وہ آپؐ کے دشمن بن گئے۔ ایذا و تکالیف کے کئی ڈھنگ آزمائے گئے۔ چنانچہ تمسخر و استہزاء بھی ہوا اور دنیاوی مال اور منصب کی پیشکش بھی کی گئی۔ جس بات کی آپؐ شہادت دے رہے تھے

قریشِ مکہ اس کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ انہوں نے آپؐ کے چچا ابو طالب پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے بھتیجے کو روکیں ' ورنہ وہ ایسی جنگ چھیڑ دیں گے جو ایک فریق کا صفایا کر کے رہے گی۔ ابو طالب پر اس کا بہت اثر ہوا۔ آپؐ کو بلا کر کہنے لگے : "بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو محسوس ہوا کہ اب آپؐ کے چچا بھی آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے ' کیونکہ وہ آپؐ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں ' اس لئے فرمایا " چچا جان خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اس کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں ' تو نہیں چھوڑ سکتا "۔

منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد یہ تھا آپؐ کا طرز عمل کہ کوئی دھمکی ' کوئی دباؤ اور کسی قسم کی حالات کی ناسازگاری آپؐ کو حق بیان کرنے سے روک نہیں سکتی تھی۔ وہ حضرات جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا ' ان کا طرز عمل کیا تھا ' ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ پھر مشرکین کے سامنے اس کی شہادت کس طرح پیش کی؟ بقولِ ابنِ عباس (رضی اللہ عنہما) ان کی اپنی زبانی سنئے :

پھر جب میں مسلمان ہوا تو میں نے کہا : " اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں ' خواہ زندہ رہیں یا مر جائیں " آپؐ نے فرمایا " کیوں نہیں ' اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ' تم لوگ حق پر ہو ' خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دو چار ہو "۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ تب میں نے کہا " پھر چھپنا کیسا؟ اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ' ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپؐ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہؓ تھے اور ایک میں مَیں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا سا غبار اٹھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے "۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ " قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا "۔

اسی طرح ابن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ "جب میں مسلمان ہوا تو میں نے سوچا کہ مکہ کا کون شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے۔ پھر میں نے جی ہی جی میں کہا یہ ابو جہل ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا : اَھْلاً وَ سَھْلاً! کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا : "تمہیں بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیّہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو دے دیتا' وہ انہیں مکہ کے پہاڑوں میں گھماتے پھراتے تھے' یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑ جاتا تھا۔ خود امیہ بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے سے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا اور کھانا پانی بھی نہ دیتا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ ظلم کرتا تھا کہ جب دوپہر کو گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کی سنگلاخ زمین پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا' پھر کہتا : "خدا کی قسم تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مر جائے یا محمدؐ کے ساتھ کفر کرے۔" حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حال میں بھی فرماتے : احدٌ احدٌ ۔ احدٌ احدٌ

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا : "اے ابو ذر! اس معاملہ کو پوشیدہ رکھو اور اپنے علاقہ میں واپس چلے جاوٴ' جب ہمارے غلبہ کی خبر ملے تو آجانا"۔ وہ کہتے ہیں : میں نے کہا "اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' میں تو ان کے درمیان بہانگ دھل اس کا اعلان کروں گا"۔ اس کے بعد میں مسجد حرام آیا تو قریش موجود تھے۔ میں نے کہا : قریش کے لوگو! اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ لوگوں نے کہا : اٹھو' اس بے دین کی خبر لو۔ لوگ اُٹھ کر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے اس قدر مارا گیا کہ قریب تھا کہ میں مر جاتا۔ حضرت عباسؓ نے مجھے آکر بچایا۔

ایمان لانے کے بعد چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا نمونہ بطور مثال پیش کیا گیا ہے' جس سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

۱) اب صرف اللہ کی غلامی اختیار کی جائے گی' کوئی دوسرا آقا اور مالک نہیں ہے۔ اسی کا حکم مانا جائے گا' کسی طاغوت کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ اس کام میں جان بھی جاتی

ہے تو کوئی پروا نہیں۔

۴) یہ کام رسول اللہ ﷺ کی راہبری میں کرنا ہو گا۔ انہی کی اتباع کرنا ہو گی۔ ہم اپنی جان اور مال کے ساتھ حاضر ہیں۔ آپ ؐ جس طرح چاہیں جب چاہیں یہ جان اور مال آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ہم اس معاملہ میں اپنا اختیار نہیں رکھیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے طرز عمل سے دونوں باتوں کو ثابت کر دیا۔ ان کی محنت کے نتیجہ میں اللہ کی کبریائی کا وہ نظام قائم ہوا جس میں معاشرہ کی ہر سطح پر عدل قائم ہوا۔ تاریخ انسانی کا وہ درخشاں دور ہے' جس کا زمانہ گواہ ہے۔ اہل علم حضرات (اُولُوا العِلم) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اُمّتِ محمدیہ کے اہلِ ایمان آتے ہیں۔ چنانچہ ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ﴾ کے بعد ہماری ذمہ داری ہے کہ حق کی گواہی کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ﴾ (النّساء : ۱۳۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' انصاف کے ساتھ اللہ کیلئے گواہی دینے والے بن جاؤ اگرچہ اس کی زد تمہارے اپنے یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب' اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (المائدة : ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن کر۔ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر نہ ابھار دے۔ عدل کرو' یہ خدا ترسی کے قریب تر ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

باطل کے لئے حق کا پیغام موت ہے۔ وہ کبھی حق کو اپنے سامنے پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتا۔ وہ تمام فکری و نظری صلاحیتوں اور تمام وسائل قوت کے ساتھ حق کو مٹانے یا اس کو بے قیمت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سورۃ المومن میں اس طرز عمل کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

﴿ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجٰدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴾ (المؤمن : ۵)

"ہر اُمت نے اپنے پیغمبر کے لئے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ لیں (اس پر غالب آجائیں) اور باطل (جھوٹے دلائل اور موقف) سے جھگڑا کیا تاکہ وہ حق کو ڈگمگا دیں۔ پس میں نے ان کو پکڑ لیا (گرفت میں لے لیا)۔ پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔"

آج اہل حق کو حق کی سربلندی کے لئے جو شہادت کے مراحل درپیش ہوں گے ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) قولی شہادت

پروپیگنڈے کے میدان میں باطل کی یہ کوشش ہے کہ وہ ہدایت خداوندی کے مسلمہ حقائق کو جھوٹا ثابت کرے اور اپنے جھوٹے نظریات کو سچا ثابت کرے' انسانی نظر و فکر میں الحاد پیدا کر دے' معاشرتی تباہی کے ایجنڈے پر کامیابی کی ملمع کاری کرے' انسان سے انسانیت کا لباس اتار کر اپنے گرو شیطان کی پیروی کرتے ہوئے اسے عریاں کر دے' بے حیائی اور فحاشی کے نمائندوں کو نوجوانوں کا ہیرو بنا کر پیش کرے' غاصبوں اور لٹیروں کی قیادت کو قومی رہبر اور نجات دہندہ بنا کر پیش کرے اور تفرقے باز دینی راہنماؤں کی قیادتوں کو مستحکم کرے اور سب سے بڑی بات کہ حق کو واضح نہ ہونے دے۔

ان حالات میں قولی شہادت کا تقاضا ہے کہ عقل و دانش کو مسخر کرنے والے دلائل جو صرف ہدایت خداوندی سے ممکن ہیں' کھول کھول کر بیان کئے جائیں' نظر و فکر کی تطہیر کی جائے' معاشرتی تعمیر و ترقی کے منصوبے سمجھائے جائیں' تباہی کے راستوں کی نشاندہی کی جائے' اعلیٰ انسانی اقدار کو اجاگر کیا جائے' غاصبوں اور لٹیروں کا گھناؤنا چہرہ بے نقاب کرتے ہوئے ان کے مذموم مقاصد سے قوم کو آگاہ کیا جائے' بے حیائی اور فحاشی کو نوجوانوں کے ذہنوں میں قابل نفرت بنا دیا جائے' تفرقے بازوں کے چنگل سے لوگوں کو آزاد کرا کے صحیح نصب العین دیا جائے اور سب سے بڑی بات یہ کہ قوم کو اپنی شناخت بتائی جائے اور نظریاتی بنیادوں پر مستحکم کھڑا کیا جائے۔

(۲) عملی شہادت

باطل قوتیں حق کو دبانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ اس کے لئے ایسا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا جاتا ہے جس کی مثال مکار شکاری کے جال یا آکٹوپس سے دی جا سکتی ہے جو اپنے شکار کو پوری طرح جکڑ کر بے بس کر دیتا ہے۔ دیہی سطح پر چودھراہٹوں اور نمبرداری کا نظام' شہری محلہ داری سطح پر کونسلرز سسٹم' پھر ایم این اے اور ایم پی اے حضرات اور ان کے ساتھ تھانہ کچہری کا نظام۔ یہ وہ جال ہے جس کے ذریعے باطل پالیسیوں کا نفاذ ہوتا ہے اور عوام کو حکمرانوں کی کاسہ لیسی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہاں دھوکہ' دھونس' تعلقات اور اختیار و اقتدار کا سکہ چلتا ہے۔ امانت و دیانت اور شرافت کا گلہ گھونٹا جاتا ہے۔ مفاد پرست دینی قیادتوں' گدی نشینوں' مجاوروں اور خانقاہوں کے صاحبزادوں کی ان کے ساتھ ملی بھگت ہوتی ہے۔

شہادت حق کے لئے ضروری ہے کہ اہل ایمان اپنے آپ کو جماعتی شکل میں منظم کریں۔ اپنے اندر مساوات' رواداری اور احترامِ آدمیت کا ماحول پیدا کریں۔ باہمی نزاعات کا فیصلہ حق و انصاف پر ہو۔ رشتہ و پیوند یا کسی کی دشمنی انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ اس معاشرے کے ارکان اللہ کے لئے محبت کرنے والے اور اللہ کے لئے ناراض ہونے والے بنیں۔ یہ لوگ محنت کے ثمرات کی تقسیم میں بخل کرنے والے نہ ہوں۔ وہ ایثار و وفا کے پیکر بن کر سامنے آئیں۔ جو معاشرہ ظالم کے جبر کے تحت اور مظلوم کی مجبوری کی بنا پر چل رہا ہو اس کے لئے یہ لوگ گھنے درخت کی چھاؤں اور ہوا کا ٹھنڈا

جھوٹا ثابت ہوں' یہاں تک کہ اس جماعت کا پیش کردہ خوب صورت معاشرہ لوگوں کو ایسا نظر آنے لگے جیسے بھوکے کو کھانا اور پیاسے کو ٹھنڈا پانی۔ عدل پر مبنی اس جماعت کا ہر قدم ظالمانہ معاشرے کے لئے بجلی کے کڑکے کی مانند ثابت ہو۔ ان لوگوں کا کردار اور عمل ان کے ماتھے کا جھومر بن جائے۔ عدل و انصاف میں کہیں ان کا مقابلہ نہ ہو۔ ان کا ٹکراؤ صرف اور صرف ظلم سے ہو۔ اس جماعت کے نام کے ساتھ ہی لوگوں کے ذہنوں میں عدل کی ترازو قائم ہو جائے۔

(۴) جسم و جان سے شہادت

"اَلْحَقُّ مُرٌّ" ایک حقیقت ہے۔ باطل کے لئے حق کے اظہار سے کڑوی گولی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جب جماعتی لوگوں کے حق پر مبنی دلائل اور ان کا کردار و عمل لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنا شروع کر دیتا ہے تو پھر حاملین حق کو بزور قوت روکنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہیں اجتماعات پر پابندی لگتی ہے' کہیں افکار و نظریات کی تشہیر و تبلیغ کو جرم شمار کیا جاتا ہے۔ حق پرستی کو بنیاد پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ پھر ریاستی قوت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے' ڈرایا دھمکایا جاتا ہے' پابند سلاسل اور تشدد کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ جو لوگ ان حالات میں جھکتے نہیں' بکتے نہیں' بلکہ باطل کا ہر وار سینے پر سہتے ہیں اور جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے ان کا چہرہ تبسم کناں رہتا ہے' یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ ﴾ (آل عمران : ۱۴۰)

"اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیں اور تم میں سے بعض کو شہید بنالیں۔"

اور پھر یہ نمونہ سامنے آتا ہے:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

(الاحزاب : ۲۳)

"مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا

اس میں سچے اترے۔ پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور ان میں بعض اپنی باری کے منتظر ہیں۔ انہوں نے (اپنے عہد میں) ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔"

ہماری تاریخ ایسے شہداء کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، امام ابن تیمیہؒ، شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرھم نے اپنے اپنے دور میں شہادت کی ایک تاریخ رقم کی ہے۔

امتِ مسلمہ کو اللہ کی طرف سے امت وسط کا خطاب اور مقام اجتبائیت اس فریضہ شہادت علی الناس کی وجہ سے دیا گیا ہے اور اس کی ادائیگی ہم پر فرض کر دی گئی ہے۔ قیامت کے دن انبیاء و رُسل کی موجودگی میں جواب دہی ہو گی۔ لہٰذا اس دن سرخرو ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس زندگی میں اس فریضہ کو ادا کرنے کا حق ادا کریں۔ چنانچہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم

① ایمان باللہ اور توکّل علی اللہ میں جلا پیدا کریں۔ قرآن پاک کی تلاوت، اس کی آیات پر غور و فکر اور مراقبہ، اور سنّت و سیرتِ نبویؐ سے گہرا شغف پیدا کریں۔

② انقلابی فکر کو تازہ رکھنے کے لئے متعلقہ دروس کی باقاعدگی سے سماعت جاری رہے، مجالس مذاکرہ قائم کریں، شکوک اور ابہام دور کر کے تصوراتِ دین میں نکھار پیدا کریں۔ توسیع دعوت کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

③ جس قیادت پر اس کام کے لئے ہم نے اعتماد کیا ہے، ان کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط بنائیں۔ سمع و طاعت کیلئے بیعت کے تقاضے اپنے سامنے رکھیں اور انقلابی اہداف کے حصول کیلئے تن من دھن لگانے کے لئے ہر وقت منتظر اور تیار رہیں۔

نوٹ: سیرت کے واقعات کے لئے "الرحیق المختوم" سے مدد لی گئی ہے۔

نماز میں خشوع

حقیقت واہمیت اور اسباب (۴)

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد
ترجمہ و تفہیم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

○

ا) خشوع پیدا کرنے یا مضبوط کرنے والے کاموں کا اہتمام کرنا

(۱۶) نماز میں خشوع کے فضائل معلوم کرنا :

نماز میں خشوع کے بے شمار فائدے ہیں۔ چند ایک کا تذکرہ کئے دیتے ہیں :

(ا) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((مَا مِنِ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَ هَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا اِلاَّ كَانَتْ كَفَّارَةٌ لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ)) (۱۸)

"جس مسلمان کو فرض نماز کا وقت مل جائے' پھر وہ اچھی طرح بنا سنوار کر وضو کرے' خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے' عمدہ طریقے سے رکوع کرے تو اس طرح اس کے سارے سابقہ چھوٹے گناہ معاف ہو جائیں گے' بشرطیکہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے' اور تاقیامت یہ فضیلت باقی رہے گی۔"

نماز کا اجر و ثواب خشوع کی نسبت کے مطابق لکھا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

((اِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ مَا يُكْتَبُ لَهُ مِنْهَا اِلاَّ عُشْرُهَا' تُسْعُهَا' ثُمُنُهَا' سُبُعُهَا' سُدُسُهَا' خُمُسُهَا' رُبُعُهَا' ثُلُثُهَا' نِصْفُهَا)) (۱۹)

"بے شک بندہ نماز پڑھتا ہے' مگر ہر آدمی کا اجر مختلف لکھا جاتا ہے' دسواں حصّہ' نواں حصّہ' آٹھواں حصّہ' ساتواں حصّہ' چھٹا حصّہ' پانچواں حصّہ' چوتھا حصّہ' تہائی حصّہ یا آدھا حصّہ۔"

اس لئے کہ اس کو اتنی نماز کا ہی اجر ملے گا جتنی اس نے سوچ سمجھ کر پڑھی ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((لَيْسَ لَكَ مِنْ صَلَاتِكَ إِلاَّ مَا عَقَلْتَ مِنْهَا)) (۲۰)

"تجھ کو نماز سے اتنا ہی اجر ملے گا جتنی تم نے سوچ سمجھ کر پڑھی ہے۔"

جب نماز مکمل اور خشوع کے ساتھ پڑھی جائے تب ہی وہ گناہوں سے بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ يُصَلِّيْ أُتِيَ بِذُنُوبِهِ كُلِّهَا' فَوُضِعَتْ عَلٰى رَأْسِهِ وَعَاتِقَيْهِ' فَكُلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ)) (۲۱)

"بندہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے سارے گناہ لا کر اس کے سر اور دونوں کندھوں کے اوپر رکھ دیے جاتے ہیں۔ پھر جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے تو گناہ اس سے گر جاتے ہیں۔"

امام المناوی رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں: "مراد یہ ہے کہ جب بھی وہ نماز کا کوئی رکن ادا کرلیتا ہے گناہوں کا کچھ حصّہ اس کے ذمے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب وہ نماز کو مکمل کرلیتا ہے تو سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔" یہ فائدہ اس نماز کا ہے جس کی تمام شرطیں پوری کی گئی ہوں' ارکان و واجبات پر عمل کیا گیا ہو اور خشوع کے ساتھ پڑھی گئی ہو۔ یہ سارا مفہوم اسلوبِ حدیث سے واضح ہے کیونکہ حدیث میں کہا گیا ہے: "جب بندہ کھڑا ہوتا ہے۔" اس عبارت میں اشارہ موجود ہے کہ غلام اللہ رب العالمین' جو کہ سارے بادشاہوں کا شہنشاہ ہے' کے سامنے ذلت و عاجزی کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ (۲۲)

خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے والا جب فارغ ہوتا ہے تو اپنی روح کو ہلکا محسوس کرتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے جیسے بہت سارا بوجھ اس سے اتار کر رکھ دیا گیا ہے۔ اپنے آپ کو خوش' چست اور آرام میں محسوس کرتا ہے' حتیٰ کہ اس کی آرزو ہوتی ہے کہ

نماز ہی پڑھتا رہے۔ اس لئے کہ نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک' روح کا چین اور دل کا سکون ہوتی ہے اور دنیا کی مشکلات سے بچنے کے لئے آرام دہ ٹھکانہ۔ چنانچہ مؤمن دنیا میں اپنے آپ کو مستقل قید اور تنگی میں محسوس کرتا ہے اور جونہی نماز شروع کرتا ہے اپنے آپ کو سکون و راحت میں محسوس کرتا ہے نہ کہ نماز سے جان چھڑاتا ہے۔

نماز سے محبت کرنے والوں کا قول ہے: "ہم نماز ادا کرتے ہیں تاکہ نماز کے ذریعے آرام محسوس کریں" اور یہی بات اہل ایمان کے امام' پیشوا اور نبی ﷺ نے فرمائی ہے: ((یَابِلَالُ اَرِحْنَا بِالصَّلَاۃِ))[۲۳] "اے بلال نماز کے ذریعے ہمارے لئے راحت کا سامان کرو۔" یہ نہیں فرمایا: "نماز سے ہماری جان چھڑاؤ"۔

نیز فرمایا ((جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلَاۃِ))[۲۴] "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔" جس بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہو وہ اس کے بغیر کس طرح چین و قرار پا سکتا ہے اور اسے چھوڑ کر اسے کس طرح صبر آ سکتا ہے؟[۲۵]

⑰ دورانِ نماز دعاؤں کا اہتمام کرنا:

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے درخواست پیش کرنے' اس کے حضور عاجزی و انکساری کا اظہار کرنے' اس سے مانگنے اور اصرار کے ساتھ مانگنے سے بندے اور رب کے درمیان تعلق بڑھتا اور مضبوط ہوتا ہے۔ اور دُعا ہی عبادت ہے۔ اسی لئے بندے کو دُعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ﴾ (الاعراف: ۵۵) "اور اپنے رب سے دُعا کرو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے۔" نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ))[۲۶] "جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔"

دورانِ نماز دُعا کرنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ درج ذیل مقامات پر آپ ﷺ نے دُعا فرمائی ہے۔ سجدہ' دو سجدوں کے درمیان' تشہد کے بعد۔ ان میں سے عظیم ترین مقام سجدے کے وقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ' فَاَکْثِرُوا الدُّعَاءَ))[۲۷]

"بندہ حالت سجدہ میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ چنانچہ (سجدے میں) کثرت سے دُعا کیا کرو۔"

نیز فرمایا :

((أَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ ' فَقَمِنٌ اَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ)) (۲۸)

"سجدوں میں خوب دُعا کیا کرو کیونکہ قبولیت دُعا کا یہی مناسب موقعہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ سے سجدے میں مندرجہ ذیل دعائیں ثابت ہیں :

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ" (۲۹)

"اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے' چھوٹے' بڑے' پہلے والے' بعد والے' جو سب کے سامنے کئے یا چھپ کر کئے۔"

دوسری دعا :

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ" (۳۰)

"اے اللہ! میرے گناہ بخش دے جو میں نے چھپ کر کئے ہیں یا لوگوں کی سامنے کئے ہیں۔"

سجدے اور دو سجدوں کے درمیان کی باقی دعائیں سبب نمبر ۱۲ میں گزر چکی ہیں۔ تشہد پڑھنے کے بعد جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں وہ یہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ يَقُوْلُ : اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ)) (۳۱)

"جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو چار باتوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ کہے : (اے اللہ!) میں جہنم کے عذاب' قبر کے عذاب' زندگی اور موت کی آزمائش' اور مسیح دجال کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ یہ دُعا بھی پڑھا کرتے تھے :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ" (۳۲)

"اے اللہ جو کام میں نے کئے ہیں ان کے شر سے محفوظ فرما اور جو کام نہیں کئے

ان کے شر سے بھی محفوظ کر دے۔"

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھائی :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا' وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" (۴۳)

"اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کئے ہیں اور گناہ صرف آپ ہی بخش سکتے ہیں' پس اے اللہ! میری بخشش فرما دیجئے' اور یہ بخشش آپ کی طرف سے ہو' اور مجھ پر رحم فرما' بلاشبہ آپ کی ذات ہی بخشنے والی اور رحم فرمانے والی ہے۔"

آپ ﷺ نے سنا کہ ایک آدمی تشہد کے اخیر میں یہ دُعا پڑھ رہا تھا :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ يَا اَللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" (۴۴)

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں ــــــ اے اللہ! آپ کی ذات الاحد (تنہا) الصمد (بے نیاز) ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ آپ کسی کی اولاد ہیں اور نہ ہی کوئی آپ کا ہم پلہ ہو سکتا ہے ــــــ یہ کہ آپ میرے گناہوں کی بخشش فرما دیں' بے شک آپ ہی بخشنے والے' رحم فرمانے والے ہیں"۔

یہ دُعا سن کر آپؐ نے فرمایا : "اس کی بخشش ہو گئی' اس کی بخشش ہو گئی' اس کی بخشش ہو گئی۔"

ایک دوسرے آدمی کو آپ ﷺ نے تشہد میں یہ دُعا پڑھتے سنا :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ' لَا شَرِيْكَ لَكَ الْمَنَّانُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَیُّ يَا قَيُّوْمُ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ" (۴۵)

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' یقیناً ساری حمد و ثناء تیری ذات کے لئے

ہے' نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے' تو تنہا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں' نعمتیں عطا کرنے والا' زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا اے ذوالجلال والاکرام ذات! اے حی وقیوم ذات! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور آگ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

یہ دُعا سن کر آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا! "کیا تم جانتے ہو کہ اس آدمی نے کس کا واسطہ دیا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا : اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا : "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے واسطے سے دُعا کی ہے اور یہ نام اس قدر عظمت والا ہے کہ جب اس کا واسطہ دے کر دُعا کی جائے تو اللہ قبول فرمالیتا ہے اور اگر اس نام کے واسطے سے مانگا جائے تو عطا کر دیتا ہے۔"

تشہد اور سلام کے درمیان میں آپ ﷺ یہ دُعا پڑھا کرتے تھے :

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ" (۳۶)

"اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے' جو میں نے پہلے کئے ہیں اور جو بعد میں کئے ہیں' جو تنہائی میں کئے ہیں یا لوگوں کے سامنے کئے ہیں اور جو مجھ سے بلا ارادہ ہو گئے ہیں' اور میرے گناہوں کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کی صفت "المقدم" اور "المؤخر" ہے اور آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔"

اس طرح کی دعائیں یاد کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب لوگ تشہد سے فارغ ہو کر امام کے پیچھے خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ اب کیا کریں' وہ یہ دعائیں پڑھ سکتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں اکٹھی کر سکتے ہیں۔

⑱ بعد از نماز اذکارِ مسنونہ کا اہتمام کرنا :

نماز پڑھنے سے جو فائدہ اور برکت حاصل ہوتی ہے اور دل میں جو خشوع پیدا ہوتا ہے' ان اذکار کی برکت سے وہ مستحکم ہو جاتے ہیں۔ اور اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ جو آدمی پہلی نیکی کی حفاظت کرلے اس کو دوسری نیکی کی توفیق مل جایا کرتی ہے۔ نماز

کے بعد پڑھے جانے والے اذکار پر ذرا غور کریں جو کہ تین دفعہ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ" پڑھنے سے شروع ہوتے ہیں۔ گویا کہ نمازی دورانِ نماز پیدا ہونے والی کمی بیشی اور خشوع کی کمی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہا ہے۔ نفل نمازوں کو بھی پابندی سے ادا کرنا چاہیئے۔ یہ فرائض میں واقع ہونے والی کمی اور خشوع میں کوتاہی کی تلافی کر دیتے ہیں۔

اگلی فصل میں اُن اسباب کا بیان ہو گا جن کی وجہ سے خشوع میں کمی و کوتاہی واقع ہوتی ہے۔

حواشی

۱۲) صحیح البخاری' کتاب السھو' باب السھو فی الفرض والتطوع ح ۱۲۲۵' صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب السھو فی الصلاۃ والسجود له ح ۳۸۹

۱۳) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب ۲۶ ح ۳۶۲ و سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب اذا شكَّ فی الحدث ح ۱۷۷

۱۴) المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۱۷ ح ۱۱۵۵۶ و کشف الاستار ۱/۱۴۷ ح ۲۸۱۔ حدیث حسن ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد ۱/۲۴۲ ح ۱۲۴۸

۱۵) "سلف صالحین" سے مراد عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لئے جاتے ہیں۔ لیکن تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے نیک لوگوں کو شامل کرنے میں بھی کچھ حرج نہیں۔ بعض لوگوں نے بعد کے زمانے کو بھی شامل کر لیا ہے۔ بہرحال اصطلاح اپنانے میں کوئی مذائقہ نہیں۔

۱۶) تعظیم قدر الصلاۃ ۱/۱۸۸

۱۷) سلف صالحین کی نماز اور خشوع کے حالات معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا: مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۲۲۔ الخشوع فی الصلاۃ لابن رجب الحنبلی۔ تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی' سلاح الیقظان/عبدالعزیز السلام۔ اور ذاتی حالات و سیرت سے متعلقہ کتب بالخصوص حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفھانی رحمہ اللہ جمیعًا

۱۸) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبه ح ۲۲۸

۱۹) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب ماجاء فی نقصان الصلاۃ ح ۷۹۶ و مسند احمد ۴/۳۱۹' ۳۲۱' ۲۶۴ و صحیح ابن حبان (الاحسان) ۵/۲۱۰ ح ۱۸۸۹ اور حدیث حسن ہے۔

۲۰) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ۲۲/۶۱۲

(۲۱) السنن الکبری للبیہقی ۳/۳ و حلیۃ الاولیاء ۱۰۵/۶ حالات ثور بن یزید، حدیث ۲۹۷۴۔ علامہ الالبانیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر ح ۲۸۷۱

(۲۲) فیض القدیر ۳۶۸/۲

(۲۳) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ ح ۴۹۸۵، ۴۹۸۶
علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تحقیق سنن ابی داؤد و مسند احمد ۳۶۴/۵

(۲۴) مسند احمد ۲۸/۳ و سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء ح ۳۹۴۹، والمستدرک للحاکم ۱۶۰/۲۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع ح ۳۱۲۴

(۲۵) الوابل الصیب ص ۳۷

(۲۶) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ۳۶ ح ۳۵۲۶۔ استاذ عبدالقادر الارناووط نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ جامع الاصول ۱۲۶/۴ ح ۲۱۳۶

(۲۷) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود ح ۴۸۲ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الدعاء فی الرکوع والسجود ح ۸۷۵ و سنن النسائی، کتاب الصلاۃ، باب اقرب مایکون العبد من اللہ عز وجل ح ۱۱۳۶

(۲۸) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النہی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود ح ۴۷۹، و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الدعا فی الرکوع والسجود ح ۸۷۶

(۲۹) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود ح ۴۸۳ و سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب فی الدعاء والرکوع والسجود ح ۸۷۸

(۳۰) سنن النسائی، کتاب التطبیق، باب ۶۶ ح ۱۱۲۳/۱۱۲۴ تحقیق سنن النسائی میں علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ح ۱۰۷۶

(۳۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب مایستعاذ منہ فی الصلاۃ ح ۵۸۸ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول بعد التشہد ح ۸۹۳

(۳۲) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا والتوبۃ والاستغفار، باب التعوذ من شر ما عمل.... الخ ۲۷۱۲ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الاستعاذہ ح ۱۵۵۰

(۳۳) صحیح البخاری، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب الدعاء قبل السلام ح ۷۹۹ و صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب استحباب خفض الصوت بالذکر

(۳۴) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول بعد التشہد ح ۹۸۵ و سنن النسائی، کتاب

(باقی صفحہ ۶۶ پر)

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۰)

ڈاکٹر ابو معاذ

استاد حسین خطیبی

آپ استاد بہار مرحوم کے عزیز ترین شاگرد تھے اور تہران یونیورسٹی میں بہار کی فارسی ادب کی خالی کردہ اسامی پر بطور پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ فارسی سبک شناسی میں سب سے زیادہ اہم دانشور کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ آپ ایران کی شیر و خورشید سرخ (ریڈ کراس) کے سیکرٹری جنرل تھے۔ جناب خطیبی کے شاگرد پروفیسر جعفر محجوب تھے جن سے راقم الحروف کو کسب فیض حاصل ہوا ہے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں علامہ اقبال کے تمام کلام کا مطالعہ فرمایا اور پھر آپ کے کلام کی عالمانہ ' فلسفیانہ اور شاعرانہ پہلوؤں کی نشاندہی کی۔اس طرح آپ نے اقبال کو حافظ شیرازیؒ کا ہم پلہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی بعض غزلیات پر حافظ کی غزل کا گمان ہوتا ہے اور جب تک قاری کو علم نہ ہو وہ علامہ کے اشعار کو حافظ کے اشعار سمجھنے کی غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کے فنی پہلوؤں پر آپ کے مقالات جب ایران میں شائع ہوئے تو علمی حلقوں میں اچانک ارتعاش سا پیدا ہو گیا اور ایران کی علمی و ادبی محفلوں میں علامہ اقبال کی شاعری کا غلغلہ سنائی دینا شروع ہو گیا۔ آپ کے بقول علامہ اقبال نے فارسی شاعری کے نیم مردہ چراغ کو از سرِ نو روشن کیا اور اس ابدی نور سے نہ صرف پاکستان بلکہ ایران کو منور فرمایا پروفیسر خطیبی نے جس انداز سے اقبال کی حافظ کی پیروی میں لکھی ہوئی غزلیات اور مختلف شاعرانہ پہلوؤں کا ذِکر فرمایا ہے ان کا ذکر ہمارے موجودہ موضوع کی مناسبت طوالت کا باعث بننے کے باعث ہم فی الحال اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔

جناب مجتبیٰ مینوی

آپ فارسی، عربی اور انگریزی ادبیات کے ماہر تھے۔ علمی، ادبی، تنقیدی اور تاریخی مسائل پر آپ کے سینکڑوں مقالات اور متعدد کتب تحریر شدہ ہیں۔ آپ کئی برس تک لندن میں مقیم رہے تھے اور وہیں پر بعض ہندوستانی مسلمانوں (قیام پاکستان سے قبل) کے توسط سے علامہ اقبال کی شاعری سے روشناس ہوئے تھے۔ آپ کی تالیف "اقبالِ لاہوری" غالباً فارسی زبان میں علامہ اقبال کی شاعری کے بارے میں ایران میں لکھی گئی پہلی کتاب تھی جو ۱۹۴۹ء میں مجلّہ "یغما" کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس سے پہلے ہمیں جناب داعی الاسلام کے علامہ اقبال کے بارے میں ایک فارسی مقالہ کا ذکر ملتا ہے جو موصوف نے حیدر آباد دکن میں لکھا تھا۔ جناب داعی الاسلام حیدر آباد میں فارسی کے لیکچرر تھے اور وہیں پر فوت ہوئے۔ چونکہ وہ مقالہ ہندوستان میں تحریر ہوا اس لئے کتاب "اقبالِ لاہوری" ہی پہلی کتاب ہے جو ایران میں چھپی اور اسی کے باعث علامہ اقبال کو "اقبالِ لاہوری" کے نام سے پہچانا گیا۔

آپ کے مطابق علامہ اقبال ایک صاحب قدرت شاعر اور بلند مقام مفکر تھے جنہوں نے سعی و عمل کے نظریات کا پرچار کرتے ہوئے لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے آشنا کروایا۔ برصغیر کی تحریک آزادی اور پھر ایک عظیم اسلامی مملکت کا قیام آپ کے افکار کا مرہون منت تھا اور ایرن میں بھی کم از کم پچھلے سو برس میں آپ جیسی عظیم شخصیت پیدا نہیں ہو سکی۔ آپ نے مشرقی تصوف اور قدیم عقلی فلسفہ کے پیرو کاروں کو جھنجھوڑتے ہوئے افلاطونی افکار کو ذہنی پسماندگی کا منبع قرار دیا۔ اسی طرح آپ نے مغربی علم و حکمت کو عشق سے خالی ہونے کے باعث خام اور ناکارہ قرار دیا۔

علامہ علی اکبر دہخدا

آپ کو موجودہ دور کے عظیم ترین ادیب ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے فارسی زبان میں "لغت نامہ" کے نام سے بیس کے قریب جلدیں ترتیب دیں اور آپ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے تہران میں ۱۹۵۱ء میں یوم اقبال کے جلسہ

کی صدارت کرتے ہوئے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ ہر چند کہ قیام پاکستان کے بعد ایرانیوں نے علامہ اقبال کے شعر و فکر کو سمجھنا اور پہچاننا شروع کیا ہے مگر ابھی تک کماحقہ آپ کے فلسفہ کی گہرائی کو سمجھا نہیں جا سکا۔ آپ نے ایرانی قوم کو فکر اقبال کے مزید مطالعہ کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا کہ علامہ اقبال نے ہندوانہ فلسفے میں موجود زندگی سے فرار اور گریز کی خامیوں کو جاننے کے بعد ملت اسلامیہ کو اسلامی وحدت میں مربوط کرنے کی کوشش فرمائی۔ ایک اور موقع پر علامہ دہ خدا نے علامہ اقبال کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔[۳]

اقبال شہیرِ خویش بر شرق ہمی نازد   زانگونہ کہ پاکستان با نابغۂ دوران
و اندر چمن معنی چون سرو سرافرازد   زیبد وطنِ ما بر خویش ہمی بالد
گنجینۂ قلبِ خود با گفتہ پردازد   زآنکہ روے اقبال خواہد کہ سخن گوید

(جس طرح پاکستان علامہ اقبال جیسی نابغہ روزگار ہستی اور عظیم مفکر پر نازاں ہوتے ہوئے مشرق میں فخر سے سربلند کرتا ہے اسی طرح ہمارے وطن یعنی ایران کو بھی حق حاصل ہے کہ معنی کے باغ میں سرو کی طرح سربلند ہو کر فخر کرے' کیونکہ جب علامہ اقبال بات کرنا چاہتے ہیں اور اپنے روحانی خزانے کو زبان شعر کے ذریعہ عام کرتے ہیں)

شائستہ نہ بیند تا باوے سخن آغازد   از بعد وطن تاشان کس را بجز ایرانی

(اپنی فارسی زبان کے باعث اپنے ہم وطنوں کے علاوہ ماسوائے ایرانیوں کے کسی کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان سے ہم کلام ہو سکے۔)

از پہنۂ این میدان جولانگۂ خود سازد   دُرہاے ثمن خود در دُرج دری ریزد

(اپنے گوہرہائے بے تہا کو فارسی زبان کی ڈبیا میں انڈیلتے ہیں اور ایران کے میدان کی وسعتوں کو دہخدا اپنے افکار کی جولانگاہ سمجھتے ہیں۔)

علامہ دہخدا کے اعتراف کے بعد علامہ اقبال غیر متنازعہ طور پر فارسی شعر و ادب میں اہم ترین مقام کے حامل قرار پائے۔

جناب حسین تقی زادہ

آپ عرصۂ دراز تک سیاسی جلا وطنی کے باعث ایران سے باہر رہے اور اس دوران جرمنی سے علمی مجلہ "کاوہ" شائع کرتے رہے۔ آپ کے یورپ میں طویل قیام کی وجہ سے آپ کا بین الاقوامی فلسفیانہ اور انقلابی تحریکوں کے بارے میں وسیع مُطالعہ تھا۔ ایران لوٹنے پر آپ تمام علمی حلقوں میں انتہائی احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور ۱۹۵۱ء میں متفقہ طور پر پارلیمنٹ کے ایوان بالا (مجلس سنا) کے چیئرمین منتخب ہو گئے۔ آپ نے یوم اقبال ۱۹۵۱ء کے موقع پر عظیم خطبہ دیا جس میں آپ نے علامہ اقبال کی اتحادِ اسلامی کے لئے خدمات کو سراہا۔ آپ کو روایتی متصوفین پر فوقیت دیتے ہوئے فرمایا کہ اقبال کے افکار کا مطالعہ وہی شخص کرے جس کا معاصر انقلابی تحریکوں، فلسفہ اسلام اور مغربی افکار کا وسیع مطالعہ ہو۔ آپ نے اس یقین کا اظہار فرمایا کہ علامہ اقبال کی خواہش کے مطابق تہران کو عالم اسلام کا مرکز (جنیوا) بننے کی سعادت ایک نہ ایک دن ضرور نصیب ہو گی اور وحدت اسلامی کی تحریک ضرور زور پکڑے گی اور مسلم دُنیا کے اتحاد کا دن دُنیا ضرور دیکھے گی۔

جناب صادق نشأت

آپ مشہور صوفی بزرگ حضرت خواجہ میرداماد ؒ کی اولاد سے تھے اور آپ کو عربی اور فارسی علوم پر تبحر حاصل تھا۔ آپ ۱۹۵۱ء میں علامہ اقبال کے کلام سے آشنا ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک مقالے میں فرمایا کہ علامہ اقبال دلی اور روحانی اعتبار سے مکمل طور پر ایک ایرانی مفکر اور شاعر ہیں۔ آپ سُنّی مسلمان ہوتے ہوئے بھی تشیّع کی رُوح سے دور نہیں تھے بلکہ فرقہ وارانہ اختلافات ہی کے خلاف تھے اور تمام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ سید جمال الدین افغانی ؒ کی طرح تمام فرقوں کو ایک ہی درخت کی شاخیں قرار دیتے تھے۔ احیائے اسلام کا یقین کامل تھا۔ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مصائب و آلام کے بیان میں ایرانیوں کے ہم زبان تھے۔

ایران کے قومی شاعر جناب صادق سرمد مرحوم

ملک الشعراء بہار کے بعد آپ سبک خراسانی کے عظیم ترین شاعر تھے۔ سرکاری طور پر آپ کو ایران کا قومی شاعر قرار دیا جا چکا تھا۔ آپ کو ابتداء میں شاعرِ دربار کا درجہ بھی حاصل تھا اور شاہ ایران کے ہمراہ آپ نے ۱۹۵۰ء میں پاکستان کا دورہ بھی کیا تھا۔ مگر ۱۹۵۳ء میں جب آپ نے شاہ کے خلاف جناب مصدق کا ساتھ دیا تو آپ زیرِ عتاب آگئے اور آپ کی جملہ مراعات چھن گئیں۔ اب آپ شاہ کو چھوڑ کر اقبال کے قصیدہ گو بن گئے۔ آپ نے جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی دعوت پر پاکستان کا خصوصی دورہ کیا اور کراچی، لاہور، پشاور اور ڈھاکہ میں قیام فرمایا۔ آپ کے کلام کا کم از کم ایک تہائی حصہ علامہ اقبال اور پاکستان کی توصیف و تجلیل میں ہے۔ آپ ۱۹۵۹ء میں وفات پا گئے مگر آپ نے اپنی زندگی کے آخری دس برس علامہ اقبال کے افکار کی اشاعت و ترویج میں وقف کر دیئے۔ ڈاکٹر عرفانی مرحوم نے آپ کی زندگی اور شاعری پر "سرودِ سرمد" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی تھی۔ ہر اعتبار سے ایران کی موجودہ تاریخ میں جناب سرمد کو اقبال کا سب سے بڑا مداح اور مبلغ سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ کی بے چین روح کسی اسلامی انقلاب کی منتظر تھی اور شاہ کے دربار میں وابستگی کے دوران بھی آپ شاہ کو ملت ایران کے انحطاط اور اخلاقی و سماجی مسائل کی بابت خبردار کرتے رہتے تھے اور کبھی کبھی آپ کے شعروں سے بغاوت کی بو آتی تھی۔ یہ سب کا سب علامہ اقبال کی شاعری کے مطالعہ کا اثر تھا۔ ملاحظہ ہو کہ شاہ سے خطاب کرتے ہوئے ایک قصیدے "کاخِ فساد" میں فرماتے ہیں ؎

اے کاش غم و بلا فزون گردد   تا کاخِ فساد واژگون گردد

(اے کاش غم اور مصیبتیں حد تک بڑھ جائیں تا کہ فساد کا محل زمین بوس ہو جائے۔)

این بامِ شکستہ پئے کہ ما داریم   بے سایہ وسقف و بے ستون گردد

(ہمارے سر پر جو ٹوٹی پھوٹی چھت ہے میری دعا ہے کہ یہ گر جائے، نہ کوئی چھت بچے نہ ستون اور اس کا منحوس سایہ ہمارے سروں پر نہ رہے۔)

اے زارعِ تیرہ روزِ کم روزی تا چند نشستہ ای کہ چون گردد
(اے غریب اور مفلوک الحال مزارع! کب تک بیٹھ کر یہ سوچتا رہے گا کہ تیرے دن پھر جائیں گے)

تو قلب زمین بہ پنجہ بشگافی تا نعمت خواجہ گوناگوں گردد
(تو زمین کو اپنے پنجوں سے کھودتا رہتا ہے تاکہ جاگیرداروں کی نعمتوں میں اضافہ ہو جائے)

خونِ ظالم چرا نمی ریزی تا زرد رخِ تو لالہ گون گردد
(تو ظالموں کا خون کیوں نہیں بہا دیتا تاکہ تیرا زرد چہرہ لالے کے پھول کی طرح سرخ ہو جائے۔)

این بے خردی کہ عقل می خوانی اے کاش بدل بہ یک جنون گردد
(جس حماقت کو تو نے عقل سمجھ رکھا ہے خدا کرے کہ وہ جنون میں تبدیل ہو جائے۔)

انہی ایام میں محمد رضا شاہ پہلوی نے برطانیہ کا دورہ کیا اور شاہ کی واپسی پر بطورِ شاعر دربار آپ کو شاہ کے خیر مقدم کے لئے قصیدہ کہنا پڑا۔ آپ کا قصیدہ ہے تو ایک پند نامہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک ممکنہ اسلامی انقلاب کی جانب اشارے اور اظہار مایوسی ہے۔ یہ اعلائے کلمۃ الحق جو دربار میں بر سرعام کیا جائے وہ سُنّتِ موسوی کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

شہریارا! فاش گویم ہیچ و ہرگز ملّتے کاب سایہ بے ہدف چون مابہ ہاون دیدہ ای
(اے بادشاہ! میں صاف بتا رہا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کبھی کسی نے ہماری قوم کی طرح کوئی بھی قوم دیکھی ہے جو بے مقصد ہاون میں پانی ڈال کر اسے گھوٹتی رہے؟)

ما گرفتارِ غروریم و اسیرِ مکر و فن الحذر از ہرچہ مکر و حیلہ و فن زیدہ ای
(ہم جھوٹے غرور میں مبتلا ہیں اور فراڈ اور نوسربازی کا شکار ہیں۔ خدا آپ کو اس مکر، حیلہ اور فراڈ جو تم نے اپنے اردگرد دیکھا ہے اس سے محفوظ رکھے۔)

شست باید نقشِ زشتی ہا ز روے اجتماع تا نہ بینی آنچہ نتوان دید لیکن دیدہ ای
(سوسائٹی اور معاشرے کے چہرے سے بدصورتی کے داغ دھو دینے چاہئیں تاکہ وہ چیزیں جو نظر نہیں آنی چاہئیں لیکن تو نے ان کو پھر بھی دیکھا ہے ان کو مستقبل میں تو

نہ دیکھ سکے۔)

سوسنِ آزاد خواہی سرو آزادی نشان تا بروید آنچہ بہ از سرد و سوسن دیدہ ای

(اگر آزادی کے پھولوں کی خوشبو سے غرض ہو تو تمہیں چاہئے کہ آزادی کے سرو اگانے کی کوشش کرتا کہ جو کچھ تو نے برطانیہ میں سرو اور سوسن دیکھے ہیں وہ یہاں بھی ظاہر ہو سکیں۔) ظلم و استبداد کی کوکھ سے آزادی جنم نہیں لیتی۔

در حسابِ زندگی بر سفرۂ شاہ و گدا قسمتِ ہر کس بمقدارِ معیّن دیدہ ای

لالچ اور لوٹ کھسوٹ کا کیا فائدہ؟ (تو نے زندگی کے حساب کتاب کے اعتبار سے ہر شاہ و گدا کا رزق تو اس کے دستر خوان پر اپنی قسمت کے مطابق پہنچتا ہوا دیکھ ہی لیا ہے۔)

آپ کے انقلابی خیالات جب علامہ اقبال کے شعر و فکر کے اسلوب میں ڈھلے تو آپ نے شاہ کا تختہ الٹنے پر جناب محمد مصدق کو مبارک باد کا تار دے دیا اور شاہ کے تخت و تاج چھوڑ کر بھاگ جانے پر اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا۔ اس واقعے کے بعد تو آپ علامہ اقبال کے پیرو کار ہو کے ہی رہ گئے۔ لیکن شاہ سے وابستگی کے ایام میں بھی آپ کے ایسے قصائد اور نظمیں دستیاب ہوتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے علامہ اقبال کا دقیق انداز میں مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اپریل ۱۹۵۰ء میں آپ نے جو اوّلین قصیدہ حضرت علامہ اقبال کی شان میں لکھا اس کے چیدہ چیدہ اشعار کچھ یوں ہیں۔

اگرچہ مرد بمیرد بگردشِ مہ و سال نمردہ است و نمیرد محمد اقبال

(اگرچہ انسان وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک دن اس دُنیا سے چلا جاتا ہے۔ لیکن علامہ اقبال نہ تو مرے ہیں اور نہ ہی کبھی مریں گے۔)

حیاتِ صورتش ار طے شدہ است طے نشود حیاتِ سیرتش ار طے شود ہزاران سال

(ہرچند آپ کی طبعی زندگی ختم ہو چکی ہے لیکن آپ کی فکری زندگی ختم نہیں ہو گی، اگر ہوئی بھی تو ہزاروں سالوں بعد۔)

درود باد بہ لاہور و خطّۂ پنجاب کہ زاد و پرورد این شاعرِ خجستہ خصال

(شہر لاہور اور خطہ پنجاب پہ خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں جہاں یہ عظیم اور عالی فطرت شاعر پیدا ہوا اور پلا بڑھا)

چراغِ لالہ شد و آن قدر بصحرا سوخت کہ شمعِ محفلِ اقبال گشت و روشن حال

(آپ لالے کا چراغ بن کر صحرا میں اس قدر جلے کہ وہ گلِ لالہ ایک روشن شمع بن گیا جس کے ارد گرد پروانوں نے جمع ہو کر محفلِ اقبال سجالی۔)

زمامِ ناقۂ اسلام زی قطار کشید اگرچہ دستِ طبیعت بدو نداد مجال

آپ کے ایک مشہور شعر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ (وہ عالم اسلام کی گم شدہ اونٹنی کو مہار سے پکڑ کر قطار میں لے آیا' لیکن بعد کے حالات کا مشاہدہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔)

قیامِ مردِ خدا کم تر از قیامت نیست کہ بعثِ ملّت و دولت کند باستعجال

(آپ جیسے مرد خدا کا قیام' قیامت سے کم نہیں ہے کیونکہ آپ کے قیام نے قوم و ملت کو ایک دم سے نئی زندگی دی اور ایک ملک قائم ہو گیا)۔

سخن سرایٔ اقبال بذرِ دین فشاند برغمِ دشمنِ بے دین و کافرِ قتّال

(کافر اور بے دین قاتل دشمن کی مخالفت کے باوجود آپ کی شاعری نے دین کے بیج بو دیئے۔)

رسول وار بہ تبلیغِ حق کتاب نوشت کہ قدرِ حق شناسد منافقِ محتال

(آپ نے پیغمبروں کی طرح حق کی تبلیغ کی اور کتابیں لکھیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے عظیم شخص کی قدر دانی کوئی حیلہ جو منافق کر سکے۔)

انہی دنوں ایران کے بادشاہ کے ہمراہ آپ کو مشرقی اور مغربی پاکستان کا دورہ کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ آپ نے لاہور کے زندہ دل عوام کو شالیمار باغ میں ایک پیغام دیا جو علامہ اقبال کے جواب میں پہلا پیغام تھا جو ایران سے لاہور پہنچا اور ایران نے ہمارے ساتھ فکری یک جہتی کا ثبوت فراہم کیا۔ یہ شعر ۱۹۵۰ء میں کہے گئے۔ اسی پس منظر میں ملاحظہ کیجئے ۔

اے مسلمانانِ پنجابی زہے اقبالتان کردمِ اقبالتان مقبول شد آمالتان

(اے پنجاب کے مسلمانو! آپ کا اقبال کتنا عظیم تھا جس کے افکار نے آپ کے لئے ایک راہ متعین کی اور آپ کی آزادی کے حصول کی آرزو پوری ہو گئی۔)

نغمۂ اقبالتان سوئے قطار آورد بار اے مسلمانانِ پنجابی زہے اقبالتان

آپ کے اقبال کے نغمہ نے آپ کے منتشر کاروان کو متحد اور منظم کیا۔ اے پنجاب کے مسلمانو! آپ کا اقبال کس قدر عظیم تھا۔

گر چراغِ لالۂ صحرائی اقبالی نبود　　شمعِ آن محفل نمی شد روشنِ حالستان
(آپ کے اقبال کا لالۂ صحرا نہ ہوتا تو آج کے دلوں کی روشنی ایک شمع بن کر یہ محفل اپنے گرد سجا نہ سکتی۔)

فکرِ خود کردید و اسرارِ خودی آموختید　　لاجَرم بے خود شد نزدِ خدا اعمالتان
(تم نے اپنی فکر کی اور جدّوجہدِ آزادی کے دوران خودی کے راز جان لئے۔ بے شک خداوندِ قدوس کے ہاں آپ کی کوششیں بار آور ثابت ہو گئیں۔)

صادق سرمد نے اس کے بعد ایران میں علامہ اقبال کے جو قصائد کہے ان میں سے "مشتے از خروار" کے مصداق چند ایک قصائد کے چند منتخب اشعار پر اکتفا کرتے ہوئے ہم قارئین کو یہ یاد دلانا چاہیں گے کہ علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں کس طرح امتِ محمّدیہ میں اسلامی نظریات کے فروغ کے لئے مخلصانہ کوششوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ شعراء حضرات چونکہ کسی قوم کے "دیدۂ بینا" ہوتے ہیں اس لئے وہ قوم کے درد و آلام کا احساس کرتے ہوئے جو کچھ کہتے ہیں وہ عوام کے مافی الضمیر کا ترجمان ہوتا ہے۔ سرمد کا قصیدہ "ایّامِ بزرگ" بھی انہیں حقائق کا آئینہ دار ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اقوامِ بزرگ اند بہ افکارِ بزرگان　　وین سُنّتِ دیرینۂ اقوامِ بزرگ است
(قوموں کی عظمت کا راز اس کے زعماء کے افکار میں پنہاں ہوتا ہے اور یہ عظیم اقوام کی قدیم روایت رہی ہے۔)

اقبال کہ پیغمبرِ پیغمبرِ حق بود　　در حضرتِ حق صاحبِ انعامِ بزرگ است
(چونکہ اقبال اللہ کے رسول کا پیغام پہنچا رہے تھے اس لئے وہ خدا کے دربار میں عظیم نعمتوں سے نوازے گئے ہیں۔)

احرام چہ بندی بر اہرام؟ چو اقبال　　رُو سوے حرم کن کہ بہ احرامِ بزرگ است
(قدیم ادوار کے کھنڈرات مثلاً اہرام مصر کے لئے احرام کیوں باندھ رہے ہو؟ اقبال کی طرح حرم کعبہ کی جانب رخ کرو کیونکہ اس کا مقام اور حرمت بہت بلند ہے۔)

یہ دراصل علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ فرماتے ہیں

زمانہ کہنہ بتان را ہزار بار آراست　　من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است
(زمانے نے پرانے بتوں یعنی رنگ و نسل اور تاریخ کے اصنام کو بار بار سجایا۔ میں حرم

سے وابستہ رہا کیونکہ اس کی بنیادیں بہت مضبوط ہیں۔)

اقبال بزرگ است کہ در عالمِ توحید　　از بُت شکنی دشمن اصنامِ بزرگ است

(علامہ اقبال کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ آپ توحید کے جہاں میں بڑے بڑے بتوں کو
توڑ کر بُت شکنی کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔)

اقبالِ بزرگ است کہ بر گردنِ اسلام　　از خدمتِ بے منّتِ وے وامِ بزرگ است

(اقبال کی عظمت اس وجہ سے بھی ہے کہ آپ نے اسلام کی بے پناہ خدمت کر کے
ملّتِ اسلامیہ کے عظیم محسن کا شرف حاصل کیا ہے۔)

اس کے بعد جناب صادق سرمد نے کئی ایک قصائد لکھے جن میں قصیدہ "دانائے راز" ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں انہوں نے منہ زور شہنشاہوں اور آمروں کا ذکر کرتے ہوئے ایک انقلاب کی جانب اشارہ کیا ہے جو اسلام کی دعوتِ حق کے باعث رونما ہوگا اور جس کی اساس علامہ اقبال کے افکار پر ہوگی۔ منتخب اشعار حاضرِ خدمت ہیں ؎

ہزار طالبِ شہرت بہ فکرِ شیطانی　　فریفت جامعہ و فتنہ در سیاست کرد

(ہزاروں شہرت کے بھوکے لوگوں نے اپنی شیطانی سوچوں کے ذریعہ عوام کو اُلّو بنایا
اور سیاست میں آکر فتنہ و فساد کا باعث بنے۔)

ہزار حاکمِ مطلق بدین گمان کہ توان　　بخلق روے زمین تا ابد حکومت کرد

(ہزاروں آمروں اور مطلق العنان حکمرانوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اس جہان میں وہ
ہمیشہ کے لئے حکومت کرتے رہیں گے۔)

نشست در پسِ دیوارِ آہنی بغرور　　بدین گمان کہ مسخر جہان ز قدرت کرد

(یہ لوگ آہنی پردوں کے پیچھے اپنے غرور اور تکبر میں مست ہو کر تصور کرتے رہے
کہ وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر دُنیا کو فتح کرلیں گے۔)

عجب کہ چوں بسر آمد حیاتِ صورتشاں　　کسے نبود تو گوئی کہ با تو صحبت کرد

(یہ باعث حیرت ہے کہ جب ان کو موت آگئی تو کوئی بھی شخص ایسا نہ ملا جس نے ان
لوگوں کا ذکر تک کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو۔)

حیاتشان ہمہ نقش بر آب شد چو حباب　　کہ چون حباب شکست آنکہ نقشِ صورت کرد؟

(ان کی زندگی سب کی سب بلبلے کی طرح نقش بر آب ثابت ہوئی۔ جونہی وہ بلبلہ ٹوٹا

تو پھر ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔)

ولیک مرد خدا را خدائی مرگ نداد   مگر کہ قالب صورت بدل بسیرت کرد

(لیکن خدا نے اپنے بندوں پر موت طاری نہ کی۔ صرف اتنا ہوا کہ جونہی ان کی جسمانی زندگی ختم ہوئی ان کی سیرت یعنی اعمال کی زندگی شروع ہو گئی۔)

حیاتِ مردِ خدا حیاتِ ملتہاست   کہ مردِ حق سرو جان در حیاتِ ملت کرد

(خدا کے بندے کی زندگی درحقیقت قوموں کی زندگی ہے کیونکہ خدا کے بندوں نے اپنی زندگی قوموں کی زندگی کے لئے وقف کر دی۔)

درود باد بر اقبال و معجزِ سخنش   کہ معجزِ سخنش عالمے بحیرت کرد

(خدا کی رحمتیں علامہ اقبال اور ان کے شاعرانہ کمال پر ہوں کہ ان کے شعر کے اعجاز نے پوری دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا)

دم زخودی زد و بیگانہ راند از سرِ خویش   بلے بخود رسد آن کو ز حق اطاعت کرد

(انہوں نے خودی کا دم بھرا اور بیگانوں یعنی کفار کو دھتکار دیا۔ ہاں ہاں وہ شخص جو خدا کی اطاعت کرے وہ اپنے حقائق تک پہنچ جائے گا۔)

درود باد بامروز و صاحبِ امروز   کہ روزگار بنامش صحیفہ زینت کرد

(خدا کی رحمتیں علامہ اقبال پر ہوں اور آپ کی حق طلب جان پر۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ حق اور سچائی کی خاطر کیا)

ایک بار پھر آپ ۱۹۵۵ء میں پاکستان تشریف لائے اور علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دی۔ اب جس وفورِ جذبات سے علامہ اقبال کی قبر پر بیٹھ کر جناب سرمد نے اپنا خراج عقیدت پیش کیا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ شاعر جو بادشاہوں کے دربار میں قصیدے پڑھتا تھا آج وہ ایک فقیر کی قبر پر بلا طمع و ہوس اپنے دلی جذبات قصیدے کی صورت میں پیش کر رہا تھا۔ اس قصیدے کے ایک ایک شعر میں علامہ کے کلام کے مختلف اشعار اور پہلوؤں کی طرف نازک اشارے پائے جاتے ہیں۔

تُو بہ سیرت زندہ ای کاندر حیاتِ اجتماع   ملتے را زندہ کرد اندیشہ و آمالِ تو

(تیری سیرت قوم و ملت کی روح کے طور پر زندہ رہے گی کیونکہ تیری سوچوں اور آرزوؤں نے قوم کو زندگی عطا کی ہے۔)

نقشِ فطرت خواند فکرت از ضمیرِ کائنات   مرحبا بر فطرت و بر فکرتِ جوالِ تو

(تیری سوچوں نے ضمیر کائنات میں چھپے ہوئے فطرت کے نقوش بھی پڑھ لئے ہیں۔
آپ کی فطرت اور آپ کی شعلہ بار سوچوں پر آفرین ہو۔)

چون بہ تبلیغِ حقائق رہبرِ امت شدی ۔۔۔ تُو بہ پیشِ اُمت و اُمت شد از دنبالِ تو

(حقائق کی تبلیغ کرتے کرتے آپ امتِ محمدیؐ کے رہبر بن گئے۔ اب فکری اعتبار
سے آپ امت کی رہنمائی کرنے لگے اور امت بھی آپ کے پیچھے لگ گئی۔)

دولتِ اسلامیان را باز آوردی بہند ۔۔۔ در حقت نازم کہ طے شد بازیِٔ دجّالِ تو

(برصغیر پاک و ہند میں ایک بار پھر آپ نے حکومت اسلامی کی بنیاد رکھ دی۔ اس
احیاءِ اسلام پر ہمیں فخر ہے کہ آپ کے دجال دشمن کی چالیں مات ہوگئیں۔)

زندگیٔ پیشوایان زندگیٔ اُمّت است ۔۔۔ آفرین ہا بر تو و بر اُمّتِ فعّالِ تو

(پیشواؤں کی زندگی درحقیقت قوم کی زندگی ہے۔ ہزار آفریں ہو آپ پر اور آپ کی
متحرک و فعال قوم پر۔)

اس کے علاوہ آپ نے تحریک پاکستان میں علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کی فکری اساس کا کس خوبصورت انداز میں اپنی ایک اور نظم میں ذکر فرمایا ؎

اقبال کشت بذر و جناحش فشاند آب ۔۔۔ اقبال کشت تخم و جناحش ثمر گرفت
قائد فراشت پرچمِ اقبال تا ابد ۔۔۔ کز بہرِ خلق پرچمِ فتح و ظفر گرفت

(علامہ اقبال نے کھیتی بوئی اور جناح نے اسے پانی دیا۔ اقبال نے بیج بویا اور جناح نے
اس کا ثمر حاصل کیا۔ قائد نے قیامت تک کے لئے اقبال کے اس پرچم کو بلند کر دیا جو
عوام کے لئے فتح و ظفر کی دلیل اور نشان ہے۔)

علاوہ بریں لاہور کے بارے میں آپ کی بے شمار منظومات چھپ چکی تھیں۔ پھر پشاور اور ڈھاکہ کا ذکر آپ کے لاتعداد اشعار میں ملتا ہے۔ فروری ۱۹۵۱ء میں آپ نے کشمیر کے بارے میں ایک طویل قصیدہ کہا جس کے چند اشعار یہاں برمحل ہوں گے۔ ؎

فریاد کہ از کشمکشِ کشورِ کشمیر ۔۔۔ بسیار مسلمان بگذشت از دمِ شمشیر

(آہ کشمیر کی کشمکش میں کتنے مسلمان تھے جو اب تک اسلحے کا نشانہ بن چکے ہیں۔)

بس شہر کہ غارت شد و بس خانہ کہ ویران ۔۔۔ ویرانہ تر از آنکہ بود قابلِ تعمیر

(کتنے شہر تھے کہ غارت ہوگئے اور اس قدر ویران ہوگئے کہ ان کی عمارات قابلِ تعمیر

بھی نہ رہیں۔)

مغرور مشو اے کہ بہ تقدیر سیاست   تزویر کنی با حق در قالبِ تدبیر

(مغرور مت ہو کہ سیاسی چالیں چل کر آپ حق کو نہیں دبا سکیں گے اور کوئی بھی تدبیر کارگر نہیں ہو گی۔)

تقدیر الٰہی را بازیچہ مگیرید   تقدیر الٰہی حق و حق است جہانگیر

(خدا کی تقدیر کو کھیل تماشہ مت سمجھو۔ تقدیر الٰہی حق ہے اور بالآخر حق ہی دُنیا میں چھا جاتا ہے۔)

کشمیر بود حقِ مسلمان و مسلمان   گیرد حقِ خود' نشود زود شود دیر

(کشمیر پر مسلمانوں کا حق ہے اور مسلمان اپنا حق لے ہی لیتے ہیں' اگر جلدی نہ ہو سکے تو پھر دیر سے ہی سہی۔)

شورای ملل گر طلبد صلح جہانی   گو حکم بحق کن نہ بہ تعبیر بہ تفسیر

(اگر اقوام متحدہ دُنیا میں صلح و امن کے لئے قرار داد پاس کرتی ہے تو حق بات کرے' اس کی تعبیروں اور تفسیروں میں مت اُلجھ جائے۔)

امروز اگر ملّتِ کشمیر اسیر است   فرداست کہ درہم گسلد رشتۂ زنجیر

(آج اگر کشمیر کی قوم غلام ہے تو کل تو زنجیر کی کڑیاں ٹوٹ کے رہیں گی)

امروز اگر نالۂ کشمیر ضعیف است   فرداست کہ غوغا فگند نعرۂ تکبیر

(آج اگر کشمیریوں کے آہ و نالہ میں اثر نہیں تو کل تو وہاں پر ضرور نعرۂ تکبیر کا غلغلہ بلند ہو گا۔)

اسی طرح ۱۹۵۳ء میں پاکستانی محققین اور دانشوروں کا وفد جناب مولوی محمد شفیع مرحوم کی قیادت میں ایران پہنچا' تو ان کے خیر مقدم کے لئے ایرانی ادیبوں' دانشوروں اور شاعروں نے کئی محفلیں منعقد کیں۔ اس موقع پر جناب صادق سرمد کا قصیدہ پاکستان اور ایران کے دینی' لسانی اور ثقافتی رشتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

کاروانِ علم و ایمان شد ز پاکستان بہ ایران   خیر مقدم' مرحبا' بر کاروانِ علم و ایمان

(علم اور ایمان کا کاروان پاکستان سے ایران آیا ہے۔ ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس علم و ایمان کے کاروان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔)

گر بتاریخِ کہن بینی' کہن بینی روابط   ہمچنان از عہدِ کورش' ہمچناں از بعدِ ساسان

(اگر قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو کوروش اعظم کے دور اور بعد میں
ساسانیوں کے عہد میں دونوں قوموں کے مابین مضبوط روابط کا سراغ ملے گا۔)

چون ز ایران رو بہ ہند آورد آئینِ الٰہی — فیضِ آئینِ محمدؐ شد شفیع کارہاں

(جب ایران کے راستے اسلام کا آئین الٰہی ہندوستان میں داخل ہوا تو آئینِ محمدیؐ
کے فیض سے پاک لوگوں یعنی اہل پاکستان کی شفاعت کا سامان ہونے لگا۔)

چون شد اندر قلبِ پاکاں بذرِ ایمان ریشہ فگن — بردمید از خاکِ مردہ 'باغِ رضوان' آبِ حیواں

(جب پاک لوگوں کے سینوں میں ایمان کا بیج پھلنے پھولنے لگا تو ہندوستان کی مردہ
سرزمین میں اسلامی ملت کا باغِ رضوان اور آبِ حیات کا چشمہ ابلنے لگ گیا۔)

چون ہلالِ پرچمِ اقبالِ پاکستان برآمد — در صلیب افتادہ لرزہ 'یارِ ترسا گشت ترساں

(جب علامہ اقبال کی خوابوں کی تعبیر کے طور پر پاکستان کے پرچم کا ہلال نمودار ہوا تو
برطانیہ کے صلیبی علم پر لرزہ طاری ہو گیا اور عیسائیوں کے دوست لرزنے لگے۔)

اس کے بعد آپ نے ایران اور پاکستان کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ؎

گر ملل را وحدتِ اوطان فزاید بر اخوت — وحدتِ اوطان کجا تا وحدتِ آمالِ اخوان

(ہم آپس میں بھائی ہیں اور بھائیوں کی آرزوئیں وطن کی محبت پر غالب آ سکتی ہیں
اور قومیں اسلامی اخوت کے باعث ایک ہو سکتی ہیں۔)

در ملل راز اختلافِ رنگ و شکل است اختلافی — وحدتِ دل ہا زداید اختلافِ شکل و اَلواں

(اگر کبھی قوموں کی پہچان ان کے رنگ اور شکل و صورت کی وجہ سے ہو تو دلوں کی
وحدت ایسے رنگ و صورت کے اختلافات کو ختم کر دیتی ہے۔)

لیک اگر سُنّت شود واحد بحکمِ وحدتِ دیں — وحدتِ ملیت آید رہنمائے نوعِ انسان

(لیکن اگر دینی وحدت کے باعث سُنّت بھی ایک ہو جائے تو پھر ایسی وحدت جنم لیتی
ہے جو بنی نوع انسانی کی رہنما بن جاتی ہے۔)

وحدتِ ایران و پاکستان بحکمِ دین و سنّت — وحدتِ عالم تواند شد ز روئے عقل و میزان

(پاکستان اور ایران کی وحدت کی بنیاد تو ہمارا مشترک دین و سُنّت ہے۔ دُنیا کی وحدت
شاید عقل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہو سکے۔)

تا بداند دشمنِ بے دین کہ ما را دین چہ باشد — دینِ علم و دینِ عدل و دینِ عقل و دینِ برہان

(ہمارے بے دین دشمن کو پتہ چلے کہ ہمارا دین کیا ہے۔ دین اسلام تو علم، عدل، عقل

اور دلائل کا دین ہے)

مرحبا بر خاکِ پاکستان کہ از لوثِ مطامع　　پاک شد چو کشورِ ایران بہ تعلیماتِ قرآن

(پاکستان کی سرزمین پر آفرین ہو جو ایران کی طرح قرآن پاک کی تعلیمات کے باعث لالچ کی گندگی سے پاک ہو گئی)

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا گواہی صادق آمد　　ہر کہ بر حق زد قدم شد راہِ حق بروی نمایان

(یہ وہ لوگ ہیں جن پر قرآن پاک کی آیت کے مصداق کہ "جن لوگوں نے ہمارے لئے جہاد کیا" گواہی صادق آتی ہے۔ جو لوگ حق کی راہ پر چل پڑے پھر راہ حق کے آثار ان پر واضح ہونے لگے۔)

برتر از دینِ مسلمانی نہ بینی ہیچ دینی　　کاندر او حریت و عدل و اخوت ہست بنیان

(آپ کو دینِ اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں ملے گا جس کی بنیاد ہی آزادی' انصاف اور اخوت پر قائم ہے)

یادِ ایامی کہ من مہمانِ لاہورِ تو بودم　　شعرہا خواندم بہ تحسین و بہ تجلیلِ فراوان

(ان دنوں کی یاد میں کہ جب میں تیرے لاہور شہر کا مہمان تھا اور تحسین و تجلیل میں شعر اور قصیدے کہہ رہا تھا۔)

میزبان از میہمان بشناختن آسان نباشد　　چون مسلمانے در آید بر سرِ خوانِ مسلمان

(جب کسی مسلمان کے دسترخوان پر کوئی مسلمان آن بیٹھے تو پھر مہمان اور میزبان کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے)

اسی طرح آپ کے اشعار صوفی تبسم' ڈھاکہ کے عندلیب شادانی اور فیض محمد' کراچی کے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور بے شمار دیگر زعماء کی ایران میں آمد کے موقع پر کہے گئے۔ صادق سرمد ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علامہ اقبال کو "ملاّ" کہا اور بعد میں علامہ اقبال ایران میں مولانا اقبال کہلائے۔ "رومیٔ عصر" کی اشاعت پر آپ نے کہا ۔

رومیِ عصر نامِ زیبائی است　　کہ چو رومی گزیدہ اقوال است

(علامہ اقبال کے لئے رومیٔ عصر کا خطاب بہت خوبصورت ہے کیونکہ آپ کے اقوال بھی مولانا روم کی طرح منتخب اور بے نظیر ہیں۔)

گرچہ مُلاّی روم یکتا بود　　یک تنہ' یک ہزار مُلاّ بود

(ہرچند کہ مولانا روم یکتائے روزگار تھے' وہ آدمی تو ایک ہی تھے لیکن ایک ہزار مُلاّ

یعنی علماء کے برابر تھے۔)

لیکن اقبال شد ز پیروی اش یکے از پیروانِ معنوی اش

(لیکن علامہ اقبال ان کی پیروی میں ان کے روحانی مرید بن گئے۔)

رفت دنبالِ پیر و مُلّا شد آگہ از رازِ پیر و برنا شد

(آپ اپنے پیر کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے خود بھی ملا بن گئے اور ہر بوڑھے اور جوان کے رازدان بن گئے۔)

افسوس کا امر ہے کہ جب صادق سرمد ۱۹۵۹ء میں خدا کو پیارے ہو گئے تو پاکستان میں ان کی یاد میں کوئی خبر نہ چھپ سکی۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس عظیم اقبال شناس اور ملتِ پاکستان کے ہمدرد صحیح مسلمان ایرانی شاعر کے لئے کم از کم دعائے مغفرت تو کریں۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ

(جاری ہے)

بقیہ : نماز میں خشوع

السھو' باب ۵۸۔ علامہ الالبانی نے "تحقیق ابی داوٗد" میں حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۳۵) سنن ابی دائود' کتاب الصلاۃ' باب الدعاء ح ۱۴۹۵ سنن النسائی' کتاب السھو' باب الدعاء بعد الذکر ح ۱۲۹۹۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن ابی داوٗد ح ۱۳۲۶

۳۶) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ اغفرلی الخ ح ۶۰۳۵/۶۰۳۶ و صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ' باب التعوذ من شر ما عمل ح ۲۷۱۹

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

ممتاز شامی ادیب و عالم

الشیخ علی طنطاویؒ

تحریر: ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، جامعہ کراچی

سعودی ریڈیو اور ٹی وی پر تیس برس کے لگ بھگ علمی و ادبی رنگ جمانے اور وعظ و تبلیغ کے میدان میں نیک نامی و شہرت حاصل کرنے والے ممتاز شامی عالم الشیخ علی طنطاوی ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ (اِنا للہ واِنا اِلیہ رَاجعون) انہوں نے پون صدی علم و ادب کی خدمت میں صرف کی۔ الشیخ علی طنطاوی کو عرب دنیا کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک منفرد مقام حاصل تھا اور وہ اپنی ظریفانہ شانِ ادب کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے، مگران کی ظرافت علم کے حصار اور ادب کے پہرے میں تھی۔

علی طنطاوی ۲۲ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ یعنی ۱۲ جون ۱۹۰۹ء کو دمشق کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ مصطفیٰ طنطاوی بھی عالم تھے اور دادا شیخ محمد طنطاوی کا شمار تو شام کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ ان کے ماموں ایک صاحب طرز انشاء پرداز ادیب اور اسلامی فکر کے حامل قلم کے مالک تھے جو استاذ محب الدین الخطیب کے نام سے معروف تھے۔

شیخ علی طنطاوی نے ابتدائی تعلیم دمشق کے مدارس میں پانے کے بعد دمشق آرٹس اینڈ لاء کالج سے ۱۹۳۳ء میں گریجویشن کیا اور پھر مختلف تدریسی عہدوں پر کام کرنے کے علاوہ عدالتی عہدوں پر بھی فائز رہے۔ مزید علم کے شوق نے انہیں مصر پہنچایا جہاں وہ کلیۂ دار العلوم میں داخل ہو کر سید قطب کے ہم سبق ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں وہ دمشق کے مدرسہ "انموذج المیدان" میں استاذ مقرر ہوئے۔ ان کے اُس دَور کے ایک شاگرد جناب زہیر الشاویش آج ایک ممتاز ادیب ہیں اور اپنے استاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہم نے اپنے شیخ سے بہت کچھ سیکھا۔ علم کے علاوہ انہوں نے ہمیں جو تربیت دی اس کا اثر ہماری زندگیوں پر براہ راست پڑا۔ ایک مرتبہ کلاس میں شور و غل شروع ہو گیا' وہ کمرے میں داخل ہوئے اور آتے ہی انہوں نے مجھے (زہیر الشاویش) دو تھپڑ جڑ دیئے۔ پھر میں نے اس کے بعد کبھی مار نہیں کھائی۔ کوئی دس برس بعد ایک بار میں نے ان سے ایک محفل میں اس بچپن کی مار کا ذکر کیا تو بڑی شفقت سے کہا : "استاذ کو اپنی کلاس پر کنٹرول رکھنے اور طلبہ کو تمیز سکھانے کے لئے کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے مگر زہیر آؤ آج مجھ سے اپنا بدلہ چکا لو۔"

شیخ علی طنطاوی نے فرانسیسی استعمار کے خلاف شامیوں کی قیادت کی ہے۔ ان کی کتاب الذکریات (یادداشتیں) جلد ۳ صفحہ ۲۱۷ کے مطابق نوجوان لیڈر فخری البارودی کی گرفتاری کے خلاف دمشق میں ساٹھ روز ہڑتال ہوئی۔ یہ ہڑتال اتنی شدید تھی کہ گلی کوچوں کی دکانیں تک احتجاج میں بند تھیں۔ شیخ علی طنطاوی مظاہرین کے قائد تھے۔ ان کی قیادت میں باب الجابیہ' جامع مسجد اموی' سرای حکومت اور دیگر اہم مقامات سے جلوس نکلتے تھے اور وہ نوجوانوں اور طلبہ کو قیادت فراہم کرنے اور ان میں فرانسیسی استعمار کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا کرنے میں بھرپور کردار ادا کرتے رہے

شیخ علی طنطاوی چونکہ ایک ادیب عالم تھے اس لئے انہیں شعر و ادب سے بھی لگاؤ تھا اور وہ اپنے تلامذہ کو خیرالدین زرکلی کے اشعار سنا کر خوب محظوظ کرتے تھے جن کی شاعری انقلابی شاعری تھی۔

وہ جب مصر میں تھے تو ان کا نام شام میں پارلیمنٹ کے عام انتخابات کے امیدواروں میں شامل تھا۔ اگرچہ وہ پارلیمنٹ کی سیٹ تو دھاندلی کی وجہ سے نہ جیت سکے تاہم سیاسی حلقوں میں ان کی مقبولیت اور پذیرائی میں اس سے خاصا اضافہ ہوا۔ ان انتخابات میں ان کے جن حامی علماء و دانشوروں نے حصہ لیا ان میں مظہر عظمت' الشیخ کامل القصاب' استاذ محمد المبارک اور شیخ ذکی بیگ الخطیب شامل ہیں۔ ان اہل علم نے انتخابات میں حصہ اسلامی قوانین کی ترویج کے لئے جدوجہد کرنے کے ارادہ سے لیا تھا جو بدقسمتی سے آج تک شام میں نافذ نہیں ہو سکے۔

الشیخ علی طنطاوی نے جہاد فلسطین میں بھی عملی طور پر حصہ لیا اور مجاہدین کی صف بندی میں انہیں خدمات کا موقع ملا۔

۱۹۶۳ء میں وہ سعودیہ آئے مگر اس سے قبل وہ شامی ریڈیو سے ایک عرصہ تک وابستہ رہے۔ ۱۹۵۲ء میں سورین ریڈیو سے ان کا ہفتہ وار پروگرام ہر جمعہ کو نشر ہوتا تھا جس میں وہ مختلف اسلامی موضوعات پر گفتگو کرتے تھے۔ اس پروگرام کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ مغربی اندازِ تخاطب کی مخالفت کرتے ہوئے پروگرام کے آغاز میں سامعین کو "حضرات و خواتین" کہہ کر بات شروع کرتے تھے جبکہ عام رواج "خواتین و حضرات" (Ladies and Gentlemen) کہنے کا تھا اور آج بھی ہے۔ ان سے کسی نے اس پر گفتگو کی تو انہوں نے کہا :

"میں مغربی اقدار کے خلاف ہوں' پھر ان کا اندازِ تخاطب کیوں اپناؤں؟"

غالباً ۱۹۵۴ء کی بات ہے جب شام میں جامعہ دمشق میں موتمر عالم اسلامی کی ایک مقامی کانفرنس ہوئی جس کی صدارت اس وقت کے وزیر اعظم اور موتمر کے سیکرٹری جنرل معروف الدوالیبی نے کی۔ اس کانفرنس میں سید ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا ابوالحسن علی ندوی' انڈونیشیا کے سابق وزیر اعظم محمد ناصر' مغرب سے علال الفاسی اور دیگر مسلم زعماء نے شرکت کی۔ شیخ علی طنطاوی کو اس کانفرنس سے خطاب کا موقع ملا' ان کا خطاب بصیرت افروز اور جامع تھا۔

شیخ طنطاوی اخوان المسلمین کے مقرر کے طور پر ابھرے۔ شہداء (دمشق) کے مقام پر اخوانیوں کے مرکز میں شیخ ہر منگل کو درس دیتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں جب مصر اور الجزائر میں فرانس کے خلاف تحریک زوروں پر تھی شیخ علی طنطاوی شام میں اس تحریک کے روحِ رواں تھے۔ انہی دنوں شام میں ہفتۂ الجزائر منایا گیا۔ اس موقع پر ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی جس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ نے پورے مجمع کو ایک جوش مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے تقریر کے دوران اچانک اپنے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں امیر عبدالقادر الجزائری کا پستول لہراتے ہوئے پر جوش انداز میں کہا : یہ دو چیزیں جنہیں امیر عبدالقادر الجزائری استعمار کے خلاف جنگ میں استعمال کر رہے تھے آج بھی انہی دونوں سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اس کانفرنس کے عینی شاہد ایک شامی اخبار نویس و ادیب ڈاکٹر منیر محمد الغضبان کہتے ہیں : "اس وقت عوام کے جم غفیر کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اگر اسے اُسی

وقت پیدل الجزائر پہنچنے کو کہا جاتا تو وہ چل پڑتا۔ دیر تک لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے' نعرے لگاتے اور شیخ کو داد دیتے رہے۔ مجمع ہزاروں میں تھا"۔ شیخ علی طنطاوی نے شام میں قومیت کی اٹھتی ہوئی لہر کے خلاف بھی پُر زور جہاد کیا اور عرب قومیت کے نعرے کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے "اسلامی اخوت" کا نعرہ بلند کیا۔

شیخ کی ادبی خدمات کا چرچا اس وقت سے ہے جب وہ معروف عرب ادیب احمد حسن زیات کی زیر نگرانی و زیر ادارت نکلنے والے عربی مجلّہ "الرسالہ" میں لکھتے تھے۔ اخبارات و مجلات ان کے مقالات کے منتظر اور عوام ان کے خیالات کے مشتاق رہتے تھے۔ ساٹھ کی دہائی میں عرب قومیت کے خلاف اسلامی اخوت کو ابھارنے کے جرم میں اسلام پسند رہنما اور علماء زیر عتاب آئے تو شیخ نے سعودی عرب میں پناہ لی۔ سعودیہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ ۱۹۶۳ء سے ترکِ وطن کر کے شیخ نے سعودیہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابتداء میں ریاض میں انہیں کلیۂ لغۃ عربیہ و شریعہ میں تدریس کا موقع ملا' پھر وہ جلد ہی مکہ مکرمہ میں کلیۂ شریعہ سے منسلک ہو گئے۔ تدریسی عمل کو خیرباد کہہ کر جلد ہی انہوں نے صحافتی زندگی کی طرف عود کیا اور ریڈیو ٹیلی ویژن سے نشری خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔

سعودی ٹی وی سے ان کا پروگرام "نور وہدایت" تیس برس چلا۔ اتنا طویل دور عرب دنیا میں کسی ٹی وی پروگرام کا ایک ہی شخصیت کے حوالہ سے کسی اور کا نہیں۔

وہ رمضان المبارک میں افطار سے کچھ دیر قبل ٹی وی پر ایک اور پروگرام "افطار کے دسترخوان پر" میں آتے تھے اور بڑے دھیمے انداز میں انتہائی اہم مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ وہ اپنے پروگرام میں لوگوں کے بھیجے ہوئے بعض خطوط میں اٹھائے گئے مسائل کے جوابات بھی دیتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے انہیں خط لکھا کہ اس کا نام عبدالرسول ہونے کی وجہ سے جامعۃ الملک عبدالعزیز نے اسے داخلہ دینے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ وہ داخلہ کی تمام شرائط پوری کرتا ہے۔ انہوں نے جواب میں جامعۃ الملک عبدالعزیز کے ارباب حل و عقد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا : اللہ کے بندو اس میں اس کا کیا قصور' نام تو اس کے والدین نے رکھا ہو گا' پھر یہ کہ عبدالرسول یا غلام رسول نام ہونے کی وجہ سے وہ خدا کی بندگی سے تو نہیں نکل گیا' کیا محض ایک شخص اپنے نام کی وجہ

سے کہ وہ کسی کو پسند نہیں داخلہ سے محروم رہے گا۔

میں (راقم) نے ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۳ء تک ان کے حلقہ ہائے درس ٹی وی پر بغور سنے اور دیکھے ہیں۔ ان کا انداز بڑا والہانہ و عالمانہ ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز شامی لہجہ میں کبھی کبھی جب کوئی ظریفانہ جملہ بولتے تو مزا آ جاتا۔ مکہ مکرمہ میں شیخ سے ایک ملاقات میں ان سے بالمشافہ گفتگو کا موقع راقم کو ملا۔ وہ انتہائی خلیق اور مہربان شخص تھے۔ شیخ علی طنطاوی نے متعدد کتب و رسائل لکھے جن میں سے بعض کے نام اور عنوانات حسب ذیل ہیں :

① تعریف عام بدین الاسلام
② صور و خواطر
③ من حدیث النفس
④ الجامع الاموی
⑤ قصص من التاریخ
⑥ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ
⑦ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
⑧ فی اندونیسیا
⑨ فی بلاد العرب
⑩ سلسلہ اعلام التاریخ
⑪ فی سبیل الاصلاح
⑫ وسائل سیف الاسلام
⑬ رجال من التاریخ
⑭ البیثمیات
⑮ التحلیل الادبی
⑯ مقالات فی کلمات
⑰ ھتاف المجد
⑱ مباحث اسلامیہ
⑲ فصول اسلامیہ
⑳ نفحات من الحرم
㉑ صور من الشرق
㉒ صید الخاطر لابن الجوزی (تحقیق و تعلیق)
㉓ سلسلہ حکایات من التاریخ
㉔ فکر و مباحث
㉕ بشار بن برد
㉖ مع الناس
㉗ رسائل الاصلاح
㉘ ذکریات علی الطنطاوی

شیخ علی طنطاوی نے ۹۴، ۹۵ برس عمر پائی اور عمر کا ایک معتد بہ حصہ دینی خدمات میں صرف کیا۔ ان کے نظریات سے اختلاف ممکن ہے مگر ان کے خیالات میں وسعت تھی۔ سعودی حکومت نے ان کی اعلیٰ علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ۱۹۹۰ء میں "کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ" دیا۔ شیخ آخر وقت تک جدہ میں سکونت پذیر رہے۔

حرم شریف میں ان سے ملاقات اکثر حجرہ موذنین کے نیچے ہو جایا کرتی تھی جہاں وہ تلاوتِ قرآنِ حکیم میں منہمک نظر آتے تھے۔ ان کے گرد اگرد شامیوں کا ہجوم رہتا تھا جن میں

(باقی صفحہ ۷۵ پر)

ایک مجبور اور مقہور قوم کا جشن آزادی

جشن آزادی کے حوالے سے ایک فکر انگیز تحریر جو ۱۴/ اگست سے قبل سپرد قلم کی گئی

حافظ عاکف سعید' نائب امیر تنظیم اسلامی

۱۴/ اگست کی آمد آمد ہے۔ پی ٹی وی کے خبرنامے پر نگاہ ڈالیں تو پوری قوم گویا آزادی کا جشن نہایت ولولہ انگیز انداز میں منانے کیلئے مضطرب و بے چین اور آزادی کے جذبے سے سرشار ہی نہیں نہال اور سرمست نظر آتی ہے۔ ملک بھر میں سرکاری سطح پر رنگا رنگ تقریبات کا اہتمام ایک ہفتہ پیشتر ہی شروع کیا جا چکا ہے جن کے انعقاد پر بے پناہ خرچ تو ہو گا ہی' انکی پبلسٹی پر بھی روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ ۱۴/ اگست کو سڑکوں پر جو ہلڑ بازی مچے گی وہ اس پر مستزاد ہے کہ ہم بھی شاید بحیثیت قوم' مرزا غالب کی طرح "گھر کی رونق" کو "ایک ہنگامے پر موقوف" سمجھتے ہیں ——

آزادی یقیناً اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کی ناقدری کرنے والی قوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آزاد فضا میں سانس لینے کا خیال بھی دل میں لائے۔ لیکن جشن آزادی اس طور سے منانا ایک مسلمان قوم کا شعار نہیں ہو سکتا۔ آزاد اور باشعور اقوام کیلئے 'یوم آزادی تو درحقیقت "یوم خود احتسابی" ہوتا ہے۔ وہ دن میلوں ٹھیلوں کی ہنگامہ آرائی اور ہلڑ بازی کی بجائے سنجیدہ اور باوقار محافل کیلئے مختص ہونا چاہئے کہ جن میں قوم کے اہل فکر و نظر اور ملت کے دردمند جمع ہو کر نعمت آزادی کے حصول پر اللہ کا شکر بجالانے کے ساتھ ساتھ سالِ گزشتہ کی مجموعی قومی کارکردگی اور اپنے قومی اہداف و مقاصد کے تناظر میں سال بھر کے میزانیۂ نفع و نقصان پر ناقدانہ نگاہ ڈالیں اور اپنی قومی کوتاہیوں کا تعین کرتے ہوئے آئندہ ان کے ازالے کیلئے مناسب منصوبہ بندی کریں۔ یہ بات بھی بہت اہمیت کی حامل ہے کہ خود احتسابی کا یہ سارا عمل حقائق سے گریز کی بجائے اگر حقائق کا مواجہہ کرتے ہوئے کیا جائے گا تبھی نتیجہ خیز ثابت ہو گا۔ افسوس کہ ہمارا طرزِ عمل اسکے بالکل برعکس ہے۔ ہماری مثال اس ذہنی مریض کی سی ہے جو مسائل و حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بجائے نشے میں مدہوش ہو کر خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں مگن اور سرمست رہنے کو ترجیح دیتا ہے' یا پھر بحیثیت قوم ہم ان ناسمجھ بچوں کی مانند ہیں جنہیں کھلونے دے کر بہلانا حکمرانوں کیلئے چنداں مشکل نہیں ہوتا۔

مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اپنا ۵۴واں جشن آزادی اتنے جوش و جذبہ اور کروفر کے ساتھ منانے والی قوم اس حقیقت کو فراموش کئے ہوئے ہے کہ اس کی نااہلی اور بداعمالی بلکہ صحیح تر الفاظ میں قیام پاکستان کے وقت اللہ سے کئے گئے عہد کی خلاف ورزی اور اللہ کے دین سے مسلسل بے وفائی کے نتیجہ میں فی الحقیقت آزادی کی نعمت اس سے سلب کی جا چکی ہے اور اب اس کا احساسِ آزادی ایک خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ذرا سوچئے! ــــــ جس قوم کی اقتصادی پالیسیاں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی منظوری پر موقوف ہوں' جس کا قومی بجٹ عالمی مالیاتی استعمار کے انگوٹھے تلے تشکیل پاتا ہو' جس قوم کا "عوام دوست اور غریبوں کا درد رکھنے والا" وزیراعظم ہیوی مینڈیٹ کے ہوتے ہوئے آئی ایم ایف کے دباؤ کے سامنے بے بس اور لاچار ہو کر غریب عوام پر مہنگائی اور گرانی کی بجلیاں وقتاً فوقتاً گراتے رہنے پر مجبور ہو' اسے آزاد قوم کہنے اور سمجھنے والا کوئی احمق ہی ہو سکتا ہے۔!!!

اسی طرح وہ "عظیم" مسلمان قوم جس کی "سیاسی آزادی اور خود مختاری" کا یہ عالم ہو کہ اس کے حکمران دنیا کی ایک ایسی سپر پاور کے سامنے برضا و رغبت سربسجود ہوں کہ جس کی رگِ جاں اس مغضوب علیہم قوم کے بے رحم خونی پنجوں میں ہو کہ جس کی اسلام ہی نہیں پاکستان دشمنی بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو' ــــــ جس کے ایک اشارے پر اس قوم کی تقدیر کے مالک وزیراعظم اپنے ازلی دشمن بھارت کے سامنے اس کی تمام جائز و ناجائز شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے قوم کی خواہشات اور امنگوں کے علی الرغم' بے چون و چرا ہتھیار ڈال دیں' ــــــ اور جس پر اس دشمن ملک کی جرأت و جسارت اتنی بڑھ جائے کہ ہمارے نیوی کے ایک تربیتی جہاز کو ۱۶ افراد سمیت بغیروارننگ کے مار گرانا اس کے نزدیک بچوں کا کھیل بن جائے اور ہماری بزدلی کا یہ عالم ہو کہ ہم ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم کی تصویر بن جائیں ــــــ جس ملک کی سرزمین کو اسلام دشمن عالمی قوتیں' مجاہدین اسلام کو کچلنے اور امارتِ اسلامی افغانستان کو تہس نہس کرنے کیلئے بے دریغ استعمال کر سکیں اور جس کا مذہبی طبقہ اس کھلی غنڈہ گردی پر اگر احتجاج کی زبان کھولنا چاہے تو اس سپر پاور کے مزاج شاہاں کو یہ اس درجے ناگوار محسوس ہو کہ ان کی زبان بندی کا فرمان جاری کر دیا جائے اور دنیا بھر کے میڈیا میں ان کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا جائے ــــــ تو ایسی قوم اور ایسے ملک کو آزاد کہنا یا سمجھنا مغالطہ آمیزی اور خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

جشن آزادی پر ناچ گانے کا اودھم مچانے والے ہمارے حکمران اور عوام یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ بحیثیت قوم اس وقت اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ ذلت و مسکنت کا عذاب ہم پر

مسلط ہے۔ اس عذاب سے نکلنے کی واحد صورت یہ ہے کہ اللہ کے عطا کردہ اس خطۂ زمین میں اللہ کے دین کو قائم و نافذ کر کے اللہ کے ساتھ اس قومی عہد شکنی کی تلافی کا سامان کریں جس کے ہم گزشتہ ۵۳ سالوں سے مرتکب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری کی روش کو جاری رکھ کر اور سودی نظام کو برقرار رکھ کر' گویا اللہ اور رسولؐ کے خلاف جنگ جاری رکھتے ہوئے اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں عزت و سربلندی' معاشی و اقتصادی خوشحالی اور حقیقی آزادی کی نعمت سے ہم شاد کام ہو سکتے ہیں تو یہ ہماری خام خیالی اور کوتاہ نظری ہے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں!OO

(بشکریہ : ندائے خلافت)

☆ ☆ ☆

آزادی نسواں یا غلامی نسواں؟

سید مظہر علی ادیب

ترکی میں ایک پارلیمنٹ کی خاتون رکن کے سر پر سکارف پہننے پر ہنگامے شروع ہوئے ہیں۔ ترکی خاتون نے اپنے سر پر سے سکارف اتارنے سے انکار کر دیا ہے۔ سرکاری طور پر عورتوں کے لئے سکارف پہننا یا کسی اور کپڑے سے سر ڈھانپنا ممنوع ہے۔ آج کل دنیا میں "آزادی نسواں" کا بڑا ڈھنڈورا ہے۔ "انسانی حقوق" اور "مذہبی آزادی" کا بہت چرچا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دور میں ایک انسان کو اپنے مذہب پر چلنے اور اپنی پسند کا لباس پہننے کی آزادی کیوں حاصل نہیں ہے؟۔ "آزادیوں" کے علمبردار اب خاموش کیوں ہیں؟ اگر ایک عورت اپنا ستر ڈھانپنا چاہتی ہے تو اُسے ایسا کرنے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ مردوں کا عورتوں کو مردوں کی پسند و ناپسند کے مطابق لباس پہننے پر مجبور کرنا "آزادی نسواں" نہیں' یہ تو بدترین "غلامی نسواں" ہے۔ تمام مذاہب عالم عورت کے لئے سر ڈھانپنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ پرانی سے پرانی تہذیب و تمدن میں بھی عورت کے سر کے بال چھپانے کے واقعات ملتے ہیں۔

وراثت میں بیٹی کا نصف حصہ

سندھ ہائی کورٹ کے جج جسٹس شائق عثمانی نے ایک فیصلے میں لکھا ہے کہ وراثت میں لڑکی کا نصف حصہ "دین کی غلط تشریح ہے"۔ اہل مغرب بھی اکثر یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ اسلام نے وراثت کے معاملے میں مرد کو ترجیح دی ہے اور عورت کو پورے حصے سے محروم رکھا ہے۔ یہ

لوگ نہیں سمجھتے کہ اسلامی معاشرت میں مرد تنہا خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ اسلام نے عورت پر خاندان تو کجا رہا' خود اپنی کفالت کا بوجھ بھی نہیں ڈالا۔ شادی سے پہلے عورت کا نان و نفقہ والد اور بھائیوں کی ذمے داری ہے اور شادی کے بعد یہ فرض اس کے شوہر کا ہو جاتا ہے۔ والد' بھائی' شوہر اور نرینہ اولاد کی عدم موجودگی میں خاندان کے دوسرے مردوں کی یہ ذمہ داری ہے۔ عورت ملازمت' تجارت یا وراثت کے ذریعہ کتنا ہی مال کمائے یا حاصل کرے وہ تنہا اس مال و دولت کی حقدار ہے۔ مہر کی رقم (خواہ لاکھوں میں ہو) شادی کے وقت ملنے والے تحفے تحائف' زیور' کپڑے' مکان' نقدی' طلاق کی صورت میں متاع اور عدت کے دوران نان و نفقہ کی رقم وغیرہ ان سب کی عورت ہی مالک ہوتی ہے اور خاندان کے کسی فرد کی کفالت پر بھی وہ کچھ خرچ کرنے کی مکلف نہیں ہے۔ یہ سارا پیسہ اسی کے پاس رہتا ہے اور وہ اسے اپنی مرضی سے جائز کاموں پر خرچ کر سکتی ہے۔ ان حالات کی روشنی میں اسلام اگر مردوں کو وراثت میں زیادہ حصہ نہ دیتا تو یہ مردوں کے ساتھ سخت ناانصافی ہوتی۔ اس لئے کہ خاندان کے لئے خوراک' مکان' تعلیم و تربیت' شادی بیاہ کے کل اخراجات اسی نے مہیا کرنے ہیں۔

☆ ☆ ☆

بقیہ : مشاہیرعالم

زیادہ تر ان کے اپنے تلامذہ اور خاندان کے لوگ ہوتے۔

شیخ نے اپنے پیچھے علم و ادب کی گراں قدر میراث چھوڑی ہے۔ ان کی بیٹیاں اور نواسیاں بھی ادیبات ہیں' جن کے مقالات عرب دنیا کے مختلف ادبی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۴ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ یعنی ۱۸ جون ۱۹۹۹ء کو شیخ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

(اِناللہ وَاِنااِلیہ رَاجعون)

شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت

محترمی سلام مسنون

آپ کی مرسلہ کتاب "شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت" از ڈاکٹر اسرار احمد موصول ہوئی۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے بعض اہم اختلافات کی اصل حقیقت اور حیثیت کے بارے میں اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ہم آپ کے اس گرانقدر عطیہ کے لئے بے حد شکر گزار ہیں ـــــ امید ہے کہ آپ کا تعاون جاری رہے گا۔

نیاز مند

نظر برنی

ڈپٹی لائبریرین' ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی' بھارت

☆ ☆ ☆

"پاکستان بمقابلہ بھارت" - ایک فکر انگیز خطاب

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اگست ۱۹۹۹ء کے "میثاق" میں آپ کا تذکرہ و تبصرہ "پاکستان بمقابلہ بھارت" پڑھا۔ آپ کا خطاب وقت کی اہم ضرورت ہونے کے ساتھ ساتھ فکر انگیز اور چشم کشا بھی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو تندرست و توانا رکھے اور ہم آپ کی ذات گرامی سے فکری راہنمائی حاصل کرتے رہیں۔ آمین

نیاز کیش

محمد یٰسین بھٹی ایڈووکیٹ

ننکانہ صاحب (ضلع شیخوپورہ)

بچوں کی تربیت اور اصلاح احوال ـــــ مگر کیسے؟

شاہدہ شوکت ظفر' اسلام آباد

پنجابی کی ایک کہاوت ہے "پتا پر پوت نسل پر گھوڑا' بہتا نہیں تے تھوڑا تھوڑا" یعنی بیٹا ہمیشہ باپ پر ہوتا ہے اور گھوڑا اپنی نسل پر' زیادہ نہ بھی ہو تھوڑا تھوڑا تو ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ معاشرے کے افراد ایک دوسرے سے اثر لیتے ہیں اور چھوٹوں پر بڑوں کا اثر ہوتا ہے۔ اور بڑوں کی خرابی کے باعث چھوٹے بھی اسی ڈگر پر چل نکلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں آج کل قحط الرجال کی سی کیفیت ہے۔ محمد بن قاسم اور قائداعظم اب کیوں نہیں پیدا ہو رہے؟ جب ہمارے اپنے کرتوت زہر بھرے ہیں' ہم نے دوسروں کا جینا مرنا عذاب کر رکھا ہے تو تربیتیں کہاں سے ہوں گی؟ اور بغیر تربیت عظیم لوگوں کا پیدا ہونا محال ہے۔

ایک خاتون جب اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کرے گی' مثلاً حسد اور بغض اختیار کرے گی' بات بات پر چڑے گی اور دوسروں کی باتوں سے چڑ کر اپنے بچے پر غصہ نکالے گی' تو وہ بچہ خواہ مخواہ ڈھیٹ ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر وہ صرف اپنے نفس کو سامنے رکھے گی' اس کی پوجاپاٹ کرے گی' سمجھ سے کام نہیں لے گی تو بچے کی تربیت نہیں ہو پائے گی اور یوں وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی بربادی کا سامان کرے گی۔

مردوں کی تربیت میں بھی خواتین کا اہم کردار ہوتا ہے۔ بیٹا' خاوند' شوہر' بھائی' باپ' ہر ایک کی تربیت کے پیچھے کسی نہ کسی خاتون کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خاص طور پر ماں اور بہن کا' اور پھر بالآخر اس کی بیوی کا۔ بیوی بڑے غیر محسوس طریقے سے شوہر پر اثرانداز ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنی بھی عظیم ہستیاں تھیں ان کی کامیابیوں میں ماؤں کی عظمت شامل تھی۔ ایک مشہور مفکر کا قول ہے کہ تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں بہترین معاشرہ دوں گا۔

بچوں کی تربیت میں ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں بیٹے اور بہو کو مسکراتے دیکھ کر ماں کا چہرہ ماند پڑ جاتا ہے اور وہ فوراً ایسے حیلے بہانے تلاش کرتی ہے جن سے اس جوان عورت کو' جسے وہ اپنی بہو بنا کر لائی تھی' غمگین اور آزردہ کر سکے' ایسی صورتحال میں بہو کو سسرال والوں اور میاں کو خوش رکھنے کے لئے بھری جوانی میں اپنا چہرہ بجھا کر رکھنا پڑتا ہے۔ شوہر کی جھڑکیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور منہ سے امی جان' باجی جان وغیرہ کی رٹ لگانی پڑتی ہے تاکہ

سب کو خوش اور راضی رکھ سکے۔ اِس دکھاوے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دل کی گہرائی سے چاہت مفقود ہو جاتی ہے۔ پھر جب وہ خود اس مقام پر پہنچتی ہے یعنی ساس بنتی ہے تو لاشعوری طور پر وہی کردار ادا کرتی ہے جو اس نے اپنی جوانی میں کڑوے کسیلے زہر کی طرح قطرہ قطرہ کر کے اپنے اندر جمع کیا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بچوں کی تربیت پر بھی بے حد منفی اثر پڑتا ہے۔

پھر میاں بیوی کے باہمی تعلق کا بھی بچوں کی تربیت پر اثر پڑتا ہے۔ میاں بیوی کے باہمی تعلق کے ضمن میں قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ : ﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ (البقرۃ : ۱۸۷) "وہ (عورتیں) تمہارا لباس ہیں اور تم (مرد) ان کا لباس ہو"۔ لباس کے کئی مقاصد ہیں' مثلاً :

① لباس جسم کو ڈھانپتا ہے۔ انسان اپنی فطری شرم و حیا کی وجہ سے لباس کا استعمال کرتا ہے۔
② لباس موسموں کی شدت سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔
③ لباس زیب و زینت کے لئے اترا جو انسان کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے اور انسان کے عزت و شرف میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

لباس کا لفظ میاں بیوی کے لئے کیوں بولا گیا ہے؟ اس لئے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو تحفظ دیتے ہیں اور اپنی بات چیت یا حرکات و سکنات ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے محافظ ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ میاں بیوی بر سر محفل ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کریں' بلکہ خوبیوں کو اجاگر کریں اور عیبوں پر پردہ ڈالیں۔ عیب کی تشہیر انسان کو ڈھیٹ بناتی ہے اور اس کی خوبیوں کو زائل کرتی ہے۔ میاں بیوی کوئی ایسی حرکت اور فعل انجام نہ دیں جس سے دونوں کے عزت و وقار پر حرف آتا ہو۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس بننے کے لئے ضروری ہے کہ سارا گھریلو ماحول سازگار ہو اور گھر کے بڑے ایسا کرنے میں مدد دیں۔ اس طرح ایک شاندار مثبت ماحول، وجود میں آئے گا۔ ایسے ماحول میں تربیت پانے والے بچے معاشرے میں مثبت اور تعمیری کردار ادا کریں گے اور ایسی غیر معمولی سوچ کے حامل ہوں گے جو قوم اور معاشرے کی ترقی کا باعث بنے گی۔ اور ہم بین الاقوامی سطح پر دوسرے ترقی یافتہ معاشروں کے مقابلے میں کھڑے ہو سکیں گے اور دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے۔

بعض اوقات دینی تعلیم سے بھی کچھ لوگ منفی اثر لیتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی دین کی طرف آتا ہے یا دینی تعلیم حاصل کرتا ہے تو لامحالہ اللہ کا کلام اس پر اثر کرتا ہے اور اس کے شب و روز میں تبدیلی آتی ہے۔ مثلاً وہ داڑھی رکھتا ہے' عورت ہے تو پردے کی پابندی کرنے لگتی ہے۔ اس پر بعض لوگ اپنے آپ کو "شے" سمجھنے لگتے ہیں۔ ذرا نماز صحیح کر کے پڑھنی آ گئی یا دین کے ایسے مسائل معلوم ہو گئے جس سے عام آدمی محروم ہے تو سمجھا کہ علامہ ہی بن گئے ہیں۔ خاوند حضرات

بیویوں پر بے جا رعب ڈالنے لگتے ہیں کہ تمہارا حساب ہم سے ہو گا' چنانچہ اس کی تربیت اور اسے اسلام کی حمایت جانب مائل کے لئے کسی تدریج اور حکمت کا خیال نہیں رکھا جاتا' جس سے معاملات بعض اوقات سدھرنے کی بجائے بگڑ جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نبوت ملنے سے بھی پہلے کردار اور اخلاق کے بلند مقام پر فائز تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو صاحب کردار ہونے کی وجہ سے ہی پسند فرمایا تھا۔ جب آپؐ تجارتی منافع دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ لائے تھے تو غلام میسرہ نے گواہی دی کہ صاحبؐ جیسا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ سارے قافلے کا' خاص طور پر غلاموں کا خیال رکھتے تھے اور منزل پر پہنچ کر پوری ایمانداری اور سچائی سے اس طرح مال بیچا کہ منافع کئی گنا بڑھ گیا۔

جب آنحضور ﷺ پہلی وحی کے بعد غارِ حرا سے اتر کر گھر آئے اور فرمایا ((زَمِّلُوْنِیْ)) یعنی "مجھے چادر اوڑھادو" تو حضرت خدیجہؓ نے کیا گواہی دی؟ "گھبرائیں مت! اللہ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپؐ بیواؤں کا سہارا ہیں' یتیموں کا خیال رکھتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں۔" کیا ہم مسلمان بیویوں اور ہمارے خاوندوں کے پاس ایک دوسرے کی گواہی دینے کے لئے کچھ ہے؟ اس سے ملتا جلتا یا کم از کم اتنا ہی؟ کیا اللہ کے بندے اور بندیاں اپنی گواہی درست کرنے کے لئے فکر مند ہیں؟

چنانچہ بچوں کی تربیت کے لئے میاں بیوی کے باہمی تعلق اور ماحول سمیت ذاتی اصلاح ناگزیر ہے۔ ذاتی درستگی اور محاسبہ کے لئے تدریجی طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیئے۔ مثلاً ہم نظام شمسی کی طرز پر چلیں۔ اپنے آپ کو سورج کی جگہ سمجھیں۔ ہماری زمین سمیت سارے سیارے اللہ رب العزت کے مقرر کردہ بہترین اندازے کے مطابق تیر رہے ہیں۔ چنانچہ اب پہلا دائرہ ہمارے اپنے قدم ہیں۔ یعنی دین کی ابتداء اپنے وجود کو صحیح کرنے سے ہو گی۔

دوسرا دائرہ شریک حیات یعنی شوہر اور بیوی کا ہے۔ یہیں سے وہ ایک دوسرے کے گواہ بنیں گے۔ اگر یہ گواہی تار تار لباس کی طرح ہے تو ہماری مسلمانی یہیں ختم ہو جاتی ہے۔

تیسرے دائرے میں اپنے بچے ہیں' کیونکہ میاں بیوی جہاں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں وہ دونوں اپنے بچوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں' بلکہ بچے صورت اور عادات میں اپنے ماں باپ کا عکس ہوتے ہیں۔ کسی کے بچوں کو دیکھ کر آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ماں باپ کتنے پانی میں ہیں۔

چوتھا دائرہ گھر کے باقی افراد ہیں۔ احسان سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے آرام و سکون کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ یہ ہمارے قریب کی

گواہیاں ہیں۔ اجنبیوں کو تو ہم اپنی گفتگو اور مصنوعی اور وقتی خوش اخلاقی سے جلد متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں' لیکن اصل گواہی قریب کی ہوتی ہے۔

پانچواں دائرہ ہمارے ماتحتوں کا ہے۔ انسان کسی نہ کسی شکل میں کہیں حاکم اور کہیں ماتحت ہے۔ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے ان کے ہاں خادم ہیں۔ ان کے دلوں میں ہمارے بارے میں کیا گواہیاں ہیں؟ ہم نے کبھی اس پہلو سے سوچنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ اگر ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری اللہ کے ہاں کیا وقعت ہے تو خلق خدا کی اپنے بارے میں رائے جان لینی چاہیئے (آوازِ خلق نقارۂ خدا)۔ ہمارا ماتحتوں پر چونکہ اختیار چلتا ہے اس لئے خوش نصیب ہی اس معاملے میں تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں۔

چھٹا دائرہ ہمارے پڑوسی ہیں اور پڑوسیوں میں اگر آپ صاحب حیثیت ہیں تو پڑوسیوں کے خادم بھی آپ کے پڑوسی ہیں۔ یاد رکھئے کہ کھانے کی خوشبو جہاں تک جائے اس کھانے پر خوشبو سونگھنے والے کا حق ہو جاتا ہے۔

احادیث نبویؐ میں ہے کہ اگر تمہارا پڑوسی بھوکا سوئے تو تم نے اپنے پیٹ میں آگ بھری۔ جب کبھی اچھا پھل کھاؤ تو چھلکے پڑوس کے دروازے کے سامنے نہ پھینکو' کیا پتہ انہیں یہ میسر نہ ہو اور اُن کا دل دکھے۔ آج ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ساتھ والے گھر میں کون ہے؟ حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار اور پردہ دار بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم داڑھی اور برقعے کے ساتھ پاکیزہ ہو گئے ہیں اور باقی سب گندے ہیں۔ چنانچہ پڑوسی سے میل ملاقات کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

اب ذرا دائرہ اور آگے بڑھائیں تو پڑوسیوں کے پڑوسی بھی آپ کے پڑوسی ہیں۔ اس طرح یہ ہمسائیگی پورے محلے پر محیط ہو جاتی ہے۔ جو لوگ مسجد میں مستقل نمازی ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک دو روز نہ آئے تو باقی نمازی ساتھیوں کو فکر لاحق ہونی چاہیئے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ سے فرمایا کہ تبلیغ کا آغاز اپنے خاندان سے کرو۔ چنانچہ ہمیں اسی طرز پر اصلاح احول کی فکر کرنی چاہیئے اور اصلاح احوال کا یہ عمل صرف تدریجی طور پر ہی مؤثر ہو سکتا ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۱۰
جمادی الاخریٰ	۱۴۲۰ھ
اکتوبر	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زر تعاون	-/۱۰۰

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور۔ فون: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض احوال

سالانہ تربیتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء

یہ اطلاع تو رفقاء و احباب تک یقیناً پہنچ چکی ہو گی کہ تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع برائے ملتزم رفقاء' ان شاء اللہ العزیز ۲۴ تا ۲۸/ اکتوبر ۹۹ء قرآن آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہو گا ـــــ ۹۵ء تک تنظیم اسلامی کی یہ روایت رہی کہ قریباً ہر سال اجتماع عام کا انعقاد کیا جاتا تھا جس میں مبتدی و ملتزم تمام رفقاء شریک ہوتے' بلکہ دیگر احباب کو بھی کہ جو تنظیم کی دعوت اور فکر سے تو کسی قدر واقف ہوتے لیکن قافلہ تنظیم میں شمولیت کی منزل تاحال انہوں نے طے نہ کی ہوتی' سالانہ اجتماع میں شرکت کی دعوت دی جاتی اور اجتماع کے دروازے ان کے لئے کھلے رکھے جاتے۔

۹۵ء کا سالانہ اجتماع "نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری" کے مصداق آزادی چوک لاہور سے متصل مینار پاکستان کے سبزہ زار میں منعقد ہوا تھا جو بحمد اللہ خاصا بھرپور اور کامیاب رہا۔ تاہم اُس اجتماع کی انتظامی مشکلات اور بالخصوص بے پناہ اخراجات کو دیکھتے ہوئے آئندہ کیلئے فیصلہ کیا گیا کہ کل پاکستان سطح پر ہر سال ایک اجتماع کی بجائے علاقائی بنیادوں پر تنظیمی اجتماعات منعقد کئے جائیں اور تنظیم کے وسیع تر تعارف کے لئے یک روزہ ریلی کی طرز پر پروگراموں کو ترویج دیا جائے۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ہر سال کل پاکستان بنیادوں پر صرف ملتزم رفقاء کا اجتماع لاہور میں رکھا جائے تاکہ "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے اصول کے تحت کل پاکستان نمائندہ رفقاء کے اجتماع کا تسلسل بھی کسی نہ کسی صورت میں برقرار رہے اور رفقاء کے دینی و تحریکی فکر کی تازگی کا سامان بھی ہوتا رہے جو ہر نظریاتی جماعت کیلئے ایک ناگزیر ضرورت کا درجہ رکھتا ہے۔

۹۶ء اور ۹۷ء کے دوران ایسے تین اجتماعات منعقد ہوئے۔ ۹۷ء میں دو اور ۹۶ء میں ایک۔ یہ اجتماعات تربیتی ہی نہیں مشاورتی نوعیت کے بھی تھے۔ تنظیمی اعتبار سے اہم ترین امور پر ان اجتماعات میں رفقاء کو اظہار رائے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا گیا ان سے باقاعدہ مشورہ بھی طلب کیا گیا۔ ان اجتماعات کی افادیت کو رفقاء نے بجا طور پر محسوس کیا ـــــ ۹۸ء میں کل پاکستان سطح پر اجتماع عام کا فیصلہ بھی ہوا ـــــ اس بار اجتماع کے لئے

قرعہ فال کراچی کے نام نکلا۔ اس طرح گویا تین سال کے وقفے کے بعد کل پاکستان اجتماع کی نوبت آئی جو نومبر ۹۸ء میں کراچی میں منعقد ہوا۔ تاہم انہی دنوں حکیم محمد سعید مرحوم کی مظلومانہ شہادت کے واقعے نے کراچی کے دگرگوں حالات میں ایک بار پھر تلاطم کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی اور اس حوالے سے اجتماع کے انعقاد ہی کو مشکوک بنا دیا تھا' لہٰذا وہ اجتماع اُس درجے بھرپور نہ ہو سکا تھا جتنی کہ توقع حالات کی خرابی سے قبل کی جا رہی تھی۔ تاہم اس ساری ہنگامی صورتحال کے باوجود بھی اس اجتماع کا حسن انتظام کے ساتھ انعقاد ایک بہت بڑی کامیابی تھی جس کا تمام تر کریڈٹ رفقائے کراچی کی جاتا ہے۔

اس سال کا سالانہ تربیتی و مشاورتی اجتماع' جو صرف ملتزم رفقاء کے لئے ہے۔ اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کا انعقاد تنظیم اسلامی کی تاسیس کے ۲۵ سال مکمل ہونے پر عمل میں آ رہا ہے۔ تنظیم کی زندگی کا یہ ایک اہم سنگ میل ہے۔ اس موقع پر ہمیں ایک بھرپور نگاہ واپسیں ڈالنا ہو گی کہ ہم نے تنظیم کا قافلہ تشکیل دیتے وقت اپنے فکر کی اساسات جن مقدمات پر رکھی تھیں' آیا وہ مقدمات اور اساسات درست تھیں' پھر یہ کہ ہم نے جو لائحہ عمل سوچ سمجھ کر اختیار کیا آیا وہ فی الواقع منہج نبویؐ سے ہم آہنگ ہے یا اس معاملے میں ہم کسی مغالطہ کا شکار رہے ہیں؟ ـــــ پھر اگر اس امر پر اطمینان ہو کہ وہ فکری اساسات بھی درست تھیں اور منہج عمل بھی تو ایک عزم تازہ کے ساتھ اپنے سفر کی رفتار کو بڑھائیں اور اگر صورتحال اس سے مختلف ہو تو دوبارہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنی غلطی کا تعین کرتے ہوئے درست سمت میں سفر کا آغاز کریں۔ بہرکیف یہ سالانہ اجتماع نہایت اہمیت کا حامل ہے اور ہر ملتزم رفیق کی ترجیح اول اور بھرپور کوشش ہونی چاہئے کہ وہ اس میں اپنی شرکت کو یقینی بنائے۔ ○○

موجودہ سیاسی بحران ' اس کا ممکنہ آئینی حل
اور
موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کے امکانات کا جائزہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات جمعہ کی تلخیص

(۱) خطابِ جمعہ ۱۰/ ستمبر ۱۹۹۹ء

سانحہ کارگل کے حوالے سے عوامی اضطراب کی جو صورتحال پیدا ہوئی تھی اور جس سے ہماری اپوزیشن کو تحریک چلانے کیلئے کچھ مواقع میسر آئے تھے اس میں اب شدت آچکی ہے اور انیس جماعتوں پر مشتمل گرینڈ الائنس قائم ہو چکا ہے۔ ابھی یہ اتحاد بے نام ہے اور اس کا کوئی سربراہ بھی معین نہیں ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان جماعتوں میں ابھی تک وہ ذہنی ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی جسے اس نوع کے اتحاد کیلئے ناگزیر سمجھا جاتا ہے اور ابھی اندرونِ خانہ کچھ معاملات طے پا رہے ہیں۔ لہٰذا حکومت کو اپوزیشن سے کوئی فوری خطرہ نہیں ہے۔ تاہم آثار نظر آتے ہیں کہ یہ اتحاد مضبوط ہو گا۔

دوسری طرف جماعت اسلامی نے اب تک تین بہت بڑے جلوس نکالے ہیں' جس سے قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی کا گراف یقیناً اونچا ہوا ہے۔ قاضی حسین احمد صاحب کا یہ معاملہ قابل تحسین ہے کہ وہ ایک موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں' یعنی محض حکومت گرانے کیلئے ہم میدان میں نہیں آئیں گے جب تک آئندہ کا لائحہ عمل سامنے نہ ہو۔ یہ بہت مثبت بات ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کی طرف سے ایک بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ انہوں نے متحدہ اپوزیشن میں شرکت پر مشروط رضامندی ظاہر کی اور شرط یہ رکھی کہ اگر قاضی صاحب کو وزیر اعظم بنایا جائے تو پھر جماعت اسلامی اس الائنس میں شامل ہو سکتی ہے۔ اس پر کافی تنقید ہوئی' استہزاء بھی ہوا۔ چنانچہ جماعت اسلامی نے اپنا موقف بدلا ہے اور کہا ہے کہ جب تک اسلامی انقلاب کی راہ ہموار نہ ہو ہم میدان میں آکر چیلنج نہیں کریں گے۔ اگرچہ یہ موقف درست ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا اس راہ سے اسلامی انقلاب آسکے گا؟

ملک میں تیسری لہر جو اٹھی ہے وہ سرحد سے اسامہ بن لادن کے حوالے سے ہے' جس کے قائدین میں مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق قابل ذکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں

طالبان طرز کا اسلامی انقلاب آئے گا اور انہوں نے اپنی ریلیوں کا عنوان "مردہ باد امریکہ" رکھا ہے۔ ان کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ یہ علاقہ افغانستان سے متصل ہے۔ اگر ان کے نفاذ شریعت کے مطالبے کو نظرانداز کیا گیا تو اس تحریک کا انجام پاکستان کی سالمیت کے اعتبار سے خطرناک ہو سکتا ہے اور پاکستان کی پختون بیلٹ کٹ کر افغانستان میں شامل ہو سکتی ہے۔

چوتھا معاملہ سندھ کا ہے اور یہ مسئلہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے بعد اب ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ سامنے آیا ہے اور یہ تبصرہ غلط نہیں کہ سندھ میں مشرقی پاکستان جیسے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ سندھ میں پچھلی ہڑتال بڑے زور شور سے ہوئی تھی' جبکہ آئی جی پولیس رانا مقبول نے جس طرح حیدر آباد میں پولیس کا جلوس نکال کر پولیس ایکشن اور پکڑ دھکڑ کے ذریعے عوام کو خوفزدہ کیا اس سے مشرقی پاکستان میں کیے گئے فوجی ایکشن کی یاد تازہ ہو گئی۔ اس کے باوجود ۴ ستمبر کی ہڑتال غیر معمولی طور پر کامیاب رہی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سندھ کے جذبات کیا ہیں۔ پولیس ایکشن کے ذریعے لوگوں کو اس طرح خوفزدہ کرنے کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے' کیونکہ وہاں کوئی سیاسی حکومت نہیں ہے۔ گورنر راج کا نام لیا جاتا ہے لیکن وہ بھی بالفعل موجود نہیں ہے۔ سیاسی طور پر غوث علی شاہ لائے گئے ہیں لیکن حقیقت میں اختیارات ان کے پاس بھی نہیں ہیں' بلکہ رانا مقبول کے ذریعے پورے سندھ کو کنٹرول کیا جا رہا ہے۔ یہ صورت حال کسی بھی طرح قابل اطمینان نہیں۔

اوپر جو صورت واقعہ بیان ہوئی میرے نزدیک اس کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ چوتھی بار چکر لگا کر اسی دوراہے پر آ گئی ہے جہاں بحران کے باعث ملک میں مارشل لاء لگ سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں سیاست مثبت انداز میں پروان نہیں چڑھ سکی۔ بار بار مارشل لاء کے باعث اور سیاسی عمل میں تعطل سے ہماری قوم سیاسی شعور کے اعتبار سے تاحال بالغ نہیں ہو سکی۔ چنانچہ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ شدید محاذ آرائی کا آغاز ہو چکا ہے۔ ایک طرف حکومت اور اس کے حواری ہیں' ان کی پشت پر سرکاری میڈیا ہے' جس کے ذریعے حکومت اور اس کے اقدامات کی مدح سرائی ہو رہی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ کچھ سرپھرے لوگ اور کچھ مسترد سیاستدان ہیں جو انتشار پھیلا رہے ہیں۔ لیکن ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت کو یہ احساس ہو چکا ہے کہ معاملہ اب سنجیدگی سے لینا ہو گا۔ دوسری طرف اپوزیشن اور ان کے حامی ہیں جن میں بہت سے کالم نویس بھی ہیں' جو ون پوائنٹ ایجنڈا پر جمع ہو رہے ہیں۔ اگرچہ اس دھارے میں جماعت اسلامی شامل نہیں ہے لیکن اگر جماعت اسلامی حکومت کے خلاف تحریک چلاتی ہے تو اس کا فائدہ بھی بالواسطہ طور پر حکومت مخالف طاقتوں کو پہنچے گا۔

تیسری جانب اس بات کے بھی شواہد موجود ہیں کہ سندھ میں پکڑ دھکڑ اور پولیس ایکشن کے ذریعے ریاستی دہشت گردی کی وجہ سے موجودہ حکومت کے حق میں امریکی حمایت میں کمی آئی

ہے' جبکہ مشرقی تیمور کے حوالے سے نواز شریف کے مطالبے کو بھی امریکہ نے مسترد کردیا ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کو بھی مشرقی تیمور جیسی اہمیت دی جائے۔ بلکہ انتہائی جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دو الگ معاملات ہیں۔ جس پر پاکستان نے بھی امریکی صدر کلنٹن کا یہ موقف رد کردیا ہے کہ کشمیر اور مشرقی تیمور کا معاملہ علیحدہ ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ حالات کا رخ کیا ہے اور اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

دیکھئے راستے دو ہیں۔ ایک ہے ماورائے آئین راستہ یعنی محاذ آرائی میں شدت پیدا ہو جائے' امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جائے' جسے اگر سول حکومت کنٹرول نہ کر سکی تو لا محالہ فوج کو دخل دینا پڑے گا۔ چنانچہ فوج پس پردہ رہ کر بھی موجودہ حکومت کو چلتا کر سکتی ہے اور مارشل لاء بھی لگ سکتا ہے۔ یا تیسرا خوفناک نتیجہ (خاکم بدہن) یہ ہو سکتا ہے کہ خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہو جائے' کیونکہ حرکۃ الانصار نے کہا ہے کہ اگر حکومت نے ہماری طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھا تو ہمارے پاس ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح کارکن پاکستان میں موجود ہیں۔ حرکۃ الانصار کی پشت پر دیوبندی مکتب فکر کے علماء ہیں۔ اسی طرح جے یو آئی بھی جس کا اثر و رسوخ پختون بیلٹ میں ہے' علمائے دیوبند پر مشتمل ہے۔ اگر ان دونوں میں کوئی اتحاد ہو جائے تو یہ ایک نہایت مؤثر قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آ سکتے ہیں۔ دوسری طرف افغانستان میں طالبان بھی دیوبندی مدارس سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں دوسری جہادی تحریکیں جماعت اسلامی اور اخوانی طرز کے لوگوں پر مشتمل ہیں۔ افغانستان میں طالبان اور حکمت یار گروپ کا جھگڑا اسی بات پر ہے کہ بیسویں صدی میں جو جدید اسلامی تحریکیں ابھری تھیں' جن میں الاخوان المسلمون اور جماعت اسلامی شامل ہیں' ان کے اور قدیم مدارس کے دینی لوگوں کے مزاج میں بہت فرق ہے۔ لہٰذا ان دونوں گروپوں کے مابین پاکستان میں بھی مذہب کے نام پر تصادم ہو سکتا ہے جو بہت خوفناک ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے!

دوسرا راستہ آئینی ہے۔ اگر اسی آئین کے حوالے سے ملک میں حکومت کی تبدیلی کا کوئی معاملہ ہو جائے تو بہترین ہو گا۔ تاہم چودھویں ترمیم کی وجہ سے موجودہ اسمبلی کے ذریعے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

آئین کی حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرا طریقہ جو "اَلدِّین النَّصِیحة" کے تحت مَیں تجویز کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ نواز شریف صاحب موجودہ سیاسی بحران کے خاتمے کیلئے خود مڈٹرم الیکشن کرا دیں۔ چونکہ یہ الیکشن وہ خود کروائیں گے اس لئے نگران حکومت کے طور پر مرکزی حکومت انہی کی رہے گی۔ صوبائی حکومتیں چونکہ انتخابات پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہیں لہٰذا میرا مشورہ یہ ہو گا کہ تمام صوبائی حکومتیں ختم کر کے گورنر راج نافذ کر دیا جائے۔ نیز یہ الیکشن فوج کی نگرانی میں کرایا جائے۔ اگر اس الیکشن کے نتیجے میں انہیں دوبارہ مینڈیٹ حاصل ہو جاتا ہے'

خواہ وہ اتنا بھاری بھر کم نہ ہو' تب بھی اپوزیشن کی تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی اور اگر عوام نے انہیں مسترد کر دیا تو یہ باعزت طور پر اقتدار سے الگ ہو سکیں گے۔ موجودہ ملکی صورتحال میں یہ ایک آئینی حل ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ حکمران پارٹی کیلئے بھی بہترین آپشن ہے۔

رہا اسلامی انقلاب کا معاملہ تو وہ سرے سے کسی سیاسی جماعت کے پروگرام میں شامل ہی نہیں۔ اس سلسلے میں اگر کچھ امید کی جا سکتی ہے تو صرف جماعت اسلامی سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن اسلامی انقلاب صرف اسوہ محمدی پر عمل پیرا ہو کر ہی برپا کیا جا سکتا ہے لہٰذا جب تک کسی خالص دینی ایشو پر تحریک نہ چلے اسلامی انقلاب ناممکن ہے' اور جماعت اسلامی نے آج تک کسی خالص دینی ایشو پر تحریک نہیں چلائی' سودی معاملے کو انہوں نے کبھی نہیں اٹھایا' حالانکہ ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر پاکستان میں اسلامی انقلاب آیا تو سب سے پہلے سودی عالمی مالیاتی استعمار سے مقابلہ ہو گا جس کیلئے پہلے سے ذہنوں کو ہموار کرنا اور مناسب تیاری کرنا لازم ہے' اس لئے کہ سودی نظام کو جڑ سے اکھاڑے بغیر کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی' جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ۔

این بنوک این فکر چالاکِ یہود نورِ حق از سینہ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد این نظام دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

(یہ بینکوں کا نظام یہود کی مکار ذہنیت کا نتیجہ ہے جس نے آدم کے سینے سے نورِ حق کو نکال باہر کیا ہے۔ جب تک یہ نظام تلپٹ نہیں کیا جائے گا دین کے قیام کی باتیں اور عالمانہ و دانشمندانہ بحثیں سب خام خیالی ہیں)

اسی طرح جماعت اسلامی نے بدترین استحصالی نظام جاگیرداری کے خلاف کوئی مہم نہیں چلائی۔ فحاشی اور عریانی کے خلاف کوئی تحریک نہیں چلائی۔ لہٰذا اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ جماعت اسلامی بھی اسلامی انقلاب کی راہ پر نہیں۔ چنانچہ ہم قاضی صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ کسی خالص دینی مسئلہ کو بنیاد بنا کر تحریک چلائیں اور اپنی منظم طاقت کو اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کیلئے استعمال کریں۔ کاش کہ یہ بات ان کی سمجھ میں آ جائے کہ لوگوں کے ذاتی مسائل پر تحریک چلا کر اسلامی انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم سورۂ کہف کی آیات ۲۷ تا ۲۹' جن کی میں نے شروع میں تلاوت کی تھی' کے مطابق عمل پیرا رہیں گے۔ کیونکہ آج پاکستان میں اسلامی انقلاب کی تحریک تقریباً اسی مقام پر کھڑی ہے جہاں حضور ﷺ کے دور میں ان آیات کے نزول کے وقت اسلامی تحریک تھی۔ (واضح رہے کہ سورۂ کہف آنحضور ؐ کے مکی دور کے آخری حصے میں نازل ہوئی تھی) وہی صورتحال پاکستان میں بھی ہے یعنی عوامی رخ اقامت دین کی طرف نہیں ہے۔ کوئی بڑی جماعت اس حوالے سے گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہے۔ بہرحال ہم نے اسوہ رسول ﷺ سے جو

طریق انقلاب سمجھا ہے اس پر عمل پیرا ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے ﴿ وَاتْلُ مَآ أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ ﴾ "(اے نبی!) تلاوت کیجئے (اور لوگوں کو سناتے اور پڑھاتے رہئے) جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔ الحمد للہ کہ یہی کام ہم بھی کر رہے ہیں۔ ﴿ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴾ "اللہ کے کلمات کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں"۔ یعنی اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ اس وقت انقلاب برپا کرتا ہے جب انقلاب کے اہل لوگ سامنے آ جائیں۔ ﴿ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴾ "اور (اے نبی!) آپ اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے"۔

اُس وقت حضور ﷺ کے دل میں خیال آتا تھا کہ یہ بڑے بڑے سردار اگر ایمان لے آئیں تو غلبہ دین کا راستہ کھل جائے گا۔ اس لئے بیان فرمایا کہ آپ کسی طرف نہ دیکھیں، صرف اللہ کی کتاب کے ذریعے اللہ کی طرف متوجہ رہیں ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ "اور تھامے رکھئے اپنے آپ کو، اور ان لوگوں کی صحبت کو غنیمت سمجھئے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں" ﴿ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ "اور آپ ہرگز ان سے نگاہ نہ پھیریں۔ کیا آپ دنیا کی زینت پسند کرتے ہیں؟" آپ کی نگاہیں اپنے ساتھیوں سے ہٹ کر کہیں ان لوگوں کی طرف نہ ہو جائیں جنہیں ہم نے دنیا میں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ ﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ أَمْرُهٗ فُرُطًا ○ ﴾ "اور اس شخص کی بات مت مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے اور جو حد سے بڑھا جاتا ہے"۔

﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "اور کہہ دیجئے (جو میں پیش کر رہا ہوں) یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے"۔ ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ "پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کر دے"۔ یعنی تمہارے ایمان لانے یا نہ لانے سے اللہ کی سلطنت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ہاں یہ جان لو ﴿ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ﴾ "اللہ نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔" ﴿ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ﴾ "اس آگ کی قناتیں انہیں اپنے گھیرے میں لے لیں گی"۔ ﴿ وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ○ ﴾ "جب وہ پیاس سے بے تاب ہو کر پانی طلب کریں گے تو انہیں ایسا پانی دیا جائے گا جو ابلتے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا۔ جو ان کے منہ جھلس دے گا۔ بہت بری ہے وہ پینے کی شے اور بہت برا ہے وہ جائے مقام۔"

یہی دعوت ہم عام کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ قاضی صاحب اسلامی انقلاب کی راہ راست کی طرف اپنا رخ کرلیں۔ آمین یا رب العالمین ○○

(۲) خطابِ جمعہ ۱۷/ ستمبر۱۹۹۹ء

جیسا کہ پچھلے خطاب جمعہ میں تفصیل سے عرض کیا جاچکا ہے اس وقت ہمارے ملک میں وہ صورت حال ایک بار پھر پوری شدت سے پیدا ہو چکی ہے جو کئی بار وقفے وقفے سے دہرائی جاتی رہی ہے۔ یعنی سیاسی افراتفری' احتجاجی ہنگامے اور ان کے نتیجے میں حکومتوں کی تبدیلی کا ظہور پذیر ہونا۔ سب سے پہلی تبدیلی جو ۱۹۵۸ء میں پاکستان میں سول حکومت کے خاتمے اور مارشل لاء کے نفاذ کی صورت میں آئی تھی وہ کسی عوامی جدوجہد یا تحریک کا نتیجہ نہیں تھی لیکن ۶۹-۶۸ میں ایوب خان کے خلاف جو عوامی تحریک چلی جس کے نتیجے میں پہلے یحیٰی خان کا مارشل لاء اور پھر بھٹو صاحب آئے' اس کے پیچھے یقیناً ایک عوامی تحریک موجود تھی۔ اس کے بعد یہی کیفیت ۱۹۷۷ء میں پیدا ہوئی جب بھٹو کے خلاف ایک بڑی تحریک شروع ہوئی تھی' جسے بعد میں "تحریک نظامِ مصطفیٰؐ" کا نام دے دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ضیاء الحق کا مارشل لاء آیا' جس کے رد عمل کے طور پر ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء تک تدریجاً ایک جدوجہد کا دور گزرا اور ملک کو آئین کی پٹڑی پر ڈالنے کیلئے ایم آر ڈی کی تحریک چلی' جس کے بعد غیر جماعتی اور پھر جماعتی انتخابات جیسی کوششیں ہوئیں۔ اب یہ چوتھا دور ہے جب نواز شریف حکومت کے خلاف ایک عوامی تحریک اور احتجاجی محاذ آرائی کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس صورتِ حال کا انجام کیا ہوگا اور اس کا حل کیا ہے؟ اس موضوع پر اپنے پچھلے جمعہ کے خطاب میں تفصیل کے ساتھ میں اظہار خیال کر چکا ہوں۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں میرا یہ مشورہ صرف فرمان نبویؐ "الدِّین النَّصیحة" کے مطابق ہے' کوئی مانے یا نہ مانے اس سے ہمیں سروکار نہیں' کیونکہ ہمارا اس حکومت مخالف احتجاجی عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں کسی خالص دینی معاملے پر تحریک اٹھے جو واقعتاً اسلامی انقلاب برپا کرنے کیلئے شروع کی گئی ہو تو اس میں ہم ضرور شامل ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نظام مصطفیٰؐ تحریک میں بھی شامل نہیں ہوئے تھے' اس لئے کہ وہ اصلاً اینٹی بھٹو تحریک تھی۔ اس تحریک میں کسی دینی تحریک کے تقاضے ادنیٰ درجے میں بھی پورے نہیں کئے گئے تھے۔

انتخابی عمل اور سیاسی احتجاجی تحریکوں سے دور رہنے کا یہ فیصلہ بے بنیاد اور بلاجواز نہیں ہے بلکہ ہمارا سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان کی بقاء صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے معاملہ پر سیاسی اکھاڑ پچھاڑ ملک کیلئے انتہائی نقصان دہ ہوگی۔ جبکہ اسلامی انقلاب صرف نبویؐ طریق پر جدوجہد کے نتیجے میں برپا ہو سکتا ہے۔

موجودہ حالات میں پاکستان میں اسلامی انقلاب کے امکانات۔ ایک جائزہ

اب آئیے پاکستان کے امراض کا تجزیہ اور تشخیص کر کے دیکھیں کہ وہ ملک جو اسلام کے نام

پر حاصل کیا گیا تھا ہماری غلط حکمت عملی کے باعث آج کہاں کھڑا ہے۔ میرا چار نکاتی تجزیہ یہ ہے :

۱) پاکستان میں سیاسی عدم استحکام عروج پر ہے۔ کوئی سیاسی ادارہ' حتیٰ کہ قوم کا سیاسی شعور مستحکم نہیں ہے۔ اخلاقی زوال انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ دیانت' امانت اور ایفائے عہد کے وصف سے پوری قوم عاری ہو چکی ہے۔ معاشی بدحالی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے غلام بن چکے ہیں اور جلد یا بدیر ملک کا دیوالیہ نکلنے کو ہے۔ ناقص نظام تعلیم کے باعث آئندہ نسل سے بھی کوئی امید نہیں کہ وہ ملک و قوم کی ترقی میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکے۔

۲) ان امراض کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم آج بھی انگریز کے چھوڑے ہوئے نظام کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ ہماری معیشت سودی نظام پر استوار ہے۔ بدترین استحصالی جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنے کیلئے ہم نے سرے سے کوئی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ قیام پاکستان کے مقصد سے انحراف اور اللہ سے نفاذ اسلام کے کئے گئے وعدہ کی عہد شکنی کی سزا کے طور پر اللہ نے بحیثیت مجموعی پوری قوم پر منافقت مسلط کر دی ہے۔

۳) اجتماعی توبہ اور اُس کے نتیجے میں اسلامی انقلاب سے کمتر پاکستان کی بقا اور استحکام کا کوئی حل نہیں۔

۴) اگر اسلامی انقلاب نہ آیا اور موجودہ صورتحال برقرار رہی تو (خاکم بدہن) پاکستان کی سلامتی شدید خطرات سے دوچار ہو جائے گی اور شدید اندیشہ ہے کہ پھر موجودہ پاکستان بھارت کی ایک ذیلی ریاست بن جائے یا اکھنڈ بھارت کا حصہ بن کر اس میں ضم ہو جائے' جس کا آغاز حالیہ سانحہ کارگل کی صورت میں ہو چکا ہے کہ جس میں ہم نے بالواسطہ طور پر بھارت کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے پسپائی اختیار کی ہے۔

دوسری طرف پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا جائے تو اس کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آئی کیونکہ عوام کی غالب اکثریت رسمی مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کا حقیقی اسلام' ایمان اور دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی موجودہ حکومت سے نفاذ اسلام کی کوئی امید ہے۔ اگرچہ ابتداء میں شریف فیملی کے دو بار میرے پاس چل کر آنے کی وجہ سے مجھے وقتی طور پر کچھ امید ہو چلی تھی کہ شاید یہ لوگ نفاذ اسلام کے معاملے میں مخلص ہیں۔ یہی گمان مجھے جنرل ضیاء الحق کے بارے میں بھی ہوا تھا جو بہت جلد رفع ہو گیا تھا۔ لہٰذا میں نے جنوری ۱۹۹۹ء میں پبلک پلیٹ فارم سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ شریف فیملی سے اب مجھے کسی درجے میں بھی خیر کی امید باقی نہیں رہی۔

مذہبی جماعتوں کا حال یہ ہے کہ ان کی اکثریت بھی فرقہ واریت پر مبنی ہے۔ سیاسی طور پر ان کی کوئی قابل ذکر حیثیت نہیں۔ روایتی علماء کی اکثریت نے مذہب کو پیشہ بنالیا ہے۔ علماء حق اول تو ہیں ہی بہت کم' اور جو ہیں وہ کچھ زیادہ مؤثر نہیں لہٰذا ان مذہبی جماعتوں سے بھی اسلامی انقلاب کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ غیر فرقہ وارانہ تحریکوں میں تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی قابل ذکر ہیں۔ تبلیغی جماعت کے پیش نظر چونکہ صرف افراد کی اصلاح ہے' اجتماعی نظام زندگی سے انہیں کوئی بحث ہی نہیں' اس لئے تبلیغی جماعت سے اسلامی انقلاب کی امید رکھنا بیکار ہے۔
جماعت اسلامی جو گزشتہ چالیس سالوں سے انتخاب کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی اب انتخابات سے مایوس ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسلامی انقلاب کیلئے منہاج محمدیؐ کی راہ اپنانے کے بجائے شارٹ کٹ کے چکر میں پڑی ہوئی ہے۔ اور اس انتظار میں ہے کہ کوئی طاقتور ہاتھ اقتدار کی ڈور ان کے ہاتھ میں تھمادے۔ جماعت اسلامی جب تک حضور ﷺ کے طریقہ کو اپنا کر کسی خالص دینی مسئلہ کو بنیاد بنا کر تحریک نہیں چلائے گی اسلامی انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ سے ہماری دعا ہے کہ وہ قاضی حسین احمد کو اسلامی انقلاب کا درست راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
میری جماعت تنظیم اسلامی ایک چھوٹی جماعت ہے' تاہم منہاج محمدیؐ کے مطابق آج ملک میں اسلامی انقلاب کیلئے صرف یہی جماعت جدوجہد کر رہی ہے۔ اس کی رفتار اگرچہ ابھی ست ہے تاہم لائحہ عمل اور سمت درست ہے۔
اس پس منظر سے قطع نظر' پاکستان کے موجودہ حالات یہ ہیں کہ اپوزیشن کی ۱۹ جماعتوں کا حکومت مخالف اتحاد جو اب تک بے نام تھا اسے گرینڈ ڈیموکریٹک الائنس کا نام دیا جاچکا ہے' جبکہ پاکستان عوامی اتحاد نے بھی کہا ہے کہ وہ کراچی اور سندھ میں اپنی احتجاجی تحریک جاری رکھے گا۔ لہٰذا حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں حکومت اپوزیشن محاذ آرائی میں شدت پیدا ہوگی۔ حالات و واقعات سے اب یہ بات بھی ظاہر ہو چکی ہے کہ موجودہ حکومت اور فوج کے درمیان محاذ آرائی کی کیفیت موجود ہے۔ اور اگر یہ خلیج وسیع تر ہوتی گئی تو پاکستان کے وجود کیلئے انتہائی خطرناک ہو سکتی ہے کیونکہ اوپر بیان کئے گئے عوامل کے اثرات تو وقت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوں گے لیکن فوج اور حکومت کے اختلافات کا نتیجہ ماضی میں بھی فوری ظاہر ہوتا رہا ہے اور اگر اس بار فوج نے کوئی اقدام کیا تو ملک و ملت کیلئے تباہ کن ثابت ہوگا۔ لہٰذا ملک کی بقاء کیلئے فوری حل تو وہی ہے جو ہم نے دستور کے تحت چار نکات پیش کئے ہیں لیکن پاکستان کے مسائل کا حقیقی اور پائیدار حل صرف اور صرف اسلامی انقلاب میں مضمر ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین OO

(مرتب : فرقان دانش خان)

اسوہ وسیرت

عظمتِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ایک فکر انگیز خطاب

بمقام فورسیزنز ہال' یکم جولائی ۹۹ء

(گزشتہ سے پیوستہ)

بیعتِ عقبہ اولیٰ و بیعتِ عقبہ ثانیہ

طائف سے واپسی کے بعد اسی سال ایام حج میں آپؐ مکہ سے باہر مختلف وادیوں میں ٹھہرے ہوئے حاجیوں سے ملاقات کرکے انہیں اسلام کی دعوت پیش کر رہے تھے کہ آپؐ کو یثرب سے آئے ہوئے چھ حاجی مل گئے۔ آپؐ نے ان کے سامنے اپنی دعوت رکھی۔ یہ چھ حاجی قبیلہ خزرج سے تھے۔ یثرب کے یہودی چونکہ یہ کہا کرتے تھے کہ عنقریب نبی آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہونے والا ہے۔ اور جب ان یہودیوں کے قبیلہ اوس اور خزرج سے جھگڑے ہوتے تھے اور وہ ان قبائل سے مار کھاتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ ابھی تو تم ہمیں دبا لیتے ہو' لیکن دیکھو! نبی آخرالزماں کے ظہور کا وقت قریب ہے' جب ہم ان کے ساتھ مل کر لڑیں گے تو تم ہمیں شکست نہیں دے سکو گے۔ یہودیوں کی یہ باتیں اہلِ یثرب کے کانوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ لہٰذا جب یثرب سے آئے ہوئے ان حاجیوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت پیش کی تو انہوں نے کَن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر یہود کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے قبیلہ خزرج کے وہ چھ آدمی ایمان لے آئے۔ واپس مدینے جا کر انہوں نے تھوڑی بہت دعوت دی ہو گی' اس کے نتیجے میں اگلے سال حج کے موقع پر بارہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی مبلغ و معلم اور مُقری دیجیے جو ہمیں قرآن پڑھائے' کیونکہ آپ سے تو ہماری ملاقات اب اگلے سال ہو گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ عرب میں سفر کرنا آسان کام نہیں تھا' قتل وغارت کا خطرہ رہتا تھا اور قافلے لوٹ لئے جاتے تھے' صرف اشہرِ حُرم' یعنی حج کے مہینوں میں امن و امان ہوتا تھا کہ کوئی کسی کو تنگ نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپؐ ہمیں کوئی قرآن پڑھانے والا دیجئے۔ قرعۂ فال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام نکلا اور آپؐ نے انہیں یثرب سے آئے ہوئے حضرات کے ساتھ روانہ کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد آپؐ نے ایک اور صحابی حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم کو' جو نابینا تھے' یثرب بھیج دیا۔ ان دونوں حضرات نے وہاں دعوت و تبلیغ کا کام کیا اور اس لگن سے لوگوں کو قرآن پڑھایا کہ حضرت مصعب کا تو نام ہی "مقری" پڑ گیا تھا۔ اس دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں اگلے سال پچھتر (۷۵) آدمی مکہ آئے اور بیعتِ عقبہ ثانیہ ہو گئی' جس کے نتیجے میں یثرب کی طرف ہجرت کا راستہ کھل گیا۔ ان ۷۵ افراد میں اوس اور خزرج کے بڑے بڑے لوگ بھی موجود تھے۔ ان دونوں قبائل کی بحیثیت مجموعی اسلام کی طرف پیش قدمی سے اللہ تعالیٰ کی وہ مشیت اس طور سے پوری ہوئی اور مدینے کی طرف ہجرت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے بقیہ صحابہ کو تو ہجرت کی اجازت دے دی لیکن خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح اجازت نامہ ملنے کے منتظر رہے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ سفرِ ہجرت کے لئے بالکل تیار تھے اور آپؐ سے پوچھا کرتے تھے کہ حضور! ہجرت کی اجازت آ گئی؟ آپؐ فرماتے "ابھی نہیں آئی"۔ اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روزانہ دریافت فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن ہم نے عجیب نقشہ دیکھا کہ عین دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ چلے آ رہے ہیں اور آپؐ نے اپنے چہرے اور سر کے اوپر کپڑا اوڑھا ہوا ہے۔ عرب میں دوپہر کے وقت کسی کے ہاں جانا اور ملاقات کرنا نہ آج پسندیدہ بات ہے نہ پہلے کبھی تھی' کیونکہ یہ قیلولہ کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم اُس وقت حضور ﷺ کی آمد پر حیران ہوئے۔ آپؐ نے آ کر پہلی بات یہ فرمائی کہ ہجرت کی اجازت آ گئی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اپنے طور پر دو اونٹنیاں (ایک اپنے لئے اور ایک حضور ﷺ کے لئے) تیار کی ہوئی تھیں اور انہیں کھلا پلا کر خوب موٹا کیا ہوا تھا تاکہ خوب تیز دوڑیں اور سفرِ ہجرت میں

کام آئیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے خوشی کے انداز میں عرض کیا کہ حضور! میں نے سفر کے لئے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔ آپؐ نے ذرا توقف کے بعد فرمایا : "ٹھیک ہے' ایک میں استعمال کروں گا لیکن میں اس کی قیمت ادا کروں گا"۔ حضرت ابو بکرؓ یہ سن کر رو پڑے کہ حضورﷺ مجھ سے بھی یہ مغائرت!

یہ حضورﷺ کی غیرت و حمیت اور خودداری تھی۔ بہرحال مدینے کی طرف سفرِ ہجرت ہوا۔ اس کے بعد آپؐ کی جدّوجُہد کا دوسرا دَور شروع ہوا۔ اس محدود وقت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ یہاں پورے انقلابی عمل کو بیان کیا جائے۔

مکی دَور میں دعوت' تربیت و تزکیہ' تنظیم اور صبرِ محض' یہ چار چیزیں بیک وقت چلی ہیں۔ "صبر محض" تیاری کا دَور ہے کہ جب تک اتنی طاقت نہیں ہے کہ کفر کے آمنے سامنے کھڑے ہو کر مقابلہ کر سکیں' اس وقت تک اگر تم پر کوئی زیادتی کی جائے تو جھیلو اور برداشت کرو اور صبر کرو۔ اس مرحلے پر کوئی جوابی کارروائی نہ کی جائے۔ یہ حضورﷺ کی کامیابی کے ضمن میں آپؐ کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا انتہائی نازک معاملہ تھا۔ وحی جلی' یعنی قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم نہیں آیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ لیکن اس حکم کا تذکرہ بعد میں سورۃ النساء میں بایں طور کیا گیا :

> "کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو! (اس وقت بعض لوگ چاہتے تھے کہ ہمیں جنگ کی اجازت دی جائے) اب جو انہیں جنگ کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسے ڈر رہے ہیں جیسا اللہ سے ڈرنا چاہئے' یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر' اور کہتے ہیں خدایا' یہ ہم پر جنگ کا حکم کیوں لکھ دیا گیا؟"

مکّی سورتوں میں اس حکم کا کہیں ذکر نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعے سے ہاتھ بندھے رکھنے کا حکم دیا ہو' کیونکہ حضورﷺ پر وحی جلی ہی نہیں وحی خفی بھی آتی تھی۔ اس سے زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہ حضورﷺ کا اپنا تدبر اور آپؐ کی اپنی تدبیر تھی۔ حضورﷺ کی اپنی سوچی سمجھی رائے تھی کہ کوئی انقلابی جماعت جو ابھی تعداد اور قوت میں تھوڑی ہے' اگر وہ پُرتشدد ہو جائے تو وہ کچل دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر تشدد کے باوجود صحابہ کرامؓ پُرتشدد نہیں ہوئے۔ حالانکہ انہیں ستایا اور مارا جا رہا تھا' انہیں گھروں میں نظربند کیا جا رہا تھا' انہیں بھوکا پیاسا رکھا جا رہا تھا۔

خاص طور پر غلاموں پر انتہائی تشدد کیا جا رہا تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین حضرت سمیہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہما کو تو شہید بھی کر دیا گیا۔ اس سب کے باوجود مسلمانوں کی طرف سے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی گئی۔ یہ انتہائی حکیمانہ اور انتہائی مدبرانہ انداز ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اس مرحلے پر اگر کہیں جوابی کارروائی ہو جائے تو باطل قوتوں کو ہمیں کچلنے کا پورا جواز مل جائے گا۔ ابھی تو ہمیں وقت چاہیئے کہ ہم اپنی دعوت و تربیت کے ذریعے سے اپنی بنیاد (Base) کو وسیع' مستحکم اور مضبوط کریں۔ اس کو علامہ اقبال نے یوں کہا ہے ؎

با نشہ درویشی در ساز و دما دم زن!

یعنی درویشی کا انداز اختیار کرو اور اس سے موافقت اختیار کر لو اور اسی انداز پر محنت اور کوشش کرتے رہو۔ آخر دعوت و تبلیغ بھی تو درویشی ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ درویش کو اگر کسی نے تھپڑ بھی مار دیا تو وہ اس کو جواب میں تھپڑ نہیں مارے گا۔ درویشی یہ ہے کہ ظلم و زیادتی کے باوجود کوئی جوابی کارروائی نہ کی جائے اور اپنے ہاتھ بندھے رکھے جائیں' ذاتی مدافعت (Self Defence) میں بھی ہاتھ نہ اٹھایا جائے چاہے تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کرتہ اتار دو' انہوں نے اتار دیا' ان کی نگاہوں کے سامنے زمین پر دہکتے ہوئے انگارے بچھے ہوئے تھے۔ اب حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ان انگاروں پر لیٹ جاؤ تو وہ لیٹ گئے۔ اس لئے کہ صبر محض اور ہاتھ بندھے رکھنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔ ورنہ یہ کہ آدمی اگر مایوس ہو جائے کہ میرا تو یہ کباب بنانے چلے ہیں اور وہ اقدام کرنے پر آ جائے تو دو چار کو مار کر ہی مرے گا۔ بلی کو بھی اگر آپ کارنر کر لیں اور اسے محسوس ہو کہ میرے لئے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا گیا ہے تو وہ آپ پر حملہ آور ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک انسان کو جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مجھے زندہ کو بھوننے لگے ہیں تو وہ اگر کوئی کارروائی کر دے تو دو چار کو مار کر مرے گا' لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی جدوجہد میں صبر محض کے مرحلے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔

مکے کے بارہ برس دعوت و تبلیغ' تربیت و تزکیہ اور تنظیم کے مراحل میں گزرے' جس کا نقطۂ عروج بیعتِ عقبہ ثانیہ ہے' جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عہد

لیا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :

((بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لاَّ نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لاَ نَخَافُ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لاَئِمٍ))

"ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی کہ آپ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے' خواہ مشکل ہو خواہ آسانی ہو' خواہ طبیعت آمادہ ہو اور خواہ ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' خواہ آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں' اور جنہیں بھی آپ ذمہ دار بنائیں گے ان سے ہم جھگڑیں گے نہیں (ان سے تعاون کریں گے)۔ اور جہاں بھی ہوں گے حق بات (اور صحیح مشورہ) ضرور پیش کریں گے' ہم اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔"

یہ ایک عظیم بیعت تھی جس سے ایک تنظیم وجود میں آئی۔

داخلی استحکام کی خاطر اقدامات

مدینے میں آکر آپ نے داخلی استحکام کی خاطر چھ مہینے میں تین کام کئے :

۱) مسجدِ نبوی کی تعمیر کی جس سے ایک مرکز بن گیا۔ اب یہ دارالندوہ بھی تھی اور دارالمشاورت بھی' یہ دارالامارہ بھی تھی اور دارالصلاۃ بھی۔ یہی دارالتعلیم' دارالتزکیہ اور دارالاحسان بھی تھی۔ اسے آپ خانقاہ' درس گاہ' تربیت گاہ' عبادت گاہ' ایوانِ حکومت' عدالت اور پارلیمنٹ ہاؤس کہہ لیں۔ الغرض مسجدِ نبوی کی شکل میں ایک مرکز وجود میں آگیا۔

۲) حضور ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے مابین "مواخات" قائم کر کے انہیں بھائی بھائی بنا دیا تاکہ اسلامی جماعت کے دو حصے مربوط ہو جائیں۔

۳) حضور ﷺ نے یہودیوں کی ساتھ یہ معاہدہ کر کے انہیں جکڑ لیا کہ اگر مدینے پر باہر سے حملہ ہوا تو اس کا سب مل کر جواب دیں گے۔

یہاں میں آپ کو ایک بات بتاتا چلوں کہ مستشرقین نے اپنی کوتاہ نظری کے باعث رسول ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مکی اور مدنی دور کے طرزِ عمل کو متضاد قرار دیا ہے۔

ٹائن بی(Toynbee) نے حضور ﷺ کے بارے میں ایک بڑا زہر بھرا جملہ کہا تھا :

"Muhammad faild as a prophet but succeeded as a statesman"

یعنی محمد (ﷺ) نبی کی حیثیت سے تو ناکام ہو گئے' لیکن بحیثیت سیاست دان کامیاب ہوئے"۔ مکے میں دعوت و تربیت' تزکیہ اور صبر محض کا جو نقشہ تھا اس کے نزدیک انبیاء کا کام یہی ہوتا ہے۔ یہی کام تین سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ محمد (ﷺ) جب مکے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے (معاذ اللہ) مدینہ کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔ مستشرقین ہجرت مدینہ کو "Flight to Madina" کہتے ہیں' حالانکہ یہ فرار نہیں تھا' بلکہ ایک متبادل مرکز (Alternate Base) کی طرف منتقلی تھی۔ پہلے آپ نے متبادل مرکز کی تلاش میں طائف کا سفر اختیار فرمایا تھا' لیکن مشیتِ ایزدی کچھ اور تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ متبادل مرکز (Alternate Base) مدینے کی شکل میں عطا کیا۔ انقلابی جدوجہد میں اقدام کے مرحلہ کے آغاز کے لئے مدینہ کی حیثیت ایک Base کی تھی۔

برطانوی پروفیسر منٹگمری واٹ جسے ضیاء الحق صاحب نے خاص طور پر پاکستان بلایا تھا' نے سیرت محمدی ﷺ پر دو کتابیں لکھی ہیں :

1- Muhammad at Makka   2- Muhammd at Madina

اس نے ان دونوں کتابوں میں اپنے تئیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے متضاد پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ مکے والا محمد (ﷺ) کچھ اور ہے' مدینے والا کچھ اور۔ مکے والا محمد (ﷺ) تو داعی' مبلغ' مزکی اور درویش ہے اور اس کی سیرت میں واقعتاً نبیوں والا نقشہ نظر آتا ہے جبکہ مدینے والا محمد تو ایک مدبر' منتظم' سٹیٹسمین' سیاست دان اور سپہ سالار ہے۔ اس کے نزدیک یہ دونوں شخصیتیں بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ "Muhammad at Madina" میں اس نے حضور ﷺ کے لئے مدح اور تعریف کے تمام ممکنہ الفاظ کو جمع کر لیا ہے۔ آپ کی دوراندیشی' معاملہ فہمی' آپ کی صحیح صحیح صورت حال کے بارے میں صحیح صحیح اقدام کی صلاحیت' آپ کی انسان شناسی اور ہر انسان کی ذہنی سطح کا اندازہ کرتے ہوئے اس سے اس کی سطح پر بات کرنا اور ہر انسان سے اس کی صلاحیت و استعداد کے مطابق کام لے لینا جیسی تمام خصوصیات کا تذکرہ

اس نے کھلے دل کے ساتھ کیا ہے۔ اس نے حضور ﷺ کی موقع شناسی' تدبر اور سیاست وغیرہ کے جتنے بھی اعلیٰ ترین اوصاف ہیں ان کا ذکر افعل التفضیل (Superlative) کے صیغے میں کیا ہے۔ اس سے ایک مسلمان دھوکا کھاتا ہے کہ یہ کتاب حضور ﷺ کی تعریف میں لکھی گئی ہے' حالانکہ درحقیقت وہ تضاد (contrast) بیان کر رہا ہے کہ بحیثیت سیاست دان (statesman) تو آپؐ کے یہ اوصاف ہیں جبکہ بحیثیت نبی آپؐ ناکام ہو گئے اور آپؐ کو مکے سے بھاگ کر مدینے میں پناہ لینی پڑی۔ یہ وہ زہر ہے جو اس نے گھولا ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی معاملہ فہمی' دوراندیشی اور statesmanship کا اس نے کھلے ٹیک کر اعتراف کیا ہے۔ حضور ﷺ کے انہی اوصافِ عالیہ کا شاہکار میثاق مدینہ تھا' جس میں آپ ﷺ نے مدینہ میں آباد یہودیوں کے تینوں قبیلوں کو پابند کر لیا۔ اگرچہ بعد میں وہ ایک ایک کر کے غداری کے مرتکب ہوتے رہے' لیکن ظاہر بات ہے کہ جب وہ غداری بھی کرتے تھے تو چھپ چھپ کر اور ڈرتے ڈرتے' کیونکہ وہ اس معاہدے میں جکڑے ہوتے تھے' کھلے عام انہیں ان سرگرمیوں کی جرأت نہیں تھی۔ لہٰذا درپردہ سازشیں کرتے رہے' وہ کبھی مکے والوں کو ابھارتے' کبھی کسی اور کو۔ بعد میں اس معاہدے کی خلاف ورزیوں کے سبب یہودیوں کے تینوں قبائل بنو قینقاع' بنو قریظہ اور بنو نضیر مدینے سے نکال دیئے گئے۔

رسول اللہؐ کی طرف سے چھاپہ مار مہموں کا آغاز

حضور ﷺ نے مدینے میں ابتدائی چھ مہینے مذکورہ بالا تین کاموں کے لئے صرف کئے اور ساتویں مہینے آپؐ نے چھوٹے چھوٹے چھاپہ مار دستے مکے کی طرف بھیجنے شروع کر دیئے۔ اب یہ باطل کو چیلنج دینے کا انداز ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے پہلے آپؐ نے ایسی آٹھ مہمیں روانہ کیں۔ بدقسمتی سے سیرت کی وہ کتابیں جو انگریزی دَور میں لکھی گئیں ان کے مؤلفین نے ان واقعات کو اہمیت نہیں دی اور انہیں چھپایا ہے۔ یہاں تک کہ علامہ شبلی نے بھی ان کو نقل نہیں کیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ان اقدامات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد جنگ کا آغاز محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوا' قریشِ مکہ کی طرف سے نہیں۔ جبکہ یورپی استعمار کے دور میں ہمارے اوپر یہ تنقید ہوتی تھی کہ اسلام تو تلوار سے پھیلا ہے۔

"بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے!"

اور یہ تو خونی اور جنونی لوگ ہیں' یہ دلیل سے بات نہیں کرتے' طاقت سے بات کرتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے چونکہ مسلسل یہ پراپیگنڈا ہو رہا تھا لہٰذا ہمارا انداز معذرت خواہانہ سا ہو گیا تھا کہ "نہیں! حضور ﷺ نے تو جنگ نہیں کی' آپؐ نے تو دفاع کیا ہے' آغاز تو کفار کی طرف سے ہوا تھا۔" یہ بات صد فیصد غلط ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کو اللہ نے دین کو غالب کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ آپؐ مکے سے مدینے وہاں کے نخلستانوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کرنے تو نہیں آئے تھے' وہ تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس جدّوجُہد کے اگلے مرحلے یعنی اقدام کی تیاری کے لئے Base فراہم کیا تھا۔ آپؐ اگلے مرحلے کا آغاز زیادہ سے زیادہ چھ مہینے مؤخر کر سکتے تھے تاکہ وہاں اپنی پوزیشن کو مستحکم کریں' اس سے زیادہ آپ کے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔ لہٰذا آپؐ نے اپنی پوزیشن مستحکم ہوتے ہی اقدام کا آغاز فرمادیا' اور یہ سلسلہ آپؐ کی جانب سے شروع ہوا۔ آپؐ کی آٹھ مہمات غزوۂ بدر سے پہلے ہیں۔ ان میں چار غزوات ہیں جن میں حضور ﷺ خود بھی شریک ہوئے اور چار سرایا ہیں جن میں حضور ﷺ خود شریک نہیں ہوئے۔

ان مہمات کا مقصد ایک تو قریش کو چیلنج کرنا اور دوسرے مکہ کی معاشی ناکہ بندی (Economic Blockade) تھا کیونکہ اہل مکہ کی معاش کا دارومدار کلیتاً تجارت پر تھا۔ ان کے تجارتی قافلے شمالاً جنوباً سفر کرتے تھے۔ شمال میں شام کی طرف جانے والا قافلہ بدر سے ہو کر گزرتا تھا۔ بدر مدینے سے اسّی (۸۰) میل کے فاصلے پر ہے اور مکے سے دو سو میل کے فاصلے پر۔ لہٰذا یہ مسلمانوں کی زد میں تھا۔ ادھر جنوب کی سمت جو قافلہ یمن کی طرف جاتا تھا وہ وادی نخلہ سے ہو کر گزرتا تھا جو مکہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور مدینہ سے اس کا فاصلہ کم از کم تین سو میل کا ہے۔ لیکن آپؐ نے وادی نخلہ میں بھی ایک مہم روانہ فرمائی۔ ان مہموں کا مقصد قریش کو یہ بتا دینا تھا کہ اب تمہاری لائف لائن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس کو جدید اصطلاح میں مکہ کی معاشی ناکہ بندی کہیں گے۔ ان مہمات سے آپؐ نے جو دوسرا مقصد حاصل فرمایا وہ قریش کو سیاسی طور پر الگ تھلگ کرنا (Political Isolation) تھا۔ حضور ﷺ ان چار مہموں کے دوران جن میں آپؐ بنفسِ نفیس شریک تھے' جہاں بھی گئے آپؐ نے علاقائی قبائل سے معاہدے کئے۔ چنانچہ وہ

قبائل جو پہلے قریش کے اتحادی تھے اب یا تو حضور ﷺ کے اتحادی ہو گئے' یا انہوں نے غیر جانبداری کا معاملہ کیا کہ ہم نہ قریش کے خلاف آپؐ کا ساتھ دیں گے اور نہ آپؐ کے خلاف قریش کی مدد کریں گے۔ لیکن ان دونوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کے سیاسی اثر و رسوخ کا دائرہ سکڑنے لگا اور محمد ﷺ کے سیاسی اثر و رسوخ کا دائرہ بتدریج پھیلنے لگا۔ قرآن مجید میں جو درمیانی دَور کی مکی سورتیں ہیں ان میں سے سورۃ الانبیاء میں یہ آیت آئی ہے :

﴿ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا ﴾ (آیت ۴۴)

"کیا ان کو نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو مختلف سمتوں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟"

یعنی ہم زمین کو چاروں اطراف سے گھیرتے ہوئے مکے کی طرف لا رہے ہیں۔ مکی دور ہی میں ان قبائل میں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اب گویا کہ اسلام مکے کی طرف دوسرے قبائل سے پیش رفت کر رہا تھا۔ اب اس کی صورت یہ بنی کہ حضور ﷺ نے ان قبائل کے ساتھ معاہدے کر لئے تو حضور ﷺ کا سیاسی اثر و رسوخ بڑھتا چلا گیا اور قریش کا گھٹتا چلا گیا۔

غزوۂ بدر : مسلّح تصادم کا آغاز

رسول اللہ ﷺ کے ان اقدامات کے نتیجے میں تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق قریش کا ایک ہزار کا لشکر نکلا' جس کی دو فوری وجوہات ہو گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ نخلہ میں آپؐ نے جو گروپ بھیجا تھا اس کی مڈ بھیڑ قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہو گئی' اور جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک مشرک مارا گیا اور مسلمان ایک کو اسیر بنانے کے علاوہ مالِ تجارت بھی چھین کر لے آئے۔ اب مکے میں شور مچ گیا کہ محمد (ﷺ) کی یہ جرأت کہ اس کے آدمیوں نے ہمارا آدمی مار دیا۔ یہ ہجرت کے بعد پہلا قتل تھا اور یہ مسلمانوں کے ہاتھوں ایک مشرک کا تھا۔ ثانیاً حضور ﷺ نے قریش کے اس تجارتی قافلے کا پیچھا کر کے اسے روکنے کی کوشش کی تھی جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام جا رہا تھا' لیکن یہ قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں بچ نکلا تھا۔ قافلے کی واپسی کے وقت ابو سفیان کو زیادہ اندیشہ لاحق ہوا' کیونکہ یہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تھا جس میں ایک ہزار اونٹوں پر کروڑوں کا مالِ تجارت لدا ہوا تھا۔ چنانچہ ابو سفیان نے قریش کو ہنگامی پیغام بھیجا کہ مجھے محمد (ﷺ) اور ان

کے ساتھیوں سے خطرہ ہے کہ وہ حملہ کر کے ہمیں لوٹ لیں گے' لہٰذا فوری مدد بھیجو۔ دوسری طرف ابوسفیان نے خود راستہ بدل لیا اور بدر سے ہو کر گزرنے کے بجائے نیچے ساحل کے ساتھ ساتھ ہو کر گزر گیا۔ ادھر مکہ میں ابوسفیان کا ہنگامی پیغام پہنچا اور ادھر سے لوگ روتے پیٹتے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے آ گئے کہ محمد (ﷺ) کے آدمیوں نے ہمارا ایک آدمی مار دیا ہے تو اس کے نتیجے میں قریش کے مشتعل مزاج لوگوں (Hawks) کا پلڑا امن پسند لوگوں (Doves) پر بھاری ہو گیا۔ Hawks اور Doves ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ ہر صورت میں لڑنے مرنے پر تیار ہو جانے والے Hawks کہلاتے ہیں اور جنگ سے گریز کا مشورہ دینے والے Doves کہلاتے ہیں۔ قریش میں بھی دونوں طرح کے لوگ تھے۔ Hawks میں ابوجہل' عقبہ بن ابی معیط اور بڑے بڑے لوگ تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ چل کر مدینے پر فوج کشی کرو اور محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو ختم کر دو۔ دوسری طرف ان میں Doves بھی تھے' جن میں ایک بزرگ شخصیت عتبہ بن ربیعہ بھی تھا جو بدر کے میدان میں پہلا مقتول ہے' لیکن وہ بہت شریف النفس انسان تھا۔ دوسرے حکیم بن حزام تھے' جو شاید اندر ہی اندر ایمان بھی لا چکے تھے' لیکن ابھی ظاہر نہیں کیا تھا' وہ بھی بہت شریف انسان تھے۔ یہ دونوں حضرات کہتے تھے کہ اب بلا ہمارے سر سے ٹل گئی ہے' محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھ یہاں سے چلے گئے' اب تم محمد کو بقیہ عرب کے حوالے کر دو' اس لئے کہ محمد (ﷺ) تو چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں' انہوں نے اپنی دعوت پھیلانی ہے' تو جو ردعمل ہمارا ہے وہی سارے کے سارے عرب کے لوگوں کا ہو گا' کیونکہ سب مشرک اور بت پرست ہیں۔ اب محمد ﷺ کی ان سے کشمکش ہو گی اور جس میں اگر محمد ﷺ ان پر غالب آ گئے تو ہمارا کیا جائے' وہ بھی تو قریشی ہیں' بنو ہاشم سے ہیں' گویا کہ پورے عرب پر قریش کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اور اگر بقیہ عرب نے محمد ﷺ کو ختم کر دیا تو جو تم چاہتے ہو وہ ہو جائے گا اور تمہیں اپنی تلواریں اپنے بھائیوں کے خون سے رنگین نہیں کرنی پڑیں گی۔ آخر محمد ﷺ بھی تو بنی ہاشم سے ہیں۔

بہرحال جب یہ دو چیزیں سامنے آ گئیں تو Doves بے بس ہو گئے اور Hawks نے طبل جنگ بجا دیا۔ چنانچہ وہ جنگ کی تیاریوں میں معروف ہو گئے اور ایک ہزار کا لشکر کیل کانٹے سے لیس کر کے لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک بات اور نوٹ کیجئے کہ جب

کفار عین بدر کے میدان میں پہنچ گئے اور ادھر سے حضور ﷺ بھی تین سو تیرہ کی نفری لے کر آ گئے تو لشکر مکہ کو یہ پیغام پہنچ گیا کہ ہمارا قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے۔ چنانچہ حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیعہ ابو جہل کے پاس آئے اور آ کر کہنے لگے کہ ہمارا قافلہ بحفاظت بچ کر نکل گیا ہے' اب لڑائی کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کی حیثیت ایسی ہے کہ آپ اگر چاہیں تو یہ خون ریزی رک سکتی ہے۔ عتبہ بن ربیعہ نے ابو جہل کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ جو ہمارا ایک آدمی محمد (ﷺ) کے آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا اس کا خون بہا میں ادا کرتا ہوں' باقی یہ کہ ہمارا قافلہ تو بچ کر نکل ہی گیا ہے' لہٰذا ہمیں اس خون ریزی سے بچنا چاہئے۔

اس پر ابو جہل نے مقتول کے بھائی کو بلا کر کہا کہ تمہارے بھائی کے خون کا بدلہ تمہارے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے' یہ لوگ آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جنگ نہ ہو۔ اس نے عرب کے رواج کے مطابق کپڑے پھاڑے اور چیخنے لگا کہ مجھے تو قصاص اور بدلہ چاہئے' مجھے کوئی خون بہا نہیں چاہئے! مزید یہ کہ ابو جہل نے عتبہ کو طعنہ دیا کہ شاید تم پر بزدلی طاری ہو گئی ہے' کیونکہ تمہارا اپنا بیٹا حذیفہ سامنے ہے۔ ایک عرب کے لئے تو یہ بہت بڑا طعنہ تھا۔ اس نے کہا کہ اچھا یہ تو کل معلوم ہو گا کہ کون بزدل ہے اور کون بہادر ہے۔ چنانچہ اگلے دن سب سے پہلے عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور مبارزت طلب کی۔ ادھر سے تین انصاری صحابی مقابلہ کے لئے نکلے۔ عتبہ نے پوچھا: کون ہو تم؟ انہوں نے کہا انصارِ مدینہ۔ عتبہ نے کہا: نہیں' ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں' ہمیں اپنے ہم پلہ لوگوں سے لڑنا ہے' ہم ان کاشتکاروں سے لڑنے نہیں آئے۔ اس پر پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے مقابلے میں نکلنا چاہا لیکن حضور ﷺ نے روک دیا۔ پھر حضرت علی' حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نکل کر میدان میں آئے اور پہلا قتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عتبہ کا ہوا۔ اس طرح وہی شخص جو جنگ روکنا چاہتا تھا' لیکن بزدلی کا طعنہ برداشت نہیں کر سکا' سب سے پہلے واصل جہنم ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیبہ کا کام تمام کیا۔ پھر دونوں لشکر باہم ٹکرائے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے اہل ایمان کو فتح عطا فرمائی اور قرآن حکیم میں اس دن کو "یوم الفرقان" قرار دیا۔

یہاں سے حضور ﷺ کی انقلابی جدّوجُہد آخری مرحلے میں داخل ہو گئی۔ یہ "مسلح تصادم" جس کا آغاز غزوۂ بدر سے ہوا' چھ سال جاری رہا۔ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے بارہ سال دعوت وتزکیہ ' تنظیم اور صبر محض (کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ) کے مراحل میں گزرے۔ یہ مکے کے بارہ برس تھے۔ مدینہ میں آکر آپؐ نے پہلے چھ مہینے میں اپنی پوزیشن مستحکم کی' اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال کے دوران قریش کے خلاف مہمیں بھیجیں جن کے نتیجے میں یہ مسلح تصادم شروع ہوا۔ اس طرح گویا کہ سانپ کو بِل میں سے نکالا گیا۔ میں یہ بات جان بوجھ کر کہہ رہا ہوں۔ اس لئے کہ مکہ تو حرم ہے' وہاں جا کر کشت و خون کوئی پسندیدہ شے نہیں ہے۔ لہٰذا قریش کو وہاں سے نکالنا ایسے ہی تھا جیسے کہ سانپ کو بِل سے نکال کر باہر لے آیا جائے اور پھر اس کی گردن کچلی جائے۔ چنانچہ بدر میں ان کے چوٹی کے ستر سردار مارے گئے جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد چھ سال تک مسلسل جنگ لڑی گئی' جس کے دوران غزوۂ بدر' غزوۂ احد' غزوۂ احزاب اور غزوۂ خیبر وغیرہ ہوئے۔ محمد رسول ﷺ نے غلبہ دین کی جدوجہد کے لئے پوری تیاری کی تھی۔ افراد کو تیار کیا تھا' ان کا تزکیہ کیا تھا' ان کے اندر ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ ہرچہ باداباد' جانیں دینے کو تیار رہیں' انہیں نظم کا خوگر بنا دیا تھا۔ پھر ان کی للّٰہیت اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

یہ ساری تیاری کرکے آپؐ میداں میں آئے تھے۔ پھر مسلح تصادم کا دَور شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

انقلاب اسلامی کی توسیع و تصدیر کا مرحلہ

۸ھ یا ۹ھ میں اندرونِ ملکِ عرب انقلابِ اسلامی کی تکمیل ہو گئی۔ البتہ اس کے بعد کا مرحلہ سمجھ لیجئے' کسی بھی سچے انقلاب کے لئے آخری مرحلہ انقلاب کی توسیع اور تصدیر ہوتا ہے اور یہ اس کا لِٹمس ٹیسٹ (litmus test) ہے۔ حقیقی انقلاب صرف وہ ہوتا ہے جو کسی جغرافیائی' قومی اور ملکی حدود کے اندر محدود نہ رہے' بلکہ پھیلتا جائے۔ اس لئے کہ انقلاب نظریے کی بنیاد پر برپا ہوتا ہے اور نظریہ کو پاسپورٹ درکار ہوتا ہے نہ ویزا۔ جیسے ہوا اور بادل بغیر کسی رکاوٹ کے اِدھر سے اُدھر جا رہے ہیں اسی طرح نظریہ

بھی جائے گا۔ نظریہ پھیلے گا تو انقلاب کی توسیع ہو گی۔ جو انقلاب اپنے آپ کو انقلاب تو کہے لیکن کسی حدود کے اندر محدود رہ جائے وہ حقیقی انقلاب نہیں' بلکہ اسے صرف ظاہری طور پر انقلاب کہیں گے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ایران کا انقلاب ہے۔ وہ حقیقی انقلاب نہیں' اگرچہ ظاہری انقلاب ہے کہ بادشاہت ختم ہوئی اور علماء کی حکومت قائم ہو گئی۔ لیکن یہ حقیقی انقلاب نہیں' کیونکہ اس کی توسیع نہیں ہو سکی۔ اس کو پاکستان برآمد کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور یہاں کے اہل تشیع نے ۸۹ء کے انقلابِ ایران کے بعد جارحانہ انداز اختیار کیا تھا' لیکن ان کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ یا پھر یہ انقلاب سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ عراق میں ایکسپورٹ ہو سکتا تھا' کیونکہ وہ ملحق بھی ہے اور وہاں کی پچپن فیصد آبادی شیعوں پر مشتمل ہے' لیکن وہاں بھی خمینی صاحب سے Strategic غلطی ہوئی اور دونوں ملکوں میں تصادم ہو گیا اور صدام حسین نے بڑی ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے اسے عرب اور عجم کی لڑائی کا رنگ دے دیا اور اس طرح گویا عرب نیشنلزم اور ایرانی نیشنلزم مدِ مقابل آ گئے۔ بہرحال کسی بھی انقلاب کا صحیح لٹمس ٹیسٹ یہ ہے کہ وہ علاقائی حدود سے باہر نکلتا ہے یا نہیں۔ انقلابِ فرانس صرف فرانس تک ہی محدود نہیں رہا' بلکہ پوری دنیا میں پھیلا اور پوری دنیا میں جمہوریت کا دَور آیا۔ انقلابِ روس لاطینی امریکہ اور کیوبا تک پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محمدِ عربی ﷺ کے انقلاب کا بین الاقوامی اور عالمی مرحلہ بھی فوراً شروع ہو گیا جس کا آغاز حضور ﷺ نے خود فرمایا۔ چنانچہ نہ صرف جزیرہ نمائے عرب تک انقلاب کی تکمیل آپؐ نے بنفسِ نفیس خود فرمائی' بلکہ اگلے مرحلے میں انقلابِ محمدی کی توسیع و تصدیر کے بین الاقوامی اور عالمی مرحلے کا آغاز بھی آپؐ نے فرمادیا۔

اس ضمن میں تین باتیں نوٹ کیجئے کہ جب تک صلح حدیبیہ نہیں ہو گئی' جسے قرآن نے ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴾ قرار دیا' حضور ﷺ نے بیرونِ عرب نہ کوئی داعی اور مبلغ بھیجا اور نہ ہی کوئی نامہ مبارک روانہ فرمایا' بلکہ پوری توجہ عرب کے اندر ہی مرکوز رکھی تاکہ یہاں انقلاب آ جائے۔ دس برس تک آپؐ نے مکے سے باہر قدم نہیں نکالا' سوائے اس کے کہ عُکاظ کا جو میلہ لگتا تھا جس میں آس پاس کے قبائل چلے آتے تھے' کبھی کبھار آپؐ وہاں تشریف لے جاتے۔ آپؐ نے پورے دس برس صرف مکے میں اپنی

دعوت پیش کی۔ اس کے بعد مزید آٹھ برس تک صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود رہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے صرف نامہ ہائے مبارک بھیجنے شروع کئے۔ آپ نے ہرقل شاہِ روم، خسرو پرویز شہنشاہِ ایران، مقوقس شاہِ مصر اور نجاشی شاہِ حبشہ کو نامہ ہائے مبارک بھیجے۔ وہ نجاشی اب فوت ہو چکے تھے جو حضور ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، کیونکہ ان کی ملاقات حضور ﷺ سے نہیں ہو سکی۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے ان کی صحبت نجاشیؒ کو حاصل ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے نامہ ہائے مبارک لے کر جانے والے ایلچیوں میں سے ایک ایلچی کو سلطنت روما کے باج گزاروں نے قتل کر دیا، لہٰذا روما سے ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ چنانچہ پہلے غزوۂ موتہ اور پھر غزوۂ تبوک ہوا۔ آپؐ تیس ہزار کی نفری لے کر تبوک میں بیس دن تک مقیم رہے۔ شہنشاہِ روم ہرقل چونکہ یہ پہچانتا تھا کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں اس لئے وہ مقابلے میں نہیں آیا، حالانکہ وہ لاکھوں کی فوج کے ساتھ شام میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ بہرحال آپ ﷺ نے عرب کے باہر انقلاب کی توسیع کا آغاز اپنی حیات طیبہ میں فرما دیا تھا۔

پھر خلفاء راشدین کے دور میں اسلامی افواج نے تین اطراف میں پیش قدمی کی ہے۔ ایک لشکر سیدھا شمال کی سمت بڑھتا ہوا ایشیائے کوچک کی طرف گیا۔ دوسرا لشکر مشرق کی سمت بڑھا اور عراق سے ہوتے ہوئے ایران، ترکستان جو کہ اس زمانے میں بہت بڑا ملک تھا، اور خراسان کی طرف پیش قدمی کرتا گیا۔ جبکہ تیسرا لشکر ذرا سا مغرب کی طرف مڑتے ہوئے شام اور فلسطین سے ہوتا ہوا صحرائے سینا سے گزر کر مصر اور پھر لیبیا وغیرہ کو اسلام کا سایۂ رحمت عطا کرتا ہوا بحرِ اوقیانوس تک پہنچا ــــــ اس طرح پہلے تین خلفاء راشدین کے دور میں صرف ربع صدی کے دوران دریائے جیحوں سے بحرِ اوقیانوس تک (From Oxus to Atlantic) اور ادھر شمال میں کوہ قاف تک، اس پورے علاقے میں انقلاب محمدیؐ برپا ہو گیا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام نافذ ہو گیا۔ یہ ہے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے سفر کی داستان جس کے چند خدوخال میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں۔

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا ظہورِ کامل — کب اور کیسے؟

اب آخری نکتہ جو مجھے عرض کرنا ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ کی اس عظمت کا آخری اور کامل ظہور ابھی باقی ہے۔ قرآن مجید میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ (التوبہ ۳۳، الفتح ۲۸، الصف ۹)

"وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (یعنی قرآن حکیم) اور دین حق دے کر تاکہ غالب کرے اس (دین حق) کو پورے کے پورے نظامِ زندگی پر۔"

اس موضوع پر میری کتاب "نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت" میں اس آیت مبارکہ پر ۲۴ صفحات پر مشتمل مقالہ شامل ہے۔ مذکورہ بالا آیت کی رُو سے بعثت محمدیؐ کا مقصد غلبہ دین ہے، جبکہ بعثت محمدیؐ تمام نوع انسانی کے لئے ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں مختلف الفاظ میں پانچ مرتبہ آیا ہے، لیکن اس ضمن میں اہم ترین آیت یہ ہے کہ :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا.... ﴾ (سبا : ۲۸)

"ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو (اے محمد ﷺ) مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔"

اس صغریٰ کبریٰ کو جوڑیئے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعثتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مقصد بتمام وکمال صرف اُس وقت پورا ہو گا جب کہ کل روئے ارضی پر اور پورے عالم انسانیت پر اللہ کا دین غالب ہو گا۔ ورنہ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

احادیثِ نبویؐ میں قیامت سے قبل عالمی غلبہ اسلام کی صریح پیشین گوئی موجود ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت سے قبل کل روئے ارضی پر نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گا۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ دَور لازماً آئے گا اور اُس وقت اصل میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد بتمام وکمال پورا ہو گا۔ آج سے چودہ سو سال پہلے خلافت راشدہ کے دَور میں اسلامی افواج نے جس طرح تین اطراف میں پیش قدمی کی تھی اس وقت اسلام کا عالمی غلبہ زیادہ دُور نظر نہیں آ رہا تھا۔ شمال کی طرف جانے والی افواج نے

ایشیائے کوچک میں جا کر دم لیا تھا اور مشرق اور مغرب میں اس تیزی سے فتوحات ہو رہی تھیں کہ ع "رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا!" کوئی طاقت ایسی نہیں تھی جو اس سیل رواں کو روک سکے، لیکن اس وقت اسلامی انقلاب کو اندرونی طور پر سبوتاژ کیا گیا۔ عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور اندرونی طور پر انتشار و خلفشار پیدا کر کے مسلمان کو مسلمان سے لڑا دیا۔ اسی خلفشار کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا اور اس کے بعد چار برس تک مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی جس میں ایک لاکھ مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں اور نیزوں سے قتل ہو گئے۔ اسلامی فتوحات کا سلسلہ نہ صرف رک گیا بلکہ رجعت قہقری کا شکار ہو گیا۔ لیکن اسلام کے عالمی غلبے کا یہ کام ہونا ہے جس کی خبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور قرآن بتا رہے ہیں کہ وہ وقت اب دُور نہیں ہے۔ ہمارے شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبال جو بڑے دُور اندیش (Visionary) تھے، جن کا اپنا دعویٰ ہے کہ ع "گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود" انہوں نے دل وجود کو چیر کر دیکھ لینے والی نگاہ سے مستقبل کے پردوں کو چیر کر دیکھا ہے کہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ کیا کیف ہو گا جبکہ جامع مسجد قرطبہ کے باہر بہنے والے دریا کے کنارے علامہ نے اپنا یہ وجدان پیش کیا ۔

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اُٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب!

علامہ اقبال مزید فرماتے ہیں ۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!!

پس یہ دَور تو آکر رہے گا‘ لیکن یاد رکھئے کہ یہ اب بھی اسی طرح آئے گا جیسے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ﴾ کی محنت اور قربانیوں سے آیا تھا۔ وہ لوگ سراسر محروم رہ گئے جو اس دَور میں موجود تھے اور پھر بھی انہوں نے اس جدوجہد میں حصہ نہ لیا۔ وہ کفر کے دامن سے وابستہ رہے یا انہوں نے نفاق کا لبادہ اوڑھ لیا۔ وہ لوگ انتہائی بدبخت اور محروم تھے جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کا دَورِ سعادت پایا لیکن آپؐ کے دست و بازو نہ بنے۔ ان کے لئے روحانی ترفع‘ مقاماتِ بلند اور جنت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے کس قدر مواقع تھے‘ لیکن وہ لوگ محروم رہ گئے۔ اور جنہوں نے : ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ﴾ والی روش اختیار کی وہ کامیاب ہو گئے۔ (ترجمہ آیت : ”اللہ کے رسول محمد ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کفار پر بہت سخت اور آپس میں رحیم ہیں“۔

اور جنہوں نے کامیاب تجارت کا راستہ اختیار کیا وہ سرخرو ہو گئے‘ جس کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ﴾ (الصف : ۱۰)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میں تمہاری راہنمائی کروں ایسی تجارت کی طرف جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔“

یہ سورۂ مبارکہ ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ ﴾

”اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو!“

اس کے بعد الفاظ آتے ہیں :

﴿ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ﴾

"کون ہیں میرے مددگار اللہ کے راستے میں؟"

تو جان لیجئے کہ اسلام کا عالمی انقلاب پکار رہا ہے اور "مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" کی آواز ہم اپنے روحانی کانوں سے سن سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے حق و باطل کی آویزش کے بارے میں کہا تھا ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بو لہبی!

حق و باطل کی جنگ ختم نہیں ہوئی' بلکہ ایک نئی شان اور ایک نئی ہیبت کے ساتھ آنے والی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا!
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!

قرآن کے الفاظ میں "بَاْسٌ شَدِیْدٌ" اور حدیثِ نبویؐ کے الفاظ میں "اَلْمَلْحَمَۃُ الْعُظْمٰی" عنقریب آنے والی ہے۔ یہ زیادہ دُور نہیں ہے۔ اس معرکۂ حق و باطل کے لئے "کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ" کی پکار سنائی دے رہی ہے۔ غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ نے پکارا تھا :

((اِلَیَّ یَاعبادَ اللّٰہ! اِلَیَّ یا اصحابَ البدر! اِلَیَّ یا اصحابَ الشجرۃ!))

"میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو! کہاں جانے والے ہو؟ اے بدر میں ساتھ دینے والو اور حدیبیہ میں بیعت علی الموت کرنے والو! میری طرف آؤ!!"

آج بھی یہ پکار بالفعل موجود ہے۔ کون ہے کہ جو اس پکار پر لبیک کہے؟ جو اپنا تن من دھن اس کے لئے وقف کرنے کو تیار ہو؟ یہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمارا عملی تعلق۔ یہ حُبِّ رسولؐ کا تقاضا ہے۔ عید میلاد کی محفلیں اور جلوس نکالنا حُبِّ رسول کا تقاضا نہیں ہے۔ حُبِّ رسول کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے لئے تن من

دھن ایک کر دیا جائے۔ حُبِّ رسولؐ کے تقاضے کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ ایک وقت میں گھر میں جھاڑو پھیر کر سارا مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا' اور جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تھا کہ گھر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے تو وہ تھے۔ محفلیں منعقد کر لینا' کھڑے ہو کر سلام پڑھ لینا یا جلوس نکال لینا حُبِّ رسول نہیں ہے! حُبِّ رسول تو یہ ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی جِدّ وجُہد میں جان' مال اور وقت کھپا دیا جائے۔ اس ضمن میں آپ میرے دو کتابچے "حُبِّ رسولؐ اور اس کے تقاضے" اور "نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کا مطالعہ کیجئے' ان میں پورا ایک پیغامِ عمل اور دعوتِ عمل ہے۔ اسلام کا عالمی غلبہ اور نظامِ خلافت کا قیام ایک شدنی امر اور ایک اٹل حقیقت ہے' اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہاں فرق صرف اس میں واقع ہو گا کہ کون درجاتِ عالیہ کے حصول کے سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور کون اپنے آپ کو محرومین کی فہرست میں رکھتا ہے! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق دے کہ ہم اس کشاکش خیر و شر اور روح و بدن کے درمیان جو معرکہ درپیش ہے' اس کا پھر ایک climax جو آنے والا ہے' اس میں حق کے سپاہی اور اللہ کے دین کے خادم بن کر قرآن حکیم کے ان الفاظ کی عملی تصویر بن جائیں :

﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

"بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"

اس کے لئے عزمِ مصمم اور فیصلہ کریں کہ ہمیں اسی جِدّ وجُہد میں اپنے آپ کو ہمہ تن جھونک دینا ہے۔

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم
ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

آسودہ زندگی کا راز

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دنیا میں ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ اُسے آسودہ' خوش حال' ہلکی پھلکی اور care free زندگی میسر ہو۔ یہ خواہش کوئی بُری خواہش نہیں' لیکن اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے جو ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں وہ اکثر و بیشتر حصولِ مقصود میں کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتے۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ مالی اعتبار سے خوش حال لوگ' جن کو مادی دنیا کی تمام نعمتیں میسر ہوں' اندر سے انتہائی کرب ناک زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر دنیا کی تمام نعمتیں انہیں سکون و اطمینان اور حقیقی آسودگی نہیں دے سکتیں۔

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے انسان کو پیش آنے والی ہر صورتِ حال کا حل پیش کرتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مسئلے کے حل کے لئے اگر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو خاطر خواہ راہنمائی ملتی ہے۔ رسول پاک ﷺ کا فرمان ہے :

((اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلُ مِنْکُمْ وَلاَ تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَکُمْ فَھُوَ اَجْدَرُ اَنْ لاَ تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ)) (صحیح مسلم)

"تم ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے دنیوی ساز و سامان کے اعتبار سے کم ہیں اور اُن لوگوں کی طرف مت دیکھو جو مال و دولت اور ساز و سامان میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں تمہارے دل میں اللہ کی نعمت کی بے وقعتی اور ناقدری پیدا نہیں ہوگی۔"

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دنیا میں پُرسکون اور ہلکی پھلکی زندگی گزارنے کا ایک اکسیر نسخہ ہے جو اس میں بتا دیا گیا ہے۔

دنیا میں ہر شخص کو کسی نہ کسی حد تک دنیاوی نعمتیں اور سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔ اگر کسی شخص کی نگاہیں ان لوگوں کی حالت کو دیکھیں جن کے پاس اُس سے کم تر درجے کی سہولتیں ہیں' جیسا کہ حسن و جمال میں کمی' صحت و تندرستی میں کمی' مال و دولت اور

عزت و مرتبے میں کمی' تو ایسے شخص کے اندر جذبۂ شکر پیدا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سے لوگوں سے اچھی بود و باش دے رکھی ہے۔ اس ضمن میں شیخ سعدیؒ کا واقعہ نہایت سبق آموز ہے کہ وہ ایک لمبے سفر میں تھے کہ جوتا گھس کر ٹوٹ گیا اور ننگے پاؤں سفر جاری رکھنا پڑا جس سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے' چلنا مشکل ہو گیا۔ سوچنے لگے کہ میں کس قدر کم درجے کا انسان ہوں کہ مجھے جوتا بھی میسر نہیں۔ تھوڑا آگے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے دونوں پاؤں نہیں اور وہ رینگتا ہوا زمین پر چل رہا ہے۔ شیخ سعدیؒ اُسی وقت سجدے میں گر پڑے اور اللہ کے حضور شکر ادا کیا کہ جوتا نہیں تو اللہ نے پاؤں تو دے رکھے ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ کے مختصر سے الفاظ حکمت کا بھرپور خزانہ ہیں۔

آج کتنے لوگ ہیں جن کو صاف ستھری رہائشیں میسر ہیں' اچھی اچھی سواریاں دروازے پر کھڑی ہیں' سامانِ آسائش و آرائش وافر مقدار میں موجود ہے' کھانے پینے کی بھی کمی نہیں' مگر وہ مسلسل کرب کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اُن کی خواہشات ہیں کہ بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ ذہن تفکرات سے مملو ہے۔ رات کی نیند اور دن کا چین نصیب نہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو قریب سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ دنیا کی سہولتوں اور آسائشوں کے حصول میں اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں خرچ کر رہے ہیں' مگر پھر بھی پریشان ہیں' کیونکہ اُن کی نگاہ اُن لوگوں کی طرف جمی ہوئی ہے جو دنیاوی رتبے کے اعتبار سے اُن سے کہیں بلند ہیں۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ ایسے لوگ دنیاوی عیش و آرام میں انتہائی بلندی پر پہنچ جائیں تو شاید اُنہیں سکون مل جائے' مگر یہ ممکن نہیں' کیونکہ یہاں تو ہر بڑے سے بڑا موجود ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے سے اوپر کے لوگوں کی طرف نظر رکھتا ہے ہمیشہ پریشان ہی رہتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کے دوسرے حصہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے کہ اپنے سے اوپر والے کی طرف نگاہ نہ کرو ورنہ تمہارے دل میں اللہ کی نعمت کی ناقدری اور بے وقعتی پیدا ہو جائے گی۔

اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ ضروری ساز و سامان انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے' یعنی رہائش کے لئے چھت' تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے' پیٹ بھرنے کے لئے خوراک۔ چنانچہ ان سہولتوں اور ضرورتوں کے حصول کے لئے تگ و دو کرنے سے اسلام میں ہرگز نہیں روکا گیا' بلکہ محنت کر کے روزی کمانے والے کی تحسین کی گئی ہے۔

خود حضور ﷺ نے ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا تو اس کے لئے رسی اور کلہاڑی کا انتظام کرکے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کرلانے کی ترغیب دی تاکہ وہ باعزت طریقے سے اپنی ضروریاتِ حیات پوری کرسکے۔ مگران چیزوں کے حصول کو مقصد زندگی قرار دینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے' تاکہ انسان دنیا کی محبت میں وارفتہ ہو کر پہنچ سے دور کی چیزوں کی محرومی کے غم و فکر میں مبتلا نہ رہے۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو یہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس روئے زمین پر کبھی کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری خواہشات پوری ہو گئی ہیں۔ اس لئے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ متنبیؔ کا ایک شعر ہے۔ ؎

وَمَا قَضٰی اَحَدٌ مِنْهَا لِبَانَتَهٗ
وَمَا انْتَهٰی اَرَبٌ اِلَّا اِلٰی اَرَبٍ

یعنی آج تک ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اس دنیا کی ساری لذتوں' راحتوں اور خواہشوں کو پورے طور پر حاصل کرلیا ہو' بلکہ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ ابھی ایک خواہش پوری نہیں ہوئی ہوتی کہ دوسری خواہش ابھر آتی ہے۔ اس طرح جو شخص جتنا دنیوی سہولتوں کے حصول کے پیچھے بھاگتا ہے وہ بھاگتا ہی چلا جاتا ہے اور سکون واطمینان نام کی چیز اُس سے اتنی ہی دُور سے دُور ہوتی چلی جاتی ہے۔

چینی لٹریچر میں ایک کہانی ملتی ہے۔ کہتے ہیں ایک شخص تھا جسے زیادہ سے زیادہ زمین کا مالک ہونے کا شوق تھا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ فلاں جگہ ایک آدمی ہے جس سے انتہائی کم قیمت پر وافر زمین مل سکتی ہے۔ چنانچہ یہ شخص لمبا سفر کرکے اُس کے پاس پہنچا اور اپنا شوق بیان کیا۔ اُس آدمی نے اس شخص کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے کہا کہ یہاں سے پیدل چل پڑیں اور چلتے جائیں' شام تک اسی جگہ واپس آجائیں۔ اس طرح جہاں تک آپ پہنچ جائیں گے وہ زمین تمہاری ہو گی۔ بس یہ یاد رکھیں کہ یہاں غروبِ آفتاب سے قبل واپس ضرور پہنچنا ہے' ورنہ کوئی زمین بھی آپ کو نہ ملے گی۔ وہ شخص بڑا خوش ہوا اور تیز گام چل پڑا۔ زیادہ سے زیادہ زمین کے حصول کے لالچ میں وہ دوڑتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور اس طرح زیادہ دُور نکل گیا۔ واپس پہنچنے کا خیال آیا تو واپس بھاگا تاکہ غروبِ آفتاب سے قبل زمین کے مالک کے پاس پہنچ جائے اور اتنی ساری زمین کا مالک بن جائے۔ جب

منزل بالکل قریب آگئی تو وہ تھک کر چُور ہو گیا تھا۔ ہمت کر کے آگے بڑھتا گیا اور غروبِ آفتاب سے چند لمحے قبل شرط پوری کرتے ہوئے واپس پہنچ گیا اور خوش ہوا کہ جیت گیا' مگر اتنا تھک چکا تھا کہ گر کر وہیں ڈھیر ہو گیا اور پھر اٹھ نہ سکا۔ پس اس کی زمین اُس کے کسی کام نہ آئی' بلکہ زیادہ سے زیادہ زمین کے حصول کی خواہش میں اُس کو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے۔

اسلامی لٹریچر میں ہوس کی اس کیفیت کو طُولِ اَمل کہا جاتا ہے' یعنی لمبی خواہش' خواہش در خواہش۔ پس جو شخص اس چکر میں پڑ گیا یوں سمجھئے کہ بربادی اُس کا مقدر بن گئی۔ ایک اور حدیث میں اس مضمون کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ)) (صحیح مسلم)

"جب تم میں سے کسی کی نظر اُس شخص پر پڑے جو مال اور حسن و جمال میں اُس سے اونچے درجے پر ہو تو اُسے چاہئے کہ وہ ایسے شخص کی طرف نگاہ کرے جو حسن و جمال اور مال و دولت میں اُس سے کمتر ہو۔"

غور کیجئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے ماحول میں اپنے سے برتر لوگوں پر نگاہ نہ پڑے۔ یہ تو ممکن نہیں' کیونکہ کوئی انسان اپنے ماحول سے بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس کا علاج بھی روحانی امراض کے معالج اعظم نے بایں الفاظ بتا دیا کہ جب تمہاری نگاہ اونچے لوگوں پر پڑے (تو اس کی تاثیر دُور کرنے کے لئے) اپنے سے نیچے والے لوگوں کی طرف دیکھو تاکہ جذبۂ شکر پیدا ہو ورنہ اونچے لوگوں کے خلاف حسد پیدا ہو گا' پھر حسد کے نتیجے میں بغض ظاہر ہو گا اور بغض کے بعد نفرت اور دشمنی پیدا ہو گی جس سے معاشرے میں فساد برپا ہو گا۔ مگر فرمانِ رسول ﷺ پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ کہ انسان حسد' بغض' عناد اور بدخواہی جیسی امراضِ قبیحہ سے بچ جاتا ہے' بلکہ اُس کے دل میں تشکر و امتنان کے سوتے پھوٹتے ہیں جو اسے خیر کثیر کا مستحق بناتے ہیں۔ بالفاظ قرآن ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ .... ﴾۔ اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں حیاتِ دنیوی بالکل بے حقیقت ہے۔ قرآن شریف میں ہے ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ

الْغُرُوْرِ ﴾ یعنی دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔ یعنی ضروری نہیں کہ جس کو یہاں کی آسائیاں ملیں وہ حقیقی کامیابی بھی حاصل کرلے' یا جس کو متاعِ دنیا سے قلیل مقدار میسر آئی ہو وہ حقیقت میں ناکام ہو' بلکہ اس کا الٹ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر دنیاوی آسائشیں ابدی ناکامی کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس حیاتِ مستعار کی بے وقعتی آنحضور ﷺ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے : ((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً)) (احمد' ترمذی' ابن ماجہ) "اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا"۔ رسول پاک ﷺ اور آپ کے باصفا وفادار ساتھیوں نے عسرت اور افلاس کی زندگی گزاری مگر وہ انتہائی درجہ کے کامیاب انسان تھے۔ مگر قارون دنیا کا مالدار ترین شخص ہونے کے باوجود دشمن خدا و رسول اور انتہائی درجے کا بدبخت انسان تھا۔ معلوم ہوا کہ دنیا کا مال و متاع واقعی نرا دھوکہ ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس دنیا کی حقیقت سوائے وہم و خیال کے کچھ نہیں ؎

كُلُّ مَا فِى الْكَوْنِ وَهْمٌ اَوْ خَيَالٌ
اَوْ عُكُوْسٌ فِى الْمَرَايَا اَوْ ظِلَالٌ

"جو کچھ اس کائنات میں ہے سب وہم و خیال ہے' یعنی بے حقیقت ہے۔ یا تو یہ شیشے کے اندر عکس ہیں یا پھر چیزوں کے سائے ہیں۔"

مختصر یہ کہ دنیا کی آسائشوں اور سہولتوں کے حصول کی جدوجہد اور متاعِ دنیا سے بقدر ضرورت فائدہ اٹھانا ہرگز مذموم نہیں۔ خود قرآن میں ہے کہ ﴿ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ یعنی "دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولئے"۔ البتہ جو چیز ہلاکت خیز اور تباہ کن ہے وہ یہ ہے کہ دنیا طلبی کے پیچھے انسان اس طرح پڑ جائے کہ حلال و حرام کی حدود و قیود کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے سے بہتر حیثیت کے لوگوں کی صف میں کھڑا ہونے کی کوشش میں لگا رہے اور اس طرح اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں دنیا طلبی میں صرف کرکے درہم و دینار کا بندہ بن جائے۔ اور اس خسارے کی تجارت میں اس قدر منہمک ہو جائے کہ گویا یہی اس کا مقصودِ اصلی ہے۔ پھر اسی جدوجہد میں آئندہ کی نہ ختم ہونے والی زندگی کی تیاری سے بھی غافل رہے اور خسرانِ مبین کا مستحق ہو جائے۔ زندگی کا خوبصورت اور

(باقی صفحہ ۵۷ پر)

نماز میں خشوع

حقیقت واہمیّت اور اسباب(۵)

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد
ترجمہ و تفہیم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

○

خشوع کو متاثر کرنے والے کاموں سے بچنا

(۱۹) نمازی کو مشغول کرنے والی چیز کے پیچھے نماز پڑھنا :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقش و نگار والا کپڑا گھر کے کونے میں لٹکا رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا :

((اَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ لِيْ فِيْ صَلَاتِيْ))(۳۷)

"اس کپڑے کو یہاں سے ہٹادو' کیونکہ اس کے نقش و نگار مجھے نماز میں مسلسل پریشان کرتے رہے ہیں۔"

جناب القاسم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الماری کے اوپر تصویر دار کپڑا لٹکا رکھا تھا' اور آپ ﷺ اس طرف رخ کر کے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا :

((اَخِّرِيْهِ عَنِّيْ فَاِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ لِيْ فِيْ صَلَاتِيْ))

"اسے یہاں سے ہٹادو' کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں مجھے مسلسل پریشان کرتی رہی ہیں"۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے ہٹادیا اور اس کے تکیے بنادیے"۔(۳۸)

رسول اللہ ﷺ جب خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تاکہ اس کے اندر جاکر نماز ادا کر سکیں تو آپ نے اس میں مینڈھے کے دو سینگ دیکھے۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے حضرت عثمان الحجبی رضی اللہ عنہ سے کہا :

((اِنِّیْ نَسِیْتُ اَنْ آمُرَكَ اَنْ تُخَمِّرَ الْقَرْنَیْنِ فَاِنَّهُ لَیْسَ یَنْبَغِیْ اَنْ تَكُوْنَ فِی الْبَیْتِ شَیْءٌ یَشْغِلُ الْمُصَلِّیْ)) (۳۹)

"میں تمہیں یہ بات کہنا بھول گیا کہ تم ان دونوں سینگوں کو ڈھانپ دو۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ بیت اللہ کے اندر کوئی ایسی چیز موجود ہو جو نمازی کو مشغول کر دے۔"

اس اصول کو سامنے رکھا جائے تو ایسی جگہ نماز پڑھنے سے بچنا چاہیئے جہاں لوگ کثرت سے گزرتے ہوں' شور شرابا ہوتا ہو' چیخ وپکار کی آوازیں ہوں' جہاں بیٹھ کر لوگ باتیں کر رہے ہوں' جہاں لوگ تاش' شطرنج وغیرہ کھیل رہے ہوں' یا ٹی وی چل رہا ہو' اور ہر وہ جگہ جہاں نظر مشغول ہو جاتی ہو۔

اسی طرح اگر ممکن ہو تو سخت گرم اور سخت سرد جگہ پر نماز پڑھنے سے بچنا چاہیئے' اس لئے آپ ﷺ نے گرمیوں میں نماز ظہر کو دیر سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"سخت گرمی میں نماز ادا کرنے سے خشوع اور دل لگانے کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور آدمی عبادت سخت پریشانی اور مشکل میں ادا کرتا ہے۔ اس لئے شارع علیہ السلام نے ظہر کی نماز دیر سے پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے اور بندہ حاضر دل کے ساتھ نماز ادا کر سکے اور اُسے نماز کا فائدہ حاصل ہو جائے' یعنی خشوع بھی ہو اور اس کا دل بھی اللہ کی طرف متوجہ ہو"۔ (۴۰)

(۲۰) نقش ونگار والے کپڑے میں نماز پڑھنا :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کالی اور سفید دھاری والی قمیص میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ کی توجہ اس کی دھاریوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: "یہ دھاری دار قمیص ابو جہم بن حذیفہ کو دے دو اور سادہ قمیص مجھے لادو' اس قمیص نے تو مجھے نماز سے غافل کر رکھا تھا"۔ (۴۱)

چنانچہ تصویر والے کپڑے میں نماز ادا کرنا ممنوع ہے' اور بالخصوص جاندار اشیاء کی تصویر والے کپڑے میں نماز پڑھنا' بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے' اگرچہ موجودہ زمانے میں یہ چیزیں وبا کی طرح پھیل گئی ہیں۔

⑵١ کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا :

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

((لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ)) (۴۲)

"کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی۔"

انسان کے سامنے جب کھانا رکھ دیا جائے تو اسے پہلے کھانا کھالینا چاہیئے' کیونکہ اگر وہ کھانا چھوڑ کر نماز شروع کردے گا تو اس کا دل کھانے کے اندر اٹکا رہے گا اور اسے خشوع حاصل نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسے اطمینان سے ضرورت پوری کرلینی چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((إِذَا قُرِّبَ الْعَشَاءُ وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَؤُوْا بِهِ قَبْلَ اَنْ تُصَلُّوْا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا تَعْجِلُوْا عَنْ عَشَاءِكُمْ)) (۴۳)

"جب شام کا کھانا لگادیا جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے تم کھانا کھالو' اور کھانا بھی جلدی جلدی نہ کھاؤ۔"

دوسری روایت کے الفاظ ہیں :

((إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَؤُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجِلَنَّ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ)) (۴۴)

"جب شام کا کھانا لگادیا جائے اور نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے شام کا کھانا کھالو اور ہرگز جلدی نہ کرو' بلکہ سکون سے فارغ ہو جاؤ"۔

⑵٢ بیت الخلاء کی ضرورت روک کر نماز پڑھنا :

ایک آدمی کو پیشاب یا پاخانہ کی حاجت تنگ کر رہی ہو اور وہ پھر بھی نماز پڑھتا رہے تو بلاشبہ یہ شکل خشوع کے منافی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کہ کوئی پیشاب یا پاخانے کی حاجت کو روک کر نماز پڑھتا رہے۔ (۴۵)

چنانچہ جس کسی کو ایسی صورت درپیش ہو وہ پہلے بیت الخلاء میں جا کر اپنی حاجت پوری کرے۔ اگر جماعت سے نماز چھوٹتی ہے تو چھوٹ جائے' کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّذْهَبَ الْخَلاَءَ وَقَامَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيَبْدَءْ بِالْخَلاَءِ)) (۴۶)

"اگر کسی کا خیال ہو کہ وہ بیت الخلاء جائے اور اسی اثناء میں جماعت کھڑی ہو جائے' تو اسے پہلے بیت الخلاء جانا چاہیئے۔"

بلکہ اگر اس طرح کی صورتِ حال نماز کے دَوران پیش آ جائے تو اسے اپنی نماز چھوڑ کر قضائے حاجت کے لئے چلے جانا چاہیئے' اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((لاَ صَلاَةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلاَ وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ)) (۴۷)

"کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی' اور نہ اُس وقت جب پیشاب یا پاخانہ اسے دھکیل رہا ہو' (نکلنے کے لئے زور لگا رہا ہو)۔"

اس طرح بلاشبہ خشوع ختم ہو جائے گا۔ اور جب پیٹ میں ہوا زور کر رہی ہو تب بھی یہی حکم ہے۔

⑭ نیند کے غلبے میں نماز پڑھنا :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((إِذَا نَعِسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَنَمْ حَتّٰى يَعْلَمَ مَا يَقُوْلُ)) (۴۸)

"جب دَورانِ نماز تم میں سے کسی کو اونگھ ستانے لگے تو اسے جا کر سو جانا چاہیئے' اسے یہ تو خبر ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔"

اس حکم کا سبب بھی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا نَعِسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمَ' فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لاَ يَدْرِيْ لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ

نَفْسَهُ)) (۴۹)

"جب نماز کے دوران کسی پر نیند غلبہ کرلے تو اسے سو جانا چاہئے تاکہ اس کی نیند مکمل ہو جائے' کیونکہ اگر ایک آدمی نیند میں نماز پڑھتا رہا تو اسے کیا خبر کہ وہ استغفار کی جگہ اپنے آپ کو بددعائیں دے رہا ہو۔"

اس طرح کی صورتِ حال تہجد کی نماز میں پیش آسکتی ہے۔ ممکن ہے قبولیتِ دعا کا وقت ہو اور وہ بے سمجھی میں اپنے آپ کو بددعائیں دیتا رہے۔ نوافل کے ساتھ ساتھ یہ حکم فرض کے لئے بھی ہے' بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے وہ سو کر اُٹھ جائے گا۔

(۴۴) گفتگو کرنے والے اور سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنا :

نبی اکرم ﷺ نے اس طرح نماز ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ فرمایا :

((لَا تُصَلُّوْا خَلْفَ النَّائِمِ وَلَا الْمُتَحَدِّثِ)) (۵۰)

"سونے والے اور باتیں کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"

اس لئے کہ باتیں کرنے والا اپنی آواز سے نماز سے غافل کردے گا اور ہو سکتا ہے کہ سونے والے سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جو غفلت کا سبب بن جائے۔

امام الخطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک گفتگو کرنے والوں کے پاس نماز پڑھنا مکروہ ہے' اس لئے کہ ان کی گفتگو نمازی کو غافل کردے گی۔" (۵۱)

اگرچہ اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے اُن دلائل کو کمزور کہا ہے جن میں سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلاۃ میں باب الصلٰوۃ خلف النائم کا باب باندھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے :

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهِ)) (۵۲)

"نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپؐ کے سامنے آپؐ کے بستر پر لیٹی ہوتی تھی۔"

حضرت مجاہد' حضرت طاؤس اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سونے والے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے' مبادا وہ کوئی ایسی حرکت کرے جس کی وجہ سے نمازی پر غفلت طاری ہو جائے۔ (۵۳)

تاہم اگر کوئی ایسا خطرہ نہ ہو تو نماز بلا کراہت جائز ہے۔

㉕ کنکریاں سیدھی کرنے میں مصروف ہونا :

حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی ہر سجدے کے موقع پر جگہ سیدھی کر رہا تھا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((إِنْ كُنْتَ فَاعِلاً فَوَاحِدَةً)) (۵۴)

"اگر تمہیں جگہ سیدھی کرنا ہے تو ایک ہی دفعہ کر لو۔"

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لاَ تَمْسَحْ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ فَاِنْ كُنْتَ لاَ بُدَّ فَاعِلاً فَوَاحِدَةً)) (۵۵)

"دورانِ نماز تم جگہ سیدھی نہ کرو' اگر ضروری کرنا پڑے تو ایک دفعہ کر لو۔"

خشوع کی خاطر اس کام سے منع کیا گیا ہے تاکہ دورانِ نماز زیادہ کام نہ کرنا پڑے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اگر جگہ ٹھیک کرنے کی ضرورت ہو تو نماز شروع کرنے سے پہلے ٹھیک کر لے۔

دورانِ نماز ناک اور ماتھے کو صاف کرنا بھی مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر پانی اور گارے میں سجدہ کیا اور اس کے اثرات بھی آپؐ کے ماتھے پر لگے رہے' اس کے باوجود آپؐ نے چہرے کو صاف نہیں کیا۔ توجہ اور خشوع سے نماز ادا کرنا ہر چیز کو بھلا دیتا ہے اور اس سے غافل کر دیتا ہے۔ اسی لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((إِنَّ فِي الصَّلاَةِ شُغْلاً)) (۵۶)

"نماز کی ایک اپنی مصروفیت ہوتی ہے۔"

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

"پیشانی والی جگہ کی کنکریاں ٹھیک کرنے کے بدلے اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ بھی دے تو مجھے قبول نہیں۔" (۵۷)

جناب عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: "سلف صالحین نماز مکمل کرنے سے پہلے پیشانی صاف کرنے کو

مکروہ سمجھتے تھے۔"(۵۷)

(۴۶) اونچی آواز سے پڑھ کر دوسروں کو پریشان کرنا:

جس طرح نمازی کی ذمہ داری ہے کہ ہر اس کام سے اجتناب کرے جو نماز میں پریشانی پیدا کرتا ہو' اسی طرح اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ دوسرے نمازیوں کو پریشان نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلاَ اِنَّ کُلَّکُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلاَ یُؤْذِیَنَّ بَعْضُکُمْ بَعْضًا وَلاَ یَرْفَعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الْقِرَاءَةِ — اَوْ قَالَ: فِی الصَّلاَةِ)) (۵۸)

"سن لو! تم میں سے ہر ایک (نماز میں) اپنے رب سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہرگز کوئی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے' لہٰذا کوئی کسی کے مقابلے میں اپنی آواز کو اونچا نہ کرے —— یا فرمایا: نماز میں ایسا نہ کرے۔"

دوسری روایت میں ہے:

((لاَ یَجْهَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ)) (۵۹)

"قرآن کو دوسروں کے مقابلے میں اونچی آواز سے نہ پڑھو۔"

(۴۷) دورانِ نماز اِدھر اُدھر نظر گھمانا:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لاَ یَزَالُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلاً عَلَی الْعَبْدِ وَهُوَ فِی صَلاَتِهٖ مَالَمْ یَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ اَعْرَضَ عَنْهُ)) (۶۰)

"جب بندہ نماز میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی بات سننے کے لئے متوجہ رہتا ہے جب تک کہ بندہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے' اور جب بندہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے توجہ ہٹا لیتے ہیں۔"

اور نماز میں التفات دو طرح کا ہوتا ہے:

اولاً: غیر اللہ ۱۲ کی طرف دل کا متوجہ ہونا۔

ثانیاً: نگاہ کا دوسری طرف التفات کرنا۔ اور یہ دونوں شکلیں ہی ممنوع ہیں اور

نماز کے اجر کو کم کر دیتی ہیں۔ دورانِ نماز دوسری طرف متوجہ ہونے کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا :

((اِخْتِلَاسٌ یَخْتَلِسُهُ الشَّیْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ)) (۶۱)

"یہ اس چوری کا نام ہے جو شیطان بندے کی نماز سے چرا لیتا ہے۔"

جو آدمی دورانِ نماز دل یا نگاہ سے اِدھر اُدھر التفات کر رہا ہو اس کی مثال اس شخص کی ہے جس کو حاکمِ وقت نے بلا بھیجا ہو اور اپنے سامنے کھڑا کر کے اس سے گفتگو کر رہا ہو' اور وہ اسی اثنا میں حاکمِ وقت کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہو اور اس کا دل غیر حاضر ہونے کی وجہ سے حاکم کی بات کو سمجھ ہی نہ رہا ہو۔ ذرا سوچیں! حاکمِ وقت اس آدمی کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟

کم سے کم یہ سزا تو ضرور ہو گی کہ شدید غصے میں حاکمِ وقت اس شخص کو اپنے سامنے سے ہٹا دے اور اس شخص کی قدر و منزلت بھی سرکار کی نگاہ میں کم ہو جائے۔ اس قسم کا نمازی کبھی اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ان دونوں کی نماز کا مرتبہ برابر ہو سکتا ہے جو حاضر دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح نماز ادا کرتا ہے کہ اُس کے دل میں اُس ذات کی عظمت بیٹھی ہوئی ہے جس کے سامنے وہ کھڑا ہے۔ چنانچہ اس کا دل ہیبت اور خوف سے بھرا ہوا ہے' گردن اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے اور رب کا اتنا حیا و لحاظ ہے کہ نہ اس کا دل دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ ہی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھتی ہے۔

جناب حسین بن عطیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ "دو آدمی ایک ہی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں اور دونوں (کی نماز) میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے' اس لئے کہ ان دونوں میں سے ایک دل کو اللہ کی طرف متوجہ کر کے نماز ادا کر رہا ہوتا ہے اور دوسرا بے توجہ اور غافل ہے۔" (۶۲)

البتہ ضرورت یا مجبوری کے تحت التفات میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "نمازِ فجر کی اقامت ہو گئی' آپ ﷺ نے نماز پڑھانی شروع کی اور آپؐ گھاٹی کی طرف بار بار دیکھ رہے تھے"۔ امام ابوداؤد نے اس کی توجیہہ یوں بیان کی ہے کہ "آپ ﷺ نے چوکیداری کے لئے ایک سوار کو رات سے وہاں متعین کر

رکھا تھا۔"(۶۳)

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کو دورانِ نماز اٹھایا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو ان کے لئے دروازہ کھول دیا' لوگوں کو نماز کا طریقہ بتانے کے لئے منبر سے نیچے تشریف لا کر نماز پڑھ کر دکھائی' نماز کسوف کے دوران اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گئے' دیکھا کہ شیطان سامنے سے گزر کر آپ کی نماز خراب کر رہا ہے تو اس کو پکڑ کر گلا دبا دیا' سانپ اور بچھو کو دورانِ نماز مارنے کا حکم دیا' نمازی کے سامنے گزرنے والے کو ہاتھ سے روک دینے اور نہ رکنے کی صورت میں اس سے لڑائی کی اجازت' بلکہ حکم دیا' عورتوں کو (امام کو متوجہ کرنے کے لئے) دورانِ نماز تالی بجانے کا حکم دیا' آپ نے دورانِ نماز اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ یا ان سے ملتے جلتے کام جن کی واقعتاً کوئی ضرورت ہو' انہیں کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر بلا ضرورت حرکتیں کی جائیں تو یہ لغو میں شمار ہوگا جو کہ خشوع کے منافی ہے اور لغو حرکات نماز میں منع ہیں۔(۶۴)

۲۸ آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا :

دورانِ نماز آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا منع ہے' اور اس سلسلے میں سخت تنبیہ آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَرْفَعْ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ أَنْ يُلْتَمَعَ بَصَرُهُ)) (۶۵)

"جب تم نماز میں ہو تو اپنی نگاہ آسمان کی طرف مت اٹھاؤ' خطرہ ہے کہ اسے اچک نہ لیا جائے۔"

دوسری روایت میں فرمایا :

((مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُوْنَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِيْ صَلَاتِهِمْ)) (۶۶)

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے رہتے ہیں؟"

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں :

((عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ)) (۶۷)

اس ضمن میں آپ ﷺ نے بہت ڈانٹ کر فرمایا :

((لَيَنْتَهِنَّ عَنْ ذٰلِكَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ)) (۶۸)

"وہ لوگ اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ ان کی نگاہ قابو کر لی جائے گی۔"

(۴۹) دورانِ نماز سامنے کی طرف تھوکنا:

یہ حرکت نماز کے خشوع کے سخت خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے ادب کے منافی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ یُصَلِّیْ فَلاَ یَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰی)) (۶۹)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو سامنے کی طرف مت تھوکے' کیونکہ دورانِ نماز اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

((اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ اِلَی الصَّلاَةِ فَلاَ یَبْصُقْ اَمَامَهُ' فَاِنَّمَا یُنَاجِی اللّٰهَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَادَامَ فِیْ مُصَلاَّهُ' وَلاَ عَنْ یَمِیْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ مَلَکًا' وَلْیَبْصُقْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَیَدْفِنُهَا)) (۷۰)

"جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو سامنے مت تھوکے' کیونکہ نمازی دورانِ نماز اپنے رب سے باتیں کر رہا ہوتا ہے' اور نہ ہی دائیں طرف تھوکے' کہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔ نمازی اپنی بائیں طرف تھوک لے یا پاؤں کے نیچے تھوکے' بعد میں اسے دفن کر دے۔"(۷۱)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

((اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ فِیْ صَلاَتِهٖ فَاِنَّمَا یُنَاجِیْ رَبَّهُ وَاِنَّ رَبَّهُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ قِبْلَتِهٖ' فَلاَ یَبْزُقَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ قِبْلَتِهٖ وَلٰکِنْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ)) (۷۲)

"جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے' اور رب نمازی اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی آدمی قبلہ کے رخ نہ تھوکے' بائیں طرف تھوک لے یا پاؤں کے نیچے تھوک لے۔"

⑳ نماز میں جمائی لینا :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ، فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ)) (۷۳)

"جب دورانِ نماز کسی کو جمائی آ رہی ہو تو جس حد تک ہو سکے اس کو روک لے، کیونکہ جمائی کے ذریعے شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے۔"

جب شیطان اندر داخل ہو گیا تو پھر نمازی کے خشوع کی عافیت نہیں۔ علاوہ ازیں جب نمازی جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔

㉛ دورانِ نماز کولہے پر ہاتھ رکھنا :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دورانِ نماز کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونے سے منع فرمایا ہے۔ (۷۴)

حضرت زیاد بن صبیح الحنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں نماز ادا کی، میں نے اپنے ہاتھ اپنے کولہوں پر رکھ لئے، آپ رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھوں پر مارا، جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا : نماز میں یوں صلیب کی شکل بنانا، اس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے۔ (۷۵)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونے سے اہل جہنم کو ذرا سکون نصیب ہو گا۔ (۷۶) اللہ تعالیٰ ہم سب کو آتش جہنم سے محفوظ رکھے۔

㉜ دورانِ نماز کپڑا لٹکانا :

رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل (کپڑا لٹکانے) سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی منع کیا ہے کہ فرد اپنے منہ کو ڈھانپے۔ (۷۷) امام الخطابی کہتے ہیں کہ سدل سے مراد اس طرح کپڑا لٹکانا ہے کہ وہ زمین کو چھونے لگے، اور یہ مطلقاً منع ہے، کیونکہ یہ متکبر لوگوں کی نشانی ہے، اور ایسی حرکت نماز میں اور بھی زیادہ بری اور ناپسندیدہ ہے۔ (۷۸)

ابن الاثیر رحمہ اللہ (النہایۃ فی غریب الحدیث کے مؤلف) کہتے ہیں : سدل کا معنی یہ ہے کہ اپنے دونوں کپڑے جسم کے گرد لپیٹ لے اور ہاتھوں کو بھی اندر ہی رہنے دے، پھر

اسی حال میں رکوع و سجدہ کرے۔(۷۹)

ایک قول یہ ہے کہ : "یہودی اس طرح کیا کرتے تھے۔" سدل کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ کپڑے کو اپنے سر یا کندھوں پر ڈال لے اور اس کے کناروں کو آگے لٹکا لے' یا اپنے بازوؤں پر ڈال لے' پھر اٹھتے بیٹھتے اسے ٹھیک کرنے میں لگا رہے۔ اس طرح کی جملہ شکلیں خشوع کو خراب کرنے والی ہیں۔ ہاں! اگر کپڑا بندھا ہوا ہو' یا اس طرح اوڑھا ہوا ہو کہ گرنے کا خطرہ نہ ہو اور نہ ہی نمازی کو مصروف کرے' تو ایسی شکل خشوع کے منافی نہیں ہو گی۔ رہا منہ کو چھپانے کا معاملہ تو علماء نے بیان کیا ہے کہ اس طرح آدمی اچھی طرح قراءت نہیں کر سکتا اور نہ ہی عمدہ طریقے سے سجدہ کر سکتا ہے' لہٰذا اس سے منع کیا گیا ہے(۸۰)

۴۳ جانوروں کی مشابہت اختیار کرنا :

چونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے اور اسے بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے لہٰذا کتنی بری بات ہے کہ آدمی جانوروں کی نقل اتارے۔ چنانچہ نماز میں جانوروں کی مشابہت اور ان جیسی حرکتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ شکلیں یا تو خشوع کے منافی ہیں یا ان کی کیفیت ایسی ہے کہ نمازی کو زیب نہیں دیتا کہ ایسا کرے۔ مثلاً :

نبی اکرم ﷺ نے نماز میں تین کاموں سے منع کیا ہے : کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے' جانوروں کی طرح پاؤں پھیلانے سے اور اونٹ کی طرح جگہ بنانے سے (۸۱)

"اونٹ کی طرح جگہ بنانے" کی تعبیر علماء کرام نے اس طرح کی ہے کہ مسجد میں کوئی ایک جگہ مخصوص کر لے' صرف وہیں نماز پڑھے' جیسے کہ اونٹ کی عادت ہے کہ اپنے بیٹھنے کی جگہ نہیں بدلتا۔(۸۲)

دوسری روایت ہے کہ : "رسول اللہ ﷺ نے مجھے منع کیا ہے مرغ کی طرح ٹھونگے مارنے سے' کتے کی طرح پاؤں آگے پسار کر بیٹھنے سے اور لومڑی کی طرح بار بار اِدھر سے اُدھر دیکھنے سے۔"(۸۳)

جن کاموں کے ذریعے خشوع پیدا ہوتا ہے ان کے ذریعے خشوع حاصل کیا جائے۔ اور جن کاموں کی وجہ سے خشوع برباد ہوتا ہے ان سے پرہیز کیا جائے۔

خشوع کا فقہی حکم

علماء دین کے نزدیک خشوع کی اس قدر اہمیت ہے اور اس کا اتنا اونچا مقام ہے کہ انہوں نے درج ذیل سوال پر بحث کر کے جواب دیا ہے :

س جس آدمی کو نماز میں کثرت سے وسوسہ ہوا ہو کیا اس کی نماز صحیح ہے یا اسے دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی؟

ج امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ : اگر سوال کی نوعیت یہ ہو کہ جو آدمی نماز میں خشوع اختیار نہیں کرتا کیا اس کی نماز ہوئی ہے یا کہ نہیں؟

ثواب کے نقطہ نظر کو سامنے رکھا جائے تو اس کی نماز نہیں ہوئی' کیونکہ جس حد تک اس نے سوچ سمجھ کر نماز پڑھی اور اپنے رب کا خشوع کیا بس اتنی نماز ہی قبول ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے : "تجھے نماز سے اسی قدر حصہ ملے گا جس قدر تو نے سوچ سمجھ کر اسے ادا کیا ہے"۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے : "بندہ نماز ادا کرتا ہے تو کسی کا آدھا حصہ لکھا جاتا ہے' کسی کا تیسرا' کسی کا چوتھا حتیٰ کہ کسی کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے"۔ (۸۴)

اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کی کامیابی کو خشوع کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو خشوع سے نماز ادا نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر بالفرض بغیر خشوع کے نماز ادا کرنے والے آدمی کی نماز کا ثواب شمار ہو سکتا تو وہ لازماً کامیاب شمار ہوتا۔ (نتیجہ یہ نکلا کہ جو خشوع نہیں کرتا اس کو ثواب نہیں ملتا اور نہ ہی وہ کامیاب شمار ہو سکتا ہے۔)

باقی رہا یہ مسئلہ کہ آیا شرعی حکم کے اعتبار سے اس کی نماز ادا ہو گئی اور اس کا فرض ادا ہو گیا؟ تو اگر اکثر وقت میں اس پر خشوع کی کیفیت رہی اور اس نے سوچ سمجھ کر نماز ادا کی تو بالاجماع اس کی نماز ہو گئی اور فرض کے بعد کی سنتیں اور ذکر اذکار نماز میں آنے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو جائیں گے۔

اور اگر اکثر وقت نمازی میں خشوع موجود نہ تھا اور نہ اس کو یہ خبر تھی کہ نماز کہاں سے شروع ہوئی اور کب ختم ہو گئی؟ تو ایسے آدمی کو نماز دہرانی چاہیئے یا نہیں؟ اس میں علماء وفقہاء کا اختلاف ہے۔ جن حضرات کے نزدیک خشوع نماز کا لازمی رکن ہے ان کے

نزدیک نماز دہرانی ضروری ہے۔ اور جن حضرات کے نزدیک خشوع نماز کا لازمی رکن نہیں ان کے نزدیک دہرانی ضروری نہیں۔

اسی اصول کی بنیاد پر نماز میں وسوسے کا مسئلہ طے ہو گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ابن حامد کے نزدیک وسوسے کی صورت میں نماز دہرانی پڑے گی۔ جبکہ اکثر فقہاء کے نزدیک نماز کا دہرانا ضروری نہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جو آدمی نماز میں بھول جائے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ سہو کا حکم دیا ہے' نماز لوٹانے کو نہیں کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَاْتِیْ اَحَدَکُمْ فِیْ صَلاَتِہٖ فَیَقُوْلُ : اُذْکُرْ کَذَا اُذْکُرْ کَذَا مَا لَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ حَتّٰی یُضِلَّ الرَّجُلَ اَنْ یَّدْرِیْ کَمْ صَلّٰی)) (۸۵)

"شیطان تمہارے پاس نماز میں آ کر کہتا ہے فلاں فلاں کام یاد کرو' جن کا اسے (نمازی کو) پہلے وہم و گمان تک نہ تھا' حتیٰ کہ انسان کو وہ یہ بھی بھلا دیتا ہے کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔"

البتہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کو نماز کا ثواب اتنا ہی ملے گا جس قدر اس کا دل حاضر تھا اور وہ رب کے سامنے عاجزی سے کھڑا تھا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "بندہ نماز سے فارغ ہو جاتا ہے' کسی کے لئے آدھا اجر لکھا جاتا ہے' کسی کے لئے تہائی' کسی کے لئے چوتھائی' حتیٰ کہ کسی کا دسواں حصہ اجر لکھا جاتا ہے۔"(۸۶)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : "تجھے نماز سے اسی قدر حصہ ملے گا جس قدر تو نے سوچ سمجھ کر اسے ادا کیا ہے"۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ وسوسے کی شکل میں ثواب اور مقصود کے اعتبار سے نماز تو صحیح نہیں ہے' البتہ ہم اسے دہرانے کا بھی حکم نہیں دے سکتے' قانونی طور پر نماز ادا ہو گئی۔ (۸۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

((اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بِالصَّلاَۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ وَلَہٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لاَ یَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ' فَاِذَا قُضِیَ التَّاْذِیْنُ اَقْبَلَ' فَاِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلاَۃِ اَدْبَرَ' فَاِذَا قُضِیَ التَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطُرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِہٖ' یَقُوْلُ اُذْکُرْ کَذَا اُذْکُرْ کَذَا مَالَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ' حَتّٰی یَظَلَّ لاَ یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی' فَاِذَا وَجَدَ

اَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ)) (۸۸)

"جب مؤذن نماز کی اذان دیتا ہے تو شیطان دُور بھاگتا ہے اور اس کی ہوا نکلتی جاتی ہے تاکہ وہ اذان کے الفاظ نہ سن لے' جب اذان ختم ہوتی ہے تو پلٹ آتا ہے' پھر جب اقامت ہوتی ہے تو بھاگ جاتا ہے' جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو واپس پلٹ آتا ہے حتیٰ کہ انسان کے خیالات میں گھس جاتا ہے اور اسے ایسی ایسی چیزیں یاد دلاتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں نہیں ہوتیں' حتیٰ کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب تم میں سے کسی کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو وہ بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لے۔"

فقہاء کا استدلال ہے کہ جس شخص کو شیطان نے اس قدر نماز سے غافل کر دیا کہ اسے یہ بھی خبر نہ رہی کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے' ایسے آدمی کو آپ ﷺ نے صرف دو سجدۂ سہو کا حکم دیا ہے' نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا۔ فریق اول کے خیال کے مطابق اگر اس کی نماز باطل ہو چکی ہوتی تو آپ ﷺ اس آدمی کو نماز دہرانے کا حکم دیتے۔

علماء نے کہا ہے کہ سجدہ سہو کا یہی فائدہ ہے کہ شیطان نے بندے کو نماز کے دَوران وسوسہ میں مبتلا کیا اور حضورِ قلب میں مانع ہوا تو سجدہ سہو کے ذریعے شیطان کی ناک رگڑ دی گئی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے ان دو سجدوں کا نام "مُرْغِمَتَيْنِ" (ناک رگڑنے والے) تجویز فرمایا ہے۔

اگر تم کہو کہ اسے ضرور ہی نماز دہرانی چاہیئے تاکہ نمازی کو اس کے ثمرات اور فوائد حاصل ہو جائیں تو اس کا فیصلہ اس کو خود کرنا چاہیئے۔ وہ چاہے تو ان فوائد و ثمرات کو پانے کے لئے دوبارہ نماز پڑھ لے اور چاہے تو اپنے آپ کو محروم کر لے۔ اور اگر تم کہو کہ ہم ایسے آدمی کو نماز لوٹانے کا پابند کریں گے اور اگر اس نے نماز نہ دہرائی تو اسے سزا کا مستحق قرار دیں گے اور تارکِ نماز والے احکام اس پر لاگو کریں گے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ راجح قول ہے کہ جس آدمی کو نماز میں وسوسہ ہوتا ہے اس کی نماز کا اجر کم ہو جاتا ہے' البتہ فی نفسہٖ نماز ادا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

آخری بات

خشوع کا معاملہ بہت اہم ہے اور سستی خطرناک ہے۔ صرف وہی آدمی (معیارِ

مطلوب پر) پورا اتر سکتا ہے جس کو اللہ توفیق دے۔ خشوع کی محرومی بہت بڑی مصیبت ہے اور قابل توجہ معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے :
"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ "(۸۹) "اے اللہ! ایسے دل سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو"۔ خشوع کا تعلق دل سے ہے جو کہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اور خشوع اختیار کرنے والوں کے درجات بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ کسی کا خشوع آسمان کو چھو رہا ہے اور کوئی اس طرح نماز سے فارغ ہو جاتا ہے کہ اس کو کچھ خبر ہی نہیں ہوئی۔

نماز میں خشوع کے اعتبار سے لوگوں کے پانچ درجے ہیں۔

اول : ظالم، جس نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور کمی کی، اس نے نماز کا وضو بھی اچھی طرح نہیں کیا، وقت، حدود اور ارکان کے بارے میں بھی کوتاہی کی۔

دوم : جس نے نماز کے وضو، اوقات، حدود اور ظاہری ارکان کا تو خوب خیال رکھا، لیکن وسوسۂ شیطان کا مقابلہ کرنے کی بجائے اس کے وسوسے میں بہہ گیا اور خیالوں میں گم رہا۔

سوم : جس نے حدود و ارکان کا بھی خوب خیال رکھا اور خیالات و وساوس کو جھٹکنے کی بھی خوب کوشش کی۔ یہ آدمی دشمن کے خلاف جہاد میں مصروف رہا تاکہ وہ اس کی نماز چرا کر نہ لے جائے۔ درحقیقت یہ آدمی بیک وقت نماز اور جہاد میں مصروف رہا ہے۔

چہارم : جو نماز کے لئے کھڑا ہوا تو اس کے حقوق و ارکان اور حدود کا پوری طرح خیال رکھا اور اپنے دل کو بھی حدود و ارکان کی خاطر حاضر رکھا تاکہ کسی چیز میں کمی نہ ہو جائے۔ بلکہ اس کی ساری محنت و کوشش یہی رہی کہ نماز بتمام و کمال ادا ہو، بلکہ اپنے دل کو بھی نماز کے مقام اور اپنے رب کی عبادت و بندگی میں غرق رکھا۔

پنجم : پانچویں آدمی کا حال بھی چوتھے آدمی والا ہے۔ آگے بڑھ کر اس نے اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے نچھاور کر دیا، دل کی آنکھوں سے اللہ کی طرف دیکھتا رہا، اس ذاتِ اقدس سے ڈرتا رہا اور اس کی محبت و عظمت سے دل کو اس طرح بھرے رکھا جیسے کہ اسے بچشم خود دیکھ رہا ہو۔ اس آدمی کے وسوسے اور خیالات ویسے ہی کافور ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کے درمیان اور اس کے رب کے درمیان جو پردے تھے وہ سب اٹھ گئے

ہیں۔ یہ آدمی صحیح معنی میں نماز کے دوران اپنے رب کے ساتھ مشغول ہے اور اسے دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہا ہے۔

پہلا آدمی سزا کا حق دار ہے۔ دوسرے کا بھی حساب ہوگا۔ تیسرے کو معافی مل جائے گی۔ چوتھا آدمی ثواب واجر کا مستحق ہے اور پانچواں تو اپنے رب کا مقرب بندہ ہے' کیونکہ یہ تو ایسا آدمی ہے جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ دنیا میں جس آدمی کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہوگی آخرت میں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اللہ رب العزت والجلال کا قرب ہوگا' بلکہ دنیا میں ہی اسے آنکھوں کی ٹھنڈک اللہ کے قرب کی صورت میں مل جائے گی۔ اور جس شخص کو اللہ کے قرب سے ٹھنڈک نصیب ہوگی اس شخص کو دیکھ کر ہر آنکھ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور جس کی آنکھیں اللہ کے قرب میں ٹھنڈی نہیں ہوتیں اس کے سامنے ساری دنیا حسرتیں بن جاتی ہے۔ (۹۰)

آخر میں اللہ عزوجل سے عاجزی کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ ہم سب کو خشوع اختیار کرنے والا بندہ بنا دے اور کمی و کوتاہی کو اپنے فضل سے معاف کر دے۔

والحمدللہ ربّ العالمین

حواشی

۳۷) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ فی ثیاب' باب ان صلی فی ثوب مصلب او تصاویر ...الخ' ح ۳۶۷ و مسند احمد ۱۵۱/۳

۳۸) صحیح مسلم' کتاب اللباس والزینة' باب ۲۶' ح ۲۱۰۷ و سنن النسائی' کتاب القبلة' باب الصلاۃ الی ثوب فیه تصاویر و مسند احمد ۱۱۲/۶

۳۹) سنن ابی داؤد' کتاب المناسك' باب فی الحجر' ح ۲۰۳۰۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح سنن ابی داؤد' ح ۱۷۸۶

۴۰) الوابل الصیب' ص ۲۲' ط دار البیان

۴۱) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ فی الثیاب' باب اذا صلی فی ثوب له اعلام' ح ۳۶۶ و صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب کراهة الصلاۃ فی ثوب له اعلام' ح ۵۵۶

۴۲) صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب کراهة الصلاۃ بحضرة الطعام' ح ۵۶۰

۴۳) صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب اذا حضر العشاء فلا یعجل عن عشائه' ح ۵۱۴۷ و صحیح مسلم' حواله سابقه' ح ۵۵۷

۴۴) صحیح مسلم' حواله سابقه' ح ۵۵۹ و صحیح البخاری' حواله سابقه' ح ۵۱۴۸

۴۵) سنن ابن ماجه' کتاب الطهارة' باب ما جاء فی النهی للحاقن ان یصلی' ح ۶۱۷۔ علامہ البانی نے صحیح ابن ماجہ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۴۶) سنن ابی داؤد' کتاب الطهارة' باب ایصلی الرجل وهو حاقن' ح ۸۸ وسنن الترمذی' کتاب الطهارة' باب ۱۰۸۔ امام الترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

۴۷) صیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاة' باب کراهة الصلاة بحضرة الطعام' ح ۵۶۰ و سنن ابوداود' کتاب الطهارة' باپ ایصلی الرجل وهو حاقن' ح ۸۱

۴۸) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب الوضوء من النوم' ح ۲۰۹ و صحیح مسلم' ح ۷۸۶

۴۹) صحیح البخاری' حواله سابقه' ح ۲۰۹ و صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین' باب امر من نعس فی صلاته' ح ۷۸۶ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب النعاس فی الصلاة' ح ۱۳۱۰

۵۰) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب الصلاة الی المتحدثین والنیام' ح ۶۹۴ و السنن الکبری للبیهقی ۲۷۹/۲ والمستدرك للحاکم ۲۷۰/۴۔ علامہ البانی نے حدیث کے تمام طرق جمع کر کے حسن کا حکم لگایا ہے۔ ملاحظہ ہو ارواء الغلیل ۹۴/۲' ح ۳۷۴

۵۱) عون المعبود ۳۸۸/۲

۵۲) صحیح البخاری' کتاب سترة المصلی' باب الصلاة خلف النائم' ح ۴۹۰ و صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب الاعتراض بین یدی المصلی' ح ۵۱۲

۵۳) فتح الباری' شرح حدیث عائشة المذکوره' ۷۰۰/۱' ط الریان

۵۴) صحیح البخاری' کتاب العمل فی الصلاة' باب مسح الحصٰی فی الصلاة' ح ۱۱۴۹ و صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاة' باب کراهة مسح الحصٰی وتسویة التراب' ح ۵۴۶

۵۵) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب فی مسح الحصی فی الصلاة' ح ۹۴۶۔ بنیادی طور پر یہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے' حوالہ ابھی گزرا ہے۔

۵۶) صحیح البخاری' کتاب العمل فی الصلاة' باب ما ینهی من الکلام فی الصلاة' ح

۱۲۳۱ و صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، ح ۵۳۸

۵۷) فتح الباری ۹۲/۳ شرح ح ۱۲۰۷۔ ط الریان القاھرۃ

۵۸) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل، ح ۱۳۸۳۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۵۹) مسند احمد ۳۶/۲۔ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ شرح احمد شاکر، ح ۴۹۲۸

۶۰) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الالتفات فی الصلاۃ، ح ۹۰۹ و سنن النسائی، کتاب السھو، باب التشدید فی الالتفات فی الصلاۃ، ح ۱۱۹۴۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۶۱) صحیح البخاری، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب الالتفات فی الصلاۃ، ح ۷۱۶ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الالتفات فی الصلاۃ، ح ۹۱۰

۶۲) الوابل الصیب، ص ۳۶، ط دار البیان

۶۳) سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب فضل الحرس فی سبیل اللّٰہ، ح ۳۵۰۱

۶۴) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ۵۵۹/۲۲

۶۵) مسند احمد ۲۹۴/۵ و سنن النسائی، کتاب السھو، باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ، ح ۱۱۹۳۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع، ح ۷۴۹

۶۶) صحیح البخاری، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ، ح ۷۱۷ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب النظر فی الصلاۃ ح ۹۱۳

۶۷) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ، ح ۴۲۹

۶۸) صحیح البخاری، حوالہ سابقہ

۶۹) صحیح البخاری، ابواب المساجد، باب حك البزاق بالید من المسجد، ح ۳۹۸ وصحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھی عن البصاق فی المسجد، ح ۵۴۷

۷۰) صحیح البخاری، کتاب المساجد، باب دفن النخامۃ فی المسجد، ح ۳۰۶ و

صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب النھی عن البصاق فی المسجد، ح ۵۴۸

۷۱) فی زمانہ یہ شکل اُسی وقت ممکن ہے جب آدمی صحرا وغیرہ میں نماز ادا کر رہا ہو۔ پختہ اور صفوں و قالینوں سے آراستہ مسجدوں میں اس شکل پر عمل کرنا خاصا غلط ہے ورنہ صفوں اور قالینوں کا ستیاناس ہو جائے گا۔ آج کے دَور میں اگر تھوکنے کی مجبوری بن جائے تو کپڑے کا رومال یا ٹشو پیپر زیادہ مناسب ہے۔ اور اگر یہ دونوں دستیاب نہ ہوں تو سر کے رومال کا پلو یا قمیص کا دامن استعمال کیا جا سکتا ہے۔ پاؤں کے نیچے تھوکنا بہرحال غلط ہے۔ بعض لوگ وقتی مجبوری کے تحت دی گئی اجازت کو "حکم" کا درجہ دے کر اس پر عمل کرنا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ اور یہ بہت بڑی لغزش ہے، لہٰذا "حکم" اور "مجبوری" کی اجازت میں فرق سمجھنا چاہیئے اور اسی اعتبار سے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ (ابو عبدالرحمٰن)

۷۲) صحیح البخاری، حوالہ سابقہ، ح ۳۹۷ و ۳۹۸ و صحیح مسلم، حوالہ سابقہ، ح ۵۴۷ و ۵۴۹

۷۳) صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب تشمیت العاطس و کراھۃ التثاء ب، ح ۲۹۹۴ و ۲۹۹۵ و صحیح البخاری، کتاب الادب، باب وما یکرہ من التثاء ب، ح ۵۸۶۹

۷۴) صحیح البخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب الخصر فی الصلاۃ، ح ۱۱۶۱ و ۱۱۶۲ و صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب کراھۃ الاختصار فی الصلاۃ، ح ۵۴۵

۷۵) مسند احمد ۱۰۶/۲۔ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے، ح ۵۸۳۶ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یصلی مختصراً، ح ۹۴۷

۷۶) السنن الکبری للبیھقی ۲۸۷/۲ باب کراھیۃ التخصر فی الصلاۃ

۷۷) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب السدل فی الصلاۃ، ح ۶۴۳۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔

۷۸) مرقاۃ المفاتیح ۳۴۷/۲

۷۹) النھایۃ لابن اثیر ۳۵۵/۲، ط المکتبۃ العلمیۃ بیروت

۸۰) مرقاۃ المفاتیح ۲۳۶/۲

۸۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ ... ح ۸۴۳ و سنن

النسائی' کتاب التطبیق' باب النهی عن نقرة الغراب' ح ۱۱۱۱' و مسند احمد ۴۲۸/۳۔ اور حدیث حسن ہے۔

۸۲) الفتح الربانی ۹۱/۴

۸۳) مسند احمد ۳۱۱/۲ و مسند ابی یعلٰی الموصلی ۳۰/۵' ح ۲۶۱۹ والسنن الکبری ۱۲۰/۲۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ صحیح الترغیب' ح ۵۵۳

۸۴) حدیث کے مکمل الفاظ اور تخریج گزر چکی ہے۔

۸۵) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب فضل التاذین' ح ۵۸۳ و صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب فضل الاذان و هرب الشیطان عند سماعه' ح ۳۸۹

۸۶) حدیث کے مکمل الفاظ اور تخریج گزر چکی ہے۔

۸۷) مدارج السالکین ۱۱۴/۱

۸۸) صحیح البخاری' کتاب السهو' باب اذا لم یدر کم صلی... الخ' ح ۱۱۷۴ و صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب فضل الاذان' ح ۳۸۹

۸۹) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب فی الاستعاذة' ح ۱۵۴۸ و سنن النسائی' کتاب الاستعاذه' باب الاستعاذه' من نفس لا تشبع' ح ۵۴۸۲۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع ح ۱۲۹۷

۹۰) الوابل الصیب' ص ۴۰

بقیہ : آسودہ زندگی کا راز

پسندیدہ انداز یہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ہر وقت پیش نظر رہے۔ دنیاوی نعمتوں سے محروم لوگوں کی طرف نگاہ کر کے میسر سہولتوں پر خدا کا شکر ادا کرے۔ روزی کمانے کی جدّوجُہد میں اس حد تک ہی مصروف ہو کہ خدا فراموشی کی نوبت نہ آئے۔ اس اندازِ زیست سے نہ مایوسی طاری ہوگی نہ ڈیپریشن (Depression) ہو گا' بلکہ آئندہ کی کامیاب زندگی کی امید دل میں نشاط و انبساط پیدا کرے گی اور حقیقی زندگی کی طرف مراجعت سہل ہو گی۔ بقول اقبالؔ ؎

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اُوست

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۱)

ـــــــ ڈاکٹر ابو معاذ ـــــــ

احمد سروش (درویش اقبال مست)

ایک زمانے تک آپ ریڈیو تہران سے وابستہ تھے۔ مئی ۱۹۴۹ء میں جناب ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کے توسط سے علامہ اقبال کے کلام سے متعارف ہوئے۔ پھر آپ نے اپنی ایک کتاب "آئینہ حقیقت" میں کلامِ اقبال کی روشنی میں مستقبل میں ایران' افغانستان اور پاکستان کے ممکنہ اتحاد کا خاکہ پیش کرتے ہوئے اسے مسلمانانِ عالم کی منزل یعنی اتحادِ عالمِ اسلامی کا پیش خیمہ قرار دیا۔ اس کتاب کی ایک جلد آپ نے صدرِ پاکستان کو بھی بھجوائی۔ آپ نے جلد ہی وفورِ عقیدت میں علامہ اقبال کو مولانا اقبال کہنا شروع کر دیا' بلکہ اکثر اوقات تو مولانا یا مولا کہہ کر علامہ اقبال کا ذکر کیا کرتے۔ پاکستان میں کلامِ اقبال کے فارسی زبان میں ایک ہی جلد میں چھپنے سے پہلے یہ کام ایران میں احمد سروش نے سرانجام دیا اور قریباً پچاس صفحات پر مشتمل اس کا مقدمہ فارسی زبان میں خوبصورت علمی اور ادبی پیرائے میں لکھا اور اس میں اس بات کا اقرار کیا کہ "کلامِ اقبال کے مطالعہ سے میرے اور اقبال کے مابین ایک روحانی رابطہ قائم ہو گیا ہے' اس نے مجھے روحانی اور جسمانی قوت عطا کی ہے"۔

صدرِ پاکستان محمد ایوب خان کے تہران کے دَورہ کے موقع پر سروش نے کلیاتِ اقبال کی اپنی مرتب کردہ جلد اپنے ہاتھوں سے صدرِ مملکت کو پیش کی اور صدر نے سروش کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ ایک سرکاری خط کے ذریعہ سفارت خانۂ پاکستان نے بھی سروش کے نام دعوت نامہ ارسال کیا اور ان کا نام اس ایرانی وفد میں شامل کر لیا گیا جسے سرکاری دعوت پر پاکستان کا دَورہ کرنا تھا۔ سروش لاہور اور مرقدِ اقبال دیکھنے کے لئے بیتاب تھے کہ ایک دن انہیں ایک خط سفارت خانے کی جانب سے موصول ہوا جس کے مطابق ان کا نام اس وفد کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا' جس کا انہیں شدید صدمہ ہوا۔ چونکہ سروش اُن دنوں

پاکستان اور اقبال کے سب سے بڑے قدر دان کے طور پر ایران کے متوسط طبقہ کے شعراء اور ادباء میں جانے جاتے تھے اس لئے اس طبقہ میں غم و غصّہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اپنے مستقل طور پر پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد جون ۱۹۶۸ء میں جنابِ عرفانی تین ماہ کے لئے ایران تشریف لے گئے تو ان کی ملاقات احمد سروش سے ہوئی۔ جنابِ عرفانی نے کلیاتِ اقبال پر ایک تقریظ مجلّہ ہلال (فارسی) میں شائع کی تھی جو سروش تک نہیں پہنچا تھا۔ جب یہ آرٹیکل سروش کے سپرد کیا گیا تو احمد سروش کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے گلو گیر آواز میں کہا :

"آقای عرفانی! اگر تم پاکستانی تھے تو تمہارے بعد میں نے کوئی پاکستانی نہیں دیکھا۔ اقبال کو تم نے مجھ جیسے ایرانیوں سے متعارف کرایا تھا' اس وجہ سے ہم لوگ ابد تک آپ کے ممنونِ احسان رہیں گے۔ مولانا اقبال اب ہمارا مسلمہ ہیرو بن چکا ہے۔ اسلامی ہیرو' سیاسی ہیرو' نئی تعلیم یافتہ نسل کا انقلابی ہیرو۔ میرے لئے یہی عظیم صلہ کافی ہے کہ مجھے جہانِ اسلام کے اس مایہ ناز رہبر کے حیات بخش پیغام کی تبلیغ کا موقع میسر ہوا ہے۔"

احمد سروش نے کلیاتِ اقبال کے مقدمہ میں پہلی مرتبہ حواشی اور آیات اور احادیث کا ترجمہ' اماکن اور اسامی کا اشاریہ (Index) اور علامہ اقبال کی زندگی کے متعلق تصاویر شائع کیں۔ آپ نے مقدمہ میں لکھا کہ "ایک وقت تھا جب پڑھے لکھے روشن فکر ایرانی تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان کے سخت مخالف تھے اور برّصغیر کے مسلمانوں پر غداری کا الزام لگاتے تھے"۔ اقبال سے آشنائی کے بعد وہ لکھتے ہیں "اقبال کے افکار نہ صرف ہند کی بیداری اور آزادی میں مؤثر ثابت ہوئے تھے بلکہ تمام اقوامِ مشرق کی آزادی اور بیداری میں بھی ان کا گہرا اثر مرتب ہوا جو اب بھی موجود ہے۔"

آپ کا منظوم کلام "درای خود فراموشان" دراصل علامہ اقبال کی شاعری ہی کا تسلسل معلوم ہوتا ہے اور یہ مجموعۂ کلام اقبال کے کلام کی صحیح ایرانی بازگشت ہے۔ وہی تراکیب' وہی مضامین' وہی طرزِ بیان۔ کچھ نظمیں آزاد بھی ہیں اور کچھ مثنوی اور کچھ غزلیات کی صورت میں۔ علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَدِر کَاسًا و ناوِلہا الا یا ایُّہا السَّاقی

(دیوانِ حافظ کا پہلا مصرعہ ہے۔ ساقیا! جام کو گردش میں لا اور آگے بڑھ کر پلا!)

کہ آتش ہابجان دارم ز مجوری و مشتاقی

(میری کم ظرفی اور عشق کے باعث میرے سینے میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔)

بلند آہنگ سازی کز شکستن نیست پروایت

(علامہ اقبال کے ایک شعر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ع من نترسم از شکستِ عودِ خویش "مجھے تُو بلند آواز میں گانے پر مجبور کر رہا ہے اور تمہیں اپنے ساز کے ٹوٹنے کی پروا نہیں ہے"۔)

واز شوقِ نوا خود را بہ ہر مضراب می کوبی

(تو اپنے نغمات کو عام کرنے کے شوق میں ہر مضراب کی ضربیں کھا رہا ہے۔)

توای خورشیدِ مغرب دیدہ' وی مستِ مئے صحرا

(تو وہ سورج ہے جس نے مغرب دیکھا ہے مگر پھر بھی صحرائے عرب کی شرابِ روحانی کے نشے سے سرشار ہے۔)

برہمن زاد' دانا ہندوی آگاہ! کہ دانای فسونِ عرب

(تو ایک ہندوستانی برہمن زادہ' دانائے حقیقت ہے اور مغرب کے فسون سے باخبر بھی۔)

و رازِ روم و رمز آگاہِ تبریزی

(تو روم کا راز دان ہے اور تبریز کے حالات سے بھی واقف ہے۔)

یہ دراصل علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے :

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی

برہمن زادۂ رمز آشنای روم و تبریز ست

(مجھے دیکھو کہ ہندوستان میں کوئی اور نہ دیکھ سکو گے کہ برہمن زادہ ہو کر روم اور تبریز کا راز دان ہے۔)

وی دانی چسان باید نفس در سینہ بگدازی

(آپ کو معلوم ہے کہ کس طرح سینے میں سانس کو پگھلایا جاتا ہے۔)

بت خانہ باطرحِ حرم ریزی

(اور بت خانے میں تو حرم کی بنیاد رکھ رہا ہے۔)

سخن سربستہ کم ترگو حریفان را بیفگن راز بر صحرا

(اشاروں میں باتیں نہ کر اور اپنے ساتھیوں کو صحرائے عرب کے راز اُگل دے۔)

اب ہم جنابِ عرفانی کی کتاب "اقبالِ ایران" میں شامل سروش کے اشعار پیش کریں گے۔ آپ ان چیدہ چیدہ اشعار کے مطالعہ سے ایک بار پھر کلامِ اقبال کی وسعتوں میں پہنچ جائیں گے۔ سروش اقبال کے انداز میں مثنوی "طرحِ نو" میں کہتے ہیں ؂

گفت با من ہمدلی محنت نصیب　　من غریبم ' تو غریبی ' او غریب

(مجھے ایک محنت کش دوست نے کہا میں بھی غریب ہوں' تو بھی غریب ہے' وہ بھی غریب ہے۔)

تا نیاز آری نگونسارت کنند　　بہرِ نانی بر سرِ دارت کنند

(اگر تو نیازمندی کا اظہار کرے گا تو تجھے ذلیل کر دیں گے اور ایک روٹی کیلئے تختہ دار پر لٹکا دیں گے۔)

• ذرہ ساں صیاد ہر خورشید باش　　شائقِ آن گل کہ نتواں چید باش

(ذرے کی طرح ہر ایک سورج کا شکاری بن جا اور وہ پھول جو تجھ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اس کا قدر دان بن جا۔)

ابتدا باید بخود محکم شوی　　وارثِ تاجِ بنی آدم شوی

(تجھے پہلے اپنے آپ کو مستحکم کرنا ہوگا' پھر تو بنی آدم کے تاج کا وارث بن جائے گا۔)

اسی طرح آپ کی مثنوی "نائب حق" بھی دلچسپ ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؂

نائبِ حقی ز کس پروا مکن　　این توئی منظورِ اِنّیِ جاعِلٌ

(تو اس دنیا میں خدا کا نائب ہے اور تُو ہی تو "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" کا مصداق ہے۔)

گر بنفسِ خویشتن فرمان دہی　　قادری فرمان بہ ہر انسان دہی

(اگر تو اپنے نفس پر کنٹرول حاصل کر سکے تو پھر تو صاحب قدرت ہو جائے گا اور تیرا فرمان ہر انسان پر چلے گا۔)

زخمہ ای بر تارِ جانِ خویش زن　　و آتشی بر عقلِ دور اندیش زن

(اپنی شاہ رگ کے تار پر زخمہ مار کر نغمہ چھیڑ اور اپنی دُور اندیش عقل کو آگ کی نذر

کردے۔)

اپنی مثنوی "موسیٰ و خضر" میں فرماتے ہیں۔

از شریعت قصدِ حق خود پروری است   خود گرائی خود تراشی خود گری است

(شریعت سے مراد اپنی ذات کی تکمیل ہے، یعنی اپنے آپ پر توجہ دینا، خود کو تراشنا اور اپنے آپ کو تعمیر کرنا۔)

اسی طرح آپ کی ایک مثنوی "وحشت، عالمی دیگر" ہے، جس کا محرک بھی علامہ اقبال کا ایک شعر ہے ؎

خبری رفت زگردون به شبستانِ ازل   حذر ای پردگیان پرده دری پیدا شد

(یعنی آسمان سے ازل کی رات (جنت میں) یہ خبر پہنچ گئی کہ اے پردہ دارو! یعنی اے حورانِ بہشت! ڈر جاؤ! پردہ اٹھانے والا پیدا ہو گیا ہے۔)

اس شعر سے متاثر ہو کر سروش لکھتے ہیں ؎

وحشی، ہنگامہ گر، ہنگامہ زاد   ناگہان در عالمی دیگر فتاد

(ہنگامے پیدا کرنے والا اور ہنگاموں میں پیدا ہونے والا وحشی اچانک دوسرے جہان میں جا پہنچا۔)

پرده دارانِ ازل مضطر شدند   چاره را نزدیک یک دیگر شدند

(ازل کے پردہ دار بے چین ہو گئے اور اپنے تحفظ کی خاطر ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے۔)

کای دریغا، پردهٔ ناموسِ ما   کوفت این فرزند آدم کوسِ ما

(یہ فرزند آدم تمام مسافتیں طے کر آیا اور اے صد افسوس کہ ہماری عزت کا پردہ چاک ہو گیا۔)

ساکنانِ معبدِ ستریم ما   دخترانِ جاودان بکریم ما

(ہم تو پردوں کی عبادت گاہ کی باسی ہیں اور ہم ہمیشہ زندہ رہنے والی باکرہ دوشیزائیں ہیں۔)

اس مثنوی میں آگے چل کر وہ پردہ دری کا راز علم کو قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح "زیارت نامہ برائے آدم" اقبال کی پیروی میں لکھی ہوئی دلکش مثنوی ہے، جس سے اختصار کے باعث ہم صرفِ نظر کر رہے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اقبال کی مشہور غزل

"اے جوانانِ عجم" کے جواب میں ایک طویل غزل کہی ہے جس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ۔

شہسواری کشتہ می بینم بہ میدانِ شما　　ای جوانانِ وطن! جانِ من و جانِ شما

(اے میرے وطن کے جوانو! میری جان اور تمہاری جان ایک ہے۔ میں آج تمہارے میدان میں شہسواروں کو مرا ہوا پا رہا ہوں۔)

خانقاہ و مکتب و میخانہ و مسجد تہی است　　اے دریغا! بر جوانمردی بدورانِ شما

(میں خانقاہوں، مکتبوں، مے خانوں اور مسجدوں کو خالی دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے زمانے کے لوگوں کی جواں مردی پر صد افسوس ہے۔)

تا چو کوھی، بر خودی خویشتن قایم شوید　　قصہ ہا گفتم شما را از نیاگانِ شما

(اس لئے تمہارے اسلاف کی داستانیں تمہیں سنائی ہیں کہ اپنی خودی کے بل بوتے پر پہاڑوں کی طرح ڈٹ جاؤ۔)

خواستم زان حق کہ تقدیراتِ اولا منتہاست　　تاکہ تقدیر شما آید بفرمانِ شما

(چونکہ خداوند تعالیٰ کے ہاں لا منتہا تقدیریں ہیں لہٰذا اس سے وہ تقدیر طلب کرو جو تمہاری اپنی مرضی کے مطابق ہو۔)

ایک غزل جو "خوابِ پریشان" کے نام سے ہے، یہ دراصل انقلابِ ایران کا پیام ہے۔ یہ بھی علامہ اقبال کی پیروی میں لکھی گئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

خواہم اے ایران زمین از نوجہانبانت کنم　　سرفرازِ عالمی از فرِّ یزدانت کنم

(اے ایران کی سرزمین! میری آرزو ہے کہ دنیا پر تیری حکومت پھر سے قائم ہو جائے اور خداوند تعالیٰ کی شان کے باعث تجھے جہان بھر میں معزز کر دوں۔)

رقصِ خوں در ہر رگم شورِ جنون افگندہ است　　عیدِ قربان است و خواہم جان بقربانت کنم

(میرے خون کے رقص نے میری ہر رگ میں دیوانگی کا ہنگامہ پیدا کر دیا ہے۔ آج عید قربان کا دن ہے اور میری خواہش ہے کہ قربانی کے طور پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دوں۔)

دیدہ ام خوابی ولیکن می نیارم باتو گفت　　زانکہ می ترسم بدین دستان پریشانت کنم

(میں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے جو تجھ سے بیان نہیں کر سکتا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اس کے بیان کرنے سے پریشان نہ ہو جاؤ۔)

اسی طرح علامہ اقبال کی پیروی میں آپ نے دوبیتی یعنی رباعی کی رسم بھی پوری کی ہے اور ان کی بنیاد علامہ اقبال کے اس مصرع ع مصرعِ من قطرۂ خونِ من است (یعنی میرا مصرع میرا قطرۂ خون ہے۔) پر رکھی ہے۔ ان میں علامہ اقبال کی طرح اسلام کی بنیادی تعلیمات کو پیش کیا ہے۔

قرآن ز برائے ہر مسلمان کافی است　　از بہرِ نجاتِ اہلِ ایمان کافی است
امری نہ کہ این کتاب ناگفتہ گذاشت　　تنہا قرآن ترا بقرآن کافی است

(قرآن ہر مسلمان کے لئے کافی ہے' کیونکہ نجات کے لئے اہلِ ایمان کو اس کے علاوہ کیا چاہئے۔ کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو' اس لئے قرآن تیرے لئے ہمیشہ کے لئے کافی ہے۔)

قرآن کہ چراغِ روشن راہ است او　　روشن بہ چراغِ کلمۃ اللہ است او
در ظلمتِ این شبانِ پربیم و ہراس　　روشن نگرِ راہ از چاہ است او

(قرآن ہی راستوں کو واضح کرنے والا ایک روشن چراغ ہے جس کی روشنی کا منبع کلمۃ اللہ ہے۔ ان پُرخطر اور خوفناک راتوں کے اندھیرے میں قرآن ہی راستوں کو گہری کھائیوں سے ممتاز کرتا ہے۔)

قرآن کہ ببین کلام خوانند او را　　قولی است کہ خاص و عام خوانند او را
جز با دلِ پاک فہم آن نتوان کرد　　گو آنکہ علی الدوام خوانند او را

(ہر خواص و عام قرآن کو ایک کلام یا کتاب کی صورت میں پڑھ تو سکتا ہے مگر اس کے معانی و مطالب صرف اس شخص کی سمجھ میں آپاتے ہیں جس کا ضمیر روشن ہو اور دل صاف ہو اور پھر وہ اسے لگاتار پڑھتا رہے۔)

جانا! چہ کنم کہ آگہ از راز نئی　　ہشیار دل و بلند پرواز نئی
قرآن چو زمین رازِ خدا می داند　　یعنی کہ تو با خدا انباز نئی

(اے میرے عزیز! تجھے اصلی راز کا علم نہیں ہے' کیونکہ نہ تیرے دل میں سمجھ بوجھ ہے اور نہ ہی تو بلند پرواز ہے۔ قرآن چونکہ زمین کو خدا کی ملکیت قرار دیتا ہے اس لئے تو خود کو زمین کا مالک قرار دے کر خدا کا شریک بنتا پھرتا ہے جو غلط امر ہے۔)

خدا یا ہر زمین ملکِ تو دانم　　ترا سلطانِ عرش و فرش خوانم
اگر مالک توئی مال الاجارہ　　چرا گیرد دگر کس من ندانم

(اے خدا! میں زمین کو تیری ملکیت سمجھتا ہوں اور تجھے ہی عرش و فرش کا بادشاہ مانتا ہوں۔ اگر تو ہی مالک ہے تو یہ بٹائی کی رقم جو جاگیردار لیتے ہیں مجھے اس کی سمجھ نہیں آتی۔)

ای دوست بیا جمالِ تقدیریت بین پرندگی فکرِ جہانگیریت بین
گر بر خودی، خویش مسلط گشتی تقدیر مطیع فکر و تدبیرت بین

(اے دوست! آ اور تقدیر کا جمال دیکھ، تاکہ تیری عقل جہان بین پرواز کر سکے۔ اگر تو اپنی خودی کا نگہبان بن جائے تو تیری تقدیر تیری سوچ اور تدبیر کی فرماں بردار بن جائے گی۔)

ہر چند کہ قلب و جانِ آگہ دارم با چشمِ خرد نظر بہر راہ دارم
آزادی و اعتبارِ انسانی، خویش از قطع نظر ز ماسوی اللہ دارم

(ہرچند کہ میرے قلب و جان حالات سے باخبر ہیں اور میں عقل کی آنکھ سے راستے پر نظر رکھے ہوئے ہوں لیکن ہر قیمت پر خدا کے ماسوا جو بھی کچھ ہے اس کے مقابلے میں میں اپنی شخصی آزادی اور احترام کو اہمیت دیتا ہوں۔)

آپ دیگر اسلامی تعلیمات کی تبلیغ اور فروغ کے علاوہ شاہ کے دَور کے ایران کی فحاشی اور بے حیائی سے سخت نالاں تھے اور آپ عورتوں کو پردے کی تلقین فرماتے تھے۔

اے خواہر اگر قلعہ نشیندت کردند درماندہ و محبوس این چنینت کردند
خوش باش کہ در جمع دل افروختگان شائستہ، افسر و نگینت کردند

(اے بہن! اگرچہ تجھے چار دیواری میں بند کر دیا گیا ہے اور احمقوں کے خیال میں تجھے مجبور اور محبوس کر کے رکھا گیا ہے، لیکن روشن دل لوگوں کی نظر میں تجھے تاج اور ہیروں کے لائق قرار دیا گیا ہے۔)

اب آہستہ آہستہ سروش کے زمانہ میں ایران میں بھی آزاد شاعری کا چرچا ہونے لگا جس میں قافیہ و ردیف کی حدود و قیود تو کجا وزن اور ربط کا خیال بھی باقی نہ رہا۔ دراصل یہ جلدی جلدی کی شاعری تھی جس میں فرصت ہی کہاں تھی کہ اسلاف اور اساتذہ کی صحیح انداز میں پیروی کی جائے۔ لیکن سروش نے تو علامہ اقبال کے افکار و تصورات کو آزاد شاعری کی صورت میں بیان کرنا شروع کر دیا۔ کارل مارکس کے بارے میں علامہ اقبال

کے مصرع ؎ "قلبِ او مؤمن دماغش کافراست" پر یوں طبع آزمائی فرماتے ہیں ۔

اے مکار

کدامیں مکتب ات آموخت ای مکار! آن آئین عیاری
(کون سے مکتب نے سکھائے تجھے اے مکار، عیاری کے دساتیر؟)
وایں قدسی ترین اسرار سبحانی
(اور تو نے اڑائے یہ کہاں سے ہیں اسرارِ نہانِ سبحانی؟)
کہ مزدا قلب و مزدک عقلی و باطن مسلمانی
(دل تیرا ہے زرتشتی، عقل میں مزدک ہے، باطن میں مسلمانی!)
چہ افگندی در آن ساغر
(پھر تو کون سے ساغر کو لے آیا ہے محفل میں؟)
چہ معجون ہاے آمیزی
(ہے جس میں مئے رنگین افیون کی آمیزش)
چنیں مست و سراندازی
(تو مست ہے، باغی ہے، گستاخ ہے، لامذہب ہے)
(کدامے مے زافیوں در سبو ریزی
(کیا جام بھرے تو نے آمیزۂ افیون سے)

آپ کے جو منظومات علامہ اقبال کو مخاطب کر کے لکھے گئے ہیں ان میں "طرحِ حرم"، "پیرانِ بے پیر"، "نوائے مرغِ قفس افسردہ"، "افق خون رنگ"، "اے سیمرغ قاف زن"، "صفای قلبِ نامیدن" دل انگیز نظمیں ہیں۔ یہاں پر ان سب کا پوری تفصیل سے بیان کرنا مشکل ہے۔ یہاں پر چند ایک چیدہ چیدہ منظومات آپ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ شاعر کی علامہ اقبال کی عقیدت کے اظہار کے علاوہ آپ پہ یہ واضح ہو سکے کہ علامہ اقبال کا کلام جب ایران پہنچا تو پھر کس نئے اور انقلابی انداز سے اس کی مزید اشاعت ہوئی۔ سروش کی مندرجہ ذیل آزاد نظمیں انقلاب سے پہلے کے دور میں ایران میں علامہ اقبال کے اشعار و افکار کی بازگشت کا ایک اچھوتا نمونہ ہیں جو ملک

کے طول و عرض میں سنائی دے رہی تھیں۔

معمارِ جہانِ دیگری (جہانِ نو کا معمار)

برہمن زادہ ای پاک اہو رائی کجائی؟
(کہاں ہو اے برہمن زادۂ اللہ مست و مومن روشن نگہ!)
کہ معمارِ جہانِ دیگری اندر ضمیرِ خاوران گردی
(کہ مشرق کے دل و جاں میں جہانِ نو کے تم معمار ہو اقبال!)
حرم تب کردہ از انبوہی بت ہای رنگارنگ
(حرم لات و منات' اصنام سے پُر ہے' قیامت ہے۔)
مکدر گشتہ روح شرق زین پیرانِ مسند دار
(مسلط پھر سے مشرق پہ ہے ان گدی نشیں پیروں کی چالاکی)
کہ خود را خضرِ رہ دانند
(کہ خود کو خضرِ رہ مشہور کرتے ہیں زمانے میں)
ولی خضری کہ ہرگز رہ نبردہ است و بہ ہیچ الہام و اشراقی
(خضر کیسے ہیں' بے سیر و سفر' بے نورِ ایمان اور بے الہام و ایقان ہیں۔)
آلا معمار و طراحِ حرم برخیز!
(حرم کے تم معمار ہو اقبال! پھر اٹھو)
چراغِ جاودانِ سوزِ حرم آیا فرو مردہ است
(اب تک جلنے والے اس حرم کا قمقمہ بجھنے کو آیا ہے۔)
دگر در مزرعِ جانی کلامِ پاکِ سبحانی نمی روید!
(کہ جاں کی کشت ویراں میں نہیں قرآن بار آور)
طراحِ حرم برخیز!
(حرم کی اے بنیاد رکھنے والے کیوں اٹھتے نہیں اقبال مٹی سے؟)
سرودی تازہ و صبح آفرین از مشرقِ اندیشۂ خلاقِ خود سر کن
(نئے اک نغمے کو چھیڑو کہ صبح انقلاب افکار مشرق میں نمایاں ہو)

بزن دستی بہ فتراکِ "الم نشرح"

("الم نشرح" کی چادر سے جہان کے سر کو پھر ڈھانپو)

وخود را ہمچو شمشیری بروی روزگاران زن

(کہ خود تلوار بن کے عصر حاضر سے بھی ٹکراؤ)

کہ این قدسی سرود آسمانی باطل السور طلسمات است

(کہ شیطانی طلسموں کو فسون کو نغمہ افلاک بن جانے سے تم روکو!)

یہ نظم علامہ اقبال کے مصرع ؎ "ساختم طرحِ حرم در کافرستانِ شما" سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔ اسی طرح آپ کا ایک مختصر قطعہ ہے جو حاضر خدمت ہے۔

چہ باید کرد اے یاران! (مرے یارو! ہے کیا تدبیر اب باقی)

چہ باید کرد ای یاران!

(مرے یارو! ہے کیا تدبیر اب باقی)

کہ من دیوانہ ام مستم

(کہ میں دیوانہ ہوں، مجنون ہوں، پاگل ہوں)

واینک ہم شمارا لاابالی وار و عاشق وار میگویم

(تمہیں میں عاشقوں، دیوانوں کی صورت بلاتا ہوں)

کہ اکنون نیز

(ابھی کچھ وقت باقی ہے)

بسی مفتون تر و عاشق ترم بر خویش

(میں اپنے آپ کا عاشق ہوں، خود آگاہ ہوں یارو!)

و بیش ازین تحمل کردنتوانم

(کہ اس کے بعد نہ باقی بچے گا میری دنیا میں)

نہ مہجوری نہ مشتاقی

(نہ عشق و عاشقی باقی نہ مہجوری رہے گی یاں)

"شعر را مقصود اگر آدم گری ست شاعری ہم وارثِ پیغمبری ست" (اقبالؒ)

(شعر کا مقصد ہے گر آدم گری۔ شاعری ہے ورثہ پیغمبری)

در زمانِ مہ نوردو کہکشان پیا گفتگو
(مگر اس میری دنیا میں' جہاں فلک پیائی وایٹمی ایام میں اب تک)
از شعرِ بی معنی است
(مروّج ہے ابھی بھی شعر و حرفِ بے معنی ولایعنی)

آپ کی ایک نظم "میلاد شعر" ہے جو آپ نے علامہ اقبال کو خطاب کرتے ہوئے لکھی ہے۔ اس تمام نظم کا بیان تو طوالت کا باعث ہوگا صرف اس کے آخری حصے پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

میلادِ شعر۔ اہداء بہ مولانا اقبال
(عظیم شاعری کا ظہور! علامہ اقبال کی نذر)

شعری جوشد میانِ سینۂ من
(ہیں ابلتے شعر سینے میں مرے)
شرح کن سینہ من را
(چاک کردو اس مرے سینے کو تم)
ای کہ از تو در ضمیرِ من قیامت ہاست
(ہے بپا تیرے ہی دم سے میرے دل میں محشر موعود حق)
ای گرفتہ دامنِ من!
(ہاتھ میں تیرے مرا داماں ہے اے اقبال سن!)
در شبانِ تیرہ ام تنہا مگذاری
(مجھ کو تو تاریک راتوں میں نہ تنہا چھوڑ دے)
ای کہ از من بر در و دیوارِ کویت یادگاری ہاست
(میرے دم سے تیرے کوچے کے ہیں ہر دیوار و در پہ یادگاروں کے نقوش)
بیں! چسان عمری است تا من در میانِ خون و آتش
(دیکھ! میں نے عمر ساری خاک و خون اور آگ کے درمیاں ہی کاٹ دی)
چکہ' چکہ' چکہ' چکہ' چکہ
(قطرہ' قطرہ' قطرہ' قطرہ' قطرہ)

آب می گردم
(بن کے شبنم گر رہا پھولوں پہ ہوں)
هیچ میدانی که آتشناک خونی هم که در رگهای من جوشد
(کیا تجھے معلوم' میرا خونِ آتشناک ہے رگوں میں کھولتا کس جوش سے)
قطره' قطره' قطره' قطره' قطره' قطره
(اور پھر وہ قطرہ قطرہ قطرہ قطرہ)
شعری گردد
(شعر کی صورت میں ڈھل جاتا ہے آخر کار آج)
ای انقلاب آموز!
(ہے دکھایا تو نے میری قوم کو اک راہ پاکِ انقلاب)
باش تا ای انقلاب آموز!
(ٹھہر تو اے عصر نو کے انقلابِ عالم اسلام کے اعلیٰ نقیب!)
زین دمِ گرمت
(میں تیری کچھ گرم سانسوں سے اڑا کر آگ کو)
های و هوی در جهان افتد
(کیوں نہ اس عالم میں ہنگاموں کی طرح ڈال دوں)
روشنانِ آسمانی در طرب آیند
(عالم بالا کے افرشتے بھی ہوں نغموں میں مست)
و به لاهور و هرات و گنجه و تبریز
(لاہور میں' گنجہ' ہرات اور قریۂ تبریز میں)
قندهار و بلخ
(قندھار میں اور بلخ میں)
اصفهان' شیراز' تهران
(اصفہان میں' شیراز میں' تہران میں)
جملگان جشنی بپا رایند

(اک جشن برپا ہو چلے ان سارے شہروں میں)

میلاد شعری، شعر بکری، شعر پاکی

(اِک انقلابی شاعری کا ہو چکا آغاز ہے)

احمد سروش کی شاعری انقلابِ ایران کی پیش خیمہ ثابت ہونے والی جدید شاعری کا حصہ تھی۔ راقم الحروف نے ۱۹۷۸ء میں ایران میں علامہ اقبال کے کلیاتِ فارسی کے جو نسخے دیکھے وہ احمد سروش کا مرتب کردہ نسخہ کی اشاعت تھیں اور یہ کتاب ملک بھر میں بڑے پیمانے پر دستیاب تھی۔

علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد مصدق

جناب ڈاکٹر محمد مصدق کی انقلابی شخصیت کا ذکر ہو چکا ہے جنہوں نے ۱۹۵۳ء میں انقلابی رہنما کی حیثیت سے ایران کو شہنشاہیت کے پنجہ استبداد سے وقتی طور پر چھڑا کر وہاں پر جمہوریہ کا اعلان کر دیا تھا مگر سی آئی اے کی شاطرانہ کوششوں سے بادشاہ کے اقتدار کو دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ ملک الشعراء بہار کے چچیرے بھائی شیخ احمد بہار نے مصدق کو علامہ اقبال کے استعمار اور مغربی قوتوں کے خلاف پیامِ حریت سے آگاہ کیا۔ اسی طرح مصدق کے معاونِ وزارت اطلاعات آقای فرہمند سے جناب عرفانی کے برادرانہ تعلقات تھے۔ ان کے توسط سے بھی علامہ اقبال کا پیغام مصدق تک پہنچتا رہا اور ڈاکٹر عرفانی کی کئی بار مصدق سے بالمشافہ ملاقات بھی ہوئی۔ ملک الشعراء بہار کی یومِ اقبال (۱۹۵۰ء) کی تقریب میں اس تجویز پر کہ عالم اسلام کے اتحاد کی ابتداء پاکستان اور ایران سے ہونی چاہئے' جناب مصدق نے پاکستان اور ایران کے مابین کسٹم کی پابندی ختم کرنے کی تجویز بھی پیش فرمائی۔ برٹش آئیل کمپنی کے خلاف مہم کے دوران مصدق کو علامہ اقبال کا یہ شعر بہت پسند آیا ؎

ترا نادان امیدِ غمگساری ہا ز افرنگ است؟
دل شاہین نسوزد بہر آن مرغی کہ در چنگ است

(اے احمق! تجھے افرنگ سے غمگساری کی توقع ہے۔ شاہین کا دل اس پرندے کے لئے کبھی بھی نہیں تڑپتا جو اس کے اپنے پنجے میں جکڑا ہوا ہو۔)

یومِ اقبال ۱۹۵۲ء کے موقع پر جناب عرفانی اور احمد بخش بہار نے مل کر مصدق کے لئے علامہ اقبال کے یومِ پیدائش کے موقع پر نشری تقریر کا ایک ڈرافٹ تیار کیا جو مصدق کی زبان سے ریڈیو ایران سے نشر ہوا اور جناب مصدق نے یومِ اقبال کی تقریب کی تمام کارروائی بھی براہ راست ریڈیو پر نشر کرنے کا حکم دیا۔ ڈاکٹر مصدق کی تقریر کے کچھ اقتباسات درج ہیں :

"اقبال نے استعماریت کے ظلم و ستم کے خلاف اپنے عالی مقاصد دلکش پیغام کے ذریعے اعلان بغاوت کیا۔ جو چراغ اقبال نے ملت کی ہدایت، رہنمائی اور قیادت کے لئے جلایا ہے وہ نہ صرف زمانے کے تمام حادثوں میں روشن و منور رہے گا بلکہ روز بروز اس کی شعاعیں روشن تر اور اس کا نور درخشاں تر اور امید افزا ہوتا چلا جائے گا۔

اقبال نے اپنے افکار کے اظہار کے لئے فارسی زبان کا انتخاب کیا ہے۔ وہ ہمارے مشترک ادب و افکار کو بے حد اہمیت دیتا تھا اور اس کی بنیاد ان دو برادر دوست اقوام کے قدیم اتحاد پر مبنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے روحانی اور ثقافتی روابط کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ ایران بھی اس ارتباط کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میرے لئے یہ باعث مسرت ہے کہ میں نے اس پیغام کے ذریعہ اس جشن میں شرکت کی"

وزیر اعظم مصدق کا پیغام نشر ہونے کے بعد کوچہ و بازار کے لوگ بھی علامہ اقبال اور پاکستان کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔ چونکہ مصدق کی آواز اُس وقت ملت ایران کی آواز تھی اس لئے علامہ اقبال کو ایران اور عالم اسلام کا ہیرو، نمائندہ اور ترجمان تسلیم کر لیا گیا۔ اس موقع پر آذر بائیجان (ایران) کے عظیم شاعر کاظم رجوی نے کہا ۔

زجوی ایران در جوئبار پاکستان   یکی شد آب روانی چو ریخت در دریا

(ایران کی ندی کا پانی اور پاکستان کی ندی کا پانی ایک ہو گیا جب ایران کی ندی سے یہ پاکستان کے دریا میں ملا اور پھر سمندر کی نذر ہو گیا۔)

سرکاری اور عوامی طور پر یہ اعلیٰ ترین سطح پر علامہ اقبال کی تائید تھی۔

(جاری ہے)

حُبُّ النَّبِیّ ﷺ

مرتب : حافظ محبوب احمد

تاریخ اسلامی اپنے واقعات کی روشنی میں انتہائی دلچسپ ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد جہاں ایک طرف خلافت بنو اُمیہ میں حکومت بطور خاندانی وراثت کا نظریہ متعارف ہوا، جس کے نتیجے میں واقعہ کربلا جیسا حادثہ فاجعہ پیش آیا، اور اس نظریہ نے مسلم سیاسی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے وہیں اس دور میں بعض ایسی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں جو بعد میں آنے والے مسلم حکمرانوں کو نصیب نہ ہوئیں۔ مثلاً خلافت راشدہ کی فتوحات میں وسعت 'ایک مرکز' سادہ عربی تمدن اور عرب بحیثیت ایک فاتح قوم خلافت بنو امیہ کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس دور میں عربی زبان وادب اور عربی اخلاق و مراسم تمام مفتوحہ اقوام میں فروغ پذیر ہوئے۔

ابتدائے اسلام اور خلافت راشدہ میں تو مسلمانوں کی زندگی نہایت سادہ تھی مگر عہد بنو اُمیہ میں کثیر فتوحات نے مسلم معاشرے میں دولت نے اپنی شان و شوکت دکھانا شروع کی۔ چنانچہ وسیع و عریض جاگیریں، محلات اور سامان عیش کا استعمال شروع ہوا اور وہ سپاہیانہ انداز جو پہلے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا، بتدریج مٹتے مٹتے بالکل ختم ہونے لگا اور اس کی جگہ خوبصورت لباس' پر تکلف مکانات اور زیب و زینت کے سامان ضروریاتِ زندگی میں داخل ہونے لگے۔

مذہبی نقطہ نظر سے اگرچہ دور عثمانیؓ سے مختلف نظریات کے حامل گروہ مسلم معاشرے میں پنپنا شروع ہو گئے تھے تاہم اِن تمام کا مرکز و محور اور مدارِ استدلال قرآن وحدیث کے سوا اور کچھ نہ تھا اور وہ کتاب و سُنّت کے سوا کسی تیسری چیز کو فیصل نہ سمجھتے تھے لیکن بعد میں بہت سے ایسے فرقے مسلمانوں میں پیدا ہونے لگے جنہوں نے کتاب و سنت کو پس پشت ڈال کر اپنے پیروں' مرشدوں' اماموں اور علماء کے اقوال و اجتہاد کی پیروی کو کافی سمجھا۔ یہی وجہ تھی کہ خلافت بنو امیہ کے زمانے میں مسلمانوں کی تمام تر توجہ قرآن مجید اور سُنّت رسول اللہ کی طرف منعطف رہی۔ اس کے بعد قرآن مجید کی طرف سے مسلمانوں نے کم التفاتی و غفلت کا برتاؤ شروع کیا۔ اور یہ نحوست یہاں تک ترقی پذیر ہوئی کہ آج ہمارے زمانے میں ایک واعظ اور ایک فارغ التحصیل مولوی کیلئے بھی یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ وہ قرآن مجید کو تدبر کے ساتھ پڑھے اور سمجھے۔ دورِ عباسیہ اس حوالے سے نہایت اہم ہے کہ دوسرا عباسی خلیفہ منصور خود اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم دین' اور علم حدیث میں نہایت قابل شخص تھا اور اسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو مؤطا کی

تالیف پر آمادہ کیا۔ تاریخ کی کتابوں میں امام مالک اور اس کے درمیان ہونے والا ایک مکالمہ اس طرح درج ہے :

> ایک مرتبہ منصور نے امام مالک ؒ کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے کہا کہ "اے ابو عبداللہ تم جانتے ہو کہ اب اسلام میں تم سے اور مجھ سے زیادہ شریعت کا جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ میں تو ان خلافت و سلطنت کے جھگڑوں میں مبتلا ہوں، تم کو فرصت حاصل ہے، لہٰذا تم لوگوں کیلئے ایک ایسی کتاب لکھو جس سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ اُس کتاب میں ابن عباس ؓ کے جواز اور ابن عمر ؓ کے تشدد و احتیاط کو نہ بھرو اور لوگوں کیلئے تصنیف و تالیف کا ایک نمونہ قائم کرو"۔

امام مالک ؒ کہتے ہیں بخدا منصور نے یہ باتیں کیا کہیں تصنیف ہی سکھا دی۔

ہارون الرشید (۱۷۰ تا ۱۹۳ھ) اور مامون الرشید (۱۹۸ء تا ۲۱۸ھ) کا دور اس حوالے سے نہایت اہمیت کا حامل ہے اس دور میں مختلف مذاہب کی کتب اور نظریات اسلامی معاشرے میں در آئیں۔ ہارون الرشید کے زمانے میں یہودی، عیسائی اور ہندوستانی علماء کی قدر و منزلت کی گئی۔ عبرانی زبان کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور مختلف علوم و فنون کی تدوین کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس دور میں شاعری اور موسیقی کے چرچے بھی بغداد میں پھیلے۔

اب آیئے دورِ مامون کی طرف۔ اگرچہ مامون الرشید نے اپنے بیس سالہ دور میں سے بہت بڑا حصہ میدانِ جنگ میں گزارا تاہم اس کے عہدِ خلافت میں علوم و فنون کے جس قدر دریا بہے اور مامون نے اس طرف توجہ کر کے جو کارہائے نمایاں علمی دنیا کیلئے انجام دیئے وہ قابل حیرت ہیں۔ ہارون الرشید عباسی نے بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک دار الترجمہ اور دار التصنیف قائم کیا تھا جس میں مختلف ملکوں کے رہنے والے مختلف مذاہب کے پیرو اور مختلف زبانیں جاننے والے علماء مصروف کار رہتے تھے۔ مامون کو ارسطو کی کتابوں کے ترجمہ کرانے کا شوق ہوا تو اُس نے قیصر روم کو لکھا کہ ارسطو کی تمام تصانیف جہاں تک دستیاب ہو سکیں، فراہم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ قیصر کو اس حکم کی تعمیل میں کچھ تامل ہوا اور اُس نے اپنے عیسائی علماء سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ :

> "فلسفہ کی کتابیں ہمارے ملک میں مقفل و محفوظ ہیں اور اُن کو پڑھنے پڑھانے کی کسی کو اجازت نہیں کیونکہ اُس سے مذہبی احترام لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اِن کتابوں کو آپ ضرور خلیفہ اسلام کے پاس بھجوا دیں تاکہ وہاں فلسفہ کی اشاعت ہو اور مسلمانوں کا مذہبی جوش سرد پڑ جائے"۔

قیصر نے پانچ اونٹ ان کتابوں سے لاد کر مامون الرشید کے پاس بھجوا دیئے۔ اسی طرح اُس نے

مجوسی علماء کو بڑی بڑی بیش قرار تنخواہوں پر ملازم رکھ لیا اور انہیں علوم و فنون کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی۔ ہندوستان کے راجاؤں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مامون الرشید کی خدمت میں سنسکرت کے عالموں اور بڑے بڑے پنڈتوں کو بطور تحفہ بھیج کر خلیفہ کی خوشنودی حاصل کی۔ بیت الحکمت کے مترجموں کی تنخواہیں ڈھائی ڈھائی ہزار درہم تک تھیں اور اُن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی، جن میں یعقوب کندی، حنین بن اسحٰق، قسطا بن لوقا بعلبکی، ابو جعفر بن عدی اور جبرئیل بن بختیشوع وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

اگرچہ یہ پس منظر زیادہ طویل ہو گیا ہے تاہم اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ دورِ بنو عباس میں دوسرے تمام علوم کی سرپرستی تو باعدگی سے اور بہت بڑے پیمانے پر ہوئی تاہم اس دور میں اسلامی علوم کے حوالے سے انفرادی کوششیں تو نظر آتی ہیں مگر حکومتی سرپرستی کا عنصر قریباً خالی ہے، اگرچہ ان تمام حکمرانوں نے مذہبی طبقے سے اپنے تعلقات کو بہتر بنایا ہوا تھا۔

مختلف علوم کی اشاعت نے اسلامی معاشرے میں بے تحاشا نظریات اور اصطلاحات پھیلا دیئے، جو اسلام کی سادہ تعلیمات اور نظریات پر اثر انداز ہوئے۔ ان میں سے بہت سی اصطلاحات نے خود اسلامی اصطلاحات پر بھی اثر و نفوذ کیا۔ مثلاً اسلام نے اپنے لئے "دین" کی اصطلاح استعمال کی مگر بعد میں اس کیلئے "مذہب" کی اصطلاح پھیلی۔ اسلام نے تربیت و تزکیہ نفس کیلئے "احسان" کی اصطلاح استعمال کی مگر اس مقصد کیلئے "تصوف" جیسا مجہول النسب لفظ استعمال ہوا، صلوٰۃ کی جگہ نماز نے لے لی۔ محبّت کیلئے قرآن و حدیث میں حُبِ نبوی اور حُب اللہ جیسی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں، مگر بعد میں "عشق" کو قرآنی اصطلاح یعنی "حب" پر فوقیت دیتے ہوئے اسے عام کر دیا گیا۔ اور عوام الناس کیلئے وقت کے ساتھ ساتھ یہ اسلامی اصطلاحات کا درجہ حاصل کر گئیں۔ چنانچہ اصل اسلامی اصطلاحات جو پاکیزہ معنی رکھنے والی ہیں ان کیلئے غیر مانوس ہو گئیں اور یہ مجہول معنی کی حامل جاہلانہ اصطلاحات معتبر ٹھہریں۔

چونکہ ہمارے اس مضمون کا موضوع حُب النبی ﷺ ہے لہٰذا یہ کافی طویل تمہید باندھنا پڑی ہے۔ ہمارے ادب کی دونوں اصناف یعنی نثری و شاعری ادب میں لفظ عشق و محبّت کا استعمال عام ہے اور ادب کے دلدادہ اس اصطلاح سے بخوبی آگاہ ہیں۔ صوفیاء بھی عشق الٰہی جیسی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور نعت خواں حضرات تو اکثر و بیشتر عشق کا لفظ اپنی نعتوں میں استعمال کرتے ہیں، بلکہ خود کو عاشق رسول کہلانا بھی باعث فخر سمجھتے ہیں۔ تاہم چونکہ ہمارا موضوع حُب النبی ﷺ ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں الفاظ کے معانی پر غور کر لیا جائے تاکہ ہم اپنے جذبات اور خیالات کا جائزہ لے سکیں اور جان سکیں کہ یہ دونوں الفاظ کن معانی میں استعمال ہوتے ہیں

اوران کی روشنی میں کچھ اپنے دل کا حال بھی جان سکیں۔ قاموس میں ہے :

الجنون فنون والعشق من فنه يستجلبه المرء على نفسه باستحسان بعض الصور والشمائل

"جنون کی بہت سی اقسام ہیں، عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے۔ اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود پر وارد کرلیا کرتا ہے"۔

اور بقول ایک شاعر کے ۔ "کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا" اس کے مقابلے میں قرآن وحدیث میں "حب" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ نسبتاً سادہ اور پاکیزہ معانی کا حامل ہے۔ محبّت کے معنی محبوب کی طرف رغبت بیان کئے جاتے ہیں، بعض کے نزدیک محبّت محبوب کیلئے ایثار کا نام ہے، جبکہ بعض نے کہا ہے کہ محبّت اسے کہتے ہیں کہ دل کو محبوب کی مراد کے تابع کردیا جائے۔ محبّت روح انسانی کی وہ صفت نورانی ہے جو جسم انسانی میں آنے سے پیشتر بھی روح کے اندر پائی جاتی تھی۔ حدیث مبارکہ "اَلْاَرْوَاحُ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ" اِس معنی کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ محبّت کی ایک تعریف درج ذیل طرح سے کی جاسکتی ہے : "محبّت روح کے میلان صحیح کا نام ہے"۔

جب ہم ان دونوں الفاظ کے معانی پر غور کرتے ہیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حُب یا محبّت نسبتاً پاک اور واضح معنی رکھنے والا لفظ ہے اور قرآن وحدیث میں بھی اسی کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور جب ہم عشق کے معنی جنون دیکھتے ہیں تو لامحالہ یہ لفظ کسی مقدس کلام میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ اُمت مسلمہ کے نزدیک قرآن کریم واحادیث ہی دو ایسے کلام ہیں جو "ملوک الکلام" کہلانے کے مستحق ہیں اور یہی کلام کے معیار کو جانچنے کا پیمانہ ہیں۔ ماہرین احادیث و قرآن سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ہر دو کلام میں لفظ عشق کا استعمال کہیں نہیں ہوا۔ زاد المعاد میں لکھا ہے کہ :

ولا يحفظ عن رسول الله ﷺ لفظ العشق فى حديث صحيح البتة (زاد المعاد ج ۲، ص ۹۶)

واضح رہے کہ ایک حدیث جس کا راوی صرف سوید بن سعید ہے، میں یہ لفظ موجود ہے، لیکن ائمہ جرح وتعدیل نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے :

((من عشق فعف فمات فهو شهيد)) او ((حديث من عشق وكتم وعف وصبر الخ)) (۱)

پس جب عشق کے معنی از جنون ہوئے تو ضروری تھا کہ خدا اور رسولؐ کے پاک کلام میں اس لفظ

کا استعمال نہ کیا جاتا اور اسے فضائل محمودہ یا محاسن جمیلہ میں سے شمار نہ کیا جاتا۔ بے شک قرآن حکیم اور احادیث رسول کریم ﷺ میں لفظ محبّت ہی کا استعمال ہوا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محبّت ہی صفت کمال انسانی ہے۔ محبّت اور عشق میں یہ بھی فرق ہے کہ محبّت روح کے میلانِ صحیح کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں۔ محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے کمالاتِ عالیہ کی وجہ سے محبّت کئے جانے کے شایان ہو' جبکہ معشوق وہ ہے جسے کسی نے اچھا سمجھ لیا ہو۔ محبوب' محبوب ہی ہے' خواہ کوئی محب پیدا ہو یا نہ ہو مگر معشوق' معشوق نہیں جب تک کوئی اس کا عاشق موجود نہ ہو۔ غالباً مشہور مثل "لیلیٰ را بہ چشم مجنون باید دید" کے واضع نے انہی معانی کو ایک دوسرے اسلوب میں بیان کر دیا ہے۔

محبّت میں بھی مدارج ہوتے ہیں۔ انسان کا محبوب جتنا زیادہ پاکیزہ اور صفاتِ کمال کا حامل ہو گا لازمی بات ہے کہ اس کی محبّت بھی اتنی ہی زیادہ پاکیزہ اور اعلیٰ و ارفع ہو گی۔ محبّت کو ذات و صفاتِ محبوب سے جس قدر زیادہ عرفان ہو گا اِسی قدر زیادہ استحکام سے اس کا اُس کی جانب میلان ہو گا۔ (۲) ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ .. ﴾ (البقرۃ ۱۶۵)

"لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا مدمقابل بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبّت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبّت ہونی چاہیے' مگر جو ایمان والے ہیں ان کی محبتیں اللہ کے ساتھ زیادہ بڑھی ہوئی ہیں"۔

محبّت ہی آزمائش میں ثابت قدمی اور مصائب کو کشادہ پیشانی کے ساتھ جھیلنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ محبّت ہی دل کی زندگی اور زندگی کی کامیابی ہے۔ محبّت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی اور پھر اس بقاء کو تختِ ارتقاء پر بٹھاتی ہے۔ محبّت ہی ہے جس کی صفت میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)) (۳)

"ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبّت کرتا ہے"۔

محبّت کی بنیاد کسی کمالِ اصلی پر ہوتی ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' حضرت علی کرم اللہ وجہہ' نوشیرواں عادل' ہارون الرشید' نور الدین جہانگیر جیسے بے شمار نام تاریخ میں ہمیں ملتے ہیں جن سے لوگ محبّت کرتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ان کو کسی مظلمہ میں دادرسی یا کسی دعویٰ میں ڈگری ان کی عدالت سے ملی ہو' بلکہ اس لئے کہ یہ لوگ صفت عدل و داد کو محبّت کے قابل سمجھتے ہیں۔

سینکڑوں لوگ آج بھی حاتم طائی سے محبّت رکھتے ہیں' اس لئے نہیں کہ انہیں اس کی جائیداد سے کوئی حصّہ ملا ہے بلکہ اس لئے کہ ان کو صفت جود و سخا محبّت ہوتی ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ' حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' صلاح الدین ایوبی' نور الدین زنگی اور احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ کی داستانیں پورے جوش سے پڑھتے ہیں' اس لئے نہیں کہ وہ بھی ان کی فتوحات میں حصہ دار ہیں بلکہ اس لئے کہ صفت مردانگی و شجاعت سے ان کو محبّت ہوتی ہے۔ بیسیوں اشخاص سقراط و افلاطون و بقراط کے نام محبّت اور پیار سے لیتے ہیں' اس لئے نہیں کہ وہ بھی ان کے مدرسہ خاص میں جس کے دروازے ہمیشہ عوام پر بند رہتے تھے کچھ اسباق سن چکے ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ لوگ علم و حکمت کے قدر دان ہوتے ہیں۔ بیسیوں اشخاص شیکسپئر' ہومر' فردوسی' سعدی' لبید و متنبی' بیاس اور والمیک کی فصاحت و بلاغت کے بیان میں اپنی تمام قوتِ گویائی کو صرف کر دیا کرتے ہیں' صرف اس لئے کہ یہ لوگ رازِ فطرت کے مشتاق ہوتے ہیں اور ہر شخص کی مدح کی جو اس فن میں کمال کرے' پسند کرتے ہیں۔

یہاں جس ہستی کی محبّت کا مذکور ہے وہ تو ان تمام صفات سے متصف ہے۔ ایک آدم علیہ السلام انابت اِلی اللہ کا راز آشکار کرنے والے' ایک ادریس علیہ السلام علوم اولین آخرین کا درس دینے والے' ایک نوح علیہ السلام اسرار و اعلان سے تبلیغ کرنے والے' ایک ابراہیم علیہ السلام گنہگاروں کیلئے رب العزت سے درگزر اور رحمت کا سوال کرنے والے' ایک اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کو معظم ٹھہرانے والے' ایک یعقوب علیہ السلام خدائے قادر سے عہد باندھنے والے' ایک یوسف علیہ السلام بدخواہ اور بداندیش پر ترحم کرنے والے' ایک موسیٰ علیہ السلام قوم کو برگزیدہ بنانے والے' ایک ہارون علیہ السلام امام فصیح' ایک یحییٰ علیہ السلام علیہ السلام مبلغ و متواضع' ایک داؤد علیہ السلام قوم کو اجتماعی قوت دینے والے' ایک سلیمان علیہ السلام خدا کیلئے پاک گھر بنانے والے۔

ہاں وہ جس کے منہ میں خدا کا کلام ہونے کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے دی' جسے مسیح علیہ السلام نے روح الحق بتایا' جس کی ہیبت و جلال سے داؤد علیہ السلام نے دشمنوں کو مرعوب بنایا' جس کے حسن و جمال کا نشید سلیمان علیہ السلام نے مقدس میں گایا' جس کی حمد سے حبقوق علیہ السلام نے عالم کو پُر آوازہ کیا' جس کے خیر مقدم کی تہنیت سے ملاکی علیہ السلام نے خدا کے گھر کو جلال دیا' جس کے لباس اور ران پر "شہنشاہوں کا شہنشاہ' خداوندوں کا خداوند" لکھا ہوا یوحنا نے پڑھا' جس کے پیچھے آسمانی فوجوں کا چلنا صاحب مکاشفات نے مشاہدہ کیا۔ کیا کوئی صاحب بصر' صاحب دل ایسے محبوب' ایسے محمود' ایسے مصطفیٰ' ایسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا نہ ہوگا اور اس فدا ہونے کو اپنے لئے غایت شرف و انتہائی کمال انسانیت نہ سمجھے گا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ من النبیین والمرسلین۔ (۴)

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ . ﴾ (التوبہ ۲۴)

"سب لوگوں کو سنا دے کہ اگر تم کو تمہارے ماں باپ' بیٹے بیٹیاں' بہن بھائی' زن و شوہر' قوم و قبیلہ اور مال جو تم نے جمع کیا ہے اور تجارت جس کے خسارہ کا تم کو ڈر لگا رہتا ہے اور وہ محل جن میں بسنا تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے (وہ سب) زیادہ پیارے ہیں خدا اور رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے تب تم منتظر رہو کہ خدا تمہارے لئے اپنا کوئی حکم بھیج دے"۔

اس آیت میں جن جن شخصیتوں یا چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی محبت عام میلان انسانی کے موافق مسلمہ ہے اور اسی لئے رب العالمین نے جو فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کا مالک ہے ان سب کے ساتھ انسانی محبت کی نفی نہیں فرمائی اور نہی نہیں کی۔ بلکہ تفریق درجات کے سبق کی تعلیم دی ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ دُنیوی لذات کا بیان ہوا ہے اور ان کو ہیچ اور فانی بیان کیا گیا ہے کہ یہ تمام عیش و عشرت کے سامان محض چند روزہ ہیں اور عالم جاودانی کے مقابلہ میں خواب کی مانند ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴ میں ارشاد ربانی ہوتا ہے :

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ' ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ' وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ ﴾

"لوگوں کیلئے نفسانی خواہشوں کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے' جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے خزانے سونے چاندی کے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے' اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے"۔

اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو طرح طرح کی نعمتوں اور لذتوں سے سجایا ہے۔ ان سب چیزوں میں سے سب سے پہلے عورتوں کو بیان فرمایا ہے۔ اس لئے کہ ان کا فتنہ بڑا زبردست ہے۔ صحیح حدیث میں ہے

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِىْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))

"میرے بعد مردوں کیلئے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں کہ جو مردوں کیلئے ضرر رساں ہو"۔ (۵)

مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب نے کہا کہ اے اللہ جب تو نے اسے زینت دے دی تو اس کے بعد کیا؟ اس پر اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔(۶) یہی راز درج ذیل حدیث میں کھولا گیا ہے :

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (۷)

"تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اسے مجھ سے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) ماں باپ، اولاد اور باقی سب اشخاص سے بڑھ کر محبت نہ ہو"۔

اور حدیثِ مبارکہ جس میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے :

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ))

"تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے اہل و عیال اور مال سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ صرف محبوب بلکہ حبیب ہیں، یعنی حضور کے وہ اوصافِ عالیہ اور محاسن جمیلہ جنہوں نے حضور ﷺ کو حبیب خدا اور محبوبِ خلق بنا دیا ہے، ثبات و استقرار رکھتے اور دوام و بقا سے متمکن ہیں اور آپؐ کی ذات ہی محبّت و اطاعت کے لائق ہے اور آپ کی محبت باعث نجات ہے۔

حواشی

(۱) ابن جوزی نے موضوعات میں ان کا ذکر کیا ہے ان کا راوی صرف سوید بن سعید ہے اور ائمہ حدیث نے اس کی نسبت سخت ترین الفاظ استعمال کئے ہیں۔
(۲) رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، ج ۲
(۳) صحیح بخاری عن ابی موسیٰؓ، باب علامۃ الحب، کتاب البر والصلۃ
(۴) رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، ج ۲، ص ۳۲۷
(۵) تفسیر معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی
(۶) تفسیر ابن کثیر، ابو الفداء حافظ عماد الدین ابن کثیر
(۷) صحیحین، بہ روایت حضرت انسؓ
(۸) صحیح ابن خزیمہ، زرقانی جلد ۶، ص ۲۸۰

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۸
شمارہ : ۱۱
رجب شعبان ۱۴۲۰ھ
نومبر ۱۹۹۹ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زر تعاون ۱۰۰/-

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700- فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

۱۲/اکتوبر ۹۹ء کا دن اس اعتبار سے یاد رکھا جائے گا کہ اس میں ملکی اور ریاستی سطح پر پے بہ پے کئی بڑی تبدیلیاں اچانک غیر متوقع طور پر عمل میں آئیں۔ وزیر اعظم پاکستان کی جانب سے چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کی اچانک معزولی کا حکم ان کے اپنے اقتدار کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جنرل پرویز مشرف کو برطرف کرنے اور انہیں منظر سے ہٹانے کے لئے جو سازشی پلان تیار کیا گیا وہ اتنا بھونڈا اور شرمناک تھا کہ اس کی مذمت کے لئے الفاظ تلاش کرنا دشوار ہے۔ بہرکیف میاں نواز شریف کی وہ سازش اور چال الٹی انہی پر جا پڑی اور وہ اقتدار کے تختِ طاؤس سے یکلخت اسارت کے قعرِ مذلت میں جا گرے۔ حسرت اس بات پر ہے کہ وہ اپنے دوسرے دورِ اقتدار میں بھی اسلام کے قیام کی جانب پیش رفت میں قطعی ناکام رہے اور اس پہلو سے محرومی اور بدبختی کو انہوں نے اپنا مقدر بنا لیا۔

یہ تمام واقعات اتنے غیر متوقع تھے اور اس تیز رفتاری کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے کہ فوری طور پر تبدیل شدہ صورتحال کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا دشوار تھا۔ اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ شاید یہ سب کچھ پاکستان کی معجزانہ حفاظت کی خدائی تدبیر کا حصہ ہے کہ اس طرح اللہ نے کچھ عرصے کے لئے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مزید حفاظت کا سامان کر دیا جو نواز گروپ کے ہاتھوں شدید طور پر معرضِ خطر میں تھا اور طالبان کی اسلامی حکومت پر کریک ڈاؤن کے ناپاک امریکی منصوبے کو ناکام بنا دیا جس میں نواز حکومت امریکہ کی آلہ کار کا کردار ادا کر رہی تھی۔ اور یقیناً یہ معاملہ بھی پاکستان کی بقاء و استحکام کے اعتبار سے دوررس نتائج کا حامل ہے۔ بہرکیف وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صورتحال مزید واضح ہو گی۔

جنرل پرویز مشرف کی جانب سے سات نکاتی ایجنڈا سامنے آنے کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پاکستان اور اس کے مستقبل کے حوالے سے اپنے مستقل موقف پر مبنی جو پیغام جنرل پرویز مشرف کو ارسال کیا ہے اسے صفحاتِ آئندہ

میں قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ مزید برآں ملکی حالات پر تبصرہ پر مشتمل تازہ ترین خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز بھی شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع (برائے ملتزم رفقاء) کی منسوخی کی اطلاع تو رفقاء و احباب تک یقیناً پہنچ چکی ہو گی۔ نواز حکومت کی اچانک معزولی اور فوجی حکومت کے قیام پر ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ بعض دیگر پہلوؤں سے تو خوش آئند ہو سکتا ہے لیکن اس کا یہ نتیجہ کم از کم ہمارے نقطۂ نگاہ سے خوشگوار نہیں ہے کہ لاہور میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ اور جلسے جلوسوں کے علاوہ ہر نوع کے اجتماعات پر پابندی کے نتیجے میں ہمیں اپنا سالانہ اجتماع منسوخ کرنا پڑا۔ بہرکیف ماشاء اللّٰہ کان و مالم یشا لم یکن

سالانہ اجتماع کے قائم مقام کے طور پر ۲۱ تا ۲۴ نومبر تنظیم اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے ایک توسیعی اجلاس کا فیصلہ کیا گیا ہے' تاکہ تنظیم کے وہ رفقاء جو امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مراسلے (شائع شدہ "ندائے خلافت" شمارہ ۳۹) کے حوالے سے تنظیم کی ۲۵ سالہ تاریخ کے حوالے سے اظہار خیال کرنا چاہتے ہوں ان کو مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں اظہار خیال کا موقع دیا جائے گا' تاکہ آئندہ کے نقشہ کار کے ضمن میں ان کی آراء اور مشوروں سے استفادہ کیا جا سکے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو
جنرل پرویز مشرف کے نام امیر تنظیم اسلامی کا پیغام

جو فرمانِ نبوی ﷺ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" کی تعمیل میں تحریر کیا گیا

محترم جنرل پرویز مشرف صاحب'

چیف ایگزیکٹو 'جمہوریہ اسلامیہ پاکستان'

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دیگر مثبت یا منفی پہلوؤں سے قطع نظر 'افواج پاکستان کے 12/اکتوبر کے اقدام کا یہ پہلو بہت تابناک ہے کہ انہوں نے امریکی دھمکی کو نظرانداز کر کے پاکستان کے اس قومی وقار اور مورال کو از سر نو بحال کر دیا ہے جو سانحہ کارگل کے نتیجے میں واقعتاً پاتال میں جا گرا تھا! اور آئندہ بھی امید ہے کہ آپ کی قیادت میں افواج پاکستان کسی بھی بیرونی دباؤ' بالخصوص یہودیوں کی آلۂ کار حکومتوں اور اداروں کے پریشر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر بھروسہ کرتے ہوئے ملک و ملت کے بہترین مفادات کی تکمیل کے لئے کوشاں رہیں گی۔

جناب چیف ایگزیکٹو! —— آپ کا سات نکاتی ایجنڈا حرف بحرف درست ہے لیکن اس حقیقت کو ہرگز نظرانداز نہ کریں کہ ہماری زبوں حالی کا اصل سبب اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی ہے۔ 45 تا 47ء برعظیم پاک و ہند کے طول و عرض میں بسنے والے مسلمانوں نے اللہ سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کی تھیں کہ اے اللہ! ہمیں انگریز اور ہندو کی غلامی سے نجات دے تاکہ ہم تیرے دین کا بول بالا کر سکیں —— چنانچہ مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال نے بھی فرمایا تھا کہ "ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی تعلیمات پر جو پردے عرب امپیریلزم کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اصل اسلام (گویا

خلافت راشدہ کے نظام) کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!" اور مؤسس پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی فرمایا تھا کہ ہمیں پاکستان اس لئے چاہئے کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ پیش کر سکیں!" ـــــ لیکن پاکستان کی 52 سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔ نتیجتاً اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا تو ہم پر سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں پڑا ـــــ اور اس وعدہ خلافی کی دوسری سزا سورۂ توبہ کی آیات 75 تا 77 کے مطابق یہ ملی کہ ہم پر قومی اعتبار سے نفاق کا مرض مسلط کر دیا گیا ـــــ جس کا ایک مظہر تو "نفاقِ باہمی" ہے یعنی قوم صوبائی' نسلی' لسانی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں کا شکار ہو گئی ہے' ـــــ اور دوسرا مظہر وہ "نفاقِ عملی" ہے جس نے حدیث نبویؐ کے مطابق جھوٹ' وعدہ خلافی' خیانت اور غبن کی مہلک اخلاقی بیماریوں کی وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور حکمت کا تقاضا ہے کہ ہم صرف ان علامتوں (symptoms) ہی سے نہ نبٹتے رہیں بلکہ اصل مرض کا ازالہ کریں اور اپنی بھولی ہوئی منزل کی جانب رجوع کریں!

چنانچہ ـــــ اسلام کے عدل اجتماعی کے نفاذ کے لئے لازمی ہے کہ :

(1) جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ اور

(2) کم از کم اندرون ملک فوراً سود اور جوئے کا استیصال کر دیا جائے۔

اور ـــــ قوانین شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ

(1) وفاقی شرعی عدالت کے حدود کار پر عائد جملہ تحدیدات فی الفور ختم کر دی جائیں اور

(2) اس کے جج صاحبان کی تعداد بھی بڑھائی جائے اور ان کا رتبہ بھی عدالت ہائے عالیہ کے ججوں کے مساوی کیا جائے!

نیز

(1) مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں تمام انحصار بھارت کے ساتھ براہ راست بات چیت پر کیا جائے اور امریکہ یا یو این او کی جانب سے نگاہیں ہٹالی جائیں ـــــ

(2) افغانستان کی طالبان حکومت کے ساتھ مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کیا جائے اور اس کے

خلاف کسی شیطانی سازش کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے!

(3) اپنی ساری اقتصادی تگ و دو عالمی مالیاتی اداروں کی قسطیں ادا کرنے کی فکر ہی کے گرد نہ مرکوز کر دی جائے ——— بلکہ مطالبہ کیا جائے کہ ہمارے قومی قرضوں کی ادائیگی کی دوسری صورتوں مثلاً "Debt Equity Swap" کو اختیار کیا جائے ——— بصورت دیگر DEFAULTER ہونے سے بھی گریز نہ کیا جائے!

(4) CTBT پر کسی صورت دستخط نہ کئے جائیں۔

مزید بر آں' یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ عنقریب دنیا میں یہ ہولناک صورت پیدا ہونے والی ہے کہ پوری مغربی دنیا اسرائیل کی حفاظت کے لئے ملت اسلامیہ کے قلب یعنی عالم عرب پر ٹوٹ پڑے گی۔ (جس کا ریہرسل خلیج کی جنگ میں ہو چکا ہے) ——— اور اس مرحلے پر احادیث نبویہ ؐ کی رو سے پاکستان اور افغانستان ہی عالم اسلام کا دفاع کریں گے۔ (چنانچہ یہی ہمارے "ایٹمی قوت" بنائے جانے کا اصل مقصد ہے!) کیا عجب کہ مشیت ایزدی اور تقدیر خداوندی نے اس مرحلے کی تیاری ہی کے لئے افواج پاکستان کو منظر عام پر لانے کا اہتمام کیا ہو۔ فقط! والسلام مع الاکرام!!

خاکسار

(ڈاکٹر) اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

ظروف و احوال

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دار السلام باغ جناح کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

۲۹ اکتوبر پاکستان کی سیاست سے اگر میوزیکل چیئر کے کھیل کو ختم کرنا ہے تو جاگیرداری نظام کو ختم کرنا ہو گا۔ کیونکہ موجودہ جاگیردارانہ استحصالی نظام کے ہوتے ہوئے یہاں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس وقت ایک حالت منتظرہ اور سسپنس کی کیفیت طاری ہے' چنانچہ عجیب صورتحال یہ ہے کہ دستور ہے بھی اور نہیں بھی۔ حالانکہ صدر تارڑ نے فرمایا ہے کہ بنیادی حقوق برقرار اور دستور موجود ہے لیکن دوسری طرف قاضی حسین احمد پر سرحد میں داخلے پر پابندی ہے اور جمعیت اہلحدیث کے کارکن گرفتار کئے گئے ہیں۔ ان حالات میں بنیادی حقوق آخر کہاں ہیں؟ آزادی ہے تو کن کے لئے اور کتنی اور پابندی کس پر کتنی ہے' صورتحال کچھ واضح نہیں ہے۔

جہاں تک جنرل پرویز مشرف کی شخصیت کا تعلق ہے' بظاہر احوال یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں پاکستان سے دلی محبت ہے۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال کے مزاروں پر حاضری دے کر انہوں نے گویا ان شخصیات سے اپنے تعلق کا اظہار کیا ہے۔ جنرل صاحب کی تقریر میں یہ الفاظ خوش آئند ہیں کہ اب ہمیں لازماً اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔ جبکہ ان کی دوسری بات بھی کہ بے رحم احتساب ہو گا اور ڈنڈا چلے گا' ہر پاکستانی کے دل کی آواز ہے۔ کڑا احتساب ضرور ہونا چاہئے لیکن یہ احتساب غیر جانبدارانہ ہو۔ اگر وہ واقعتاً یہ دو کام یعنی جاگیرداری کا خاتمہ اور احتساب کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تاریخ میں ان کا مقام ہو گا۔ کیونکہ ان اقدامات کے نتیجے میں ملک کی سیاست گندگی سے پاک اور مستحکم ہو جائے گی۔

ایک تشویشناک بات یہ ہے کہ چیف ایگزیکٹو نے ابھی تک بھولے سے بھی اسلام کا نام نہیں لیا حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان کا قیام' اس کا پس منظر اور تاریخ تو اسلام کے ساتھ وابستہ ہے ہی' اس کے استحکام اور وجود کے برقرار رہنے کی بنیاد بھی اسلام کے سوا کوئی نہیں۔ لہٰذا اسلام کو نظرانداز کر دینا تاریخ سے رشتہ توڑ دینے کے مترادف ہو گا اور جس قوم کا ناتا اپنی تاریخ سے ٹوٹ جائے تو وہ بے لنگر جہاز کی مانند ہوتی ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنے فوٹو سیشن سے پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ سیکولر مزاج کے آدمی ہیں۔ اسی طرح کمال اتاترک کو محبوب رہنما بتایا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ پاکستان میں اگر کہیں کمال اتاترک جیسا طرز عمل اختیار کیا گیا تو یہ ملک کے لئے بہتر نہیں ہو گا۔ تاہم سابقہ مارشل لاء کے مقابلے میں جو اسلام کے نام پر آیا اور گیارہ سال مسلط رہا' ان کا یہ طرز عمل اس اعتبار سے بہتر ہے کہ آدمی جو کچھ ہے اسے ظاہر کر دے تاکہ لوگ غلط توقعات وابستہ نہ کریں۔ ○○

خطاب عام

جہاد فی سبیل اللہ

دین کی ایک اہم اصطلاح جہاد فی سبیل اللہ کی اصل حقیقت'
اس کے مراحل و مدارج اور اس کی فرضیت و لزوم کے ضمن میں
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ایک جامع خطاب
(بمقام قرآن آڈیٹوریم '۲۵ ستمبر ۹۹ء)

خطبہ مسنونہ کے بعد :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ ﴾ (الحجرات ۱۴)

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○ (الحجرات ۱۵)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (الصف ۱۰'۱۱)

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ○ ﴾ (الصف ۴)

وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اِنِّيْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ اَلْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(رواہ الامام احمد والامام الترمذی ؒ)

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : ((اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِیَ اللّٰهُ اِلٰی اَنْ یُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ)) (رواہ ابوداؤد)

ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین و محترم خواتین! "جہاد فی سبیل اللہ" کے مرکزی عنوان کے تحت تین ذیلی عنوانات زیر گفتگو آئیں گے :

۱) جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں خود اپنوں کو اور غیروں کو کیا مغالطے لاحق ہو گئے ہیں؟

۲) جہاد فی سبیل اللہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے مراحل اور لوازم کیا ہیں؟

۳) اس کی فرضیت اور لزوم کا کیا معاملہ ہے؟

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں مغالطے

ہمارے دین میں عام طور پر جو ترتیب ملتی ہے وہ پہلے نفی اور پھر اثبات ہے۔ چنانچہ کلمۂ طیبہ میں بھی پہلے نفی ہے' پھر اثبات ہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ اسی طرح آیت الکرسی کے بعد والی آیت میں الفاظ آئے ہیں :

﴿ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ... ﴾ (البقرۃ : ۲۵۶)

"پھر جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لایا...."

اسی حوالے سے میں پہلے مغالطوں کے بارے میں گفتگو کروں گا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں کونسے مغالطے ہیں جو اولاً خود مسلمانوں کو لاحق ہوئے' لیکن پھر ان پر دشمنانِ اسلام نے اسلام کی رسوائی اور بدنامی کی بنیاد کھڑی کر دی۔ ظاہر بات ہے کہ دشمنوں کا معاملہ تو فارسی کے اس شعر کے مصداق ہے ۔

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است!
اقتضائے طبیعتش این است!

یعنی بچھو کا ڈنگ مارنا کسی کینے یا دشمنی کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ یہ اس کی طبیعت کا تقاضا

ہے۔ تو دشمنوں کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اسلام پر حملے کریں۔ لیکن اگر ہم نے خود اس کے لئے بنیاد فراہم کردی ہو تو پہلے ہمیں اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہئے۔

① کیا "جہاد" اور "قتال" مترادف ہیں؟

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں سب سے بڑا مغالطہ' جو بہت عام ہے اور صرف عوام ہی میں نہیں' خواص یعنی علماء کو بھی لاحق ہے' یہ ہے کہ "جہاد" کے معنی "جنگ" کے ہیں۔ گویا کہ "جہاد" کو "قتال" کے مترادف یا ہم معنی قرار دے دیا گیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ لسانیات کا یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ کسی بھی زبان کے دو الفاظ بالکل ایک مفہوم کے حامل نہیں ہوتے۔ اس سے آگے بڑھ کر بات یہ ہے کہ "جہاد فی سبیل اللہ" اور "قتال فی سبیل اللہ" قرآن مجید کی دو مستقل اصطلاحیں ہیں' جو قرآن کریم میں متعدد بار استعمال ہوئی ہیں۔ مثلاً سورۃ الصّف چودہ آیات پر مشتمل ایک چھوٹی سی سورۃ ہے اور اس میں یہ دونوں اصطلاحات آئی ہیں۔ اس کی آیت نمبر۴ میں "قتال فی سبیل اللہ" کی اصطلاح بایں طور آئی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

آگے آیت نمبر۱۱ میں فرمایا:

﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔"

چنانچہ ان دونوں اصطلاحوں کو مترادف قرار دے دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ دونوں الفاظ بعض اوقات ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو جاتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ اس طرح استعمال ہوئے ہیں' اس کی مثالیں آگے آئیں گی' لیکن یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جانی چاہئے کہ یہ دونوں قرآن کی مستقل اصطلاحات ہیں۔

قرآن حکیم کی بنیادی اصطلاحات میں سے دو دو اصطلاحات کے تین جوڑے ایسے ہیں کہ جن کے مابین خاص اور عام کا رشتہ ہے۔ مثلاً "مؤمن" اور "مسلم" بظاہر مترادف الفاظ ہیں کہ ایک ہی شخص کے لئے دونوں الفاظ کا استعمال ہو سکتا ہے' لیکن "مسلم" عام اصطلاح ہے اور "مؤمن" خاص۔ یعنی ہر "مؤمن" تو لازماً "مسلم" ہے' لیکن ہر مسلمان لازماً مؤمن نہیں ہے۔ چنانچہ آج جن آیات کے حوالے سے مجھے حقیقتِ جہاد اور اس کی فرضیت و لزوم کے ضمن میں گفتگو کرنی ہے ان میں وہ آیات آجائیں گی جن میں ان دونوں اصطلاحوں (مؤمن اور مسلم) کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اصطلاحات کا ایک اور جوڑا "نبی" اور "رسول" ہے۔ نبی اور رسول میں کئی اعتبارات سے فرق کیا جاتا ہے' لیکن یہ بات سب کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص۔ یعنی ہر رسول تو لازماً نبی ہے لیکن ہر نبی لازماً رسول نہیں ہے۔ جہاد اور قتال میں بھی بالکل یہی رشتہ ہے کہ ان دونوں میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ اس میں جہاد عام ہے اور قتال خاص ہے' یعنی قتال تو لازماً جہاد ہے لیکن جہاد لازماً قتال نہیں ہے۔ ان تینوں جوڑوں کے بارے میں اہل علم نے بہت عمدہ اصول وضع کیا ہے اِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا وَ اِذَا تَفَرَّقَا اجْتَمَعَا یعنی جب کسی ایک جگہ پر یہ دونوں الفاظ اکٹھے آئیں گے تو یقیناً ان میں بہت بڑا فرق ہو گا' Simultaneous Contrast ہو گا' لیکن یہ الگ الگ استعمال ہوں گے تو ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوں گے۔ چنانچہ اگر ایک ہی جگہ مسلم اور مومن کے الفاظ آرہے ہوں تو ان کے مفہوم میں لازماً فرق ہو گا۔ اسی طرح اگر ایک ہی جگہ جہاد اور قتال کے الفاظ آئیں' جیسا کہ سورۃ الصّف کی مثال دی گئی ہے' تو لازماً فرق ہو گا۔ لیکن اگر دونوں علیحدہ علیحدہ استعمال ہو رہے ہوں تو یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں' یعنی نبی کی جگہ رسول اور رسول کی جگہ نبی مستعمل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاد کی جگہ قتال اور قتال کی جگہ جہاد استعمال ہو سکتے ہیں اور مؤمن کی جگہ مسلم اور مسلم کی جگہ مؤمن استعمال ہو سکتے ہیں۔ بہرحال اس فرق کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۲) جہاد ـــــ فرضِ عین یا فرضِ کفایہ؟

جب قتال اور جہاد کو مترادف قرار دے دیا گیا اور جہاد کے معنی جنگ بنا لئے گئے تو اب ـ

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

کے مصداق اس مفروضے پر مبنی نتائج بھی غلط نکلے۔ اگر جہاد کا مطلب قتال ہے تو ظاہر بات ہے قتال تو ہر وقت نہیں ہوتا' اور قتال کے بارے میں بھی یہ طے ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے' اِلاّ یہ کہ کوئی استثنائی صورت ہو جائے' جیسے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نفیرِعام کا اعلان کیا گیا کہ ہر شخص جنگ کے لئے نکلے۔ ظاہر بات ہے کہ عام حالات میں قتال فرض عین نہیں' فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی مہم کے لئے ایک سو آدمیوں کی ضرورت ہے اور سو آدمی نکل آئیں تو باقی مسلمانوں کی طرف سے فرض ادا ہو گیا۔ جیسے ہمارے ہاں نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ادا کر لی ہے تو سب کی جانب سے ادا ہو جائے گی اور اگر کسی مسلمان کی نماز جنازہ کسی نے ادا نہ کی تو سب گنہگار ہوں گے۔ یہی معاملہ قتال کا ہے۔ جیسے خلافت راشدہ میں ہوتا تھا کہ مثلاً اگر شام کے محاذ پر جنگ ہو رہی ہے اور وہاں سے مطالبہ آیا کہ دس ہزار آدمیوں کی مزید ضرورت ہے' تو اگر دس ہزار مجاہدین نکل آئیں اور باقی سب آرام سے گھروں میں رہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ جہاد اور قتال کو مترادف سمجھ لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود جہاد کو فرض عین کی بجائے فرض کفایہ سمجھ لیا گیا۔ اس کے نتیجے میں جہاد کا تصور ہمارے دینی تصورات سے بحیثیتِ مجموعی خارج ہو گیا اور اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔

(۳) کیا مسلمان کی ہر جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے؟

ایک دوسری چیز جس نے میرے نزدیک جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور پھر اس کی وجہ سے اصل بدنامی مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے' یہ مغالطہ ہے کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس غلط فہمی کے بدترین نتائج نکلے اور اس نے جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح کو بڑی طرح بدنام کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ہمارے دَورِ ملوکیت میں بادشاہ جو جنگیں کرتے تھے ان کا محرک ان کی ہوسِ ملک گیری ہوتی تھی تاکہ بڑے سے بڑے محل بنا سکیں اور زیادہ سے زیادہ محصولات (Revenues) اکٹھے ہو سکیں۔ لیکن ان جنگوں کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا۔ ظاہر ہے اس کے نتیجے میں اس مقدس اصطلاح کو تو بدنام ہونا ہی تھا۔

اس ضمن میں تازہ ترین مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ اسی صدی کے وسط یعنی پچاس کی دہائی میں الجزائر میں فرانس سے آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کا حصولِ حریت کے لئے جہاد ایک جائز جہاد ہے' مگر ہر جہادِ حُرّیت جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ لیکن الجزائر کے اس جہادِ حُریت کو جہاد فی سبیل اللہ سے لیبل کر دیا گیا تھا۔ یہ میں اپنا ذاتی تجربہ بتا رہا ہوں کہ اس زمانے میں مَیں جماعت اسلامی منٹگمری (ساہیوال) کا امیر تھا تو علامہ بشیرالابراہیمی الجزائری تشریف لائے اور ان کے ساتھ ایک آرمی افسر کرنل عودہ تھے۔ علامہ بشیرالابراہیمی الجزائری معروف دینی شخصیت تھے۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ پر بڑی جوشیلی تقریر کی' جو عربی میں تھی' لیکن اس کا مفہوم سننے والوں کو کچھ نہ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ ہم نے اپنی بساط بھر کوشش کر کے پیسے جمع کئے اور ان کی خدمت میں پیش کئے۔ لیکن اس جہاد کا نتیجہ کیا نکلا؟ جب وہ جہاد کامیاب ہوا تو وہاں ایک سوشلسٹ ریاست وجود میں آ گئی۔ عجیب بات ہے کہ جو درخت آم کا تھا اس پر برگ و بار کسی اور شے کے آ گئے۔ درحقیقت وہ جہاد جہادِ حریت تھا' جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا۔ چنانچہ جہادِ حریت کی کامیابی کی صورت میں وہاں کے ایلیٹ طبقہ کے اذہان' فکر اور نظریات کے مطابق نظام بن گیا۔

یہی حال ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں ہوا۔ افغانستان میں جو جنگ لڑی گئی وہ بنیادی طور پر جہادِ حریت' یعنی آزادی کی جنگ تھی۔ اس میں اصل زور اس وقت آیا جب روسی افواج افغانستان میں داخل ہو گئیں۔ اس موقع پر تمام علماء بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس لئے کہ ہمارے فقہی تصورات کی رو سے بھی کسی مسلمان ملک پر کسی غیر مسلم حکومت کی فوجیں حملہ آور ہو جائیں تو پھر دفاع فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس جذبے سے سرشار ہو کر پوری قوم اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے کھڑی ہو گئی۔ ہم نے اس کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کا لیبل دے دیا اور دنیا بھر میں اس کا ایسا ڈنکا بجایا کہ جذبہ شہادت سے سرشار رضا کار پوری دنیا سے کھنچ کر چلے آئے۔ جو لوگ باہر سے آئے میں سمجھتا ہوں ان کے دل میں وہی جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ تھا' لیکن افغانستان میں جہاد کی اصل کیفیت اور نوعیت تو جہادِ حریت کی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روسی افواج نکل گئیں اور آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور یہ جہاد فی سبیل اللہ فساد فی سبیل اللہ بن گیا۔ کچھ عرصے بعد عربی مدارس کے نوجوان طالب علم اٹھے جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کی بات نہیں کی' بلکہ جہاد فی سبیلِ

الامن' یعنی امن قائم کرنے کے لئے جہاد کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ وہ علماء تھے لہٰذا انہوں نے جن علاقوں کا کنٹرول سنبھالا وہاں اسلامی شریعت نافذ کی۔ ورنہ وہاں کے جہادِ حریت میں تو تمام طبقے شریک تھے' جس طرح ایرانی انقلاب میں مختلف گروہوں نے مل کر شاہ کے خلاف جدوجہد کی تھی۔ ان میں تودہ پارٹی' بائیں بازو کی جماعتیں اور مجاہدین خلق کے ساتھ ساتھ علماء بھی اس جدّوجہد میں شریک تھے۔ اسی طرح ہمارے ہاں اینٹی بھٹو تحریک کا معاملہ تھا۔ ایران میں اُس تحریک کی قیادت علماء کے ہاتھ میں آگئی اور علماء ہونے کے ناطے انہوں نے وہاں اپنی فقہ کے مطابق اسلامی قوانین نافذ کئے اور اسلامی شعائر کی تنفیذ کی۔ اسی طرح کا معاملہ افغانستان میں طالبان کے ذریعے ہوا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لوازم و مراحل نہ ایران میں پورے ہوئے نہ افغانستان میں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیّت ولزوم

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اس کے لزوم کے ضمن میں قرآن مجید سے بیسیوں آیات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے' لیکن میں یہاں صرف دو مقامات کے حوالے دے رہا ہوں۔

جہاد : ایمانِ حقیقی کا جزوِلازم

قرآن کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا جزوِ لازم ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ایمان مکمل نہیں! میں الفاظ استعمال کروں گا کہ ایمانِ حقیقی کے دو اضافی ارکان ہیں' ایک دل میں یقین اور دوسرے عمل میں جہاد۔ اس کیلئے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ اور ۱۵ ملاحظہ کیجئے۔ آیت ۱۴ کے آغاز میں ایمان اور اسلام کو علیحدہ علیحدہ کردیا گیا :

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (الحجرات ۱۴)

"یہ بدّو دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے تم ایمان ہرگز نہیں لائے' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے (یا ہم نے اطاعت قبول کرلی) جبکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا..."

مذکورہ بالا آیت میں اسلام کا اثبات کرتے ہوئے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ جس کسی نے زبان سے کہہ دیا "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ

اللّٰہِ" وہ قانونی طور پر مسلمان شمار ہو گا۔ لیکن فرمایا گیا کہ اس مغالطے میں نہ رہنا کہ اس سے تمہیں ایمان حاصل ہو گیا ہے۔ "اِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا" کی رو سے ایک ہی جگہ دونوں اصطلاحیں آئی ہیں تو مفہوم جدا ہو جائے گا۔ چنانچہ یہاں اسلام اور ہے' ایمان اور ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ ایمان اور شے ہے' اسلام اور شے ہے تو فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایمان کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے لوازم کیا ہیں؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ اس اعتبار سے میں کہتا ہوں کہ سورۃ الحجرات کی یہ دو آیات ایمان حقیقی کی تعریف پر قرآن کا ذروۂ سنام ہیں۔ اس لئے کہ اس تمہید کے بعد کہ اسلام اور ہے' ایمان اور ہے' اور یہ کہ تمہارا اسلام تسلیم لیکن تمہارا ایمان کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں' فرمایا :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○

نوٹ کیجئے اس آیت کے آغاز میں بھی اور اختتام پر بھی اسلوب حصر ہے۔ اسلوبِ حصر کو اس مثال سے سمجھئے کہ ایک جملہ تو یہ ہے کہ " زید عالم ہے "۔ اس سے ایک مفہوم آپ کے ذہن میں آ گیا کہ زید عالم ہے۔ اب اگر اس جملے میں "ہی" کا اضافہ ہو جائے کہ " زید ہی عالم ہے " تو اب یہاں گویا باقی کی نفی ہو گئی کہ جس گروہ کا ذکر ہو رہا تھا ان میں سے عالم صرف ایک ہے اور وہ زید ہے' باقی سب عالم نہیں ہیں۔ اس کو اسلوبِ حصر کہتے ہیں۔ "اِنَّمَا" کلمۂ حصر ہے اور آخر میں "اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" میں پھر حصر ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ایمانِ حقیقی کی تعریف کو دو طرح سے حصر کے اندر لے کر بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے میں اسے جامع و مانع تعریف کہتا ہوں کہ جس کے اندر کسی شے کے لازمی اجزاء بھی آ جائیں اور کوئی خارجی شے شامل بھی نہ ہو سکے۔ اس لحاظ سے یہ ایمان کی جامع اور مانع تعریف ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے :

" (حقیقی) مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر ہرگز شک میں نہیں پڑے۔ اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اپنی جانوں اور مال کے ساتھ' صرف یہی سچے لوگ ہیں۔"

یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے جہاں ایمان کے بعد ﴿ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا ﴾ کا اضافہ ہے جس سے

معلوم ہوا کہ وہ ایمان مطلوب ہے جو یقین کی شکل اختیار کر گیا ہو۔ یقین بھی ایسا کہ اس کے ساتھ شکوک و شبہات جڑے ہوئے نہ ہوں۔ ایمانِ حقیقی کی پہلی شرطِ لازم تو یہ ہوئی۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

اس بات کو اب ذرا وضاحت سے سمجھئے۔ دیکھئے! اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات میں اس حوالے سے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے بعض مفسرین نے' خاص طور پر جو کسی دعوتی جدوجہد کو لے کر کھڑے ہوئے' کوشش کی ہے کہ جہاد کو بھی ارکانِ اسلام میں داخل کر لیں۔ یہ اس کی اہمیت کے پیش نظر کیا گیا' لیکن میرے نزدیک یہ کوشش غلط ہے۔ ارکانِ اسلام معین ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ (۱) اس بات کی شہادت کہ اللہ کے بغیر کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوۃ دینا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔"

ان پانچ ارکان میں سے ہم نہ کسی کو کم کر سکتے ہیں نہ اس میں کسی کا اضافہ کر سکتے ہیں۔

میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے۔ چنانچہ "ایمان" میں یہ پانچوں ارکانِ اسلام تو شامل رہیں گے' یہ اس کا جزوِ لازم ہیں' البتہ اس میں دو کا اضافہ ہو جائے گا۔ ایک یہ کہ "شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے ساتھ یقین قلبی کا اضافہ کر لیں اور دوسرے عمل میں جہاد کا اضافہ کر لیں۔ اس کے لئے ایک مثال یہ ہے کہ روشنی کی کرن جب منشور (Prism) میں سے گزرتی ہے تو اس کے سات رنگ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان سات کے ساتھ دو رنگ اور بھی ہوتے ہیں (Infra red اور Ultra violet) جو نظر نہیں آتے۔ اسی طرح یہ پانچ ارکان تو رہیں گے۔ "اسلام" گویا پہلی منزل ہے اور "ایمان" اس کے اوپر بالاتر منزل ہو گی۔ پہلی منزل کے یہ پانچوں ستون

تو دوسری منزل میں بھی ناگزیر ہیں ' لیکن یہاں دو ستون اضافی ہو جائیں گے ' قلب میں یقین اور عمل میں جہاد۔ یعنی ایمانِ حقیقی کے بارے میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کے سات ارکان ہیں : یقینِ قلبی ' شہادۃِ لسانی ' نماز ' روزہ ' حج ' زکوٰۃ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ بہرحال مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایمان کی تعریف کا جزوِ لازم جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اُخروی نجات کا لازمی تقاضا

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اس کے لزوم کے ضمن میں قرآن حکیم کا دوسرا مقام سورۃ الصّف کی دو آیات ہیں ' جن سے بالکل واضح ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر نجات نہیں ہے ' عذابِ الٰہی سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الصف ۱۰'۱۱)

"اے ایمان کے دعوے دارو! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اس کاروبار کی طرف کہ جو تمہیں عذابِ الیم سے چھٹکارا دلا دے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر (جیسے کہ ایمان لانے کا حق ہے) اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم واقعتاً صحیح علم رکھتے ہو۔"

آیت کے آغاز میں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ ایمان تو پہلے بھی موجود تھا' لیکن اس کے بعد جو یہ فرمایا گیا کہ "ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر" تو معلوم ہوا کہ وہ ایمان قانونی درجے کا ایمان تھا اور یہاں حقیقی ایمان کی بات کی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔" معلوم ہوا کہ ازروئے قرآن جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر نجات کا کوئی امکان نہیں ' کیونکہ اس آیت میں جہاد کے بغیر نجات کی نفی ہو رہی ہے۔

جہاد اور قتال کا فرق

البتہ ایک بات سمجھ لیجئے کہ یہ معاملہ قتال کا نہیں ہے ' بلکہ یہ جہاد کی بحث ہو رہی ہے۔ "قتال" کے ضمن میں سورۃ النساء کی آیت ۹۵ بہت اہم ہے۔ فرمایا :

﴿ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

"مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں (یعنی قتال نہیں کرتے) اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں (یہاں جہاد کا لفظ قتال کے معنی میں آیا ہے) دونوں کی حیثیت برابر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بہت بڑا درجہ دیا ہے ان لوگوں کے مقابلے میں جو بیٹھے رہنے والے ہیں۔ اور (ان دونوں میں سے) ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر دیا ہے۔"

میں عرض کر چکا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں صرف غزوۂ تبوک کے وقت نفیرِ عام ہوئی تھی' اس سے پہلے جتنی جنگیں ہوئیں ان میں صرف تشویق و ترغیب دلائی گئی کہ اے اہل ایمان' اللہ کی راہ میں نکلو! اللہ کی راہ میں جہاد کرو! لیکن اسے فرضِ عین قرار نہیں دیا گیا۔ آپؐ کی پوری جدوجہد کے دوران سوائے غزوۂ تبوک کے موقع کے' قتال سب مسلمانوں کے لئے لازم نہیں کیا گیا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ قتال ہر وقت نہیں ہوتا' اور جب ہو تو عام حالات میں وہ فرض کفایہ ہوتا ہے' سوائے اس کے کہ نفیرِ عام ہو۔ چنانچہ قتال فرضِ عین نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی قتال کے لئے نہیں نکلا تب بھی اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو گیا' بلکہ فرمایا: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ "(ان دونوں میں سے) ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے"۔ لیکن قتال فی سبیل اللہ کے لئے جانیں ہتھیلی پر رکھ کر نکل آنے والوں کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اس کے مقابلے میں غزوۂ تبوک کے موقع پر نفیرِ عام تھی' لہٰذا اس موقع پر یہ انداز اختیار فرمایا گیا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۚ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ... ﴾ (التوبة . ۳۸'۳۹)

"اے اہلِ ایمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ نکلو اللہ کی راہ میں (جنگ و قتال کے لئے) تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے۔ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دے بیٹھے ہو؟ (اور اگر تم نے دنیا کی زندگی پسند کر لی ہے) تو جان لو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سرو سامان آخرت میں بہت تھوڑا ثابت ہو گا۔ اور اگر تم (قتال کے لئے) نہیں نکلو گے تو سن رکھو کہ اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔"

یہ دو مقامات میں نے ایک دوسرے کے مقابلے میں آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جب قتال فرضِ عین بن جائے' یعنی نفیرِ عام ہو تو اس کی صورت اور ہو گی' ورنہ عام حالات میں قتال فی سبیل اللہ فرض کفایہ ہے' فرضِ عین نہیں ہے اور اس کے لئے تشویق و ترغیب سے کام لیا جائے گا۔ البتہ جہادِ فی سبیل اللہ کے بغیر نجات کا کوئی تصور ممکن نہیں۔

"جہاد" کی لغوی بحث

اب آیئے ذرا لغوی طور پر جائزہ لیں کہ یہ لفظ کہاں سے بنا ہے اور اس نے درجہ بدرجہ ایک اصطلاح کی شکل کیسے اختیار کی ہے۔ ظاہر بات ہے ہمارے دین کی اصطلاحات عربی زبان ہی سے اختیار کی گئی ہیں اور پہلے سے مستعمل الفاظ میں کچھ اضافی معانی داخل کر کے انہیں اصطلاحات کی شکل دی گئی ہے۔ "جہد" کے لفظ سے ہر شخص واقف ہے کہ اس کا مادہ "ج' ہ' د" ہے۔ جہد کے معانی کسی چیز کے حصول کے لئے محنت اور کوشش کرنے کے ہیں۔ یعنی to strive for something لیکن جب یہ لفظ باب مفاعلہ میں آئے گا (جہاد / مجاہدہ) تو یہاں اب دو طرفہ عمل ہو جائے گا' یعنی جہد کے مقابلے میں جہد' کسی رکاوٹ کے مقابلے میں محنت اور کوشش۔ انگریزی میں اسے to struggle against something کے الفاظ سے تعبیر کریں گے۔ اس کے

ساتھ ہمیشہ against کا صلہ (prepostıotn) استعمال کرتے ہیں' جبکہ to strive کے ساتھ for استعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ جہد یکطرفہ عمل ہے' آپ کسی کام کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن جہاد وہ دو طرفہ کوشش ہے جبکہ کوئی مقابلے میں ہو' یعنی آپ بھی کوشش کر رہے ہیں تو کوئی دوسرا بھی کوشش کر رہا ہے۔ کوشش کا کوشش سے مقابلہ ہو رہا ہے۔ کوشش کا کوشش سے تقابل ہو تو یہ جہاد ہے۔ بالکل اسی طرح قتل اور قتال کا معاملہ ہے۔ قتل بالکل ایک یکطرفہ عمل ہے۔ ایک شخص جا رہا تھا کسی نے اس کو گولی مار دی' جبکہ اس کے سان گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کوئی مجھے گولی مار دے گا۔ لیکن قتال یا مقاتلہ (باب مفاعلہ میں) کا مفہوم یہ ہو گا کہ دو فریق ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہیں' یا ایک فوج دوسری فوج کے مقابلے میں ہے۔ جہد اور قتل کے الفاظ تو اردو زبان میں عام مستعمل ہیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔

"جہاد" بطور اصطلاح

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جہاد کی اصطلاح کس مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں جہاد کا لفظ سب سے پہلے مکی سورتوں میں آیا ہے' لیکن وہاں "جہاد فی اللہ" کے الفاظ آئے ہیں "جہاد فی سبیل اللہ" کے نہیں۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں فرمایا : ﴿وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ "جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔" اسی طرح سورۃ العنکبوت کی آخری آیت ملاحظہ فرمائیں' ارشاد ہوا : ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "جو لوگ ہمارے لئے جہاد کریں گے (محنت' کوشش' جدّ و جہد کریں گے) ہم ان کے لئے اپنے راستے کھولتے چلے جائیں گے (اور ان کے لئے رہنمائی دیتے چلے جائیں گے)"۔

اس سے آگے بڑھ کر پھر مدنی سورتوں میں اس کے ساتھ لفظ "سبیل" کا اضافہ ہو گیا اور جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد) ایک اصطلاح بن گئی۔ اسی طرح "قتال فی سبیل اللہ" بھی ایک اصطلاح بن گئی۔

انسان جو جدّ و جہد اور محنت کرتا ہے اس میں وہ دو چیزیں کھپاتا ہے' یعنی مال اور جان۔ لہٰذا جہاد کے ساتھ "بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ" کے الفاظ آتے ہیں۔ یعنی آپ کے

پاس جو بھی وسائل و ذرائع ہیں' جو بھی اللہ نے آپ کو دولت دی ہے اس کو اس مقصد کے لئے خرچ کیجئے' اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت' سمجھ' شعور اور ذہانت دی ہے اس کو بھی اللہ کی راہ میں لگایئے۔

جہاد فی سبیل اللہ "بِالْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ" کے علاوہ "بِ" کے تعدیہ کے ساتھ قرآن مجید میں تو صرف ایک اصطلاح مزید آئی ہے اور وہ ہے "جہاد بالقرآن" یعنی قرآن کے ذریعے سے جہاد۔ جہاد کے لئے ہتھیار کیا ہو گا؟ کس چیز سے جہاد کریں گے؟ قرآن کے ذریعے سے! "جہاد بالقرآن" کی اصطلاح سورۃ الفرقان میں وارد ہوئی ہے' جس کا آغاز ہی ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ ﴾ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ یعنی "نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے خبردار کر دینے والا ہو"۔ اس سورۃ کے تانے بانے میں قرآن مجید سے متعلق مضامین بُنے ہوئے ہیں۔ اسی میں فرمایا گیا: ﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ۝ ﴾ (آیت ۵۲) "پس (اے نبی) آپ ان کافروں کی بات ہرگز نہ مانیں اور اس قرآن کے ذریعے سے ان کے خلاف پورے زور و شور سے جہاد جاری رکھئے!" ("جہاد بالقرآن" کے موضوع پر میرا کتابچہ بھی موجود ہے' جس میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔)

اس ضمن میں حدیث میں تین اصطلاحات مزید آئی ہیں۔ (۱) جہاد بالقلب : کسی شے سے شدید قلبی نفرت' یہ بھی درحقیقت ایک جہاد ہے۔ (۲) جہاد باللسان : کسی برائی کے خلاف زبان کھولنا۔ یہ اس کا اگلا درجہ ہے۔ (۳) جہاد بِالید : ہاتھ سے یعنی طاقت اور قوت سے برائی کے خلاف کوشش کرنا۔ یہ گویا کہ سب سے اونچا درجہ ہے۔ یہ درجات صحیح مسلم کی دو احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ پہلی حدیث حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا :

((مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ' وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ (کی قوت) سے اس کو بدل ڈالے۔ پھر اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس کے

خلاف آواز اٹھائے)، لیکن اگر وہ اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (اس برائی سے نفرت رکھے)، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

اسی مضمون کو لفظ جہاد کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اللہ نے کسی نبی کو اُس کی اُمّت کی طرف مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے کچھ نہ کچھ صحابی اور حواری ہوتے تھے جو اس کی سنّت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے، لیکن بعد میں ایسے ناخلف لوگ آ جاتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔

((فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ))

"پس جو ایسے لوگوں کے خلاف اپنے ہاتھ (طاقت) سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہو گا، اور جو ان کے خلاف اپنی زبان سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہو گا، اور جو ان کے خلاف اپنے دل سے جہاد کرے گا (ان کے کرتوتوں سے شدید نفرت رکھے گا) وہ مؤمن ہو گا، اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔"

واضح رہے کہ عام طور پر قتال کے لئے "جہاد بِالسّیف" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح "ب" کے اضافے کے ساتھ یہ پانچ اصطلاحیں ہمارے سامنے آگئیں:

جہاد بالقرآن، جہاد بالقلب، جہاد باللسان، جہاد بالید، جہاد بِالسّیف۔

جہاد کی منزلیں

"جہاد فی سبیل......" کی تین منزلیں ہیں:

(۱) جہاد فی سبیل الحیاۃ

جہاد فی سبیل...... کی پہلی منزل جہاد فی سبیل الحیاۃ ہے۔ یعنی زندہ رہنے کے لئے جہاد۔ اسے علامہ اقبال نے "جہادِ زندگانی" سے تعبیر کیا ہے

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں!

نظریۂ ارتقاء کے حوالے سے ایک اصطلاح Struggle for Existance اسی مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ زندہ رہنے اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ہر کسی کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور اس میں اپنے ابنائے نوع سے مسابقت (Competition) کا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کہیں ملازمت کی ایک جگہ نکلتی ہے تو اس کے لئے سینکڑوں درخواستیں آتی ہیں اور ہر درخواست کنندہ اپنا سا زور لگا رہا ہوتا ہے، سفارش کروائی جاتی ہے اور بھاگ دوڑ کی جاتی ہے۔ یہ سب اس لئے کہ معاش کی ایک شکل پیدا ہو جائے۔ "جہاد فی سبیل الحیاۃ" گویا کہ ہر ذی حیات (Living Organism) کا لازمہ ہے۔ ہر شے جو زندہ ہے اس کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے مسلسل جہاد کرنا پڑتا ہے۔ اسی تصور میں "بقائے اَصلح" (Survival of the fittest) کا تصور شامل کیا جاتا ہے۔

زندگی کا یہی جہاد اگر بندۂ مؤمن کرتا ہے تو یہ اس کی عبادت کے درجے میں ہوگا، بشرطیکہ وہ احکامِ الٰہی کی پابندی کرتا ہو۔ اگر وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی معاش کمارہا ہے تو اس کے لئے "اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ" کی بشارت ہے۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن حلال اور حرام کی حدود کو قائم رکھتے ہوئے، حلال پر اکتفا کرتے ہوئے اور حرام سے قطعی بچتے ہوئے "جہاد فی سبیل الحیاۃ" کر رہا ہے تو یہ اس کے لئے عبادت کے درجے میں ہے۔ تاہم اس کے لئے ایک اور خاص قسم کے جہاد کی ضرورت ہوگی، جو بعد میں بیان کیا جائے گا۔

(۲) جہاد فی سبیل الحقوق

"جہاد فی سبیل الحیاۃ" سے بلند تر منزل "جہاد فی سبیل الحقوق" کی ہے۔ اپنے حقوق کی جدوجہد میں سب سے بڑا جہاد "جہاد فی سبیل الحریت" ہے۔ آزادی ہر انسان کا حق ہے اور آزادی کے حصول کیلئے جہاد مسلمان اور غیر مسلم سب کرتے رہے ہیں۔ تیسری دنیا نے نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کی تو محنت، جدّوجُہد اور جہاد کے نتیجے میں۔ عجیب بات یہ ہے کہ سب لوگوں نے آزادی کی راہ میں جان دینے والوں کیلئے "شہید" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہندو بھی شہید کا لفظ ہی استعمال کرتے ہیں۔ جن مجاہدینِ آزادی نے

اپنی جانیں قربان کیں وہ ان کے شہداء ہیں۔ بنگلہ دیش میں جن لوگوں نے پاکستان سے علیحدگی کے لئے جانیں دیں ان کے لئے بھی شہداء بنگلہ دیش کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

جہاد فی سبیل الحریت کو میں نے جہاد فی سبیل الحقوق سے خاص کر دیا ہے۔ اس لئے کہ شیر کے منہ میں سے نوالا نکالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ جن طبقات نے لوگوں کے حقوق غصب کئے ہوئے ہیں ان کے چنگل سے نکلنا آسان کام نہیں۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی گرفت سے نکلنا آسان نہیں۔ اسی طرح اگر کسی قوم نے دوسری قوم کو غلام بنالیا ہے تو اس سے آزادی حاصل کرنا آسان کام نہیں' لہٰذا اس کے لئے جہاد ہو سکتا ہے' بلکہ قتال کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ یہ جہاد اگر کوئی مسلمان شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے کرتا ہے تو یہ جائز ہے' اور اگر اس میں اپنی جان دیتا ہے تو وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوتا ہے' اگرچہ درجے کے اعتبار سے یہ شہادت وہ نہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں جان دینے سے ہوتی ہے۔ ؏ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی! شہادت کے درجات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا' لیکن بہرحال یہ مرتبہ شہادت ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا : ((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ)) "جو کوئی اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا تو وہ شہید ہے۔" یعنی کسی مؤمن پر اگر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے تو اس کے سامنے دو راستے ہیں' یا تو وہ کہے کہ میری جان بخشی کرو اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ لے لو' اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے مال کی حفاظت میں ڈٹ جائے اور مقابلہ کرے۔ اس صورت میں اگر وہ مارا گیا تو اس کا درجہ شہادت کا ہے۔

(۴) نظریہ اور نظام کی سطح پر جہاد

اگر آپ کسی خاص نظریئے کے قائل ہو گئے ہوں' اس کی حقانیت آپ کے دل میں بیٹھ گئی ہو اور اب آپ چاہتے ہوں کہ اس نظریئے کا پرچار ہو' اس نظریہ پر مبنی نظام قائم ہو اور اس کے منافی نظام کو ختم کیا جائے اور اس پورے نظام کی دھجیاں بکھیر دی جائیں۔ (علامہ اقبال کے الفاظ میں "برہم زن" اور شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں فَکُّ کُلِّ نِظَامٍ) تو یہ جہاد کی بلند ترین منزل ہے۔ اس کا تعلق انسان کے خیالات' نظریات' عقائد اور سوچ و فکر سے ہے۔ ظاہر بات ہے پھر اس نظریئے پر مبنی جہاد ہو گا۔ اپنے پسندیدہ نظریئے کو پھیلانا' عام کرنا اور اس نظریئے پر مبنی نظام قائم کرنے کے لئے جہاد نظریاتی جہاد ہو گا۔

فرض کیجئے اگر کسی کے ذہن میں اشتراکیت کا فلسفہ بیٹھ گیا اور وہ اسی کو صحیح سمجھتا ہے' تاریخ کی یہی تعبیر اسے درست معلوم ہوتی ہے تو اب اگر اس نے اس نظریئے کو پھیلایا اور اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی تو یہ جہاد فی سبیل الاشتراکیہ ہے۔ اسی طرح عوام کے جمہوری حقوق کے لئے آواز اٹھانا' جاگیرداری نظام سے آزادی حاصل کر کے جمہوریت کے قیام کی جدّوجہد کرنا جہاد فی سبیل الدیموکراتیہ ہے۔

اسی طرح ایک جہاد فی سبیل الشرک ہے' یعنی شرک کے حق میں جہاد کرنا۔ اس معنی میں یہ لفظ (جہاد) قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے کہ مشرک والدین اگر تم سے جہاد کریں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو تو ان کی اطاعت مت کرنا۔ سورۃ العنکبوت میں الفاظ آئے ہیں ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ اور سورۂ لقمان میں فرمایا ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ مشرک والدین کے نوجوان بیٹے جب ایمان لے آئے تو ان پر مشرک والدین کا بھرپور دباؤ یہ تھا کہ واپس آ جاؤ اور اس دین کو چھوڑ دو۔ ان کا دباؤ اور کوشش درحقیقت جہاد فی سبیل الشرک' فی سبیل الکفر اور فی سبیل الطاغوت تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ آیت بھی آئی ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ .﴾ (النساء : ۷٦) "جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں......" ظاہر بات ہے بدر میں ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آئے تھے' لہٰذا وہ بھی مجاہد تھے' لیکن وہ مجاہد فی سبیل الشیطان' فی سبیل الشرک اور فی سبیل الطاغوت تھے۔ جب کہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ مجاہدین فی سبیل اللہ تھے۔

یہاں آ کر اب "جہاد فی سبیل اللہ" کی اصطلاح معیّن ہوئی۔ "جہاد" کی تیسری منزل کسی نظریئے اور نظام کی بنیاد پر جہاد ہے ـــــ اور اسلام میں وہ نظریہ ایمان ہے۔ ایمان کے اس نظریئے پر ایک نظام قائم ہوتا ہے۔ اس نظام کو قائم کرنے کی جدوجُہد "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی منازل

جہاد فی سبیل اللہ کی تین منزلیں ہیں :

① پہلی منزل کے تین جہاد

۱۔ جہاد مع النفس : پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی بندۂ مؤمن جہاد فی سبیل الحیاۃ یعنی زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے تو اگر وہ یہ جدوجہد حلال و حرام کی حدود کو پیش نظر رکھتے ہوئے' یعنی حرام سے بالکلیہ اجتناب کرتے ہوئے اور صرف حلال پر اکتفا کرتے ہوئے کر رہا ہے تو وہ اس کے لئے عبادت کے درجے میں ہے۔ اپنے آپ کو احکامِ شریعت کا پابند بنانے کے لئے بھی جہاد کی ضرورت ہے اور یہ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل ہے۔ خود مسلمان ہونے کے لئے' خود اللہ کی اطاعت پر کاربند رہنے کے لئے' شریعت کو اپنے اوپر نافذ کرنے کے لئے' اپنے وجود پر اللہ کا حکم قائم کرنے کے لئے' خود اپنی ذات پر خلافت کا نظام قائم کرنے کے لئے جہاد کرنا جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل ہے۔

واضح رہے کہ اولین ہونے کے ناطے یہ اہم ترین بھی ہے۔ اس لئے کہ اس پہلی منزل پر دوسری منزل تعمیر ہوگی جو بلند تر ہوگی' اُس کے اوپر تیسری منزل اس سے بھی بلند تر ہوگی۔ لیکن اہم ترین پہلی منزل ہے' کیونکہ پہلی منزل وجود میں آئے گی تو اس پر دوسری منزل بنے گی اور دوسری منزل موجود ہوگی تو تیسری بنے گی۔ اوپر کی دونوں منزلوں کی پختگی اور مضبوطی کا دارومدار بالکلیہ پہلی منزل پر ہے۔ اس حوالے سے جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند ہونے کے لئے جہاد کیا جائے۔ اس کے لئے سب سے پہلے اپنے نفس امارہ کے خلاف جہاد ضروری ہے۔

ایمان کا نور قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا : ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ﴾ (النور : ۳۵) "اُس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہو۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہاں "فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ" کے الفاظ محذوف ہیں۔ یعنی "مَثَلُ نُوْرِهٖ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ"۔ مؤمن کے دل میں جو نورِ ایمان آتا ہے وہ دو اجزاء نورِ فطرت اور نورِ وحی پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں فرمایا

"نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ"۔

اب انسان میں حیوانی تقاضے (Animal Instincts) بھی موجود ہیں جو بہت زوردار ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ زندہ رہنے کا تقاضا بہت شدید ہے' زندہ رہنے کے لئے اسے کھانے پینے کو بھی چاہئے' اسے رزق اور تسکین چاہئے۔ پھر صرف یہ نہیں کہ وہ ضرورت کی حد تک ہو بلکہ اس میں کچھ لذّات بھی ہوں' اللہ نے Taste Buds پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پھر یہ کہ اپنی نسل کی بقاء کے لئے اس کے اندر ایک جنسی جذبہ موجود ہے۔ فرائڈ کے نزدیک تو یہ انسان کے اندر سب سے قوی جذبہ ہے اور انسانی محرکاتِ عمل میں یہ جذبہ سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔ انسان کے خاکی وجود میں جو حیوانی داعیات موجود ہیں وہ تو اپنی تسکین چاہتے ہیں۔ انہیں حلال و حرام سے کوئی غرض نہیں۔ چنانچہ پیٹ بھرا ہونا چاہئے۔ زبان کو چٹخارہ چاہئے۔ جنسی جذبہ بھی اپنی تسکین چاہتا ہے' یہ تمام instincts اندھے ہیں۔ انہیں جائز و ناجائز اور حلال و حرام سے کوئی بحث نہیں۔ یہ گویا کہ انسان پر دباؤ ڈالتے ہیں اور اسے مجبور کرتے ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت ۵۳ میں اس کی تعبیر یوں کی گئی ہے : ﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ﴾ "نفس تو بدی پر اکساتا ہے" یعنی ہمارے اندر کا حیوان جو تمام حیوانی تقاضے رکھتا ہے' انسان کو برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ گویا ؎

"ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!"

کے مصداق انسان کو اس کی روح نیکی کی طرف کھینچ رہی ہے اور دوسری طرف اس کا نفس اسے برائی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ چنانچہ ہمارے اندرونی میدانِ جنگ میں کشاکش خیر و شر برپا ہے' جس کے دو فریق ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی کر رہے ہیں۔ نفس انسانی کے لئے مولانا روم نے اس شعر میں بہترین تعبیر کی ہے۔ ؎

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست
لیکن او را عون ایں را عون نیست!

یعنی یہ میرا نفس بھی فرعون سے کم نہیں ہے۔ اس لئے کہ جیسے فرعون نے کہا تھا کہ ﴿ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ﴾ "کیا مصر کی حکومت میری

نہیں ہے؟ اور یہ سارا آبپاشی کا نظام میرے کنٹرول میں نہیں ہے؟" مَیں جس کا پانی چاہوں جاری رکھوں اور جس کا چاہوں بند کر دوں' یہ میرے اختیار میں ہے۔ اسی طرح یہ نفس کہتا ہے کہ یہ وجود میرا ہے' اس پر میرا حکم چلے گا' مجھے اس سے غرض نہیں کون خدا ہے' کیا اس کا حکم ہے۔ اسی طرح یہ نفس کہتا ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے' کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے' میری خواہشات' میرے جذبات اور میری شہوات کی تسکین ہونی چاہئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فرعون کے پاس لاؤ لشکر بھی تھا' مدد (فوج) تھی' لہٰذا اس نے زبان سے بھی کہہ دیا کہ ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کہ میں ہی تمہارا بڑا رب ہوں۔ لیکن میرے نفس کے پاس کوئی فوج نہیں ہے' اس کے کوئی اعوان و انصار نہیں ہیں' لہٰذا یہ زبان سے خدائی کا دعویٰ نہیں کرتا۔

اب یہاں رسول اللہ ﷺ کا نہایت حکیمانہ فرمان نوٹ کیجئے۔ آپ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ "اے اللہ کے رسول! سب سے افضل جہاد کونسا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ)) "یہ کہ تم اپنے نفس کے خلاف جہاد کرو' اسے اللہ کا مطیع بنانے کے لئے۔"

یہاں دو الفاظ "افضل" اور "اعلیٰ" کا فرق نوٹ کر لیجئے۔ "اعلیٰ" یعنی بلند ترین تیسری منزل ہے' لیکن افضل پہلی منزل ہے' اس اعتبار سے کہ یہ مضبوط اور مستحکم ہوگی تو اس پر اگلی منزل کی تعمیر کا سوال پیدا ہوگا۔ اگر یہی کمزور ہے اور اوپر آپ نے مزید بوجھ ڈال دیا تو پوری عمارت ہی بیٹھ جائے گی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے "افضل" اور "اعجب" کا فرق کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ افضل ایمان تو بلاشک و شبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے' یہاں تک کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ کا ایمان بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ "اَعجبُ الایمان" کون ہے؟ یعنی سب سے زیادہ خوبصورت' عجیب اور دل کو لبھانے والا ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے جواب میں عرض کیا کہ فرشتوں کا ایمان' جو کہ اللہ کے حضور میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ)) "وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں؟" ایمان میں ان کا اپنا کون سا کمال ہوا؟ دوسری مرتبہ صحابہؓ نے عرض کیا: رسولوں کا ایمان! آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ

وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْہِمْ)) ''وہ کیسے ایمان نہ لاتے' ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔" پھر صحابہ کرامؓ نے بڑی جرأت کر کے عرض کیا: "فَنَحْنُ" پھر ہمارا ایمان اعجب ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَالَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْہُرِکُمْ)) ''تم کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ میں تمہارے مابین بنفس نفیس موجود ہوں"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَعْجَبَ الْاِیْمَانِ اِلَیَّ لَاِخْوَانٌ الَّذِیْنَ یَاْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْہِ کِتَابُ اللّٰہِ وَیُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْھَا))

''میرے نزدیک خوبصورت ترین (اور دل کو لبھانے والا) ایمان تو ان بھائیوں کا ہوگا جو میرے بعد آئیں گے (ان کو میری صحبت سے حصہ نہیں ملے گا)' انہیں اللہ کی کتاب کے اوراق ملیں گے تو وہ اس پر ایمان لائیں گے۔"

چنانچہ اَعجب ایمان تو بعد والوں کا ہے جبکہ افضل ایمان صحابہ کرامؓ کا ہے۔ اسی طرح اعلیٰ جہاد' جہاد کی آخری منزل قتال فی سبیل اللہ ہے' لیکن افضل جہاد' جہاد مع النفس ہے۔

۲۔ شیطانِ لعین اور اس کے غیر مرئی لشکر کے خلاف جہاد : شیطان ہمارے نفسانی تقاضوں میں پھونکیں مارتا اور انہیں مشتعل کرتا ہے۔ شیطان ہمیں ورغلاتا ہے' برے راستے کو مزین کر کے دکھاتا ہے' اس لئے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا : ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ﴾ (فاطر : ۶) ''درحقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے' لہٰذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو"۔ سورۂ کہف میں شکوے کے انداز میں فرمایا : ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَھُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ط بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ ''کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت (اس کے ایجنٹ اور چیلے چانٹوں) کو اپنا دوست (اور سرپرست) بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ بہت ہی برا بدل ہے جسے ظالم لوگ اختیار کر رہے ہیں"۔ میری دوستی اور میری ولایت کو چھوڑ کر انہوں نے شیطان لعین کے ساتھ دوستی گانٹھ لی ہے؟ شیطان کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے ﴿ اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ط ﴾ (الاعراف : ۲۷) ''شیطان اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے تاکتے ہیں (اور وہاں سے حملہ آور ہوتے ہیں) جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے"۔ ایک غیر مرئی شیطان (جن) تو ہر انسان کے ساتھ لگا دیا گیا ہے جو اسے برائی پر اکساتا رہتا ہے۔

ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں : ((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ)) (متفق علیہ) یعنی "شیطان تو انسان کے وجود میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جیسے کہ خون گردش کرتا ہے"۔ اب اس کی دو توجیہات ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شیاطین چونکہ جنات ہیں اور ان کا مادۂ تخلیق نار ہے اور نار ایک لطیف شے ہے' لہٰذا اس لطافت کی وجہ سے وہ واقعتاً انسان میں سرایت ہی کر جاتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے نفس کو مشتعل کر دیتے ہوں' اور چونکہ نفس ہمارے پورے انسانی وجود کو کنٹرول کر رہا ہے' تو اس طرح گویا وہ بالواسطہ ہمارے پورے وجود میں سرایت کر جاتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۳۔ بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد : اگر کوئی معاشرہ بگڑ گیا ہے اور اس کے رجحانات غلط ہو گئے ہیں تو اس کا ایک دباؤ ہوتا ہے جو انسان کو غلط رُخ کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ ہر شخص کو ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہو گا کہ کوئی ہجوم ایک رُخ پر جا رہا ہو تو اُس رُخ پر چلنا بہت آسان ہو جاتا ہے' لیکن اس کے خلاف چلنے کے لئے بڑی مشقت و محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بڑا زور لگا کر آپ دو چار قدم ایک طرف جائیں لیکن اس ہجوم کا ایک ریلا آئے اور وہ آپ کو دھکیل کر پھر دس قدم پیچھے لے جائے۔ لہٰذا اگر معاشرے کا رخ بے حیائی کی طرف ہے' معاشرہ اللہ کی بغاوت کی طرف چل رہا ہے اور سب لوگ اس حال میں خوش و خرم' مسرور اور مگن ہیں اور وہ اس رخ پر بڑھتے چلے جا رہے ہیں' تو ان میں سے کسی ایک شخص کا اللہ کی طرف رخ کر کے بڑھنا اور "اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا" کا اعلان کرنا آسان کام نہیں ہے۔

ایسے شخص کو اس معاشرے کے خلاف شدید جدوجہد کرنی پڑے گی' اور ہو سکتا ہے کہ اسے سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے خلاف ہی جہاد کرنا پڑے۔ سورۃ التغابن میں فرمایا : ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ﴾ "اے اہل ایمان! تمہاری اپنی بیویوں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن موجود ہیں' لہٰذا ان سے بچ کر رہو"۔ اور پھر یہ کہ مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ سارا معاملہ گھر سے شروع ہو جائے گا۔ پھر رشتہ داری اور برادری کا معاملہ ہے۔ آپ نے اسی

معاشرے میں رہنا ہے اور اس کے اپنے غیر اسلامی رسوم و رواج ہیں۔ اب برادری اور قبیلے سے کیسے کٹ جائیں؟ اس کا دباؤ ہے۔ اب آپ کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ آسان راستہ تو یہ ہے کہ ع "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز!" یعنی اگر زمانہ تمہارے ساتھ موافقت نہیں کر رہا ہے تو تم زمانے کے ساتھ موافق ہو جاؤ اور اسی رنگ میں ڈھل جاؤ۔ اس طرح کھینچا تانی (friction) ختم ہو جائے گی۔ اختلاف اور مزاحمت تو اسی وقت ہوتی ہے کہ لوگ اُدھر جا رہے ہوں اور تم اِدھر آ رہے ہو' لیکن اگر تم نے بھی وہی رخ اختیار کر لیا تو سیدھا اور آسان راستہ ہے۔ لیکن جس چیز کو جہاد کہا جائے گا وہ یہ ہے کہ ع "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز!" یعنی اگر زمانہ تمہارے ساتھ موافقت نہیں کر رہا ہے تو تم زمانے سے جنگ کرو' اس کے خلاف لڑو' جہاد کرو۔

یہ تھی جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل' جس کے تین مراتب یا مدارج (sub stages) میں نے آپ کو بتائے ہیں۔

(۲) باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد

جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد ہے۔ انسان ایک متمدن حیوان ہے اور وہ معاشرے میں رہتا ہے۔ جب ایک شخص کو اللہ و آخرت پر پختہ یقین حاصل ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو شریعت کے احکام پر کاربند کر لیا تو یہاں سے بات بالکل فطری طور پر باہر نکلے گی۔ اس لئے کہ اگر آپ نے اندر کے جہاد کا مرحلہ طے کر لیا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ آپ کی شخصیت سے یہ جہاد خارج میں نہ نکلے۔ اگر یہ باہر نہیں نکل رہا تو اس کا مطلب ہے کہ اندر کہیں فساد ہے۔ اگر آپ کو آگ نظر آ رہی ہے لیکن اس کے پاس بیٹھنے سے آپ کو تپش محسوس نہیں ہو رہی تو یقیناً وہ آگ نہیں' صرف آگ کی شکل ہے۔ جیسے آج کل ایسے الیکٹرک ہیٹرز ہوتے ہیں کہ ان میں دہکتے ہوئے انگارے نظر آتے ہیں لیکن وہ انگارے نہیں ہوتے' حرارت تو کہیں اور سے آ رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح انسانی شخصیت کے اندر سے اثرات کا اپنے ماحول میں سرایت کرنا یقینی ہے۔ اس کے لئے ہمارے پاس چار شواہد ہیں :

(۱) یہ قانونِ طبعی کے تحت لازم ہے۔ آگ کی بھٹی میں سے حرات کا برآمد ہونا ایک طبعی امر ہے۔ لہٰذا اگر آپ کے اندر ایمانی حرارت کی بھٹی دہک گئی ہے تو اس حرارتِ

ایمانی کے اثرات آپ کی شخصیت سے لازماً باہر نکلیں گے۔

(۲) یہ انسان کی مروّت اور شرافت کا تقاضا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))

"تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایمان کی جو نعمت عظمیٰ تمہیں عطا فرمائی ہے اسے اپنے بھائی بند' اعزّہ و اقارب' اپنی قوم' قبیلہ' برادری اور پھر پوری نوعِ انسانی میں بانٹو اور اسے لوگوں کے ساتھ share کرو' کیونکہ یہ آپ کی شرافت اور مروّت کا تقاضا ہے۔

(۳) یہ آپ کی غیرت کا بھی تقاضا ہے کہ جس شے کو آپ نے حق سمجھا ہے اگر اس کے خلاف باطل کا غلبہ ہے تو آپ اس کے خلاف جہاد کریں اور اس کے لئے دعوت کا آغاز کریں۔ دعوت و تبلیغ نظریاتی سطح پر جہاد کا پہلا مرحلہ ہے۔ یہاں وہ لرزا دینے والی حدیث ملاحظہ کر لیجئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا :

((اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا' قَالَ فَقَالَ اِنَّ فِيْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ' قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ' فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ))

"اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں شہروں کو ان کے رہنے والوں سمیت اُلٹ دو۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے جتنی دیر بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی۔ (جبرئیل علیہ السلام کے ان الفاظ سے اس شخص کے تقویٰ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے' اور یہ بھی نوٹ کیجئے کہ اس کے تقویٰ کی گواہی دینے والا کوئی کرائے کا وکیل نہیں ہے' بلکہ جبرائیل ہیں' اور وہ اُس بارگاہ میں گواہی دے رہے ہیں جہاں ابوجہل بھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔) اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اُلٹو اُس بستی کو پہلے اُس پر اور پھر دوسروں پر' اس لئے کہ اس کا چہرہ میری غیرت و حمیت

میں کبھی متغیر نہیں ہوا۔"

آپ غور کیجئے کہ اگر کوئی آپ کو ماں کی گالی دے تو اس پر آپ کا ردعمل کیا ہو گا؟ اگر آپ کے جسم میں جان ہے تو کیا آپ اسے یونہی جانے دیں گے؟ ہرگز نہیں! فرض کیجئے آپ کمزور رہیں تو بھی کم سے کم آپ کے پورے جسم کا خون آپ کے چہرے پر سمٹ آئے گا اور آپ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھے گا۔ لیکن اگر اللہ کے احکام ٹوٹ رہے ہوں' ان کی دھجیاں بکھر رہی ہوں' باطل کا ڈنکا بج رہا ہو' طاغوت کا بول بالا ہو اور بندۂ مومن فقط "اللہ اللہ" کرنے میں لگا ہوا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کوئی مجرم نہیں۔ یہی تو ابلیس چاہتا ہے کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

اُس عابد و زاہد شخص پر اللہ تعالیٰ کا غضب خاص طور پر اس لئے نازل ہوا کہ دوسرے لوگ تو غافل تھے' اُنہیں اللہ سے کوئی تعلق نہیں تھا' ان کا اللہ سے کوئی تعارف نہیں ہوا اور حق ان پر منکشف نہیں ہوا تھا۔ یہ عبادت گزار' طاعت گزار' عابد و زاہد شخص اور اس نے اللہ کے معاملے میں اس قدر بے حسی اور بے غیرتی کا مظاہرہ کیا کہ اس کا چہرے کا رنگ کبھی اللہ کی غیرت میں متغیر نہیں ہوا! آپ اگر اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو اس کے لئے آپ کے اندر غیرت ہونی چاہئے۔ آپ دین کو مانتے ہیں تو آپ کے اندر دینی حمیت ہونی چاہئے۔

<u>دعوت و تبلیغ</u> : باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد کے لئے دین کی بہت سی اصطلاحات ہیں۔ مثلاً "دعوت و تبلیغ" ایک اصطلاح ہے۔ ان دونوں الفاظ میں بڑا پیارا رشتہ ہے۔ تبلیغ میں آپ کسی کے پاس اپنی بات پہنچانے کے لئے جاتے ہیں اور دعوت میں آپ اُسے کھینچ کر اپنی بات کی طرف لے آتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ اسی طرح اس کے لئے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور "وعظ و نصیحت" جیسی اصطلاحات بھی مستعمل ہیں۔ اور اس ضمن میں جامع ترین اصطلاح "شہادت علی الناس" ہے' یعنی دعوت کا حق اس حدّ تک ادا کر دینا کہ قیامت کے دن کھڑے ہو کر یہ گواہی دے سکو کہ اے اللہ! ہم نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یہ اصلاً انبیاء و رُسل کی ذِمّہ

داری تھی، جو ختمِ نبوت کے نتیجے میں اس اُمّتِ مسلمہ کے سپرد کردی گئی ہے۔ سورۃ الحج کے آخری رکوع میں فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ﴾ (الحج ۔ ۷۵)

"اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے بھی اپنے ایلچی اور پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی۔"

رسول، اللہ تعالیٰ کے چُنے ہوئے برگزیدہ بندے تھے۔ ان کے پاس اللہ کا پیغام فرشتوں کے ذریعے آتا تھا جو وہ لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ جب لوگ اس پیغام کو فراموش کر دیتے تو اس کی یاد دہانی کے لئے ایک اور رسول آجاتا۔ فرشتہ اور رسول دونوں ہی اللہ کے فرستادہ اور پیغمبر ہوتے تھے، ایک رسولِ ملک ہوتا اور ایک رسولِ بشر۔ یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ تک چلتا رہا، جو اللہ کے آخری رسول ہیں۔ رسولِ ملک جبرائیل علیہ السلام ہیں اور رسولِ بشر محمد ﷺ۔ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ سے پیغام لے کر محمد ﷺ کو پہنچایا اور محمد ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے لے کر امت کو پہنچایا۔ اب امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے پوری نوعِ انسانی کو پہنچائے۔ اس لئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ آخری رسول ہیں اور وہ تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ (سبا ۔ ۲۸)

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔"

یہ آیت تو بعد میں نازل ہوئی تھی، حضور ﷺ نے تو یہ بات اپنے بالکل ابتدائی خطبے میں ارشاد فرما دی تھی۔ جب آپ نے بنو ہاشم کو دعوت دے کر جمع کیا اور کھانا کھلایا تو اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ الفاظ موجود ہیں :

((وَاللّٰهِ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنِّىْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَاِلَى النَّاسِ كَآفَّةً))

"اُس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم۔"

اب ظاہر بات ہے کہ دعوت و تبلیغ کا یہ حق کون ادا کرے گا؟ امت کے خلاف

شہادت تو محمدؐ رسول اللہ ﷺ دیں گے کہ اے اللہ! تیرا جو پیغام آیا تھا وہ میں نے ان کو پہنچا دیا تھا۔ اسی لئے حجۃ الوداع میں آپؐ نے ایک لاکھ سے زائد مجمع سے یہ گواہی لے لی :
((اَلاَ هَلْ بَلَّغْتُ)) "لوگو! میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا یا نہیں؟" جواب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا :

((اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ))

"ہاں! ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے رسالت کا حق ادا کر دیا ہے' امانت کا حق ادا کر دیا ہے' امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے' اور آپؐ نے تمام ضلالتوں اور گمراہیوں کے اندھیروں کو چھانٹ کر رکھ دیا ہے۔"

یہ گواہی تین دفعہ دہرائی گئی۔ اس کے بعد آنحضور ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا : "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!" "اے اللہ تو بھی گواہ رہ! اے اللہ تو بھی گواہ رہ! پھر آپؐ نے فرمایا : ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) یعنی "اب یہ ان کی ذمہ داری ہے جو یہاں موجود ہیں کہ پہنچائیں ان کو جو یہاں موجود نہیں ہیں"۔ اس میں وہ تمام انسان شامل ہو گئے جو اُس وقت موجود تھے اور جو موجود نہیں تھے اور جو قیامت تک دنیا میں آئیں گے۔ یہی وہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری ہے جس کے لئے اس امت کی تشکیل ہوئی ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی مذکورہ بالا آیت آپ نے ملاحظہ کی جس میں فرمایا گیا :

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ ۭ ﴾

"اللہ پسند کر لیتا ہے اپنے فرشتوں میں سے بھی پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی۔"

اور آخری آیت میں فرمایا :

﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰكُمْ . . ﴾

(الحج . ۷۸)

"اور جہاد کرو اللہ کی خاطر جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے کام کے لئے بحیثیتِ اُمّت) چن لیا ہے۔"

پہلے رسالت کی دو کڑیاں تھیں' رسولِ ملک اور رسولِ بشر' اور اب رسالت کی تیسری کڑی یہ اُمت ہے' جس کے ذمے پوری نوعِ انسانی تک شہادت علی النّاس کا فریضہ ادا

کرنا ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے آخر میں یہ الفاظ وارد ہوئے :

﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾

"تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو"

سورۃ البقرۃ میں اس مضمون کو کھول کر بیان فرمایا گیا کہ اس امت کی تاسیس کی غرض و غایت ہی یہ ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (البقرۃ ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک اُمّتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔"

ظاہر بات ہے یہ کام محنت و مشقت چاہتا ہے' اس کے لئے جان' مال اور وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ دعوت کو انسانوں تک پہنچا دینا آسان کام نہیں ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اس دوسری منزل کے مزید تین درجات ہیں' جو سورۃ النحل میں بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا :

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾ (النحل ۱۲۵)

"(اے نبیؐ !) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ' اور لوگوں سے مباحثہ کیجئے ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ آپ کا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

اس آیت میں سوسائٹی کے اندر موجود تین طبقات کی نشاندہی کی گئی ہے اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ان طبقات کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ لوگوں نے دعوت و تبلیغ کو بہت آسان کام سمجھ رکھا ہے ؎ "لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!" گویا کہ دعوت و تبلیغ بہت آسان کام ہے کہ تقریر کی' قصے کہانیاں بیان کئے اور کہہ دیا : "وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ"۔ گویا کہ ہم نے بلاغ کی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔

ا۔ از روئے قرآن بلاغ و تبلیغ کے تقاضوں میں سرفہرست "دعوت بالحکمۃ" ہے' یعنی حکمت اور دانائی کے ساتھ دعوت۔ اس حکمت و دانائی کو عام لوگوں نے غلط فہمی کی بنا پر حکمت عملی سمجھا ہے' یعنی آدمی کو دیکھو' اس کی نفسیات وغیرہ مدنظر رکھو۔ اس بات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس کی نفی نہیں' لیکن یہاں "بِالحکمۃ" ان معنوں میں نہیں آیا' بلکہ "المَوعظۃ الحَسنۃ" کے مقابلے میں آ رہا ہے' یعنی دلیل' برہان argument کے ساتھ دعوت دی جائے۔ قرآن اپنے مخالفین سے دلیل مانگتا ہے :
﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ "کہہ دیجئے کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو"۔ مخالفین کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اسلام کے مبلغین سے دلیل اور برہان طلب کریں اور اپنے اعتراضات کے جواب مانگیں۔

اس حوالے سے نوٹ کر لیجئے کہ انسانی معاشرے میں ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جسے معاشرے کے دماغ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کہ انسان کے جسم میں موجود دماغ (جو بشکل نصف سیر کا ہوگا) دو من وزنی جسم کو کنٹرول کرتا ہے اور پورا جسم اس کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔ ہاتھ کسی شے کو پکڑیں یا نہ پکڑیں اس کا فیصلہ یہاں ہوتا ہے۔ سامنے لکڑی ہے یا سانپ' اسے پکڑنا ہے یا نہیں پکڑنا' اس کی معلومات یہاں سے دی جاتی ہیں۔ ہاتھ لکڑی کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھ گیا تھا لیکن اسے فوراً روک لیا گیا کہ یہ تو سانپ ہے۔ یہ سب کنٹرول دماغ سے ہو رہا ہے۔ پاؤں ہمیں لے کر کدھر جائیں کدھر نہ جائیں' اس کا فیصلہ یہاں ہوتا ہے۔ انسانی معاشرہ بھی بالکل اسی طرح ایک زندہ وجود کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا ایک طبقہ اس کا Brain Trust کہلاتا ہے۔ یہ طبقہ Intelligentsia یا Intellectual Elite پر مشتمل ہوتا ہے' جو سوچنے سمجھنے والوں کا طبقہ ہے۔ وہ طے کرتے ہیں کہ معاشرے میں کس چیز کا فروغ ہونا ہے اور کس چیز کو روک دیا جانا ہے' کدھر بڑھنا ہے اور کدھر سے پیچھے ہٹ جانا ہے۔ جبکہ پوری قوم کا معاملہ ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہوتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے ہر انقلابی عمل میں سب سے پہلے انقلابی نظریہ کو معاشرے کا ذہین طبقہ قبول کرتا ہے' اور پھر وہ اس بات کو نیچے تک پہنچاتا ہے۔ اس طبقہ کے لئے' ظاہر بات ہے' وعظ و نصیحت مؤثر نہیں۔ کیونکہ ان کے دماغوں کے اندر مختلف نظریات' اقدار اور

خیالات نے ڈیرے جمار کھے ہوتے ہیں۔ کہیں ڈارون ازم ہے تو کہیں مارکسزم کہیں Lojical Positivism ہے اور کہیں Existentialism ہے۔ نامعلوم اس طرح کے کتنے بے شمار ازم ہیں' ان کا توڑ آپ کو کرنا پڑے گا' اور وہ توڑ دلائل و براہین کے ساتھ کرنا ہوگا۔ ان کا دماغ ایک حجاب ہے جس کے باعث آپ ان کے دل تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے دماغ میں ان نظریات نے ایک Barrier کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ چنانچہ پہلے اس رکاوٹ کو توڑ کر اس کے اندر سے گزرنا ہوگا۔ اس کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ان سے اسی سطح پر بات کر سکیں۔ اور یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ وہ ان نظریات سے کماحقہ واقف ہوں اور وہ ان پر ایسی معقول تنقید کر سکیں جو مدلل اور منطقی ہو۔ وہاں فتویٰ سے کام نہیں چلے گا' وہاں تو دلائل سے بات کرنا ہوگی' اس لئے کہ قرآن و حدیث کو تو وہ مانتے ہی نہیں۔ جب تک یہ کام نہیں ہوتا آپ اس Intelligentsia کو قائل نہیں کر سکتے۔

سو فیصد تو کوئی بھی قوم تبدیل نہیں ہوتی' لیکن قوم کی واضح اکثریت کے نظریات کو تبدیل کرنے کے لئے اس ذہین طبقہ کے اندر ایسا مضبوط نیو کلیئس پیدا ہونا ضروری ہے جو علیٰ وجہ البصیرت اللہ' آخرت اور نبوت و رسالت پر یقین رکھتا ہو' جسے اسلام پر پورا شرحِ صدر حاصل ہو اور وہ اپنی دعوت کے ذریعے ان کے نظریات کی نفی کرے۔ جیسے امام غزالیؒ نے "تہافت الفلاسفہ" لکھی یا امام ابنِ تیمیہؒ نے "الرَّد علی المَنطقِیین" لکھی تو انہوں نے اہل فلسفہ و منطق سے اپنا لوہا منوایا۔ لیکن اس کے لئے پہلے غزالی بننا پڑے گا اور پہلے امام ابنِ تیمیہ کے مقام تک رسائی حاصل کرنا ہوگی۔ اور یہ زندگی بھر کی جدوجہد ہے۔ دنیا میں بڑے شاندار کیریئرز ہیں' اچھی تنخواہیں مل رہی ہیں' مراعات حاصل ہیں' ان سب کو چھوڑ کر فکر انسانی کا تجزیہ کر کے فکر انسانی کی تاریخ کا جائزہ لینا ہوگا اور موجودہ فکر کا صغریٰ کبریٰ جوڑنا ہوگا کہ اس میں کہاں ٹیڑھ یا خرابی آئی ہے۔ ظاہر بات ہے باطل محض تو کوئی نظریہ بھی نہیں ہے' باطل محض کا تو کوئی وجود ہی نہیں۔ باطل ہمیشہ حق کے کسی جزو کو لے کر اس پر اپنا تانا بانا بنتا ہے۔ باطل اس کے بغیر کھڑا رہ ہی نہیں سکتا۔ وہ تو حق کا کوئی جزو لیتا ہے اور اس پر باطل کے ردے چڑھاتا ہے' اس کے بل پر وہ اپنا وجود برقرار رکھتا ہے۔ آپ کو یہ تجزیہ کرنا پڑے گا کہ اس میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا

ہے‘ صحیح کتنا ہے اور غلط کتنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا :

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾

(یوسف : ۱۰۸)

"(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ لوگو! یہ میرا راستہ ہے‘ میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں‘ میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔"

میں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہا ہوں۔

علیٰ وجہ البصیرت ایمان حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ پھر اس بصیرت کی روشنی میں ان تمام علوم و افکار کا تجزیہ کرنا آسان کام تو نہیں۔ اس میں اپنے آپ کو بالکلیہ لگا دینا پڑے گا۔ یہ تو پوری زندگی کا عمل ہے۔ دنیاوی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جب مارکس اپنی کتاب "داس کیپٹل" لکھ رہا تھا تو اسے فاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب بھی کوئی تخلیقی (Creative) کام ہوا ہے تو وہ فاقوں کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ نہیں کہ بڑے بڑے تحقیقی اداروں کی طرف سے تنخواہیں مل رہی ہوں۔ وہاں کوئی تخلیقی کام نہیں ہوا کرتا۔ وہاں تحقیقی کام ہو جاتے ہیں کہ کوئی پرانا مخطوطہ لے کر اس کی ایڈیٹنگ کر دی اور اس کی احادیث کی تخریج کر دی تو ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے لی۔ دنیا میں جہاں بھی تخلیقی کام ہوئے ہیں وہ فقر و فاقہ کے ساتھ ہوئے ہیں۔

۴۔ دعوت بِالحِکمة کے بعد دوسرا درجہ بِالمَوعظة الحَسنة کا ہے‘ جس کے مخاطب عوام النّاس ہوتے ہیں‘ جن کے ذہن خالی سلیٹ کی مانند ہیں‘ آپ جو چاہیں اس پر لکھ دیں۔ ان لوگوں کے دل و دماغ میں کوئی خنّاس نہیں اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈاروِن کس بلا کا نام ہے اور فرائڈ کس چڑیا کا نام ہے۔ ان کے لئے تو "از دل خیزد بر دِل ریزد" والا معاملہ ہے کہ جو بات آپ کہیں گے اور وہ بات آپ کے دماغ سے نہیں بلکہ آپ کے دل سے نکلی ہو‘ چاہے وہ مرصّع زبان میں نہ بھی ہو‘ ٹوٹی پھوٹی زبان میں ہو‘ لیکن خلوص کے ساتھ دل سے نکلی ہوئی ہو تو وہ دل میں سیدھی اتر جائے گی۔

اس کے لئے دوسرا تقاضا پھر یہ ہے کہ آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں اس کا خود بھی نمونہ ہوں :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ

مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ○﴾ (حٰمٓ السجدة : ۳۳)

"اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں خود بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔"

آپ اُس پر اپنی شخصیت کی دھونس جمانے کی کوشش نہ کیجئے' بلکہ کہیں کہ میں بھی ایک ادنیٰ مسلمان ہوں۔ یہ دعوت "بِالمَوعظة الحَسنة" عوام الناس کے لئے ہے اور یہ انتہائی مؤثر ہے' اس کا بہت فائدہ ہے۔ اگرچہ جب تک ایک معاشرے کے اُس intelligentsia یا ذہین اقلیت (Intellectual Minority) یا Brain Trust میں ایک مضبوط نیوکلیئس قائم نہیں ہو گا اُس وقت تک معاشرے میں بحیثیت مجموعی کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ دعوت کے نتیجے میں اگر لاکھوں عوام کے اندر تبدیلی آجائے' ان کی زندگی کے شب و روز بدل جائیں' ان میں نماز روزے کا اہتمام ہو جائے اور وہ اپنی وضع قطع بھی صحیح کر لیں' لیکن اگر اوپر کے Brain Trust یا Intelligentsia میں ایک مضبوط نیوکلیئس موجود نہیں ہے اور اس نے اپنے آپ کو منوا کر معاشرے پر اپنی چھاپ نہیں ڈال دی اور دوسرے لوگوں پر اتمامِ حجت نہیں کر دیا تب تک معاشرہ بحیثیت مجموعی کسی تبدیلی کو قبول نہیں کرے گا۔

۳۔ دعوت کا تیسرا درجہ "جدال حسنہ" کا ہے : ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ "اور ان سے جھگڑا کرو بڑے عمدہ طریقے سے"۔ یہ جدال کن لوگوں کے خلاف ہو گا؟ ظاہر ہے ؎ "ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالب!" کے مصداق اس معاشرہ میں صرف آپ ہی دعوت و تبلیغ میں سرگرم نہیں ہیں' یہاں عیسائی مشنریز بھی کام کر رہی ہیں' قادیانی مبلغین اور بہائی بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں' ان کے ساتھ آپ کو مجادلہ کرنا پڑے گا۔ ان لوگوں نے اس کام کو بطورِ پیشہ اپنایا ہے اور انہیں اس کی تنخواہ ملتی ہے۔ وہ اس کام کے لئے پوری طرح تیاری کرتے ہیں اور تربیت لیتے ہیں۔ چنانچہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ان سے جدال یعنی بحث و مباحثہ کرنا پڑے گا تاکہ ان کو چپ کرایا جا سکے' ورنہ عوام الناس پر ان کا اثر ہو گا۔ اس کے لئے ہمارے ہاں خاص طور پر مناظرہ کا فن بنا ہے۔ مناظرہ میں یہ پیش نظر نہیں ہوتا کہ اپنے مخاطب مدمقابل کو قائل کیا جائے' بلکہ اسے خاموش کرانا پیش نظر ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے بعض حضرات نے آیتِ

قرآنی سے دلیل اختیار کی ہے :

﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ .... ﴾ (العنکبوت : ۴۶)

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے 'سوائے ان لوگوں کے جو اُن میں سے ظالم ہوں۔"

تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ مجادلہ کے ذرا سخت انداز یعنی مناظرہ کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں اس مناظرہ کے فن نے جنم لیا۔ گزشتہ صدی میں ہمارے ہاں نو آبادیاتی حکمرانی کا جو دَور تھا وہ مسلمانوں کے لئے بہت شکست خوردہ اور مرعوبیت کا دَور تھا۔ اس کے دَوران ہندوستان بھر میں مشنریز کا سیلاب آگیا۔ اُس وقت ایک انگریز پادری فنڈر آیا جو کلکتے سے شروع ہو کر دلی تک پہنچ گیا اور اس نے تمام بڑے بڑے شہروں میں مسلمان علماء کو مناظروں کے اندر شکست دی' جس سے ہندوستان بھر میں کھلبلی مچ گئی۔ دہلی آکر اس نے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں کلکتے سے چل کر یہاں تک پہنچ گیا ہوں اور کوئی مسلمان عالمِ دین میرا مقابلہ نہیں کر سکا' میں بہت سے علماء کو شکست دے کر آیا ہوں' اور اب میں پورے ہندوستان کے علماء کو چیلنج کر رہا ہوں کہ اگر کسی میں ہمّت ہے تو میرے مقابلے میں آئے۔ ذرا سوچئے کہ اگر اُس وقت اس کے مقابلے میں کوئی نہ آتا تو عوام پر کیا اثر ہوتا۔ ایک طرف سیاسی محکومی اور اس کی مرعوبیت تھی' دوسری طرف ہمارے علماء اس پادری کے مقابلے میں خاموش تھے' ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تھی۔ رہے عوام تو ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ وہ قرآن سے واقف تھے نہ حدیث سے' اور نہ انہیں عربی زبان کی کوئی شُدبُد تھی۔ ان کا تکیہ تو علماء پر تھا' اگر ان میں سے کوئی بھی خم ٹھونک کر اس کا مقابلہ نہ کرتا تو پھر یہاں عیسائیت کا ایک سیلاب آجاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ میدان میں آئے اور انہوں نے اس سے مناظرہ کر کے اسے شکست دی' جس کے بعد وہ ہندوستان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لگتا ہے غیرت مند آدمی تھا جو یہاں نہیں رکا' اس نے ترکی میں جا اڈا لگایا۔ رحمت اللہ کیرانوی صاحب حج کے لئے گئے ہوئے تھے اور حجاز کا علاقہ اس وقت خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں تھا۔ انہیں وہاں خلافتِ عثمانیہ کا پیغام موصول ہوا کہ آپ ترکی

تشریف لایئے' یہاں پر اسی پادری نے' جسے آپ نے ہندوستان میں شکستِ فاش دی تھی' ہمارے علماء کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ جب اسے علم ہوا کہ رحمت اللہ کیرانوی آ رہے ہیں تو وہ وہاں سے بھی بھاگ گیا۔ عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات میں مولانا نے "اظہار الحق" کے نام سے کتاب لکھی تھی' پھر جس کا خود ترجمہ بھی کیا اور اس پر حواشی بھی لکھے۔ اس کتاب پر مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی کچھ نوٹس لکھے ہیں۔ بہرحال مجادلہ و مناظرہ بھی دعوت کے ضمن میں ایک اہم ضرورت ہے' لیکن عام طور پر "دعوت" کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے مخاطب کو اچھے اور خوبصورت انداز میں قائل کرنے کی کوشش کریں۔

"دعوت" یا "باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد" کے یہ جو تینوں مراحل میں نے بیان کئے ہیں' ظاہر ہے اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔ اس کے لئے پہلے آپ خود علم حاصل کریں گے' اسے آگے پہنچائیں گے۔ اسلام پر آپ کو جب شرح صدر حاصل ہو گا تب ہی آپ اسلام کی دعوت دیں گے۔ جب آپ کو علیٰ وجہ البصیرت ایمان حاصل ہو گا تب ہی آپ کسی کو اس طرف بلائیں گے۔ لہٰذا اس کے لئے محنت' کوشش اور جدوجہد کرنا' تیاری کرنا اور علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں یہ حدیث پیش نظر رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ)) یعنی جس شخص کو اس حالت میں موت آ گئی کہ وہ ابھی علم کے حصول میں لگا ہوا تھا' لیکن اس کی نیت یہ تھی کہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے گا' تو اس کے اور انبیاء کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق رہ جائے گا۔" غور کیجئے کہ ابھی اس کی عملی جدوجُہد شروع نہیں ہوئی' لیکن اس کی نیت یہ ہے کہ اسلام کو زندہ کرنا ہے' اسلام کو غالب کرنا ہے' اس کے غلبے کی جدوجہد میں اپنے آپ کو لگانا ہے اور اس کے لئے مجھے علم درکار ہے' جب تک میں علم کے ہتھیار سے مسلح نہ ہو جاؤں تو دعوت و تبلیغ کا کام کیسے ہو گا' تو ایسے شخص کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے!

قرآن بحیثیت آلۂ جہاد

جہاد فی سبیل اللہ کی ان دو منزلوں (جہاد مع النفس اور دعوت) پر جہاد کے لئے ہتھیار صرف ایک ہے' اور وہ قرآن ہے۔ نفس کے خلاف جہاد کے لئے بھی آپ کو جو تلوار

در کار ہے وہ قرآن ہے۔ اگر آپ کے وجود میں شیطان سرایت کر سکتا ہے تو قرآن مجید بھی آپ کے وجود میں سرایت کر جائے گا۔ زہر کا اثر اگر جسم میں کسی ایک جگہ ہو تو اس کا مقامی طور پر علاج کفایت کرے گا' لیکن زہر اگر پورے جسم میں پھیل گیا ہو تو آپ کو وہ تریاق چاہئے جو پورے جسم کے اندر پھیل سکے اور وہ صرف قرآن ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اسے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است!
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی!
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!!

اس شعر میں دو حدیثوں کے مفہوم کو جمع کر لیا گیا ہے۔ ایک تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے۔ کسی نے پوچھ لیا کہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا : ہاں ہے' لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ آپ کے فرمان کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ میں اس کی ایذاء سے امن و سلامتی میں ہوں اور وہ مجھے گزند نہیں پہنچا سکتا۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ شیطان تو انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے مفاہیم کو علامہ اقبال نے اپنے ان دو اشعار میں سمو دیا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ابلیس کو ہلاک کر دینا مشکل کام ہے' وہ تو دل کی گہرائیوں میں جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ پورا دورانِ خون تو دل ہی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا وہ خون کے ساتھ انسان کے جسم میں گردش کرتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے مسلمان بناؤ! اور یہ مسلمان ایسے بنے گا کہ قرآن کی شمشیر سے اس کا قلع قمع کرو!

یہ قرآن انسان کے قلبی' باطنی اور روحانی امراض یعنی حسد' تکبر' بغض' عناد' حُبِّ مال' حُبِّ جاہ کے لئے شفاء ہے۔ اس کے بارے میں سورۂ یونس میں فرمایا گیا :

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ ﴾ (یونس : ۵۷' ۵۸)

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفاء ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبیؐ! کہو کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی۔ پس یہ وہ چیز ہے جس پر لوگوں کو خوشی منانی چاہئے۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔"

چنانچہ شیطان کے خلاف جہاد کے لئے بھی ہتھیار قرآن ہے اور اپنے نفس کے خلاف جہاد کے لئے بھی ہتھیار قرآن ہی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حکمت کا منبع اور سرچشمہ بھی قرآن ہی ہے۔ قرآن کے اندر غواصی کیجئے' غور و خوض کیجئے' اس میں غوطہ زنی کیجئے۔ ع

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان!

مولانا روم نے کہا تھا کہ :

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ قرآنیاں را ہم بخواں!

یعنی تم کب تک یونانیوں کا فلسفہ پڑھتے رہو گے' کبھی حکمتِ قرآنی اور حکمتِ ایمانی بھی تو پڑھو! قرآن کہتا ہے ﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ ﴾ (بنی اسرائیل : ۳۹) "اے نبیؐ! یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف نازل کی ہیں۔" اور حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کی بلند ترین منزل یہی حکمت ہے : ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ نبی اکرم ﷺ کے بنیادی طریق کار یا انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کے عناصر چہارگانہ قرآن حکیم میں چار مقامات پر بیان ہوئے ہیں' ان میں تین مقامات پر ترتیب یہی ہے' صرف ایک مقام پر ذرا بدلی ہوئی ہے جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا پر مشتمل ہے ﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ (البقرہ : ۱۲۹) لیکن بقیہ تینوں مقامات پر' جہاں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات آئی ہے' ترتیب اس طرح ہے : (۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیمِ حکمت۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا :

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آیت ۱۵۱)

پھر سورۂ آل عمران میں فرمایا :

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آیت ۱۶۴)

سورۃ الجمعہ میں یہ عناصر چہارگانہ بایں الفاظ بیان ہوئے :

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آیت ۲)

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے حکمت کو بالکل نظرانداز کر دیا اور اس کے لئے قرآن مجید کی طرف ہمارا رجوع نہیں رہا' جو حکمت کا سب سے بڑا منبع و سرچشمہ ہے۔ پھر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں بہت طویل عرصے تک "حکمت" تو درحقیقت حکمت یونان ہی کو قرار دیا جاتا رہا ہے۔ وہیں کے فلسفہ اور منطق نے ہمارے ہاں فروغ پایا اور عام طور پر ہمارے بڑے سے بڑے علماء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوئے ___ الا ماشاء اللہ ___ وہ تو چند لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ "توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری" کے مصداق پیدا کرتا ہے۔ امام غزالیؒ اور ابنِ تیمیہؒ تو بہرحال ایک ہی بار پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ بھی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ ہمارے ہاں عام طور پر تصور یہی رہا ہے کہ حکمت تو وہی ہے "حکمت یونانیاں۔" چنانچہ عالم اسلام میں ارسطو کی منطق کا صدیوں تک ڈنکا بجتا رہا۔ ابنِ سینا' فارابی' کندی اور ابنِ رشد کون تھے؟ یہ سب کے سب ارسطو کی منطق کے ڈسے ہوئے تھے ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے!

اس حوالے سے حکمت کا منبع و سرچشمہ بھی قرآن مجید ہے' پھر یہ کہ موعظہ حسنہ بھی قرآن ہے' اور جدال کے لئے سارا مواد بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ کفار و مشرکین' ملحدین اور مادہ پرستوں کے خلاف جدال کے دلائل قرآن میں موجود ہیں۔ گویا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی اور دوسری منزل پر جو ہتھیار درکار ہے وہ قرآن ہے۔

اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں منزلوں پر کسی جماعت کی ضرورت نہیں' یہ کام انفرادی طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ ایک شخص اپنے نفس اور اپنے شیطان کے خلاف جہاد خود کر سکتا ہے' اس کے لئے جماعت لازم نہیں۔ اسی طرح ایک شخص داعی بن کر کھڑا رہے اور لوگوں کو اللہ کا بندہ بننے کی دعوت دیتا رہے تو یہ کام وہ انفرادی حیثیت میں کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے اعلیٰ مثال حضرت نوح علیہ السلام کی موجود ہے جو ساڑھے نو سو برس تک قوم کو دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ یہ کام انفرادی طور پر بھی ہو سکتے ہیں۔ البتہ پہلی منزل پر اگر کچھ ایسے لوگوں کی صحبت نصیب ہو جائے جو اسی کشاکش میں لگے ہوئے ہوں' تو ﴿كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کے مصداق ان کی معیت اور صحبت اختیار کی جانی چاہئے۔ وہ صادقین کون ہیں؟ قرآن کے الفاظ میں

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

(الحجرات . ۱۵)

"یقیناً مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شک میں نہ پڑے' اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی سچے لوگ ہیں۔"

چنانچہ اگر آپ ایسے صادقین کی تلاش کر کے ان کی صحبت حاصل کریں اور ان کے ساتھ رہیں' اس سے یقیناً آپ اُن کا رنگ اختیار کریں گے۔ لیکن لازم نہیں ہے کہ کوئی منظم جماعت ہو۔ اسی طرح دعوت و تبلیغ کا جہاد انفرادی طور پر بھی ہو سکتا ہے' شاہ ولی اللہ نے یہ کام خالص انفرادی طور پر کیا' ان کی نہ کوئی انجمن تھی نہ ادارہ تھا۔ لیکن اگر اس معاملے میں کوئی انجمنیں' درس گاہیں یا ریسرچ کے ادارے وجود میں آ جائیں تو یقیناً یہ مفید ہو گا۔ اور اس کام کی کسی حد تک ضرورت بھی ہے کہ ایسے اشاعتی ادارے قائم ہوں جو مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم اور تشریحی نوٹس مرتب کر رہے ہیں۔

(۳) جہاد کی بلند ترین منزل "اقامت دین"

جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل نظام کی سطح پر جہاد' یعنی نظام کو بدلنے کی جدوجہد ہے۔ یہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے باطل نظام اور طاغوت کے خلاف جہاد ہے۔ اس کے

لئے قرآن مجید میں مختلف اصطلاحات آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اصطلاح "تکبیرِ رب" ہے۔ فرمایا : ﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾ یعنی اپنے رب کی کبریائی کا نظام قائم کرو' اپنے رب کی تکبیر کرو۔ اپنے رب کو بڑا کرو۔ کیا معنی؟ رب تو خود بڑا ہے' اس کو کیسے بڑا کیا جائے؟ وہ بلاشک و شبہ بڑا ہے' لیکن اس کی بڑائی مانی نہیں جا رہی۔ اس کی بڑائی منواؤ! سورۃ المدّثر کی ابتدائی تین آیات میں سے دوسری آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل کا ذکر ہے اور پھر تیسری آیت میں تیسری منزل کا ذکر ہے۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ ﴾ "اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو!! اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو!!!" یعنی دعوت کا آغاز انذار سے کرو اور پھر اپنے رب کی کبریائی قائم کرو۔

اس ضمن میں دوسری اصطلاح "اقامت دین" کی ہے۔ فرمایا :

﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ ﴾ (الشوریٰ ۰ ۱۳)

"کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔"

تکبیر رب اور اقامت دین ہم معنی اصطلاحیں ہیں۔

قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت تین مرتبہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ .. ﴾ (التوبۃ : ۳۳' الفتح ۲۸' الصف : ۹)

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے (یا تمام ادیان پر غالب کر دے)"

اس ضمن میں سورۃ الانفال (آیت ۳۹) میں فرمایا :

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ﴾

"اور ان (کفار و مشرکین) سے اُس وقت تک قتال کرو جب تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور نظام کل کا کل اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے۔"

اسی کو جدید اصطلاح میں "اسلامی انقلاب" کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد نے "حکومت الٰہیہ کے قیام" کا نعرہ لگایا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے

جب اپنی جدّوجہد کا آغاز کیا اور جماعت اسلامی قائم کی تو حکومت الٰہیہ ہی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اسی پر علامہ مشرقی اور خیری برادران نے بھی کام کیا۔

پی این اے کی اینٹی بھٹو تحریک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی اصطلاح اپنائی گئی۔ اسی کے لئے نظامِ اسلامی اور نظامِ خلافت کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں' جن کا مفہوم ایک ہی ہے ؏ "عباراتنا شتّٰی وَ حُسنکَ واحدٌ" (ہماری عبارتیں مختلف ہیں' لیکن اے اللہ! تیرا حسن و جمال تو اپنی جگہ ایک وحدت ہے)

اس ضمن میں استعمال ہونے والی اصطلاحات میں سے بعض اعتبارات سے اہم ترین بائبل کی اصطلاح "Kingdom of Heaven on the Earth" (زمین پر آسمانی حکومت کا قیام) ہے۔ ان کی Lord's Prayed کے الفاظ ہیں :

Thy Kingdom Come,

Thy will be done on earth

as it is in heavens.

"اے رب! تیری حکومت قائم ہو' اے رب! جس طرح تیری مرضی آسمانوں پر پوری ہو رہی ہے اسی طرح زمین پر بھی پوری ہو!"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشہور جملہ ہے۔ Repent for the Kingdom of heaven is at hand "توبہ کرو' اس لئے کہ آسمانی بادشاہت آیا چاہتی ہے!" یہ اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ آسمانی بادشاہت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے قائم ہوئی ہے۔ بہرحال اس ضمن میں بے شمار اصطلاحات موجود ہیں۔

اقامت دین کی شرطِ لازم : منظم جماعت

اقامت دین کے مراحل بیان کرنے سے پہلے اس کی شرطِ لازم جان لیجئے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی دو منزلوں پر اصل ہتھیار قرآن ہے اور ان دونوں سطحوں پر کسی منظم جماعت کا ہونا لازمی نہیں' لیکن تیسری منزل کے لئے لازم ہے ایک ایسی منظم جماعت وجود میں آئے جو اس دعوت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہو۔ یہ نہیں کہ قومی بنیاد پر کوئی گروہ منظم ہو جائے اور قومی سطح پر کوئی جدّوجُہد شروع ہو جائے۔ بلکہ جو لوگ بندگیٔ رب اور شہادت علی الناس کی دعوت شعوری طور پر قبول کر کے آئیں ان پر مشتمل ایک منظم

جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح نماز کے لئے وضو شرط ہے ایسے ہی اقامت دین کے لئے ایک منظم جماعت کا ہونا شرطِ لازم ہے۔ وہ جماعت ایسے لوگوں کی ہو جنہوں نے اسلام اور ایمان کو شعوری طور پر قبول کیا ہو' جو اپنے نفس سے جہاد کی منزل سر کر کے آئے ہوں اور اپنے نفس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے تابع کر چکے ہوں۔ ایسے لوگ منظم جماعت کی شکل میں جمع ہوں۔ یہ شرط اگر پوری نہیں ہوتی تو پھر وہ جہاد فی سبیل اللہ کی منزل نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جہاد فی سبیل الحُریت یا کوئی اور جہاد ہو جسے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے دیا گیا ہو۔

جماعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے" اور ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) "تم پر جماعت کی شکل میں رہنا فرض ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

> ((اِنَّهُ لاَ اِسْلاَمَ اِلاَّ بِجَمَاعَةٍ وَلاَ جَمَاعَةَ اِلاَّ بِاِمَارَةٍ وَلاَ اِمَارَةَ اِلاَّ بِطَاعَةٍ)) (سنن الدارمی)
>
> "یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے' اور امارت کے بغیر جماعت نہیں ہے' اور امارت کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کے ساتھ اطاعت بھی نہ ہو۔"

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پوری امت ایک جماعت ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس کا امام کون ہے؟ اگر امیر موجود نہیں ہے تو پھر جماعت نہیں ہے۔ علامہ اقبال' جو وحدتِ اُمت کے حدی خواں تھے' آخر کار انہیں اپنے خطبات میں یہ کہنا پڑا کہ اس وقت دنیا میں کوئی امت مسلمہ موجود نہیں ہے' بلکہ بہت سی مسلم اقوام موجود ہیں۔ اسی طرح آج ہم یہ کہیں گے کہ دنیا میں بہت سے مسلم ممالک ہیں اور مسلمان ملک ہونے کے ناطے ان کے حقوق ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں۔ یہ حقوق اپنی جگہ مسلّم ہیں' لیکن دنیا بھر کے مسلمان ایک جماعت تو نہیں ہیں۔ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ٹوک انداز میں فرما دیا تھا کہ : ((لاَ جَمَاعَةَ اِلاَّ بِاِمَارَةٍ)) یعنی "امارت کے بغیر کوئی جماعت نہیں"۔

اس موضوع پر ذروۂ سنام یہ حدیث ہے جو حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

((اِنِّیْ اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ' بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْھِجْرَةِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (مسند احمد' جامع ترمذی)

"اے مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں' اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے : (۱) التزامِ جماعت (۲) سننا (۳) اطاعت کرنا (۴) ہجرت اور (۵) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

یعنی جماعت بھی وہ مطلوب ہے جو سمع و طاعت (Listen and obey) والی ہو۔ یہ جماعت ہجرت و جہاد کے مراحل طے کرے گی۔ ہجرت کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا : ((اَیُّ الْھِجْرَةِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) "اے اللہ کے رسولؐ! افضل ترین ہجرت کون سی ہے؟" فرمایا : ((اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ)) "(افضل ترین ہجرت یہ ہے) کہ تم ہر اُس چیز کو چھوڑ دو جو اللہ کو پسند نہیں"۔ پوچھا گیا : (اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟) افضل جہاد کونسا ہے؟ تو فرمایا : ((اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِیْ طَاعَةِ اللّٰہِ)) "(افضل جہاد یہ ہے) کہ تم اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرو اور اسے اللہ کی اطاعت کا خوگر بناؤ"۔ اس نکتہ پر ہجرت اور جہاد باہم جڑ جاتے ہیں۔ ہر اُس شے کو چھوڑ دینا جو اللہ کو ناپسند ہے اور اپنے نفس کو اللہ کے حکم کا تابع بنانے کی جدوجہد درحقیقت ایک ہی شے ہے۔ چنانچہ ہجرت اور جہاد ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ حرام شے کو چھوڑ دینا ہجرت ہے اور اپنے نفس کو اس بات کے لئے تیار کرنا اور اسے مجبور کرنا کہ وہ حرام کو چھوڑ دے' یہ جہاد ہے۔ اس سطح پر ہجرت اور جہاد دونوں ایک ہو جاتے ہیں ___ لیکن یہ تیسری منزل کا جہاد (جو خود تین درجات پر مشتمل ہے) جب اپنی بلند ترین چوٹی پر پہنچتا ہے تو اُس وقت اللہ کی خاطر اپنا گھربار' خاندان سب کچھ چھوڑ کر دارلاسلام میں آ جانا ہجرت کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں یہ مرحلہ "ہجرتِ مدینہ" کی صورت میں آیا۔ ہجرت مدینہ مسلمانوں پر فرض تھی اور جنہوں نے ہجرت نہیں کی انہیں منافق قرار دیا گیا اور ان کے کوئی حقوق مسلمانوں پر نہیں رہے۔ بمصداق : ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا﴾ (الانفال : ۷۲) "رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی تو اُن سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت نہ

کریں"۔ ہجرت کے بغیر تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں' ان کے کوئی حقوق اور ذمہ داری تم پر نہیں۔ تو یہ ہجرت لازم ہے۔ دوسری طرف جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل قتال ہے۔ اس طرح اُوپر جا کر یہ ہجرت اور جہاد ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں گے۔

اقامتِ دین کے مراحل

جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری منزل یعنی "اقامت دین" کی جدوجہد کے لئے ایک منظم جماعت ناگزیر ہے۔ یہ جماعت دراصل اس جہاد کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ جماعت ایسے افراد پر مشتمل ہونی چاہئے جو جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل سے گزر کر آئے ہوں۔ یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد کر کے اسے اللہ کا مطیع بنا چکے ہوں۔ یہ جماعت اپنے کارکنوں کی مزید تربیت کرے گی۔ پھر یہ دوسری منزل کا جہاد یعنی دعوت و تبلیغ کا حق ادا کرے گی۔

ا۔ صبر محض : اس کے بعد یہ جماعت اب انقلابی مرحلے اقامت دین کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے گی تو پہلا مرحلہ صبرِ محض (Passive Resistance) ہوگا' اس لئے کہ ماحول مخالفت کرے گا۔ پہلے زبانی اور پھر جسمانی طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا' پاگل اور دیوانہ کہا جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ سے کہی گئیں۔ حضور ﷺ کو مجنون' شاعر' ساحر اور مسحور کہا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے ایک عجمی غلام گھر میں بند کیا ہوا ہے' اس سے dictation لیتے ہیں' تورات اور انجیل کی باتیں اس سے سیکھتے ہیں اور ہم پر آکر دھونس جماتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے۔ حضور ﷺ کو یہ ساری باتیں سننی پڑیں۔ زبانی طور پر ایذا رسانی کے بعد پھر جسمانی تشدد کا دَور شروع ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی اس کا نشانہ بننا پڑا۔ خاص طور پر نوجوانوں اور غلاموں کو بد ترین جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ غلاموں پر ان کے آقاؤں اور نوجوانوں پر ان کے بزرگوں کو حق حاصل تھا کہ جو چاہیں کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاندان بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے چچا نے انہیں چٹائی کے اندر لپیٹ کر دھواں دے دیا' جس سے آپؓ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں نے مرن برت رکھ لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ برہنہ کر کے گھر سے نکال دیئے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے اسی لئے اپنی زوجہ محترمہ (حضورؐ کی صاحبزادی) کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ غلاموں کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن اُس دَور میں

حکم تھا کہ "كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ" یعنی اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ اس لئے کہ تمہیں ابھی وقت چاہئے۔ ابھی تم تھوڑے ہو اور تمہارا Base بڑا محدود ہے' تم اگر اس حالت میں مزاحمت کروگے تو کچل دیئے جاؤ گے۔ تمہیں ابھی وقت چاہئے اور اس وقت کے لئے صبر کرو' اپنے ہاتھ روکے رکھو' چاہے تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں یا زندہ بھون دیا جائے۔ اپنے دفاع میں بھی ہاتھ مت اٹھاؤ۔ یہ صبر محض ہے۔ مکی دور میں کم از کم آٹھ برس تک یہ مرحلہ جاری رہا۔ ابتدائی چار سال اس مرحلے میں شامل نہیں تھے' بلکہ جسمانی تشدد کا آغاز چوتھے سال سے ہوا ہے۔ چنانچہ پورے آٹھ یا نو برس تک کسی تشدد کا جواب نہیں دیا گیا اور ہاتھ بندھے رکھے گئے۔

انقلابی جدّوجُہد میں صبرِ محض کی حکمتِ عملی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی خاموش اکثریت (Silent Majority) کی ہمدردیاں ان انقلابی افراد کی طرف منعطف ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ امیّہ بن خلف نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس طرح وحشیانہ طور پر مارا ہے کہ اس طرح حیوانوں کو بھی نہیں مارا جاتا۔ کیا بلالؓ نے کہیں چوری کرلی تھی یا اس کی بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا؟ نہیں' وہ تو صرف یہ کہتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ خاموش اکثریت خاموش تو ہوتی ہے لیکن وہ اندھی یا بہری تو نہیں ہوتی' اگرچہ وہ بول نہیں سکتی کیونکہ اس میں اس کی ہمت و جرأت نہیں ہوتی کہ ظالم سے پوچھ سکے کہ کیا کر رہے ہو؟ لیکن وہ اندھی' بہری یا گونگی تو نہیں ہوتی۔ وہ دیکھ اور سن رہی ہوتی ہے۔ نتیجتاً ان کی ہمدردیاں اندر ہی اندر انقلابی جماعت کے افراد کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ ع "جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ!" کسی انقلابی جدوجہد میں Passive Resistance کا دور انتہائی مؤثر اور فیصلہ کن ہوتا ہے اور آئندہ کی کامیابیوں کی ضمانت یہیں سے ملتی ہے۔

۲۔ اقدام : اگلے مرحلے میں اس انقلابی جماعت کی قیادت جب یہ محسوس کرے کہ اب ہم مضبوط ہیں' ہماری تعداد بھی کافی ہے' کارکنوں کی تربیت بھی صحیح ہوئی ہے' انہوں نے اپنے نفس کو قابو میں کرلیا ہے' ان کی نیتیں بالکل خالص ہو چکی ہیں' ان کی جدوجہد خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور وہ ﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ کا مصداق بن چکے ہیں' ان کی کیفیت یہ بن گئی ہے کہ وہ منظم ہیں' سمع وطاعت پر کاربند ہو

چکے ہیں اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں' تو اب اقدام کیا جائے اور آگے بڑھ کر اس نظامِ باطل کو چھیڑا جائے۔ چھیڑنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تجارتی شاہراہ کو' جس پر ان کے قافلے آتے جاتے تھے' مخدوش بنا دیا اور اس طرح ان کی معاشی ناکہ بندی کی۔ دوسری طرف ان کی سیاسی ناکہ بندی کا انتظام اس طرح فرمایا کہ آپؐ نے مختلف قبائل سے معاہدے شروع کر دیئے۔ چنانچہ وہ قبائل جو پہلے قریش کے حلیف تھے اب یا تو حضور ﷺ کے حلیف ہو گئے یا پھر غیر جانبدار ہو گئے کہ ہم نہ ان کا ساتھ دیں گے نہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ اس کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کے سیاسی اثر و رسوخ کا دائرہ بڑھتا گیا اور قریش کا دائرہ گھٹتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ قریش کی طرف سے تنگ آمد بجنگ آمد کا معاملہ ہوا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر ان کا ایک ہزار کا لشکر نکلا ہے۔ اس معاملے میں پہل یقیناً رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ جو اللہ کے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں ان کا کام ہے کہ وہ باطل کو چھیڑیں گے' کیونکہ وہ باطل سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ وہ اس درخت کو جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں' لہٰذا اسے ہلانا شروع کریں گے۔ جب ہی تو اس کا امکان ہو گا کہ اسے اکھیڑا جا سکے۔

اب یہ باتیں واضح طور پر سامنے آنی چاہئیں۔ اب علامہ شبلی اور ان سے پہلے کا زمانہ گزر گیا جب ہمارے سیرت نگاروں کو اہل یورپ کے سامنے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنا پڑتا تھا۔ مغرب کی طرف سے جہاد اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ ؏ "بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے!" اور یہ کہ اسلام کی ساری تبلیغ تلوار سے ہوئی ہے۔ اس پر ہمارے علماء کا انداز یہ ہوتا تھا کہ نہیں نہیں' حضور ﷺ نے جنگ شروع نہیں کی' بلکہ جنگ ان پر ٹھونسی گئی تھی' آپ نے تو مدافعانہ جنگ کی تھی۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اللہ کا دین تو غالب ہونے کے لئے آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ اسے غالب کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ "اَلْحَقُّ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ" (حق غالب ہو کر رہتا ہے' اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔) جب تک طاقت موجود نہیں اس وقت تک تو باطل کے غلبے کو برداشت کرنا پڑے گا' لیکن طاقت ہونے کے باوجود آپ باطل کے غلبے کو برداشت کر لیں تو آپ کے دین و ایمان کی نفی ہو جائے گی۔ اس حوالے سے جان لیجئے کہ صبرِ محض (Passive Resistance) کے بعد اقدام

(Active Resistance) درحقیقت تیسری منزل کے جہاد کا دوسرا مرحلہ ہے۔

۳۔ تصادم : جب آپ نے نظامِ باطل کو چھیڑ لیا اور ان کے مفادات پر جب ضرب پڑی تو وہ اٹھیں گے اور اپنے نظام کا دفاع کریں گے۔ چنانچہ وہ پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوں گے اور پھر بالفعل تصادم (Conflict) ہو گا۔

اس تصادم کی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل وہ ہے جو ہمیں سیرت نبویؐ میں نظر آتی ہے۔ یہ قتال فی سبیل اللہ تھا، جس کے لئے حکم دیا گیا : ﴿ وَقَاتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ (البقرة : ۱۹۰) "اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔" اور فرمایا : ﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ (الحج : ۳۹) "اجازت دے دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں"۔ اور فرمایا : ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ (البقرة : ۱۹۳) "اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے"۔ اور آخری بار فرمایا : ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ (الانفال : ۳۹) "اور تم ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے"۔ یعنی پورا نظام اللہ کی حاکمیت کے تابع ہو جائے۔ اس میں پھر وہ مقامِ محبوبیت ہے جس کا ذکر سورۃ الصف میں ہے۔ فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ "اللہ کو تو محبت اپنے ان بندوں سے ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں باندھ کر گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔ علامہ اقبال نے یہیں سے یہ اسلوب مستعار لیا ہے ؎

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

یہ بلند ترین مقام ہے، جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ؎

مقامِ بندگی دیگر ' مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی!

مقامِ بندگی اور ہے، مقامِ عاشقی اور ہے۔ عاشق تو وہ ہے جو اللہ کے دین کے غلبے کے لئے میدان میں آئے اور اپنا تن من دھن لگا دے۔ اس کے اندر اللہ کے لئے وہ غیرت و حمیت ہے کہ وہ حق کو مغلوب نہیں دیکھ سکتا۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ((اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ؟)) "کیا دین میں تغیر و تبدل کیا جائے گا جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟" یعنی میرے جیتے جی ایسا نہیں ہو سکتا۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کے لئے اور کوئی نہیں نکلے گا تو میں تن تنہا نکلوں گا۔ یہ جذبہ درکار ہے ؎

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی، ز خاکی بیش ازاں خواہی!

اے اللہ! فرشتوں سے تو تجھے اطاعت ہی مطلوب ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے یہی تو کہا تھا کہ ﴿نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ "آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں"۔ ہم آپ کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں۔ لیکن اس خاکی انسان سے تجھے کچھ اور ہی مطلوب ہے ـــــ اور وہ کیا ہے؟

چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستان خواہی

اپنی ذات کا تجھے اتنا احساس ہے کہ اگرچہ تو بے نیاز ہے، غنی ہے، مگر تو اپنے دوستوں کے خون سے چاہتا ہے کہ تیری توحید کی گواہی دی جائے۔ تیرے دوست اولیاء اللہ اپنے خون سے تیری گواہی دیں۔

بہرحال قتال فی سبیل اللہ دو طرفہ جنگ کی شکل ہے۔ اس کا ایک نقشہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ﴾

"یقیناً اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔"

موجودہ حالات میں مسلح تصادم کا متبادل

سیرت النبی ﷺ میں ہمیں تصادم کی جو صورت نظر آتی ہے وہ تو قتال یعنی دو طرفہ

جنگ ہی کی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں اُس کی ایک یک طرفہ شکل بھی ہو سکتی ہے۔ اس کو ایک اجتہادی رائے سمجھ لیجئے۔ (میری تالیف "منہج انقلابِ نبویؐ" کا آخری باب اسی پر مشتمل ہے۔) ہمارے موجودہ حالات دَورِ نبویؐ کے حالات سے کئی اعتبارات سے مختلف ہیں۔ آج حکومتیں بہت طاقتور ہیں اور وہ باطل نظام کی محافظ ہیں۔ ملک میں اگر جاگیرداری نظام رائج ہے تو حکومت میں جاگیردار بیٹھے ہیں' سرمایہ داری نظام میں سرمایہ دار حکومت سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ نظام کو بدلنا چاہیں گے تو وہ لوگ چونکہ حکومت پر فائز ہیں اس لئے وہ اپنے تمام تر وسائل آپ کے خلاف استعمال کریں گے۔ حکومت پر فائز ہونے کے ناطے مسلح افواج' ایئرفورس' پولیس اور پیرا ملٹری فورسز ان کے اختیار میں ہیں' جبکہ عوام نہتے ہیں۔ اس لئے یہ مقابلہ اتنا غیر مساوی ہو گیا ہے کہ اس کے ساتھ قتال کا معاملہ قابل عمل نہیں ہے۔ تاہم نوٹ کیجئے کہ یہ بہر حال جائز ہے' جہاں بھی اس کے قابلِ عمل ہونے کا امکان ہو وہاں فاسق و فاجر حکمرانوں سے قتال کیا جا سکتا ہے۔ اس کو کسی نے حرام نہیں کیا۔ یہ تو غلام احمد قادیانی (لعنۃ اللہ علیہ) کا موقف ہے کہ "دین کے لئے حرام ہے اب دوستو قتال!" قتال جہاں قابلِ عمل (feasible) ہو گا لازماً کیا جائے گا۔ لیکن اگر اُدھر قوت اتنی ہے اور اِدھر عوام نہتے ہیں تو عوام کو اپنی طاقت کا اظہار عوامی سطح پر منظم مظاہروں کی صورت میں کرنا ہو گا اور حکومت کے خلاف ایک تحریک مزاحمت اٹھانا ہو گی۔ یہ تحریک عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک ہو گی' جو بالآخر غیر مسلح بغاوت (Unarmed Revolt) کی صورت اختیار کرے گی۔ یہ غیر مسلح بغاوت یک طرفہ ہو گی' جس میں حصہ لینے والے خود جان دینے کے لئے تیار ہوں' لیکن کسی کی جان کے درپے نہ ہوں۔ قتال اگرچہ دو طرفہ معاملہ ہے لیکن اس میں بھی اصل شے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آنا ہوتا ہے۔ تو جو شخص اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے میدان میں آگیا ہے تو گویا کہ اس نے قتال کا تقاضا پورا کر دیا۔ قتال اگر یک طرفہ ہو اور غیر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کرے تو اس میں حصہ لینے والوں کو پولیس اور فوج کی گولیوں کا نشانہ بننا پڑے گا' ان پر لاٹھی چارج ہو گا اور یہ جیلوں میں ٹھونسے جائیں گے۔ اگر لوگ اس کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو گویا انہوں نے وہ شرط پوری کر دی ہے کہ وہ اپنے خون سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اللہ تعالیٰ کے نظام کی سربلندی کی

جدوجہد کی گواہی دینے کو تیار ہیں۔ اس حوالے سے یہ سول نافرمانی اور غیر مسلح بغاوت "مسلح تصادم" (Armed Conflict) کا بدل ہے۔

مقتول فی سبیل اللہ کا مقام

قتال فی سبیل اللہ کے مقام کو سمجھنے کے لئے مسلم شریف کی ایک حدیث ملاحظہ کیجئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنَ النِّفَاقِ))

"جو (مسلمان) اس حال میں مرا کہ نہ اس نے کبھی اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی آرزو پیدا ہوئی تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر واقع ہوئی۔"

یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی زندگی میں یہ مرحلہ ہی نہ آئے' جیسے بعض صحابہؓ مکے میں فوت ہو گئے اور ان کی زندگی میں قتال کا مرحلہ ہی نہیں آیا' لیکن اس حدیث کی رو سے اللہ کے راستے میں قتال کی آرزو ہر مسلمان کے دل میں ہونا ضروری ہے۔

اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دینے کی آرزو خود رسول اللہ ﷺ کے دل میں کس درجے موجزن تھی اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے۔ فرمایا :

((لَوَدِدْتُ اَنِّی اُقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ)) (رواہ البخاری)

"میرے دل میں بڑی آرزو اور بڑی تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں' پھر مجھے زندہ کیا جائے' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جائے' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔"

اس حدیث میں چار مرتبہ "اُقْتَلُ" کا لفظ آیا ہے۔ یہ آرزو محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے کہ میں اللہ کی راہ میں بار بار قتل کیا جاؤں۔ ہم میں سے ہر شخص کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ اگر اس آرزو سے ہمارے سینے خالی ہوں تو ہمیں رسول اللہ ﷺ سے کیا نسبت ہے؟

مقتول فی سبیل اللہ کا مقام قرآن مجید میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے :

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ﴾ (البقرۃ : ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو۔"

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران ۱۶۹)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ سمجھو' بلکہ وہ تو درحقیقت زندہ ہیں' اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔"

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا تو زندہ ہے۔ شہید کے لئے حساب کتاب کا مرحلہ نہیں ہے' وہ تو سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اللہ کی راہ میں قتال کا یہ مقام ہے۔ یہ وہ شہادت ہے جو منزل بہ منزل طے کرتی ہوئی چلی آ رہی ہے اور نویں منزل پر آ کر قتال فی سبیل اللہ کے مقام پر پہنچتی ہے۔ کچھ لوگ سیدھے چھلانگ لگا کر وہاں پہنچتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔

مقتول فی سبیل اللہ ہونے کی سعادت ان لوگوں کا نصیب ہے جو اللہ کی راہ میں قتال (دو طرفہ جنگ) کرتے ہیں' اور اس سعادت میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو یکطرفہ جنگ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جیسے حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اُس وقت قتل کر دیئے گئے جبکہ ابھی صبر محض (Passive Resistance) کا دَور تھا اور قتال کا مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا' دو طرفہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ دو طرفہ جنگ شروع ہونے کے بعد جنہوں نے مرتبہ شہادت حاصل کیا یا اس سے پہلے ہی مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے' یہ دونوں اس سعادت میں شامل ہو جائیں گے۔ بہرحال جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی منزلوں کا ایک منظم جماعت کے بغیر کوئی تصور نہیں۔

نظم جماعت کی مسنون اساس : بیعتِ سمع وطاعت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس منظم جماعت کی تنظیم کی بنیاد کیا ہو؟ اس کے لئے ہمیں جو مسنون' ماثور اور منصوص بنیاد ملتی ہے وہ بیعت سمع وطاعت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے یہ بیعت لی' حالانکہ آپؐ اللہ کے رسول تھے اور جو بھی آپؐ پر ایمان لائے اس پر آپؐ کی اطاعت لازم تھی' لیکن پھر بھی آپؐ نے اُس وقت بیعت لی جبکہ قتال کا مرحلہ آنے والا تھا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ہے۔ وہاں اصل جماعت تو اس بنیاد پر بن گئی تھی کہ اللہ کے رسول نے دعویٰ کیا کہ

میں اللہ کا رسول ہوں' جس نے یہ مان لیا وہ اُس جماعت میں شامل ہو گیا جو ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ پر مشتمل تھی۔ جنہوں نے تسلیم کر لیا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں' وہ آپؐ کی پیروی کریں گے' آپؐ کا حکم مانیں گے' آپؐ کی بات سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ لہٰذا وہاں آغاز میں بیعت کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ نے بیعت آخری مرحلے پر لی' لیکن ہمارے پاس تنظیم کی بنیاد کیلئے کوئی متبادل اساس نہ حدیث میں ہے نہ قرآن میں' اور نہ ہماری تیرہ سو برس کی تاریخ میں بیعت کے علاوہ کوئی بنیاد موجود ہے۔ اس کیلئے متفق علیہ روایت ہے جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

((بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ' وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثْرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ))

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : "ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے اس بات پر کہ آپؐ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے' خواہ مشکل ہو خواہ آسانی ہو' خواہ ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں خواہ ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' خواہ آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں۔ جنہیں آپ امیر بنائیں گے یا ذمہ داری سونپیں گے ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں (ان سے تعاون کریں گے اور ان کی اطاعت کریں گے)' جہاں بھی ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے (اپنی رائے ضرور پیش کریں گے)۔ ہم اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (اس خوف سے کہ لوگ ملامت کریں گے یا مذاق اڑائیں گے ہم اپنی زبان بند نہیں کریں گے۔)

یہ ہے حزب اللہ (یعنی اللہ کی پارٹی) جس کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المجادلہ : ۲۲) نیز فرمایا : ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (المائدۃ . ۵۶) گویا حزب اللہ سے دنیا میں غلبے کا بھی وعدہ ہے (اگر یہ شرائط پوری کی ہوئی ہوں) اور اس حزب اللہ سے آخرت کی فلاح کا وعدہ بھی ہے۔ سورۃ المجادلہ میں اس فلاح کا ذکر ہے اور سورۃ المائدہ میں غلبے کا ذکر ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے جو بیعت سمع و طاعت لی تھی وہ غیر مشروط اور مطلق تھی' لیکن

آپؐ کے بعد اس بیعت سمع و طاعت میں "فی المعروف" کا اضافہ ہو گا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کی اطاعت مطلق اطاعت تھی کہ جو حکم بھی آپ دیں گے اس کی بلاچون و چرا اطاعت کرنی ہو گی۔ اس لئے کہ آپؐ سے غلطی کا صدور ممکن نہیں' آپؐ معصوم ہیں اور جو کچھ آپؐ پر اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے آپؐ وہی کچھ کرتے اور کہتے تھے۔ از روئے الفاظِ قرآنی :

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی ○ ﴾ (النجم : ۳'۴)

"اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔ یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے۔"

اگر کوئی دنیاوی تدبیر ہوتی تو اس میں حضور ﷺ ساتھیوں سے مشورہ لیتے۔ بعض مواقع پر ساتھی خود عرض کر دیتے کہ اگر آپ کی یہ رائے وحی پر مبنی ہے تو سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا' اور اگر یہ آپ کا ذاتی اجتہاد ہے تو ہمیں اس کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ فرماتے کہ ہاں' اپنی رائے بیان کریں۔ لیکن جس بات کا آپؐ حکم فرما دیتے اس پر سب سر تسلیم خم کر دیتے' کیونکہ وہ تو ہر حال میں ماننا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہ مقام نہیں ہے کہ وہ کہہ سکیں کہ میں جو حکم بھی دوں گا وہ ماننا پڑے گا۔ حضور ﷺ کے بعد اصول یہ ہو گا کہ کتاب و سنت کے دائرے کے اندر اندر حکم ہو گا تو وہ مانا جائے گا۔ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے دائرے کے اندر اندر حکم دیا جائے گا تو ٹھیک ہے' اس سے باہر قابل قبول نہیں۔ اسلامی ریاست کا سیاسی نظام بھی بنے گا تو اسی دائرے کے اندر اندر' اور کوئی جماعتی نظام بنے گا تو وہ بھی اس دائرے کے اندر اندر۔ چنانچہ ہم نے تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے جو حلف نامہ رکھا ہے وہ اسی حدیث پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں "فی المعروف" کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی "اِنِّیْ اُبَایِعُكَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْمَعْرُوْفِ . . . الخ

ظاہر بات ہے بیعت سمع و طاعت اُس جماعت کی بنیاد ہے جو اقامت دین کی سطح پر' یعنی تیسری منزل پر جہاد فی سبیل اللہ کا کام کرنا چاہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا' بیعت سمع و طاعت کا یہ نظام "منصوص" بھی ہے' یعنی قرآن و حدیث کی نص (text) سے ثابت ہے' "مسنون" بھی ہے' یعنی سنت نبویؐ سے ثابت ہے اور "ماثور" بھی ہے۔ امت کا اس پر

تعامل رہا ہے۔ تیرہ سو برس کی پوری مسلم تاریخ میں ہر اجتماعی کام شخصی بیعت کی بنیاد پر ہوا ہے۔ حضور ﷺ کے ہاتھ پر شخصی بیعت ہوئی' پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر شخصی بیعت ہوئی۔ اور جب خلافت غلط رُخ اختیار کر رہی تھی تو اس کا رُخ درست کرنے کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ میدان میں آئے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوفیوں نے بیعت توڑ دی۔ اس کا کوئی وبال حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اٹھے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ پھر ہمارے ہاں خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کرلی تو بھی بیعت کی بنیاد برقرار رہی۔ تصوف میں تزکیہ نفس کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ بھی بیعت ارشاد ہی کی بنیاد پر چلا۔ پچھلی صدی میں نو آبادیاتی نظام کے خلاف عالم اسلام میں مزاحمت کی تحریکیں اٹھیں تو وہ سب بیعت کی بنیاد پر ہی تھیں۔ چاہے وہ سوڈان میں مہدی سوڈانی کی تحریک تھی' یا لیبیا میں سنوسی کی تحریک تھی' یا ہندوستان میں تحریکِ شہیدین" تھی۔

موجودہ دَور میں مغربی اثرات کے تحت بالعموم شخصی بیعت کی بجائے دستوری بیعت کا نظام اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی جماعت کا ایک دستور لکھا ہوا موجود ہے اور آپ کی بیعت اس دستور سے ہے کہ آپ اس دستور کی پابندی کریں گے اور اس دستور کی رو سے جو امیر ہوگا اسکی بات مانیں گے۔ یہ دستوری بیعت ہے' جسے مَیں جائز اور مباح سمجھتا ہوں' لیکن میرے نزدیک منصوص' مسنون اور ماثور شخصی بیعت اس دستوری بیعت سے بدرجہا بہتر ہے۔

دو اہم باتیں

اب آخری دو باتیں نوٹ کر لیجئے۔

۱۔ پہلی دو منزلوں کے جہاد کا جہاد فی سبیل اللہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ ہدف تیسری منزل ہو۔ اگر پیش نظر اقامت دین نہیں ہے تو پھر یہ چیزیں جہاد فی سبیل اللہ شمار نہیں ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ پہلی منزل پر تزکیۂ نفس خانقاہی نظام بن کر رہ جائے اور بس تزکیہ اور تربیت کا یہی عمل نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہے۔ اسی طرح اگر دعوت و تبلیغ کا ہدف بھی "اقامتِ دین" نہیں ہے تو پھر یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے کھاتے میں شمار نہیں ہوگی۔ ٤

آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف!

لہٰذا آغاز ہی سے ہدف اقامت دین اور غلبہ ٔ دین ہونا چاہئے۔ ابتدا ہی سے یہ ہدف سامنے رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ ساری جدوجہد منزل بہ منزل اسی کے لئے ہو رہی ہے۔

۲۔ جب کوئی بندۂ مؤمن غلبہ طاغوت کے تحت زندگی گزار رہا ہو تو اس کی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں؟ آج پوری کی پوری اُمّت کا حال یہ ہے کہ وہ طاغوت اور باطل کے غلبے کے تحت زندگی گزار رہی ہے' اِلّا ماشاء اللہ' کچھ Pockets ہیں جو اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً آپ کہہ سکتے ہیں کہ افغانستان میں اسلامی حدود و تعزیرات کا نفاذ ہوا ہے یا کسی حد تک سعودی عرب' ایران اور سوڈان میں اپنے اپنے فقہی تصورات کے مطابق اسلامی قوانین نافذ کئے گئے ہیں' باقی پوری اُمّتِ مسلمہ طاغوت کے شکنجے میں ہے۔ چاہے سوفیصد مسلمان آبادی ہے لیکن نظام کافرانہ ہے۔ ایسی صورتحال میں قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ ﴿ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ○..... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ .. فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ ﴾ یعنی جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں..... وہی تو ظالم ہیں.... وہی تو فاسق (نافرمان) ہیں۔ بقول اقبال ؎

بُتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی!
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اس حالت میں اگر اس طاغوت کا انکار نہیں ہے' اس سے شدید نفرت نہیں ہے' اس کے خلاف جہاد کا عزمِ مصمم نہیں ہے اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدّوجہد کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنایا گیا تو پھر یہ زندگی میرے نزدیک نفاق کی زندگی ہے۔ پھر اس باطل نظام کے تحت پھلنا' پھولنا' اپنی جائیدادیں بنانا اور کاروبار چمکانا جائز نہیں ہے۔ ایسی حالت میں بندۂ مؤمن اور کچھ نہ کرے لیکن Under pro test ضرور رہے' کیونکہ وہ مجبور ہے۔ وہ ان حالات میں ایک مجاہد کی حیثیت سے رہے اور مسلسل جہاد کرتا رہے۔ کم سے کم درجے میں اس نظام سے شدید نفرت تو ہو' اس کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو' اس نظام کی خدمت نہ کی جائے' اس کی چاکری نہ کی جائے' اس کے ساتھ مصالحت (Reconcilation) نہ ہو' بلکہ ایک جدّوجُہد ہو اور انسان یہ سمجھے کہ یہ میرے لئے فرض عین ہے۔ یہ جہاد بندۂ

مؤمن پر فرضِ عین ہے۔ اس جہاد کے بغیر نجات نہیں ہے اور اس جہاد کے بغیر ایمان نہیں ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جس کے بارے میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِیَ اللّٰهُ اِلٰی اَنْ یُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ))

"جہاد (فی سبیل اللہ) جاری ہے اُس دن سے لے کر جس دن اللہ نے مجھے مبعوث کیا تھا اور اس وقت تک جاری رہے گا جب میری امت کا آخری حصہ دجال کے ساتھ جنگ کرے گا۔"

چنانچہ نوٹ کیجئے' بارہ برس مکے میں جو جہاد ہوا وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ تھا' قتال تو کہیں پندرہ برس بعد جا کر میدانِ بدر کے اندر ہوا ہے۔ پہلے جہاد حضور ﷺ نے تن تنہا کیا' پھر آپؐ پر ایمان لانے والے آپ کے ساتھیوں نے یہی جہاد کیا۔ بارہ برس صبر محض (Passive Resistance) میں گزرے ہیں تو اس دَوران بھی جہاد فی سبیل اللہ منزل بمنزل آگے بڑھتا رہا ہے اور پھر اقدام (Active Resistance) کا ایک دو سال کا عرصہ ہے اور پھر جا کر مسلح تصادم (Armed Conflict) یعنی قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ آیا ہے۔

بہرحال جہاد فی سبیل اللہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب امت کا آخری حصہ دجال کے ساتھ جنگ کرے گا۔ دجال کے ساتھ جو جہاد ہو گا وہ جہاد کی آخری منزل یعنی قتال ہو گا۔ یہ ایک بہت بڑی جنگ ہو گی جسے حدیث میں "اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰی" قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ مرحلہ بھی اب کوئی زیادہ دُور نہیں ہے' اس کے لئے عالمی سطح پر سٹیج تیار ہو رہا ہے اور اس کے لئے سارے عوامل دیکھنے والوں کو نظر آ رہے ہیں۔

یہ ہے جہادِ مسلسل' جُہدِ مسلسل' جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت اور لزوم' اس کی منزلیں' اس کے مراحل اور اس کے لوازم۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

مسلمان کا طرزِ حیات

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

پہلا باب

اللہ تعالیٰ پر ایمان

عقائد کے بیان میں یہ فصل سب سے زیادہ اہمیت و عظمت کی حامل ہے' کیونکہ یہ ایک مسلمان کی زندگی کا مرکز و محور ہے' جس کے اثرات اس کی پوری زندگی پر محیط ہیں۔ اس طرح اس کی حیثیت ایک مسلم کے نظامِ حیات کی اصل اور بنیاد کی سی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان

مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے' وہ ارض و سماء کا خالق ہے' ظاہر اور پوشیدہ کا علم رکھتا ہے' ہر شے کا رب اور مالک ہے' اس کے سوا نہ کوئی معبودِ برحق ہے نہ کوئی رب ہے' وہ ہر صفتِ کمال سے متصف ہے اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔

اس امر کی دلیل اولاً تو وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو نصیب ہوئی ہے[1] اور ثانیاً وہ نقلی اور عقلی دلائل جو ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں :

○ نقلی دلائل

ا ۔ اللہ عزّوجل نے قرآن مجید میں خود اپنی موجودگی کی خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ

---

(۱) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے : ﴿ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ﴾ "اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا"۔ (الاعراف : ۴۳)

وہ تمام مخلوقات کا رب ہے اور اُس نے اپنی دیگر صفاتِ مقدّسہ اور اسمائے حسنٰی سے بھی متعارف فرمایا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۟ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ (الاعراف ۔ ۵۴)

"تمہارا رب تو یقیناً وہ اللہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا' پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہ دن پر رات کا پردہ ڈال دیتا ہے جو اس کا تیزی سے تعاقب کرتی ہے اور سورج' چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا) جو اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ خبردار! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے' برکتوں والا ہے اللہ جو جہانوں کا رب ہے۔"

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے ارضِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو فرمایا :

﴿ ۔ ۔ یٰمُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ (القصص ۔ ۳۰)

"...اے موسیٰ میں اللہ ہوں' جہانوں کا رب!"

نیز فرمایا :

﴿ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝ ﴾ (طٰهٰ ۔ ۱۴)

"یقیناً میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس تُو میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔"

اس کے علاوہ اپنی عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ مقدّسہ کا اس طرح ذکر کیا :

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ

﴿ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

(الحشر : ۲۲-۲۴)

"وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا' وہ نہایت مہربان بے حد رحم کرنے والا ہے۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' بادشاہ' پاک' سلامتی والا' امن دینے والا' نگرانی کرنے والا' غالب' کمی پوری کرنے والا' کبریائی والا' اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ وہ اللہ ہے' بنانے والا' پیدا کرنے والا' صورت بنانے والا' بہترین نام اسی کے لئے ہیں' آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کی تسبیح بیان کرتا ہے' اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف یوں فرمائی ہے :

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾

(الفاتحة . ۱ - ۳)

"تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے' بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے' یومِ جزا کا مالک ہے۔"

اور ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

(الانبیاء : ۹۲)

"یقیناً تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں' پس تم میری عبادت کرو۔"

سورة المؤمنون کی آیت میں یہ الفاظ ہیں :

﴿ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ ﴾ (المؤمنون : ۵۲)

"اور میں تمہارا رب ہوں' پس مجھ سے ڈرو۔"

اِس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی رب ہو سکتا ہے یا زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے' ارشاد ہوا :

﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۲۲)

"اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور بھی الٰہ ہوتے تو ان میں فساد برپا ہو جاتا۔ پس عرش کا مالک اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں۔"

۲ ۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اسی نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور وہی ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ ان انبیائے کرام علیہم السلام نے اللہ کی صفاتِ مبارکہ اور اسمائے حسنیٰ کے متعلق بھی بتایا۔ ان میں سے ہر نبی اور رسول کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ اس پر نازل ہونے والا کلام اللہ کی وحی ہے۔ بعض انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے براہ راست کلام فرمایا اور بعض کی طرف فرشتہ نازل کیا یا ان پر الہام کیا۔

اللہ کی مخلوق میں سے منتخب افراد کی اس قدر کثیر تعداد جب بالاتفاق ایک بات بتائے تو انسانی عقل یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ انہوں نے ایک غلط بات پر باہم اتفاق کر لیا ہے اور ہمیں ایسی باتیں بتا رہے ہیں جن کے صحیح ہونے پر انہیں کامل یقین حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ مقدس افراد پاکباز ترین' سب سے بڑھ کر عقل و خرد کے حامل اور انتہائی صداقت مآب افراد تھے۔

۳ ۔ اربوں انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی موجودگی پر ایمان رکھتے ہیں' اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ایک یا دو قابلِ اعتماد افراد کی دی ہوئی اطلاع پر بھی اعتماد کر لیتا ہے' چہ جائیکہ ایک جماعت بلکہ لاتعداد افراد وہ اطلاع دے رہے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ عقل اور فطرت کی گواہی بھی موجود ہو کہ پیغمبر جو خبر دے رہے ہیں اور جس بات پر وہ یقین رکھتے ہیں وہ حق ہے۔

۴ ۔ لاکھوں علماء نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کی فلاں فلاں صفات ہیں' اور وہ تمام مخلوقات کو پالنے والا ہے' ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں' اپنی محبت و نفرت میں اور پسند و ناپسند میں اُسی کی رضا کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

○ عقلی دلائل

۱ ۔ ان مختلف جہانوں کا وجود' اور بے شمار رنگا رنگ مخلوقات کی موجودگی اس بات پر شاہد ہے کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے' اور وہ خالق اللہ تعالیٰ ہے' کیونکہ کوئی اور ہستی ان کی تخلیق کا دعویٰ نہیں رکھتی اور بغیر صانع کے ان کا پیدا ہو جانا عقل کے نزدیک محال ہے' بلکہ عقل تو کسی ادنیٰ چیز کے بھی بغیر صانع کے وجود میں آنے کو ممکن نہیں سمجھتی۔ مثلاً بغیر پکانے والے کے پکا پکایا کھانا اور بغیر کسی بچھانے والے کے بچھا ہوا بستر۔ تو پھر اس قدر عظیم کائنات کا وجود بغیر کسی خالق کے کس طرح ممکن ہے؟ یہ ناقابلِ یقین حد تک وسیع آسمان' اور سورج' چاند اور ستارے' جن کے حجم مختلف' فاصلے مختلف' اور رفتاریں الگ الگ ہیں۔ اور یہ زمین اور اس میں بسنے والے انسان' جنات اور حیوانات' ان میں کس قدر تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ پھر انسانوں میں باہم رنگ اور زبان کا فرق ہے' عقل و فہم کے درجات میں تفاوت ہے اور ان کی ظاہری شکل و شباہت اور خصائص میں فرق ہے۔ پھر زمین میں موجود مختلف معدنیات جن کے رنگ روپ الگ الگ اور فوائد و استعمالات گوناگوں ہیں۔ زمین پر بہتے ہوئے دریا' اور برِّ اعظموں کو گھیرے ہوئے سمندر' اس میں اگنے والے طرح طرح کے درخت اور پودے' اور ان کے انواع و اقسام کے پھل اور میوے' ہر ایک کا رنگ روپ الگ' ذائقہ اور خوشبو جدا اور فوائد و خصائص مختلف ہیں ــــ کیا یہ سب کچھ ایک عظیم اور مدبر خالق کا پتہ نہیں دیتا؟

۲ ۔ اللہ عزّوجل کا کلام مبارک جو ہمارے پاس موجود ہے' ہم اسے پڑھتے' سمجھتے اور اس کے نکات و معارف پر غور و فکر کرتے ہیں۔ وہ خود باری تعالیٰ کی موجودگی کی دلیل ہے' کیونکہ کلام کے لئے صاحبِ کلام کا وجود لازمی ہے۔

اور پھر یہ عظیم کلام تو محکم ترین شریعت اور بہترین قانون کا حامل ہے جس سے نوعِ انسانی کو بیش بہا فوائد حاصل ہوئے۔ اس میں ایسے سائنسی نظریات موجود ہیں جن کی صحت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس میں بہت سے غیبی معاملات اور تاریخی واقعات مذکور ہیں جو صداقت کے اعلیٰ ترین معیار پر پورے اترتے ہیں۔ زمانہ کے تغیرات اور اختلافِ مکان سے اس کی شریعت کے کسی حکم کے فوائد کم نہیں ہوئے اور اس کے بیان کردہ علمی اور سائنسی نظریات میں سے کوئی معمولی سا نظریہ بھی ترمیم طلب

ثابت نہیں ہو سکا۔ غیبی امور جو مستقبل میں ظاہر ہونے والے تھے' وہ سب کے سب بعینہٖ اسی طرح واقع ہوئے جس طرح قرآن نے بیان کیا تھا۔ قرآن نے ماضی کے جو واقعات بالتفصیل یا اجمالاً بیان کئے کسی مؤرخ کو ان کی تردید یا انکار کی جرأت نہ ہو سکی۔

عقل کیلئے ممکن نہیں کہ وہ ایسے حکمت بھرے اور سچے کلام کو کسی انسان کی طرف منسوب کر سکے' کیونکہ وہ انسانی طاقت سے برتر اور انسانی علم و تجربہ سے کہیں بالاتر ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ انسانی کلام نہیں تو پھر یقیناً وہ انسان کے خالق ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا وجود' اس کا علم اور اس کی حکمت و قدرت ثابت ہوتی ہے۔

۳ ۔ کائنات ایک پیچیدہ نظام رکھتی ہے' جس میں تخلیق و تکوین اور جاندار اشیاء کی نشوونما کے دقیق قوانین پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام مخلوقات ان قوانین کی پابند ہیں' کسی حال میں ان سے نہیں نکل سکتیں۔ مثلاً انسان کی تخلیق رحمِ مادر میں ایک قطرہ پہنچنے سے شروع ہوتی ہے' پھر وہ ایسے عجیب و غریب مراحل سے گزرتا ہے جن میں اللہ کے سوا کسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایک مکمل انسانی فرد بن کر دنیا میں آجاتا ہے۔ یہاں بھی اسے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یعنی بچپن کے بعد لڑکپن گزار کر جوانی میں داخل ہوتا ہے' پھر جوانی ڈھل جاتی ہے اور وہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔

انسان اور حیوان پر اثر انداز ہونے والے ان فطری قوانین سے نباتات اور درختوں کو بھی مفر نہیں' بلکہ اجرامِ ساوی' سورج' چاند' ستارے اور کہکشائیں سب اپنے اپنے قوانین کی پابندی پر مجبور ہیں اور ان سے نکلنے سے عاجز ہیں۔ اگر بفرضِ محال اس نظام میں خلل آجائے اور کچھ سیارے یا ستارے اپنا اپنا مدار چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو جائیں تو سب جہان تباہ ہو جائے اور زندگی صفحۂ وجود سے مٹ جائے۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے عقلی' منطقی اور نقلی دلائل ہیں جن کی بناء پر ایک مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے' اسے ہر چیز کا مالک و مربی مانتا ہے' اور اسے اولین و آخرین کا معبودِ حقیقی تسلیم کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی پوری زندگی اور اس کے تمام معاملات کی بنیاد اسی ایمان و یقین پر استوار ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

فکرِ عجم

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۲)

ڈاکٹر ابو معاذ

علامہ اقبال اور ایران کے مذہبی حلقے

پاکستان اور علامہ اقبال کا پیغام جناب آیت اللہ برو جردی (مرجع تقلید) اور آیت اللہ کاشانی تک ڈاکٹر عرفانی نے ابتداء ہی میں پہنچا دیا تھا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد قُم سے مشہور مذہبی رہنما علامہ فیض نے ایک کتاب بھی پاکستان کے بارے میں تحریر فرمادی تھی۔ اِن ایام میں ہندوستان کا پراپیگنڈا یہی تھا کہ مسلمانوں نے ہندوستان کے مرکز سے علیحدہ ہو کر دراصل غداری کا ارتکاب کیا ہے اور یہ بات کسی حد تک مذہبی حلقوں میں راسخ ہو چکی تھی، لیکن جب ان پر یہ پیغام واضح ہوا کہ دراصل برِّصغیر کے مسلمان قدیم ایرانی مبلغین کی مساعی کے باعث اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوئے تھے اور پھر ہندوؤں نے برِّصغیر کے ابتدائی دَور کے مسلمانوں کے خلاف اپنے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا تھا تو ایرانی علماء کے شکوک و شبہات ختم ہوتے چلے گئے۔ بے شمار مذہبی محفلوں میں جب علامہ اقبال کے وہ اشعار پہنچے جن میں حضرت فاطمہ الزہراؑ، حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کی تعریف کی گئی ہے تو ان کی بازگشت لاتعداد مذہبی مقامات پر سنائی دینے لگی اور یہ اشعار مختلف مجالس میں دہرائے جانے لگے۔ ہر چند کہ ڈاکٹر شریعتی نے ۱۹۷۳ء میں جب حسینیہ ارشاد میں علامہ اقبال پر ہفت روزہ سیمینار کا انعقاد کیا تو جناب شریعتی کی پُر خلوص کوششوں کی علماء کے ایک مخصوص تنگ نظر گروہ کی جانب سے اس لئے بھی مخالفت کی گئی کہ انہوں نے ایران میں ایک سُنّی مفکر (اقبال) کے پیغام کی اشاعت کی ہے جس نے بقول ان کے اہلِ

بیت کی توہین کی ہے، لیکن جب اقبال کا صحیح پیغام ان تک پہنچا تو ان کے شکوک و شبہات بھی بتدریج رفع ہوتے چلے گئے۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ ایران کے موجودہ مذہبی رہنما آیت اللہ علی خامنائی علامہ اقبال کے زبردست مداح ہیں اور آپ کا قول ہے "ایران کا اسلامی انقلاب علامہ اقبال کا مرہونِ منت ہے"۔ جناب عرفانی کی یاد میں کچھ برس قبل حکومتِ ایران کی جانب سے لاہور میں ایک تقریب کا انعقاد ہوا جس میں راقم الحروف کو بھی تقریر کے لئے بلایا گیا، اس موقع پر تمام ایرانی زعماء نے حضرت خامنائی کے اس پیغام کو دہرایا۔ انقلاب کے بعد کے ایران کے سفر کے مواقع پر راقم الحروف کو ایران کے مذہبی حلقوں میں علامہ اقبال کے افکار و اشعار کی بے پناہ مقبولیت کا احساس ہوا اور معلوم ہوا کہ علامہ اقبال کے اشعار و افکار ایک مدت سے ایران کے تمام تر مذہبی حلقوں میں شیعہ و سُنّی تعصب سے بالاتر ہو کر ایک قدر مشترک کے طور پر اپنائے جا چکے ہیں۔

۱۹۵۰ء کی دہائی کے آغاز میں جناب عرفانی کی کتاب "رومیٔ عصر" کی اشاعت کے بعد قُم سے علامہ سعدی نے علامہ اقبال کے حالات زندگی اور افکار پر ایک کتاب تحریر فرمائی۔ اس کے بعد علامہ اقبال کی شاعری کا والہانہ ذکر مذہبی حلقوں میں بھی شروع ہو گیا۔ علامہ کی انقلابی روح نے ایران کے روشن فکر مذہبی رہنماؤں کو جذباتی حد تک متأثر کیا۔ علی خامنائی نے بطورِ صدر مملکت کئی مواقع پر علامہ اقبال کے ساتھ اپنی زبردست عقیدت کا والہانہ طور پر ذکر فرمایا اور جناب سروش عرفانی کے مطابق ایک موقع پر تو انہوں نے یہاں تک برسرِ عام فرمایا کہ میں علامہ اقبال کا مرید ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ جملہ آپ مرجع تقلید اور ولایتِ فقیہہ کی پوزیشن میں ہوتے ہوئے تو نہیں کہہ سکتے، لیکن آپ کے ماضی کے ارشادات سے علامہ اقبال سے آپ کی عقیدت واضح ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کے وہ خوبصورت اشعار جو اہلِ بیت کی شان میں کہے گئے ہیں ان سے کچھ ایسے لوگوں کو بھی علامہ اقبال کے پیغام کو قبول کرنے میں دقت نہیں ہوئی جو اقبال کے غیر شیعہ ہونے کے باعث کسی حد تک آپ سے نالاں ہو سکتے تھے۔ انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد انتہائی ذمہ دار مذہبی رہنماؤں نے علامہ اقبال کو بلا تخصیص مکمل یکجہتی کے ساتھ اپنا ہیرو

تسلیم کیا ہے اور اب بھی انہیں وہی حیثیت سرکاری طور پر دی جاتی ہے۔

جناب ڈاکٹر علی شریعتی

یہ امر باعثِ دلچسپی ہے کہ ۱۹۴۵ء میں جب جناب عرفانی کا مشہد میں بطور ثقافتی سفیر برطانوی ہند تقرر ہوا تو انہوں نے اسی برس وہاں پر "بزمِ اقبال" کی بنیاد رکھی۔ یہ دراصل علامہ اقبال کے افکار کی ترویج و اشاعت کی غرض سے قائم کی گئی ایران میں پہلی سوسائٹی تھی۔ اسی سوسائٹی کے زیر اہتمام اقبال کے اشعار کی رو سے ایران کے درخشاں مستقبل کی نوید دی جاتی رہی۔ علامہ اقبال کے ابتدائی مداحوں مثلاً ملک الشعراء بہار کا تعلق بھی مشہد سے ہی تھا۔ مشہد خراسان کا مرکز تھا اور خراسان کے بارے میں ہی ایک حدیثِ طیبہ میں آنحضور ﷺ نے احیائے اسلام کے آغاز کی نوید سنائی ہے۔ یہیں پر جناب تقی شریعتی نے ۱۹۵۲ء میں جناب طاہر احمد زادہ' جناب ید اللہ اور جناب مہدی بازرگان کے ساتھ مل کر اسلامی محاذ کی بنیاد رکھی۔ یہ زمانہ جناب علی شریعتی کے لڑکپن کا زمانہ تھا' لہٰذا وہ ان تمام سرگرمیوں سے متأثر ہوئے۔ فرانس تشریف لے جانے سے پہلے آپ علامہ اقبال کے اشعار و افکار سے روشناس ہو چکے تھے۔ فرانس میں اپنے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی کام میں بھی آپ نے علامہ اقبال کے افکار سے روشنی اور راہنمائی حاصل کی۔

وطن واپسی پر آپ سرزمین ایران میں علامہ اقبال کے افکار کے سب سے بڑے مبلغ بن گئے۔ آپ کی جملہ تحریروں میں استعمار اور سامراجیت کے خلاف جنگ' دینِ اسلام کی صحیح معنوں اور اصلی حالت میں ترویج' آنحضور ﷺ کی پیروی اور انبیاء کے طریق کار کے مطابق اشاعتِ حق و صداقت کی بابت جناب شریعتی کی تحریروں اور تقریروں میں ہمیں ہر مقام پر علامہ اقبال کے افکار کا پرتو ملتا ہے۔ آپ نے علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں ابتدائے آفرینش' رزمِ خیر و شر' غلامی کی موجودہ صورت' شہنشاہیت اور استبداد کی ہر قیمت پر مخالفت' اسلام سے نام نہاد مذہبی اور خانقاہی ٹھیکیداروں کی بالادستی کے خاتمے' اسلام کی صحیح اور سادہ صورت میں اشاعت' لوٹ کھسوٹ کے خاتمے اور کفار کی اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے مقابلہ میں اپنے

انقلابی افکار کی اشاعت فرمائی۔ آپ نے ایران پر چھائے ہوئے جبر و استبداد کے صدیوں پر محیط جمود کو توڑا' نوجوانوں کو اقبال کا شاہین بنا دیا اور عقابی روح بیدار کر کے انہیں آزادی کے فلک کی وسعتوں میں جرأت پرواز دی اور قوم میں ایک ایسی دینی روح پھونکی کہ ہزاروں برس سے قائم بادشاہت کے جملہ نقوش مٹتے ہوئے نظر آنے لگے۔ آپ نے "اقبال وما" (اقبال اور ہم) لکھ کر علامہ اقبال کے انقلابی فکر کو متعارف کروایا۔ یہ امر باعثِ دلچسپی ہے کہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی نے بھی "علامہ اقبال اور ہم" کتاب لکھ کر قریباً قریباً انہی افکار کی انہی ایام میں اشاعت کی ہے مگر یہ کتاب لکھتے وقت آپ کو جناب شریعتی کی کتاب کا علم نہیں تھا۔ اس مشترکہ آواز کا دراصل سرچشمہ کہیں اور ہی ہے اور صدائے حق ہم دلی کے باعث پھیلتی ہے۔ بقول مولانا رومؒ

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست　　از کجا می آید این آوازِ دوست؟

(مغز بھی خشک' تار بھی خشک اور جلد بھی خشک' مگر پھر بھی اس ساز سے دوست کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔)

پس زبانِ محرمی خود دیگر است　　ہم دلی از ہم زبانی بہتر است

(آشنائی کی زبان کچھ اور ہی ہے اور ہم زبان ہونے سے ہمدلی کی کیفیت کہیں بہتر ہے)

اور بقول عرفانی

ہرچہ باشد حرف و گفتِ نارسا　　آشنا داند صدائے آشنا

(حرف اور گفتگو اگر ایک دوست سے دوسرے دوست تک نہ بھی پہنچ پائے پھر بھی آشنا بالآخر آشنا کی آواز کو پہچان لیتا ہے)

۱۹۷۳ء میں تہران میں جناب شریعتی نے تہران میں علامہ اقبال کے افکار کے بارے میں ہفتے بھر کے عرصے پر محیط ایک عظیم سیمینار کا انعقاد کروایا جس کی تمام غیر سرکاری حلقوں میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور تہران اور ایران کے پرجوش نوجوان علامہ اقبال کی انقلابی فکر سے متعارف ہوئے۔ اس سے پہلے اگرچہ ایران میں علامہ اقبال کا کلام کوچے کوچے میں پہنچ چکا تھا لیکن اس کی انقلابی جہت ابھی تک واضح نہیں ہوئی تھی اور نوجوانانِ عجم کی عقابی روح بیدار نہیں ہوئی تھی۔ جناب شریعتی نے

علامہ اقبال کو غزالیٔ ثانی قرار دیتے ہوئے آپ کے اشعار و افکار کو جوانانِ عجم کی زبان سے جاری و ساری کروا دیا۔ اس دلکش اور انقلابی تحریک کے قبل از انقلاب جذباتی مناظر کی تصویر آج بھی راقم الحروف کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ جناب علی شریعتی کی تبلیغ کا اثر تھا کہ آپ کی شہادت کے دو ہی برس بعد مجھے ایران کے طول و عرض کے سفر میں سر بکف اور کفن پوش نوجوان ملتے رہے جن کی زبان پر علامہ اقبال کی یہ غزل تھی ؎

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست   با من میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست

(مجھے تیر و سنان، خنجر اور تلوار کی آرزو ہے۔ میرے سامنے مت آنا کہ مجھے حضرت شبیرؓ کے مسلک کی آرزو ہے۔)

از بہرِ آشیانہ خس اندوزیم نگر   باز این نگر کہ شعلۂ در گیرم آرزوست

(ایک آشیانہ بنانے کے لئے میرا تنکے چننے کا عمل دیکھ اور پھر یہ بھی دیکھ کہ اپنے دامن میں کتنے شعلوں کی آرزو لے کر آ رہا ہوں)

گفتند لب بہ بند و ز اسرارِ ما مگو   گفتم کہ خیر نعرۂ تکبیرم آرزو است

(انہوں نے کہا کہ خاموش رہو اور ہمارے راز سرِعام مت کہو، میں نے کہا کہ خیر، مجھے نعرۂ تکبیر کی آرزو ہے۔)

گفتند ہرچہ در دلت آید زما بخواہ   گفتم کہ بی حجابیٔ تقدیرم آرزوست

(انہوں نے کہا کہ تجھے جو کچھ چاہئے وہ ہم سے مانگ لو۔ میں نے کہا کہ مجھے اپنی تقدیر کی بے حجابی کی آرزو ہے۔)

از روزگارِ خویش ندانم جز این قدر   خوابم ز یادِ رفتہ و تعبیرم آرزوست

(اپنے زمانے اور احوال مجھے بس اتنا ہی علم ہے کہ وہ ایک خواب تھا جو بھول چکا، مگر مجھے تو اس کی تعبیر کی آرزو ہے۔)

کو آن نگاہِ ناز کہ اوّل دلم ربود   عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست

(وہ نگاہ ناز کہاں ہے کہ جس نے سب سے پہلے میرا دل اڑا لیا تھا۔ خدا تیری عمر دراز کرے، مجھے نگاہ کے اسی تیر کی آرزو ہے۔)

یہی آرزوئیں دل میں بسائے نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے اور قرآنی آیات کا مسلسل ورد

کرتے ہوئے ہزاروں جذباتی انقلابی نوجوان پہلوی استبداد کے جلائے ہوئے شعلوں میں خلیل اللہ کی طرح کود گئے مگر اس سفر سے پھر وہ کبھی واپس نہ آسکے۔

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

(خاک و خون میں لوٹ پوٹ ہو کر ان شہداء نے ایک عظیم رسم قائم کر دی۔ خدا ان پاک طینت عاشقوں پر رحمت نازل فرمائے۔)

ہر چند کہ جناب شریعتی کے ان خیالات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے جو انہوں نے علامہ اقبال کی پیروی میں ایرانی قوم میں عام کئے' تاہم ایک عاجزانہ سی کوشش سہی کہ ان کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں :

علامہ اقبال کیا ہیں؟ وہ تو ایک باب ہیں اس کتاب کا جس کا دوسرا باب سید جمال الدین افغانی ہیں۔ اگر ہم ان دونوں کو پہچان لیں تو پھر اس کتاب کے مندرجات ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں۔ یہ دونوں ہستیاں تو عنوان ہیں جبکہ متن (مضمون) ہم ہیں۔ ہم' ہماری سوچ' ہماری مشکلات' ہمارے مسائل اور ان کا حل۔ وہ اقبال ہی تھے جنہوں نے سید جمال الدین افغانی کے وحدتِ ملّتِ اسلامیہ کے تصور کو ایک جاندار فکری بنیاد مہیا کی۔

علامہ اقبال وہ روشن و منور چہرہ ہے جس نے عالمِ انسانیت کو اس عہد میں اسلام کی بار آور تہذیب و ثقافت کا تحفہ پیش کیا۔ اسلام نے زندگی کی تمام صورتوں اور گوشوں میں انسانی روح کا احترام نمایاں کیا ہے۔ دنیائے فانی میں انسانیت کی بہت سی عظیم شخصیات اسلام کی فکر کے باعث سامنے آئی ہیں۔ اقبال ہر چند کہ انہی میں شامل ہے لیکن ان میں ممتاز بھی ہے اور اقبال کا امتیاز یہی ہے کہ اس بلند و بالا اور بار آور درخت نے اُس وقت اپنا سر اُٹھایا جب اسلامی تہذیب و ثقافت کے گلستان پر خزاں کا دور دورہ تھا اور جب مغربی سامراج اور استعمار کے طوفانی تھپیڑے اسے ختم کرنے کے درپے تھے۔ اس شدید موسم اور نامساعد حالات میں اسی ویران اور خشک کھیتی میں ایک سروِ آزاد بلند ہوا جس کے وجود نے دوستوں اور دشمنوں کو محوِ حیرت کر دیا۔

اسلام کی کشتِ ویران میں قیمتی بیج ایک سیلِ بلا سے خوف زدہ ہو کر چھپے ہوئے تھے اور اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے یہ پیغام دیا کہ ہماری اس ویران اور آفت

زدہ کھیتی کی گہرائیوں میں اب بھی اسلامی روح کا بیکراں اور متلاطم سمندر موجیں مار رہا ہے۔ اس نے یہ پیغام دیا کہ تم اپنی تہذیب کی زرخیز مٹی کو ذرا کھود و تو سہی اور اس زندگی بخش سمندر سے روح اور طاقت حاصل کرو۔ اس ویران اور بنجر کھیتی کو ایک بار پھر جنت میں بدل دو۔

یہی تو وہ اسلام کی محرک روح تھی جس نے عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں میں زندگی کی برق دوڑا دی تھی اور پھر اس نے پچیس برسوں میں روم اور ایران کی استعماری زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا' شہنشاہوں' قیصروں' مغوں اور پادریوں کا جابرانہ تسلط ختم کر دیا۔ اقبال نے اپنی شاعری سے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اسلام عظیم انسان پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو مغربی استعمار اور سامراج کے بے رحم شکنجوں میں جکڑی ہوئی ایک بے مایہ قوم کے ایک فرد کی صحیح تربیت کر کے اسے "اقبال" بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ میں وہ تمام جواہر مجتمع ہیں جن کی صورت ہمیں الہامی مذاہب میں ملتی ہے۔ وہ یہودیوں کے عقائد کے مطابق پائی جانے والی جباریت کا مظہر بھی ہے اور عیسائیوں کے خدا والی رحمانیت کا بھی۔ قرآن پاک میں تورات والی مدنیت بھی ہے اور انجیل والی روحانیت بھی۔ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آزادیوں اور حریت کے لئے لڑنے والے مجاہد ہیں تو دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عشق و محبّت کے مظہر۔ آنحضور ﷺ کی پیروی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیک وقت ایک محنت کش' ایک سیاسی مدبّر' ایک فوجی جرنیل' ایک عارف' ایک خوش کلام مقرر اور تکالیف کو صبر و استقامت اور خاموشی سے برداشت کرنے والے جوانمرد بھی۔ علامہ اقبال میں بھی سُنّتِ رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے اور حضرت علیؓ کی پیروی کرتے ہوئے ایسی خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

علامہ اقبال نے مغربی اور مشرقی علوم کو بدرجہ اتم حاصل کیا اور وہ ماضی کے گنبد سے باہر آ گئے۔ جدید علوم و افکار کا براہ راست مطالعہ کر کے وہ اس صدی کے عظیم انسان قرار پائے۔ آپ کے عقلی فلسفہ میں شعر کی چاشنی کی آمیزش ہو گئی۔ شعر کی لطافت اور

حسن نے ان کے پیغام کو دلکش بنا دیا۔ اسی طرح شاعرانہ رقت نے آپ کو فلسفیانہ فکر کی گہرائی سے خالی نہیں ہونے دیا۔ آپ کے مذہبی عقائد نے آپ میں تعصب پیدا نہیں ہونے دیا تو دوسری طرف آپ کی عقل و دانش نے آپ کے جذبہ ایمانی کو کمزور نہیں کیا۔ وہ برگسان کی طرح سوچتے' رومی کی طرح جذبات کے طوفان میں موج زن ہو جاتے اور جمال الدین افغانی کی طرح مسلم اقوام و ملل کی آزادی کی تڑپ دل میں بسائے سامراج کا مقابلہ کرتے تھے۔ آپ نے مارٹن لوتھر کی طرح عصرِ حاضر میں فکر اسلامی کی تجدید اور تشکیلِ نو کو اپنا نظریۂ حیات بنا رکھا تھا۔

آج کے دور میں ہمارے مغرب زدہ نام نہاد دانشوروں' خوفزدہ عوام اور قدیم و جدید علماء کے لئے علامہ اقبال کے شعر و فکر کا مطالعہ وقت کی شدید ترین ضرورت ہے۔ وہ لوگ جن کا مقصد عوام کی سادگی اور لاعلمی سے فائدہ اُٹھانا ہے وہ علم کی روشنی سے خوفزدہ ہیں اور علامہ اقبال کا نام سننے سے گھبراتے ہیں۔ انہیں یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ مسلمان عوام ایک نہ ایک دن علامہ اقبال کو پہچان لیں گے اور پھر ان اجارہ داروں کے چنگل سے باہر نکل جائیں گے۔ یہی ان کے خوف کی اصل وجہ ہے۔

اسلام اِس دور میں بھی ماضی کی طرح اعلیٰ درجے کے عظیم افراد پیدا کرنے اور ان کی فطری صلاحیتوں کو جلا بخشنے کی قدرت رکھتا ہے' اس کی زندہ مثال علامہ اقبال کی شخصیت ہے۔ عالمی سطح پر بھی اور مسلم معاشرے بالخصوص ایشیائی مسلم معاشرے یعنی ہندوستان' انڈونیشیا اور ملائیشیا جیسے ممالک میں بھی اقبال بیداری اور احیائے اسلام کی ایک بلند آہنگ پکار ہے جو اسلام دشمن سامراجیوں کے وجود پر ایک کاری ضرب کی حیثیت کی حامل ہے۔

جناب شریعتی کی زندگی کے آخری ایام میں آپ کی تقریر و تحریر پر علامہ اقبال کے اثرات گہرے ہوتے چلے گئے اور آپ کی پریشان روح نے ایران کے عروقِ مردہ میں بجلیاں دوڑا دیں۔ پھر ایک سیلاب اُٹھا اور اس سیلاب میں سب خشک و تر بہہ کے رہ گیا۔ علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل انقلابی پیغام ایران نے سمجھ لیا۔

خاور ہمہ مانندِ غبارِ سرِ راہی است　　　یک نالۂ خاموش و اثر باختہ آہی است

ہر ذرۂ این خاک گرہ خوردہ نگاہی است　　　از ہند و سمرقند و عراق و ہمدان خیز

از خوابِ گران' خوابِ گران' خوابِ گران خیز!

از خوابِ گران خیز!!

(مشرق یعنی ایشیا کسی کاروان کے قدموں سے اُٹھنے والے راستے کے غبار کی مانند ہے۔ یہ ایک خاموش نالہ ہے اور ایسی آہ ہے جس کا اثر زائل ہو چکا ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ دراصل ایک ایسی نظر ہے جو گرہ کھا کر مجسم ہو چکی ہے۔ ہندوستان' سمرقند' عراق اور ایران کے تاریخی شہر ہمدان کے لوگو اُٹھ پڑو۔ گہری نیند' گہری نیند' گہری نیند سے جاگ جاؤ۔ گہری نیند سے اُٹھ پڑو!)

این نکتہ کشایندۂ اسرارِ نہان است　　　ملک است تنِ خاکی و دین روحِ روان است

تن زندہ و جان زندہ ز ربطِ تن و جان است　　　با خرقہ و سجادہ و شمشیر و سنان خیز

از خوابِ گراں' خوابِ گراں' خوابِ گران خیز!

از خوابِ گراں خیز!!

(یہ نکتہ دراصل چھپے ہوئے رازوں کو افشاء کرتا ہے کہ ملک ایک مٹی کا پتلا ہے اور اس کا روح رواں دین ہے۔ جسم اور جان دونوں کی زندگی دراصل جسم و جاں کے رابطے اور اتصال سے ممکن ہے' درویشی کی گدڑی (جائے نماز یا مسند ارشاد)' تلوار اور نیزے کے ہمراہ اُٹھ کھڑے ہو!' گہری نیند' گہری نیند' گہری نیند سے جاگ جاؤ۔ گہری نیند سے اٹھ پڑو!)

(جاری ہے)

آنے والے دور کے بارے میں سالوں کے تعین کے ساتھ پیشینگوئیاں نہیں کی جاسکتیں

محمد عبدالمجید صدیقی کے نام ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا مکتوب

محترمی صدیقی صاحب 'وعلیکم والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ آپ کی تازہ تالیف "دنیا جنگوں کے دہانے پر" کا نسخہ بھی مل گیا تھا اور آپ کا گرامی نامہ بھی موصول ہوا۔ آپ نے اپنی اس تالیف کا انتساب مجھ سے کر کے میرا اکرام واعزاز کیا ہے' جس کے لئے تہہ دل سے ممنون ہوں۔

آپ نے مستقبل سے متعلق احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور موجودہ حالات کے شواہد و آثار کے حوالے سے جو مواد اپنی اس تالیف میں جمع کر دیا ہے' بہت قابل قدر ہے ـــــ بلکہ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا کہ آپ نے اسے ان موضوعات پر انسائیکلوپیڈیا اور Reference Book بنا دیا ہے!

تاہم آپ نے جس تیقن کے ساتھ اور سالوں کے تعین کے ساتھ پیشینگوئیاں کی ہیں ان میں سے اکثر سے مجھے اختلاف ہے۔ سوائے اس سلسلۂ واقعات کی اوّلین کڑی یعنی حضرت مہدی کے منظرعام پر آنے سے متعلق رائے کے۔ چنانچہ خود میں نے اب سے چار پانچ سال قبل راولپنڈی میں اپنے ایک خطاب عام میں یہ عرض کر دیا تھا کہ میرے اندازے کے مطابق ان کی ولادت ہو چکی ہے اور ان کے ظہور کا وقت اب دور نہیں ہے۔ (واضح رہے کہ اُس وقت تک مجھے جین ڈکسن کی اس رائے کا کوئی علم نہیں تھا جو اس نے شرق اوسط میں ۱۹۶۲ء میں ایک انقلاب آفریں شخصیت کی پیدائش کے بارے میں دی تھی!) لیکن اس کے بعد کے واقعات کے ضمن میں آپ کا دیا ہوا ٹائم ٹیبل بالکل غلط ہے۔ حضرت مہدی کے سامنے آنے کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں ان کی حکومت کے مستحکم ہونے میں بھی کئی سال لگیں گے اور ایک حدیث نبویؐ کے مطابق ان کی حکومت کے استحکام کے لئے فوجیں مشرق کی جانب سے آئیں گی۔ گویا عرب کے مشرق میں کسی ملک میں نظام خلافت نہ صرف قائم ہو چکا ہو گا بلکہ اتنا مستحکم بھی ہو چکا ہو گا کہ وہاں سے فوجیں عرب بھیجی جا سکیں ـــــ پھر "الملحمۃ العظمٰی" سے "خروج دجال" تک کے زمانے کے ضمن میں آپ نے ترمذی اور ابوداؤد کی جس روایت پر انحصار کرتے ہوئے اپنا ٹائم ٹیبل مرتب کیا ہے مشکوٰۃ شریف میں اس سے بالکل متصل سنن ابی داؤد ہی کی ایک دوسری روایت موجود ہے جس میں ان دو واقعات کے مابین سات سال کے فصل کا ذکر ہے ـــــ اور امام ابوداؤدؒ کا یہ قول بھی ساتھ ہی موجود ہے کہ یہ روایت "اَصَحّ" ہے!

بہرحال احادیث نبویہؐ میں وارد شدہ واقعات و حوادث یقیناً شدنی ہیں 'اور یہ بھی غلط نہیں کہ وہ اب زیادہ دور بھی نہیں ہیں ـــــ تاہم ان کے مابین ترتیب میں بھی ایک سے زیادہ آراء ممکن ہیں ـــــ اور ان کی سن وار تیقن کے ساتھ تعیین تو میرے نزدیک بہت بڑی جسارت ہے' ـــــ گستاخی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

فقط والسلام — خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۸
شمارہ : ۱۲
رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
دسمبر ۱۹۹۹ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زر تعاون ۱۰۰/-

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چوہدری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

موجودہ حکومت نے جس کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف ہیں' ۱۲/۱۷ اکتوبر کو حسب اعلان ملک و قوم کی دولت کو اپنے باپ کی میراث سمجھ کر بے رحمانہ انداز میں لوٹنے والے چند بڑے نادہندگان (جن کو عرف عام میں مگرمچھ کہا جاتا ہے) پر آہنی ہاتھ ڈال کر اس معاملے میں اپنے سنجیدہ ہونے اور کچھ کر گزرنے کی صلاحیت کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ پاکستان کے عوام کی دیرینہ ناآسودہ خواہش کی تکمیل کا آغاز ہے اور یقیناً نہایت خوش آئند ہے۔ سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف نے بھی احتساب کا نعرہ نہایت بلند آہنگ کے ساتھ لگایا تھا اور اس کے لئے ایک باقاعدہ کمیشن ہی قائم نہیں کیا بلکہ قوم کے کروڑوں روپے بھی لٹائے تھے' لیکن اپنے انتہائی جانبدارانہ طرز عمل کے باعث وہ "احتساب" کے لفظ کو بدنام کرنے کے سوا اور کوئی "کارنامہ" سرانجام نہ دے سکے۔ موجودہ حکومت کا اقدام اس لحاظ سے قابل تحسین ہے کہ پکڑ دھکڑ کے پہلے مرحلے میں ملک کی دونوں بڑی سیاسی پارٹیوں سے وابستہ بعض نادہندہ لیڈروں کو گرفتار کرنے کے ساتھ ساتھ بعض نامور سرمایہ داروں اور ریٹائرڈ فوجی افسروں پر بھی یکساں انداز میں ہاتھ ڈال کر نہ صرف یہ کہ اس نے احتساب کے عمل میں جانبداری کے تاثر کو زائل کیا ہے بلکہ "احتساب" کے لفظ کی آبرو کو بھی کسی قدر بحال کرنے میں اسے قابل لحاظ کامیابی حاصل ہوئی ہے ــــــ تاہم یہ کہنا ابھی قبل از وقت ہو گا کہ حکومت اس داخلی محاذ پر کامیابی کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھ سکے گی یا اسے پسپائی اختیار کرتے ہی بنے گی۔ ؏ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

ملک کو درپیش معاشی بحران پر قابو پانا اور آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے دباؤ کے مقابل کوئی مناسب حکمت عملی اختیار کرنا موجودہ حکومت کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہو گا۔ چیف ایگزیکٹو اور موجودہ حکومت کے کارپردازوں کے بیانات کے ذریعے جو تاثر اب تک سامنے آیا ہے وہ قطعاً خوش آئند نہیں ہے۔ حکومت اس معاملے میں بظاہر "باغباں بھی خوش رہے' راضی رہے صیاد بھی" کی پالیسی پر عمل پیرا ہے لیکن یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ "صیاد" کو راضی کرنے کی پالیسی ہمارے معاشی بحران کو حل کرنے میں نہ پہلے کامیاب ہوئی ہے اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ حکومت نے اس بات کا واضح عندیہ دیا ہے کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو خوش رکھنے کی سابقہ پالیسی برقرار رہے گی اور ہم ڈیفالٹ ہونے سے بچنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ رائے بالکل صائب ہے کہ اگر ہمارا ہدف یہی رہا تو ملک کو معاشی بحران سے نکالنے کے دعوے کو خوش خیالی اور ایک خوشنما آرزو ہی قرار دیا جا سکتا

ہے اور اس طرح ہم معاشی بحران کے اس گرداب سے کبھی نکل نہ پائیں گے جس نے ہمیں معاشی طور پر مفلوج اور دیوالیہ کر رکھا ہے۔ (امیر تنظیم کی اس رائے کی تفصیل ان کے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جو زیرِ نظر شمارہ میں شامل ہے)

جہاں تک موجودہ حکومت سے فروغِ دین اور قیامِ نظامِ اسلامی کی توقعات وابستہ کرنے کا تعلق ہے تو ہماری دانست میں یہ توقع سراسر بلاجواز ہے۔ اس لئے کہ نہ تو جنرل پرویز مشرف نے اسلام کا نعرہ لگا کر نواز شریف کو معزول کیا اور ملک کی زمام کار سنبھالی ہے اور نہ ہی قوم نے بحیثیت مجموعی اپنا قبلہ درست کر کے اسلام کو اپنی ترجیح اول قرار دیا ہے' لٰہذا موجودہ حکومت سے اس حوالے سے کوئی توقع وابستہ کرنا محض خوش فہمی اور خوش گمانی ہی قرار پائے گا ــــ تاہم کسی خوش فہمی کا شکار ہوئے بغیر محض کسی درجے میں "حق نصیحت" ادا کرنے کی خاطر ہم حکومت وقت کو اس جانب متوجہ کرتے رہیں گے کہ پاکستان کی بقا و استحکام کا راز صرف اور صرف اسلامی نظام کے قیام میں مضمر ہے' کوئی دوسری وقتی تدبیر ہمارے مسائل کا حل اور عوام کے دکھوں کا مداوا نہیں بن سکتی۔ ہمارا یہ پختہ موقف ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا واحد راستہ اس انقلابی جدوجہد کے ریگزار سے ہو کر گزرتا ہے جس کی رہنمائی ہمیں سیرت رسول ﷺ اور منہج نبویؐ سے ملتی ہے۔ اس معاملے میں کسی راہ قصر (SHORT-CUT) کی تلاش میں منزل سے قریب تر کرنے کی بجائے اندیشہ ہے کہ "یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد" کے مصداق منزل سے دور کرنے کا موجب نہ بن جائے!!

☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی کی مشاورت کا توسیعی اجلاس بحمد اللہ حسب اعلان ۲۱ تا ۲۳ نومبر قرآن آڈیٹوریم میں منعقد ہوا جس میں ارکان شوریٰ کے علاوہ ان ملتزم رفقاء کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی جو تنظیم اسلامی کے ۲۵ برس مکمل ہونے پر اس کی اساسات' حکمت عملی' طریق کار یا اہداف کے حوالے سے ناقدانہ انداز میں اظہار خیال کرنے کے خواہش مند ہوں۔ ارکان شوریٰ کے علاوہ ملک بھر سے ساٹھ سے زائد رفقاء اس میں شرکت کے لئے تشریف لائے اور اہم تنظیمی امور پر نہایت کھلے ماحول میں گفتگو ہوئی۔ امیر تنظیم اسلامی نے اپنے اختتامی خطاب میں اہم امور کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ تنظیم کے پس منظر' اس کی اساسات اور اس کے لائحہ عمل پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس اجلاس کی تفصیلی رپورٹ اگر اللہ نے چاہا تو ندائے خلافت میں شائع کر دی جائے گی۔OO

ظروف و احوال

"شریعت اسلامی کے نفاذ کے بغیر اسلامی ریاست کا کوئی تصور نہیں ہے"

"جاگیرداری نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے"

مسجد دار السلام باغ جناح میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے 5 نومبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

۵ نومبر= ہمیں اپنے مسلمان قوم ہونے کا ثبوت اپنے عمل سے فراہم کرنا ہو گا۔ چیف ایگزیکٹو پاکستان جنرل پرویز مشرف کی یہ بات بالکل بے تکی اور ناقابل فہم ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور ہمیں اس کے لئے کسی کو ثبوت دینے کی ضرورت نہیں۔ ملک کے اتنے اہم منصب پر فائز عہدیدار کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن حکیم کی رو سے شریعت اسلامی کے نفاذ کے بغیر اسلامی ریاست کا کوئی تصور نہیں ہے۔ تاہم جنرل مشرف نے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں جو دوسری باتیں کی ہیں وہ قابل ستائش ہیں' اور اگر وہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گئے تو ملک و ملت کے لئے بہت بہتر ہو گا۔ بالخصوص انہیں کڑا' منصفانہ اور شفاف احتساب ضرور کرنا چاہئے۔ اسی طرح انتخابات کے نظام کی اصلاح کرنے کا عزم بھی قابل تحسین ہے۔ جہاں تک آئینی ڈھانچے میں تبدیلی کا تعلق ہے' اس بارے میں درست طرز عمل یہ ہو گا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو کلیتاً تبدیل نہ کیا جائے بلکہ کچھ ترامیم کے ذریعے اس کے سقم دور کر دیئے جائیں۔ اپنی پریس کانفرنس میں پرویز مشرف صاحب نے جاگیرداری کے خاتمے کی بات ذرا دھیمے انداز میں کی ہے اور کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں "لینڈ ریفارمز" متعارف کروانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ جاگیرداری کے نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے تاکہ ملک کی گاڑی جو ۵۲ برس سے آگے نہیں بڑھ سکی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو سکے۔

یہ بات بھی تشویش ناک ہے کہ موجودہ حکومت کا بھی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے چنگل سے نکلنے کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا' جس کا مظہر جنرل سیلز ٹیکس کا نفاذ اور پٹرول کی قیمتوں میں اضافے کا فیصلہ ہے۔ اس فیصلے کا اثر براہ راست عوام پر پڑے گا۔ محسوس ایسا ہوتا ہے آئی۔ ایم۔ ایف نے' جو دراصل صیہونی ورلڈ آرڈر کے قیام کا ایک اہم آرگن ہے' اپنے کچھ مقاصد بے نظیر دور میں حاصل کئے اور جب ملک کے عوام ان سے متنفر ہو گئے تو پھر نواز شریف کے ذریعے عوام کے گرد گھیرا تنگ کیا گیا اور مہنگائی میں مسلسل اضافے کے ذریعے ان کا جینا دوبھر کر دیا گیا۔

نواز شریف کی مقبولیت کم ہونے کے بعد گویا اب رہی سہی کسر پرویز مشرف سے پوری کروائی جارہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے چنگل سے نکلے بغیر ملک کو حقیقی خوشحالی سے ہمکنار نہیں کیا جاسکتا۔ جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ماضی میں حاصل کئے گئے قرضوں کی ادائیگی کے لئے Debt Equity Swap کا طریقہ اختیار کیا جائے' جیسا کہ جنوبی امریکہ کے ممالک نے عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ کیا۔ یا پھر سیدھے سیدھے ہاتھ اٹھا دیئے جائیں کہ ہم پہلے ہی قرضوں سے زیادہ رقم سود کی شکل میں ادا کرچکے ہیں' اب مزید قرضے نہ لیں گے نہ واپس کریں گے۔ اگرچہ اس کا نتیجہ پابندیوں کی صورت میں نکلے گا لیکن پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہے' لہٰذا جلد ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں جاگیردارانہ نظام ختم کرکے اگر یہاں کی زمینوں کو خراجی قرار دے دیا جائے اور کاشت کاروں سے براہ راست خراج وصول کیا جائے تو پاکستان اس خطے میں خوشحال ترین ریاست بن جائے گا۔

پرویز مشرف صاحب نے افغانستان کے معاملے میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ ناقابل فہم ہے اور ایک درجے میں وہ امریکہ کے مقاصد پورا کرنے کے مترادف ہے۔ حالانکہ پاکستان پہلے ہی طالبان حکومت کو تسلیم کرچکا ہے۔ لہٰذا وقت کا تقاضا اور پاکستان کے مفاد میں بھی یہی ہے کہ ہمیں طالبان کے ساتھ مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

چیچنیا پر روسی جارحیت کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ روس ایک مسلم ریاست کا بھرکس نکال رہا ہے لیکن نہ صرف عالمی برادری بلکہ عالم اسلام بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی بے حسی سے تنگ آکر چیچنیا کے صدر اسلان مسخادوف نے "پوپ" سے اپیل کی ہے کہ وہ انہیں اس روسی عذاب سے نجات دلائے۔ یہ امت مسلمہ کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ کسی بھی مسلمان ملک نے چیچنیا پر ہونے والی زیادتی کے خلاف آواز تک اٹھانا گوارا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ دراصل کم ہمتی اور مسکنت کا عذاب ہے جو اللہ کے دین کو قائم نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں ہم پر تھوپ دیا گیا ہے۔

ہمارا اصل مرض : زوالِ اخلاق!

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان کی باون سالہ تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے چار دَورانئے تو ٹھیک گیارہ گیارہ سال کے تھے' دو بالکل آغاز میں' جنہیں اب ماضی بعید قرار دیا جا سکتا ہے' اور دو آخری ۲۲ سالوں پر محیط جنہیں ماضی قریب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے' اور ان کے مابین ایک آٹھ سالہ دَور گزرا جو ذرا منفرد نوعیت کا تھا۔

پہلے گیارہ سال کے عرصے کے دَوران' یعنی ۴۷ سے ۵۸ء تک' ہم نے اس پارلیمانی جمہوریت کا بیڑا غرق کیا جو ہمیں انگریز سے وراثت میں ملی تھی' چنانچہ پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ تو آزادی کے فوراً بعد دیکھتے ہی دیکھتے تحلیل ہو گئی' اس لئے کہ وہ حقیقتاً ایک "جماعت" کبھی تھی ہی نہیں' بلکہ اس کی اصل حیثیت ایک "تحریک" کی تھی۔ مسلم لیگ کے تحلیل ہو جانے اور بالخصوص اس کی جو قیادت ہندوستان سے امپورٹ ہوئی تھی اس کے پس منظر میں چلے جانے کے بعد دھرتی کے سپوتوں پر مشتمل جو جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کی قیادت ابھری اس نے اور بیوروکریسی نے مل کر وہ دھما چوکڑی مچائی کہ الامان والحفیظ! ـــــ چنانچہ سیاسی جماعتیں راتوں رات بنیں اور حکومت پر بھی براجمان ہو گئیں اور حکومتیں بننے اور ٹوٹنے کے عمل نے تیز رفتاری اختیار کی ـــــ اور پنڈت نہرو کو یہ طنز کرنے کا موقع ملا کہ "میں پاکستان کے کس وزیراعظم سے بات کروں؟ یہاں میں کپڑے اتنے نہیں بدلتا جتنی وہاں حکومتیں بدل جاتی ہیں"۔ بہرحال اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افواجِ پاکستان کو جواز حاصل ہو گیا کہ سول حکومت کا تختہ الٹ دیں اور مارشل لاء نافذ کر دیں۔ (اگرچہ ایک کام بالکل بلاجواز' اور اغلباً امریکی صیہونیت کے زیر اثر کیا گیا' یعنی نہ صرف یہ کہ نو دس سال کی محنت سے تیار ہونے والے دستور کی بساط لپیٹ دی گئی بلکہ دستور یہ کا بستر بھی گول کر دیا گیا!)

ٹھیک ان ہی ابتدائی گیارہ سالوں کا ایکشن ری پلے ہے جو حالیہ گیارہ سالوں کے

دَوران ہوا۔ ان گیارہ سالوں میں (۸۸ء تا ۹۹ء) چار بار الیکشن ہوئے، دو مرتبہ پیپلز پارٹی کو موقع ملا اور دو ہی مرتبہ ایک نوزائیدہ مسلم لیگ کی حکومت بنی ـــــ لیکن ان گیارہ سالوں کے دَوران مسلسل لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ اور ہم نے "ترقی" کر کے دنیا کی کرپٹ ترین ریاست ہونے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ ملک اقتصادی طور پر دیوالیہ ہو گیا۔ مہنگائی اتنی بڑھی کہ غربت و افلاس کی بنا پر خودکشی کی خبریں روزانہ کا معمول بن گئیں۔ سارے ریاستی ادارے تباہ و برباد ہو گئے ـــــ تاآنکہ جب آخری ریاستی ادارے یعنی فوج پر بھی حملہ ہوا تو فوج نے جوابی کارروائی کی ـــــ اور ہیوی مینڈیٹ والی حکومت کو ختم کر کے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ (لیکن بہت غنیمت ہے کہ دستور کو صرف معطل کیا ہے، منسوخ نہیں!)

گویا ہماری تاریخ کے پہلے اور آخری اَدوار میں بڑی گہری مشابہت ہے اور ان دونوں کے دَوران ہم نے ثابت کر دیا کہ ہم جمہوریت کے اہل نہیں ہیں! اور بالخصوص پارلیمانی جمہوریت تو ہمارے بس کا روگ ہے ہی نہیں!

بعینہٖ یہی معاملہ ہماری تاریخ کے دوسرے، اور چوتھے گیارہ گیارہ سال کے دَورانیوں یعنی ۵۸ء تا ۶۹ء اور ۷۷ء تا ۸۸ء کا ہے کہ ان میں بھی نہایت گہری مشابہت ہے۔ ان دونوں اَدوار میں پہلے مارشل لاء نافذ ہوا ـــــ جس نے کچھ عرصے کے بعد صدارتی نظام کی نقاب چہرے پر ڈال دی۔ اگرچہ اصل اختیار ایک جرنیل ہی کے ہاتھ میں رہا! فیلڈ مارشل ایوب خان نے یہ کام ذرا جلدی بھی کر لیا تھا ـــــ اور کسی قدر قاعدے اور سلیقے سے بھی کیا تھا۔ یعنی پہلے بنیادی جمہوریتوں کا نظام قائم کیا ـــــ اور پھر ایک بالواسطہ انتخاب کے ذریعے صدارت کا منصب سنبھالا ـــــ جبکہ جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء بھی زیادہ دیر تک قائم رکھا اور پھر صدارت بھی سنبھالی تو انسانی تاریخ کے بوگس ترین اور مضحکہ خیز ترین "ریفرنڈم" کے ذریعے ـــــ بہرحال گیارہ گیارہ سال کے ان دو ادوار نے یہ ثابت کر دیا کہ فوجی حکومت بھی پاکستان کے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اندیشہ حقیقی اور واقعی ہے کہ اگر فوج زیادہ دیر تک ملکی نظم و نسق سنبھالے رکھے گی تو کرپشن کا مرض اس میں بھی سرایت کر جائے گا اور ملک کے دفاع اور بقا کا ضامن یہ اہم ترین ادارہ بھی اندر سے کھوکھلا ہو جائے گا ـــــ مزید برآں، ع "اس

عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی!" کے مصداق ان دو آدوار نے صدارتی نظام کو بھی بدنام کر کے رکھ دیا ـــــ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی جمہوریت تو یہاں ۷۳ء میں بھی حقیقی اور واقعی طور پر آ گئی تھی ـــــ اور اب حالیہ گیارہ سالوں کے دوران بھی نافذ رہی ہے، لیکن حقیقی صدارتی نظام کا یہاں اب تک کوئی تجربہ ہوا ہی نہیں ہے!

ابتدائی بائیس اور آخری بائیس سالوں کے درمیان ایک آٹھ سالہ دَور، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، منفرد نوعیت کا تھا۔ اس میں پہلے جنرل یحییٰ خان کا مختصر مارشل لاء نافذ رہا۔ جس کے دَوران پاکستان کے قومی سطح پر پہلے اور واقعتاً عوامی انتخابات منعقد ہوئے، جو اِس درجہ منحوس ثابت ہوئے کہ ان کے نتیجے میں ملک بھی دولخت ہو گیا اور پاکستان کی معنوی حیثیت (بالخصوص اس کے پیدائشی دشمن بھارت کے مقابلہ میں) پہلے کی نسبت سے صرف نصف نہیں، بلکہ دسواں حصّہ رہ گئی۔ چنانچہ بھارت کے ہاتھوں جو ذلت آمیز شکست ہوئی اس سے پیدا شدہ خفت کی بنا پر فوج نے ایک سویلین ذوالفقار علی بھٹو کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا کر خود پس منظر میں چلے جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ بہرحال بھٹو صاحب نے ۷۳ء میں دستور بنوا کر جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا اور اس کے ضمن میں جس رواداری، تحمل، بردباری، اور لچک کا مظاہرہ کیا تھا، افسوس کہ کاروبارِ سلطنت کے چلانے میں اس کے بالکل برعکس جس ناتجربہ کاری، ناعاقبت اندیشی، آمرانہ اور عاجلانہ اقدامات کا رویہ اختیار کیا اس سے اوّلاً صنعت و تجارت کا بیڑا غرق ہوا، ـــــ اور پھر پارلیمانی جمہوریت کا بھی جنازہ نکل گیا ـــــ اور جنرل ضیاء الحق نے "نظام مصطفیٰ تحریک" کو ہائی جیک کر کے پاکستان کی تاریخ کے طویل ترین مارشل لاء کی بنیاد رکھ دی!

الغرض ہم نے اپنی تاریخ کے باون سالوں کے دَوران قومی سطح پر اپنی ایک ہی کامیابی اور کامرانی کا مظاہرہ کیا ہے ـــــ اور وہ یہ کہ ہم ہر نظام کو ناکام کر کے دکھا سکتے ہیں ـــــ

نتیجہ یہ کہ ہمارے قومی اور ملکی وجود کی کشتی ہمیشہ ڈانواڈول رہی ہے۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اس قسم کے تبصرے سننے پڑے ہیں کہ "اِس وقت پاکستان اپنی تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزر رہا ہے" ـــــ چنانچہ لگ بھگ بیس سال قبل پروفیسر زائرنگ نے، جو کچھ عرصہ ایڈمسٹریٹو سٹاف کالج لاہور میں پولٹیکل سائنس پڑھاتے رہے

امریکہ واپس جاکر یہ فرمایا تھا کہ : "پاکستان تاحال اپنے لئے کسی تشخص کی تلاش میں ہے ("Pakistan is still in search of an identity") ۔ پھر لگ بھگ سات سال قبل نیویارک کے .VANTAGE PRESS INC نے ایک کتاب شائع کی : "TWIN ERA OF PAKISTAN" جس کا مصنف نہ کوئی اسرائیلی یہودی تھا' نہ بھارتی ہندو' بلکہ مشرقی پاکستان میں پیدا ہونے والا سید زادہ (ابوالمعالی) تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں "پاکستان ۲۰۰۶ء میں" کے عنوان سے پاکستان کا جو نقشہ شائع کیا اس میں تین آزاد ریاستیں تو بحیرۂ عرب کے ساحل پر دکھائی گئی ہیں' ایک سندھو دیش' دوسرے لیاقت آباد' اور تیسری ریپبلک آف بلوچستان (جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اس علاقے کی خوشحال ترین ریاست ہوگی۔) اور دوسری جانب پاکستان کے سر پر مسلط "فری ریپبلک آف کشمیر" دکھائی گئی ہے جو بھارتی اور پاکستانی دونوں کشمیروں پر مستزاد بلتستان اور گلگت سب پر مشتمل ہوگی' اور بقیہ پاکستان کو شمالی' سنٹرل' مغربی اور جنوبی حصوں میں منقسم دکھایا گیا ہے!

اور اب حالیہ فوجی انقلاب پر جو فقرہ اپنے سرورق پر ہفت روزہ "ٹائم" نے شائع کیا ہے وہ تو عیٰ "کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا!" کے موضوع پر نہایت ہی چشم کشا ہے' یعنی : "CAN PAKISTAN BE SAVED?" ــــ گویا جو بات اب سے ساٹھ ستر سال قبل علامہ اقبال نے لیگ آف نیشنز کے بارے میں کہی تھی کہ ؎

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

وہی اس وقت "ٹائم" نے پاکستان کے بارے میں کہہ دی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج جملہ پیرانِ کلیسا اور تمام "بزرگوارانِ صیہون" کی تمنا تو برعکس ہے' لیکن دنیا کا ہر باشعور مسلمان پاکستان کی سلامتی اور استحکام کیلئے دعاگو ہے!

اس صورتحال میں شدید ضرورت ہے کہ ہم پوری باریک بینی کے ساتھ جائزہ لے کر اپنے اصل مرض کی تشخیص کریں اور یہ طے کریں کہ اس وقت جن گوناگوں بحرانوں

کے گرداب میں ملک و قوم کی کشتی پھنسی ہوئی ہے ان میں سے کس کی حیثیت اصل مرض کی ہے اور کن کن کو علاماتِ مرض میں شمار کیا جا سکتا ہے ـــــ تاکہ توجہ اصل بیماری کے علاج پر مرکوز ہو سکے۔

اس وقت بظاہر تو ہمارا سب سے بڑا اور خوفناک ترین بحران اقتصادی اور مالیاتی ہے، جس کے باعث ہم نئے عالمی مالیاتی استعمار کے چنگل میں بُری طرح پھنس گئے ہیں اور فی الواقع ہماری آزادی اور خود مختاری سلب ہو چکی ہے۔ چنانچہ ہماری کل قومی پیداوار کا بڑا حصّہ سود اور قسطوں کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے' اور ہمیں اپنے روز مرہ کے اخراجات کے لئے مزید قرض لینا پڑتا ہے۔ اور ہر صاحب بصیرت شخص کو نظر آ رہا ہے کہ یہ شیطانی چکر جس کا گھیرا ہمارے گرد روز بروز تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا جا رہا ہے' ہمیں ایک نہایت خوفناک انجام کی جانب لئے جا رہا ہے۔

لیکن بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ مالیاتی بحران بھی دراصل ایک علامت کی حیثیت رکھتا ہے' جبکہ ہمارا اصل مرض یہ ہے کہ بحیثیت قوم ہمارے اخلاق کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ چنانچہ جھوٹ' فریب' مکاری' دغابازی' وعدہ خلافی' بددیانتی' خیانت اور غبن ہمارے "معمولات" میں شامل ہو چکے ہیں۔ اور ؏ "حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے!" کے مصداق ہماری قومی زندگی سے صداقت' ایفاءِ عہد' دیانت اور امانت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اور جیسے آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ خواہ کوئی شخص براہ راست سودی لین دین میں ملوث نہ بھی ہو' سود کا غبار یا دھواں اس کے اندر لازماً جائے گا' اس لئے کہ پوری فضا سود سے آلودہ ہو گی' اسی طرح آج ہمارے ملک کی پوری فضا جھوٹ' دھوکے' رشوت' خیانت اور غبن سے بری طرح آلودہ ہو چکی ہے ـــــ چنانچہ لگ بھگ پندرہ سال قبل کی بات ہے کہ امریکہ میں بعض پاکستانی احباب نے اپنا یہ تاثر بیان کیا تھا کہ ہم لوگ جب تک امریکہ میں ہوتے ہیں ہمیں کبھی جھوٹ بولنے یا غلط بیانی سے کام لینے کا خیال تک نہیں آتا۔ لیکن جب ہم پاکستان جاتے ہیں تو جیسے ہی ہمارا جہاز پاکستان کی فضائی حدود میں داخل ہوتا ہے ہمارے ذہن میں کسٹم کے عملے سے نپٹنے کے لئے جھوٹ' اخفاء' اور غلط بیانی سے بھی آگے بڑھ کر رشوت دینے کی سکیمیں بننی شروع ہو جاتی ہیں۔ تقریباً اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ عبد اللہ مصطفیٰ نامی ایک نوجوان امریکی

یہودی جو مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد عالم اسلام کے مطالعاتی دَورے پر نکلا تھا' ترکی' مصر' شام' انڈونیشیا اور ملائشیا کے قیام کے بعد پاکستان بھی آیا —— اور کچھ عرصہ یہاں مقیم رہا' جس کے دَوران اُس نے ایک نقشبندی شیخ سے بیعت کر کے سلوک کے مراحل بھی طے کئے' وہ مجھ سے اکثر جھگڑا کرتا تھا کہ پاکستان کا کوئی مستقبل نہیں ہے' جبکہ میرا موقف یہ تھا کہ پاکستان کا قیام ایک معجزہ اور مشیت ایزدی کا خصوصی مظہر ہے' اور یہ عالم امر میں اسلام کے عالمی غلبے کی خدائی تدبیر کے سلسلے کی اہم کڑی ہے —— تو وہ اپنا یہ تاثر بیان کر کے مجھے خاموش کرا دیتا تھا کہ میں کتنے ہی مسلمان ممالک میں مقیم رہا ہوں' لیکن کہیں بھی مجھے اپنی جیب کٹنے کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا جبکہ پاکستان میں مجھے ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اسی طرح مجھے کسی دوسرے مسلمان ملک میں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ میں جس سے بات کر رہا ہوں وہ مجھے دھوکا دے گا' لیکن پاکستان میں مَیں ہر شخص سے خائف رہتا ہوں۔

پھر کتنے ہی لوگ آپ کو ایسے مل جائیں گے جو طویل عرصہ تک بیرونی ممالک میں شدید ترین محنت و مشقت سے کمائی کر کے جو جمع پونجی لے کر اس ارادے کے ساتھ پاکستان واپس آئے کہ اب اپنے ہی ملک میں رہیں گے اور کوئی کاروبار یا چھوٹی موٹی صنعت شروع کریں گے وہ یا تو یہاں ہر قدم پر پیش آنے والے رشوت کے مطالبوں سے دل برداشتہ ہو کر واپس چلے گئے یا اچھے بھلے مذہبی مزاج کے حامل لوگوں پر اعتماد کر کے سرمایہ کاری کی کوئی صورت اختیار کی اور ان کی بدعہدی اور بدمعاملگی کے باعث اپنی پونجی سے ہاتھ دھو کر واپس بیرون ملک جانے پر مجبور ہو گئے! —— لگ بھگ دس سال قبل ایک ایسی ہی بات کوپن ہیگن میں ایک صاحب نے مجھ سے کہی کہ میں یہاں سے اپنا بزنس اور مکان وغیرہ سب کچھ بیچ کر پاکستان گیا کہ اب وہیں رہوں گا —— لیکن میرے ایک حاجی اور نمازی اور لمبی داڑھی والے چچا نے دھوکے سے میری ساری پونجی ہتھیالی —— اور اب میں پاکستان کو تین طلاقیں دے کر آیا ہوں کہ کبھی دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کروں گا —— تو اگرچہ میں نے انہیں تو ڈانٹا کہ یہ آپ نے کیا کیا کہ اپنے چچا کی مبینہ بے ایمانی کی سزا پاکستان کو دے ڈالی' جس پر وہ صاحب کسی قدر شرمندہ بھی ہوئے —— لیکن اپنے دل میں مَیں خود اپنے آپ سے شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا!

بعض لوگ اپنی مثبت سوچ کے اظہار کے لئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ ساری خرابی ہماری قیادت اور بالائی طبقات میں ہے' ہمارے عوام تو بہت بھلے' نیک اور شریف لوگ ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض خوش فہمی ہے ـــــ ورنہ جھوٹ' بد عہدی اور خیانت کے امراض ہمارے معاشرے میں وبائی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ اب راست گو اور راست باز اور دیانت و امانت کے حامل لوگ استثناء کے درجہ میں آ چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اب دیانتدار صرف وہی ہے جسے یا تو بددیانتی کا موقع ہی نہیں ملتا' یا وہ ڈرپوک اور بزدل ہے اور بددیانتی کی ہمت و جرأت نہیں رکھتا! ـــــ ویسے متذکرہ بالا خوش فہم اور مثبت سوچ کے حامل لوگوں کی رائے آنحضور ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں بھی غلط ثابت ہوتی ہے کہ: "کَمَا تَکُوْنُوْنَ کَذٰلِکَ یُوَمَّرُ عَلَیْکُمْ!" یعنی جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی حاکم تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے ـــــ گویا ہماری سیاسی قیادت ہو یا بیورو کریسی' پروفیشنلز ہوں یا عام کاروباری' اور بڑے زمیندار ہوں یا سرمایہ دار' اگر ہماری ٹاپ ایلیٹ بددیانت اور خائن ہو گئی ہے ـــــ تو اس کا اصل سبب یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے الفاظ میں "آوے کا آوا ہی بگڑ چکا ہے!" ـــــ اور صداقت اور ایفاءِ عہد' اور امانت و دیانت کے اوصاف ہماری قوم کے گراس روٹ لیول تک پر عنقا ہو چکے ہیں ـــــ چنانچہ یہ ہے ہمارا وہ اصل مرض جس کے بارے میں ؏ "کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں؟" کے مصداق بڑے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اگر موجودہ فوجی ایڈمنسٹریشن نے مار امار کر کے قوم کی لوٹی ہوئی دولت میں سے کچھ حصہ واپس لے کر ایک بار خزانے کا حوض بھر بھی لیا تو اگر خیانت اور غبن کی یہ نالیاں جوں کی توں موجود اور برقرار رہیں تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوبارہ خالی ہو جائے گا۔

اب اگر یہ بات واضح ہے' اور یقیناً واضح ہے' کہ ہمارا اصل مرض زوالِ اخلاق ہے تو سوچنا چاہئے کہ یہ بیماری کب اور کیوں پیدا ہوئی۔

اس لئے کہ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ ؏ "جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی!" کے مصداق ہم ہمیشہ سے تو ہرگز ایسے نہ تھے! مسلمانانِ ہند نے ہندوستان پر کہیں ہزار برس' کہیں آٹھ سو برس' اور کہیں چھ سو برس حکومت کی۔ اور ایک حکمران

...وی انسانی اخلاقیات سے اس درجہ عاری تو نہیں ہو سکتی۔ پھر انگریز کی غلامی کا دور ...اس سے نجات کے لئے بھی لگ بھگ ایک صدی تک تو صرف مسلمان ہی بر سرپیکار رہے ـــــ اور اس کے بعد بھی جب حالات نے پلٹا کھایا اور ع "بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!" کا دور شروع ہوا' اور یہ اندیشہ ہوا کہ اگر انگریز ہندوستان کو غیر منقسم چھوڑ کر رخصت ہو گیا تو ہندو اپنی عددی برتری کے بل پر مسلمانوں کا اقتصادی اور ثقافتی ہی نہیں دینی اور مذہبی سطح پر بھی استحصال کریں گے تو ان ہی مسلمانانِ ہند نے اپنی جداگانہ قومیت کے دعوے کے ساتھ تقسیم ہند کے لئے جدوجہد کی اور گاندھی جیسی عظیم شخصیت' اور انڈین نیشنل کانگریس جیسی عظیم جماعت کے علی الرغم اور آخری دور میں ہندو اور انگریز کی ملی بھگت کے باوجود اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی ـــــ تو ظاہر ہے کہ اتنا عظیم کارنامہ اخلاقی اعتبار سے کھوکھلی قوم تو ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد ہمارے مجموعی قومی اخلاق کی سطح جس تیزی سے نیچے گری ہے اس کے عوامل میں سے ایک عامل یہ بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ پورے کرۂ ارضی پر محیط و مستولی مادہ پرستی نے ہمارے سرمایۂ ایمان و اخلاق پر بھی حملہ کیا ـــــ پھر قیام پاکستان کے فوراً بعد ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی دولت نے ہماری دیانت و صداقت کے قلعے میں جس طور سے نقب لگائی اسے بھی ایک سبب قرار دیا جا سکتا ہے ـــــ لیکن یہ اور ان جیسے دوسرے چھوٹے چھوٹے عوامل ہمارے گمبھیر مرض کی کافی توجیہ نہیں کر سکتے! ـــــ ہمارے یہاں صداقت و دیانت کا جنازہ جس طور سے نکلا ہے' اور عہد اور وعدہ کی خلاف ورزی نے جو وسعتیں (DIMENSIONS) اختیار کی ہیں' ایک جانب ان کو نگاہ میں رکھئے اور دوسری جانب نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کو سامنے رکھئے جسے آپ کے خادمِ خاص حضرت اَنس بن مالک ؓ نے اس صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ: "ایسا کبھی شاذ ہی ہوا ہو گا کہ آنحضور ﷺ نے ہمیں کوئی خطبہ ارشاد فرمایا ہو اور اس میں یہ الفاظ شامل نہ ہوں کہ..." اور اب اس کے بعد آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: "جس شخص میں امانت داری کا وصف نہیں ہے اس کا کوئی ایمان نہیں' اور جو پاسِ عہد سے محروم ہے اس کا کوئی دین نہیں!" ـــــ تو یہ نہایت تلخ لیکن ناگزیر نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ہم مجموعی طور پر قومی سطح پر دین و ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

"فاش تر خواہی؟" کے مصداق اگر مزید وضاحت مطلوب ہے تو اس کے لئے رجوع کیجئے نبی اکرم ﷺ کی ان احادیث کی جانب جن میں آنحضور ﷺ نے مرض نفاق کی علامات بیان کی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلے تو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کی متفق علیہ روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سامنے آتی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ: "منافق کی تین علامتیں ہیں ـــــ ایک یہ کہ جب بولے جھوٹ بولے' دوسرے یہ کہ جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے' اور تیسرے یہ کہ جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے!" یہ الفاظ تو بخاری اور مسلم دونوں کے متفق علیہ ہیں لیکن مسلمؒ کی روایت میں اضافی الفاظ یہ ہیں کہ جس شخص میں یہ تین علامات موجود ہوں وہ پکا منافق ہے "خواہ وہ روزہ رکھتا ہو' نماز پڑھتا ہو' اور بزعم خویش اپنے آپ کو پکا مسلمان سمجھتا ہو!" ـــــ ایک دوسری حدیث کی رو سے' جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' (اور یہ بھی متفق علیہ ہے!) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی شخص میں یہ چاروں موجود ہوں تب تو وہ خالص منافق ہے' اور اگر ان میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں اسی نسبت سے نفاق موجود ہے تا آنکہ وہ اس سے براءت اختیار کر لے..." اور اس روایت میں آنحضور ﷺ نے سب سے پہلے خیانت کو شمار کیا ہے' چنانچہ فرمایا کہ وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ: "جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے' جب بولے تو جھوٹ بولے' جب کوئی معاہدہ کرے تو غداری کرے' اور جب (کسی سے کوئی) جھگڑا ہو تو فوراً آپے سے باہر ہو جائے!"

جہاں تک مرضِ نفاق کی نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ متذکرہ بالا علامات کا تعلق ہے وہ تو' جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے' اِس وقت ہمارے معاشرے کی پیشانی پر اسی شان کے ساتھ درج ہیں جس کا ذکر ایک حدیثِ نبویؐ میں آیا ہے کہ دجال کی پیشانی پر "ک۔ف۔ر" اس طرح لکھا ہوا ہو گا کہ اسے ہر صاحب ایمان پڑھ سکے گا' خواہ وہ پڑھا لکھا ہو' خواہ اَن پڑھ!" البتہ اب یہ مشکل سوال سامنے آتا ہے کہ نفاق کا وہ مہلک مرض ہم پر کیوں اور کیسے حملہ آور ہو گیا' جس کے لئے سورۂ نساء میں تو یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (آیت ۱۴۵) "منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے!" گویا ان کا درجہ کفار و مشرکین سے بھی نیچے ہے! لیکن اس کی ہلاکت

آفرینی کا کچھ مزید اندازہ سورۂ توبہ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو نبی اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر کہے گئے ہیں کہ: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ (آیت ۸۰) "(اے نبیؐ) آپ خواہ ان (منافقین) کے لئے استغفار کریں خواہ نہ کریں ـــــ لیکن اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں فرمائے گا!" (اعاذنا اللّٰہ من ذلک!)

اس سوال کے جواب کے لئے اپنی قیاس آرائیوں اور عقلی و منطقی موشگافیوں کو چھوڑ کر اللہ کی اس کتاب کی جانب رجوع کریں، جس کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ: "اس میں تم سے پہلے کے لوگوں کے حالات بھی درج ہیں، اور تمہارے بعد آنے والوں کے احوال بھی مذکور ہیں، اور تمہارے مابین پیدا ہونے والے جملہ اختلافات کا حل بھی موجود ہے!" ـــــ تو سورۂ توبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ میں ہمیں اپنے اخلاقی زوال کے اصل سبب کی جانب رہنمائی مل جاتی ہے۔ جن میں منافقین مدینہ کی ایک خاص قسم کا ذکر ہے کہ:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ ﴾ (التوبۃ : ۷۵-۷۷)

"ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل (دولت) سے نوازدے گا تو ہم خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور نہایت اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کریں گے۔ لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا، اور غنی کر دیا تو انہوں نے بخل کی روش اختیار کر لی اور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ لی ـــــ اس پر اللہ نے ان کی اس وعدہ خلافی اور کذب بیانی کی سزا کے طور پر ان کے دلوں میں قیامت تک کے لئے نفاق کا مرض پیدا کر دیا!"۔

گویا اللہ سے وعدہ خلافی کی وہ نقد سزا جو اسی دنیا میں مل جاتی ہے، نفاق کی بیماری ہے۔

لہٰذا اب اس بحث کو منطقی نتیجے تک پہنچانے کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے اس وعدے کو ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے جس کی خلاف ورزی پر نفاق کی یہ سزا

ہم پر مسلط ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں اگرچہ اصولی طور پر تو اہمیت کے اعتبار سے مقدم ترین ہے مصوّر و مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کا وہ خطبۂ صدارت جو انہوں نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے آل انڈیا اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں ارشاد فرمایا تھا' جس کی بنا پر مَیں انہیں "مبشرِ پاکستان" قرار دیتا ہوں۔ اس لئے کہ اس میں انہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ: "ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلمان آزاد ریاست کا قیام تقدیر مبرم ("DESTINY") ہے ـــــ اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرۂ منور پر جو پردے عرب ملوکیت ("ARAB IMPERIALISM") کے دور میں پڑ گئے تھے' انہیں ہٹا کر اصل اسلام (گویا خلافتِ راشدہ کے نظام) کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں" ـــــ تاہم جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ "وعدے" کا تعلق ہے تو اصل حیثیت ان دعاؤں کی ہے جو ۴۵ء تا ۴۷ء دو سالوں کے دوران ہندوستان کے طول و عرض میں عوامی جلسوں' اور جمعہ اور عیدین کے عظیم اجتماعات میں مسلمانوں نے گڑگڑا گڑگڑا کر کی تھیں کہ "اے اللہ! ہمیں انگریز اور ہندو کی دُہری غلامی سے نجات دے تو ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے اور تیرے نبی ﷺ کے لائے ہوئے نظام اور قانون کو دنیا میں نافذ کریں گے!" ـــــ یا پھر ان نعروں کی ہے کہ جو "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!" کی صداؤں کی صورت میں پورے ہندوستان میں گونج گئے تھے ـــــ اور "آخری لیکن کمترین نہیں!" کے مصداق ان بے شمار بیانات اور تقاریر اور سوالات کے جوابات کی ہے جن میں قائد اعظم محمد علی جناح نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ پاکستان میں اسلامی دستور و قانون' اور اسلامی تہذیب و تمدن کا دور دورہ ہو گا' اور "انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے ان اصولوں پر مبنی نظام قائم کیا جائے گا جو اسلام نے عطا کئے ہیں" ـــــ اور ؏ "جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے!" کے مصداق جو شخص بھی ظاہری اسباب و علل کے پردوں کے پیچھے کار فرما مشیت ایزدی اور تقدیر و تدبیر خداوندی کا کسی درجہ میں بھی ادراک کر سکتا ہے اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ ان ہی "وعدوں" کا نتیجہ تھا جو قیامِ پاکستان کے "معجزے" کی صورت میں ظاہر ہوا ـــــ تاکہ وہ سنّتِ الٰہی پوری ہو جو سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۹ میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ: ﴿عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ

يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی "قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تمہیں زمین میں اقتدار عطا کردے اور پھر دیکھے کہ تم کیا روش اختیار کرتے ہو!" —— اس لئے کہ قیام پاکستان فی الواقع مہاتما گاندھی سمیت پوری انڈین نیشنل کانگریس بلکہ پوری ہندو قوم کی "ہلاکت" سے ہرگز کم نہیں تھا! (یہ بات تو ریکارڈ پر موجود ہی ہے کہ گاندھی نے کچھ ہی دن پہلے یہ کہا تھا کہ پاکستان صرف میری لاش پر بن سکتا ہے!)

اس پس منظر میں قائم ہونے والی "سلطنتِ خداداد پاکستان" میں ہم نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ "صورت بہ بیں حال مپرس!" کے مصداق اظہر من الشمس ہے۔ کہ نہ یہاں آج تک اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہوا —— نہ شریعتِ اسلامی کے احکام و قوانین نافذ ہوئے۔ بلکہ تاحال ازمنۂ وسطیٰ کا وہ جاگیرداری نظام بھی جوں کا توں قائم ہے —— جس سے بھارت نے آزادی کے فوراً بعد نجات حاصل کرلی تھی —— اور سود پر مبنی بینکاری کا وہ نظام بھی قائم ودائم ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ ؂

ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

چنانچہ اسی عالمی بینکاری نظام کے ذریعے ہم نئے عالمی مالیاتی استعمار کے جال میں "صیدِ زبوں" کی صورت اختیار کرچکے ہیں اور مقامی طور پر اسی بینکاری کے نظام نے قومی دولت کو لوٹنے کے سب سے مؤثر ذریعے کی حیثیت اختیار کی ہے!۔ اور بینکوں کے اس نظام کی بدولت وہ "ربا" تو ہماری معیشت میں اوّل روز ہی سے تانے بانے کی طرح بنا ہوا تھا' جس پر قرآن حکیم میں "اللہ اور اس کے رسول ؐ کی جانب سے جنگ" کا الٹی میٹم وارد ہوا ہے۔ اس طرح سٹاک ایکسچینج میں کھیلا جانے والا جوا بھی "قدیم" ہے' لیکن بڑے پیمانے اور عوامی سطح پر سود اور جوئے کو یکجا کر کے پورے معاشرے میں پھیلانے کا کارنامہ ہم نے "پرائز بانڈز" کے ذریعے سرانجام دیا۔ اور پھر لاٹریوں کو جو فروغ حاصل ہوا' اس کی یہ مثال کافی ہو گی کہ جب بے نظیر بھٹو کے پہلے دورِ وزارتِ عظمیٰ کے دوران

سیف گیمز کے موقع پر لاٹری کو حیرتناک کامیابی حاصل ہوئی تو انہوں نے کہا تھا کہ "میں تو اپنے وزیر خزانہ سے کہنے والی ہوں کہ باقی سب دھندے چھوڑ کر لاٹریوں کا سلسلہ جاری کر دیں!" ـــــ اگرچہ اس پر عمل کا "سہرا" حال ہی میں برخاست ہونے والی "شریف" حکومت کے سر پر ہے جس کے زمانے میں "کروڑ پتی" قبیل کی سکیموں کی صورت میں جوئے نے بامِ عروج پر پہنچنے کی "سعادت" حاصل کی ـــــ دوسری جانب معاشرتی سطح پر ہمارے یہاں بے حجاب اور مخلوط معاشرت کا دائرہ تیزی سے بڑھ رہا ہے' اور ایشیا میں کسی حد تک برقرار خاندانی نظام پر مغرب کی جو یورش پہلے قاہرہ اور پھر بیجنگ میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں کے ذریعے کی گئی اس کے اثرات ہمارے معاشرے پر بھی ظاہر ہو رہے ہیں اور خاندانی نظام کی چولیں ہل رہی ہیں ـــــ رہے "عائلی قوانین" جن میں انگریزوں نے بھی کبھی دخل اندازی کی جرأت نہیں کی تھی' اور بھارت کے مجبور اور مقہور مسلمانوں نے بھی تاحال ان میں کسی کو دراندازی کی اجازت نہیں دی اور اس کے ضمن میں سینکڑوں جانوں کی قربانی پیش کر دی ـــــ ان میں مغربی تصورات کے تحت پہلے تو ایوب خان کے "سیکولر" مارشل لاء نے ایسی پابندیاں عائد کیں جنہیں شیعہ' سُنّی' دیوبندی' بریلوی' اہلحدیث اور جماعت اسلامی سب کی چوٹی کی قیادت نے غیر اسلامی قرار دیا ـــــ اور پھر ضیاء الحق کے خالص "اسلامی" مارشل لاء نے انہیں تحفظ دیا اور برقرار رکھا ـــــ الغرض ہم "حریت اور مساوات" کے ان تصورات کی بجائے جو اسلام نے عطا کئے ہیں' ان تصورات کی خالص غلامانہ ذہنیت کے ساتھ نقالی کر رہے ہیں جن کی ایجاد اور فروغ کا سہرا مغرب کے سر ہے!

چنانچہ یہ ہے وہ عظیم وعدہ خلافی جس کے مرتکب ہم قومی اور اجتماعی سطح پر ہوئے ہیں اور جس کی سزا کے طور پر نفاق کا وہ مرض مسلط کیا گیا ہے جس کا عظیم ترین مظہر یہی ہے کہ صداقت و دیانت' اور ایفاءِ عہد اور تحمل کا دیوالہ نکل گیا ہے ـــــ لیکن اسی کا ایک اضافی مظہر وہ "نفاق باہمی" بھی ہے جس کے نتیجے میں قوم قومیتوں میں تحلیل ہو چکی ہے اور صوبائی و علاقائی' نسلی و لسانی' اور مذہبی اور مسلکی عصبیتوں نے دینی' ملی اور قومی احساسات کو تقریباً معدوم کر کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ اس کا ایک بڑا اور نمایاں مظہر تو ۱۹۷۱ء میں "بنگلہ دیش" کی صورت میں سامنے آ ہی گیا تھا' مزید برآں مختلف اوقات میں

پختونستان' آزاد بلوچستان' اور سندھو دیش بھی صرف اسی بنا پر بنتے بنتے رہ گئے کہ زمینی تسلسل (TERRITORIAL CONTINUITY) کے باعث مرکزی حکومت اور پاکستان آرمی اپنی اتھارٹی کو مؤثر طور پر بروئے کار لا سکے!

حاصل کلام یہ کہ پاکستان کے جملہ قومی واجتماعی عوارض وامراض کی جڑ یہ ہے کہ ہم نے قیام پاکستان کی جدوجہد کے دوران جو وعدہ اللہ سے کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی' جس کی سزا کے طور پر ہم پر نفاق کا مرض مسلط کر دیا گیا —— اور ہمارے حالات میں کسی بہتر اور پائیدار تبدیلی کا امکان اس کے بغیر نہیں ہے کہ ہم قومی سطح پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں —— اور اپنی اب تک کی کوتاہی کی معافی مانگتے ہوئے ایک عزمِ مصمم کے ساتھ "نفاذِ اسلام" کی جانب پیش قدمی شروع کر دیں —— البتہ اس "نفاذ اسلام" کے ضمن میں ہمارے یہاں جو دو مختلف ہی نہیں متضاد تصورات پائے جاتے ہیں سب سے پہلے ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(یہ مضمون اشاعت کے لئے قومی اخبارات کو ارسال کیا گیا' اور روزنامہ خبریں اور روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوا۔)

مسلمان کا طرزِ حیات (۲)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منهاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

دوسرا باب

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت(۱) پر ایمان

اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے اور تمام جہانوں میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی دلیل اولاً تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مسلم کو حاصل ہونے والی ہدایت ہے اور ثانیاً وہ نقلی اور عقلی دلائل جو یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

○ نقلی دلائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رب ہونے کی خبر دی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف یوں فرمائی ہے :

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (الفاتحة : ۱)

"تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔"

اور اپنی ربوبیت کا اثبات یوں فرمایا :

﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ ﴾ (الرعد ۱۶)

"(ان سے) کہئے : آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دیجئے : اللہ!"

اپنی ربوبیت و الوہیت کی وضاحت یوں فرمائی :

﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ○ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

---

(۱) اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر ایمان۔ یعنی اس بات کا یقین کہ وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے اور مخلوق کے تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

﴿ هُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾

(الدُّخان : ۷'۸)

"وہ آسمانوں اور زمین' اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین کرتے ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے' وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے اوّلین آباء واجداد کا رب بھی ہے۔"

انسان کی دُنیوی زندگی سے قبل ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی ربوبیت پر ایمان رکھیں گے' اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میثاقِ ازلی کو قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے :

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ ﴾

(الاعراف : ۱۷۲)

"جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی' پھر انہیں خود انہی پر گواہ بنایا (اور فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ان سب نے کہا : کیوں نہیں؟ ہم گواہی دیتے ہیں (کہ تو ہمارا رب ہے)۔"

مشرکین پر حُجت قائم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون : ۸۶' ۸۷)

"آپ فرمایئے : ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ کہیں گے (یہ صفت) اللہ ہی کی ہے۔ پھر فرمایئے : تو کیا تم ڈرتے نہیں؟"

۲۔ تمام نبیوں اور رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے' اس کی خبر دی ہے اور اس کی گواہی دی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے یوں کہا :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۲۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم کی شکایت کرتے ہوئے یوں فریاد کی :

﴿ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴾

(نوح : ۲۱)

"اے میرے رب! ان لوگوں نے میری بات نہیں مانی اور ایسے شخص کی پیروی کی جسے اس کے مال اور اولاد نے زیادہ سے زیادہ خسارا ہی پہنچایا ہے۔"

اور یوں عرض کی :

﴿ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ○ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ ﴾ (الشعراء : ۱۱۷، ۱۱۸)

"اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، اور مجھے بھی اور میرے ساتھ کے مؤمنوں کو بھی نجات دے دے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حرمِ مقدس مکّہ مکرمہ کے لیے، خود اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اس طرح دعائی فرمائی :

﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ ﴾

(ابراهیم : ۳۵)

"اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس سے یوں دعا کی :

﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ ○ ﴾ (یوسف : ۱۰۱)

"اے میرے رب! تو نے مجھے بادشاہی عطا فرمائی اور مجھے باتوں کا مطلب سمجھنا سکھا دیا (یعنی خوابوں کی تعبیر کا علم دیا)، اے آسمانوں اور زمین کے خالق! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا دوست ہے۔ مجھے اسلام پر وفات نصیب فرما اور نیکوں کے ساتھ ملا دے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح اپنی حاجتیں طلب کیں:

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ○ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ○ ﴾

(طٰہٰ : ۲۵-۲۹)

"اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے، میرے کام کو میرے لئے آسان فرمادے، میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے لیے میرے اپنے خاندان سے ایک وزیر مقرر فرما۔"

حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے یوں فرمایا:

﴿ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ ○ ﴾ (طٰہٰ : ۹۰)

"یقیناً تمہارا رب تو رحمٰن ہے، پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔"

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح رحمت کا سوال کیا:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ○ ﴾ (مریم : ۴)

"اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں، اور سر بڑھاپے کی وجہ سے شعلے کی طرح (سفید) ہوگیا، اور اے میرے رب! میں تجھے پکار کر کبھی بد قسمت (اور محروم) نہیں رہا۔"

اور اس طرح بھی دعا کی:

﴿ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ○ ﴾ (الانبیاء : ۸۹)

"اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور بہترین وارث تو تو ہی ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کریں گے:

﴿ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ﴾

(المائدۃ : ۱۱۷)

"میں نے تو ان سے وہی کچھ کہا تھا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی یعنی میرے رب اور اپنے رب کی عبادت کرو۔"

آں جناب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس طرح وعظ فرمایا تھا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِ يْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ ﴾

(المائدة : ۷۲)

"اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یقیناً جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

اور اللہ کے آخری رسول ہمارے نبی جناب محمد ﷺ جب پریشان ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ)) (۲)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عظمت والا اور حلم والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرشِ عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور عرشِ کریم کا رب ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام انبیاء و رُسل اور دیگر انبیاء و رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے اور اس کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے' اور یہ مقدس حضرات سب سے زیادہ علم کے حامل' سب کے سب عقلوں کے مالک' سب سے زیادہ صداقت سے متصف اور زمین میں بسنے والی تمام مخلوق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی اور اس کی صفاتِ مقدسہ کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے تھے۔

۳۔ اربوں علماء اور حکماء اس بات کے قائل تھے اور ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رب ہے اور ہر شے کا رب ہے۔ وہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے اور اسی پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ اربوں عقل مند اور نیک انسان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

---

(۲) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبہ والاستغفار' باب دعاء الکرب

اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا رب ہے۔

○ عقلی دلائل

بے شمار عقلی اور منطقی دلائل بھی یہی ثابت کرتے ہیں کہ اللہ عزّوجلّ کی ربوبیت تمام مخلوقات پر محیط ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

۱۔ تخلیق میں اللہ کا لا شریک ہونا: اللہ کے سوا کسی شے کا کوئی خالق نہیں۔

کیونکہ تمام انسان یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی نے تخلیق کا نہ دعویٰ کیا ہے نہ کوئی اس بات پر قادر ہے' خواہ وہ مخلوق کتنی چھوٹی اور معمولی کیوں نہ ہو' اگرچہ وہ کسی انسان یا حیوان کا ایک بال ہو' کسی پرندے کا کوئی ننھا سا پر یا کسی درخت کی شاخ پر موجود کوئی پتی۔ پھر کسی جاندار مکمل جسم یا اجرامِ سماوی میں سے کسی بڑے یا چھوٹے ستارے یا سیارے کی تخلیق کا دعویٰ تو بالکل بعید از قیاس ہے۔

اللہ عزوجل نے مندرجہ ذیل آیتِ مبارکہ میں یہ واضح فرمادیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالقِ مطلق ہے' کوئی اور نہیں۔ ارشاد ہے :

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

(الاعراف : ۵۴)

"خبردار! تخلیق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی اُسی کا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"

نیز فرمایا :

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الصافات : ۹۶)

"اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔"

اس کے علاوہ اپنی صفتِ خالقیت کے ذکر کے ساتھ اپنی تعریف یوں فرمائی :

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۗ ﴾ (الانعام : ۱)

"تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے بنائے اور روشنی بنائی۔"

ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوا :

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾

(الروم : ۲۷)

"وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں اُسی کے لئے اعلیٰ مثال ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

پس اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا اس کے وجود اور ربوبیت کی واضح ترین دلیل ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اکیلا ہی تمام مخلوقات کا رازق ہے۔ کوئی جاندار خواہ زمین میں چلتا پھرتا ہے یا پانی میں تیرتا ہے یا ہوا میں اڑتا ہے یا ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے مراحل سے گزر رہا ہے' اللہ تعالیٰ ان سب کو رزق پہنچاتا ہے اور اس کی رہنمائی فرماتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے رزق کو حاصل کرے اور کس طرح اس سے اپنی بھوک مٹائے۔

چیونٹی جیسے چھوٹے جاندار سے لے کر سب سے زیادہ مکمل اور ترقی یافتہ جاندار انسان تک ہر مخلوق اپنے وجود میں' تخلیق میں' اور حصولِ رزق میں اللہ ہی کی محتاج ہے۔ اور اللہ وحدہ لاشریک ہی اسے وجود بخشنے والا' پیدا کرنے والا اور روزی پہنچانے والا ہے۔ دیکھئے کتاب اللہ کی یہ آیاتِ مبارکہ کس طرح اس حقیقت کو روشن کر رہی ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ○ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ○ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ○ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ○ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ○ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ○ ﴾ (عبس : ۲۴-۳۱)

"انسان کو چاہئے کہ ذرا اپنی غذا کی طرف دیکھے کہ ہم نے (آسمان سے) خوب پانی برسایا' پھر زمین کو عجیب طرح سے پھاڑا' پھر اس میں اگائے غلّے اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور میوے اور گھاس۔"

اور فرمایا :

﴿ .... وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ط فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى○ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ط ﴾ (طٰہٰ : ۵۳، ۵۴)

"اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کی نباتات (زمین سے) نکالیں۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ!"

اس کے علاوہ ارشادِ ربّانی ہے :

﴿ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ○ ﴾ (الحجر : ۲۲)

"پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا، وہ تمہیں پلایا۔ اس کے خزانے تمہارے پاس نہیں ہیں۔"

پھر اس رازقِ لاشریک نے فرمایا :

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط ﴾ (ھود : ۶)

"زمین میں چلنے والی جو بھی مخلوق ہے اس کی روزی اللہ ہی کے ذمے ہے۔ وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ سے واقف ہے۔"

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی رازق نہیں، تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا رب ہے۔

۳۔ انسان کی فطرتِ سلیم اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے۔ جس انسان کی فطرت مسخ نہیں ہو چکی وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتا ہے کہ وہ اس صاحبِ قوت اور بے پروا بادشاہ کے سامنے کمزور اور عاجز ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور تصرفات کے سامنے وہ بے بس ہے، لہٰذا بلا تردد یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب بھی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کا رب بھی وہی ہے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے جس سے کسی فطرتِ سلیم کے مالک کو انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن ہم قرآن مجید کی کچھ آیات ذکر کرنا چاہتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے بت پرست کافر بھی اس بات کے اعتراف پر مجبور تھے کہ مخلوقات کا رب محض اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ○ ﴾ (الزُّخرف ۹)

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ انہیں اُسی غالب علم والے نے پیدا کیا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (العنکبوت : ۶۱)

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔"

علاوہ ازیں ارشاد ہے:

﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ﴾ (المؤمنون : ۸۶،۸۷)

"کہیے : ساتوں آسمانوں کا رب کون ہے؟ اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ کہیں گے یہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔"

۴۔ چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک ہے اور وہ ہر چیز میں مطلقاً تصرف کی طاقت رکھتا ہے لہٰذا وہی رب بھی ہے۔ کیونکہ تمام لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دوسری زندہ مخلوقات کی طرح انسان بھی کسی چیز کا حقیقی مالک نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان جب اس جہان میں آتا ہے تو اس کے جسم پر لباس نہیں ہوتا' وہ ننگے سر' ننگے پاؤں' ننگے بدن یہاں آتا ہے۔ اور جب اس جہان سے رخصت ہوتا ہے تو سوائے کفن کے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا' تو پھر اسے کس طرح دنیا کی کسی چیز کا حقیقی مالک سمجھا جا سکتا ہے؟

اور جب اشرف المخلوقات انسان بھی کسی چیز کا مالک نہیں پھر کون مالک ہو سکتا ہے؟ یقیناً صرف اللہ وحدہٗ لا شریک ہی مالک ہے' اور اس حقیقت میں کسی اختلاف یا شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ بعینہٖ یہ بات اسی انداز سے دنیا کے معاملات میں انسان کے تصرف اور تدبیر کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیدا کرنا' رزق دینا' ملکیت' تصرف اور تدبیر یہ سب ربوبیت کی صفات ہیں' اور یہ سب اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اس

حقیقت کو ماضی کے بڑے بڑے بت پرستوں نے تسلیم کیا ہے' جس کا ذکر قرآن مجید نے مختلف سورتوں میں کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ ﴾ (یونس : ۳۱'۳۲)

"کہیے: کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ مُردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مُردہ کو کون نکالتا ہے؟ اور اس نظمِ عالم کی تدبیر کون کرتا ہے؟ یہ کہیں گے: اللہ۔ پھر کہیے: کیا تم لوگ (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ سو یہی ہے اللہ' تمہارا حقیقی رب' پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ جاتا ہے؟"

(جاری ہے)

دشمنانِ اسلام کی آخری یلغار اور اُس کا مقابلہ

محمد رشید عمرؔ' امیر حلقہ پنجاب غربی

ساتویں صدی عیسوی میں جزیرہ نمائے عرب میں محمد رسول اللہ ﷺ نے مشرکین عرب' یہودیوں اور عیسائیوں کو مکمل طور پر زیر کرکے اسلام کا غلبہ فرمایا۔ خلفائے راشدین کے دَور میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی عالمی قوتیں بھی اسلام کے زیر نگیں آ گئیں۔ تاہم مغلوب ہونے کے بعد یہ قوتیں چین سے نہیں بیٹھیں' بلکہ موقع کی تلاش میں رہیں۔ پہلا حملہ یہود کی طرف سے فتنہ' سبا کی صورت میں کیا گیا جس کے نتیجے میں قیامت تک رہنے والے تفرقہ کا بیج بو دیا گیا۔ دوسرا حملہ صلیبی جنگوں کی صورت میں ہوا جس کا مقابلہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کیا۔ تیسرا حملہ تاتاریوں نے کیا جو خود ہی اسلام کی حقانیت کے سامنے سرنگوں ہو کر اسلام کے محافظ بن گئے۔ ان کے دور میں خلافتِ عثمانیہ کا جھنڈا سربلند ہوا' جبکہ برصغیر میں مغلیہ خاندان کے عظیم سلاطین نے سات پشتوں تک حکمرانی کی۔ ان بلند اقبال سلاطین کے شان و شکوہ کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ درباری فوکویاے ان کو یہ باور کرا رہے تھے کہ باقی دنیا تو صرف افسانہ ہے' قصے کہانیاں ہیں' آپ ہی دنیا کی واحد عظیم قوت ہیں' جس کا کوئی مدِمقابل نہیں۔ عین اُس دور میں یورپی اقوام سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے برصغیر کے ساحلوں پر اتر رہی تھیں۔ ان کے کارندے ان شاہی درباروں میں مختلف روپ دھار کر اور رسائی حاصل کر کے اپنی آباد کاری کی اجازت حاصل کر رہے تھے۔ سمندروں پر ان کے غلبہ کی کیفیت یہ تھی کہ اکبر اعظم کو اپنی پھوپھیوں کو حج پر بھیجنے کے لئے ان قزاقوں سے اجازت لینی پڑی۔ تب ان کے جہاز عافیت سے سمندری سفر کر سکے۔ (رودِ کوثر' شیخ محمد اکرام) لیکن اس کے باوجود ان چڑھتے طوفانوں سے بچاؤ کی کوئی سوچ اور سکیم اس دور میں نہیں ملتی۔ اس

غفلتِ عظیمہ کی سزا اس حال میں ملی کہ برِصغیر دو سو سالہ غلامی کے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ کم و بیش یہی حشر عرب اور دوسری اسلامی سلطنتوں کا ہوا۔

اس غلبہ کے دور میں یورپی اقوام کو مسلمانوں کی اقدار کو سمجھنے کا خوب موقع ملا۔ بعد ازاں ان ملکوں میں آزادی کی تحریکیں چلیں تو ان استعماری قوتوں نے پسپائی اختیار کی۔ لیکن مسلمانوں کی نفسیات کے گہرے مطالعے کے باعث اُمت مسلمہ کو مضمحل رکھنے کیلئے انہوں نے ایسی گہری چالیں چلیں کہ آج پوری اُمت آزاد ہونے کے باوجود انہی کی غلامی کا طوق اپنی خوشی سے گلے میں ڈالے' ان کی رضا جو نظر آتی ہے۔ اس کا اپنا کوئی مقام نہیں ہے۔ غیر مسلم قوتیں اپنے منصوبے میں کیسے کامیاب ہیں اس کو سمجھنے کیلئے ہم ان چالوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جو انہوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کیلئے چلیں۔

کسی اجتماعیت کی قوت کا راز دو چیزوں میں پوشیدہ ہے :

(۱) مرکزیت اور اس کے ساتھ اجزائے اُمت کی وابستگی

(۲) نظریاتی قوت

مرکزیت کو ختم کرنے کے لئے پہلا کام جو کیا گیا وہ یہ تھا کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت کا ادارہ' جو اُمّتِ مسلمہ کی وحدت و یگانگت کی علامت تھا' اس کو توڑ گیا اور نیشنلزم کا بیج بویا گیا۔ آج پوری اُمّتِ مسلمہ قومیتوں کی بنیاد پر منقسم ہے۔ پچاس سے زائد اسلامی ممالک کسی واحد نمائندہ ادارے کو دوسری دنیا کے مقابلہ میں نہیں لا سکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آبادی کے اعتبار سے سوا ارب اور تیل اور قیمتی معدنیات کے وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود دنیا میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ اقوامِ متحدہ کے ادارے میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مخالفینِ اُمت کسی ملک پر دست دراز ہوتے ہیں تو جوابی عملی اقدام تو دور کی بات ہے' بے چینی کی کوئی لہر بھی جسد اُمت میں نہیں دوڑتی۔ قومی نفس پرستی نے ایک دوسرے کے دکھ درد سے بے حس کر کے رکھ دیا ہے۔ ان ممالک کے برسرِ اقتدار طبقے اسلامی حمیت و غیرت کو بھول کر یورپی آقاؤں کی سرپرستی کے متلاشی رہتے ہیں۔

نظریاتی قوت کا تعلق دو باتوں سے ہے' ایک ناموسِ رسالت اور دوسری جہادِ فی سبیل اللہ کی تعلیمات۔ ناموسِ رسالت مرکزیت اور اتحادِ اُمت کا ذریعہ بھی ہے' جبکہ جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ اُمّتِ مسلمہ کے تنِ مردہ میں جان ڈال دیتا ہے۔ قوت کے اس

ذریعے کو کمزور کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا ڈرامہ کھڑا کیا گیا۔ یورپی استعمار کے مقاصد میں تو یہ چیز شامل تھی کہ کسی طرح نبی کریم ﷺ کی محبت لوگوں کے دلوں سے کم کر کے نئے ہندوستانی نبی (علیہ ماعلیہ) کے گرد ان کو جمع کیا جائے اور آسمانی الہام کی آڑ میں جہاد فی سبیل اللہ کی تاویل اس طرح کی جائے کہ اُمت کے اندر سے اس کی اہمیت ختم ہو کر رہ جائے۔ ہندو بھی اس کی حمایت کر رہے تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہندوستانی نبی (علیہ ماعلیہ) کی اُمت ہندو معاشرے کے ساتھ زیادہ بہتر موافقت پیدا کر لے گی۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے اس سازش کو بروقت بے نقاب کر دیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۷۴ء میں قانونی سطح پر بھی ان کو کافر قرار دلوا دیا گیا' لیکن یورپی سرپرستی اور مسلمان حکمرانوں کی بزدلی کی وجہ سے اس فتنہ کا سدِّباب ابھی تک نہیں ہو سکا۔ مسلمانوں کی باہمی تفرقے بازی اور دینی سربلندی کے لئے متفقہ لائحہ عمل کی عدم موجودگی بھی اس فتنے کی توسیع میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کو برباد کرنے کے لئے تیسرا کاری وار یہود نے کیا۔ انہوں نے ایک منصوبہ کے تحت ایک سازشی تحریک کا نظامِ عمل (protocol) تیار کیا۔ اس میں صاف طور پر یہ کہا گیا ہے کہ "انسانی نسل کو اخلاقی اور معنوی طور پر بگاڑ کر رکھ دینا ہے' تاکہ یہود کو اپنی برتری قائم رکھنے کا آزادانہ موقع مل سکے"۔ موجودہ عیسائی طاقتیں اسی سازش کا شکار ہو کر پہلے ہی اخلاقی اقدار سے عاری ہو چکی ہیں اور اب وہ بھی دوسری اقوام بالخصوص مسلمانوں کی اخلاقی تباہی کے لئے یہود کے ساتھ مل چکی ہیں۔

جس طرح فحاشی اور بے حیائی سے معاشرتی بدکاری کو فروغ حاصل ہوتا ہے اسی طرح سود کا لین دین معاشی بدکاری کو جنم دیتا ہے۔ چنانچہ اگلے وار کے طور پر صیہونی کارپردازوں نے ایشیائی ملکوں کی لوٹی ہوئی دولت سے ایسے ادارے بنائے جو ان ملکوں کو ترقیاتی منصوبوں میں تعاون کے لئے قرض دیتے تھے۔ ابتدا میں ان ملکوں کو قرضوں کی چاٹ پر لگانے کے لئے حکومتی کارندوں کو رشوتیں دی گئیں۔ اب حالت یہ ہے کہ کوئی ملک قرض کی لعنت سے بچا ہوا نہیں ہے' جبکہ قرض کی دولت پر حکمران عیش و عشرت میں پڑے رہتے ہیں اور ان کے ملکوں کی ساری پیداوار بھی سود کی اقساط ادا کرنے میں کفایت نہیں کرتی۔ ترقی پذیر ملکوں کا خون نچوڑ کر دنیا کی دولت پر یہودی قابض ہو چکے ہیں۔ ان

کا معاشی اثر و رسوخ ان ملکوں میں بناؤ اور بگاڑ پر مکمل طور پر دخیل ہو چکا ہے۔ کسی ملک کے حکمران، امراء اور اونچے طبقات کے لوگ اگر عیش و عشرت میں پڑ جائیں تو وہ ملک کس تیزی کے ساتھ تنزل کی طرف رواں ہو جاتا ہے، اس کے لئے شاہ ولی اللہؒ نے آج سے تین سو برس قبل کس خوبی سے نشاندہی کی ہے۔ مدنیتِ فاسدہ کے بارے ان کے خیالات کا نچوڑ ملاحظہ فرمائیے۔

"ایسے ہی شہروں کی بربادی کے اسباب میں سے یہ ہے کہ بڑے بڑے لوگ ارتفاقاتِ ضروریہ سے آگے بڑھ کر، جن پر تمام دنیا کی اقوام کا اتفاق ہو چکا ہے، عمدہ زیورات، نفیس لباس، شاندار عمارات، لذیذ طعام اور عورتوں کے حسن کے پیچھے پڑ جائیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ وہی پیشے اختیار کر لیں گے جو امراء کی خواہش پوری کر سکیں۔ مثلاً لوگ دوشیزاؤں کو ناچ گانے کی تعلیم دینے لگیں گے اور بعض انہیں بدن کی ایسی حرکات سکھانے لگیں گے جن کے دیکھنے سے دیکھنے والوں کو لذت محسوس ہو۔ بعض لوگ کپڑوں کو رنگنے اور ان پر حیوانات اور مناظر طبعی بنانے اور عجیب و غریب نقاشی کرنے میں تخصص پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ بعض لوگ سونے چاندی اور بیش قیمت جواہرات تیار کرنے کی صنعت اختیار کر لیں گے۔ بعض بلند اور شاندار مکانات، کوٹھیاں اور محلات تعمیر کرنے کا پیشہ اختیار کر لیں گے، اور بعض ان میں طرح طرح کی نقاشی میں کمال پیدا کر لیں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب سوسائٹی کا بیشتر حصہ ان پیشوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور امراء اپنا مال و دولت عیاشیوں میں صرف کرنے لگتے ہیں تو ضروری پیشوں کے لوگ جو زراعت، تجارت اور صناعت میں مصروف ہوتے ہیں، وہ تنگ حال ہو جاتے ہیں۔ سامانِ عیش و عشرت کثیر مال و دولت صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اس مالِ خطیر کو حاصل کرنے کے لئے کاشت کاروں، تاجروں اور صنعت پیشہ لوگوں پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں اور پہلے کے لگے ٹیکس پر اضافہ کیا جاتا ہے۔ پھر یہ ٹیکس لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ ٹیکس دینے سے انکار کرتے ہیں تو ان کے خلاف حکومتی کارروائی کی جاتی ہے اور گرفتار کر کے عذاب دیا جاتا ہے۔ اگر لوگ کفایت شعاری سے ٹیکس ادا

کرتے رہیں تو ان سے ٹیکس وصول کرتے کرتے ان کو گدھوں اور بیلوں کے درجے پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ جن سے آبپاشی' فصل کاٹنے اور گاہنے کا کام لیا جاتا ہے' اور جنہیں صرف اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ ان سے کام لیا جاتا رہے۔ اس تنگ حالی اور بے سروسامانی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے کمانے کے سوا اور کوئی کام کر ہی نہیں سکتے' چہ جائیکہ سعادتِ اخروی کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔

حکمرانوں اور طبقہ امراء کے علاوہ ایک طبقہ باپ دادا کے نام پر وظیفہ خوری کرنے والوں کا' ایک طبقہ مدبرینِ مملکت اور مشیرانِ کرام کا' ایک طبقہ چاپلوسوں اور مدح خوانوں کا' اور ایک طبقہ دعاگو نام نہاد اللہ والوں کا پیدا ہو جاتا ہے۔ ان سب کا بوجھ بھی غریب عوام کے کاندھوں پر آپڑتا ہے' جو وہ ٹیکسوں اور نذرانوں کی ادائیگی کی شکل میں اٹھاتے ہیں۔"

(افاداتِ ولی اللہ دہلوی' حجۃ اللہ البالغہ' ماخوذ از میثاق جون ۱۹۶۹ء)

حضرت شاہ ولی اللہ کے ان افکار کی روشنی میں غور کریں گے تو ہماری اپنی صورتِ حال واضح ہو کر سامنے آجائے گی۔ ہمارے حکمرانوں نے عیش و عشرت کی زندگی اختیار کی۔ مصارف کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس لگائے گئے۔ ٹیکسوں سے پورا نہیں پڑا تو یہودی معاشی بدکاری کے چنگل میں پھنس کر سود کی دلدل میں گلے تک دھنس گئے۔ قرضوں کا بوجھ بڑھا تو اور ٹیکس لگائے گئے۔ اور جب ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا تو عوام نے ادائیگی میں عدم تعاون کیا۔ ٹیکس کی عدم وصولی کی وجہ سے آمدن میں کمی ہوئی۔ کم آمدن کی وجہ سے قرضوں کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو قرض اتارنے کے لئے مزید قرض لینا پڑا' اور یوں ان کی معاشی غلامی کے چکر میں پھنستے چلے گئے۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے اسی پر بس نہیں کیا' بلکہ یہاں کے عوام کے اخلاقی بگاڑ کے لئے دوسرا بھرپور وار کیا۔ اس کے لئے وہ NGO,s' ذرائع ابلاغ اور انسانی حقوق کو بطورِ ڈھال استعمال کر رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے یورپی تفریحی مقامات' وہاں کی مادر پدر آزادی کے نظارے اور اس کے مواقع' ان کی طرف راغب کرنے کے لئے اخلاق باختہ لوگوں کے انٹرویوز' ثقافتی طائفوں کے تبادلے اور اس طرح کے دوسرے مواد کا بھرپور استعمال کر کے لوگوں کے جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ بیوروکریسی اور منتخب نمائندوں کی کثیر تعداد نے اس

موسم گرما کی تعطیلات یورپ میں منانے کے لئے درخواستیں دیں۔ عوام کا حال یہ ہے کہ لوگ صبح کی تلاوت اور نماز کی ادائیگی بھول چکے ہیں۔ سارا دن روزی کی تلاش میں محنت و مشقت میں گزر جاتا ہے۔ جو تھوڑا بہت وقت فارغ ملتا ہے وہ ٹی وی کی لغویات کی نذر ہو جاتا ہے۔ اِن عیاشیوں میں عوام اور خواص اس طرح پڑ چکے ہیں کہ یہ چیزیں ضروریاتِ زندگی شمار ہونے لگی ہیں۔ ان سے کنارہ کشی کا خیال بھی اب تو خیالِ عجیب شمار ہوتا ہے۔ کانوں میں پڑنے والی غلیظ باتیں اور نظر آنے والے غلیظ نظارے ہمارے معاشرے کے تعمیری مواد میں شامل ہو رہے ہیں۔ ہمارے طرزِ معاشرت' لباس کی تراش خراش' عادات و اطوار اور بات چیت کے ڈھنگ میں انہی کی نقالی ہے۔ مصر' ترکی' روسی آزاد شدہ مسلم ریاستوں یا مراکش اور الجزائر کے معاشروں کو دیکھیں تو عورتوں اور مردوں کے میل جول اور معاشرتی حالات کسی بھی بے دین اور غیر مسلم اقوام سے مختلف نہیں ہیں۔ دوسروں کی نقالی کرنا اور ان کی تہذیب و ثقافت کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ابھی ذہنی مغلوبیت سے نہیں نکلے اور ہم نے ان کی برتری تسلیم کرلی ہے۔ انسانی اعمال دل کے احساسات کے ترجمان ہوتے ہیں' لہٰذا نقالی کی تلاش اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اپنے نظریئے اور عقیدے کے ساتھ وابستگی کے سوتے خشک ہو رہے ہیں۔ جبکہ قرآن اور فرموداتِ نبویؐ واضح راہنمائی دے رہے ہیں کہ

(۱) یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ (القرآن)

(۲) جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔ (الحدیث)

مسلمان اُمت اپنے رنگ میں بالکل علیحدہ اُمت ہے جو اپنے الگ نظریہ اور تہذیب و ثقافت کے ساتھ دنیا میں آئی ہے۔ ایک قبلہ' پردے کے احکام' پنج وقتہ نمازوں کا نظام' روزوں کا ماحول' مناسکِ حج' عیدین کی نماز اور پیدائش اور موت کی رسومات' یہ سب اس تہذیب و ثقافت کو دنیا کی تمام تہذیبوں سے الگ نئی بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور اُمت کو وہ تشخص دیتے ہیں جس کا نام صبغۃ اللہ ہے۔ لیکن ہم یہود و نصاریٰ کے چنگل میں اس طرح پھنس چکے ہیں کہ متذکرہ بالا امور میں اللہ اور اُس کے رسول کی ہدایت کے برخلاف عمل پیرا ہیں۔ اس روش کو ہم نے لازمۂ زندگی بنالیا ہے۔ اسلامی طرزِ حیات مسلمانوں کے لئے اجنبی بن کر رہ گیا ہے اور یہ فتنہ ابھی جاری و ساری ہے۔ اس کا حل کیا

ہے؟ بقول فوکویاما : یہ End of History کادور ہے۔ تو کیا دنیا اپنے خالق کو پہچانے بغیر ختم ہو جائے گی؟ کیا نفس پرستی اور شہوت پرستی کی گمراہیوں کے ساتھ ہی اس دنیا کا انجام ہونے والا ہے؟ یا یہ Beginning of the Glorious Era of Islam ہے' جس میں دنیا اپنے خالق کو پہچان لے' معاشرہ احترامِ آدمیت اور ایثارِ نفسی کی بنیاد پر امن کا گہوارہ بن جائے۔

جہاں تک فوکویاما کی دانشوری کا تعلق ہے' صرف اس قدر قابل ستائش ہے کہ علامہ اقبال نے جو پیشین گوئی ستر اَسّی سال قبل کی تھی ۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اس کا شعور اسے آج End of history کی صورت میں ہو رہا ہے۔ اس دانش کا دوسرا پہلو غیر اسلامی تہذیب و تمدن کی موت اور ان کے عروج کا زوال کی طرف اقرار ہے۔ جس طرح آج انسانی شرم و حیا اور اخلاق کا دیوالیہ نکل چکا ہے' اسی طرح فوکویاما کی سوچ اس بات کی علامت ہے کہ آج یورپ اور امریکہ' چین' روس' جاپان اور آسٹریلیا کے پاس اعلیٰ اخلاقی اقدار اور تہذیب و تمدن کے نام پر بھی دنیا کو دینے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔

اس حوالے سے غور کریں تو یہ بات واضح ہو گی کہ تاریخِ انسانی بالکل ایک Turning Point پر پہنچ چکی ہے۔ پوری انسانیت اس وقت ایک بڑے انقلاب کو جنم دینے کے دردِ زہ میں مبتلا ہونے کے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ اگر اس کو باقی رہنا ہے تو اس درد سے جانبر ہونے کے لئے صرف اسلام ہی اس کی رہبری کر سکتا ہے۔ صرف اسلام کی گود میں اس کو نئی زندگی مل سکتی ہے۔ اسلام ہی تاریخ کا دھارا موڑ سکتا ہے۔ اس لئے کہ صرف یہی انسان کی روحانی اور جسمانی پیاس بجھانے کا مکمل سامان رکھتا ہے اور معرکہ حق و باطل میں عملی شرکت کرنے والا زندہ الہامی ہاتھ قرآن کی صورت میں اسی کے پاس ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس کے لئے مندرجہ بالا گزارشات کو اختصار کے ساتھ ذہن میں مستحضر کر لیجئے۔ وہ یہ کہ

(۱) ماضی میں عالم اسلام پر جب عسکری حملہ ہوا تو اس کا جواب عسکری قوت سے دیا گیا۔

(۴) اسی طرح جسمانی غلامی کے دور کو آزادی کی تحریکوں نے شکست دی۔

آج جبکہ نظری و فکری الحاد پیدا کرنے کا حملہ جاری ہے اور ہمارے ذہن ان کی تہذیب و ثقافت کے سامنے مرعوب ہیں' ہمیں سوچنا ہو گا کہ اس حملے کا جواب کیا ہے؟ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ اس کے لئے اُمّتِ مسلمہ ہی کا ایک حصہ میر جعفراور میر صادق کا رول ادا کر رہا ہے۔ یہ ہمارے حکمران' وزراء اور امراء کا طبقہ ہے۔ اگرچہ تعداد کے اعتبار سے کم لیکن عوام پر ان کا تسلط ہے۔ یہ لوگ عوام کو اپنے رنگ میں رنگنے میں کامیاب ہیں۔ طاقت کے تمام وسائل اور دنیاوی رنگینیوں کے سامان ان کے پاس موجود ہیں۔ عالمی شیطانی قوتیں ان کی پشت پناہ ہیں۔ ان کے اندر سے یا ان کے ذریعے انقلاب برپا کرنا صرف ایک خواب ہے۔ اس لئے کہ ان کے لئے سامانِ عیش اور نقلی طرزِ زندگی ایسے لوازمات کی صورت اختیار کر چکے ہیں کہ اس کو ترک کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس کا علاج کیا ہے؟ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں :

> "غرض جب ایران اور روم کی سوسائٹی اس حالت کو پہنچ گئی اور عوام کی مصیبت بڑھتے بڑھتے حد سے گزر گئی تو حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ناراضی کا اظہار کیا اور مقرب فرشتوں نے بھی اسے ملعون قرار دیا۔ اب حکمتِ خداوندی کا تقاضا یہ ہوا کہ اس مرض کا واحد طریق یہ ہے کہ فاسد مادہ نکال کر کاٹ پھینکا جائے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لئے اس نبی اُمّی کو مبعوث فرمایا گیا جو کبھی ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ مل کر نہیں رہا تھا.... اس کی زبان سے ایران وغیرہ کی عادات' دنیا کی زندگی میں انہماک اور اس پر اطمینان کی سخت مذمت کرائی۔ ایرانیوں کے رسم و رواج کے اصول جن پر وہ فخر کرتے تھے' حرام قرار دیا' مثلاً ریشم کے کپڑے پہننا' مکانوں کو نقاشی سے سجانا' پُر تکلف کھانوں کی مجالس سجانا وغیرہ ـــــ نیز حکمتِ الٰہیہ نے فیصلہ کیا کہ اس نبی امی ﷺ کی حکومت کے ذریعے ان کے نظامِ فاسدہ کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس ؐ کی قیادت کے ذریعے ان کی بین الاقوامی لیڈر شپ مٹادی جائے۔" (افادات شاہ ولی اللہ' میثاق جون ۱۹۶۹ء)

قیصرو کسریٰ کے اقتدار کا بت توڑنے سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ یقیناً نظریہ اور فکر کے تین سو ساٹھ بُت توڑ چکے تھے۔ لہٰذا اسوۂ رسول ﷺ کو سامنے رکھیں تو پہلی ضرورت ہو گی کہ ہم وطنِ عزیز میں اللہ کے دین کو قائم کر کے اسلامی معاشرے کا نمونہ قائم کریں۔

دوسرے مرحلہ میں کفروالحاد کی بین الاقوامی قوتوں کو چیلنج کریں۔ بین الاقوامی تصادم کے موقع پر پورے ملک کی قوت کا ساتھ ہونا لازمی ہے۔ اگر بین الاقوامی محاذ پر معروف قوتوں اور خانگی اقتدار پر براجمان قوتوں کے درمیان ہم آہنگی نہ ہوگی تو بین الاقوامی محاذ پر حاصل ہونے والی کامیابی بھی شکست میں بدل سکتی ہے۔ اس لئے ضروری امر ہے کہ پہلے اندرونِ ملک اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ پاکستانی قوم جن امراض کا شکار ہو چکی ہے اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مادہ فاسدہ کو کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے۔ جو قلیل تعداد طبقہ ملک کو معاشی اور معاشرتی بدکاری میں گھسیٹنے کا ذمہ دار ہے اس کو بالکلیہ بے دخل کر کے اسلامی اقدار کو نئے سرے سے عام کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ یہ عظیم کام کیسے ممکن ہے؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام قیادتیں جو اسلام کیلئے مخلص ہیں وہ متحدہ ہوں۔ پھر ان کی اس انداز سے تربیت ہو کہ ان کو اپنے نظریہ اور اعمال سے اٹوٹ محبت ہو۔ یہ لوگ اس نظریئے اور اس پر تعمیر ہونے والے ماحول کے علاوہ کسی دوسرے ماحول کو برداشت نہ کرتے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک منظم قیادت کے زیرِ سایہ ہوں جس کے حکم کی تعمیل ہو' جبکہ قیادت ایسی ہو جو قرآن و سنت کے اخلاقِ عالیہ کا نمونہ اور خلوص کا پیکر ہو' جس کی نظر آخرت پر ہو' دنیا پر نہ ہو۔ نیز یہ لوگ غارِ حرا' دارِ ارقم اور شعب ابی طالب کی سنت اور سفرِ طائف کے مراحل طے کرنے کیلئے تیار ہوں۔ یہ جماعت ایمان کی بہت بڑی مقدار کو اپنے سینوں میں جذب کر چکی ہو۔ جب یہ لوگ اٹھیں تو شہادتِ حق کے عملی تقاضے پورے کرتے ہوئے نام کے مسلمانوں کو صحیح اسلامی نظام اختیار کرنے پر مجبور کر دیں۔ اور جب یہاں اسلام کا نظامِ عدل و قسط قائم ہو جائے تو اب عالمی سطح پر طاغوت کے پجاریوں کو چیلنج کیا جائے' کیونکہ اگر دنیا کے کسی ایک خطہ میں بھی اسلامی نظام نافذ کر دیا جائے تو پھر ان شیطانی قوتوں کو جن کا مقصد صرف حیاتِ دنیا ہے' شکست دینا ذرا بھی مشکل نہیں رہے گا۔

خطوط و نکات

"آپ نے بنفسِ نفیس قلم اٹھایا اور تبصرے کا حق ادا کر دیا"

ہری پور ہزارہ سے قاضی عبدالدائم دائم حفظہ اللہ کا مکتوب

گرامی قدر عالی مقام جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"التحقیق الصحیح" اور "سایۂ مصطفیٰ ﷺ" پر آنجناب کا دلکش تبصرہ پڑھا۔ کسی اور صاحبِ علم سے تبصرہ لکھوانے کے بجائے آپ نے بنفسِ نفیس اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر قلم اٹھایا اور تبصرے کا حق ادا کر دیا۔ جزاکم اللہ خیراً

> مولانا تھانوی کا پہلا فتویٰ یہی تھا کہ جی پی فنڈ پر ملنے والی رقم پر سود نہیں ہے' نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے' مگر بعد میں انہوں نے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا' جیسا کہ امداد الفتاویٰ کے تتمہ خامسہ سے واضح ہے۔ کتاب کے آخر میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات وضاحت سے بیان کی ہے۔

بہر حال خوشی کی بات ہے کہ آپ بھی اس تحقیق سے متفق ہیں اور شروع سے یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو قبول فرمائے اور رجوع الی القرآن کے مشن کو کامیابی نصیب فرمائے۔

والسلام

قاضی عبدالدائم دائم

مدیر "جامِ عرفان"

ہری پور ہزارہ

"شکنجۂ یہود"

تحریر: طارق مجید کموڈور (ر) پاک بحریہ

آپ کے ہاتھ میں ایک نادر کتاب ہے۔ اس موضوع پر لکھنے اور علم رکھنے والے ہر ملک میں آٹے میں نمک کے برابر رہے ہیں۔ اردو میں تو ایسے مصنفین کی تعداد کو ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں بھی نایاب ہے' حالانکہ یہ تازہ ترین دور کی ہے۔ سعید احمد بٹ (سعید رومی) صاحب نے پال فنڈلے کی اس کتاب کا اُردو ترجمہ شائع کر کے اردو دان طبقہ کے علاوہ امت مسلمہ کی بھی خدمت کی ہے۔ کتاب کا موضوع امریکہ میں یہودیوں کا تسلط ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ یہودی / اسرائیلی اِس وقت امریکہ کے تمام اہم سرکاری اور غیر سرکاری اداروں پر بہ لحاظِ اثر مکمل طور پر چھا گئے ہوئے ہیں' حتیٰ کہ صدر کا دفتر یعنی وائیٹ ہاؤس بھی ان کی مٹھی میں ہے۔ امریکہ کے تمام یہودی — جن کی مصنوعی تعداد ساڑھے چھ ملین بتائی جاتی ہے' لیکن اصل میں ۲۶ ملین کے لگ بھگ ہے — امریکی شہریت کے ساتھ ساتھ اسرائیلی شہریت بھی رکھتے ہیں۔ وہ امریکہ کو اسرائیلی ریاست کا ایک حصّہ سمجھتے ہیں اور اس بات پر ہنستے ہیں کہ دنیا اسرائیل کو امریکہ کی جزوی / طفیلی ریاست سمجھتی ہے!

اس کتاب میں صرف امریکہ کی یہودی لابی کا ذکر ہے۔ گویا یہ سمندری برفانی تودے کی سطح آب سے باہر نظر آنے والی چھوٹی سی چوٹی (tip of the iceberg) ہے! تمام یہودی / اسرائیلی لابیاں — دنیا میں جہاں کہیں بھی کام کر رہی ہوں — عالمی صیہونی تنظیم (World Zionist Orgsn) کے کنٹرول میں ہوتی ہیں۔ اس تنظیم کے اپنے شائع کردہ لٹریچر میں اس کے تین ہیڈ کوارٹرز بالترتیب لندن' نیویارک اور تل ابیب میں ہیں۔ لیکن اس خاکسار کی چھان بین کے مطابق یہ عالمی صیہونی تنظیم اپنی مرکزی یہودی قیادت کے لئے بطورِ پردہ (smoke screen) کام کرتی ہے۔ اور اصلی یہودی قیادت

"ZINJRY" (زِنجری ـــ Zionist International Jewry کا مخفف!) اپنے آپ کو بالکل خفیہ رکھتی ہے۔ اس کا مخصوص ہیڈ کوارٹر سوئیٹزرلینڈ کے شہر باسل میں واقع ہے۔ ۱۸۹۷ء میں یہیں عالمی صیہونی کانفرنس کا انعقاد کر کے یہ تین کلیدی فیصلے کئے :

(۱) دنیا کے تمام یہودیوں کو صیہونیت کے نظریئے کی پیروی پر مجبور کیا جائے۔

(۲) فلسطین کی سرزمین پر آزاد' خود مختار اسرائیل کی ریاست قائم کی جائے۔

(۳) ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن قائم کی جائے جو زِنجری کے فرنٹ کی حیثیت سے تمام یہودیوں کی قیادت کرے اور اسرائیل کی ریاست کو وجود میں لانے کے لئے تمام ممکن اقدامات کرے۔

یہ سب باتیں پال فنڈلے کی کتاب میں درج نہیں ہیں۔ اگر وہ یہ سب ظاہر کرتا تو پھر اس کی کتاب کی اشاعت ممکن نہ رہتی' بلکہ وہ "زِنجری" کی ہٹ لسٹ پر آکر نیست و نابود ہو چکا ہوتا۔ فنڈلے ایک کہنہ مشق سیاست دان اور سفارت کار تھا۔ اس کی کتاب کا عنوان یعنی "They Dare to Speak Out!" ہی اس کی بیباکی اور جرأتِ اظہار کا ثبوت ہے۔ اور ذیلی عنوان یعنی : "افراد اور ادارے اسرائیلی لابی کا سامنا کرتے ہیں" تو اور بھی خیال انگیز ہے۔ اس نے واقعات اور حقائق کا ناقابل تردید سلسلہ آپ کے سامنے رکھ کر آپ کو خود نتیجہ اخذ کرنے کا چیلنج دیا ہے۔

راقم کی بحریہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۸۷ء میں جب اس نے "زِنجری" کے عزائم کو بے نقاب کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو دانشوروں' خواص' سرکاری عہدے داروں' فوجی افسران' وکلاء' پروفیسرز' صحافی' اور اہل قلم حضرات کی بڑی اکثریت نے اسے درخور اعتناء نہ سمجھا۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیمی نصابوں میں اس فتنے کا کوئی ذکر نہیں۔ اکثر طنزاً' بلکہ استہزاءً' اس کو من گھڑت کہتے۔ وہ اس تمام داستان کو کہ امریکہ اور مغربی یورپ پر یہودیوں کا غلبہ ہے اور یوں وہ ساری دنیا کو زیر اثر لا چکے ہیں (سوویٹ روس کو توڑنے میں اپنے کردار کا وہ خود فخراً اعتراف کرتے ہیں!) ایک مہمل افسانہ تصور کرتے۔

بہرحال اب تو ایک امریکی ممبر کانگرس کی بات سن کر اُن کو یقین آ جانا چاہئے کہ امریکی پالیسیاں امریکہ کے نہیں بلکہ اسرائیل کے مفادات کو مد نظر رکھ کر بنائی جاتی ہیں۔ سعید رومی صاحب کی یہ کاوش کہ اس اہم کتاب کو اردو کا جامہ پہنا کر یہاں عام کر دیا'

لائق تعریف ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے پال فنڈلے کی یہ کتاب ابھی تک پاکستان کی کتب کی مارکیٹ میں نہیں آئی۔ تفتیش یہ ظاہر کردے گی کہ امریکی یہودی لابی کسی بھی امریکی کتاب کو دنیا کے کسی بھی خطے یا ملک میں پہنچنے سے روکنے میں کس قدر مہارت رکھتی ہے۔ امریکہ میں چھپی ہر فحش اور بے ہودہ کتاب مہینوں بلکہ ہفتوں میں پاکستان کے ہر بڑے کتب فروش کی دکان پر رسائی پا جاتی ہے' لیکن وہ کتاب جس کے پڑھنے سے ایک مسلم ملک کے لوگ یہودی فتنوں سے باخبر ہو جائیں' وہاں نہیں پہنچ پاتی! اپنوں کی بے حسی کا تو گلہ ہی فضول ہے!

پال فنڈلے نے اس کتاب کو شائع کروانے اور اس کے لئے مواد حاصل کرنے کے سلسلے میں پیش آمدہ دشواریوں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بے حد سبق آموز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی! ذرا غور تو کریں کہ اتنے اونچے عہدوں پر فائز امریکی اہل کار اور سفارت کار اپنے ہی ملک میں یہودیوں سے کس قدر خوف زدہ ہیں کہ وہ اپنا نام صیغہ راز میں رکھنے کا وعدہ لے کر ہی حقائق بیان کر پاتے ہیں! کس قدر یہودیوں کے رحم و کرم پر ہیں وہ!

دوسری جگہ پال فنڈلے کو جو دشواری طباعت و اشاعت میں پیش آئی اسے پڑھ کر ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو آزادی تحریر و تقریر کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے اور امریکہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں کہ وہاں تحریر و تقریر کی مکمل آزادی ہے! میں نے فنڈلے صاحب کو دو خطوط لکھے لیکن نامعلوم وجوہات کی بناء پر وہ واپس آ گئے! مجھے علم ہوا کہ مسٹر پال فنڈلے اب ایک دوسری کتاب بعنوان "Delibrate Deception" (دانستہ فریب کاریاں) بھی لکھ چکا ہے جس میں یہودیوں/اسرائیلیوں کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

مکر و فریب صیونیت کا خاصہ اور صیونی یہودیوں کے کردار کی مرکزی خصلت ہے۔ صیونیت اللہ کے دین کی نفی ہے۔ یہ ہر قسم کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بیخ کنی کرتی ہے۔ مادہ پرستی' خواہش پرستی' فحاشی اور ہر قسم کی بدی اور بدکاری کا پرچار کرتی ہے۔ صیونی خاص طور پر قرآن مجید' پیغمبر اسلام ﷺ اور اُمّتِ مسلمہ کے دشمن ہیں۔ صیونیت قرآن مجید کی رو سے طاغوت ہے' جو ابلیسی خصلتوں کا مرکب ہے۔ ملّتِ پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کی سب سے بڑی کوتاہی بلکہ المیہ ہی یہ ہے کہ وہ اپنے سب سے بڑے اور ازلی

دشمن کے عزائم' وسائل اور ہتھکنڈوں' بلکہ اس کی شناخت ہی سے بے خبر ہیں۔ قرآن مجید میں تو یہودیوں اور مشرکین کے دشمنانِ اسلام ہونے کے بارے میں واضح تنبیہہ موجود ہے۔

اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے فوراً بعد پیرس میں جو کہا اور یہ لندن کے رسالے "جیوش کرانیکل" میں ۹/۱ اگست ۱۹۶۷ء کو شائع ہوا' کچھ یوں ہے :

"عالمی صیہونی تحریک (World Zionist Movement) کو پاکستان کی طرف سے لاحق خطرات سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے' کیونکہ یہ نظریاتی مملکت ہمارے وجود کے لئے خطرہ ہے۔ تمام پاکستانی تمام یہودیوں سے نفرت کرتے ہیں اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ عالمی صیہونیت کے لئے لازمی ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔ چونکہ بھارت میں ہندو آباد ہیں جن کے دل مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں' اس لئے پاکستان کے خلاف کارروائیوں کے لئے بھارت بہترین اڈہ ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہم اس اڈے کو استعمال کریں اور اپنی خفیہ منصوبہ بندی کے ذریعے پاکستان پر کاری ترین ضرب لگائیں اور اسے کچل دیں۔"

"زِنجری" جو طاغوتی یہودیت کا دوسرا نام ہے' عالمی اقتدار پر قبضہ کے لئے ہمہ گیر انتہائی خطرناک منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ اس کا منتہائے مقصود تمام دنیا کو چھوٹے چھوٹے ممالک (mini states) میں تقسیم کر کے ایک ایسے عالمی نظام کے زیر اثر لانا ہے جو کہ اسرائیل کنٹرول کرتا ہو۔ اس شکست و ریخت کے عمل کو آپ صومالیہ' کانگو' چیکوسلاویہ' یوگوسلاویہ اور عراق میں ملاحظہ کر رہے ہیں اور کئی ممالک میں آئندہ دیکھیں گے۔ اقوام متحدہ اور اس کے تمام ذیلی ادارے بشمول آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک اسی کے آلہ ہائے کار ہیں۔ امریکی نظام حکومت کن کے شکنجے میں ہے اور کیونکر؟ وہ آپ پال فنڈلے کی کتاب میں خود ہی پڑھ کر جان جائیں گے۔ یہودی امریکہ کے سینٹ کی ہر کمیٹی پر چھائے ہوئے ہیں' خصوصاً خارجہ تعلقات اور غیر ملکی امداد کی کمیٹی!

سعید رومی صاحب کی کتاب "شکنجہ ء یہود" عین وقت کی ضرورت کے مطابق منظرِ عام پر آئی ہے۔ محبِ وطن اربابِ اقتدار سے یہ امید ہے کہ وہ اس کی اہمیت کے پیش نظر

اسے سرکاری حلقوں میں مقبولِ عام کریں گے اور اس کا وسیع پیمانے پر میسر ہونا ممکن بنائیں گے۔ اس کتاب سے پاکستان کے ساتھ امریکہ کا رویہ جو ہمیشہ معاندانہ اور ناقابل فہم رہا ہے وہ بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ طاغوتی یہودیت کے فتنوں کے بارے میں اگرچہ انگریزی میں لٹریچر کم ہے' تاہم اس میں چند مندرجہ ذیل کتب (جو کہ عام میسر نہیں ہیں!) قابل توجہ ہیں۔

(1) *The Zionist Protocols.*
(2) *Pawns in the Game.*
(3) *The International Jew (Henry Ford).*
(4) *World Conquorers*
(5) *Waters Flowing Eastwards.*

امید ہے نوجوان نسل اس سلسلے میں مطلوبہ پیش رفت کرے گی۔

576 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت 220 روپے ہے اور اسے صُفّہ پبلشرز 19۔ اے' ایبٹ روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور پر بھی دستیاب ہے۔

تنظیم اسلامی کی دعوت اور اس کا طریق کار

—— محمد سمیع، کراچی ——

اگر آپ تنظیم اسلامی کی دعوت کو سمجھنا چاہیں تو میں آپ کو دعوت دوں گا کہ آپ سورۂ نوح میں وارد حضرت نوح علیہ السلام کے اِن ارشاداتِ گرامی پر غور فرمالیں "کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔ جی ہاں، تنظیم اسلامی کی دعوت وہی بندگیٔ رب کی دعوت ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام نے عوام الناس کے سامنے رکھی۔ اور اس تنظیم کے قیام کی ضرورت سورۂ آل عمران میں وارد اس ارشادِ ربانی کی تعمیل کے طور پر ہے جس میں فرمایا گیا : "تم میں لازماً ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے، معروف کی تلقین کرے اور منکر سے روکے"۔ مجھے معلوم ہے کہ میری اس گفتگو کے نتیجے میں آپ کے ذہن میں مختلف سوالات اٹھ رہے ہوں گے۔ تو اگر آپ تحمل اور توجہ کے ساتھ میری گفتگو کی سماعت فرمائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ہر سوال کا جواب خود بخود ملتا چلا جائے گا۔

سب سے پہلے تو میں چاہوں گا کہ بندگیٔ رب کی تشریح ہو جائے، کیونکہ دورِ ملوکیت میں اسلام کے چہرۂ انور پر، بقول اقبال، جو پردے پڑے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "نظریۂ ضرورت" کے تحت دینی اصطلاحات کے مفاہیم ہی بدل ڈالے گئے، اور صدیوں کے تعامل کے نتیجے میں دینی اصطلاحات کے مروجہ مفاہیم کا ذہنوں پر اس قدر تسلط ہو چکا ہے کہ جب کبھی کسی دینی اصطلاح کی بات کی جاتی ہے تو ذہن میں وہی مفہوم فوری طور پر ابھر آتا ہے۔ عبادت کی مختصر ترین تشریح کو یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو بلا تفریق و امتیاز کے اُس کی محبت اور اُس کے خوف کے جذبہ کے ساتھ مانا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ ہم تنظیم اسلامی کے پیش نظر بندگیٔ رب کے مفہوم کو ایک عمارت کی صورت میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِس کی بنیاد ایمانِ حقیقی ہے، جس کی کرسی ایمانِ قانونی ہے، جس کے ستون نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔ اس عمارت کی پہلی منزل بندگیٔ رب،

یعنی خود اپنی ذات پر بندگی رب کو نافذ کرنا ہے۔ اِس کی دوسری منزل دعوتِ بندگی رب ہے، جس کو دعوت و تبلیغ کی عام اصطلاح سے سمجھا جا سکتا ہے اور اس کی تیسری منزل دعوتِ نظامِ بندگی رب ہے، جس کو عام اصطلاح میں اقامت دین کی جدوجہد کہہ لیجئے۔ اِس کی بنیاد، یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ ایمان، جس قدر مضبوط ہو گی، عمارت اتنی ہی مضبوط ہو گی۔ ورنہ اگر دل میں توحید کا رسوخ نہیں ہو گا، شرک و اوہام اور بدعات کے بت ابھی نصب رہیں گے تو معاملہ وہی ہو گا کہ ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج   تا ثریّا می رود دیوار کج

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ اس عمارت کے ستون اس کی ہر منزل میں موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اوپر کی منزلوں میں دیواروں کے اندر ہو جانے کے باعث نظر نہ آئیں۔ کسی احیائی تحریک کے ہر کارکن کا ذہن اس بارے میں بالکل صاف ہونا چاہئے، ورنہ دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کی منزلوں میں ان عبادات سے شغف میں کمی ہوتی چلی جائے گی اور دیگر سرگرمیوں پر توجہ زیادہ مرکوز ہوتی جائے گی، جس کے نتیجے میں نمازِ باجماعت میں سُستی، قیام اللیل سے غفلت اور نوافل سے عدم توجہی بڑھ جائے گی۔ یہ تو میں نے صرف ایک ستون کی بات کی ہے۔ اسی پر دوسرے ستونوں کو قیاس کر لیں۔ اور ہاں، آخری بات، جسے انگریزی محاورہ میں Last but not the least کہا جاتا ہے، وہ یہ کہ بلند ترین منزل بے شک اقامت دین یعنی تیسری منزل ہے، لیکن اہم ترین پہلی منزل یعنی بندگی رب کی منزل ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جب پہلی منزل ہی تعمیر نہ ہو تو تیسری منزل کس طرح وجود میں آ سکتی ہے۔ تو یہ ہے تنظیم اسلامی کی دعوت، جس کی ساری منازل کو طے کرنے کا زینہ قرآن حکیم ہے جو ہماری ہر سرگرمی کا مرکز و محور ہے۔ ہم قرآن کریم کو صرف casual دروسِ قرآن یا دعوتِ قرآن جیسی مہمات کے لئے استعمال نہیں کرتے۔

اب آیئے تنظیم کے طریق کار کی طرف، جس کو ہم نے منہج انقلاب نبوی کی اصطلاح سے موسوم کیا ہے۔ یہ نچوڑ ہے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی سیرت النبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے انقلابی پہلو کے مطالعہ اور عصر جدید میں رائج طریقۂ انقلاب کا۔ اسے ہم مندرجہ ذیل چھ مراحل میں بیان کرتے ہیں۔

(۱) دعوت اور اس کی اشاعت کا مرحلہ

اسلامی انقلاب کا نظریہ 'نظریۂ توحید ہے' جس کے مضمرات میں سے معاشرتی سطح پر وحدتِ آدم کی بنیاد پر معاشرتی مساوات ہے۔ یعنی پیدائشی طور پر ہر انسان برابری کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں یہ نہیں ہوتا کہ ع "یوں تو سید بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو" بلکہ یہاں ہر قسم کی تفریق کی نفی کی گئی ہے۔ اور معاشرتی سطح پر مساوات اور سیادت و قیادت کی بنیاد تقویٰ ہے۔ حضرت علیہ السلام نے جو صدا لگائی تھی اس میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی بات شامل تھی۔

معاشی سطح پر توحید کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ بھی عطا ہوا ہے وہ اس کا امین ہے' مالک نہیں۔ بقول شیخ سعدی ؂

این امانت چند روزہ نزدِ ماست　　　　در حقیقت مالکِ ہر شے خداست

لہٰذا ہر امانت کا تصرف ہمیں اپنی مرضی سے نہیں' بلکہ اپنے مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرنا ہے۔

سیاسی سطح پر "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" کے قرآنی حکم کے مطابق حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور ہمیں اس کے احکامات کو بحیثیت اس کے خلیفہ کے نافذ کرنا ہوگا۔ اس نظریہ کی اشاعت کے لئے ہمیں تمام میسر ذرائع کو استعمال کرنا ہے' خواہ وہ ذرائع مطبوعات کی شکل میں ہوں' Audio Visual ہوں یا دروس و خطابات کی شکل میں۔

(۲) تنظیم کا مرحلہ

جو لوگ ہماری دعوت کو قبول کرتے ہیں انہیں ہم منظم کرتے ہیں' یعنی اپنی تنظیم میں شامل کرتے ہیں۔ ہماری تنظیم میں شمولیت مغربی طرزِ جمہوریت یعنی دستوری نہیں' بلکہ بیعت سمع و طاعت کی بنیاد پر ہے جو منصوص بھی ہے' مسنون بھی ہے اور ماثور بھی۔ ویسے ہم دستوری طرز کو بھی مباح سمجھتے ہیں' لیکن جب ہم احیاءِ دین کا کام کر رہے ہیں تو اس کے طریقۂ کار کیلئے ہماری ترجیح قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ ہی ہونے چاہئیں نہ کہ مغرب سے درآمد شدہ نظامِ جمہوریت۔ بیعت کے نظام کی برکات اور دستوری نظام کی قباحتوں کے تذکرہ کا یہاں موقع نہیں۔

(۳) تربیت کا مرحلہ

جو لوگ ہماری تنظیم میں شمولیت اختیار کرتے ہیں ان کی تربیت کیلئے رہنمائی بھی ہمیں قرآن و حدیث اور اسوۂ صحابہ سے ہی ملتی ہے۔ ہم غیر مستند حکایات و روایات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ ایمان کی گہرائی اور گیرائی کیلئے ہم نے قرآن کریم کے مختلف حصوں سے آیات اور سورتوں کے دروس پر مبنی منتخب نصاب تیار کر رکھا ہے' اور نظم کے تقاضوں کو سمجھنے کیلئے بھی ہم نے ایک دوسرا منتخب نصاب ان ہی خطوط پر مرتب کیا ہے۔

یہ تین مراحل وہ ہیں جو عین اسی طرح چلیں گے جس طرح حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے مکی دَور میں اختیار کئے گئے تھے۔

(۴) صبر محض کا مرحلہ

دعوتِ دین کے نتیجے میں ایک داعی کو مخالفین کی جانب سے اس کی کردار کشی اور کارکنانِ تحریک کو استہزاء اور ظلم و تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں جہاں ذہنوں پر سیکولرزم کا تسلط ہے کردار کشی اور استہزاء کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ البتہ ظلم و تشدد کے مراحل اس طرح پیش نہیں آتے جس طرح مکی دَور میں پیش آئے تھے۔ وہاں کلمہ لا اِلٰہ اِلاّ اللہ پڑھتے ہی ظلم و تشدد کا آغاز ہو جاتا تھا' لیکن یہاں کلمہ پڑھنے اور عبادات میں مشغول ہونے پر تو معاشرے میں اکرام کیا جاتا ہے' البتہ شریعت پر عمل کے آغاز کے ساتھ ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جس کا آغاز خاندان' کنبہ قبیلہ اور برادری کے افراد سے ہوتا ہے۔ رشوت لینا بند کریں تو گھر والے ناراض' شرعی پردہ اختیار کریں تو بھی کنبہ قبیلہ اور برادری والے ناراض۔ نتیجتاً معاشرتی مقاطعہ تک کی نوبت آتی ہے۔ لیکن اس پورے دور میں تنظیم اسلامی کے رفیق کو قرآنی دعوت کے ذریعہ اپنا حلقہ وسیع کرتے رہنا ہے اور تحریر و تقریر کے ذریعہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر پر عامل رہنا ہے۔

(۵) اقدام یا چیلنج کا مرحلہ

جب یہ محسوس ہو جائے کہ رفقاء کی ایک مؤثر تعداد مہیا ہو چکی ہے اور یہ افراد اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں کی حد تک شرعی پابندیوں کے خوگر ہو چکے ہیں اور خالصتاً اللہ

تعالیٰ کی رضا کے حصول اور دین کے نفاذ کیلئے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہو چکے ہیں تو معاشرے میں موجود ایک ایک برائی کے خاتمے کیلئے' جو ہر مکتبہ فکر کے نزدیک متفقہ برائی ہو' حکمرانوں کو چیلنج کیا جائے کہ ملک میں یا تو یہ برائی رائج رہے گی یا ہم رہیں گے۔

(۶) غیر مسلح بغاوت کا مرحلہ

پانچ مراحل کے بعد نتیجتاً چھٹا اور آخری مرحلہ آئے گا جس کو ہم نے تصادم کے نعم البدل کے طور پر اختیار کیا ہے۔ یعنی چیلنج کے نتیجے میں اگر حکمران ہمارا مطالبہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے برائی کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اس طرح رفتہ رفتہ برائیوں کا خاتمہ ہو گا اور معاشرے میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ بصورتِ دیگر پُر امن مظاہرے' دھرنے' picketing اور گھیراؤ (جلاؤ نہیں) کئے جائیں گے۔ اس مرحلے پر ہم حکومتی تشدد برداشت کریں گے' لیکن جوابی کارروائی نہیں کریں گے' جس کے نتیجے میں خاموش اکثریت بھی ہمارا ساتھ دینے پر مجبور ہو گی اور حکمرانوں پر دباؤ بڑھے گا۔ لیکن اگر حکمرانوں نے کوئی دباؤ قبول نہ کیا اور انقلابی تحریک کو طاقت سے کچلنا چاہا تو انقلابی کارکنان درجہ شہادت پر فائز ہو جائیں گے۔ ع "گر جیت گئے تو کیا کہنا' ہارے بھی تو بازی مات نہیں۔"

الیکشن کی سیاست نے داعیانِ دین کو حکمرانوں کے پیچھے لگا رکھا ہے۔ نتیجتاً وہ لوگوں کی تعمیر سیرت و کردار سے غافل ہو چکے ہیں۔ حکمرانوں نے لوگوں کو دنیا پرستی کی دوڑ میں لگا رکھا ہے۔ لہٰذا اسلامی جماعتوں کو ان کے ووٹ حاصل ہوں تو کیسے؟ تبلیغی جماعتوں نے ایمان پر محنت جاری رکھی ہوئی ہے' لیکن فریضہ نہی عن المنکر سے اعراض نے ان کی ساری محنت کی نفی کی ہوئی ہے اور ان کی تبلیغ محض مذہبی تبلیغ ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کے پیرو کاروں نے ع "باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی" کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے' لہٰذا لاشعوری طور پر ہی سہی' وہ باطل نظام کو کاندھا دینے میں مصروف ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے جب وطن عزیز میں اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہو۔ آمین!

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلہ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۳)

ڈاکٹر ابو معاذ

انقلاب سے چند سال پہلے

اب ۱۹۷۰ء کے عشرے میں ایران کے کونے کونے میں علامہ اقبال کا پیغام عام ہو چکا تھا اور علامہ اقبال کو پاکستان کے قومی شاعر ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ سعدی، فردوسی، رومی، اور حافظ کا ہم پلہ قرار دیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں علامہ کے انقلابی پیغام کو مستقبل کے ایک عظیم اسلامی انقلاب کا محرک قرار دیا جاتا تھا۔ شاہ کا جبر و استبداد پورے شدّ و مدّ سے جاری تھا۔ ایک طرف مجاہدینِ خلق کے نوجوان خاک و خون میں لوٹ رہے تھے تو دوسری جانب مدرسہ و خانقاہ سے علم ہائے بغاوت بلند ہو رہے تھے۔ قوم میں عظیم مذہبی ولولہ پنپ رہا تھا، مگر بظاہر ہر جانب پُراسرار خاموشی کا دور دورہ تھا اور یہ خاموشی ایک زبردست طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ زیر زمین گوریلا کارروائیاں جاری تھیں اور لوگ عقوبت خانوں میں موت کی نذر ہو رہے تھے۔ ایران میں علامہ اقبال کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ رسمی اور سرکاری طور پر مصدق کے بعد کے تمام وزرائے اعظم کے پیغامات بھی یومِ اقبال پر نشر ہوتے رہے، حتیٰ کہ مختلف مواقع پر علامہ اقبال کے بارے میں شاہ کے پیغامات بھی نشر اور شائع ہو رہے تھے۔ ایک موقع پر تو شاہ نے کہا تھا کہ "اقبال ساری دنیا کا شاعر ہے"۔ سرکاری سطح پر تو علامہ اقبال معقولیت اور فرزانگی کی علامت تھے مگر اہلِ جنون ان سے درسِ دیوانگی لے رہے تھے۔ آپ کے اشعار جبر و استبداد، معاشی استحصال اور شاہی تخت و تاج کے بتوں بلکہ بتکدوں کو پاش پاش کر رہے تھے۔

صورت نہ پرستم من بت خانہ شکستم من   آن سیلِ سبک سیرم ہر بند گسستم من

در بود و نبود من اندیشه گمانها داشت　　از عشق هویدا شد این نکته که ہستم من

(میں نے بتوں کی پرستش نہیں کی بلکہ میں نے تو بت کدہ توڑ دیا ہے۔ میں وہ آگے بڑھنے والا تند و تیز سیلاب ہوں جس نے تمام رکاوٹوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ میرے ہونے یا نہ ہونے میں کئی شکوک و شبہات جنم لے رہے تھے۔ عشق نے مجھے یہ واضح کر دیا کہ میں ہوں۔)

عشق کا جوشِ جنون آگے بڑھ رہا تھا۔ اور یہ قافلۂ شوق منزل بہ منزل رواں دواں تھا۔ علاوہ بریں ایران کی یونیورسٹیوں، کالجوں اور مکتب و مدرسہ میں اپنے اپنے انداز میں اقبال کے کلام کی شرح و تفسیر جاری تھی۔ مضامین کے سلسلے شائع ہو رہے تھے اور اب اہل ایران ہمیں کلامِ اقبال کے سربستہ رموز اسرار سے آگاہ کر رہے تھے اور پاکستان میں ایرانی علماء کی زبان سے ہم علامہ اقبال کا پیغام سن کر آپ کے شعر و فکر کی نئی جہتوں سے متعارف ہو رہے تھے۔ اب یہ آبِ دریا الٹی سمت واپس ہماری جانب بہہ رہا تھا۔ یہاں پر ہم ایرانی زعماء کے ان لیکچروں اور تحریروں کا حوالہ دیں گے جو انہوں نے پاکستان میں آ کر ہمارے ہاں پیش کیں یا مختلف مجلّات میں شائع ہوئیں۔

جناب علی قلی محمود بختیاری نے ۱۹۷۶ء میں اورینٹل کالج لاہور میں ایک لیکچر دیا جس کا عنوان تھا "اقبال و پیامِ او"۔ اس کا متن تہران کے مشہور مجلّہ "ہنر و مردم" (ضمیمہ شمارہ ۱۶۲) میں شائع ہوا۔

اقبال و پیامِ اُو

جناب پروفیسر بختیاری نے فرمایا کہ علامہ اقبال کی زندگی مغرب کی اہرمنی روح کے لئے نبرد آزمائی اور پیکار میں گزری اور انہوں نے عوام کو بیداری کا پیغام دیا۔

از غلامی دل بمیرد در بدن　　از غلامی روح گردد بارِ تن

(غلامی سے بدن میں دل مردہ ہو جاتا ہے اور اس کے باعث روح بھی جسم پر ایک بوجھ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔)

از غلامی بزمِ ملت فرد فرد　　این و آن با آن و این اندر نبرد

(غلامی کی وجہ سے ملت کی محفل اجڑ جاتی ہے، افراد میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی

ہے اور مختلف گروہ اور طائفے آپس میں اُلجھ جاتے ہیں۔)

از غلامی مرد حق زُنّار بند از غلامی گوہرش نا ارجمند

(غلامی کی وجہ سے حق پرست انسان بھی کافرانہ رسوم اختیار کر کے مالا پہن لیتا ہے اور اس کے جوہرِ ذاتی میں انحطاط آ جاتا ہے۔)

انہوں نے کہا کہ میں ایک ایرانی اور مشرق کی سرزمین کا فرزند ہونے کے ناطے سے آپ کے شعروں کا مطالعہ کر کے لرزہ براندام ہو گیا ہوں۔ میری روح میں آگ لگ گئی ہے اور اس کی چنگاریاں میرے جسم اور تصورات میں پھیل گئی ہیں۔ میں پگھل رہا ہوں اور جل رہا ہوں۔ بالآخر اقبال کی آگ میرے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے۔ میں بھی ایرانی اور عجمی رازوں کا اقبال کی طرح امین بن گیا ہوں۔ اقبال کی سوچیں صرف ایرانی قوم کے ذہن سے مطابقت کے باعث انہی کی زبان میں ڈھل سکتی تھیں۔ اقبال کی پیروی میں مجھے بھی دردو دروں سے آشنائی ہو چکی ہے۔ کئی برسوں سے میرا بھی یہ وطیرہ بن چکا ہے کہ استعماری اور سامراجی قوتوں سے نبرد آزما ہو جاؤں۔ مجھے بھی غلامی اور غلامانہ ذہنیت کو پروان چڑھانے والے فرسودہ تصورات سے نفرت ہو چکی ہے۔ ہمارے قومی مرض کا علاج مشرق کی سوچوں اور اسلام کے عظیم فلسفہ میں مضمر ہے۔ ہماری قوم بیمار ہے۔ اس کے افراد کی لاپرواہی نے انہیں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ آؤ مشرق کے باسیو! جاگ اُٹھو۔ خصوصاً اہلِ ایران اُٹھ پڑیں اور مشرق کی کمزور اور ناچار مسلم اقوام کے ساتھ مل کر عظیم تحریک کا حصّہ بن جائیں جو کفر' شرک' جہالت' گمراہی' غلامی اور استحصال کے خلاف ہو۔ اپنے فکری اسلحہ سے لیس ہو کر وہ کامیاب ہو سکتے ہیں ـــــ اور پھر حافظ کا شعر پڑھا ــ

اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ دوستان ریزد من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

(اگر غموں کا لشکر ہم پر چڑھ دوڑے اور ہمارا اور ہمارے احباب کا خون بہانا شروع کر دے تو میں اور ساقی آپس میں مل جائیں اور ایسی سوچوں اور غم و اندوہ کی بنیاد اُکھاڑ کے رکھ دیں۔)

اگر لیکچر کے اس حصّہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اقبال کے فکر کی روشنی میں ایک پڑھے لکھے اور دانشور محقق کے ذہن کی صحیح کیفیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی ہیجانی کیفیت

نے پوری ایرانی قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا اور پھر اس کے سامنے سامراج کے استعماری ہتھکنڈے بے سود ہو کر رہ گئے۔

صد سالہ علامہ اقبال کانفرنس لاہور (دسمبر ۱۹۷۷ء)

پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام علامہ اقبال کی صد سالہ سالگرہ کے باعث ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ یہ کانفرنس اُس وقت کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں منعقد ہوئی اور راقم الحروف کو اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اس کانفرنس کے فارسی مقالات کو خانہ فرہنگِ ایران لاہور نے ایک کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی تدوین جناب محیط طباطبائی نے فرمائی اور اس کا پیش لفظ تحریر فرمایا۔ کسی زمانہ میں جناب محیط طباطبائی سے علامہ اقبال کی خط و کتابت بھی رہی ہے اور موصوف کو علامہ اقبال کے اولین ایرانی پیرو کار اور مداح ہونے کا فخر حاصل رہا ہے۔ آپ نے اپنی یادداشتوں کا مختصر ساذکر بھی فرمایا ہے۔

اس مجموعہ کا مقدمہ جناب بہاء الدین اورنگ ڈائریکٹر خانہ فرہنگِ ایران لاہور نے لکھا ہے۔ موصوف ایک استاد تھے اور راقم الحروف سے آپ کی بے پناہ محبت اور عنایت رہی ہے۔ آپ نے علامہ اقبال کی ایرانی عوام میں مقبولیت اور شناسائی کے بارے میں اپنے ذاتی تجربات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اٹھائیس برس قبل ۱۹۴۹ء میں جب میں نے تدریس کا آغاز کیا تو ایک دن رشت (صوبہ گیلان کا صدر مقام) میں وہاں کے مرکزی کتاب خانہ (لائبریری) میں چلا گیا اور سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ پڑھ رہا تھا اور کسی حد تک باہر سڑک پر بارش کا نظارہ کر رہا تھا۔ اچانک ایک سفید ریش مہربان بزرگ جن سے برسوں کی شناسائی تھی' تشریف لائے اور اپنے ہاتھ میں ایک مجلہ پکڑے ہوئے میرے سامنے آ بیٹھے اور مجھے وہ مجلہ پڑھنے کے لئے دیتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ شعر پڑھئے اور بتایئے کہ آپ کیا سمجھے' آپ کو یہ ضرور متاثر کرے گا' مجھے تو یہ بہت دلکش محسوس ہوتا ہے' اس میں تحرک ہے' جنبش اور مسلسل پیکار کا درس ہے۔ اس بزرگ کے ایماء پر یہ شعر پڑھے ۔

ساحلِ افتادہ گفت گرچہ بسی زیستم ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج زخود رفتہ تیز خرامید و گفت ہستم اگر می روم ، گرنہ روم نیستم

(صدیوں سے موجود ساحل نے کہا کہ اگرچہ میں نے زندگی بتادی مگر آہ! یہ جان نہ سکا کہ میں کون ہوں۔ سمندر سے ایک لہر اٹھی اور تیز چلتی ہوئی اس سے مخاطب ہوئی کہ مجھے دیکھو! اگر چلوں تو ہوں اور اگر رُک جاؤں تو کچھ بھی نہیں۔)

وہ بزرگ تو چلے گئے مگر میں نے مجلّے میں شاعر کا نام دیکھا تو لکھا ہوا تھا "اقبال لاہوری" اور یہ میرا علامہ اقبال سے پہلا تعارف تھا۔ میں نے بچپن سے ہی بابا طاہر عریاں کی رباعیات پڑھی ہوئی تھیں۔ اقبال کی رباعیات ان سے وزن اور تاثر میں صدیوں کے فاصلہ کے باوجود ہم آہنگ تھیں۔ مجھے اقبال کی رباعیات نے بہت متاثر کیا۔ پھر آپ کا تمام کلام پڑھا اور دن بدن آپ کے کلام میں کھوتا چلا گیا۔

میری نظر میں آپ صحیح العقیدہ اور سچے مسلمان ہونے کے باعث ایمان کے اس درجہ پر فائز ہیں کہ تعصب، جمود اور تنگ نظری سے بالاتر ہیں۔ وہ مسلمانوں کے فکری جمود کو ختم کر کے ان میں ذہنی تبدیلی لانے کے لئے کوشاں ہیں اور مسلمانوں کو انسانِ کامل کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، ویسا ہی انسانِ کامل جس کی تلاش میں مولانا روم نے کہا تھا ؏ کزدام ودد ملولم وانسانم آرزوست، (میں چوپایوں اور درندوں سے تنگ آچکا ہوں اور مجھے انسان کی آرزو ہے) وہ مسلمانوں اور دنیائے اسلام میں انقلاب کے آرزو مند ہیں ہیں۔ آپ خود شناسی کا درس دیتے ہوئے ان تمام خامیوں کے خاتمہ کے آرزو مند ہیں جو فکری کمزوری اور خستگی کا باعث ہیں، مثلاً شکستہ نفسی، لاابالی کی کیفیت، بے کاری، مستی، جبر، گوشہ نشینی، خود فراموشی اور پستی اور شکست پیدا کرنے والے نظریات۔ آپ ایسے نظریات کو موت کا ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ ہمیشہ آپ کے کلام میں حرکت، جنبش، کوشش، قوت، تہور، علو ہمتی اور کامیابی و کامرانی کی تعریف کی گئی ہے۔ آپ اس آیت مبارکہ ﴿ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ کے مصداق زندگی کو جوش اور حرکت کی راہ پر چلاتے ہیں اور جوش و جذبہ سے فرماتے ہیں ؎

دریں دریا چو موجِ بے قرارم اگر بر خود نپیچم نیستم من

(میں اس سمندر میں ایک بے قرار لہر کی طرح ہوں' اگر اپنے آپ سے اُلجھ کر ایک حلقہ نہ بنالوں تو میں کچھ بھی نہیں۔)

یا یہ فرماتے ہیں کہ ؎ زندگی جہد است و استحقاق نیست (زندگی کوشش اور جہاد کا نام ہے اور یہ کسی کا استحقاق نہیں ہے) علامہ اقبال کی اہم ترین خدمت دین اسلام کی اہمیت کا اثبات ہے۔ آپ نے دین کے احیائے علوم میں سخت محنت کرکے اپنی مشہور کتاب الٰہیاتِ اسلامی کی تشکیلِ نو "Reconstruction of Religious thought in Islam" لکھ کر پانچویں صدی ہجری کے عظیم اسلامی مفکر امام محمد غزالی کی پیروی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاد ڈاکٹر علی شریعتی نے آپ کو غزالی ثانی کا خطاب دیا ہے۔

علامہ اقبال نہ تو پاکستانی نظر آتے ہیں نہ ہندی' نہ ایرانی اور نہ ہی ترک۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرح ان کا ملک اور رنگ و نسب سب کچھ ہی اسلام ہے۔ آپ وہ باخبر مسلمان ہیں جو مسلمانوں کی زبوں حالی پر پریشان اور غم زدہ ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم کے مرضِ مزمن اور مہلک بیماری کا علاج ہو سکے۔ آپ ان کو متحد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے دردمندانہ نغمات میں ایک بے ریا اور خالص دوا موجود ہے جو ان کے درد اور مرض کا تیر بہدف علاج ہے۔

اس اقتباس کے مطالعہ سے بھی انقلاب کا تاثر نمایاں ہے اور امر حیرت ہے کہ شاہی حکومت کے ایک کارندے کی زبان پر بھی جناب علی شریعتی کا نام جاری ہے اور اقبال کی فکر کی وہ چھاپ نمایاں ہے جس کی وضاحت خالص ایرانی اسلوب میں جناب علی شریعتی نے فرمائی تھی۔ راقم الحروف کو یاد ہے کہ جناب اورنگ کی کوششوں سے اس کانگرس کا ایک اجلاس خانہ فرہنگ ایران لاہور کے زیر اہتمام ہوا اور خانہ فرہنگ ایران لاہور علامہ اقبال کے نام سے موسوم ہوا۔ خانہ فرہنگ ایران نے علامہ اقبال کی بابت بے شمار مجلات اور کتب مہیا کرکے مفت تقسیم کیں۔ اس کانگرس کے موقع پر چھپنے والے کچھ مضامین (جو اس کتاب میں شامل ہیں) کے اقتباسات قارئین کی نذر کئے جا رہے ہیں۔

بلندئ شعرِ اقبال

یہ تقریر جناب ڈاکٹر جعفر محجوب کی تھی۔ آپ ان دنوں پاکستان میں ایران کے ثقافتی

کونسلر تھے۔ آپ تہران یونیورسٹی اور دانش سرائے عالی آموزش معلم میں فارسی کے پروفیسر تھے اور ملک الشعراء بہار کے شاگرد پروفیسر حسین خطیبی کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے۔ راقم الحروف پر آپ کی نظرِ عنایت تھی۔ آپ نے تہران جانے کے بعد دوبارہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور راقم الحروف کی آپ سے تہران میں کئی ملاقاتیں جذباتی ماحول میں ہوئیں۔ بعض نامساعد حالات کے باعث انقلاب کے بعد آپ کو پیرس جلاوطن ہونا پڑا۔ کئی برس قبل معلوم ہوا تھا کہ وہاں آپ عسرت و تنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے۔ آپ کی کتب "سبک خراسانی"، "تدوین دیوان ایرج مرزا" اور کچھ دیگر کتب کے مطالعہ سے اور آپ سے براہ راست کسبِ فیض سے آپ کی علمی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ راقم الحروف کو آپ کا لیکچر (جس کے اقتباسات درج ذیل ہیں) براہِ راست سننے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا :

"علامہ اقبال کی شہرت اور ہردلعزیزی کے علاوہ آپ کے خوابوں کی تعبیر کی سچائی (جن کے بارے میں آپ نے ایمان محکم اور اعتماد سے اشارے کئے ہیں) آپ کی وفات کے بعد واضح ہونا شروع ہوئی تھی۔ آج علامہ اقبال پاکستانی اہل ذوق اور اہل علم کے دلوں میں ہی نہیں بلکہ فارسی بولنے والے ہر مردِ مسلمان کی روح اور جان میں بس رہے ہیں۔ اس پر بھی مستزاد یہ کہ آپ اسلام کے ہر فدائی کے دل میں زندہ ہیں۔ اور یہ حالت صدیوں تک قائم رہے گی۔

ہیچ کس رازی کہ من گویم نگفت ۔ ہمچو فکرِ من دُرِ معنیٰ نہ سفت

(کسی بھی شخص نے وہ راز نہیں فاش کیا جسے میں نے بیان کیا ہے اور میری فکر کے مطابق کسی نے بھی معنی کے موتی نہیں پروئے۔)

سرِّ عیشِ جاودان خواہی بیا ۔ ہم زمین و آسمان خواہی بیا

(ابدی سکون کا راز چاہتا ہے تو آجا۔ زمین اور آسمان چاہتا ہے تو آجا۔)

پیرِ گردون با من این اسرار گفت ۔ از ندیمان رازہا نتوان نہفت

(بوڑھے آسمان نے مجھے یہ راز بتائے ہیں اور ایسے راز اپنے ہم محفل ندیموں سے تو چھپائے نہیں جاتے۔)

ملاحظہ فرمائیں کہ شوق و جستجو کی کس قدر قوت اور ایمان کی بے کراں طاقت کو لفظوں کے قالب میں ڈھال کر جان و دل کی دولت کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ آپ کے اشعار اس قدر بلند ہیں کہ مجھے یہ کہتے ہوئے ہرگز عار نہیں کہ آپ فردوسی' سنائی' عطار' رومی اور حافظ کے مرتبہ کے عظیم شاعر ہیں۔ اقبال کی یہ خصوصیت کیا کم ہے کہ آپ ان بزرگوں کی وفات کے طویل عرصہ بعد اس دنیا میں آئے اور تنہا ہی آسمان فکر و نظر پر پرواز فرماتے رہے ہیں۔ آپ نے اپنے زمانے کے مخصوص حالات اور مسائل کا حل پیش کیا ہے"۔

جناب استاد کے نپے تُلے الفاظ بھی انقلاب کی جانب اشارہ کرنے کو کافی تھے اور آپ کے خطاب سے یہ تو محسوس ہو تا ہی تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

زندگی و فلسفہ و نظریاتِ سیاسی انقلاب

یہ مقالہ جناب سید غلام رضا سعیدی کا تھا جو شاہ کے آخری ایام میں ایران کے اہم ادیبوں اور دانشوروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے مقالہ کے مطابق علامہ اقبال نے شاعری کو تفریح طبع کے لئے نہیں بلکہ عوام اور ملّتِ اسلامیہ کو وجدان عطا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ انہوں نے زندہ و جاوید اسلامی حقائق کی تشریح و تفسیر کو مقصدِ حیات بنایا تاکہ نور و ظلمت کے مابین ابدی جنگ میں روشنی کو پھیلایا جاسکے۔ اس مقابلہ میں آپ نے "خلافتِ الٰہی" کے موضوع پر بھی بحث فرمائی ہے۔ علامہ اقبال کے انسانی فطرت میں موجود عظیم ترین طاقت یعنی خودی کو علم و معرفت کی آمیزش سے ایک ایسی جہت عطا کی جا سکتی ہے جس کے مطابق فکر و عمل اور عقل و بصیرت کی راہیں متعین کی جاسکتی ہیں۔ خدا کا خلیفہ دراصل اس دنیا کی روح ہے۔ وہ خدا کا سایہ ہے اور تمام امور کے کلی اور جزوی اسرار کا رازدان ہے۔ وہ خدا کے فرمان کو اس زمین پر رائج کرتا ہے اور غیراللہ کی اطاعت کی بساط کو الٹ دیتا ہے۔ وہ ایک نئے جہان کی تعمیر کرتا ہے اس کے تصور اور ارادے سے دنیا میں نئے نقوش ابھرتے ہیں اور اقبال ایسی ہی شخصیت کو "مرد مومن" کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی انفرادیت اور ہمہ گیر شخصیت اسے خدا کا مقرب بنادیتی ہے۔

وہ جہان میں گم نہیں ہوتا ہے بلکہ جہان اس میں سما جاتا ہے۔ یہی مردِ کامل خدا سے اشتراکِ کار کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔ انسانِ کامل کی خصوصیات عشق، استقامت، صبر، صداقت، اطاعت، استعداد اور خلاقیت ہیں۔

اس کے بعد آپ "نظریاتِ سیاسی اقبال" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ۱۹۰۵ء (یورپ جانے سے پہلے) تک آپ وطنیت اور ہندوستان کی جغرافیائی وحدت اور خصائص سے متاثر نظر آتے ہیں لیکن ۱۹۰۸ء (وطن لوٹنے) کے بعد سے آپ وحدتِ عالمِ اسلامی کے داعی بن جاتے ہیں۔ اب آپ رنگ و نسل، طبقہ و قوم، قبیلہ اور معاشرتی حیثیت سے بالاتر ہو کر ملت اسلامی کے مسائل کا حل پیش فرماتے ہیں۔ آپ کے ہاں توحید سے مراد انسانی معاشرے کا معنوی اور روحانی اتحاد ہے اور مشترک روابط اس کی اصل بنیاد ہیں۔

ایک روحانی، اسلامی قیادت ہی توحید کی بنیاد پر ایک صحیح اجتماعی نظام قائم کر سکتی ہے۔ توحید ہی آئین کی بنیاد ہے اور ایک مشترک روحانی مرکز کا قیام بھی ضروری ہے۔ انہی بنیادوں پر کام کرتے ہوئے فطرت کی توانائیوں کی تسخیر سے اسلام کی لازوال شوکت و عظمت کا احیاء ممکن ہے جسے انحطاط اور زوال کے خطرات سے محفوظ رکھا جاسکے۔ آخر میں آپ امیر شکیب ارسلان کا ایک جملہ نقل فرماتے ہیں جس کے مطابق "ان ہزار برسوں میں عالم اسلام میں اقبال کے پائے کا کوئی عظیم اسلامی مفکر پیدا نہیں ہو سکا۔"

اسی کتاب میں آپ کا مقالہ "روحِ فرہنگِ اسلام" یعنی "اسلامی ثقافت کی روح" بھی موجود ہے جس کے بارے میں مزید بحث یہاں اختصار کے باعث کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔

غرب و شرق در اشعارِ اقبال

یہ مقالہ جناب فریدون بدرہ ای کا ہے۔ اس کے مطابق ہمارے صوفیاء کے ہاں خصوصاً مولانا روم کی زبان میں مغرب سے مراد تاریکی اور ظلمت اور غروب آفتاب کی سرزمین ہے اور مشرق سے مراد روشنی اور طلوع آفتاب اور مرکزِ اشراق و انوار ہے؛

لیکن علامہ اقبال کے ہاں مغرب سے مراد یورپ ہے جہاں انسان ہی قوت اور طاقت کا منبع ہے اور وہی صاحبِ ارادہ و مختار ہے لیکن مشرقی افکار کا سرچشمہ اسلام ہے اور اس کے مطابق انسان اشرف المخلوقات اور تمام موجودات کا نقطۂ اختتام ہے۔ تمام عالم وجود جو افلاک و عناصر پر محیط ہے اور اس کی علوی اور سفلی جہتیں انسان کی تخلیق کا پیش خیمہ ہیں' لیکن انسان کے تمام تر احترام کا سرچشمہ انسان کا خالق حقیقی سے رابطہ ہے اور اسی تعلق کی بنیاد پر زندگی 'وجود' تاریخ اور تمدن کی اہمیت ہے اور یہی جو ہر انسان کو دنیا میں خدا کا خلیفہ بنانے میں مددگار و معاون ثابت ہوتا ہے۔

غربیاں را زیرکی سازِ حیات — شرقیاں را عشق رازِ کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس — کارِ عشق از زیرکی محکم اساس
شعلۂ افرنگیاں نم خوردہ ایست — چشم شان صاحب نظر دل مردہ ایست!
زخمہا خوردند از شمشیرِ خویش — بسمل افتادند، چون نخچیرِ خویش!
سوز و مستی را مجو از تاکِ شاں — عصرِ دیگر نیست در افلاکِ شاں!
زندگی را سوز و ساز از نارِ تُست — عالمِ نو آفریدن کارِ تُست

(اہل مغرب کے ہاں زندگی کے ساز و سامان کی اساس عقل ہے لیکن اہل مشرق کا عشق کائنات کے سربستہ راز افشاء کرنے کی خصوصیت کا حامل ہے۔ عقل اگر کبھی حق کو پہچانتی بھی ہے تو عشق کے باعث۔ اور عشق کی بنیاد بھی کبھی کبھار عقل سے مستحکم ہوتی ہے۔ اہل یورپ کا شعلہ ٹھنڈا ہو چکا ہے اگرچہ ان کی آنکھ روشن ہے لیکن دل مردہ ہے۔ وہ اپنی ہی تلوار سے زخم خوردہ ہیں اور شدید زخمی ہو کر اپنا ہی شکار ہو چکے ہیں۔ ان کے شراب میں نہ تو سوز و مستی ہے اور نہ ہی ان کے آسمانوں سے نئے جہان دریافت ہو سکتے ہیں۔ اے اہل مشرق! زندگی کا سوز و ساز تمہاری آگ اور گرمی کا مرہون منت ہے اور نئے جہانوں کی بنیاد رکھنا تمہارا ہی کام ہے۔)

علامہ اقبال نے اہل مشرق کو جو فخر عطا کیا ہے اس نے اہل مشرق کو ایک اعتماد اور جرأت و عمل کی راہوں کا ذوق عطا کیا ہے اور انہیں مغرب کے چنگل سے رہائی کی راہ دکھائی ہے۔

پیامِ اقبال (مشرق کا عظیم مفکر)

یہ مقالہ جناب احمد احمدی بیرجندی (مشہد) کا تھا۔ آپ کے مقالہ کے مطابق علامہ

اقبال کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ایک عظیم تحقیقی اور اجتہادی کاوش ہے اور آپ کی سرزمین ایران اور وہاں کے افکار سے محبت کا مظہر ہے۔ اس مقالہ میں علامہ تحریر فرماتے ہیں کہ "ایران کے عوام کا سب سے اہم فکری اور روحانی امتیاز فلسفیانہ تصورات میں ان کی دلچسپی ہے"۔ آپ نے اپنی ہم مذہب مشرقی اقوام کو خطاب کیا ہے اور انہیں بیداری کا پیغام دیا ہے۔ آپ کے نظریات کے مطابق آزادی انسان کا حق ہے اور وہ اسی ماحول میں زندہ رہ سکتا ہے جس میں اسے کسی کی غلامی پر مجبور نہ کیا جائے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ سے دلی عقیدت تھی۔ آپ کو ملتِ ایران اور فارسی زبان سے مضبوط تعلق تھا۔ آپ نے جمال الدین افغانی" کی طرح مسلمان اقوام کو استعماری اور سامراجی نوآبادیاتی نظام کے شکنجے سے آزاد کروانے کی جنگ لڑی اور وحدت عالم اسلامی کی راہ ہموار فرمادی۔ آپ نے اسلام کے ابدی مساوات کے اصولوں کا درس دیا۔ علامہ اقبال نے مشرق کے مظلوم عوام کو امید اور جرأت عطا کی :

نشود نصیب جانت کہ دمے قرار گیرد　　تب و تابِ زندگانی بتو آشکار بادا

(خدا کرے کہ تیری جان کو ایک لمحے کا سکون بھی نصیب نہ ہو اور زندگی کے تب و تاب کا راز تم پر آشکار ہو جائے۔)

تپش است زندگانی، تپش است جاودانی　　ہمہ ذرہ ہاے خاکم دلِ بے قرار بادا

(تڑپنے کا نام ہی زندگی ہے اور تڑپ ہی حیات جاوید کا راز ہے۔ خدا کرے کہ میری مٹی کے ہر ذرے کو بے قرار دل کی صورت عطا ہو جائے۔)

آج ہم اس مقام پر اور اس جگہ (یعنی مشہد) پر اقبال کی یاد میں اپنی آواز بلند کر رہے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ ہمارے ہم وطن ایرانی جہاں بھی ہوں اقبال کی آتش نغمات پر توجہ مبذول کر دیں اور آپ کے اشعار کی آگ سے اپنی جانوں میں روشنی اور گرمی پیدا کریں۔ ہم اس دن کی امید میں جی رہے ہیں جب ایرانی قوم اقبال کے شعر و فکر سے صحیح معنوں میں آشنا ہو سکے گی۔ (یاد رہے کہ یہ پیغام انقلاب سے ایک دو برس قبل کا ہے)

اس کے علاوہ اس مجموعے میں دیگر مضامین کی بھی بھرمار ہے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ انقلاب سے قبل ایران میں سرکاری سطح پر بھی علامہ اقبال کے

بارے میں کام ہو رہا تھا اور تمام دانشور اور ادباء آپ کے کلام کی روح سے آشنا ہو چکے تھے اور آپ کا پیغام علمی محفلوں میں عام ہو رہا تھا۔ جناب فضل اللہ رضا (جو اُن دنوں شاہی ایران کے یونیسکو میں مستقل مندوب تھے اور اقبال شناسی میں بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے) کی کتاب "محمد اقبال" ہمارے ہاتھوں میں ہے جو موصوف نے پیرس میں تحریر فرمائی تھی اور تہران سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں علامہ اقبال کے حالات زندگی کے علاوہ آپ کے مختلف فکری پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک اہم باب بُت شکنی پر ہے' ایک آپ کی اسلامی فکر کے بارے میں ہے اور آخری باب کا عنوان ہے "آزادی و وارستگی"۔ اس باب میں مؤلف رقمطراز ہیں کہ جن لوگوں نے علامہ اقبال کو اس دور کا اہم ترین اسلامی مفکر قرار دیا ہے انہوں نے کسی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ ان کی سب سے اہم چیز جو قارئین کے دلوں کو موہ لیتی ہے وہ سادگی اور آزادگی ہے۔ وہ ایک ایسے درویش اور عظیم صوفی منش انسان تھے جو زر و دولت اور مال و جاہ کی آرزو سے مبرا تھے۔ وہ ایک سادہ سے گھر میں چند کتابوں اور سوچوں کی دنیا کے ہمراہ زندگی گزار رہے تھے۔ وہ زیادہ سوچتے اور پڑھتے تھے اور کم لکھتے تھے۔ آخری لمحاتِ زندگی میں بھی فارسی شعر کہہ کر انہوں نے خود کو نظریاتی اعتبار سے ایک ایرانی فلسفی اور شاعر ثابت کر دیا۔ آپ کا اصل سرمایہ آپ کا تقویٰ تھا۔ آپ نے ایک شکست خوردہ اور مضمحل انسان کی طرح مغرب کی چکا چوند کرنے والی روشن تہذیب کے سامنے نہ ہی احساسِ ندامت کا اظہار کیا اور نہ ہی خود کو بے مایہ اور حقیر تصور کیا۔ آپ ایک دلیر شاعر تھے جنھوں نے عوام کو حرکت اور جرأت کا راستہ دکھایا اور نئے جہان کی تلاش میں سرگرم کیا۔ آپ نے ثابت کیا کہ مغربی تہذیب اور ہوسِ مال و زر زندگی کا مقصد نہیں۔ آپ نے اسلام کے تہورانہ پہلوؤں کی نشاندہی اس انداز میں کی کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور کے مجاہدین کی تلوار کے ٹکرانے کی آوازیں اور چکاچوند چمک ان کے سامنے تھی۔ میری زندگی کی یہ آرزو رہی کہ آپ کے نظریات اور افکار کو ایران میں روشناس کروا سکوں تاکہ آزادی کا درس اور اسلامی ثقافت کے نقوش اس غیور ملت کے سامنے واضح ہو سکیں۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند
(میں نے یہ آہیں اس لئے بھریں اور اپنا نالہ بلند کیا کہ تو بیدار ہو سکے ورنہ عشق تو
ایسا کام ہے کہ آہ و فغان کے بغیر بھی ممکن ہے۔)

انقلاب کی آمد آمد

اب انقلاب کی آمد آمد تھی۔ اقبال کا کلام مصدق جیسے محب وطن کی آواز میں عوام کے دل کی دھڑکن بن چکا تھا۔ بہار، خلیلی اور جعفر محجوب جیسے ادباء اور اساتذہ کے توسط سے آپ کا پیغام اہل علم و ادب و شعر کی محفلوں میں گونج رہا تھا، صادق سرمد جیسے عظیم قومی شاعر کی زبان سے ادا ہو کر عوامی شاعری میں سرایت کر چکا تھا، احمد سروش جیسے عوامی افراد کی زبان پر آپ کا کلام جاری و ساری ہو کر لوگوں کے لبوں پر موجود تھا۔ اسی طرح حکومت، حزب مخالف، نوجوانوں کے گروہوں اور اخبارات و مجلات میں اقبال کا کلام اپنے اثرات کے ہمراہ پورے طمطراق کے ساتھ موجود تھا۔ جناب علی شریعتی کے خطبات کی گرمی اور چاشنی اقبال کے شعر و فکر پر قائم تھی اور اقبال کے انقلابی نغمات ہر طرف گونج رہے تھے۔ راقم الحروف کو کئی نوجوانوں نے بتایا کہ ہم لوگ ایک عرصہ تک تو علامہ اقبال کو ایران کا فرزند ہی سمجھتے رہے ہیں اور ہمیں صرف اقبال لاہوری کے نام میں لاہور کے لفظ پر تعجب ہوتا تھا۔ اور کچھ نوجوان تو واقعی لاہور کو بھی ایران کے نقشے میں تلاش کرنے کی کوشش میں مگن تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ علامہ اقبال قیود زمان و مکان سے آزاد تھے، آپ استبداد، شخصی بادشاہت کے فرعونی نظام اور استحصال کے دشمن تھے۔ آپ روشنیوں کے امین تھے اور یہ روشنی ملت ایران کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ واقعی اس خستہ حال اور دبی ہوئی قوم کو ایک روشنی، گرمی، حرارت اور نغمے کی ضرورت تھی۔

باضعیفان گاہ نیروی پلنگان می دہند شعلۂ شاید برون آید زفانوس حباب!
انقلاب! انقلاب! ای انقلاب!
(کبھی کبھی کمزوروں کو شیروں کی طاقت عطا ہو جاتی ہے اور بلبلوں کے فانوس سے
شعلے اٹھنے لگ جاتے ہیں۔ انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!)

دراصل علامہ اقبال کے کلام کی ایران میں ترویج اور اشاعت ہمیں مشیت ایزدی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایران میں شاہی ادوار میں اس طرح کے انقلابی خیالات کا اظہار قطعی طور پر ناممکن تھا اور اگر یہی خیالات کسی ایرانی مفکر نے پیش کئے ہوتے تو اسے یا تو ختم کروا دیا جاتا یا اس کی کتب کو تلف کروا دیا جاتا۔ علامہ اقبال ایران سے باہر لاہور میں اپنے کلام و افکار کو مرتب فرماتے رہے اور جب یہ ایران پہنچنا شروع ہوئے تو ساوک اور شاہ کے کارندوں نے شروع شروع میں اسے کسی ہندی یا پاکستانی شاعر کی عاشقانہ غزلیات اور نغمات سمجھ کر ان سے تعرض کیا۔ پھر پاکستان کی جانب سے سرکاری طور پر بھی فکر اقبال کی ترویج ہوئی۔ ایران میں روشن فکر علماء اور نوجوانوں نے آہستہ آہستہ اس فکر میں انقلاب کی روشنی دیکھنا شروع کی اور انہیں ذہن و قلب کے دریچے کھلتے ہوئے نظر آنا شروع ہوئے۔ کیونسٹوں نے فکر اقبال کو اپنے زاویہ نگاہ سے لینا شروع کیا اور خالص خانقاہی اور مذہبی حلقوں کو اس میں اپنی مرضی کا مواد ملنا شروع ہوا۔ اسی طرح ڈاکٹر شریعتی جیسے دانشوروں کو اپنے افکار کی وضاحت کے لئے ایک سرچشمہ فکر عطا ہو گیا۔ پھر فکر اقبال کے وہ پہلو بھی واضح ہونا شروع ہوئے جو برصغیر کے مفکرین اور شارحین اقبال کی نگاہوں سے ابھی تک اوجھل رہے تھے۔ سرکاری سطح پر بھی مسلسل کلامِ اقبال کی اشاعت ہوتی رہی۔

ایک چیز جو ہمیں متاثر کرتی ہے وہ یہ کہ جب علامہ اقبال شعر کہتے ہیں تو ہمیں خالصتاً ایرانی شخصیت نظر آتے ہیں۔ بقول سروش عرفانی اگر ہم تناسخ روح کے قائل ہوتے تو ہم کسی ایرانی شاعر یا مفکر کا دوسرا جنم اقبال کی صورت میں دیکھ سکتے تھے۔ لیکن چونکہ ہم ان کافرانہ نظریات کے منکر ہیں اس لئے ہمیں کہتے ہوئے عار محسوس نہیں ہوتی کہ علامہ اقبال الہامی کیفیت میں شعر کہتے تھے اور الہام کی حالت میں آپ خود کو ایران میں محسوس فرماتے:

من از بود و نبود خود خموشم　　اگر گویم کہ ہستم خود پرستم
ولیکن این نوای سادۂ کیست　　کسی در سینہ می گوید کہ ہستم

(میں اپنے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ اگر کہوں کہ

میرا وجود ہے تو مجھ پر خود پرستی کا الزام آ جائے گا' لیکن یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ سادہ سی آواز جو میرے اندر سے اٹھ رہی ہے وہ کس کی ہے۔ کوئی نہ کوئی میرے سینے میں موجود ضرور ہے جو یہ کہہ رہا ہے کہ میں ہوں اور موجود ہوں۔)

یہاں پر ہمیں منوچہر طالقانی کے چند شعر بیان کرنے میں کوئی قباحت دکھائی نہیں دیتی۔

من عارفی و عالمی و سائسی بزرگ چون حضرتش به عرصه دوران ندیده ام

(میں نے حضرت اقبال کے پائے کا کوئی شخص اس دور میں اس قدر عظیم عارف' عالم اور سیاستدان نہیں دیکھا ہے۔)

بیشک به دورِ فتنه عصرِ روان ازو آگه تری به مسلک قرآن ندیده ام

(بلاشک و تردید اس موجود دور کے فتنہ و آشوب میں آپ سے بڑھ کر مسلک قرآن کا رازدان مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔)

شعری که شاعرش نبود پارسی زبان اینساں روان چوں چشمہ حیواں ندیده ام

(ایک ایسے شاعر کا فارسی شعر میں نے آب حیات کے چشمہ کی طرح رواں کبھی نہیں دیکھا جس کی مادری زبان فارسی نہ ہو۔)

اسی طرح ہم جناب علی صدارت نسیم کے چند اشعار یہاں پیش کرتے ہیں۔

شاہبازی که زیرِ شہپرِ او باختر تا به خاوران دیدم

(اقبال وہ شاہین ہیں جن کے پروں تک مشرق سے مغرب تک کی سرزمین ہے۔)

زیرِ هر بیتی از سفینه ء او ژرف دریای بیکران دیدم

(آپ کے کلام کے ہر شعر کی گہرائی میں مجھے ایک بیکران اور گہرا سمندر نظر آتا ہے۔)

فرخا کاروانِ نهضتِ شرق که در امیرِ کاروان دیدم

(مشرق کی تحریک آزادی و حریت کا کاروان مبارک ہو جس کا میر کارواں مجھے اقبال کی صورت میں نظر آتا ہے۔)

دودمانی است خاور و او را سرو سالارِ دودمان دیدم

(مشرق ایک خاندان ہے اور آپ اس خاندان کے سربراہ اور سالار ہیں۔)

مجدِ اسلام و رستگاریِ شرق در جهان اینش آرمان دیدم

(آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ اس جہان میں اسلام کا احیاء ہو اور اس کی عظمت کا

دور دورہ ہو کر مشرق غلامی اور استبداد کے شکنجوں سے نجات پاسکے۔)

شرق را از زو صلای استقلال رستخیزی بپا از آن دیدم

(آپ نے مشرق کو آزادی کا جو درس دیا تھا اس کے باعث ایک قیادت برپا ہو چکی ہے۔

خاک لاہور را بہ اقبالش بر مہ و ہور سرگران دیدم

(آپ کے بلند اقبال کے باعث لاہور کی خاک بھی چاند اور سورج سے زیادہ عظیم ہو چکی ہے۔)

اسی طرح انقلاب سے ذرا پہلے جناب کاظم رجوی نے اقبال کو بہترین الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

گاہ با تجدیدِ افکارِ مسلمانی کند چشم گیتی خیرہ از اسلام و از اعمالِ اُو

(آپ کبھی تو اسلام کے افکار کی تجدید کر کے دنیا کی آنکھ کو اسلام اور اس کے عقائد و اعمال کی روشنی سے خیرہ کر دیتے ہیں۔)

می ستاید از دل و جان' دینِ حقِ مصطفیٰ می سپارد راہِ نیک مرتضیٰ و آلِ اُو

(آپ دل و جان سے رسول اللہ ﷺ کے دین کی تعریف و تمجید میں رطب اللسان ہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی آل کی پُر خطر راہوں کے مسافر بن کر میدانِ عمل میں نکل آتے ہیں۔)

روحِ او ایرانی است و گفتہ ہایش پارسی است فیض ہا در یافتہ از چشمۂ سیالِ اُو

(آپ کی روح ایرانی ہے اور آپ کا کلام فارسی ہے' اسی لئے ہماری ملت ان کے چشمہ ذلال سے سیراب ہو رہی ہے۔)

مولوی وسعدی و حافظ تجلی کردہ اند درہمہ افکار و در آمال و در امیالِ اُو

(آپ کے تمام افکار' آرزوؤں اور جذبات میں مولانا رومؒ' شیخ سعدی شیرازیؒ اور حافظ شیرازیؒ کی تجلیات عود کر آتی ہیں۔)

حکمتِ یزدانی ایران زمین چون مطلعی است کز ہمانجا شد فروزان اخترِ اقبالِ اُو

(ایران کی اسلامی اور خدائی حکمت ایک مطلع کی طرح ہے' جہاں سے علامہ اقبال جیسا چمکتا ہوا ستارہ طلوع ہوا ہے۔)

مندرجہ بالا اشعار کے مطالعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کی وفات کے

چالیس برس بعد (۱۹۷۸ء کے لگ بھگ) آپ کی ایرانی روح ایران میں جلوہ گر ہو چکی تھی اور آپ کا کلام ہر جگہ پہنچ چکا تھا۔ یہاں ایک دلچسپ واقعے کا ذکر دلچسپی کا باعث ہو گا۔ راقم الحروف کو ایران جانے سے قبل جناب عرفانی مرحوم نے بتایا ہوا تھا کہ ایرانی قوم میں بہائیت کے خلاف جو جذبات موجود ہیں ان کے باعث وہاں طاہرہ قرۃ العین (ایک مشہور بابی شاعرہ) کا ذکر مناسب نہیں ہو گا۔ ہرچند کہ ایران میں طاہرہ کے اشعار کو چھپنے نہیں دیا گیا لیکن مشہور بہائی مصنفہ مارتھا روٹ (امریکی خاتون) نے اس صدی کے آغاز میں چپکے سے ایران اور ہندوستان کا سفر کیا تھا اور اپنے قزوین میں قیام کے دوران اس کے ہاتھ طاہرہ کی کچھ غزلیات بھی لگی تھیں جنہیں اس نے اپنی انگریزی کتاب "طاہرہ" کے اختتام پر شامل کیا ہے۔ وہ لکھتی ہے کہ بمبئی میں اس کی ملاقات سروجنی نائیڈو سے ہوئی اور سروجنی نائیڈو نے اس سے طاہرہ کی غزلیات کو نقل کرنے کی اجازت طلب کی جو موصوفہ نے مشہور فارسی شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال کی خدمت میں پیش کرنا تھیں۔ یہ غزلیات علامہ تک پہنچیں تو آپ نے طاہرہ کی بے چین روح کا ذکر کرتے ہوئے اس کی مشہور غزل نقل کی جس کا مطلع ہے ؎

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ روبہ رو　　　شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بمو

(اگر میری نظر تجھ پر اس طرح پڑے کہ میں تیرے روبہ رو ہوں اور تیرے چہرے کے سامنے میرا چہرہ ہو تو میں تمہیں اپنے غم کی بابت اس طرح شرح و بسط سے بیان کروں کہ تمام نکات اور رموز واضح ہو جائیں۔)

اس مقام پر اقبال نے اسے غالب اور حلاج کے ہمراہ ایک ایسی روح قرار دیا ہے جسے جنت تو نصیب نہ ہوئی لیکن حیاتِ جاودان حاصل ہو گئی۔ یہ ذکر آپ نے جاوید نامہ میں کیا ہے۔ راقم الحروف نے مقدور بھر اس کا ذکر کرنے سے تعرض کیا۔

انہی دنوں (۱۹۷۸ء میں) حیدر آباد سندھ کے مشہور فارسی کے پروفیسر جناب حضور احمد سلیم بھی تہران کا دورہ فرما رہے تھے اور ہم اکٹھے ہی کتابخانہ ملی (قومی لائبریری) پہنچے جہاں ہماری راہنمائی عبداللہ مظاہری (سابق کلچرل کونسلر ایران در اسلام آباد) نے فرمائی۔ یہ ایک عظیم ترین کتاب خانہ ہے جہاں قلمی نسخوں اور نادر کتب کے انبار موجود

ہیں۔ یہاں ہماری ملاقات ایران کے مشہور فلسفی جناب عبداللہ انوار مشکوٰۃ سے ہوئی جن سے جناب عبداللہ آرین پور نے علامہ اقبال کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے فارسی ترجمہ میں مدولی تھی۔ ان کے سامنے پروفیسر حضور احمد سلیم نے طاہرہ کا ذکر کر دیا اور اس کی جاوید نامہ میں موجود تغزل کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ جناب انوار مشکوٰۃ تو غصّے سے آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے ہاں اقبال نے اس کافرہ کی تعریف کی ہے اور اس بابی عورت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس موقع پر کتاب خانہ میں موجود بہت سے اسکالر شور سن کر جمع ہو گئے۔ جناب مشکوٰۃ نے اقبال کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ آخر میں آپ نے یہ کہا ہے کہ ایرانی قوم اب مایوسی کا شکار ہو کر بہائیت کی جانب مائل ہو رہی ہے اور یہ کہ اقبال ایک عظیم شاعر ضرور تھے مگر فلسفی ہرگز نہیں تھے۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ حاضرین سیخ پا ہو رہے ہیں اور بالآخر ضبط کا بندھن ٹوٹا تو نوجوان اسکالرز نے جناب مشکوٰۃ کو خاموش کروا دیا اور کہا کہ آپ اقبال لاہوری کی شان میں گستاخی سے باز رہیں اور عظیم شاعر مشرق کے بارے میں زبان مت کھولیں۔ اس پر ناچیز نے ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۰۸ء کے ایران کے حالات اور قاچاری دور کے آخر کی سیاسی اور سماجی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے اس مایوسی کی جانب توجہ دلائی جس دور میں جرمنی اور انگلستان میں بیٹھ کر اقبال فکر ایرانی کے احیاء کی بات کر رہے تھے اور پھر اقبال کے وہ شعر سنائے جو انہوں نے بہاء اللہ کی نبوت کی مخالفت میں کہے ہیں اور کہا کہ آپ نے تو طاہرہ کی بے چین روح کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس کی بے چین روح غلامی اور گھٹن کے دور میں ایک احتجاجی صدا کی صورت میں ابھری اور پھر موت کا گھونٹ پی لیا لیکن اپنی آواز کو دبا نہ سکی۔ ہم اس کے افکار پر نہیں بلکہ اس کے اس فعل پر بحث کرتے ہیں جو غلامی کے خلاف ایک آن کی لہر کی صورت میں جلوہ گر ہوئی تھی، جس نے ایک عظیم طوفان کی صورت اختیار کر کے بادشاہت کے وجود کے لئے ایک خطرناک چیلنج کی صورت اختیار کر لی تھی۔ تاہم ان سب پہلوؤں کے باوجود اقبال نے نہ تو اس کے مذہبی نظریات سے اتفاق کیا ہے اور نہ ہی اس کی تعریف کی ہے۔ ناچیز کے اس بیان کی حمایت تمام حاضرین نے کی، خصوصاً جب انہیں بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور کے ایران کے حالات کی منظر کشی کی

گئی۔ اس موقع پر اقبال کے پیغام سے والہانہ عقیدت کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔

اگلے دن دانش گاہ آموزش معلم میں جناب پروفیسر جعفر محجوب سے ملاقات ہوئی اور آپ سے گزشتہ روز کے واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے گفتگو کی اور شکایت کی کہ آپ کے لاہور میں دیئے گئے دسمبر ۱۹۷۷ء کے لیکچر (بلندیٔ شعر اقبال) کے برعکس جناب مشکوٰۃ کے خیالات سن کر دکھ ہوا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ایک فرد واحد کی رائے تو ہو سکتی ہے' خصوصاً جب ایک دم وہ بہائیت یا بابیت کے بارے میں کہے گئے کسی بھی جملے سے وقتی طور پر مشتعل ہو گیا ہو' اسے آپ ملت ایران کی رائے قرار نہیں دے سکتے' کیونکہ ملت ایران کی وہی رائے ہے جس کا اظہار میں نے لاہور میں کیا تھا۔ اور پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا پاکستان میں ایک بھی ایسا شخص نہیں جو علامہ اقبال کے افکار کے تصورات کی تضحیک کا مرتکب نہ ہوتا ہو تو ناچیز کا جواب تھا کہ ایسے کچھ لوگ تو ہیں۔ اس پر موصوف نے فرمایا کہ ایران میں ایسے لوگ اور بھی کم ہوں گے اور پھر فکر اقبال کے ایران پر موجود اثرات کے بارے میں مزید وضاحت کی۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جناب پروفیسر جعفر محجوب' جناب محمد حسین خطیبی کے شاگرد تھے جو ملک الشعراء محمد تقی بہار کے شاگرد اور جانشین تھے اور یہ گروہ شروع سے ہی علامہ اقبال کا مداح اور مؤید تھا اور بہار کے ہاں تو رسول اللہ ﷺ کے چاروں اصحاب (خلفائے راشدین) کی تعریف میں شعر ملتے ہیں۔ اور آپ شیعیت صفوی کے اہم ترین ناقدین میں شمار ہوتے تھے اس لئے اس مکتبہ فکر کی علامہ اقبال سے محبت اور لازوال عقیدت کی تو بات ہی اور تھی۔

اس ایک انفرادی واقعہ کے علاوہ ایران کے طول و عرض میں حضرت اقبال سے ایرانی قوم کے جوانوں' مفکرین' شعراء' صحافی حضرات اور صاحبانِ اقتدار کے حلقوں میں یکساں طور پر علامہ اقبال سے عقیدت کا ثبوت ملتا تھا لیکن علامہ کی انقلابی روح ایک آتش مواج کی طرح ایرانی قوم کی نئی جہتوں کا تعین کر رہی تھی۔

(جاری ہے)

افکار و آراء

جناب چیف ایگزیکٹو آف اسلامی جمہوریہ پاکستان ' پرویز مشرف صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں آپ سے اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہ معرکہ کارگل سے قوم کا مورال اتنا بلند ہوا تھا کہ اب مکار دشمن ہندو کی گردن دبوچ لی گئی ہے' اس کی چار پانچ لاکھ فوج مفلوج ہو جائے گی اور سیاچن کا مسئلہ خود بخود اپنی موت مرجائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے سانحہ اعلانِ واشنگٹن نے قوم کو انتہائی مایوس کر دیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پاکستان مکار دشمنوں امریکی' ہندو و یہودی سازش کا نشانہ (خدا نہ کرے) بننے والا ہے۔ لیکن ۱۲/اکتوبر کی فوجی کارروائی سے ملک ایک بار پھر بربادی کے گڑھے میں گرنے سے بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ زندگی عطا کی ہے' ورنہ آپ دوسرے دو سو مسافروں سمیت موت اور زندگی سے صرف سات منٹ کے فاصلے پر تھے۔ اس سے پہلے بھی چونڈہ کے محاذ پر آپ شدید زخمی ہوئے۔ ایک سپاہی نے آپ کو ہسپتال پہنچایا جس کا اعتراف آپ نے کیا تھا کہ اگر وہ سپاہی مجھے نہ لاتا تو آج میں زندہ نہ ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ضرور کوئی کام لینا ہے۔ میری اپنی ایک سوچ ہے' مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی تقدیر کوئی (سیاست دان نہیں) جرنیل ہی بدلے گا۔ شاید یہ جرنیل آپ ہی ہوں۔

جناب جنرل صاحب! اب مملکت خداداد پاکستان کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد کی ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق قیامت سے پہلے دین اسلام کو پورے کرۂ ارض پر غالب ہونا ہے۔ جس کی ابتداء پاکستان اور افغانستان (علاقہ خراسان کا ذکر ہے) ہو گی۔ جناب میں اپنے اظہار کو طویل نہیں کرنا چاہتا۔ مختصر یہ کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اسلام کے نام پر ہی قائم رہ سکے گا۔ کوئی اور فلسفہ (امپیریل ازم' کمیونزم' فیوڈل ازم' سرمایہ داری نظام یا سودی نظام) اسے قائم نہیں رکھ سکتا۔ اللہ کا نام لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ادھورے چھوڑے ہوئے مشن کا پاکستان سے آغاز کریں۔ ان شاء اللہ خدا آپ کے ساتھ ہو گا۔

آپ کا دعاگو

رانا منیر احمد

گلشن دادن خان مری روڈ

راولپنڈی

اشاریہ ماہنامہ "میثاق"

جنوری ۱۹۹۸ء تا دسمبر ۱۹۹۹ء (جلد ۴۷، ۴۸)

مرتّب : انور کمال میو

○

فرائضِ دینی، اسلامی انقلاب اور نظامِ خلافت

منہج انقلابِ نبویؐ

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار

محمد صالح المنجد / مترجم : عطاء اللہ ساجد

سیرت وسوانح

اسرار احمد، ڈاکٹر

حقیقت و حکمتِ دین

تذکیر و موعظت

اسلامی نظامِ حیات

دعوت و تحریک

توضیحات و تنقیحات

اُمّتِ مسلمہ کی عمر

فکرِ عجم

گوشۂ خواتین

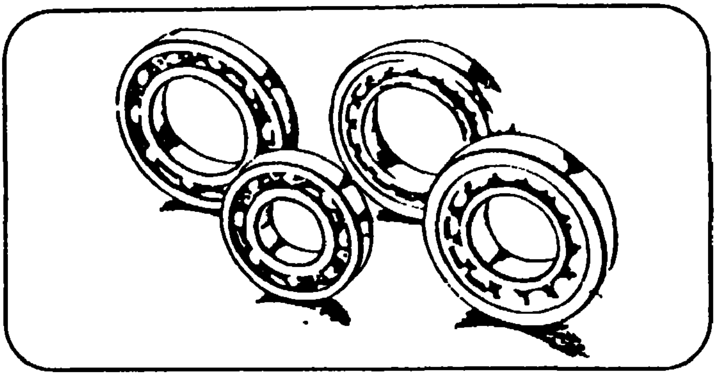
افکار و آراء / خطوط و نکات

ملکی و ملّی اور سیاسی امور

متفرقات

عرض احوال

میثاق کے ادارتی صفحات پر بالعموم حافظ عاکف سعید صاحب کی تحریر "عرض احوال" کے عنوان سے شائع ہوتی رہی ہے۔ مئی ۱۹۹۸ء اور جنوری ۱۹۹۹ء کے شمارے میں حافظ خالد محمود خضر کی ادارتی تحریریں شائع ہوئیں۔



MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 12
Dec. 1999

